

اُردو زبان میں پہلی بار سیرتِ نبوی ﷺ کے موضوع پر ردیف وار معلومات

انسائیکلوپیڈیا سیرتُ النبی ﷺ

سرورِ دو جہاں، رحمتِ کون و مکاں
خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حیاتِ مبارکہ پر مستند اور مفصل معلومات
علمِ حدیث پر پُرمغز تحریرات
انبیاءِ کرام، صحابہؓ کرام، محدثینِ عظام کے سوانحی حالات
ایک ہزار کے قریب عنوانات حروفِ تہجی کی ترتیب میں
جس کی وجہ سے مضمون تلاش کرنا نہایت آسان

مرتّبہ: سیّد عرفان احمد

زمزم پبلشرز

اردو زبان میں پہلی بار سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ردیف وار معلومات

انسائیکلوپیڈیا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سرورِ دو جہاں، رحمت کون و مکاں
خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حیاتِ مبارکہ پر مستند اور مفصل معلومات
علمِ حدیث پر پُرمغز تحریرات
انبیاءِ کرام، صحابہ کرام، محدثینِ عظام کے سوانحی حالات
ایک ہزار کے قریب عنوانات حروفِ تہجی کی ترتیب میں
جس کی وجہ سے مضمون تلاش کرنا نہایت آسان

مرتبہ:
سید عرفان احمد

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی
فون ۲۷۲۵۶۷۳

کتاب کا نام ــــــ سیرت النبی ﷺ (انسائیکلوپیڈیا)

تاریخ اشاعت ــــ اکتوبر ۲۰۰۵ء

باہتمام ــــــ احباب زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ــــــ فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

سرورق ــــــ احباب زمزم پبلشرز

مطبع ــــــ

ناشر ــــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374 - 021-2725673

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AL-FAROOQ INTERNATIONAL
36,Rolleston Street Leicestor
LE5-3SA
Ph: 0044-116-2537640
Fax: 0044-116-2628655
Mobile: 0044-7855425358

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کرسکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں اس کی تصحیح واصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں۔

تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ اور آپ "تعاوَنُوا علَی البِرّ و التّقوٰی" کے مصداق بن جائیں۔

جزاکُمُ اللّٰہُ تعالٰی جزاءً جمیلاً جزیلاً

ــــ منجانب ــــ

احباب زمزم پبلشرز

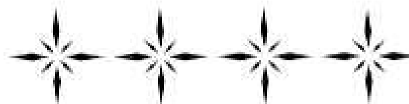
بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام

انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ سے استفادہ کیسے؟

- انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ میں تمام معلومات ردیف وار (الف ب ج کی ترتیب میں) دی گئی ہیں۔
- آپ جس موضوع کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے بنیادی عنوان کے تحت مطلوبہ لفظ حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے تلاش کیجئے۔ مثال کے طور پر آپ نبی کریم ﷺ کی والدۂ محترمہ ''حضرت آمنہ'' کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو لفظ ''آمنہ'' حرف ''آ'' کی ذیل میں تلاش کیجئے۔
- ایک ہی موضوع پر معلومات کئی عنوانات میں درج ہوسکتی ہیں۔ ایسا اس موضوع کی نوعیت کے مطابق کیا گیا ہے تاکہ قاری کو کسی بھی واقعے/معلومات کا پس منظر سمجھنے میں آسانی ہو اور سیرت کے نئے قاری کے ذہن میں کوئی اشتباہ یا اشکال پیدا نہ ہو۔ مثلاً لفظ آمنہ ہی کو لیجئے، ''آباو اجداد نبوی ﷺ'' کے ذیل میں بھی آپ کو حضرت آمنہ کے بارے میں معلومات ملیں گی۔
- انسائیکلو پیڈیا کے شروع میں فہرست مضامین دی گئی ہے۔ یہ فہرست اس ترتیب سے ہے، جس ترتیب سے تمام اندراجات درج کیے گئے ہیں۔ اس کی مدد سے ایک نظر میں تمام عنوانات سامنے آجاتے ہیں۔
- کسی شخصیت یا کسی خاص واقعے کی معلومات حاصل کرنے کے لیے اس شخصیت یا واقعے کے مرکزی لفظ کو بنیاد بنا کر مضمون تلاش کیجئے۔ مثال کے طور پر آپ غزوۂ بدر۔ کے بارے مین جاننا چاہتے ہیں تو ''بدر، غزوہ'' کے تحت غزوۂ بدر کے بارے میں معلومات آپ کو ملیں گی۔ اسی طرح حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں معلومات ''انور شاہ کشمیری، مولانا'' کے ضمن میں ملیں گی۔
- ⇦ یہ نشان آپ کو ہر صفحہ پر کئی کئی جگہ ملے گا۔ اس نشان کا مطلب ہے کہ آپ جو مضمون پڑھ رہے ہیں، اس سے متعلق مزید معلومات کے لیے مزید عنوانات میں بھی یہ موضوع ملے گا، اور ⇦ سے آگے جو عنوانات ہیں وہ زیر مطالعہ مضمون سے متعلق مزید عنوانات/اندراجات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔



عرضِ مرتّب

مجمع جمع تھا اور لوگ محوِ سماعت تھے۔ نبی کریم ﷺ مصروفِ گفتگو تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، مجمع کے کناروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے مجلس کے کناروں پر کھڑے لوگوں کو بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود مسجد نبوی ﷺ سے باہر سڑک پر تھے، مسجد کی طرف آ رہے تھے، لیکن مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم سنا تو وہیں سڑک پر بیٹھ گئے۔ خطبے کے بعد آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حکم تو مجلس کے کناروں پر کھڑے لوگوں کے لیے تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کی کہ جب حضور (ﷺ) کا حکم کانوں میں پڑ گیا کہ ''بیٹھ جاؤ'' تو پھر عبداللہ بن مسعود کی مجال نہیں تھی کہ وہ ایک قدم بھی آگے بڑھائے۔

یہ اسلام کے قرنِ اول کا عشق رسول ﷺ کا ایک واقعہ ہے جو آج کے مسلمانوں کے لئے نمونۂ تقلید و عمل ہے۔

فخر موجودات، سرور کون و مکاں، رحمت دو جہاں، حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی سے عشق و محبت کے اظہار کے لیے آج پندرھویں صدی ہجری تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، پڑھا جا چکا ہے، کہا جا چکا ہے۔ کسی نے نثر کو عشق رسول ﷺ کے اظہار کا ذریعہ بنایا تو کسی نے نظم کی خداداد صلاحیت سے نبی اکرم ﷺ کا نام نامی بلند کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات پر اب تک جتنا کام ہوا ہے بلاشبہ اب تک پوری دنیا میں کبھی کسی شخصیت پر اتنا کام نہیں ہوا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ تمام شخصیات کے کارنامے وقتی تھے اور نبی کریم ﷺ جو انقلاب لائے، وہ رہتی دنیا تک مثالی اور باقی رہے گا۔

مرتب کے بارے میں

- ۱۹۹۰ء سے فروری ۱۹۹۲ء تک ممتاز صحافی سید قاسم محمود کی زیر ادارت شائع ہونے والے سائنسی رسالہ ''سائنس میگزین'' سے ادارتی وابستگی۔
- جولائی ۱۹۹۲ء سے فروری ۲۰۰۵ء تک شہید پاکستان حکیم محمد سعید کی یادگار اور معروف صحافی مسعود احمد برکاتی کی زیر ادارت شائع ہونے والے پاکستان کے معروف و مقبول رسالہ ماہ نامہ ''ہمدرد صحت'' کی ادارتی ٹیم میں شمولیت۔
- **کامیابی ڈائجسٹ**: مئی ۲۰۰۵ء سے اجراء، جو اپنے موضوع کے لحاظ سے پاکستان کا پہلا اور واحد رسالہ ہے۔ مزید معلومات کے لئے: www.kamyaby.com
- اسلام اور سائنس کے موضوعات پر مختلف جرائد و اخبارات میں مضامین کی اشاعت۔
- **انسائیکلوپیڈیا قرآنیہ**: قرآن پاک کے بارے میں ردیف وار معلومات، اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا کام۔ تعارف و فہم قرآن کے لئے لازمی کتاب۔
- **انسائیکلوپیڈیا اسلامیہ**: اسلام پر جامع ترین، مستند آن لائن انسائیکلوپیڈیا، جس کی خوبی یہ ہے کہ اسے انٹرنیٹ کے ذریعے دیکھا جا سکے گا۔ دنیا میں کہیں سے بھی گھر بیٹھے اسلام کے بارے میں ہزارہا معلومات حاصل کی جا سکیں گی۔
URL: www.allaahuahad.com

انسائیکلوپیڈیا کا ایک ورژن سی ڈی میں بھی دستیاب ہے۔

- **انسان، پیدائش تا موت**: استقرار حمل سے لے کر موت تک انسانی جسم میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں تازہ ترین حقائق پر مشتمل ایک دل چسپ، معلوماتی، باتصویر کتاب۔
- **کامیابی کے نکتے**: روزنامہ اسلام کا ہفتہ وار کالم۔ زندگی کو کامیاب، پرسکون، پر ثروت بنانے والے نکتے۔
- اچھی ملازمت صرف تیس دن میں ● آسان باڈی بلڈنگ ● نوجوانوں کے جنسی مسائل
- لافانی زندگی۔

سید عرفان احمد سے رابطہ: info@allaahuahad.com
یا پوسٹ بکس نمبر 13674، کراچی

رسول اللہ ﷺ پر دنیا کی تمام ہی زبانوں میں کم و بیش کام ہوا ہے۔ اردو زبان اس معاملے میں نہایت ممتاز ہے کہ اس زبان میں سیرت پر

مثالی، منفرد اور بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

میں نے جب سیرت پر کام کرنے کا سوچا تو ہر قلم کار کی طرح سب سے پہلے یہ سوال اپنے آپ سے کیا کہ سیرت النبی ﷺ پر کون سا ایسا کام ہوسکتا ہے جو اَب تک کے تمام کاموں سے منفرد ہو! یہ سوال ذہن میں آتے ہی ذہن اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں سرگرداں ہو گیا، یہاں تک کہ انسائیکلوپیڈیا سیرت النبی ﷺ کا خیال ذہن میں آیا۔ صحافت کے میدان میں محترم سید قاسم محمود میرے ابتدائی اساتذہ میں سے ہیں جنہیں ردیف وار انسائیکلو پیڈیا پر کام کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ اس لیے میرے ذہن میں بھی درج بالا سوال کا جواب یہ ذہن میں آیا کہ سیرت پر ردیف وار انسائیکلو پیڈیا ہی کیوں نا تیار کیا جائے!

آج تک دنیا کی کسی بھی زبان میں (کم از کم میرے ناقص علم کے مطابق) اس طرز پر سیرت پر معلومات کو جمع نہیں کیا گیا۔ چنانچہ میں نے اللہ عزوجل کا نام لے کر ستمبر ۱۹۹۷ء میں ردیف وار ''انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ'' پر کام کا آغاز کیا۔ وقت اور حالات کے نشیب وفراز زندگی کے ساتھ ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کی ترتیب میں بھی یہ نشیب وفراز ساتھ رہے۔ کبھی یہ کام بالکل چھوٹ گیا تو کبھی بڑے جوش و جذبے سے میں اس کام میں جت گیا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے تمام نشیب وفراز کے باوجود اس پُرسعادت کام میں استقامت بخشی، کام پایۂ تکمیل کو پہنچا اور محمد رفیق صاحب (زم زم پبلشرز) سے ملاقات کا موقع ملا۔ اس ملاقات کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ اس وقت آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔

انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کی ترتیب و پیش کش میں حد درجہ احتیاط کی کوشش کی گئی ہے اور اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی بھی معلومات کو اجماعِ امت سے ہٹ کر خلاف حقیقت نہ بیان کی جائے۔ صرف مستند باتیں ہی درج کی جائیں۔ تاہم انسان ہونے کے ناتے اور اس بنا پر خطا کا پتلا ہونے کی وجہ سے اس بات کا امکان موجود ہے کہ کہیں کوئی سہو ہوگئی ہو، اس لیے اگر قارئین انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ میں کسی مقام پر کوئی سہو نوٹ کریں تو برائے مہربانی زم زم پبلشرز یا براہ راست مجھ سے رابطہ کر کے اس سہو کی طرف توجہ دلائیں۔

انسان اس دنیا میں ہر کام کے لیے اللہ کی توفیق اور لوگوں کے تعاون کا محتاج ہے۔ انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کی ترتیب و تدوین کے دوران میں بھی مجھے معاونت و مشاورت کی ضرورت رہی۔ اس سلسلے میں میں حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب (استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ، کراچی) محترم حافظ ابن احمد نقشبندی (ماہ نامہ الفاروق)، محترم علیم احمد (ماہ نامہ گلوبل سائنس)، اور بالخصوص محمد رفیق صاحب (زم زم پبلشرز) کا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات کے مخلصانہ مشوروں، ہمدردانہ تعاون و رہنمائی کے ذریعے سے یہ کام مکمل ہوسکا۔

انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کا دوسرا ایڈیشن پیش ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ ناچیز کی اس کوشش کو قبول فرمائیں اور آئندہ بھی قلم کی صلاحیت کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

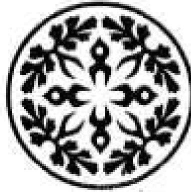
اللہ کا عاجز بندہ

عرفان احمد

فہرست مضامین

عنوان | صفحہ

ب



حیاتِ نبوی ﷺ ——— ایک نظر میں

ربیع الاول، ۲۲ اپریل ۵۷۱ء، بروز پیر موسم بہار، صبح صادق کے وقت مکہ کے محلہ سوق اللیل میں	رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ ولادت کے وقت ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ فارس کے آتش کدے کی آگ بجھ گئی اور دریائے سادہ خشک ہو گیا۔
ولادت کے سات دن بعد	جناب عبد المطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا۔
ولادت کے سات دن بعد	حضرت حلیمہ سعدیہ کی آغوش رضاعت میں۔ ⇦ حلیمہ سعدیہ۔
عمر مبارک ۴ سال	حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس قبیلہ بنو سعد میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ یہ سب سے پہلا شق صدر ہے کہ جس میں حضرت جبرئیل تشریف لائے اور آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے قلب اطہر کو سونے کے طشت میں آب زم زم سے دھویا۔ ⇦ شق صدر
عمر مبارک ۴ سال	اپنی والدہ حضرت آمنہ کی آغوش میں آ گئے۔ ⇦ آمنہ
عمر مبارک ۶ سال	اپنی والدہ کے ساتھ یثرب (مدینہ منورہ) کا سفر کیا۔ ⇦ یثرب + مدینہ
عمر مبارک ۶ سال	مدینہ سے واپسی پر مقام ابوا میں آپ ﷺ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔
عمر مبارک ۶ سال	جناب عبد المطلب کی زیر کفالت آ گئے۔
عمر مبارک ۸ سال	جناب عبد المطلب کی وفات۔ ⇦ عبد المطلب
عمر مبارک ۸ سال	جناب ابو طالب کی زیر کفالت۔ ⇦ ابو طالب
عمر مبارک ۱۲ سال	جناب ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر۔ ⇦ بچپن محمد ﷺ
عمر مبارک ۱۵ سال	جنگ فجار میں شرکت۔ ⇦ فجار، جنگ
عمر مبارک ۱۶ سال	حلف الفضول نامی معاہدے میں شرکت۔ ⇦ حلف الفضول
عمر مبارک ۲۵ سال	قریش مکہ کی طرف سے صادق اور امین کا لقب دیا گیا۔
عمر مبارک ۲۵ سال	حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر سفر شام پر تشریف لے گئے۔ ⇦ خدیجہ، ام المؤمنین
عمر مبارک ۲۵ سال	حضرت خدیجہ سے عقد نکاح۔
عمر مبارک ۳۵ سال	آنحضرت ﷺ نے کعبہ میں حجر اسود نصب فرمایا اور قبائل عرب کے ایک بہت بڑے اختلاف کو ختم فرما دیا۔
عمر مبارک کا چالیسواں سال	اس سال کا زیادہ حصہ آپ ﷺ نے غار حرا میں گزارا۔ ⇦ حرا، غار

۱ نبوی

۱۲ ربیع الاول بروز پیر	بعثت نبوی ﷺ۔
ربیع الاول سے رمضان تک	۶ ماہ تک رویائے صادقہ کا سلسلہ جاری رہا۔
ربیع الاول سے رمضان تک	بعثت نبوی کے اس دور میں شجرو حجر بارگاہ نبوت میں سلام عرض کرتے تھے۔
رمضان، شب قدر	حضرت جبرئیل امین قرآن حکیم کی وحی لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات اقرا باسم ربک الذی خلق سے مالم یعلم تک نازل ہوئیں۔
رمضان، شب قدر	حضرت جبرئیل نے آنحضرت ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا۔ آپ ﷺ کو دو وقت کی نماز دوگانہ فجر اور دوگانہ عصر کا حکم دیا گیا۔

۲ نبوی، ۳ نبوی

آنحضرت ﷺ دین اسلام کی خفیہ تبلیغ فرماتے رہے اور مندرجہ ذیل اہم شخصیات ایمان لائیں: حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص وغیرہ۔

۴ نبوی

آنحضرت ﷺ نے اعلانیہ تبلیغ کا آغاز فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے اعزہ و اقارب کو علی الاعلان دین اسلام کی دعوت دی۔ کفاران مکہ اور خصوصاً قریش نے آنحضرت ﷺ سے بغض و عداوت کا کھل کر مظاہرہ شروع کر دیا اور آپ ﷺ کی ایذار سانی کے لئے منظم ہو گئے۔

کفار مکہ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کے خلاف وفد کی صورت میں ابوطالب کے پاس گئے۔

۵ نبوی

رجب المرجب	مسلمانوں نے کفار کی ستم رانیوں سے تنگ آکر مکہ چھوڑا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس ہجرت میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں جن میں حضرت عثمان اور حضرت رقیہؓ بھی تھے۔ ⇐ ہجرت حبشہ + اصحمہ + نجاشی + عثمان بن عفان + رقیہ بن عفان + رقیہ بنت محمد۔

رمضان المبارک

آنحضرت ﷺ پر سورہ والنجم نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے مسجد حرام میں قریش کے مجمع میں تلاوت فرمائی۔ مسلم و کافر، جن و انس سب ہی جمع تھے۔ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلم و کافر جن و انس تمام حاضرین نے بھی سجدہ کیا۔

آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچانے والی پارٹی کا اجتماع مسجد حرام میں ہوا۔ عقبہ بن ابی معیط نے نجاست بھری اوجھ آنحضرت ﷺ پر عین اس وقت لا کر ڈالی جب آپ ﷺ رب العزت کے سامنے سربہ سجود تھے۔ حضرت فاطمہؓ جو ابھی کم سن تھیں وہ آئیں اور اوجھ آپ ﷺ کی پشت سے ہٹائی۔ ⇦ فاطمہ بنت محمد ﷺ

حضرت سمیہؓ جن کے قدم ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی، لعین ابوجہل کے ہاتھوں شہید ہوئیں اور اس طرح ان کو "اسلام کی پہلی شہید خاتون" کا امتیازی نشان حاصل ہوا۔

۶ نبوی

قریش کی ایذا رسانیوں کے باعث آپ ﷺ حضرت ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں فروکش ہوئے۔ اس طرح "دار ارقم" اسلام کا گہوارۂ اول ثابت ہوا۔ ⇦ دار ارقم

"دار ارقم" میں حاضر ہو کر حضرت حمزہؓ اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر بن خطابؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ⇦ حمزہ + عمر فاروق۔

حضرت عمر بن خطاب کے مشرف بہ اسلام ہونے پر پہلی مرتبہ اسلامی تاریخ میں ایسا نعرۂ تکبیر لگایا گیا کہ جس سے مکہ کی پوری وادی گونج اٹھی۔

قریش مکہ کی جانب سے عتبہ بن ربیع نے آنحضرت ﷺ کو تبلیغ دین کے مقابلے میں مال، جاہ، عورت اور علاج کی پیش کش کی لیکن آنحضرت ﷺ نے تبلیغ دین کی خاطر اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

۷ نبوی

یکم محرم الحرام

قریش نے ایک ظالمانہ تحریر کے ذریعے بنو ہاشم کا بائیکاٹ کیا اور آنحضرت ﷺ کی معیت میں بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے۔ ⇦ شعب ابی طالب

۸ نبوی

شق القمر کا معجزہ رونما ہوا۔ مشرکین نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ کوئی ایسی نشانی دکھائیے

جس جن کا تصرف آسمان میں ہو۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے چودھویں رات کو چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا حرا کی جانب اور دوسرا بائیں جانب کی طرف جھک گیا۔ جبل حرا دونوں کے درمیان نظر آتا تھا۔ ← حرا، جبل + معجزہ + شق قمر

۹ نبوی

یہ پورا سال نبی کریم ﷺ نے شعب ابی طالب میں محصور ہو کر گزارا۔

۱۰ نبوی

اللہ تعالیٰ کے حکم سے بائیکاٹ کی اس دستاویز کو دیمک نے چاٹ لیا اور اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا اس کا کوئی حرف بھی باقی نہ رہا اور اس طرح قریش کا یہ ظالمانہ منشور منسوخ ہوا اور بنی ہاشم "شعب ابی طالب" کی نظربندی سے نکل کر اپنے گھروں میں آباد ہوئے۔

منصور بن عکرمہ جس نے یہ ظالمانہ دستاویز لکھی تھی، اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا ایک مستقل معجزہ تھا۔

۱۰ رمضان المبارک: آنحضرت ﷺ کے چچا جناب ابوطالب کا انتقال ہوا۔

۱۱ رمضان المبارک: آنحضرت ﷺ کی مونس و غم خوار اور دکھ سکھ میں برابر کی شریک آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔

مندرجہ بالا دو شخصیتوں کے انتقال کے باعث سن دس نبوی کو آنحضرت ﷺ کے لئے "عام الحزن" کہا جاتا ہے۔

شوال: آنحضرت ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

شوال: آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کیا، لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔

۲۷ شوال: تبلیغی سفر پر آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے۔

ذوالقعدہ: سفر طائف کے دوران جب آپ ﷺ اہل طائف کی سنگ دلی سے بہت غمگین تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام پہاڑوں کے فرشتے کی معیت میں نازل ہوئے اور پہاڑ کے فرشتے نے عرض کیا، "یارسول اللہ" اجازت ہو تو مکہ کے دو پہاڑوں کو ملا کر ان لوگوں کو کچل دوں تاکہ یہ سب ہلاک ہو جائیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "نہیں مجھے یہ توقع ہے کہ یہ نہیں تو ان کی نسل ہی سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کو ایک مانیں گے اور ان کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

بنائیں گے۔" ⇐ طائف، سفر۔
طائف سے واپسی پر آپ ﷺ نے دعا کی جو "دعائے طائف" کے نام سے مشہور ہے۔

۲۳ ذوالقعدہ — آپ ﷺ سفر طائف سے واپس مکہ مکرمہ پہنچے۔

۱۱ نبوی

مدینہ سے آنے والے چند حاجیوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر آپ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ ان افراد کی تعداد چھ تھی۔ اسی سے انصار کے اسلام کا آغاز ہوا۔

۱۲ نبوی

۲۷ رجب المرجب شب معراج — نبی کریم ﷺ کو معراج ہوئی۔ ⇐ معراج
حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کا سینۂ مبارک شق کیا اور آپ ﷺ کا قلب مبارک نکال کر سونے کے طشت میں آب زم زم سے دھویا اور اس میں حکمت، ایمان اور نور نبوت بھر کر اپنی جگہ رکھا۔ آپ ﷺ کو بیت المقدس میں تمام انبیائے کرام کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔ اس رات آپ ﷺ نے فرشتوں کا کعبہ "بیت المعمور" دیکھا۔ آپ ﷺ نے جنّت اور اس کی نعمتوں، دوزخ اور اس کے عذاب کا معائنہ کیا۔ اسی رات آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی اُمت پر پانچ نمازیں یومیہ فرض کی گئیں۔

موسم حج، رجب — بیعت عقبہ اولیٰ۔ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر انصار مدینہ کے بارہ افراد نے بیعت کی۔ ⇐ بیعت عقبہ اولیٰ + انصار + ہجرت نبوی ﷺ۔

۱۳ نبوی

موسم حج، ذوالحجہ — بیعت عقبہ ثانیہ۔ انصار مدینہ کے ۷۳ مردوں اور ۲ عورتوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ نے اس موقع پر ان میں سے ۱۲ نقیب بھی مقرر فرمائے۔ ⇐ بیعت عقبہ ثانیہ + انصار + ہجرت نبوی ﷺ

۱ ہجری

یکم ربیع الاول — آپ ﷺ ہجرت کی غرض سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ

	ہوئے۔ راستے میں آپ ﷺ نے غار ثور میں قیام فرمایا۔ غار ثور میں جب حضرت ابوبکر صدیق کو سانپ نے ڈس لیا اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے تو حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک لگانے سے تکلیف جاتی رہی۔ ⇦ ہجرت مدینہ + ابوبکر صدیق + صدیق اکبر۔
ربیع الاول کی پانچویں رات پیر	سرکار دوعالم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار سے نکلے اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔
۱۲ ربیع الاول، بروز پیر	آپ ﷺ مقام قبا میں فروکش ہوئے اور اسلام کی سب سے پہلی مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ ⇦ قبا + قبا، مسجد۔
۱۳ تا ۱۶ ربیع الاول بروز جمعہ	قبا میں چند دن قیام فرمانے کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ ﷺ نے بنو سالم کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ یہ آنحضرت ﷺ کی پہلی جمعے کی نماز اور پہلا خطبہ تھا۔ ⇦ جمعہ، مسجد
	آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ بنو نجار کی بچیاں آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے طلع البدر علینا گا رہی تھیں۔ حضرت ابوایوب انصاری کو شرف میزبانی حاصل ہوا۔ مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی۔ اذان و اقامت کی ابتدا ہوئی۔ ⇦ ہجرت مدینہ + مدینہ + ابوایوب انصاری + مسجد نبوی۔
	مواخات کا سلسلہ۔ ایک انصاری اور ایک مہاجر کو رشتہ اخوت میں مربوط کیا گیا جو اسلام تاریخ کی ایک مثالی اخوت تھی۔ ⇦ مواخات
شوال المکرم	حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔

۲ ہجری

۱۲ صفر المظفر	جہاد کی فرضیت، مظلوم مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی۔ ⇦ غزوہ۔
نصف رجب المرجب	تحویل قبلہ کا حکم، بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔ ⇦ تحویل قبلہ + قبلہ + کعبہ + مکہ۔
نصف شعبان المعظم	ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔
	آنحضرت ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم آیا اور سورۂ احزاب کی مشہور آیت ان اللہ و ملائکتہ الخ نازل ہوئی۔ ⇦ درود شریف۔
۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ	حق و باطل کا پہلا معرکہ غزوۂ بدر پیش آیا۔ ⇦ بدر، غزوہ۔
۱۹ رمضان المبارک بروز اتوار	آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کا انتقال ہوا۔ ⇦ رقیہ بنت محمد ﷺ۔
اواخر رمضان المبارک	عید کی نماز اور صدقہ فطر واجب کیے گئے۔

یکم شوال	آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں نے نماز عید ادا فرمائی۔
ذی الحجہ	حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں نے عید الاضحیٰ کی نماز ادا فرمائی اور قربانی کی۔
ذی الحجہ	حضرت فاطمہؓ کا عقد نکاح۔ ⇦ فاطمہ بنت محمد ﷺ۔

۳ ہجری

شعبان المعظم	حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ سے نکاح۔ ⇦ حفصہ بنت عمر۔
شوال المکرم	غزوۂ احد ہوا۔ ⇦ احد، غزوہ۔
ذوالحجہ	حضرت زینب بنت خزیمہ سے عقد نکاح۔ ⇦ زینب بنت خزیمہ

۴ ہجری

یہودیوں کے ایک مقدمے کے سلسلے میں آپ ﷺ نے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا۔
حضرت اُم سلمہؓ سے عقد نکاح۔ ⇦ ام سلمہ۔

۵ ہجری

اس سال پردے کا حکم نافذ ہوا، زنا کی سزا مقرر ہوئی، تیمم کی اجازت ملی اور صلوٰۃ خوف کے احکامات نازل ہوئے۔

جمادی الاخریٰ	چاند گرہن ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ نماز خسوف پڑھی۔
رجب المرجب	قبیلۂ مدینہ کا وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ یہ سب سے پہلا وفد ہے جو بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔

اس سال مدینہ منورہ میں زلزلہ آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تم سے معافی منگوانا چاہتے ہیں۔ پس معافی مانگ کر انہیں راضی کرو۔ ⇦ مدینہ۔
اس سال غزوۂ بنی مصطلق پیش آیا۔ اس غزوہ سے واپسی پر حضرت عائشہؓ پر بہتان تراشی کا واقعہ پیش آیا (معاذ اللہ) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی اس بہتان سے برأت فرمائی۔
⇦ بنی مصطلق، غزوہ + افک + عائشہ صدیقہ۔

۶ ہجری

رمضان المبارک	مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ عید کی نماز کے خطبے میں آپ ﷺ نے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے باران رحمت نازل فرمائی۔
ذی الحجہ	بادشاہوں کے نام خطوط پر مہر لگانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے مہر بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔
اواخر ذی الحجہ	حضور ﷺ نے بادشاہوں کی جانب دعوت اسلام کے لئے قاصد اور گرامی نامے ارسال فرمائے۔ ⇦ مکاتیب نبوی ﷺ + مکاتیب النبی ﷺ۔ اسی سال صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ ⇦ حدیبیہ، صلح۔

۷ ہجری

محرم الحرام	غزوۂ خیبر پیش آیا۔ ⇦ خیبر، غزوہ۔ غزوۂ خیبر کے ایام میں ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے رسول اکرم ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا مگر آنحضرت ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ غزوۂ خیبر سے واپسی پر لیلۃ التعریس کا واقعہ پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سوئے رہے اور سورج نکل گیا۔ اس طرح سب کی نماز فجر قضا ہو گئی۔
ذی الحجہ	آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے ۶ھ کے صلح حدیبیہ والا عمرۂ قضا ادا فرمایا۔ عمرۂ قضا سے واپسی پر آنحضور ﷺ نے حضرت میمونہ سے مقام سرف میں نکاح کیا۔ یہ سب سے آخری زوجہ مطہرہ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ نے نکاح کیا۔ ⇦ میمونہ، ام المؤمنین۔

۸ ہجری

جمادی الاولیٰ	غزوۂ موتہ پیش آیا اور آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ میں شہید ہونے والوں کی خبریں صحابہ کرام کو دیں جب کہ مدینہ منورہ اور موتہ کے مابین ۲۸ دن کی مسافت ہے۔ ⇦ موتہ، غزوہ۔
رمضان المبارک	مکہ فتح ہوا۔ ⇦ فتح مکہ
ذی الحجہ	آنحضرت ﷺ کے ہاں صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام آپ ﷺ نے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ⇦ ابراہیم بن محمد ﷺ۔

۹ ہجری

یکم محرم الحرام — آپ ﷺ نے مختلف قبائل سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عاملین مقرر فرمائے۔

رجب — غزوۂ تبوک پیش آیا۔ ⇦ تبوک، غزوہ۔

غزوۂ تبوک سے واپسی پر منافقین کی مسجد ضرار کو منہدم فرمایا۔ ⇦ ضرار، مسجد+ منافق۔

اس سال آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے ایلا کیا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔ ⇦ ایلا۔

اس سال آنحضرت ﷺ گھوڑے سے گر پڑے جس کی وجہ سے دائیں پہلو اور پنڈلی پر خراش اور چوٹ آئی۔

اس سال حضرت جبرئیل علیہ السلام لوگوں کو دین کے مسائل سکھانے کے لئے تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور قیامت کے بارے میں سوالات کئے۔ ⇦ حدیث جبرئیل۔

اسی سال حج فرض کیا گیا۔

ذوالقعدہ — حضرت ابوبکر صدیقؓ، امیر الحج کی حیثیت سے تین سو افراد کی معیت میں حج کے لئے روانہ ہوئے۔ ⇦ ابوبکر صدیق+ صدیق اکبر۔

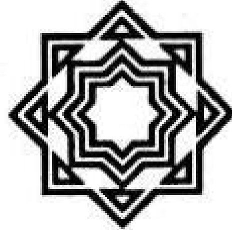
۱۰ ہجری

اس سال آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا۔ میدان عرفات میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ⇦ خطبہ حجۃ الوداع۔

۱۱ ہجری

صفر المظفر — آنحضرت ﷺ کے مرض موت کا آغاز ہوا۔ مرض کے ایام میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی تحریر لکھنے کا ارادہ فرمایا تاکہ لوگ آپ ﷺ کے بعد اس معاملے میں اختلاف نہ کریں۔ اس روز آپ ﷺ پر مرض کی شدت تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو تحریر کی زحمت نہ دو ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تحریر کا ارادہ ترک فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اُمت مسلمہ ابوبکر کے علاوہ کسی کو قبول نہ کریں گے۔

	مرض الوفاۃ میں آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے اس کی اجازت مانگی کہ آپ ﷺ مرض کے بقیہ ایام حضرت عائشہؓ کے گھر پر گزاریں۔ چنانچہ تمام ازواج مطہرات نے بخوشی اس کی اجازت دے دی۔
ربیع الاول، پیر	سرکار دو عالم ﷺ تمام عالم کو ہدایت کا پیغام پہنچا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ⇐ وفات محمد ﷺ



آ

آب

*** آباو اجدادِ نبوی ﷺ:** حضرت محمد ﷺ کے باپ داد اور بزرگ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محمد ﷺ دوسرے پیغمبروں کی طرح اللہ کے ایک پیغمبر تھے، مگر وہ صرف پیغمبر نہ تھے بلکہ آخری پیغمبر تھے۔ چنانچہ اس بات کی ضرورت تھی کہ اس پیغمبر کی اس طریقے پر تربیت ہو جو قیامت تک ہونے والی تبدیلیوں اور ترقیوں سے متاثر نہ ہو۔ اس کا پیدا کیا ہوا انقلاب ہر زمانے اور ہر نسل پر اثر انداز ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد ﷺ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام مبعوث ہوئے جن میں صاحب شریعت رسول بھی تھے، لیکن تاریخ انسانی میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جو اس حد تک لوگوں کو دین پر کھڑا کرنے میں کامیاب ہوسکا ہو جس طرح حضرت محمد ﷺ نے اپنے دور کے انسانوں کو فکر آخرت اور دعوت الی اللہ کے عظیم مقصد پر آخری حد تک کھڑا کر دیا۔ آپ ﷺ کی عظمت کے لیے ایک یہی معجزہ کافی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تو میرے لڑکے اسماعیل کی اولاد میں ایک نبی پیدا کر۔ (سورہ بقرہ، ۱۲۹) تاہم حضرت ابراہیم کی اس دعا اور محمد ﷺ کی پیدائش میں تقریباً ڈھائی ہزار سال کا فاصلہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ عراق کے متمدن علاقے سے نکل کر حجاز کے خشک اور غیر آباد مقام پر اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بسائیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲۱۰۰ ق م کے لگ بھگ جسے اب محققین حضرت ابراہیم کے ظہور کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں، صرف شہر "ار" کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی۔ یہ اپنے زمانے کا بڑا تجارتی و صنعتی مرکز تھا۔ جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کی حدود موجودہ حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھیں۔ زندگی میں یہاں کے باسیوں کا نظریہ خالصۃً مادہ پرستانہ تھا۔ سود خوری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ یہ سخت کاروباری قسم کے لوگ تھے۔ ہر شخص دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مذہبی پستی اس حالت تک تھی کہ تقریباً پانچ ہزار خداؤں کے نام اس شہر کے کتبوں سے ملتے ہیں۔ "ار" (UR) کی سب سے اونچی پہاڑی پر "ننار" کا بت نصب تھا۔ ننار کی خواب گاہ میں ہر رات ایک پجارج اس کی دلہن بنتی تھی اور ایسی عورت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے بلکہ کم از کم ایک بار خود کو راہ خدا میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کے لئے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔

وادی غیر ذی زرع

دوسری جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ عراق کے اس متمدن علاقے سے نکل کر حجاز کے خشک اور غیر آباد مقام پر اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بسائیں۔ ایسا کیوں ہوا...... دراصل ایسی ہی جگہ پر تمدنی آلائشوں سے دور رہ کر خالص فطرت کی آغوش میں ایک ایسی قوم کی تعمیر کی جاسکتی تھی جس کے اندر اللہ کی پیدا کی ہوئی فطری صلاحیتیں محفوظ ہوں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس صحرا (موجودہ مکہ) میں لا کر بسا دیا جہاں اس وقت سوکھی زمین اور خشک پتھروں کے سوا اور کچھ نہ تھا تو

مشک کا پانی بھی ختم ہو گیا اور حضرت اسماعیل پیاس کی شدت سے ہاتھ پاؤں مارنے لگے اور خشک بیاباں میں خدا کی قدرت سے زم زم کا چشمہ (آب زم زم) نکل آیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ خدا نے اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بڑے ہی سخت محاذ پر کھڑا کیا ہے، مگر وہ ان کو بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔

جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام ایک اور آزمائش میں ڈالے گئے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اس خواب کو انہوں نے حکم خداوندی سمجھا اور بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی رضا سے ان کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ شیطان نے کئی بار بہکانے کی بھی کوشش کی مگر ایمان سے بھرپور دلوں کے ساتھ ان اللہ والوں نے ہمیشہ شیطان کی چالوں کو ناکام کر دیا۔ آج دوران حج حاجی چند مقامات پر جو کنکر مارتے ہیں انہی شیطانی چالوں سے اظہار نفرت کرتے ہیں۔ عین اس وقت کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلائی جا رہی تھی، اللہ کے حکم سے چھری کو اس کے کاٹنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا گیا۔ دوسرے ہی آن پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ پر جنت کا ایک مینڈھا آموجود ہوا۔ چھری نے پھر اپنا کام شروع کیا۔ مینڈھے کی قربانی ہو گئی اور اسماعیل علیہ السلام کی جان بچ گئی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پہلی شادی

حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو انہوں نے قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کی۔ یہ قبیلہ زم زم نکلنے کے بعد مکہ میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام شام میں تھے، مگر ایک روز گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت اسماعیل کے گھر آئے۔ حضرت اسماعیل گھر پر نہ تھے، صرف ان کی بیوی موجود تھیں اور وہ اپنے سسر ابراہیم علیہ السلام کو نہیں پہچانتی تھیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا تو بیوی نے بتایا کہ شکار کرنے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے پھر پوچھا کہ تم لوگوں کی کیسی گزرتی ہے تو بیوی نے معاشی تنگی اور گھر کی ویرانی کی شکایت کی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم واپس چلے گئے اور واپس جاتے جاتے حضرت اسماعیل کی بیوی سے کہا کہ جب اسماعیل آئیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ اپنی چوکھٹ بدل دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے واپسی پر اپنی بیوی کی زبانی اپنے والد کی آمد کا پورا قصہ سنا تو سمجھ گئے کہ "چوکھٹ بدل دو" کا مطلب اور اشارہ یہ ہے کہ اس بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرو، کیونکہ موجودہ بیوی اس نسل کو پیدا کرنے کے لئے موزوں نہیں جس کا منصوبہ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔

دوسری شادی

چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس بیوی کو طلاق دے دی اور دوسری خاتون سے شادی کر لی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد حضرت ابراہیم دوبارہ حضرت اسماعیل کے گھر آئے۔ اس بار بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہی سوال دہرائے جو پہلی بیوی سے کئے تھے تو اس بیوی نے حضرت اسماعیل کی تعریف کی اور کہا کہ جو کچھ ہے، بہت اچھا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ اسماعیل آئیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ چوکھٹ کو قائم رکھو یعنی تمہاری یہ بیوی خدا کے پیش نظر منصوبے کے لئے بالکل موزوں ہے، اس کے ساتھ اپنے تعلق کو باقی رکھو۔

اس طرح عرب کے الگ تھلگ علاقے میں اسماعیل علیہ السلام کے خاندان سے ایک نئی نسل بننا شروع ہوئی جس نے "بنی اسماعیل" کی صورت اختیار کی اور نبی آخر الزماں ﷺ کا گہوارہ بنی۔ لیکن ایک جانب نسل در نسل دین ابراہیمی منتقل ہوتا رہا اور ساتھ ہی لوگوں کے نفس کی آلائشیں اور شرک کی ناپاکیاں بھی اس میں شامل ہوتی گئیں اور یوں اصل دین کی شکل ہی بگڑ کر رہ گئی۔ دین میں یہ بگاڑ ایک دم پیدا نہیں ہوا بلکہ صدیاں بیتیں اور نہ معلوم کتنی نسلیں گزر گئیں تب کہیں جا کر شرک کے پیر جمے۔ اس شرک کی ابتدا بھی عجیب طریقے سے ہوئی۔ شیطان کا یہ حربہ ہے کہ وہ بہت سے گناہوں کو اللہ کی رضا کا

ذریعہ دکھا کر لوگوں کو گناہوں پر اکساتا ہے۔ یہی عمل اس نے اہل عرب کے ساتھ آزمایا۔ چونکہ عربوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بہت محبت تھی اور ان دونوں نے کعبہ تعمیر کیا تھا، اس لئے عربوں کے دل میں کعبہ کا ادب و احترام اور محبت بھی بہت تھی۔ آہستہ آہستہ یہ محبت کعبہ سے بڑھ کر کعبہ کے قرب و جوار میں موجود پتھروں تک پھیل گئی اور اہل عرب ان بے قیمت و بے حیثیت پتھروں کو بھی متبرک سمجھنے لگے۔ اس محبت و عقیدت کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ جہاں بھی جاتے، ان پتھروں کو برکت کی غرض سے اپنے ساتھ لے جاتے۔ مکہ کے باسیوں کی دیکھا دیکھی ادھر ادھر سے آنے والوں نے بھی یہی حرکت شروع کر دی اور یوں تبرکاً پتھروں کا اپنے ساتھ رکھنا، سفر میں لے جانا، بیمار کو پلانا وغیرہ امور رواج میں تبدیل ہو گئے۔ بدترین گناہ کو نیکی اور ثواب سمجھا جانے لگا۔ جب یہی رواج حد سے گزرا تو خوب صورت پتھر قسمت کا پھیرنے والا اور کام بنانے والا ہو گیا حتیٰ کہ اگر کوئی پتھر کسی مخلوق کی شکل کا ہوتا تو اس کی عظمت ان کے دل میں بیٹھ جاتی اور اس کی پوجا شروع ہو جاتی یہاں تک کہ پتھروں کو خود تراشنے کی رسم کی بنا پڑی۔ ایسے خود تراشیدہ بتوں کو کسی بزرگ سے منسوب کیا جاتا اور کوئی نام رکھ کر اس کی پوجا کی جاتی۔ اہل عرب کا خیال تھا کہ ان بتوں کی عبادت کی جائے تو یہ بت اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی سفارش کریں گے اور نجات کا ذریعہ بنیں گے۔

ایک دفعہ مکہ کا رہنے والا ایک شخص عمرو بن لحیٔ سفر پر جا رہا تھا کہ ایک مقام پر اس نے کچھ لوگوں کو مورتیوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کو یہ منظر بہت اچھا لگا۔ چنانچہ اس نے وہاں سے ایک مورتی حاصل کی اور مکہ میں لا کر نصب کر دی تاکہ مکہ کے رہنے والے بھی اس کی پوجا پاٹ سے مستفید ہو سکیں۔ اس طرح مکہ میں مورتیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس پہلی مورتی کا نام "ہبل" تھا۔ پھر تو بتوں کے ڈھیر مکہ اور اس کے قرب و جوار میں آنے لگے یہاں تک کہ مختلف قبیلوں نے بھی اپنے اپنے مخصوص بت تشکیل دیئے۔ مثلاً قریش کے سب سے بڑے بت کا نام "عزیٰ" تھا۔ طائف کے قبیلہ ثقیف کا بت "لات" اور اوس و خزرج (مدینہ کے قبائل) کا بت "منات" تھا۔

عبدالمطلب

حضرت محمد ﷺ کا ذکر مبارک آئے اور ان کے ساتھ عبدالمطلب کا بھی نام ہو تو ہر شخص یہ جانتا ہے کہ یہ عبدالمطلب کون تھے۔ یہ نبی کریم ﷺ کے دادا، آپ ﷺ کے والد عبداللہ کے والد اور قریش کے سردار تھے۔ عبدالمطلب کا مطلب ہے "مطلب کا غلام۔" ان کا یہ نام کیوں پڑا، اس کے بارے میں تاریخی روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ تقریباً آٹھ برس کی عمر میں عبدالمطلب نے اپنے چچا (ان چچا کا نام "مطلب" تھا) کے ساتھ ایک سفر کیا جس کے نتیجے میں یہ نام پڑ گیا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ عبدالمطلب کے والد ہاشم اپنے زمانے میں قریش کے سردار تھے۔ وہ تجارت کیا کرتے تھے۔ شام کے ایک تجارتی سفر میں مدینہ (جو اس وقت "یثرب" کے نام سے جانا جاتا تھا) سے گزر ہوا۔ قبیلہ خزرج کے خاندان بنی نجار کے ایک فرد عمرو کی بیٹی سلمٰی سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس سے شادی ہو گئی۔ سلمٰی کچھ عرصہ تو ہاشم کے ساتھ مکہ میں مقیم رہیں، لیکن پھر واپس یثرب لوٹ آئیں۔ چنانچہ شیبہ (عبدالمطلب = شیبہ ان کا اصل نام تھا) کی ولادت بھی یہیں پر ہوئی۔

شام ہی کے ایک تجارتی سفر کے دوران ایک مقام "غزہ" پر عبدالمطلب کے والد ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ ہاشم اپنے قبیلے کے سردار تھے، اس لئے قانون کی رو سے تمام عہدے ہاشم کے چھوٹے بھائی مطلب کے پاس آ گئے۔ جب مطلب نے ان عہدوں کو سنبھالا تو انہیں اپنے مرحوم بھائی کے اکلوتے بیٹے شیبہ کا بھی خیال آیا کہ سارا خاندان تو مکہ میں ہے اور ماں اور بیٹا اکیلے یثرب میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ مطلب نہایت محبت کے ساتھ اپنے بھتیجے شیبہ کو لینے کے لئے یثرب پہنچ گئے اور تھوڑے سے اصرار کے بعد سلمٰی نے شیبہ کو مطلب کے ساتھ مکہ بھیجنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ تین دن مہمان رہنے کے بعد مطلب اور شیبہ مکہ روانہ ہوئے اور جب مکہ میں پہنچے تو علاقے کے لوگوں نے دیکھا کہ مطلب اونٹ پر سوار ہیں اور ان کے

پیچھے ایک نوجوان بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ یہ کوئی غلام ہے۔ چنانچہ لوگوں نے شیبہ کو مطلب کا غلام سمجھ کر انہیں "عبدالمطلب" یعنی "مطلب کا غلام" کہنا شروع کر دیا۔ اگرچہ مطلب نے ان لوگوں کو یہ سمجھایا کہ یہ میرا غلام نہیں، بھتیجا ہے مگر شیبہ اب عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہو چکے تھے۔

شیبہ یا عبدالمطلب اب مکہ ہی میں رہائش پزیر تھے۔ کچھ عرصے کے بعد جب مطلب کا انتقال ہو گیا تو اپنے چچا کی تمام ذمے داریاں عبدالمطلب پر آگئیں۔ یہ ذمے داریاں "سقایہ" اور "رفادہ" کی تھیں۔ "سقایہ" اس عہدے کا نام تھا جس کے تحت حج کو آنے والے حاجیوں کے لئے میٹھے پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ "رفادہ" کے تحت منیٰ اور مکہ میں حاجیوں کی ضیافت کی جاتی تھی۔ لذت کام ودہن کے لئے قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کر رکھی تھی۔ ان دونوں عہدوں کے علاوہ ایک عہدہ "حجابہ" بھی تھا۔ جو شخص اس عہدے پر فائز ہوتا، کعبہ کا کلید بردار ہوتا اور کعبہ سے متعلق تمام کام اسی کے سپرد ہوتے۔

جب عبدالمطلب کے ہاتھ میں یہ عہدے آئے تو ان عہدوں کے درست انتظام کی فکر ہوئی۔ ان کے زمانے میں پانی کا انتظام کرنا ایک دشوار کام تھا۔ عبدالمطلب کو معلوم ہوا کہ چاہ زم زم کا پانی میٹھا اور خوش ذائقہ ہے تو ان کی توجہ زم زم کی طرف ہوئی۔ نہ صرف یہ بلکہ زم زم کے متعلق یہ تک مشہور تھا کہ اس کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا، اس میں کمی نہیں ہوتی اور اس سے پانی کے حصول میں کسی قسم کی پریشانی بھی درپیش نہیں آتی۔ لیکن اب اس کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ برسوں پہلے جب بنو خزاعہ نے قبیلہ جرہم سے جنگ کی اور ان کو اس علاقے سے بے دخل کیا تو قبیلہ جرہم کے آخری تاجدار مضاض جرہمی نے جاتے جاتے کعبے کے کچھ نذرانوں کو جو اس کے پاس تھے، زم زم میں ڈال دیا اور اوپر سے پاٹ دیا۔ یوں چاہِ زم زم سے پانی کا حصول اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ زم زم کی کھدائی کر کے اسے صاف نہ کر دیا جائے۔

اب عبدالمطلب کو زم زم کی کھدائی اور صفائی کی فکر ستانے لگی، لیکن چاہ زم زم کا سراغ نہیں مل رہا تھا کہ قریش کے لوگ اسے تقریباً بھول چکے تھے۔ عبدالمطلب روزانہ سونے سے پہلے دیر تک سوچتے رہتے، کاش! مجھے اس کنویں کا سراغ مل جائے تاکہ میں اس کا پانی حاجیوں کو پلا سکوں۔ ایک روز یوں ہوا کہ کعبے کے سائے میں لیٹے ہوئے نیند کی حالت میں انہوں نے ایک غیبی آواز سنی۔ کوئی ان سے کہہ رہا تھا، اٹھو اور بیئر زم زم کو کھودو! تم اسے کھود کر کبھی پشیمان نہیں ہو گے۔ یہ تمہارے معزز و محترم باپ اسمٰعیل (علیہ السلام) کی نشانی ہے۔ اس کا پانی خشک ہوتا ہے نہ کم۔ تم اس سے بے شمار حاجیوں کو پانی پلا سکو گے۔

دوسرے دن بھی وہ اسی جگہ آرام کر رہے تھے کہ خواب میں وہی آواز پھر سنائی دی۔ تیسرے دن یہ آواز پھر سنائی دی اور کھدائی کے مقام کی بھی نشان دہی کر دی گئی۔ اس غیبی آواز نے کہا: "زم زم کا کنواں اس جگہ ہے جہاں کل تم ایک کوے کو اپنی چونچ سے زمین کھودتے دیکھو گے۔"

عبدالمطلب نے کنواں کھودنے کی تیاری کی۔ وہ کعبے کے سائے میں بیٹھ کر کسی نشانی کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ سیاہ رنگ کا ایک کوا غوطے لگاتا ہوا آیا اور زم زم کی خاص جگہ پر زمین کو اپنی چونچ سے کھودنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا خواب سچ کر دکھایا تھا۔ عبدالمطلب نے زم زم کی صفائی کرائی۔ اس میں سے مضاض جرہمی کے دفن کئے ہوئے نذرانے اور اس کی دو تلواریں ملیں۔ یہاں سے سونے کے دو ہرن بھی دریافت ہوئے۔

بیٹے کی نذر

ابتدا میں عبدالمطلب کا حارث نامی ایک ہی بیٹا تھا، مگر بعد میں مزید اولاد کی خواہش ستانے لگی تو انہوں نے خدا سے منت مانی کہ اگر اس نے انہیں دس بیٹے عطا فرمائے تو وہ ان میں سے ایک خدا کے نام پر قربان کر دیں گے۔ چنانچہ عبدالمطلب کی یہ نذر پوری ہوئی اور خدا نے ان کو دس بیٹے عطا کئے۔ جب وہ سب جوان ہو گئے تو عبدالمطلب نے ایک روز ان کے سامنے نذر کی بات رکھی۔ تمام بیٹے اس نذر کی بنیاد پر قربان ہونے کو تیار ہو گئے۔ دس میں سے کسی ایک لڑکے کی قربانی کے

لئے فال نکالنا ضروری تھا۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی اہم کام پیش ہوتا تو تیروں سے فال نکالی جاتی۔ چنانچہ تمام بیٹوں کے نام الگ الگ تیروں پر لکھے گئے اور ان تیروں کو لے کر عبد المطلب کعبے میں آئے تاکہ معلوم کریں کہ ''ہبل'' کو کون سا بیٹا پسند ہے۔ فال نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ مہنت یا پروہت ان تیروں کو لے جاتا اور دیوتاؤں کے سامنے ایک خاص طریقے سے ان تیروں کو پھراتا۔ جس تیر کا منہ دیوتا کی طرف ہو جاتا، یہ سمجھا جاتا کہ بس یہ دیوتا کی پسند ہے اور پھر اسی کے مطابق کام کیا جاتا۔ اب جو مہنت نے ہبل کے سامنے یہ دس تیر پھرائے تو عبد المطلب کے سب سے چھوٹے اور سب سے لاڈلے بیٹے عبداللہ کا نام نکلا۔ عبد المطلب نے چار و ناچار عبداللہ کو اپنے ساتھ لیا اور زم زم کے قریب جو قربان گاہ اس مقصد کے لئے بنائی گئی تھی، وہاں پر آئے۔ جب علاقے کے لوگوں کو اس تمام واقعے کی خبر ہوئی تو بہت گھبرائے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر عبد المطلب کو اس ارادے سے باز رکھتے ہوئے کہا، ''خدا کے لئے فی الحال عبداللہ کو ذبح نہ کیجئے، ہوسکتا ہے خدا کوئی اور صورت پیدا کر دے۔''

دراصل لوگوں کا خیال تھا کہ اگر ایک بار عبد المطلب نے اپنے بیٹے کی قربانی دے دی تو لوگ اس کے بعد اپنے بچے اسی طرح ذبح کرنے لگیں گے۔ کافی بحث و اصرار کے بعد فیصلہ ہوا کہ خیبر کی طرف (یا یثرب کے قریب) رہنے والی ایک نجومی عورت عرافہ سے ملا جائے جو اس قسم کی گتھیاں سلجھانے کی ماہر تھی۔ جب اس نجومی عورت سے رابطہ کیا گیا اور عبد المطلب کے بیٹے عبداللہ اور ان کی نذر کا معاملہ اس کے سامنے رکھا گیا تو اس نے کہا کہ دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالا جائے۔ اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو بہتر، ورنہ دس کی جگہ بیس اونٹ کر دیئے جائیں۔ اگر پھر بھی عبداللہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دیئے جائیں۔ اس طرح اونٹوں کی تعداد بڑھاتے رہو یہاں تک کہ رب راضی ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک طرف قرعہ ڈالا جاتا رہا اور دوسری جانب لوگ خدا سے اس کی رضا مانگتے رہے۔ جب اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اطمینان کیا گیا۔ اب سب یہ سمجھ چکے تھے کہ رب نے عبداللہ کا فدیہ قبول کر لیا ہے۔ آخر کار عبداللہ کی جگہ پر سو اونٹوں کی قربانی کی گئی اور عبداللہ کی جان بچ گئی۔

عبداللہ اپنے زمانے کے خوب صورت اور خوب سیرت نوجوانوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی پُرکشش شخصیت کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار عبداللہ مکہ کی ایک گلی میں سے گزر رہے تھے کہ راستے میں فاطمہ بنت مُر نام کی ایک عورت جو خود بھی اپنی شرم و حیا کے اعتبار سے مشہور تھی، بڑے عجیب انداز میں عبداللہ سے ملی، ان سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور بولی، میری عقل یا اخلاق پر شک نہ کرو، میں وہی فاطمہ ہوں جس کی پہچان ہی اس کی شرم و حیا کے حوالے سے ہے۔ میں وہی کاہن ہوں جس کا علم مکے کی عام عورتوں ہی سے نہیں، مردوں سے بھی زیادہ ہے۔ میں نے اس علم کی بنا پر آپ کی پیشانی پر ایسی علامات دیکھی ہیں جو میرے سوا کسی کو نظر نہیں آسکتیں اور آپ کی پیشانی پر فروزاں انہی علامات نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں آپ سے شادی کروں۔

فاطمہ بن مُر نے مزید کہا: ''میں نے آپ کی پیشانی پر ایک ایسا نور دیکھا ہے جو کسی دوسرے کے ماتھے پر نہیں اور میں خوب جانتی ہوں کہ یہ ربانی روشنی ہے جس کا وارث آپ کا بیٹا ہوگا۔ اس جیسا بیٹا جننا ہر ماں کے بس میں نہیں، اسی لئے میں یہ آرزو رکھتی ہوں کہ آپ کا وہ بیٹا مجھ سے ہو۔'' لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ خالق و مالک اس نور میں فاطمہ کو نہیں، آمنہ کو شریک کرنا چاہتا تھا لہٰذا عبد المطلب اور یثرب کے قبیلہ بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کی ملاقات ہوئی۔ شادی کا ذکر چھڑا اور پھر شادی کی بات ہو گئی۔ عبداللہ اور آمنہ دونوں شریک حیات ہو گئے۔

جب عبداللہ نے آمنہ سے شادی کی تو اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس تھی۔ اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق عبداللہ تین دن اپنے سسرال (یثرب) میں رہے اور پھر آمنہ کے ساتھ اپنے گھر (مکہ) لوٹ آئے۔ دونوں کو ایک ساتھ رہتے ہوئے ابھی بیس دن کے قریب ہوئے ہوں گے کہ عبداللہ کا تجارتی سفر پر شام جانا ہوا۔ واپسی پر یثرب (مدینہ) سے گزر ہوا تو کچھ وقت کے لئے اپنے والد کے ننھیال (محلہ بنی

نجار) میں ٹھہرے۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسی قیام کے دوران وہ بیمار پڑ گئے۔ قافلے کے دیگر ساتھیوں نے عبداللہ کو وہیں چھوڑا اور مکہ جاکر عبدالمطلب کو عبداللہ کی بیماری کی خبر دی۔ یہ خبر ملتے ہی عبداللہ کے بڑے بھائی حارث اپنے والد کے حکم پر عبداللہ کو لینے یثرب روانہ ہوگئے، لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ عبداللہ کا انتقال ہوگیا اور رشتے داروں نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔

جب عبداللہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آمنہ امید سے تھیں۔ وہ عنقریب عبداللہ کے بیٹے کی ماں بننے والی تھیں۔ انہیں رہ رہ کر فاطمہ بنت مر کی باتیں یاد آتیں جو اس نے عبداللہ سے کی تھیں اور تاریخ نے دیکھ لیا کہ عبداللہ کا جگر گوشہ اور آمنہ کا لال ربانی روشنی کا پیکر لے کر دنیا میں ظاہر ہوا۔ ⇦ بچپن محمد ﷺ۔

✽ آب زم زم: مشہور و متبرک پانی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب ہے۔ "زم زم" کے معنی لغت عرب میں کثیر یعنی "بہت" کے آئے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زم زم کے معنی "اجتماع" کے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس مجمع میں پچاس یا اس سے زائد آدمی ہوں اس کو زمزمۃ من الناس کہتے ہیں جب کہ زم زم میں پانی بھی جمع رہتا ہے اور اس کے آس پاس لوگوں کی کثیر تعداد بھی جمع رہتی ہے۔ تیسری وجہ جو حضرت مجاہدؒ نے بیان فرمائی وہ یہ کہ "زم زم" ہزمہ سے ماخوذ ہے (اشتقاق کبیر مراد ہے) جس کے معنی ہیں، ایڑی کو زمین پر اس قدر زور سے مارنا کہ زمین میں گڑھا پڑ جائے۔ چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ایڑی کو زمین پر مارنے کی وجہ سے چاہ زم زم وجود میں آیا، اسی لئے اس کو زم زم کہتے ہیں۔ چوتھی وجہ حربی نے بیان فرمائی ہے کہ زم زم کے معنی حرکت کے ہیں اور زم زم کے پانی کو بہت حرکت سے کھینچا جاتا ہے جس سے اس میں حرکت رہتی ہے، اس لئے اس کو زم زم کہتے ہیں۔ پانچویں وجہ بعض علما نے یہ بیان کی ہے کہ زم زم ماخوذ ہے "زم زم" سے جس کے معنی ہوتے ہیں "باندھنے" اور "رکاوٹ ڈالنے" کے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے بھی زم زم کے پانی کو دائیں بائیں پھیلنے سے بچانے کے لئے مٹی کی منڈیر بنا دی تھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ منڈیر نہ بناتیں تو پوری دنیا میں زم زم کا پانی پھیل جاتا۔ ان کے علاوہ اور وجوہ بھی بیان کی گئی ہیں۔

زم زم کے علاوہ اسکے اور بھی نام ہیں مثلاً طیبہ یعنی پاک، برہ یعنی نیکی والا، مضنونہ یعنی جس کے قیمتی اور عمدہ ہونے کی وجہ سے بخل کیا جائے اور شباعہ یعنی سیر کرنے والا۔ علامہ عینی نے ایک نام "الکتم" بیان کیا ہے یعنی چھپا ہوا اور زم زم بھی اپنے ظہور کے بعد ایک زمانے تک مخفی ہوگیا تھا جیسا کہ آگے آتا ہے کہ زم زم کو "ہزمہ جبریل" اور "سقیا اسماعیل" بھی کہا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو حق تعالیٰ کے حکم سے مکہ مکرمہ کی سرزمین پر ٹھہرایا۔ اس وقت وہاں آبادی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کی ایک مشک دے کر چلے گئے۔ جب کھانے پینے کا یہ سامان ختم ہوگیا اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں پیاس سے بے تاب ہوگئے تو حضرت جبریل زم زم کی جگہ نمودار ہوئے اور اپنی ایڑی اور بقول بعض کے اپنا پر زمین پر مارا تو اسی وقت زمین سے پانی ابلنے لگا اور حضرت ہاجرہ نے پانی کے گرد مٹی جمع کر کے منڈیر بنالی تاکہ پانی بہہ نہ جائے۔ پھر اس پانی سے اپنی مشک بھرنے لگیں اور پانی جوش سے نکلنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ہاجرہ پر اللہ کی رحمت ہو، اگر وہ زم زم کے آگے رکاوٹ نہ ڈالتیں تو اس کا پانی دریا کی طرح زمین میں پھیل جاتا۔ (صحیح بخاری، فتح الباری، جلد۶)

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو جب حق تعالیٰ نے زم زم عطا کیا تو کچھ عرصے کے بعد جرہم قبیلہ پانی کی جستجو میں وہاں آیا اور زم زم کے کنویں کے قریب آباد ہوگیا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ان کو زم زم کا پانی لینے کی اجازت خوشی سے دے دی، لیکن شرط یہ لگا دی کہ تم اس کے مالک نہیں ہوگے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی وفات کے بعد یہ قبیلہ ایک عرصے تک وہاں آباد رہا اور پھر رفتہ رفتہ ان میں دین کی کمزوری پیدا ہوتی گئی۔ پھر یہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگے اور حرم شریف کی بے ادبی کرنے لگے تو

حق تعالیٰ نے ان کو سزا دی کہ زم زم کا پانی خشک ہو گیا اور اس پر مسلسل مٹی پڑتی رہی یہاں تک کہ اس کا نشان بھی مٹ گیا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد حضور اقدس ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو خواب میں حکم دیا گیا کہ زم زم کے کنویں کو کھودیں۔ دو دفعہ خواب دیکھا (← آباواجداد نبوی)، مگر ان کو زم زم کا علاقہ معلوم نہ تھا وہ پریشان ہوئے کہ کہاں سے کھودوں۔ پھر تیسری بار خواب دیکھا۔ اس بار زم زم کا علاقہ متعین طور پر خواب میں ان کو بتا دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیا اور جو جگہ خواب میں بتائی گئی تھی، وہاں کھدائی شروع کر دی۔ کچھ ہی زمین کھودنے سے زم زم کا کنواں ظاہر ہو گیا جس سے عبدالمطلب کو بڑی خوشی ہوئی۔ پہلے پہل قریش نے آپ سے ٹکراؤ کرنے کا ارادہ کیا اور زم زم میں اپنی شرکت بھی بتانے لگے، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ جن سے ان کی مخالفت رفع ہو گئی اور انہوں نے عبدالمطلب کا حق زم زم میں بلا شرکت غیرے تسلیم کر لیا۔

بیسویں صدی میں صفائی

سعودی عرب کے فرماں روا شاہ خالد مرحوم نے اپنی زندگی میں آب زم زم کے چشمے کی صفائی کا بیڑا اٹھایا تھا اور اس طرح تاریخ میں پہلی بار اس چشمے کے اندرونی حصے کی تصویریں نہایت عمدہ قسم کے کیمروں سے اتاری گئیں۔ اس منصوبے کو مکمل کرنے کا سہرا انجینئر یحییٰ کوشک کے سر رہا۔ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ کو زم زم کی صفائی کا آغاز کیا گیا۔ اس کے لئے مختلف قسم کے ڈول، بالٹیاں اور پمپ استعمال کئے گئے اور اتنی مٹی نکالی گئی کہ اس سے ۱۰۰ تھیلے بھر گئے۔ اس مٹی سے کافی تعداد میں ایسے سکے برآمد ہوئے جو صدیوں پرانے تھے۔ کئی اسلامی حکومتوں کے سکے بھی ان میں شامل تھے۔ یہ سب چیزیں کنویں کی مٹی کے نمونوں سمیت محفوظ کر لی گئی ہیں۔ کنویں کے اوپر والے حصے میں بھر بھری مٹی تھی جو ساڑھے تیرہ میٹر تک تھی۔ یہاں سے پانی کے رسنے کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس کے گرد سرخ چٹانوں کا ایک گھیرا ہے۔ ان پتھروں کی رنگت اب بھی نئے پتھروں جیسی ہے یعنی ان پتھروں پر پانی کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس کے بعد ۷ میٹر لمبی چٹان ہے۔ اس پر "باذن اللہ" کے الفاظ کھدے ہوئے ہیں۔ کنویں سے پانی نکالنے کے لئے چار بڑے پمپ استعمال کئے گئے اور دو غوطہ خور کنوئیں کی صفائی کے لئے اتارے گئے۔ کنویں میں اترنے سے پہلے دونوں غوطہ خور آب زم زم سے وضو اور پھر غسل کرتے تھے۔ صفائی کا کام ۲۵ رجب ۱۳۹۹ھ کو ختم ہوا۔ اس کے بعد ۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کو کنویں کے چاروں طرف جمع ہونے والے پانی کی نکاسی کے انتظام کو بہتر بنایا گیا۔

حضرت ابوذر معراج کے واقعے کو نقل کرتے ہوئے حضور ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ میرے سینے کو کھول کر زم زم شریف کے پانی سے دھویا گیا۔ (بخاری) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو زم زم کا پانی پلایا اور آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیا۔ بہت سے علما کے ہاں زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پینا مسنون نہیں ہے بلکہ بیٹھ کر پینا افضل ہے، اگرچہ بعض دوسرے علما کے ہاں کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی کہ جو زم زم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کا حد سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور بیٹھ کر پینے والوں کو ترچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

مسند بزار میں حضرت ابوذر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "زم زم کا پانی مکمل غذا ہے اور اس کے پینے والے کو سیر ہونے کے لئے کسی اور طعام کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس کے پینے سے بیماری دور ہو جاتی ہے۔"

آب زم زم پینے کے آداب

ابن ماجہ شریف میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ایک شخص کو فرمایا: (آب زم زم) پینے کے وقت قبلہ رخ ہو جائے، بسم اللہ پڑھے، تین سانس میں پئے، کوکھیں بھر کر پئے، فارغ ہونے کے بعد الحمد للہ پڑھے اور پھر حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ہمارے اور منافقوں کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ وہ زم زم کا پانی خوب سیر ہو کر نہیں پیتے۔ (ابن ماجہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے "فضائل حج" میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں زم زم کا پانی خوب پیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خود ڈول بھر کر پیوں، مگر پھر سب لوگ خود بھرنے لگیں گے اس لئے نہیں بھرتا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے خود ڈول بھرا۔ ممکن ہے کہ کسی وقت خود بھرا ہو اور دوسرے وقت مجمع کی وجہ سے یہ عذر فرمادیا ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عباس سے زم زم کا پانی طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس پانی میں (جو حوض کی قسم کی پانی کے مجتمع ہونے کی جگہ تھی) سب لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں، گھر میں صاف پانی رکھا ہوا ہے، اس میں سے لاؤں؟ حضور ﷺ نے فرمایا، نہیں! جس میں سے سب پیتے ہیں اسی میں سے پلاؤ! انہوں نے آب زم زم پیش کیا۔ حضور ﷺ نے پیا اور آنکھوں پر ڈالا۔ پھر دوبارہ لے کر پیا اور اپنے اوپر دوبارہ ڈالا۔ (کنز)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ڈول بھرنے کا حکم فرمایا۔ ڈول بھر کر کنویں کے کنارے پر رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے اس ڈول کو ہاتھ سے پکڑ کر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا۔ پھر فرمایا، الحمد للہ۔ پھر ارشاد فرمایا، ہم میں اور منافقوں میں یہی فرق ہے کہ وہ خوب سیر ہو کر اس کو نہیں پیتے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے مصلے پر نماز پڑھا کرو اور نیک لوگوں کے پانی سے پیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا مصلا کیا چیز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، میزاب رحمت کے نیچے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا پانی کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، زم زم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زم زم کا پانی اپنے ہاتھ سے لے جاتی تھیں اور یہ نقل کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بھی لے جایا کرتے تھے اور بیماروں پر چھڑکتے تھے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تحنیک کے وقت ان کو آب زم زم دیا گیا۔

*** آب کوثر:** کوثر کا پانی۔ نبی کریم ﷺ کے لئے جنت میں جو مخصوص حوض ہے اس کا نام "حوض کوثر" ہے اور حوض کوثر کا پانی "آب کوثر" کہلاتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (معراج کی رات) میں جنت میں پھر رہا تھا کہ میرا گزر ایک نہر پر ہوا جس کے دونوں طرف خالی موتیوں کے گنبد تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے۔ وہ کوثر جو آپ ﷺ کے پروردگار نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی نہایت خوشبودار ہے۔

ایک بار نبی کریم ﷺ سے آب کوثر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ وہ پانی جس نے پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ اس میں (حوض کوثر میں) پانی کے دو پرنالے گرتے ہیں جو حوض کو پانی سے لبریز رکھتے ہیں۔ ایک پرنالہ چاندی کا اور ایک سونے کا ہے اور یہ پانی جنت سے آتا ہے۔ قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ اپنے نیک امتیوں کو اس حوض سے آب کوثر پلائیں گے۔ مفسرین کے مطابق، تیسویں پارے کی سورۂ کوثر میں بھی اسی حوض کوثر کا ذکر ہے۔

آح

*** آحاد، اخبار:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ ⇦ اخبار آحاد۔

آخ

*** آخری چہار شنبہ:** ایک تہوار جو ماہ صفر المظفر کے آخری بدھ کو منایا جاتا ہے۔ فارسی میں "بدھ" کو "چہار شنبہ" کہتے ہیں۔ یہ تہوار اس واقعے کی یاد کے طور پر منایا جاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ایک طویل بیماری کے بعد صحت یاب ہوئے تھے اور غسل صحت فرما کر شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے گئے تھے، لیکن اس واقعے میں کسی قسم کی سند نہیں ہے اور یہ تہوار محض پاک و ہند کے مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ آخری چہار شنبہ کی رسم زیادہ تر مغلیہ دور میں پروان چڑھی۔ منشی فیض الدین نے "بزم آخر" میں قلعہ معلّٰی دہلی کے آخری

چہار شنبہ کا حال لکھا ہے کہ بادشاہ، شہزادے اور دہلی کے مکین اس رسم میں ذوق و شوق سے حصہ لیتے اور بے تحاشا رقم بہاتے۔ اس رسم کا آغاز صفر کی تیرہ تاریخ کو ہوتا تھا، لیکن اب دیکھا گیا ہے کہ اس رسم کا رواج کمزور پڑ گیا ہے۔

آس

✽ آسمانی کتابیں: الہامی کتب، وہ کتب جو کسی انسان کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئیں۔ اکثر پیغمبروں پر محض وحی مصحف کرانے کی ہدایت ہوئی یعنی انہیں صحائف لکھنے کا حکم ہوا جب کہ چند پیغمبروں پر کتابیں نازل ہوئیں۔ یہی کتابیں "آسمانی کتابیں" کہلاتی ہیں۔ یہ چار ہیں:

(الف) — زبور، جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔

(ب) — توریت، جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی۔

(ج) — انجیل، جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی۔

(د) — قرآن مجید، جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

ان میں سے پہلی تین کتب تو اپنی اصل حالت میں دنیا میں دستیاب نہیں، لیکن قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے۔ ← قرآن

آل

✽ آل رسول ﷺ: حضرت فاطمہ کی نسل۔ دراصل نبی کریم ﷺ کی نسل آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ سے چلی ہے، اس لئے بنی فاطمہ کو "آل رسول" کہتے ہیں۔ انہیں "آلِ نبی" بھی کہا جاتا ہے تاہم علمائے اسلام نے آل رسول کے وجود کو دو طرح بیان کیا ہے، ایک جسمانی جس کا تعلق ماضی سے ہے اور دوسرا روحانی جس کا تعلق حال سے ہے۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جس کے نزدیک زیر بحث موضوع کا تعلق ماضی سے ہے، وہ آل رسول پیغمبر اسلام، آپ ﷺ کی بیٹی فاطمۃ الزہرا بنت رسول، آپ کے داماد اور چچیرے بھائی حضرت علی، آپ ﷺ کے دونوں نواسے حضرت حسن و حضرت حسین کو قرار دیتا ہے جب کہ روحانی پہلو سے بات کرنے والے گروہ کے نزدیک علاوہ ان پاکیزہ نفوس کے (جن کی تعظیم کرنا ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے) آپ ﷺ کی تمام اُمت یعنی فرزندان توحید اور ملت اسلامیہ پر آل رسول ﷺ اطلاق ہوتا ہے۔

✽ آل عبا: حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کو آل عبا بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل ایک بار نبی کریم ﷺ نے ان افراد کو اپنی عبا کے نیچے لے کر دعا فرمائی تھی۔ اس وقت سے ان کو "آل عبا" بھی کہا جاتا ہے۔

آم

✽ آمنہ: نبی کریم ﷺ کی والدۂ محترمہ کا نام۔ وہ خاندان قریش سے تھیں۔ والد وہب یثرب (مدینہ کا پرانا نام) جا کر آباد ہو گئے تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ (نبی کریم ﷺ کے والد محترم) سے ان کی شادی کر دی۔ آمنہ ایک پرہیزگار اور خدا ترس خاتون تھیں۔ والد کا نام وہب بن عبد مناف بن کلاب تھا اور والدہ کا نام برہ بنت عبد العزیٰ بن کلاب تھا۔ ان کا نکاح عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ سے ہوا۔ اس نکاح کے بعد عبداللہ ایک تجارتی سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ ابھی راستے ہی میں تھے کہ انہوں نے وفات پائی۔ شوہر کی وفات کے بعد آمنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بیٹے سے نوازا جو بعد میں چل کر نبی ہوا یعنی محمدا (ﷺ)۔

رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ حمل میں آئے تو ان کو خواب میں بشارت دی گئی کہ تم اس اُمت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو۔ جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا: اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد اور ان کا نام "محمد" رکھنا۔

حمل کے دوران آپ ﷺ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے شہر بصرہ و شام کے محل ان کو نظر آئے۔

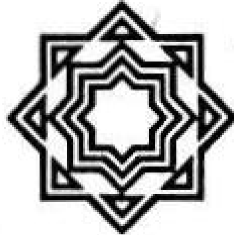
آمنہ نے رواج کے مطابق نبی کریم ﷺ کو چھ ماہ کی عمر میں قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حضرت مائی حلیمہ سعدیہ کے ہمراہ بھیج دیا۔ اس طرح نبی کریم ﷺ چھے سال کی عمر کو پہنچ گئے۔ اب آپ ﷺ اپنی والدہ کے ساتھ رہنے لگے۔ حضرت آمنہ کو اپنے پیارے بیٹے کا بڑا خیال تھا۔ وہ آپ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتیں۔ حضرت آمنہ اپنے شوہر اور نبی کریم ﷺ کے والد کی قبر پر ہر سال جایا کرتی تھیں۔ اس سال بھی معمول کے مطابق انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھ لیا اور یثرب اپنے شوہر عبداللہ کی قبر پر پہنچ گئیں۔ یہاں ایک ماہ قیام کے بعد جب وہ واپس مکہ تشریف لا رہی تھیں تو مکہ اور یثرب (مدینہ) کے درمیان ایک مقام "ابوا" (⇦ابوا) پر ان کا بھی انتقال ہو گیا اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا۔ ⇦ آباو اجداد نبوی + عبداللہ + عبدالمطلب + ابوطالب + بچپن رسول۔

آن

*** آنسہ مولیٰ:** صحابی رسول ﷺ۔ نام آنسہ تھا۔ کنیت ابومسروح اور ابومسرح تھی۔ سراۃ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے اسلام ہی میں اسلام قبول کیا اور سابقون الاولون میں داخل ہوئے۔ غلاموں میں سے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص انس تھا، اس لئے ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے اور دربانی کی ذمے داری نباہتے۔

حضرت آنسہ مولیٰ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور ایک روایت کے مطابق غزوۂ بدر میں، دوسری کے مطابق غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ تاہم جمہور اہل سیر کے نزدیک انہوں نے حضرت صدیق اکبر کے دور میں وفات پائی۔

⇦ سابقون الاولون + بدر، غزوہ + احد، غزوہ، + صدیق اکبر۔



الف

اب

٭ ابان بن سعید: ایک صحابی جن کا شجرۂ نسب پانچویں پشت میں نبی کریم ﷺ سے جا ملتا ہے۔ غزوۂ بدر میں کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر جب کفار سے صلح مشورہ کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا تو وہ حضرت ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہی کے گھر پر ٹھہرے۔ حضرت ابان نے حضرت عثمان کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ حضرت ابان غزوۂ خیبر سے پہلے اسلام لائے اور مکہ سے مدینہ آگئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بحرین کا عامل مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں یمن کے گورنر بنائے گئے اور جنگ اجنادین میں شہادت پائی۔ ان کے سات بھائی تھے جن میں تین کے سوا باقی سب مشرف بہ اسلام ہوئے۔

٭ ابان بن عثمان: محدث اور فقیہ۔ حضرت عثمان کے بیٹے ام عمرو بنت جندب کے بیٹے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے انہیں مدینہ کا والی مقرر کیا اور سات سال تین ماہ اور تیرہ دن اس عہدے پر فائز رہے۔ یزید بن عبدالملک کے عہد میں ۱۰۵ھ (۷۲۳ء) میں وفات پائی۔ ابان محدث اور فقیہ کے طور پر مشہور تھے۔ امام نووی کے مطابق ان کا شمار مدینہ کے خاص فقہا میں ہوتا تھا۔

٭ ابراہیم علیہ السلام: نبی کریم ﷺ کے جد امجد، اللہ کے نبی۔ نبی حضرت محمد ﷺ سے خاص تعلق کی وجہ سے مسلمان نہ صرف رسول ﷺ پر درود بھیجتے ہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود بھیجتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کو ابوالانبیاء، خلیل اللہ، امام الناس، حنیف اور مسلم کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم کا نام "ابراہام" ہے۔ (پیدائش (۱۷=۵) اکثر ماہرین کے نزدیک ابراہام یا ابراہیم عجمی لفظ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پہلے آپؑ کا نام "ابرام" ہو اور پھر "براہام" یا "ابورہام" ہوگیا ہو۔

قرآن حکیم کی رو سے بچپن ہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "رشد" (الانبیا: ۵۱)، اور "قلب سلیم" (الصافات: ۸۴)، عطا ہوا اور کائنات کے مشاہدے سے آپ کو یقین کامل حاصل ہوا۔ (الانعام: ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت

کسدیوں کے قدیم شہر "ار" (UR) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی جو جنوبی عراق میں دریائے فرات کے کنارے بابل اور نینوا سے پہلے آباد تھا۔ اس کا محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل تل ابیب کے نام سے موسوم ہے۔ اب تک اس شہر کا نام صرف تورات کے صفحات میں محفوظ ہے اور فلاڈلفیا یونیورسٹی امریکہ کے عجائب خانے اور برطانوی عجائب گھر کی ایک مشترکہ جماعت نے موجودہ صدی میں اس شہر کے آثار تلاش کئے ہیں اور اس انکشاف سے حضرت ابراہیم کی سرگزشت اور ان کے حالات زندگی اور بھی واضح ہوگئے ہیں۔ آپؑ کی وفات فلسطین یا موجودہ شام میں ہوئی جس کو پہلے زمانے میں کنعان بھی کہتے تھے۔ وہ مقام جہاں آپؑ کا وصال ہوا، تورات میں "حبرون" کے نام سے مذکور ہے۔ آپؑ کا مدفن مکفیلہ کے کھیت کا غار بتایا گیا ہے جو حبرون کے سامنے واقع تھا۔ نیز تورات یہ بھی بتاتی ہے کہ آپؑ اہل قدان میں سے تھے اور آپؑ کی قوم بت پرست تھی۔

انجیل برناباس میں تصریح ہے کہ آپؑ کے والد نجاری کا پیشہ کرتے

اور اپنی قوم کے مختلف قبائل کے لکڑی کے بت بنا کر فروخت کرتے تھے، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد وہدایت عطا فرمائی تھی۔ قرآن حکیم میں آتا ہے: "اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو اول روز ہی سے رشد وہدایت عطا کی تھی اور ہم اس کے معاملے کے جاننے والے تھے جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا، یہ مجسمے کیا ہیں جن کو تم لئے بیٹھے ہو۔ کہنے لگے، ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا، بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، کیا تو ہمارے لئے کوئی حق لایا ہے یا یوں ہی مذاق کرنے والوں کی طرح کہتا ہے۔ ابراہیم نے کہا، یہ تمہارے رب نہیں ہیں بلکہ تمہارا پروردگار زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔" (الانبیا:۵۶)

تورات کی تصریح کے مطابق، حضرت نوح سے حضرت ابراہیم تک دس پشتیں ہیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے: حضرت ابراہیم بن تارح بن ناحور سروج بن رعو بن فالجبن مابر بن شالح بن ارفکشاذ بن نوح بن ہود۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر بتایا ہے۔ اس کی تطبیق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، اول یہ کہ اس کا نام تارح اور لقب آزر تھا، اور دوم یہ کہ تارح باپ اور آزر چچا تھا جس نے آپ کی پرورش کی۔ چونکہ عربی میں باپ اور چچا کے لئے ایک ہی لفظ مستعمل ہے، اس لئے قرآن نے اس کو "اب" (باپ) کہا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ زمانہ قدیم میں لوگ اپنی اولاد کے نام بتوں کے نام پر رکھ لیتے تھے، لیکن ممکن ہے کہ تارح کا نام اسی لئے آزر رکھا گیا ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد سورۂ انبیا کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے والد تارح کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔ چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اس لئے آزر کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آزر قدیم کالدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے جس نے بعد کو عربی آزر کی شکل اختیار کر لی، اسی لئے قرآن نے اس کا ذکر آزر کے نام سے کیا ہے۔ (ترجمان القرآن)

تارح آزر کے تین بیٹے تھے، ابراہیم، ہاران اور ناحور۔ ہاران اپنے باپ کی زندگی ہی میں اپنے بیٹے لوط کو چھوڑ کر مر گیا۔ ناحور کے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ کب اور کہاں رہا، البتہ ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں نام پایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوئے اور نبی بنائے گئے۔

لفظ ابراہیم، "اب و راحم" سے مرکب ہے جس کے معنی "مہربان باپ" کے ہیں۔ امام رازی و دیگر کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد بت گرو بت فروش نہیں بلکہ مؤمن و موحد انسان تھے۔ صنم پرستی اور صنم فروشی کا کاروبار آپ کے چچا کرتے تھے جن کا نام آزر تھا۔ ابوالفدا مورخ نے حضرت نوح کے طوفان اور حضرت ابراہیم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار اکیاسی برس کا فاصلہ شمار کیا ہے۔ طبری نے ۱۹۸۰ برس لکھا ہے۔ نیز طبری کی رائے میں بعض اہل کتاب کا خیال ہے کہ طوفان اور ولادت ابراہیمی میں ایک ہزار دو سو تریسٹھ سال کا فرق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت جن حالات میں ہوئی وہ نہایت مخدوش اور نامساعد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپؑ کی ولادت سے قبل نجومیوں نے نمرود کو پیشین گوئی کی تھی کہ اسی سال ایک بچے کی ولادت سے تمہاری حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور تمہارا شاہی مذہب باطل ٹھہرے گا۔ نمرود کے استفسار پر نجومیوں نے اس بچے کا نام ابراہیم بتایا۔ چنانچہ نمرود نے یہ سنتے ہی تمام شہر میں منادی کرادی کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کے پاس نہ جائے اور جو بھی لڑکا اس سال میں پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم ایک مدت تک جاری رہا اور ہزاروں بے گناہ معصوم بچے قتل کر دیئے گئے۔ حضرت ابراہیم کی والدہ آپ کی ولادت سے قبل ایک غار میں چھپ گئیں جہاں آپؑ تولد ہوئے۔ آپ کی پرورش ایک عرصہ تک غار ہی میں ہوتی رہی حتیٰ کہ آپ سن بلوغ کو پہنچ گئے اور آپ نے علی الاعلان بت پرستی کی مخالفت اور تکذیب فرمائی۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابراہیم ان قبائل سامیہ میں مبعوث ہوئے جو بابل، شام اور مصر میں آباد تھے اور سفر تکوین کی رو سے آپ کی ان تینوں ملکوں میں آمد و رفت اور سفر و اقامت ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانے میں پیدا ہوئے اس وقت بابل اور مصر پر بھی قدیم سامی

قومیں حکمران تھیں جن کو "عاد" اور "ثمود" کہتے ہیں۔ بابلی قوم (صابی) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سیارہ پرست تھے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ستارہ پرستی کے علاوہ بت پرستی بھی ان کا شیوہ تھا۔ اس زمانے کے سامیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام دنیا ارواح سے بھری ہوئی ہے جن میں زیادہ تر ارواح خبیثہ اور کچھ ارواح طیبہ ہیں۔ ان کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ ارواح خبیثہ کو نذر و نیاز، قربانی اور چڑھاوے سے خوش کرنا چاہئے اور ارواح طیبہ کو مدح و ثنا گا کر ان کے مقابلے کے لئے تیار کرنا چاہئے۔ ان میں سے ہر روح کا مسکن ایک ستارہ ہے۔ بابل کے کھنڈرات میں جو تختیاں اور ہیکلوں کے جو کتبات پڑھے گئے ہیں ان میں بیسیوں معبودوں کے نام ملتے ہیں۔

قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر مطلق کان نہ دھرے بلکہ آپ کا مذاق اڑایا۔ اس سلسلے میں حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے باپ کو دعوت حق کی طرف مائل کرنا چاہا، مگر اس نے اپنے بیٹے کو دھمکایا اور کہا کہ اگر تو بتوں کی برائی سے باز نہیں آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اس پر حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا کہ میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے:

"اور اے پیغمبر! الکتاب میں ابراہیم کا ذکر کر، یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا۔ اس وقت کا ذکر جب اس نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! تو کیوں ایسی چیز کو پوجا کرتا ہے جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے۔ اے میرے باپ! میں سچ کہتا ہوں، علم کی ایک روشنی مجھے ملی ہے جو تجھے نہیں ملی۔ پس میرے پیچھے چل اور میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔"

باپ اور بیٹے کے درمیان جب اتفاق کی کوئی صورت نہ بنی اور آزر نے کسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا تو حضرت ابراہیم نے آزر سے جدائی اختیار کر لی اور اپنی دعوت حق اور پیغام رسالت کو وسیع کر دیا۔ اب وہ پوری قوم سے مخاطب تھے، لیکن اس قوم نے آپؑ کی ایک نہ سنی اور اپنے باطل معبودوں کی طرح دعوت حق کے سامنے گونگے، اندھے اور بہرے بن گئے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تبلیغ کا آغاز کیا تو سب سے پہلے اپنے باپ کو دین حنیف کی تلقین کی، حق کا پیغام سنایا اور راہ مستقیم دکھائی۔ اس کے بعد عوام کے سامنے اس دعوت کو عام کیا اور سب کو امر حق تسلیم کرانے کے لئے فطرت کے بہترین اصول و دلائل پیش کئے، اور مضبوط و مستحکم اور روشن حجت و دلیل کے ساتھ ان پر حق کو واضح کیا اور سب سے آخر میں بادشاہ نمرود سے مناظرہ کیا۔ اس پر روشن کیا کہ ربوبیت و الوہیت کا حق خدائے واحد کو حاصل ہے اور بڑے بڑے شہنشاہ بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حام کی اولاد میں جس شخص نے سب سے پہلے حکومت اور سلطنت کی بنیاد ڈالی، وہ کنعان بن حام بن نوح تھا۔ کنعان نے دریائے دجلہ و فرات کے زیریں حصے پر "بابل" نام کے ایک شہرۂ آفاق شہر کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر اٹھارہ مربع میل میں آباد ہوا اور اس میں ۷۵ میل لمبی، ۶۰ میل چوڑی اور ۲۵۰ فیٹ اونچی شہر پناہ گاہ بنائی گئی جس میں یکساں فاصلے پر پیائش کر کے ۱۰۰ پھاٹک بنائے گئے۔ ان پھاٹکوں میں ٹھوس برنجی پٹ چڑھے ہوئے تھے۔ ہر پہلو پر پچیس پچیس پھاٹک تھے جن سے مختلف سڑکیں نکل کر بہ خط مستقیم پھاٹکوں تک پہنچتی تھیں۔ ان شاہراہوں کے تقاطع سے شہر کے اندر خود بہ خود برابر کے مربع قطعات بن گئے تھے۔ اس طرح بابل تمام کا تمام شہر ۶۷۶ علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں تقسیم تھا۔ ہر ٹکڑا بجائے خود ایک مستحکم قطعے کی حیثیت رکھتا تھا۔ نیز شہر کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانے کے لئے ۲۵۰ خوب صورت اور عالی شان برج تعمیر کئے گئے جن میں شبانہ روز مسلح فوج رہتی تھی اور فوج کا ایک معتدبہ حصہ دن رات برابر اس دیوار پر گشت کرتا رہتا تھا۔ کنعان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ماصد تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے وقت کا جابر بادشاہ تھا جس سے لوگ خوف کھاتے تھے۔ اس کے پاس بے پناہ دولت و حشمت تھی اور ان گنت لاؤ لشکر تھا۔ روئے زمین پر یہی ظالم اور متکبر بادشاہ نمرود کے نام سے مشہور ہوا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت حق دی۔ نمرود حضرت ابراہیم کی دعوت سن کر غیظ و غضب میں آگیا اور اس نے دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے مذہب کی مخالفت کرنے پر

حضرت ابراہیم کو دہکتی آگ میں جلا دینے کا حکم دے دیا۔ حضرت ابراہیم نے اس کی مطلق پروانہ کی اور بے خوف و خطر آتش نمرود میں کود پڑے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کے ساتھ شامل حال تھی۔ جونہی آپ آتش نمرود میں داخل ہوئے، وہ گلزار خلیل میں تبدیل ہوگئی اور حضرت ابراہیم آگ میں سے سالم و محفوظ مسکراتے ہوئے باہر نکل آئے۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم کے اس معجزے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"وہ سب کہنے لگے، اس ابراہیم کو جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم کرنا چاہتے ہو۔ ہم نے حکم دیا، اے آگ! تو ابراہیم کے حق میں سرد اور سلامتی بن جا اور انہوں نے ابراہیم کے ساتھ کفر کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو ان کے ارادے میں ناکام بنا دیا۔" (سورۃ الانبیا)

"انہوں نے کہا، اس کے لئے ایک جگہ بناؤ اور اس کو دہکتی آگ میں ڈالو۔ پس انہوں نے اس کے ساتھ برا ارادہ کیا، تو کر دیا ہم نے ان کو (ابراہیم کے مقابلے میں) پست اور ذلیل۔ اور کہا ابراہیم نے، میں جانے والا ہوں اپنے پروردگار کے پاس، قریب ہے وہ مجھے راہ یاب کرے۔" (سورۃ صافات)

آگ میں پھینکے جانے کی آزمائش کے بعد حضرت ابراہیم نے قوم سے خطاب کیا اور انہیں دوبارہ تلقین کی کہ وہ بت پرستی چھوڑ دیں اور اپنے خالق حقیقی سے لو لگالیں۔ آپ نے لوگوں پر واضح کیا کہ اگر تم بت پرستی و بت فروشی سے باز نہ آئے تو تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ اس وقت کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔ اس واقعے کے بعد جب ابنائے قوم اور باپ کے مظالم اور سختیاں بہت زیادہ ہوگئیں تو آپ نے منشائے الٰہی کے مطابق سرزمین شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ ملک شام ہی وہ بابرکت زمین ہے جس کا وعدہ آپ کی اولاد سے کیا گیا تھا، اس لئے اس کو "وعدہ کی سرزمین" بھی کہتے ہیں۔ تورات کی تصریح کے مطابق ہجرت کے وقت آپ کی عمر پچھتر سال تھی۔ اس سرزمین پر آپ کی نسل نے حکمرانی کی جس کا آغاز آپ کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہوا۔ حضرت یعقوب کا لقب "اسرائیل" تھا۔ شام میں سکونت کے دوران حضرت ابراہیم کو اللہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً بشارتیں بھی ملتی رہیں۔

کنعان (شام) میں جب قحط پڑا تو حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی حضرت سارہ اور حضرت لوط کے ہمراہ مصر کا سفر اختیار کیا۔ اس وقت کا حکمران آپ کا ہم نسب تھا، جس کا نام "علوان بن سان" تھا۔ وہ مصر کا پہلا فرعون مشہور ہوا۔ اس نے حضرت سارہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا ناپاک ارادہ کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کی حفاظت فرمائی۔ شاہ مصر، حضرت سارہ کی کرامت دیکھ کر ڈر گیا۔ اس نے حضرت ابراہیم کو مصر سے رخصت ہوتے وقت تحائف کے ساتھ اپنی بیٹی بھی خدمت میں پیش کی۔ مصر کی یہی شہزادی حضرت ہاجرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت ہاجرہ کا عبرانی نام "ہافار" تھا۔ جب فرعون مصر نے ان کو حضرت سارہ کو دیا تو ان کا نام آجر ٹھہرا پھر انہوں نے جب ہجرت کی اور مکہ میں آکر آباد ہوگئے تو آپ کا نام ہاجرہ ہوا۔

حضرت سارہ بانجھ تھیں۔ جب ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو کنعان میں قیام کے دس سال بعد انہوں نے حضرت ہاجرہ کو خود حضرت ابراہیم کی زوجیت میں دے دیا جن کے ہاں پہلے سال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تولد ہوئے۔ خاندان اور وطن چھوڑتے وقت حضرت ابراہیم نے بارگاہ ایزدی میں اولاد صالح کے لئے دعا کی تھی۔ حضرت اسمٰعیل آپ کے پہلے فرزند تھے۔ ان سے اگلے سال حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے پھر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجاز کی طرف ہجرت کرنے اور کعبۃ اللہ کی تعمیر اور حج و قربانی کا حکم ہوا۔ حضرت سارہ کا کنعان میں ۱۲۷ برس کی عمر میں انتقال ہوا تو ان کے بعد حضرت ابراہیم نے حضرت قطورا سے تیسری شادی کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا سلسلہ نسب انہی سے ملتا ہے۔ حضرت سارہ کے انتقال کے بعد آپ ۳۸ سال زندہ رہے اور ۱۷۵ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت بلند اور عظیم المرتبت پیغمبر تھے۔ خلیق، رحم دل، بردبار، متواضع، مہمان نواز، خدا ترس اور خدا شناس..... الغرض ہزاروں خوبیاں آپ میں تھیں۔ تعمیر کعبہ کے وقت آپ نے حضور ﷺ کی پیدائش کے لئے دعا فرمائی تھی۔ آپ کے انتقال کے بعد دنیا میں جتنے انبیا مبعوث ہوئے وہ سب آپ کی اولاد

میں سے تھے۔ آپؑ کو "ابوالانبیا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپؑ پر دس صحیفے نازل ہوئے۔

ہارون یحییٰ کی تحقیق

ترکی کے مشہور اور منفرد محقق جناب ہارون یحییٰ نے اپنی ایک کتاب "پیرشڈ نیشنز" (PERISHED NATIONS) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی ایک باب تحریر کیا ہے۔ اپنی کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذیل میں ہارون یحییٰ تحریر کرتے ہیں:

عہد نامہ قدیم حضرت ابراہیم کے بارے میں معلومات کا غالباً سب سے تفصیلی ذریعہ ہے۔ اگرچہ اس میں زیادہ تر غیر معتبر روایات ہیں۔ اس کی روایت کے مطابق، حضرت ابراہیم "ار" میں ۱۹۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ یہ شہر اپنے زمانے کے اہم ترین شہروں میں سے ایک تھا اور میسو پوٹیمیا کے میدانی علاقے کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کا نام "ابراہیم" یا "ابراہام" (IBRAHAM) نہیں تھا بلکہ "ابرام" (ABRAM) تھا۔ بعد میں خدا نے ان کا نام بدل دیا۔

عہد نامہ قدیم کے مطابق، ایک دن خدا نے ابرام سے اپنے ملک و قوم کو چھوڑ کر نامعلوم ملک کی طرف سفر کرنے اور وہاں نیا معاشرہ شروع کرنے کو کہا۔ پچھتر سال کی عمر میں ابرام یہ حکم سننے کے بعد اپنی بانجھ بیوی ساری (sarai = جو بعد میں سارہ یعنی ملکہ کے نام سے جانی گئیں) اور اپنے بھائی کے بیٹے لوط کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ منتخبہ مقام کی تلاش کے دوران وہ لوگ ایک اثنا کے لیے حاران میں رکے، اور پھر اپنا سفر جاری رکھا۔ جب وہ لوگ کنعان پہنچے جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ جگہ خاص طور پر ان کے لئے منتخب کی گئی اور عطیہ کی گئی ہے۔ جب ابراہیمؑ ۹۰ سال کے ہوئے تو انہوں نے خدا سے ایک معاہدہ کیا اور ان کا نام بدل کر ابراہام (ابراہیم) کر دیا گیا۔ ایک سو پچھتر سال کی عمر میں وہ فوت ہوئے اور ان کو مغربی کنارے میں حبرون (الخلیل) شہر کے قریب مکفیلہ کے غار (cave of machpelah) میں دفن کیا گیا جو اب اسرئیل کے زیر تسلط ہے۔ یہ جگہ ابراہیم علیہ السلام نے خریدی تھی اور اس خاص زمین پر ان کی اور ان کے خاندان کی پہلی ملکیت تھی۔

ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش عہد نامہ قدیم کے مطابق

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش ہمیشہ سے موضوع بحث رہی ہے۔ عیسائی اور یہودی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنوبی میسو پوٹیمیا میں پیدا ہوئے، جبکہ اسلامی دنیا میں یہ خیال عام ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش عرفہ حران (urfa - harran) کے قریب ہے۔ چند نئے مطالعوں کے مطابق، یہودی اور عیسائی نظریے مکمل سچائی ظاہر نہیں کرتے۔

یہودی اور عیسائی عہد نامہ قدیم کے بیان پر انحصار کرتے ہیں اور اس میں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ جنوبی میسو پوٹیمیا میں واقع شہر "ار" میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اس شہر آئے اور پھر انہیں مصر جانے کو کہا گیا۔ ترکی میں حران کے علاقے سے گزرتے ہوئے وہ ایک لمبے سفر کے بعد مصر پہنچے۔

تاہم عہد نامہ قدیم کے دریافت شدہ ایک حالیہ مسودے نے ان معلومات کی صداقت کے بارے میں بڑے شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ تیسری صدی قبل مسیح کے اس یونانی مسودے میں کہ جس کے بارے میں خیال ہے کہ اب تک معلوم عہد نامہ قدیم کا یہ سب سے قدیم نسخہ ہے، "اُر" کا قطعاً ذکر نہیں ہے۔ اب عہد نامہ قدیم کے محققین کہتے ہیں کہ لفظ "ار" نامناسب یا بعد کا اضافہ (تحریف) ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام "ار" میں پیدا نہیں ہوئے اور نہ کبھی اپنی زندگی میں میسو پوٹیمیائی خطے میں رہے۔

مزید یہ کہ یہ لوگ جن مقامات کا نام لیتے ہیں اور جن خطوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، وقت کے ساتھ بدلتے رہے۔ دور حاضر میں میسو پوٹیمیائی میدانوں سے عموماً دریائے دجلہ و فرات کے درمیان عراق کے جنوبی کنارے کی زمین مراد لی جاتی ہے۔ جب کہ آج سے دو ہزار یے قبل میسو پوٹیمیا کا اطلاق اس مشرقی حصے پر ہوتا تھا جو حاران

سے لے کر موجودہ ترکی تک پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ اگر ہم عہد نامہ قدیم میں بیان کردہ "میسوپوٹیمیائی میدان" کو درست تسلیم کرلیں تو یہ سمجھنے میں غلطی ہوسکتی ہے کہ اس سے مراد دو ہزار سال پہلے کا میسوپوٹیمیا اور آج کے میسوپوٹیمیا یکساں علاقے ہیں۔

حتیٰ کہ اگر "ار" شہر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش ہونے پر بہت سے شبہات و اختلافات ہیں تو اس معاملے پر اتفاق ہے کہ حاران اور اس کا مضافاتی علاقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جائے رہائش تھے۔ مزید یہ کہ عہد نامہ قدیم پر ہونے والی ایک مختصر تحقیق واضح کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش حاران تھی۔ مثال کے طور پر عہد نامہ قدیم میں حاران کے علاقے کا تعین "ارامی علاقہ" کے طور پر کیا گیا ہے۔ (کتاب پیدائش ۱۱:۳۱، ۲۸:۱۰)۔

یہ کہا جاتا ہے کہ جو لوگ ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے آئے، ایک "ارامی" کے بیٹے تھے۔ (کتاب استثنا ۲۶:۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک "ارامی" کے طور پر شناخت یہ ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی اس علاقے میں گزاری۔

عہد نامہ قدیم میں کیوں تحریف کی گئی؟

عہد نامہ قدیم اور قرآن پاک میں دو مختلف نبیوں کا ذکر ملتا ہے جنہیں ابراہام (Abraham) اور ابراہیم (Ibrahim) کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ایک بت پرست قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم کے لوگ آسمان، ستاروں، چاند اور کئی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی ضعیف الاعتقادی کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس کے نتیجے میں پورے معاشرے کی بہ شمول اپنے باپ کے، دشمنی مول لی۔

جب کہ ایسی کسی بات کا عہد نامہ قدیم میں ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے اور اپنی قوم کے بتوں کو توڑنے کی کوئی وضاحت عہد نامہ قدیم میں نہیں ہے بلکہ عہد نامہ قدیم میں عمومی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودیوں کا جد اعلیٰ (بزرگ) ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ عہد نامہ قدیم میں یہ نقطہ نظر یہودیوں کے پیشواؤں سے لیا گیا ہے جن کے پیش نظر اپنے نسب کو بیان کرنا تھا۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو خدا نے منتخب کیا ہے اور وہ سب سے اچھی قوم ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس عقیدے کی مطابقت میں اپنی الہامی کتاب میں دیدہ و دانستہ اضافے اور کمی بیشی کر کے اس میں تحریف کر ڈالی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عہد نامہ قدیم میں محض یہودیوں کا جد اعلیٰ دکھایا گیا ہے۔ عیسائی جو عہد نامہ قدیم کو مانتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودیوں کے پیشوا اور جد اعلیٰ تھے، لیکن ان کے عقیدے میں ایک فرق ہے۔ عیسائیوں کے مطابق، حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی نہیں تھے بلکہ عیسائی تھے۔ عیسائی جو نسب کے نظریے کو تسلیم نہیں کرتے (جیسا کہ یہودی کرتے ہیں) یہ دعویٰ کرتے ہیں اور دونوں مذاہب کے درمیان اختلاف اور کشمکش کی ایک وجہ یہ نظریہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضمن میں قرآن مجید میں درج ذیل وضاحت فرماتے ہیں:

"اے اہل کتاب! کیوں حجت کرتے ہو (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں حال آنکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل، مگر ان کے (زمانے کے بہت) بعد۔ کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسی بات میں حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، لیکن (البتہ) طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔ بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (ﷺ) ہیں اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے۔" (سورہ آل عمران: ۶۵ تا ۶۸)

عہد نامہ قدیم کے برعکس قرآن پاک کے مطابق، حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسے فرد تھے جنہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو تنبیہ کی تاکہ وہ لوگ اللہ سے ڈریں اور حتی المقدور کوشش کی کہ وہ باز آجائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جوانی ہی میں تبلیغ کا آغاز کر دیا اور

بتوں کی پوجا کرنے والوں کو کہا کہ وہ بتوں کی پرستش سے باز آجائیں۔ ان کی قوم کے لوگوں نے اس پر انہیں قتل کرنے کی کوشش کی۔ ان کی اس سازش سے بچ جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام آخر کار ترک وطن کر گئے۔

⇦ آباواجداد نبوی ﷺ + آب زم زم + اسماعیل علیہ السلام + مکہ + کعبہ + مدینہ + یثرب۔

*** ابراہیم بن محمدؓ:** نبی اکرم ﷺ کی آخری اولاد جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ذی الحجہ آٹھ ہجری کو پیدا ہوئے۔ جس مقام پر آپؓ پیدا ہوئے، اس کا نام "عالیہ" تھا۔

حضرت ابراہیم کی پیدائش کے موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر نبی اکرم ﷺ سے فرمایا، اے ابراہیم کے والد! آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔

حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق، حضرت ابراہیم کی ولادت کے وقت حضور ﷺ نے ان کی والدہ (حضرت ماریہ) کی آزادی کا اعلان کیا

صرف ۱۶ ماہ زندہ رہنے کے بعد حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ۱۷ یا ۱۸ ماہ زندہ رہے۔ بیہقی کی روایت کے مطابق صرف دو مہینے دس دن کے بعد انتقال ہوا۔ واقدی کے نزدیک ۶ ربیع الاول ۱۰ ہجری کو ان کا انتقال ہوا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ حضرت عبدالرحمان بن عوف کے ہمراہ ام سیف کے مکان پر پہنچے اور اپنے بیٹے کے انتقال پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس پر حضرت عبدالرحمان بن عوف نے آپ ﷺ کو مخاطب کرکے عرض کیا کہ اے پیغمبر خدا! اگر آپ ﷺ نے اس طرح رونا شروع کر دیا تو دوسرے مسلمانوں سے ضبط کا دامن چھوٹ جائے گا اور وہ بھی رونا شروع کر دیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ رونا صرف اظہار رنج کے طور پر ہے، کیونکہ جو دوسرے کے لئے افسوس نہیں کرتا، دوسرے بھی اس کے لئے اظہار غم نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ میں نے لوگوں کو ماتم کرنے اور سینہ کوبی سے منع کیا ہے۔ بے شک ہم سب کو اپنے سے پہلے اٹھ جانے والوں سے جاملنا ہے لہٰذا ہمیں کوئی ایسا فعل نہیں کرنا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب ابراہیمؓ کی بقیہ پرورش جنت الفردوس میں ہوگی۔

حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادے کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ⇦ ماریہ قبطیہ۔

*** ابرہہ، بادشاہ:** وہ عیسائی حکمراں جس نے صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا اور خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ چلا۔ اس کا ارادہ مکہ کو ڈھانے کا تھا تاکہ لوگ عرب میں موجود عبادت گاہ (مکہ) کو چھوڑ کر اس کی تعمیر کردہ عبادت گاہ میں عبادت کے لئے آئیں، لیکن جب وہ اپنے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول کے ذریعے اس کے ہاتھیوں کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے تقریباً پچاس دن پہلے ہوا تھا۔ سورۂ فیل (پارہ ۳۰) میں اس کا ذکر ہے۔ ابرہہ ایک بازنطینی تاجر کا عیسائی غلام تھا۔ حبشہ کے بادشاہ کے مقرر کردہ حاکم یمن سمائفع کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا۔ بعد ازاں حاکم حبشہ کو خراج بھی ادا کرنے لگا۔ وہ خود کو عزلی (نائب السلطنت) کے لقب سے یاد کرتا تھا۔

*** ابرہہ، صحابی:** صحابی رسول ﷺ۔ شام اور حبشہ کے رہنے والے تھے اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے۔ ان کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی، تاہم قرائن سے اتنا پتا چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ کرام مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے تو انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کیا تھا (واللہ اعلم)۔ حافظ ابن حجر نے "اصابہ" میں دو بزرگوں کی تفصیل دی ہے جن کے نام "ابرہہ" تھے: ایک ابرہہ حبشی اور دوسرے ابرہہ آخر۔ ان میں سے ابرہہ حبشی کو نجاشی بادشاہ کے دربار میں رسوخ کا موقع ملا۔ انہی کے ذریعے اہل حبشہ اسلام سے

متعارف ہوئے اور اکثر نے اسلام بھی قبول کیا۔ جب حضرت جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے مدینہ کی طرف آرہے تھے تو اسی قافلے کے ساتھ کچھ نومسلم اہل حبشہ بھی ہو لئے جن میں حضرت ابرہہ بھی شامل تھے۔ بعد میں حضرت ابرہہ نے غزوۂ احد میں بھی شرکت کی۔ ⇦ ہجرت حبشہ + اصحمہ + نجاشی۔

✽ ابرہہ، لونڈی: ایک لونڈی جس نے اُمّ حبیبہؓ کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیغام پہنچایا تھا۔ اس کے بارے میں اس سے زیادہ تفصیل ہمیں نہیں مل سکی۔ ⇦ ام حبیبہؓ

✽ ابن اسحاق: محدث۔ مدینہ میں ۸۵ ھ (۷۰۴ء) میں پیدا ہوئے۔ احادیث جمع کرنے کا شوق تھا۔ انہوں نے ہجرت نبوی تک کا مواد دو جلدوں میں "المبتداء" کے نام سے جمع کیا۔ مالک بن انس کی مخالفت کی وجہ سے مصر چلے گئے۔ وہاں سے عراق کا رخ کیا۔ ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں بغداد میں انتقال کیا۔

✽ ابن الدغنہ: قبیلہ "قارہ" کا رئیس۔ یہی وہ شخص ہے جس کی ملاقات برک الغماد کے مقام پر حضرت ابوبکر سے ہوئی تھی اور وہ حضرت ابوبکر کو اپنی پناہ میں واپس مکہ لے آیا تھا۔ ⇦ ابوبکر صدیق + صدیق اکبر + ابوبکر۔

✽ ابن اُمّ مکتوم: صحابی رسول ﷺ۔ ان کا پورا نام عبداللہ بن ام مکتوم تھا۔ باپ کا نام "مقیس" تھا۔ آپ نابینا تھے۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ایک بار نبی کریم ﷺ قریش کے امرا کو تبلیغ کر رہے تھے کہ حضرت ابن ام مکتوم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر نبی کریم ﷺ نے ان پر توجہ نہ دی۔ اس پر سورۂ عبس کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد موذن بنا دیئے گئے۔ مدینہ میں اکثر انہی کو نائب مقرر کیا جاتا۔ آپ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ واقدی کے مطابق، مدینہ میں فوت ہوئے، لیکن زبیر بن بکار کے مطابق، جنگ قادسیہ (۱۵ھ) میں شہادت نوش کی۔

✽ ابن تیمیہ، امام: مفسر و محدث۔ پورا نام تقی الدین بن ابوالعباس احمد بن شہاب الدین عبدالحلیم بن مجد الدین عبدالسلام بن عبداللہ بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ بن تیمیہ الحرانی تھا۔ علما کے خاندان میں حران میں ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ ھ (۲۳ جنوری ۱۲۶۳ء) کو پیدا ہوئے۔ امام ابن تیمیہ حنبلی فقہ کے استاد تھے۔ جب انہوں نے مختلف فرقوں کے خلاف عملی و قلمی جہاد شروع کیا تو ۱۸ شوال ۷۰۷ ھ کو قاہرہ کے سلطان کے حکم سے حار الدیلم میں قید کر دیا گیا تاہم ڈیڑھ دو برس کے بعد چھوڑ دیا گیا اور سلطان الناصر نے اپنے مدرسے میں ان کو مدرس لگا دیا۔ دوسری بار رجب ۷۲۰ ھ (اگست ۱۳۲۰ء) میں طلاق کی قسم کا فتویٰ دینے کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے۔ چھ ماہ بعد رہا کر دیئے گئے، لیکن ایک بار پھر شعبان ۷۲۶ ھ (جولائی ۱۳۲۶ء) میں قبر پرستی کے فتوے کے جرم میں قید کر دیا گیا۔ ابن تیمیہ نے تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، لغت، فلکیات، الجبرا، تقابل ادیان وغیرہ پر پانچ سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ۲۰ ذو القعدہ ۷۲۸ ھ (۲۷ ستمبر ۱۳۲۸ء) میں ان کا انتقال ہوا۔

✽ ابن جوزی: محدث اور مورخ۔ پورا نام عبدالرحمان بن علی بن محمد ابوالفرج جمال الدین الکرشی تھا۔ بغداد میں ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں پیدائش ہوئی۔ یہیں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور یہیں پر اپنے سلسلہ مواعظ میں قرآن مجید کی تفسیر مکمل کی۔ اس لحاظ سے وہ عالم اسلام کے پہلے مفسر ہیں۔ ان کی کتابوں میں "تلبیس ابلیس" آج بھی بہت معروف کتاب ہے۔ انہوں نے امام غزالی کی کتاب "احیائے علوم الدین" کو ضعیف احادیث سے پاک کر کے ایک نسخہ بھی ترتیب دیا تھا۔ آخری عمر میں حضرت عبدالقادر جیلانی کو نہ ماننے اور ان کے لڑکے سے مخالفت کی وجہ سے شہرواسط میں قید کر دیئے گئے۔ پانچ سال کے بعد رہا کر دیئے گئے جس کے تھوڑے ہی عرصے بعد بغداد میں ۵۹۷ھ (۱۲۰۰ء) میں انتقال کر گئے۔

✽ ابن سعد: محدث و مورخ۔ پورا نام ابوعبداللہ محمد بن سعد بن معن البصری تھا۔ بصرہ میں ۱۶۸ھ (۷۸۴ء) میں پیدا ہوئے اور ۲۳۰ ھ (۸۴۵ء) میں وفات پائی۔ ان کی "طبقات ابن سعد" نہایت

مشہور کتاب ہے۔ ابتدائی عمر میں غلام تھے۔ قبیلہ بنی یربوع سے تعلق تھا۔ ابتدائی تعلیم بصرہ میں حاصل کی پھر بغداد چلے گئے۔ علم کی خدمت کرتے کرتے بغداد ہی میں جان دے دی۔

٭ابن عبدالبر: محدث اور فقیہ۔ پورا نام ابوعمر یوسف بن عبدالبر تھا۔ ۲۵ ربیع الثانی ۳۶۸ھ (۳۰ نومبر ۹۷۸ء) میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ربیع الثانی ۴۶۳ھ (۲۴ جنوری ۱۰۷۱ء) میں وفات پائی۔ احادیث جمع کرنے کا اتنا شوق تھا کہ اس کے لئے مارے مارے پھرتے تھے۔ شاطبہ کے قریب وفات پائی۔ تصانیف میں "کتاب الصغیر"، "الاستذکار"، "تمہید الموطا"، "بہجۃ المجالس وانس المجالس" زیادہ مشہور ہیں۔

٭ابن عساکر: محدث۔ پورا نام حافظ ابوالقاسم علی بن ابی محمد الحسن بن ہبۃ اللہ تھا جب کہ "ابن عساکر" عرف تھا۔ دمشق کے رہنے والے تھے۔ شام کے مستند شافعی فقہاو محدثین میں شمار ہوتے تھے۔ ۴۹۹ھ (۱۱۰۵ء) کو پیدا ہوئے اور ۵۶۲ھ (۱۱۷۵ء) میں انتقال ہوا۔ ⇦ حدیث

٭ابن فرح الاشبیلی: محدث۔ شافعی تھے۔ پورا نام شہاب الدین ابو العباس احمد بن فرح بن احمد بن محمد تھا۔ اشبیلیہ میں ۶۲۵ھ (۱۲۲۷ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کا مشہور ترین علمی کارنامہ علم حدیث کی اٹھائیس اصطلاحوں کی تعبیر میں ایک پند آموز نظم "لامیہ غزلیہ" ہے جو بحر طویل کے بیس شعروں پر مشتمل ہے۔ ۶۹۹ھ (۱۳۰۰ء) میں وفات پائی۔

٭ابن قیم: محدث اور فقیہ۔ پورا نام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی تھا۔ حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ۶۹۱ھ (۱۰۹۸ء) میں دمشق میں پیدا ہوئے اور ۷۵۱ھ (۱۱۵۸ء) میں دمشق ہی میں وفات پائی۔ چونکہ ان کے والد دمشق کے مدرسہ الجوزیہ کے قیم یعنی مہتمم تھے، اس لئے ابتدا میں انہیں "ابن قیم الجوزیہ" کہا جاتا تھا۔ ۷۱۲ھ میں جب امام ابن تیمیہ مصر سے مراجعت کر کے دمشق آئے تو ابن قیم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۷۲۸ھ میں ان کی وفات تک ان کی خدمت میں رہے۔ چنانچہ ابن قیم پر صحیح معنوں میں ابن تیمیہ کا رنگ چڑھ گیا تھا اور وہ ان کے صحیح معنوں میں جانشین تھے۔

ابن قیم نے بہت سے کتب تصنیف کیں جن میں سے بیشتر ناپید ہو چکی ہیں۔ ابن حماد نے اپنی کتاب "شذرات الذہب" میں ان کی پینتالیس کتب کی فہرست دی ہے اور بعد میں "وغیرہ ذالک" بھی لکھا ہے۔ براکلمان نے اپنی کتاب "تاریخ ادبیات عربی" میں ان کی باون کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

٭ابن کثیر: مفسر، محدث اور مورخ۔ پورا نام اسماعیل بن عمر عماد الدین ابوالفداء ابن الخطیب القرشی تھا۔ یہ امام ابن تیمیہ کے شاگرد تھے۔ دمشق میں درس دیتے رہے۔ "تفسیر ابن کثیر" قرآن پاک کی ایک مشہور تفسیر انہی کی تصنیف ہے۔ اسی طرح "البدایہ والنہایہ" ان کی تاریخ کی مستند کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ ان کا حدیث کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ ۷۰۱ھ (۱۳۰۱ء) میں پیدا ہوئے اور ۷۷۴ھ (۱۳۷۳ء) میں وفات پائی۔

٭ابن ماجہ: محدث۔ پورا نام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ الربعی قزوینی تھا۔ صحاح ستہ میں سے "سنن ابن ماجہ" (⇦ ابن ماجہ، سنن) انہی کی تصنیف ہے۔ احادیث جمع کرنے کے لئے انہوں نے عراق، عرب، شام اور مصر کا سفر کیا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ انہوں نے قرآن کی تفسیر بھی لکھی تھی، لیکن اب یہ ناپید ہے۔ ۲۰۹ھ (۸۲۴ء) میں قزوین میں پیدا ہوئے اور ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں وفات پائی۔ ⇦ ابن ماجہ، سنن + حدیث + سنن۔

٭ابن ماجہ، سنن: احادیث کا ایک مشہور مجموعہ۔ امام ابن ماجہ کی اہم ترین کتاب "سنن ابن ماجہ" ہے۔ یہ امام صاحب کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے۔ موجودہ کتب حدیث میں یہ ایک بلند مقام کی حامل کتاب ہے۔ سنن ابن ماجہ میں جملہ ابواب فقہی ترتیب کے مطابق درج ہیں۔ یہ کتاب پندرہ سو ابواب اور چار ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں شامل ہے۔ علمائے فن یہ اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اسلامیات کی عظیم ترین اور حدیث کی امہات

کتب میں سے ہے۔ حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ "سنن" سے ابن ماجہ کی علمی تبحری اور کثرت معلومات کا علم ہوتا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی اسی اہمیت کی بنا پر اس کو ہر زمانے میں نہایت مستند اور قابل حجت خیال کیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

● اس میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جن سے صحاح ستہ کی دوسری کتب خالی ہیں۔

● حسن ترتیب و تبویب کے لحاظ سے تمام کتب حدیث اور صحاح ستہ میں اس کو امتیاز حاصل ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "اس مفید ترین کتاب کی تبویب فقہی اعتبار سے نہایت عمدہ ہے۔"

● عدم تکرار اور اختصار کے باوجود سنن ابن ماجہ نہایت جامع کتاب ہے۔

● سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی روایات ہیں۔ اس خصوصیت میں اس کو صحیح بخاری کے سوا تمام کتب صحاح پر فوقیت حاصل ہے۔

❋ ابن مسعود: صحابی رسولؐ، مفسر اور مورخ۔ عبداللہ بن مسعود کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ ⇐ عبداللہ بن مسعود

❋ ابن معین: محدث اور فقیہ۔ پورا نام یحیٰی بن معین تھا۔ ۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں پیدا ہوئے اور ۲۳۳ھ (۸۴۸ء) میں وفات پائی۔ انبار کے قریب ناقیہ کے رہنے والے تھے۔ وراثت میں کوئی ڈیڑھ لاکھ درہم ملے تھے جو سب کے سب تحصیل حدیث میں صرف کر دیئے اور آخر میں پہننے کو جوتا بھی نہ رہا۔ ابن معین کا کہنا ہے کہ انہوں نے تقریباً چھ لاکھ احادیث لکھی ہیں۔ بخاری، مسلم اور داؤد جیسے محدثین ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ امام احمد بن حنبل ان کے ہم عصر دوستوں میں سے تھے۔

❋ ابن ہشام: "سیرت ابن ہشام" کے مصنف اور مورخ۔ پورا نام ابو محمد عبدالمالک بن ہشام بن ایوب حمیری تھا۔ فسطاط میں ۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں فوت ہوئے۔ انہوں نے ابن اسحاق کی سیرت کی کتاب کو نئے سرے سے لکھا۔ چنانچہ آج سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام ہی کے نام سے مشہور ہے۔

❋ ابواسید: صحابی رسول ﷺ۔ مالک بن ربیعہ انصاری ساعدی کے بیٹے تھے۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۶۰ھ میں اٹھتر سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ بدری صحابہ میں سب سے آخر میں انتقال ہوا۔ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ کثیر جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

❋ ابوالعاص: صحابی رسول۔ لقیط نام تھا، اور حضرت خدیجہ کے بھانجے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بہت بڑے اور دیانت دار تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت خدیجہ کی فرمائش پر نبی کریم ﷺ کی بیٹی زینب کا نکاح ان سے کر دیا گیا۔ ۱۰ھ میں حضرت علی کی سرکردگی میں یمن جانے والے سریہ میں یہ بھی شریک تھے۔ واپسی پر اس علاقے کے عامل بنائے گئے۔ ۱۳ھ میں انتقال ہوا۔ ⇐ خدیجہ + سریہ۔

❋ ابوالقاسم: نبی اکرم ﷺ کی کنیت۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے ایک بیٹے پیدا ہوئے تھے جن کا نام "قاسم" رکھا گیا۔ چنانچہ انہی کی نسبت سے نبی کریم ﷺ کی یہ کنیت مشہور ہوئی۔ ⇐ قاسم۔

❋ ابوامامہ: صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام صدی تھا۔ باہلی سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائے اسلام ہی میں دائرۂ ایمان میں داخل ہو گئے تھے۔ جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا۔ بعد میں شام کی سکونت اختیار کی۔ ۸۶ھ (۷۰۵ء) میں سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ احادیث کی تبلیغ میں سرگرم تھے لہٰذا بڑے بڑے صحابہ ان سے حدیث کا درس لینے کے لئے آتے تھے۔ ان سے دو سو پچاس احادیث مروی ہیں۔

❋ ابوایمن: صحابی رسول ﷺ۔ ان کے اصل نام کے بارے میں معلوم نہیں۔ ابتدائی حالات سے اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ حضرت عمرو بن جموع کے آزاد کردہ غلام تھے۔ غزوۂ احد میں شرکت کی اور اس میں شہید ہوئے۔

❋ ابوایوب انصاری: صحابی رسول ﷺ۔ پورا نام خالد بن زید بن کلیب النجاری تھا۔ ۴۰ عام الفیل یعنی ہجرت نبوی ﷺ سے ۳۱ برس پہلے پیدا ہوئے۔ والد کا نام زید اور والدہ کا نام ہند بنت

سعد تھا۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے درمیانی وقت میں اسلام قبول کیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر تک انہی کے ہاں قیام فرمایا۔ مواخات میں حضرت ابوایوب کا بھائی حضرت مصعب بن عمیر کو بنایا گیا۔ حضرت ابوایوب نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ حجۃ الوداع میں آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد بھی تمام جنگوں میں شرکت کرتے رہے۔ پھر امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں قسطنطنیہ کی مہم میں شرکت کی اور شہادت پائی۔ ان کی وصیت کے مطابق انہیں قسطنطنیہ کے شہرپناہ سے متصل دفن کیا گیا۔ انہوں نے تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔

حضرت ابوایوب انصاری قرآن پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے۔ آپؓ کی طرف ایک سو پچاس احادیث منسوب ہیں جن میں سے پانچ متفقہ علیہ ہیں۔

⇦ ہجرت مدینہ۔

*** ابوبصیر:** ⇦ عتبہ بن اسید۔

*** ابوبکر بن عبدالرحمان:** محدث اور فقیہ۔ محمد نام تھا اور ابوبکر کنیت تھی۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار سات مشہور فقہا میں ہوتا تھا۔ احادیث پر بہت عبور حاصل تھا۔

*** ابوبکر صدیقؓ:** صحابی رسول ﷺ اور خلیفہ اول، یار غار۔ حضرت عائشہ کے والد ماجد، آپ کا نام عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ تھا۔ کنیت، ابوبکر تھی اور لقب، عتیق اور صدیق تھا۔ حضرت ابوبکر کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ جب کہ والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھی۔ آپؓ قریش کی ایک معزز شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے۔

سن ہجری سے ۵۰ برس قبل ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے حضرت ابوبکر، نبی کریم ﷺ سے تین سال چھوٹے تھے۔ طبری نے حضرت ابوبکر کے دو اور بھائیوں مُعتق اور عتیق کا ذکر کیا ہے جب کہ ترمذی کے مطابق، عتیق ابوبکر ہی کا لقب تھا جس کا مطلب ہے، دوزخ سے آزاد ہونا۔ دوسرا لقب صدیق تھا جس کے معنی تصدیق کرنے والے کے ہیں۔ لقب صدیق کا محرک وہ واقعہ ہے جب آنحضور ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور سرداران قریش نے آپ ﷺ کے دعوائے نبوت کا ذکر کیا تو حضرت ابوبکر صدیق جو ابھی یمن سے واپس ہوئے تھے، یہ سن کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بلا جھجک پکار اٹھے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد اور لاشریک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (⇦ معراج) گویا حضرت ابوبکر صدیق کو مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی شام سعد بن ابی وقاص نے بھی اسلام قبول کیا۔ ایمان لانے کے بعد ابوبکر صدیق نے اپنی تمام صلاحیتیں (مالی اور جسمانی) دین حق کے لئے وقف کر دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق تجارت پیشہ آدمی تھے اور ان کا شمار مکہ کے متمول افراد میں ہوتا تھا۔ چونکہ سلیم الفطرت انسان تھے، اس لئے زمانہ جاہلیت میں بھی بااخلاق و باعصمت رہے۔ فقرا و مساکین کی وسعت گیری کی۔ کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔

اسلام لانے کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح ان پر بھی مصائب کا پہاڑ ٹوٹا تو نبی کریم ﷺ کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، لیکن ابھی مکہ سے یمن کی جانب تین روز کی مسافت ہی طے کی تھی کہ برک الغماد کے مقام پر قبیلہ قادہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ جب اسے حضرت ابوبکر کی ہجرت کا معلوم ہوا تو اس نے ابوبکر صدیق سے کہا کہ آپ جیسا شخص نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ابن الدغنہ آپؓ کو مکہ واپس لے آیا اور آپؓ مکہ میں رہنے لگے یہاں تک کہ ہجرت مدینہ کا وقت آگیا۔ ہجرت مدینہ کے کچھ عرصے بعد آپؓ کا باقی خاندان بھی ہجرت کر کے مدینہ آگیا، لیکن والد ابوقحافہ مکہ ہی میں رہے، کیونکہ انہوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ والد کے علاوہ ان کے بیٹے عبدالرحمان نے بھی اسلام قبول نہ کیا بلکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ بھی کی۔ وہ بھی

فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو مواخات میں حضرت خارجہ بن زید کا بھائی بنایا گیا جو بعد میں ان کے خسر بھی ہوگئے۔ (← مواخات) انہیں مدینہ میں بنو حارث بن خزرج کے درمیان محلہ السنح مکان ملا۔

مدینہ میں سب سے پہلے مسجد حضرت ابوبکر صدیق کی دی ہوئی رقم (پانچ ہزار درہم) سے تعمیر ہوئی۔ (← مسجد نبوی ﷺ) آپ کی یہ آخری پونجی تھی جو اسلام پر قربان کی گئی۔ صلح حدیبیہ (← حدیبیہ، غزوہ، صلح) کے موقعے پر صلح نامے میں نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے پہلا نام حضرت ابوبکر صدیق کا تھا۔ رمضان المبارک ۸ ھ میں جب مکہ فتح ہوا اور آنحضور ﷺ قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تو ابوبکر بھی ان کے ساتھ سوار تھے۔ ۹ ھ میں نبی کریم ﷺ نے انہیں امیر حج مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے دوران آپ ﷺ کے حکم پر حضرت ابوبکر ہی کو مسجد نبوی میں امامت کا شرف حاصل ہوا۔

خلیفہ اول

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر مسجد نبوی میں بیعت کی اور انہیں مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کیا۔ بیعت کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔

زمانہ خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے اسامہؓ کے اس لشکر کا معاملہ سامنے آیا، جس کا حکم نبی کریم ﷺ اپنی زندگی میں شام پر حملے کے لئے دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکر نے تمام تاویلات کو یکسر نامنظور کرتے ہوئے اس لشکر کی روانگی کا حکم دیا کہ یہ خدا کے رسول ﷺ کا حکم تھا، اس لئے اس پر عمل ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی عرب کے آس پاس قبائل میں ارتداد کی لہر بھی پھیل چکی تھی اور اکثر قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں یمن میں الاسود العنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اب اس کا جانشین قیس (بن ہبیرہ بن عبد یغوث) المکشوح موجود تھا۔ حضرت ابوبکر نے ان تمام فتنوں کی سرکوبی کے لئے اسلامی لشکر بھیجے۔

سب سے پہلے طلیحہ کو بزاختہ کی لڑائی میں شکست دی گئی اور اسے اسلام کا مطیع کیا گیا۔ پھر قبیلہ تمیم نے سر تسلیم خم کیا۔ ادہ کی اہم ترین جنگ یمامہ کی لڑائی تھی جو عقربا کے مقام پر لڑی گئی۔ طرفین کی کثرت اموات کی وجہ سے اس لڑائی کو "حدیقۃ الموت" کا نام دیا گیا۔ یہ ربیع الاول ۱۲ھ (مئی ۶۳۳ء) کی بات ہے۔ اس لڑائی میں جھوٹا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی لڑائیاں ہیں جن کی تفصیل حضرت ابوبکر صدیق کی حیات پر کسی مفصل کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جمادی الثانیہ ۱۳ھ (اگست ۶۳۴ء) میں حضرت ابوبکر صدیق مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ اتوار کا دن تھا، چاند کی ۷ اور اگست کی ۸ تاریخ تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ حارث بن کلاہ اور ایک یہودی نے مل کر حضرت ابوبکر کو چاولوں میں زہر ملا کر دیا تھا جس کا اثر ایک سال میں آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ مرض کے دوران اپنے جانشین کے بارے میں آپؓ مختلف صحابہ سے گفتگو کرتے رہے اور بعد میں سب کے مشورے سے حضرت عمر کو دوسرا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ ملک و ملت کے کاموں سے فارغ ہو کر نجی معاملات کی طرف توجہ دی۔ اب تک بیت المال سے چھے ہزار درہم وظیفہ لیا تھا۔ وہ اپنی زمین فروخت کر کے بیت المال میں جمع کرایا اور ایک حبشی غلام، ایک اونٹنی اور ایک چادر حضرت عمر کو بھجوا دیں۔ یہ چیزیں دیکھ کر حضرت عمر کا جی بے اختیار بھر آیا اور فرمایا: اے ابوبکر! تم اپنے جانشینوں کے لئے بہت دشوار کام چھوڑ گئے ہو۔

پندرہ روز علیل رہ کر حضرت ابوبکر منگل کی رات کو ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ھ (۲۳ اگست ۶۳۴ء) میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر نے لحد میں اتارا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی قبر نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے بائیں جانب اس طرح بنائی گئی کہ ان کا سر حضور ﷺ کے شانہ مبارک تک آتا تھا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۶۳ برس تھی جس میں ۲ برس ۳ ماہ اور ۱۱ دن (۱۱ھ بمطابق ۶۳۲ء تا ۱۳ھ بمطابق ۶۳۴ء) خلافت کی۔ ← صدیق اکبر۔

✽ ابوبکرہ: صحابیِ رسول ﷺ۔ طائف میں ثقیف کے غلام تھے۔ نبی کریم ﷺ کے دورۂ طائف کے دوران میں ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی تھی، اس لئے یہ خود کو "عتیق النبی" کہتے تھے۔ غلامی سے آزادی کے بعد طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد یمن اور پھر بصرہ میں قیام پذیر ہوئے۔ ۵۱ھ (۶۷۱ء) میں انتقال ہوا۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد سو سے زیادہ ہوگئی تھی۔ تمام عمر دینی علوم خاص طور پر علم حدیث کی ترویج میں مشغول رہے۔ مسلم، ابوداؤد، بخاری جیسے حضرات نے حضرت ابوبکرہؓ کو معتبر اور ثقہ تسلیم کیا ہے۔

✽ ابوجندل: صحابی جو سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر سہیل ہی قریش کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے پاس مصالحت کے لئے آئے تھے۔ جب شرائط لکھی جارہی تھیں تو حضرت ابوجندل اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن معاہدے کی رو سے نبی کریم ﷺ نے مجبوراً انہیں قریش کے حوالے کر دیا تاہم جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد عیص کے مقام پر جمع ہونے لگی تو حضرت ابوجندل بھی وہاں چلے گئے اور معاہدے کے خاتمے پر مدینہ آگئے تھے۔

✽ ابوجہل: نبی کریم ﷺ کا کافر چچا۔ اس کا نام ابوالحکم عمر بن ہشام بن المغیرہ تھا، لیکن اسلام دشمنی کی وجہ سے اس کا نام "ابوجہل" یعنی "جاہلوں کا باپ" پڑ گیا تھا۔

ابوجہل ۵۷۰ء میں پیدا ہوا۔ اس نے دو شادیاں کیں۔ ام مجالد سے حضرت عکرمہ پیدا ہوئے اور اردمی سے دو لڑکیاں جویریہ اور حنفا۔ یہ تینوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کی والدہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ ہجرت نبوی ﷺ سے چند سال پہلے وہ ولید بن مغیرہ کی جگہ بنو مخزوم اور اس کے حلیف قبائل کا سردار بن گیا تھا۔

ابوجہل اسلام دشمنی میں بہت مشہور تھا، یہاں تک کہ جب اس نے اور دیگر اہل قریش نے رسول اللہ ﷺ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھا تو حق کی بڑھتی ہوئی اس دعوت کو روکنے کے لئے آپس میں مشورہ کیا۔ ابوجہل نے کہا کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک دلیر اور طاقتور نوجوان کا انتخاب کرو، انہیں تلواریں دو اور نوجوانوں کی یہ جماعت مل کر اس (رسول اللہ ﷺ) کا کام تمام کردے۔ چونکہ تمام جماعت اس کو مل کر قتل کرے گی، اس لئے اس کا قصاص کسی ایک قبیلے کے ذمے نہ رہے گا اور بنو عبد مناف کو یہ ہمت نہ ہوگی کہ سب سے لڑتے پھریں۔ اس سازش سے آنحضور ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر مطلع کر دیا اور آپ ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علی کو سلادیا اور خود خدا کے حکم سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ ہجرت مدینہ کی رات تھی۔ (⇦ ہجرت مدینہ) اس طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو ابوجہل کی اسلام دشمنی کی چلا چلا کر گواہی دے رہے ہیں۔ ان واقعات کی تفصیل سیرت نبوی ﷺ کی کسی مفصل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ابوجہل جنگ بدر میں دو کم سن لڑکوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف کا بیان ہے کہ جنگ بدر میں میرے دائیں بائیں دو کم عمر انصار لڑکے کھڑے تھے۔ یہ دونوں معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفرا تھے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے میرا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ کیا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں۔ اتفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا نظر آیا تو میں نے ابوجہل کے بارے میں ان دونوں لڑکوں کو بتادیا۔ چنانچہ یہ دونوں لڑکے اس کی طرف دوڑے۔ ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا۔ ایک لڑکے نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل پر۔ بعد میں عفرا (معاذ بن عفرا کے بھائی) نے اسے بالکل ٹھنڈا کردیا۔ پھر عبداللہ بن مسعود نے اس کے سر کو تن سے جدا کر دیا۔

⇦ عکرمہ بن ابی جہل + بدر، غزوہ۔

✽ ابوحاتم بن حبان: عالم اور محدث۔ پورا نام محمد تمیمی ابن حبان احمد ابن حبان تھا۔ وہ چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ فقہ اور حدیث کا علم ابوبکر بن محمد اسحاق سے حاصل کیا اور عراق، شام، حجاز، خراسان اور ترکستان کے سفر کئے۔ ابوحاتم کو نجوم اور طب پر بھی عبور حاصل تھا۔ تحصیل علم کے بعد تالیف و تصنیف میں مصروف ہوگئے اور کئی مستند ضخیم کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔

*** ابوحذیفہ:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کا نام ہشیم بن عتبہ تھا۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ابوحذیفہ حبشہ کی دونوں ہجرتوں اور ہجرت مدینہ میں شریک تھے۔ عہد نبوی ﷺ کے تمام اہم معرکوں میں شرکت کی۔ غزوۂ بدر میں تو اپنے کافرباپ کو بھی للکارتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور اسی جنگ میں ۵۴ برس کی عمر میں شہید ہوگئے۔

*** ابوحمید ساعدی:** صحابی رسول ﷺ۔ آپؓ کا نام عبدالرحمان ساعدی تھا۔ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد اسلام قبول کیا۔ مدینہ کے قبیلہ خزرج کی شاخ "ساعد" سے تعلق رکھتے تھے۔ احد کے علاوہ تمام ہی غزوات میں شرکت کی۔ امیر معاویہ کے زمانہ خلافت کے آخری دنوں میں وفات پائی۔ اکثر احادیث کی روایات ان سے منسوب ہیں۔ سنت رسول ﷺ کی پیروی کا وہ خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے جس طریقہ نماز کو اپنایا تو دیگر صحابہ نے بھی یہ طریقہ آپؓ ہی سے سیکھا۔

*** ابوحنیفہ، امام:** مشہور فقہی امام جن کے نام سے فقہ حنفی ہے۔ امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اصل نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے: نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان۔ اگرچہ نسب میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ امام صاحب کے والد ثابت ولادت کے وقت نصرانی تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ سے ثابت ہے کہ ان کے والد ثابت مذہب اسلام پر پیدا ہوئے تھے۔ اسی طرح ان کے دادا کے بارے میں بھی مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان کے دادا کا نام قبل از اسلام "زوطی" تھا اور قبول اسلام کے بعد ان کا نام "نعمان" رکھا گیا۔ جب کہ اسماعیل بن حماد کہتے ہیں کہ ان کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی سے گہرے مراسم تھے۔

امام ابوحنیفہ کے ظہور کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی بشارت ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ جمعہ کی آیت واخرین منھم لما یلحقوا بھم تلاوت فرمائی تو حاضرین نے پوچھا کہ یہ دوسرے کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر دست اقدس رکھ کر فرمایا:

لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال من ھولاء "اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کریں گے۔"

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے اولین مصداق صرف امام ابوحنیفہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ ابتدائی تعلیم وتربیت مکمل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ایک دن اسی سلسلے میں بازار جارہے تھے کہ راستے میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا، علما کی مجلس میں نہیں بیٹھتے؟ کہا، نہیں! فرمایا، "تم علما کی مجلس میں بیٹھا کرو کیونکہ میں تمہارے چہرے پر علم وفضل کی درخشندگی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔"

امام شعبی سے ملاقات کے بعد امام ابوحنیفہ کے دل میں دینی علوم کو کامل طور پر حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ پہلے انہوں نے علم کلام میں کمال پیدا کیا پھر علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مشہور عالم حضرت حماد کے درس میں شمولیت اختیار کی اور بہت جلد نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ ایک دفعہ دوران درس حضرت حماد کو کہیں جانے کا اتفاق ہوا۔ ان کی غیر موجودگی میں امام ابوحنیفہ نے ساٹھ فتوے دیئے۔ بعد میں وہ مسائل انہوں نے حماد کے سامنے پیش کئے تو انہوں نے ان میں سے چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور باقی بیس مسائل سے اختلاف کیا۔ اس وقت امام ابوحنیفہ نے قسم کھائی کہ تاحیات حضرت حماد کی مجلس نہیں چھوڑیں گے۔ فقہ کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ نے علم حدیث کی تحصیل بھی جاری رکھی۔ صحابہ کرام اور تابعین میں سے جو حضرات فن حدیث کے امام تھے ان سب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

عبادت، ریاضت، زہد وتقویٰ

امام ابوحنیفہ عبادت وریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کی

عبادت وریاضت کا حال اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج کی عیش کوش اور تن آسان دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ امام ابوحنیفہ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ آپ کی شب بیداری کا سبب یہ تھا کہ ایک بار ایک شخص نے انہیں دیکھ کر کہا، یہ وہ شخص ہے جو عبادت میں پوری رات جاگتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ سنا تو فرمانے لگے، ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہئے۔ اس وقت سے امام صاحب نے رات کو جاگ کر عبادت کرنی شروع کر دی۔

زہد و تقویٰ میں امام ابوحنیفہ کا مقام بہت بلند ہے۔ جس چیز میں ادنیٰ سی بھی کراہیت کا پہلو ہوتا، اس سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔ زہد کا یہ عالم تھا کہ مال و دولت کی طرف قطعاً دھیان نہ کرتے تھے۔ بڑی بڑی رقمیں ان کی خدمت میں پیش کی جاتی تھیں تو شان استغنا سے رد کر دیا کرتے تھے۔

تصنیف وتالیف

امام ابوحنیفہ کے زمانے میں تصنیف وتالیف کا اس قدر رواج نہ تھا۔ عام طور پر لوگ اپنے حافظے پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اساتذہ کے درس نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کی تصانیف کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ تاہم امام ابوحنیفہ کی مندرجہ ذیل کتب شہرت اور تواتر سے ثابت ہیں:

○ کتاب العالم والمتعلم۔ ○ کتاب الفقہ الاکبر۔ ○ کتاب الوصایا۔
○ کتاب المقصود۔ ○ کتاب الاوسط۔ ○ کتاب الآثار۔

امام ابوحنیفہ کی عظمت کا آفتاب عرصہ دراز تک آسمان علم و فضل پر جگمگاتا رہا یہاں تک کہ آخر عمر میں خلیفہ ابو جعفر منصور نے اپنے دربار میں انہیں عہدۂ قضا کے لئے طلب کیا۔ اس پیشکش کو قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر شاہی عتاب نازل ہوا اور انہیں قید کر دیا گیا۔ مورخین کے مطابق امام صاحب کو روزانہ کوڑے لگائے جاتے تھے۔ اسی حالت میں ماہ رجب ۱۵۰ھ میں بحالت سجدہ ان کا انتقال ہو گیا۔

امام ابوحنیفہ علوم اسلامی کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد تھے۔ عقائد، علم کلام اور فقہ کے ساتھ ساتھ حدیث میں بھی مہارت حاصل تھی۔ امام شافعی اور امام مالک فقہ میں انہی کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ امام ابوحنیفہ کے ہی فیض یافتہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی حدیث پر مہارت کی اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث نبوی ﷺ کے موافق اور ہر حکم سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے۔ بعض اوقات ایک ہی مسودے میں متعدد متعارض احادیث ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ منشائے رسالت تلاش کر کے ان روایات میں باہم تطبیق کرتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت و ضعف اور دوسرے اصول روایت کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو منشائے وحی اور مزاج نبوی ﷺ سے واقف ہو، روایات کے تمام طرق پر مہارت رکھتا ہو۔ ہدایت کے کل اصولوں اور راویوں کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

امام اعظم کی مرویات

امام اعظم ابوحنیفہ کو تابعیت کا شرف حاصل ہے اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات بھی کی تھی۔ اسی طرح بعض دیگر صحابہ سے بھی ملاقات ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ نے صحابہ کرام سے احادیث کی روایت بھی کی ہے۔ علماء، محدثین اور محققین نے امام ابوحنیفہ کی مرویات صحابہ کو پوری اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام ابو مشعر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امام ابوحنیفہ کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔ حضرت ملا علی قاری، امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے "کتاب الآثار" کا انتخاب کیا ہے۔ بعد میں امام ابوحنیفہ کے ہر شیخ کی مرویات الگ الگ کتاب کی صورت میں جمع ہوئیں اور وہ "مسند ابی حنیفہ" کے نام سے مشہور ہوئیں۔

⇦ حدیث + اسماء الرجال

الوداؤد، امام: مشہور محدث جن کی حدیث کی کتاب "سنن الوداؤد" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ امام الوداؤد کا نام سلیمان اور کنیت الوداؤد تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے مطابق سلسلہ نسب یہ ہے: الوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن عمرو بن عامر۔ امام داؤد ۲۰۲ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے، لیکن زندگی کا بڑا حصہ بغداد میں گزارا اور وہیں اپنی سنن کی تالیف کی۔ ۲۷۱ھ میں بغداد کو خیرباد کہا اور آخری چار سال بصرہ میں گزارے۔ بروز جمعہ ۲۷۵ھ میں وفات ہوئی اور بصرہ میں مدفون ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن میں مکمل کی۔ بعد ازاں علم حدیث کی طرف رغبت ہوئی اور اس سلسلے میں بلاد اسلامیہ خصوصاً مصر، شام، حجاز، عراق اور خراسان کا سفر کیا۔

امام بخاری اور امام مسلم کے بعد جو امام حدیث سب سے زیادہ مقام اور مرتبہ کے مالک ہیں، وہ امام الوداؤد ہیں۔ جس زمانے میں الوداؤد نے تصنیف وتالیف کا آغاز کیا اس وقت عام طور پر علم حدیث میں جوامع (جامع) اور مسانید (مسند) کی تالیف کی جاتی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے کتاب السنن لکھ کر علم حدیث میں ایک نئی راہ متعین کی اور بعد کے آئمہ نے ان سے استفادہ کیا۔ اگرچہ امام داؤد کی شہرت محدث کی حیثیت سے زیادہ ہے، لیکن فقہ و اجتہاد میں بھی ان کو بڑی بصیرت حاصل تھی اور حدیث کی طرح فقہ میں بھی ان کی نظر وسیع اور گہری تھی۔ وہ تفسیر کے بھی عالم تھے۔ اس موضوع پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ حدیث، فقہ و تفسیر کے علاوہ دوسرے علوم سے بھی ان کو پوری واقفیت تھی۔

تصنیف وتالیف

امام صاحب کی جن تصنیفات کے نام معلوم ہوسکے، وہ یہ ہیں:
○ کتاب الرد علی اہل قدر۔ ○ کتاب الناسخ و المنسوخ۔ ○ کتاب المسائل۔ ○ مسند مالک۔ ○ کتاب المراسیل۔ ○ کتاب المصابیح۔ ○ کتاب المصاحف۔ ○ کتاب البعث و النشور۔ ○ کتاب نظم القرآن۔ ○ کتاب فضائل القران۔ ○ کتاب شریعہ التفسیر۔ ○ کتاب شریعہ المقاری۔ ○ سنن ابی داؤد۔

⇐ الوداؤد، سنن + جامع + مسند + سنن۔

الوداؤد، سنن: امام الوداؤد کی ترتیب کردہ احادیث کا مجموعہ۔ "سنن الوداؤد" حدیث کی کتب کی قسم "سنن" کے سلسلے میں پہلی کتاب ہے۔ امام الوداؤد نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعے کو اپنے استاد امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کیا۔ امام صاحب نے اسے دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ یہ بات مستند ہے کہ صحیحین کو سنن اربعہ پر صحت کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہے، لیکن اس کے بعد کی ترتیب میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض علما نے نسائی شریف (+ نسائی، امام + نسائی، سنن) کو تیسرا درجہ دیا ہے اور بعض نے جامع ترمذی کو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے طبقات کتب حدیث کے لحاظ سے سنن الوداؤد کو دوسرے طبقے میں شمار کیا ہے، لیکن صاحب مفتاح السعادہ نے لکھا ہے کہ سب سے اونچا درجہ بخاری شریف کا ہے، اس کے بعد صحیح مسلم کا اور پھر سنن الوداؤد کا درجہ ہے اور یہی مناسب ہے۔ اس لحاظ سے سنن اربعہ میں سنن ابی داؤد کو صحت کے لحاظ سے تقدیم حاصل ہے جیسا کہ علامہ نووی اور شاہ ولی اللہ نے ترتیب قائم کی ہے۔ بخاری، مسلم، سنن الوداؤد، نسائی، ترمذی اور پھر ابن ماجہ کا درجہ ہے۔

خصوصیات

امام الوداؤد نے اپنی سنن میں احادیث کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ بہت سی خصوصیات کا حامل ہے مثلاً:

● امام الوداؤد نے اپنی سنن میں یہ التزام کیا کہ اس میں صرف احکام سے متعلق احادیث لائی جائیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کے اثبات میں روایات جمع نہیں کیں۔ میری اس کتاب میں چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب احکام سے متعلق ہیں۔

● اس کتاب میں امام صاحب نے اپنے علم کے مطابق صحیح ترین روایات بیان کی ہیں اور شاذ و غریب روایات بہت کم درج کی ہیں اور ان کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

● اگر کوئی حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہے اور ان میں سے ایک

طریقے کا راوی اسناد میں مقدم ہو اور دوسرے طریقے کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو تو امام داؤد ایسی صورت میں پہلے طریقے کا ذکر کرتے ہیں۔

● بعض اوقات ایک حدیث بہت طویل ہوتی ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ قارئین اس کی غرض کو نہ سمجھ سکیں گے۔ ایسی صورت میں امام صاحب حدیث میں اختصار کر دیتے ہیں۔

● جن احادیث کے اسانید میں کوئی ضعف ہو یا کوئی خفیہ علت ہو تو اس کو امام صاحب بیان کر دیتے ہیں اور جن احادیث کی اسانید کے بارے میں امام صاحب کوئی کلام نہیں کرتے وہ عموماً صالح للعمل ہوتی ہیں۔

● ایک حدیث اگر متعدد اسانید سے مروی ہو تو بعض اوقات امام داؤد وہ تمام اسانید ایک جگہ ذکر فرما دیتے ہیں۔

● کسی حدیث میں اگر مرفوع یا موقوف کا اختلاف ہو تو اس کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

● امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں تکرار سے حتی الامکان گریز کیا ہے۔ اگر کسی حدیث کو کہیں دوبارہ ذکر کرتے ہیں تو اس میں اسناد یا متن حدیث میں کوئی مزید فائدہ پیش نظر ہوتا ہے۔

● بعض اوقات راوی کے اسما، کنیت اور القاب کی بھی وضاحت کر دیتے ہیں۔

✽ ابوداؤد طیاسی: محدث۔ اصل نام سلیمان داؤد ابن الجارد بصری تھا۔ ۱۳۳ھ (۷۵۰ء) میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں وفات پائی۔ ایرانی تھے، لیکن کوفہ میں آکر سکونت اختیار کرلی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی طرف منسوب مسند، ان کی مرتب کردہ نہیں ہے بلکہ خراسانیوں میں سے کسی نے وہ احادیث جمع کی تھیں جو امام موصوف سے یوسف بن حبیب نے بیان کیں۔ تاہم اس مجموعے کے علاوہ امام طیاسی سے اور بھی روایات منسوب ہیں۔ امام موصوف کی یہ "مسند" کتب احادیث کے تیسرے طبقے میں شمار ہوتی ہے۔ یہ تیسرا طبقہ ان جوامع اور مصنفات کا ہے جو امام بخاری اور امام مسلم کے زمانے سے قبل یا بعد میں تصنیف ہوئیں اور یہ صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، خطا و صواب اور ثابت و مقلوب ہر نوع کی احادیث پر مشتمل ہیں۔

✽ ابودجانہ: صحابی رسول ﷺ۔ سماک نام تھا اور قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ سعد بن عبادہ کے چچازاد بھائی تھے۔ ہجرت سے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے لہٰذا اس کے بعد ہر غزوہ میں شرکت کی۔ غزوۂ احد میں نبی کریم ﷺ نے اپنی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، کون ہے جو یہ شمشیر لے اور اس کا حق ادا کرے۔ چنانچہ یہ تلوار حضرت ابودجانہ کے سپرد ہوئی۔ اسی جنگ میں جب نبی کریم ﷺ دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی اور جو تیر نبی کریم ﷺ کی طرف آتا وہ حضرت ابودجانہ کے جسم کا ہدف بنتا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ خلافت میں خالد بن ولید کی قیادت میں جو لشکر مسیلمہ کذاب سے نبرد آزما ہوا اس میں یہ شریک تھے۔ جب مسیلمہ کذاب اپنے باغ میں بند ہو گیا تو حضرت ابودجانہ کو فصیل سے اوپر پھینکا گیا۔ انہوں نے اندر کود کر دروازہ کھول دیا۔ مسلمان فوج باغ کے اندر گھس گئی۔ مسیلمہ کذاب مارا گیا اور اسلامی لشکر کو فتح ہوئی۔

⇦ مسیلمہ کذاب+بدر، غزوہ+احد، غزوہ۔

✽ ابودردا: صحابی رسول ﷺ۔ ان کا نام عویمر بن زید بن قیس تھا۔ قبیلہ خزرج کے خاندان بلحارث سے تعلق تھا۔ غزوۂ بدر کے فوراً بعد اسلام قبول کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابودردا غزوۂ احد میں شریک تھے۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان کو میدان جنگ میں دیکھا تو فرمایا کہ "عویمر کیا ہی اچھا سوار ہے!" جب آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات (⇦ مواخات) قائم کی تو حضرت ابودردا کو حضرت سلمان فارسی کا بھائی بنایا۔ حضرت ابودردا سے مختلف احادیث بھی مروی ہیں جو "ذخائر المواریث" میں درج ہیں۔

✽ ابوذر غفاری: صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام جندب بن جنادہ تھا۔ اسلام لانے سے پہلے بھی ایک اللہ کے ماننے والے تھے۔ مکہ آکر اسلام قبول کیا۔ غزوۂ خندق تک اپنے قبیلہ غفار میں رہے۔ اس کے بعد مدینہ چلے آئے۔ پھر غزوۂ تبوک کے سوا کسی اور جنگ میں

حصہ نہیں لیا۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں آپ شام چلے گئے۔ یہاں آپ نے امرا کے طرز زندگی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے انہیں مدینہ واپس بلا لیا۔ مدینہ ہی میں ذوالقعدہ ۳۲ھ (۶۵۳ء) میں انتقال ہوا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ ایک صوفی منش صحابی تھے۔ دولت کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے حتیٰ کہ ایک دن کا مال جمع کرنا ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔ حضرت ابوذر غفاری سے ۲۸۱ احادیث روایت کی جاتی ہیں۔

*** ابوذؤیب:** نبی کریم ﷺ کو دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ کے والد کا نام۔ ان کا تعلق قبیلہ بنی سعد سے تھا۔ ⇦ حلیمہ سعدیہ + بچپن محمد ﷺ۔

*** ابورافع:** صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام اسلم تھا۔ حضرت عباس کے غلام تھے۔ بعد میں انہیں نبی کریم ﷺ کو عطا کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کا خیمہ یہی نصب کیا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد حضرت ابورافع مدینہ چلے آئے اور احد سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت علی کے زمانہ خلافت کے اوائل میں وفات پائی۔ حضرت ابورافع سے ۶۸ حدیثیں مروی ہیں۔

*** ابوزہرا تماری:** صحابی رسول ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا اور صحبت سے مشرف ہوئے۔ شامی تھے۔ ان سے خالد بن معدان اور ربیعہ بن یزید نے روایت کیا ہے۔

*** ابوسفیان:** صحابی رسول ﷺ اور نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی۔ پورا نام ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھا۔ ویسے اصل نام "مغیرہ" تھا۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ قریش کے اکثر قافلوں کی قیادت یہ خود ہی کیا کرتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ابوسفیان نے غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف میں شرکت کی۔ طائف میں "لات" کا بت توڑنے میں بھی شریک رہے۔ روایت کے مطابق ۸۸ برس کی عمر میں ۳۲ھ (۶۵۳ء) میں وفات پائی۔ حضرت ابوسفیان کا ایک بیٹا یزید تھا جس کی وفات ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں ہوئی۔ مشہور خلیفہ حضرت امیر معاویہ بھی حضرت ابوسفیان کے بیٹے تھے۔

⇦ فتح مکہ + مکہ + معاویہ بن ابی سفیان۔

*** ابوسلمہ:** صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا۔ ان کی والدہ حضرت برہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں یعنی یہ نبی کریم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ہجرت حبشہ سے پہلے اپنی اہلیہ ام سلمہ کے ساتھ مسلمان ہوئے اور حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں۔ واپس آکر مدینہ میں سکونت اختیار کی۔ غزوۂ بدر اور احد میں شرکت کی۔ غزوۂ احد میں بازو پر ایسا زخم آیا کہ جس کی وجہ سے ۳ جمادی الثانیہ ۴ھ کو وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ ام سلمہ نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

⇦ ازواج مطہرات + ام سلمہ + بدر، غزوہ۔

*** ابوطالب:** نبی کریم ﷺ کے چچا۔ ان کا نام عبد مناف بن عبدالمطلب ہاشمی قریشی تھا۔ ۸۵ قبل از ہجرت (۵۴۰ء) پیدا ہوئے۔ اپنے باپ اور نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ساتھ خانہ کعبہ کی تولیت کا حق ادا کرتے رہے۔ دادا کے انتقال کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے انہی چچا کے زیر کفالت آگئے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی۔ حضرت خدیجہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے نکاح کی بات چیت ابوطالب ہی نے طے کی اور ان دونوں کے نکاح کا خطبہ بھی ابوطالب ہی نے دیا۔

نبی کریم ﷺ نے کئی بار اپنے چچا کو اسلام کی دعوت دی، لیکن ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا۔ تاہم آپ ﷺ کی بھرپور مدد کی جس کی وجہ سے کفار کھل کر نبی کریم ﷺ سے دشمنی نہ کر سکے البتہ ابوطالب کے انتقال کے بعد کفار نے کھل کر نبی کریم ﷺ کو تکلیفیں دینی شروع کر دیں۔ ابوطالب کا انتقال ۳ قبل ہجرت (۶۲۰ء) میں ہوا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک ۴۹ برس اور ۸ ماہ تھی۔ ابوطالب نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں جن سے طالب، ام ہانی، عقیل، جعفر، جمانہ، علی، اور ام طالب پیدا ہوئیں۔

ابوطالب کے ایمان لانے یا نہ لانے کے بارے میں کسی قدر اختلاف ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ مرتے وقت ابوطالب نے آہستہ زبان

سے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ کچھ کے مطابق انہوں نے کلمہ پڑھا ہی نہیں، اس لئے انہیں جہنّم میں ڈالا جائے گا لیکن سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی مدد کی تھی۔ بہرنوع یہ ایک نازک معاملہ ہے۔

⇦ آباواجداد نبوی ﷺ + عبدالمطلب + عام الحزن + خدیجہ، ام المؤمنین + علی بن ابی طالب۔

٭ ابو طلحہ: صحابی رسول ﷺ۔ انصاری تھے۔ زید نام تھا۔ خاندان نجار کی شاخ عمرو بن مالک سے تعلّق رکھتے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا۔ حدیث میں مہمان نواز کی حیثیت سے ان کی فضیلت ہے، کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے کہنے پر ایک مہمان کو کھانا کھلایا اور وہ خود اور ان کے بیوی بچے بھوکے رہے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد شام چلے گئے۔ ستر برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

٭ ابوعبس بن جبیر: صحابی رسول ﷺ۔ نام عبدالرحمان بن جبیر تھا۔ خاندان حارثہ سے تعلّق رکھتے تھے۔ ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا۔ غزوۂ بدر کے وقت ۴۸ برس کے تھے۔ بڑھاپے میں ایک آنکھ کی بینائی کھوگئی تھی جس پر نبی کریم ﷺ نے اپنا عصا مرحمت فرمایا۔ اسی عصا کے سہارے چلا پھرا کرتے تھے۔ ۳۴ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان کا شمار ممتاز صحابہ حدیث میں ہوتا ہے۔

٭ ابوعبیدہ: صحابی رسول ﷺ۔ پورا نام عامر بن عبداللہ بن جراح تھا۔ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوگئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو "امین الامت" کالقب دیا تھا۔ مدینہ آکر حضرت کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام کیا۔ چونکہ سپہ سالار اسلام تھے، اس لئے تقریباً تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف سرایا کا سپہ سالار بھی ان کو بنایا۔ صلح حدیبیہ میں بطور گواہ کے دستخط کئے۔ خلافت کے سوال پر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے ساتھ ان کا نام بھی پیش کیا۔

حضرت ابوبکر نے ایران اور شام کے محاذ میں انہی کو سپہ سالار بنایا۔ حضرت عمر نے حضرت خالد بن ولید کی جگہ شام کا سپہ سالار اعظم بھی انہی کو مقرر کیا۔

حضرت ابوعبیدہ نے ۱۷ھ میں حمص پر عیسائیوں کے حملے کا مقابلہ کیا۔ یہ ان کا آخری معرکہ تھا۔ ۱۸ھ میں طاعون کی وبا شام میں پھیلی تو اس مرض کی لپیٹ میں آگئے اور ۵۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

⇦ سریہ۔

٭ ابوفکیہ: ایک صحابی جو صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ یہ حضرت بلال حبشی کے ساتھ اسلام لائے۔

⇦ صفوان بن امیہ + بلال حبشی۔

٭ ابوقبیس: ایک پہاڑی کا نام جو مکہ مکرمہ میں مسجد حرام سے چند سو میٹر کے فاصلے سے شروع ہوتی ہے۔ حجر اسود اس پہاڑی کی سمت نصب ہے۔ کوہ صفا بھی اس کے دامن میں واقع ہے۔ یہ پہاڑی اچانک اس طرح شروع ہوتی ہے کہ اس سے ساری مسجد حرام نظر آتی ہے۔

٭ ابوقتادہ: صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام حارث بن ربعی انصاری تھا۔ قبیلہ خزرج سے تعلّق رکھتے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد اسلام لائے۔ بہترین تیرانداز اور شہسوار تھے۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنا مال غنیمت بیچ کر اپنے لئے ایک باغ خریدا۔ مدینہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ ہی میں ۵۴ھ (۶۷۴ء) میں انتقال کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کی نماز جناہ پڑھائی۔ ان سے ڈیڑھ سو احادیث روایت کی جاتی ہیں۔

٭ ابوقیس حرمہ: صحابی رسول ﷺ جن کی روزہ داری پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم طلوع فجر تک کھانا کھاسکتے ہو۔ قبیلہ بنونجار میں سے تھے اور شروع ہی سے بت پرستی کے مخالف تھے۔ انہوں نے قبول اسلام سے قبل اپنے لئے ایک ایسی عبادت گاہ بنوائی تھی جس میں کسی مرد یا عورت کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہجرت کے بعد جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور اسلام لے آئے۔

*** ابوکرش:** عبیدہ (سعید بن العاص کا بیٹا) کا لقب۔ یہ شخص غزوۂ بدر کے موقعے پر سر سے پاؤں تک لوہے کے خود میں ایسا لپٹا ہوا تھا کہ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اس غزوے میں حضرت زبیر اس کے مقابلے کو نکلے اور تاک کر اس کی آنکھوں میں برچھا مارا اور وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ یہ برچھا عبیدہ کے اس طرح پیوست ہو گیا کہ حضرت زبیر نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچا اور برچھا نکالا، لیکن برچھے کے دونوں سرے خم ہو گئے۔ یہ برچھا نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر سے مانگ لیا۔ پھر چاروں خلفا سے منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس آیا۔

*** ابولبابہ بن عبدالمنذر:** صحابی رسول ﷺ۔ یہ وہ صحابی ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقعے پر اپنی غیر موجودگی میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ جب کہ مدینہ کی بالائی آبادی (عالیہ) پر عاصم بن عدی کو حاکم مقرر کیا۔

*** ابولہب:** نبی کریم ﷺ کا چچا، اسلام کا سخت دشمن۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور کنیت ابوعتبہ تھی۔ چونکہ یہ خوب سرخ و سفید تھا، اسی لئے اسے "ابولہب" یعنی "شعلے والے" یا "شعلے کا باپ" کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ قرآن پاک کے تیسویں پارے میں سورۂ لہب اسی کے نام سے منسوب ہے۔

اگرچہ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے نبی کریم ﷺ سے اس کے تعلقات خوشگوار تھے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور ام کلثوم کا نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا، لیکن اعلان نبوت کے بعد ابولہب نبی کریم ﷺ کا سخت دشمن بن گیا۔ چنانچہ عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی اور عتیبہ کو شیر نے پھاڑ کھایا۔

غزوۂ بدر کے بعد ابولہب مرض چیچک میں اس طرح مبتلا ہوا کہ اس کا سارا جسم داغ دار تھا۔ اس کے نزدیک کوئی نہ جاتا تھا۔ اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا اور مرنے پر بھی کوٹھڑی اس پر گرا دی گئی۔ اس کی بیوی بھی اسلام کی سخت دشمن تھی۔ چنانچہ اس کی موت بھی بری طرح واقع ہوئی۔ سورۂ لہب میں ان دونوں میاں بیوی کا ذکر ہے۔

*** ابومسعود بن بدری:** صحابی رسول ﷺ۔ نام عتبہ تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعے پر مسلمان ہوئے۔ تمام غزوات میں شرکت کی اور بدر میں کچھ عرصہ رہنے کی وجہ سے بدری مشہور ہو گئے۔ جنگ صفین میں حضرت علی نے انہیں کوفہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس عہدے کے خاتمے کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت ابومسعود کی ایک لڑکی کی شادی حضرت حسینؓ سے ہوئی جن سے زید پیدا ہوئے۔

*** ابومنصور عجلی:** مدعی امامت۔ ابتدا میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا معتقد اور اہل غلو میں سے تھا۔ جب امام ہمامؒ نے اسے مارقانہ عقائد کی بنا پر اپنے ہاں سے خارج کر دیا تو اس نے دعوائے امامت کی ٹھان لی۔ چنانچہ اخراج کے چند روز بعد کہنا شروع کیا کہ میں محمد باقر کا خلیفہ و جانشین ہوں، ان کا درجہ امامت میری طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یہ شخص اپنے تئیں خالق بے چوں کا ہم شکل بتاتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ امام باقرؒ کی رحلت کے بعد آسمان پر بلایا گیا اور معبود برحق نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ بیٹا! لوگوں کے پاس میرا پیغام پہنچا دے۔

ابومنصور اس امر کا بھی قائل تھا کہ نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ رسول اور نبی قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے۔ ابومنصور کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جو کوئی امام تک پہنچ جاتا ہے اس سے تمام تکلفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں اور اس کے لئے شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی۔ اس کا کہنا تھا کہ جبریل امین علیہ السلام نے پیغام رسانی میں خطا کی۔ بھیجا تو انہیں حضرت علیؓ کے پاس تھا لیکن وہ غلطی سے محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیغام الٰہی پہنچا گئے۔ (غنیۃ الطالبین) اس فرقے کے کسی شاعر نے کہا ہے:

جبریل کہ آمد زبر خالق بے چوں
در پیش محمد شد و مقصود علی بود

وہ کہا کرتا تھا کہ قیامت اور جنت و دوزخ کچھ بھی نہیں، یہ محض ملانوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ جب یوسف بن عمر ثقفی کو جو خلیفہ ہشام بن

عبدالملک کی طرف سے عراق کا والی تھا ابو منصور کی تعلیمات کفریہ کا علم ہوا اور دیکھا کہ اس کی وجہ سے ہزارہا بندگان خدا تباہ ہورہے ہیں تو اس کو گرفتار کرکے کوفہ میں سولی چڑھادیا۔

٭ابوہریرہ: مشہور صحابی جن کو "سلطان الحدیث" بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اصل نام عبدالشمس تھا، لیکن قبول اسلام کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کا نام عمیر رکھا۔ چونکہ بلیوں سے بہت محبت تھی، اس لئے ہریرہ (بلی) سے "ابوہریرہ" کنیت پڑگئی۔ غزوۂ خیبر کے موقعے پر اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بحرین کے گورنر بھی رہے۔ حضرت عثمان کے عہد میں گوشہ نشین ہوگئے۔ ۷۸ برس کی عمر میں ۵۷ھ (۶۷۶ء) میں انتقال کیا۔ ولید نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت ابوہریرہ کو نبی کریم ﷺ کے اقوال و احادیث از بر تھے، اس لئے نبی کریم ﷺ ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ (ابوہریرہ) علم کا ظرف ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۷۵ احادیث مروی ہیں۔

٭ابو یوسف، امام: فقیہ و مورخ۔ نام یعقوب بن ابراہیم انصاری تھا۔ ۱۱۳ھ (۷۳۱ء) میں پیدا ہوئے۔ امام ابوحنیفہ کے خاص شاگردوں میں تھے، لیکن کئی مقامات پر ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ بچپن انتہائی کسمپرسی میں گزرا۔ کئی کتب لکھیں۔ ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ (۲۷ اپریل ۷۹۸ء) میں انتقال کیا۔

٭ابوا: ایک مقام۔ نبی کریم ﷺ کی والدۂ ماجدہ کا مزار اس جگہ واقع ہے۔ ابوا کا صدر مقام فرع ہے۔ صفر ۲ھ میں "ابوا" ہی کے مقام پر غزوۂ ابوا واقع ہوا۔ ⇦ ابوا، غزوہ + آمنہ۔

٭ابوا، غزوہ: اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا غزوہ۔ صحیح بخاری میں اس کو "اول الغزوات" قرار دیا گیا ہے۔ اسے "غزوہ ودان" بھی کہتے ہیں۔ تفصیل کے مطابق صفر ۲ھ میں نبی کریم ﷺ ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ مدینے سے نکلے تاکہ قریش کی شامی تجارت کو بند کیا جاسکے۔ مسلمانوں کی یہ جماعت مدینہ سے ۸۰ میل جنوب مغرب میں واقع مقام ابوا تک پہنچ گئی۔ ابوا کا صدر مقام فرع ہے جہاں قبیلہ مزینہ آباد ہے۔ اسی جگہ نبی کریم ﷺ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار بھی ہے۔ اس علاقے کے اطراف میں قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا۔ یہاں نبی کریم ﷺ نے چند روز قیام کیا اور بنو ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری سے معاہدہ کیا۔ لیکن مسلمان قریش کے تجارتی قافلے کو نہ پاسکے۔ اس غزوہ کے دوران مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی نیابت کے فرائض حضرت سعد بن عبادہ نے سرانجام دئے۔ ⇦ آمنہ۔

٭ابی بن معاذ: صحابی رسول ﷺ۔ انصاری تھے۔ پورا نام ابی بن معاذ بن انس بن قیس تھا۔ ان کی والدہ ام اناس بنت خالد بن خلیس بن لوذان انصار کے قبیلہ ساعدہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ابی بن معاذ اور ان کے بھائی انس بن معاذ نے غزوۂ احد میں شرکت کی۔ صفر ۴ھ میں قراء صحابہ کی جماعت میں شریک ہوکر نجد جارہے تھے کہ بیئر معونہ کے مقام پر مشرکین کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔

اج

٭اجازۃ: علم حدیث کی ایک اصطلاح جس کے معنی ہیں "اپنے علم حدیث کو آگے پہنچانے کی اجازت دینا۔" اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اجازہ یا اجازت حاصل کرنے والا، اجازت دینے والے کا نام بھی سند کے طور پر پیش کرے۔ رفتہ رفتہ اجازت کی روایت اس قدر عام ہوئی کہ لوگ علما کو سرراہ پکڑ کر اجازت حاصل کرنے لگے۔ چنانچہ اکثر علما نے یہ وصیتیں کیں کہ ان کی بیان کردہ احادیث کو روایت کرنے کی اجازت تمام مسلمانوں کو حاصل ہے۔

اح

٭احد، پہاڑ: احد پہاڑ یا جبل احد، وہ مقام جہاں پر ۳ھ میں مشہور غزوۂ احد پیش آیا۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ شمال کی جانب تین

چار میل ہے۔ یہ مشرق سے مغرب کی طرف ۴ میل لمبا ہے۔ احد پہاڑ کی انتہائی شمالی چوٹی "جبل ثور" کہلاتی ہے۔ پہاڑ کے دامن میں وادی قناۃ ہے۔ اس پہاڑ سے صرف ایک دشوار گزار پگڈنڈی گزرتی ہے جو نعل کی شکل کی وادی سے ہو کر اس کی بلند چوٹیوں تک چلی گئی ہے۔ اس وادی میں ایک چھوٹا سا پہاڑی ٹیلہ ہے جسے غالباً چشموں کی وجہ سے "جبل عینین" کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہیں تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تھا۔ ← احد، غزوہ۔

٭ احد، غزوہ: عہد اسلامی کا دوسرا بڑا غزوہ ہے۔ یہ غزوہ سن ۳ھ میں پیش آیا۔ غزوۂ بدر میں جو ٹھیس کفار قریش کو پہنچی تھی وہ ابھی اسے بھولے نہ تھے کہ اسی اثنا میں انہیں سریہ قردہ میں ہزاروں درہم اور کئی گنا مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ غزوۂ بدر میں ابوجہل کی ہلاکت کے بعد ابوسفیان ہی قریش کا سرکردہ رہنما تھا اور یہ اس کی دوبارہ شکست تھی۔ چنانچہ ابوسفیان نے قریش مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کرنے کی تیاریاں زور و شور سے شروع کر دیں۔ یہ تیاریاں غزوۂ احد پر منتج ہوئیں جس کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی کہ جب قریش غزوۂ بدر میں شکست کھا کر مکہ واپس پہنچے تھے۔ اس وقت سے ان کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور اس آگ کو سرد کرنے کی خاطر وہ ہر ممکن اقدام کے لئے دیوانے ہو رہے تھے۔ ابن ہشام اور ابن سعد کا بیان ہے کہ قریش، میدان بدر سے مکہ لوٹے تو جس تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے وہ نکلے تھے اور ابوجہل کی فتنہ انگیزی کے باعث غزوۂ بدر پیش آیا تھا اس کے افراد "دارالندوہ" میں ٹھہرے تھے۔ چنانچہ چند اکابر نے ابوسفیان سے کہا کہ محمد ﷺ نے تم سے اچھے آدمیوں کا قلع قمع کر دیا ہے، اس لئے مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ ابوسفیان نے اپنی طرف سے اور خاندان عبد مناف کی طرف سے اسے منظور کر لیا۔ قافلے میں ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال لوٹا گیا تھا۔ اصل سرمایہ مالکوں کو لوٹا دیا گیا۔ منافع رکھ لیا گیا۔ مندرجہ ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: "جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ اپنا مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں تو یہ لوگ آئندہ بھی اسی طرح کریں گے۔ پھر وقت آئے گا (کہ یہ مال خرچ کرنا) ان کے لئے پچھتاوا ہو جائے گا۔ آخرکار وہ مغلوب ہو جائیں گے۔" (انفال: ۳۶)

صفوان بن امیہ جنگ کی تیاری میں پیش پیش تھا۔ ابوعزہ شاعر، غزوۂ بدر کے قیدیوں میں شامل تھا۔ اس کے پاس فدیئے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے التجا کی کہ میں کثیر العیال اور ضرورت مند ہوں، اس وقت مجھ پر احسان فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر احسان کر کے رہا کر دیا۔ وہ قریش کی نئی تیاریوں میں شرکت کے لئے تیار نہ تھا، لیکن صفوان بن امیہ نے لالچ دے کر ساتھ ملایا۔ اس نے اور مسافع بن عبد مناف نے بنو کنانہ کو قریش کی معیت پر آمادہ کرنے کے لئے انتہائی سرگرمی سے کام کیا۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام وحشی نامی تھا جسے حبشیوں کے طریقے پر حربہ پھینکنے میں بدرجہ کمال مہارت تھی۔ جبیر نے اس سے کہا کہ اگر تو محمد ﷺ کے چچا حمزہ کو قتل کر دے گا تو میرے چچا طعیمہ بن عدی کا بدلہ پورا ہو جائے گا اور تو میری طرف سے آزاد ہو گا۔ ہند بنت عتبہ نے بھی وحشی کو خوش کرنے کا وعدہ کر لیا تھا بشرطیکہ وہ حضرت حمزہ کو قتل کر دے۔ چنانچہ ہند میدان جنگ میں وحشی کے پاس سے گزرتی تو کہتی، ابودسمہ (وحشی کی کنیت) میرا کلیجا ٹھنڈا کر اور اپنا بھی۔ یعنی میرے بدلے کا بھی انتظام کر دے اور خود بھی غلامی سے آزاد ہو جا۔ ابوعامر راہب بھی جس کے لئے فاسق کا موزوں لقب اس زمانے میں عام ہو گیا تھا، اس لڑائی میں قریش کا ساتھی تھا اور جنگ کے لئے ساتھ آیا تھا۔ مجوزہ میدان جنگ میں جابجا گڑھے کھدوائے گئے اور غالباً کھجور کی پتلی پتلی شاخیں رکھ کر مٹی ڈلوا دی گئی تاکہ کسی کو پتا نہ چل سکے۔ ایسے ہی ایک گڑھے میں رسول اللہ ﷺ اتفاقیہ گر گئے تھے۔ قریش کی تیاریوں کے متعلق تمام خبریں حضرت عباس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی رہیں جو اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی میں وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار تھے۔

قریش مکہ کی فوج تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی جس میں اہل تہامہ اور بنو کنانہ بھی شامل تھے۔ ان میں سات سو زرہ پوش تھے، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں ساتھ تھیں۔ علامہ شبلی

نے لکھا ہے کہ لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونان حرم تھیں۔ جس لڑائی میں خواتین ہوتیں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوئی تو عورت بے حرمت ہوگی۔

قریش کے ساتھ جو عورتیں آئی تھیں وہ نہایت معزز گھرانوں کی تھیں۔ نیز ان کے دل مقتول اقربا کے جوش انتقام سے لبریز تھے۔ مثلاً ہند قریش مکہ کے سالار اعظم ابوسفیان کی بیوی تھی، جس کا باپ عتبہ بدر میں مارا گیا تھا۔ ام حکیم بنت حارث (ابوجہل کی بھتیجی اور عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی) جو ابوجہل کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ فاطمہ بنت ولید (خالد بن ولید کی بہن اور حارث بن ہشام برادر ابوجہل کی بیوی) جو اپنے باپ ولید کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ برزہ بنت مسعود ثقفی (صفوان بن امیہ کی بیوی) امیہ کے انتقام کی غرض سے آئی تھی۔ ریطہ بنت منبہ بن الحجاج (عمرو بن العاص کی بیوی) اپنے باپ کے انتقام کے لئے آئی تھی۔ خناس (مصعب بن عمیر کی مشرکہ ماں) اپنے مشرک فرزند ابوعزیز کے ساتھ آئی تھی۔

قریش کا لشکر ذوالحلیفہ میں اترا تو رسول اللہ ﷺ نے فضالہ کے بیٹوں انس اور مونس کو بھیجا کہ ضروری معلومات حاصل کر کے لائیں۔ وہ دونوں واپس ہوئے تو بتایا کہ قریش نے اپنے اونٹ اور گھوڑے العریض میں چھوڑ دیئے تھے۔ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو گھاس بالکل ختم ہو چکی تھی۔ پھر حباب بن منذر کو بھیجا گیا۔ وہ قریش کے لشکر میں داخل ہو کر صحیح تعداد کا اندازہ کر لائے۔ قریش اس جگہ ٹھہر گئے تھے جو مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں بیئر رومہ اور غابہ کے درمیان تھی۔ یہاں انہیں پانی حسب ضرورت مل سکتا تھا۔ جانور چرانے کی بھی سہولت تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے شہر میں پہرے کا مکمل انتظام کرا دیا۔ سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ مسلح ہو کر خود رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر پہرہ دینے لگے۔ اس انتظام و انصرام کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کو مشورے کے لئے بلایا۔ مہاجرین اور انصار میں سے اکابر کی رائے یہ تھی کہ عورتوں اور بچوں کو گڑھیوں (آطام) میں بھیج دیا جائے اور خود شہر میں مورچے بنا کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی رائے مبارک بھی یہی تھی، لیکن نوجوانوں کی بڑی تعداد نے شہر سے باہر نکل کر مقابلے پر زور دیا۔ ان کے جوش اور گرم خون کا تقاضا بھی یہی تھا۔ آخر کثرت رائے سے اسی کے حق میں فیصلہ ہوا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ جمعہ کا دن تھا۔ حضور ﷺ نے نماز پڑھائی، جہاد پر وعظ فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ جب تک صبر کرو گے، مدد ہوگی۔ پھر آپ ﷺ مکان میں تشریف لے گئے، زرہ پہنی، جنگ کا سامان لیا۔ لوگ صفیں باندھے آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ اسی اثنا میں سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے نوجوانوں سے کہا کہ باہر نکل کر مقابلے پر اصرار کرنا مناسب نہ تھا۔ بہتر ہے کہ اب بھی معاملہ حضور ﷺ کے سپرد کر دیا جائے۔ خود نوجوانوں کو بھی اپنے اصرار پر پشیمانی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ مسلح ہو کر برآمد ہوئے تو باہر نکل کر مقابلے پر اصرار کرنے والے تمام لوگوں نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم اپنی رائے سے دست بردار ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کو جو مناسب معلوم ہو، وہی کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، پیغمبر کے لئے زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتارے جب تک کہ اللہ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ جب تک معاملہ مشورے کی منزل میں تھا، رائے بدلی جا سکتی تھی۔ جب فیصلہ ہو چکا تو اب رائے بدلنا اور معاملے کو از سر نو معرض گفتگو میں ڈالنا مناسب نہیں، اس لئے کہ یہ طریقہ ہمت و جرات کے راستے میں بے اعتمادی اور خوف کا باعث ہو سکتا تھا۔

مدینہ منورہ کے مشرق، مغرب اور جنوب میں کھجور کے گھنے باغ تھے۔ ان میں سے گزرتے ہوئے کسی بستی یا محلے پر حملہ کرنا آسان نہ تھا، کیونکہ باغوں میں سے دشمن کا صرف ایک ایک آدمی بمشکل آگے بڑھ سکتا تھا۔ اس صورت میں حملہ آور بہ آسانی مارے جاتے۔ صرف شمالی جانب سے حملہ ہو سکتا تھا۔ اسی لئے قریش نے شمالی و مغربی جانب پڑاؤ ڈالا تھا۔ پھر پوری آبادی ایک مقام پر نہ تھی بلکہ پہاڑوں کے درمیان وسیع میدان میں بکھری ہوئی بستیاں یا محلے آباد تھے۔ بعض قبیلوں نے اپنی زمینوں اور باغوں کے پاس آبادی کا انتظام کر لیا تھا اور دو دو منزلہ کئی گڑھیاں بنالی تھیں۔ وہ ہر خطرے کے

وقت بچوں اور عورتوں کو گڑھیوں کی بالائی منزلوں پر پہنچا دیتے اور خود فارغ البال ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے۔

مدینہ منورہ سے رسول اللہ ﷺ عصر کے وقت نکلے۔ آپ ﷺ نے تین نیزے طلب فرمائے اور تین جھنڈے بنائے۔ ایک حباب بن منذر کو عطا ہوا، دوسرا اسید بن حضیر کو اور تیسرا علی بن ابی طالب کو عنایت فرمایا۔ حضور ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے، کمان کندھے پر ڈالی، نیزہ ہاتھ میں لیا۔ مسلمانوں کی کل تعداد اس وقت ایک ہزار تھی جن میں عبداللہ بن ابی کے تین سو آدمی بھی شامل تھے۔ لشکر میں صرف ایک سو آدمی زرہ پوش تھے۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ مرکب مبارک کے آگے آگے دوڑ رہے تھے۔ باقی لشکر دائیں بائیں اور پیچھے تھا۔ حضور ﷺ نے مشرقی جانب کے حرے کے دامن کا راستہ اختیار فرمایا جدھر بنی الاشہل کی بستی تھی۔ جب آپ ﷺ مقام شوط میں پہنچے جو مدینہ کے شمال میں تھا تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو سواروں کو لے کر الگ ہو گیا۔ عذر یہ پیش کیا کہ میری رائے کے مطابق مدینے کے اندر رہ کر مقابلہ نہیں کیا گیا۔ طبقات ابن سعد کا بیان ہے کہ عبداللہ بن ابی (⇦ عبداللہ بن ابی) اور اس کے لشکر کی علیحدگی کے بعد اسلامی لشکر کے افراد صرف سات سو رہ گئے تھے۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ طبقات ابن سعد ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ شیخین (مدینہ کے شمال مشرق میں ایک مقام) میں شب باش ہوئے۔ محمد بن مسلمہ کو پچاس آدمیوں کے ساتھ پہرہ داری پر مامور فرمایا گیا۔ یہ اصحاب رات بھر لشکر کے گرد گشت کرتے رہے۔ رات کے پچھلے پہر میں ابو خثیمہ حارثی کو رہبر بنایا اور احد کی جانب روانہ ہوئے۔ القنطرہ پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا اور نماز پڑھائی۔ پھر جبل احد کے پاس اس مقام پر پہنچ گئے جسے بظاہر پہلے سے فوج کی ترتیب کے لئے تجویز فرما رکھا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک گھاٹی میں اترے۔ یہ مقام وادی قنات سے پہاڑ کی جانب اونچائی میں واقع ہے جہاں سے یہ خلا یا جھکاؤ شروع ہوتا ہے وہاں سے جبل احد کے ساتھ ساتھ وادی قنات گزرتی ہے جس میں بارش کے ساتھ خاصا پانی بہنے لگتا ہے۔ بارش نہ ہو تو یہ عام طور پر خشک ہوتی ہے۔ قنات کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ خلا کی زمین قنات سے اونچی ہے۔ اس کے عین سامنے وادی کے جنوبی کنارے پر ایک چھوٹا سا ٹیلا ہے جسے "جبل عینین" کہتے ہیں یعنی دو چشموں والا ٹیلا۔ اس ٹیلے سے دو چشمے نکلتے ہیں۔ غزوۂ احد کے بعد اسے جبل الرماہ بھی کہا جانے لگا یعنی وہ ٹیلا جس پر تیر اندازوں کا مورچہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے احد کے اسی جھکاؤ کو صف بندی کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ پشت پر پہاڑ تھا۔ سامنے جبل عینین پر پچاس تیر انداز مقرر فرما دیئے جن کی سالاری عبداللہ بن جبیر کو سونپی اور تاکید فرما دی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست، تیر انداز کسی بھی حالت میں جگہ نہ چھوڑیں اور وہ ٹیلے پر بدستور جمے رہیں اور مقررہ مورچے سے ادھر ادھر نہ ہوں۔

قریش کی صف آرائی کے متعلق جو تفصیلات روایت میں ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رسالہ دو سو گھوڑوں پر مشتمل تھا۔ ایک سو گھوڑے لشکر کے میمنہ پر تھے، اور ایک سو میسرہ پر۔ میمنہ پر خالد بن ولید مامور ہوئے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ میسرہ، عکرمہ بن ابی جہل کے حوالے کر دیا گیا۔ ایک سو تیر اندازوں کی کمان عبداللہ بن ربیعہ کو سونپی گئی۔ قلب کی فوج آگے بڑھی اور اس کے پیچھے عورتیں دف بجا بجا کر اور رجز گا گا کر مردوں کو جوش دلاتی رہیں۔ رجز کے اشعار یہ تھے:

نحن بنات طارق

"ہم آسمانوں کے تاروں کی بیٹیاں ہیں"

نمشی علی النمارق

"ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں"

ان تقبلوا الغانق

"اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی"

ان تدبر و انفارق

"پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے"

فراق غیر وامق

"جدائی ایسی ہوگی جو نفرت کرنے والی ہوتی ہے"

قریش نے علم طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا جو عبدالدار کے خاندان سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا تو اسلامی علم مصعب بن عمیر کے حوالے کر دیا۔ وہ بھی عبدالدار کے خاندان سے تھے۔ جنگ کی ابتدا ابوعامر فاسق سے ہوئی۔ وہ قبیلہ اوس سے تھا۔ اسے یہ خیال ہو گیا تھا کہ میرے ہم قوم مجھے دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اس کے ساتھ متفرق آدمیوں کا ایک گروہ تھا۔ انصار نے اسے دیکھتے ہی کہا، او فاسق! خدا تجھے بینائی سے محروم کر دے۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے پتھر بھی پھینکے۔ پھر وہ یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ میرے دور ہو جانے سے میری قوم کے خیالات بگڑ گئے ہیں۔

ابوسفیان نے طلحہ بن ابی طلحہ سے کہا کہ بدر میں بھی ہمارا جھنڈا عبدالدار ہی کے پاس تھا۔ وہاں ہم پر جو مصیبت آئی اس کا ذکر غیر ضروری ہے۔ لوگ جھنڈا دیکھ کر میدان جنگ میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ جھنڈا جگہ سے ہٹ جائے تو سب کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ اے بنو عبدالدار! یا تو اطمینان دلاؤ کہ جھنڈے کو بہرحال بلند رکھو گے یا اسے چھوڑ دو تاکہ ہم خود اسے سنبھال لیں۔ بنو عبدالدار نے جھنڈے کی حفاظت کے متعلق پورا اطمینان دلا دیا اور اس فرض کی بجا آوری میں خاندان کے بیشتر افراد کٹوا دیئے۔

مسلمان تیر اندازوں نے قبیلہ ہوازن کا رخ پھیر دیا تو طلحہ بن ابی طلحہ (علم دار قریش) نے جوش کے عالم میں کہا کہ کوئی ہے جو مجھ سے جنگ کرے۔ علی ابن ابی طالب آگے بڑھے اور ایسی ضرب لگائی کہ طلحہ کی کھوپڑی پھٹ گئی اور وہ گر گیا۔ اس کے بعد جھنڈے کی حفاظت میں بنو عبدالدار کو شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ طلحہ کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ کو حضرت حمزہ نے اور ابوسعید بن ابی طلحہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا۔ طلحہ کے تین بیٹے مسافع، کلاب اور جلاس یکے بعد دیگرے مارے گئے۔ پھر خاندان عبدالدار میں سے ارطاہ بن عبد شرجیل اور قاسط بن شریح نیز اس خاندان کا ایک غلام صواب موت کے گھاٹ اترے۔ گویا اس خاندان نے جھنڈے کی حفاظت میں باری باری ۹ جانیں دیں۔ قریش ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور انہیں میدان جنگ سے نکال دیا۔ ساتھ ہی مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ عین اس موقعے پر جبل عینین کے تیر اندازوں نے مورچہ چھوڑ دیا۔ اسی غلطی نے دشمن کو ایک ایسی تدبیر پر عمل کرنے کا موقع دے دیا جس سے مسلمانوں کی یقینی فتح شدید جانی نقصان میں بدل گئی۔ خالد بن ولید (جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) فوراً اپنا رسالہ لے کر جبل احد کی شمالی جانب سے ہوتے ہوئے مشرقی سمت آ گئے اور جبل حنین اور احد کے درمیان سے ان مسلمانوں پر حملہ کر دیا جن کا رخ بھاگنے والے قریش کے تعاقب میں مغربی جانب تھا۔ اور وہ مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے۔ عکرمہ بن ابی جہل بھی خالد بن ولید کے ساتھ ہو گیا۔ خالد کا حملہ اس قدر اچانک تھا گویا یکایک ایک بجلی مسلمانوں کے خرمن تنظیم و ترتیب پر آ گری اور ان کی شاندار فتح شدید نقصان میں بدل گئی۔ جن چالیس تیر اندازوں نے مورچہ چھوڑنے کی غلطی کی تھی، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا انجام کیا ہوا، لیکن جن دس نیک بختوں نے عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں مورچہ نہیں چھوڑا تھا وہ شہادت پا گئے۔ جب تک جبل عینین کا مورچہ قائم تھا، مسلمان جس طرف بڑھتے تھے اس طرف دشمن کی لاشوں کی صفیں بچھاتے چلے جاتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کے مورچہ چھوڑنے اور خالد بن ولید کے حملے نے صورت حال بالکل تبدیل کر ڈالی۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، ارطاہ بن عبد شرجیل کو قتل کر کے سباع بن عبدالعزیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ عین اسی وقت وحشی نے حملے سے پیدا شدہ افراتفری دیکھ کر جبل عینین کے پاس سے حضرت حمزہ کی طرف حربہ پھینکا جو ان کی ناف سے اوپر ان کے پیٹ میں گھسا اور ٹانگوں کے بیچ سے نکل گیا۔ وہ لڑکھڑائے، گرے اور شہید ہو گئے۔

مصعب بن عمیر اسلامی فوج کے علم دار تھے۔ ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ سے تھام لیا۔ بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو علم کو دونوں ہاتھوں سے سینے سے لگا کر تھام لیا۔ اسی حالت میں عمرو بن قمیہ نے انہیں شہید کر دیا۔ مصعب بن عمیر چونکہ شکل و شباہت میں رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھے، اس لئے اس نے دعویٰ کیا کہ وہ محمد ﷺ کو

قتل کر آیا ہے۔

خالد بن ولید کے حملے نے مسلمانوں میں جو ابتری پیدا کی اس کی وجہ سے مسلمان تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ان میں ایک چھوٹا سا گروہ میدان سے بھاگ گیا۔ ان میں سے بعض مدینہ پہنچے اور بعض اس سے بھی آگے مشرقی جانب نکل گئے۔ روایتوں میں دو مقامات کا ذکر آیا ہے: اول منقا، دوم جلعب۔ یہ دونوں مقامات کے قریب بتائے جاتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے میدان تو نہ چھوڑا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی جھوٹی خبر ان پر بجلی بن کر گری اور تعطل کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ تیسرا گروہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے گرد اسی طرح جاں نثاری اور فدا کاری سے سرگرم عمل تھا جس طرح پروانے شمع پر جان قربان کرتے وقت گرد و پیش کے حالات سے بالکل بے پروا ہوتے ہیں۔ اس گروہ میں حضرت ابوبکر، حضرت علی، سعد بن ابی وقاص اور مہاجرین و انصار میں سے دیگر لوگ شامل تھے۔ خود سرکار دو عالم ﷺ کی ذات بابرکت بھی چشم ہائے زخم سے محفوظ نہ رہی۔ سعد بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضور ﷺ کا نیچے کا داہنہ دانت شہید کر دیا اور اسی کی ضرب سے لب مبارک پر بھی زخم آیا۔ عبداللہ بن شہاب نے پیشانی مبارک کو زخمی کیا۔ عمرو بن قمیہ نے ایک پتھر اس زور سے مارا کہ خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ ابوعامر فاسق نے جو گڑھے خفیہ طور پر کھدوائے تھے اور مسلمانوں کو ان کا پتا نہیں لگ سکا تھا، ان میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر گئے۔ حضرت علی نے آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور طلحہ بن عبیداللہ نے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ ابوعبیدہ بن جراح نے دانتوں سے خود کی کڑیاں یکے بعد دیگرے کھینچ نکالیں۔ اس عمل میں ان کے آگے کے دو دانت نکل گئے۔ ابوسعید خذری کے والد مالک بن سنان نے چہرۂ مبارک سے خون چوس کر نکالا۔

شہدائے احد کی تعداد عموماً ۷۰ بتائی جاتی ہے۔ المشاہد میں جو تعداد بیان کی گئی ہے وہ ۱۰۸ ہے۔ ان میں ۵ مہاجرین، ۵۴ خزرج کے انصار، ۶۱ اوس کے انصار اور ۱۳ متفرق صحابہ کرام شامل تھے۔ متفق علیہ تعداد ۴۷ ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ﷺ میں ۷۰ افراد کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ ⇦ حمراالاسد، غزوہ۔ ہند بن ابی ہالہ + ابوسفیان + بدر، غزوہ + حمزہ بن ابی طالب + خالد بن ولید + وحشی بن حرب۔

*** احزاب، غزوہ:** غزوۂ خندق کا دوسرا نام۔ غزوۂ خندق کے حوالے سے قرآن پاک میں ''احزاب'' کے نام سے سورہ موجود ہے۔ ⇦ خندق، غزوہ۔

*** احمد ﷺ:** حضرت محمد ﷺ کا ایک مبارک نام۔ یہ نام عہد نامہ عتیق کے ''فارقلیط'' کے ہم معنی قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں ''خدا کی زیادہ سے زیادہ تعریف کرنے والا۔'' احمد کا لفظ عربی میں زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا۔ اسم علم کی حیثیت سے اس لفظ کا استعمال ۱۲۵ھ (۷۴۰ء) سے شروع ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی محبت میں آج دنیا بھر کے مسلمان ''احمد'' کو اپنے نام کا حصہ بناتے ہیں۔

⇦ آباو اجداد نبوی + محمد۔

*** احمد بن حنبل، امام:** مشہور فقہی امام اور محدث۔ علم حدیث میں ان کا بڑا فیضان ہے۔ امام احمد بن حنبل کا پورا نام امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد اللہ ذہلی شیبانی المروزی ہے۔ ان کا تعلق خاندان شیبان سے تھا۔ ربیع الاول ۱۶۴ھ (دسمبر ۷۸۰ء) میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بغداد ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد فن حدیث کی طرف توجہ کی اور پندرہ برس کی عمر میں احادیث کا سماع کرنے کے لئے ۱۷۹ھ میں بغداد کے مشہور شیخ ہیثم کی خدمت میں چلے گئے۔ اسی سال عبداللہ بن مبارک بغداد آئے۔ امام حنبل کو ان کی آمد کا علم ہوا تو ان کی مجلس میں پہنچے، لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابن مبارک طرطوس جا چکے ہیں۔ ہیثم کی وفات کے بعد امام احمد نے بغداد اور دوسرے شہروں کا سفر اختیار کیا۔ بغداد علوم کا مرکز و منبع تھا۔ وہاں علوم دین کے علاوہ لغت، ریاضی، فلسفہ، تصوف، غرض ہر علم و فن کی مجالس موجود تھیں۔ امام احمد بن حنبل نے دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ زبان و لغت پر بھی کامل عبور حاصل کیا۔ علوم شریعت میں اجتہاد اور استنباط احکام میں کمال حاصل کیا۔ فن حدیث میں تکمیل

عبور حاصل کیا اور منصب امامت پر فائز ہوئے۔

امام احمد بن حنبل تحصیل علم حدیث کے لئے سب سے پہلے بغداد میں مشغول رہے۔ کم و بیش سات برس تک بغداد کے جید علما فضلا، محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ اس دوران امام احمد بغداد سے باہر تحصیل علم کے لئے نہیں گئے۔ امام احمد کا معمول تھا کہ کسی ایک محدث کا انتخاب کر کے ان سے کسب فیض کرتے یہاں تک کہ اس محدث کا تمام علم حاصل کر لیتے۔ پھر دوسرے محدث کی تلاش کرتے۔ چنانچہ وہ ہشیم بن بشیر کی خدمت میں متواتر چار سال رہے۔ سماعت حدیث کے ساتھ اگر راوی ثقہ ہوتا تو امام صاحب اس سے روایت حدیث بھی کرتے تھے خصوصاً ان اساتذہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے جو فن روایت اور جمع حدیث میں شہرت رکھتے تھے۔

علم حدیث کی تحصیل کے لئے امام احمد نے بغداد کے علاوہ متعدد علاقوں کا سفر کیا۔ بصرہ، حجاز، یمن، کوفہ الغرض جہاں سے بھی ممکن ہو سکا، اس علم کو حاصل کیا۔

امام احمد حنبل کی قوت حافظہ کا کمال اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے چار سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ مشائخ میں ان سے بڑا کوئی حافظ حدیث نہیں تھا۔ ان کو لاکھوں احادیث یاد تھیں۔ امام احمد بن حنبل کی ثقاہت پر تمام آئمہ فن کا اتفاق ہے۔

امام احمد بن حنبل کو احادیث کی صحیح اور غلط روایت میں امتیاز پر پورا عبور حاصل تھا۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ امام احمد کو صحیح اور سقیم روایات کی معرفت میں بڑا کمال اور خاص امتیاز حاصل تھا۔

چالیس سال کی عمر میں درس و تدریس کی سند پر رونق افروز ہوئے۔ ان کی مجلس درس بڑی باوقار، سنجیدہ اور شائستہ ہوتی تھی۔ درس میں حاضرین کا جم غفیر ہوتا تھا۔ علمائے سیر کا بیان ہے کہ پانچ پانچ ہزار کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت و عقیدت سے بھی ان کا دل معمور تھا۔ قید خانے میں انہیں تین بال دیئے گئے اور بتایا گیا کہ یہ موئے مبارک ہیں۔ انہوں نے یہ بال سنبھال کر رکھے اور انتقال کے وقت وصیت کی کہ ان کو میری قبر میں میری آنکھوں پر رکھ دیا جائے۔

امام احمد بن حنبل کی آمدنی کا اصل ذریعہ صرف ایک آبائی جائداد تھی جس سے کل سترہ درہم ماہوار کرایہ ملتا تھا۔ اسی میں تنگی کے ساتھ گزارا کرتے اور اللہ کا شکر بجالاتے تھے۔ اتنی حقیر آمدنی اہل و عیال کے خرچ کے لئے بالکل ناکافی تھی، اس لئے اکثر گھر میں فاقہ رہتا تھا، مگر اس فاقے کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے اور نہ کسی کا تحفہ قبول فرماتے تھے۔ ان کے احباب ان کی مدد کرنا چاہتے تھے، مگر انکار کر دیتے تھے اور ہمیشہ یہی فرماتے کہ الحمد للہ ہم لوگ آرام و عافیت سے ہیں حال آنکہ گھر میں ایک جبہ بھی نہیں تھا۔ محنت مزدوری کر لینا پسند تھا، مگر کسی کے سامنے دست طلب دراز کرنا گوارہ نہ تھا۔ بعض اوقات کمر بند (ازار بند) بنا کر فروخت کرتے اور اخراجات پورے کرتے تھے۔

۲۱۲ھ میں فتنہ خلق قرآن کو فروغ حاصل ہوا۔ معتزلہ کی کوششوں سے عباسی خلیفہ مامون رشید نے خلق قرآن کے عقیدے کی ترویج شروع کی اور تمام علما، فضلا، محدثین سے اس عقیدے کی تائید و حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جن علما نے اس عقیدے کو قبول کر لیا انہیں انعامات سے نوازا گیا اور جو علما اس عقیدے کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ انہی مظلوم علما میں امام احمد بن حنبل بھی شامل تھے۔ خلیفہ نے انہیں دربار میں طلب کیا اور طویل مناظرہ کیا اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ یہی فرماتے رہے کہ "قرآن اللہ کا کلام ہے، میں اس کو مخلوق نہیں کہہ سکتا" خلیفہ نے اس جواب پر امام صاحب کو ۸۰ کوڑے لگوائے اور ایک طویل عرصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ لیکن امام احمد بن حنبل آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔

فتنہ خلق قرآن کے بعد امام صاحب ۲۱ سال تک زندہ رہے اور اللہ کی مخلوق کو فیض پہنچاتے رہے۔ کوڑے کھانے سے جو اذیت انہیں پہنچی تھی وہ آخر عمر تک باقی رہی، لیکن پھر بھی عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں مصروف رہے۔ آخر کار ۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ بروز چہار شنبہ شدید بخار میں مبتلا ہوئے اور اسی علالت میں ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ (جولائی ۸۵۵ء) میں ۷۷ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

احمد بن حنبل سے مندرجہ ذیل تصانیف منسوب ہیں، لیکن ان میں سے چند کے علاوہ سب ناپید ہیں:
○ کتاب الصلوٰۃ ○ کتاب السنہ ○ کتاب الاعتقاد ○ کتاب الزہد ○ مسند احمد بن حنبل ○ کتاب الفرائض ○ کتاب العلل ○ کتاب التفسیر ○ کتاب الایمان ○ کتاب الفضائل ○ کتاب التاریخ۔

امام صاحب کی سب سے مشہور اور حدیث کی ایک اہم کتاب "مسند احمد بن حنبل" ہے۔ اگرچہ اس سے قبل بھی اس طرز پر احادیث جمع کی گئیں، لیکن جو شہرت مسند احمد بن حنبل کو حاصل ہوئی ایسی شہرت کسی اور مسند کو نہ مل سکی۔

⇦ احمد بن حنبل، مسند۔

✽ احمد بن حنبل، مسند: حدیث رسول ﷺ ایک مجموعہ جو کتب حدیث کی قسم "مسند" سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مجموعے کو امام احمد بن حنبل نے مرتب کیا تھا۔ مسند احمد بن حنبل تقریباً ۱۷۲اجزا پر مشتمل ہے اور ۷۰۰ صحابہ کی احادیث کا مجموعہ ہے جن کی تعداد چالیس ہزار ہے۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مسند کی اصل روایات تو تیس ہزار ہیں، باقی دس ہزار مکرر ہیں۔

محدثین کے نزدیک مسانید کا درجہ سنن سے کمتر ہے، لیکن مسند احمد کی حیثیت عام مسانید سے مختلف ہے۔ شاہ ولی اللہ نے دوسرے درجے کی کتب میں اس کو شامل کیا ہے۔ مسند احمد بن حنبل کا شمار ان اہم اور آئمہ کتب میں ہوتا ہے جن پر ملت اسلامیہ کا ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور جن سے محدثین نے ہر زمانے میں استفادہ کیا ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ مسند احمد اس اُمت کی اساس اور بنیادی کتابوں میں ہے۔

صحت وجودت کے لحاظ سے بھی مسند کی اہمیت کم نہیں ہے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ مسند کے زوائد صحیحین، ترمذی اور ابوداؤد کے زوائد کے مقابلے میں کم ضعیف ہیں۔ اس کی ہر روایت مقبول اور ضعیف روایات بھی حسن سے قریب ہیں۔

مسند احمد کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

● مسند احمد بن حنبل حدیث کا سب سے ضخیم مجموعہ ہے۔
● احادیث کی دوسری کتب میں جو روایات متفرق طور پر پائی جاتی ہیں ان کا اکثر حصہ اس میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث کی سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔
● مسند کا ترتیبی حسن، خبر اور روایت کا تناسب اور بہتر انتخاب بھی اس کی ایک خصوصیت ہے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حسن بیان اور سیاق کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کے برابر نہیں۔

مسند احمد بن حنبل میں تین سو ثلاثی احادیث ہیں۔

⇦ احمد بن حنبل، امام + مسند۔

✽ احمد علی سہارنپوری: محدث۔ شیخ وجیہ الدین، مولانا عبدالحیٔ اور شاہ عبدالقادر دہلوی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ ۱۲۶۵ھ میں "مطبع احمدی" کے نام سے دہلی میں ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تباہ ہوگیا۔ پھر یہ کلکتہ چلے آئے جہاں دس سال تک مسجد حافظ جمال دین میں علم دین کی تدریس کی۔ ۱۲۸۳ھ میں مظاہر اسلام، سہارنپور میں دورۂ حدیث پڑھانا شروع کیا۔ ان کے بعد مولانا قاسم نانوتوی اور دیگر علمانے آپ کے علمی تجربے اور تقویٰ کے باعث دارالعلوم دیوبند کی بنیاد آپ ہی سے رکھوائی۔ احمد علی سہارنپوری نے صحیح بخاری، ترمذی اور مشکوٰۃ شریف پر حواشی بھی تحریر کئے۔

✽ احناف: وہ افراد جو اسلام کی دعوت حق سے پہلے ہی بت پرستی سے منہ پھیر چکے تھے۔ اگرچہ ان لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے دعوت اسلام نہیں دی تھی اس کے باوجود احناف کو رواجی بت پرستی سے نفرت ہو چکی تھی۔ یہ لوگ خود کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے، لیکن اس اجمالی اعتراف کے سوا توحید کے بارے میں اور کچھ نہ جانتے تھے۔ گویا تلاش حق میں تھے۔

⇦ ابراہیمؑ + حنیفی۔

✽ احنف بن قیس: صحابی رسول ﷺ۔ نام ابوبحر صخر بن قیس تھا اور بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ تین قبل ہجری (۶۱۹ء) میں پیدا

ہوئے۔ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے تھے۔ پیدائشی اپاہج تھے، اسی لئے "احنف" کہلائے۔ انہوں نے ہی بنو تمیم کو اسلام کی طرف راغب کیا۔ ۲۳ھ اور ۲۹ھ میں قم، کاشان اور اصفہان کی فتح میں حصہ لیا۔ ہرات، مرو اور بلخ بھی انہی کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ جنگ جمل میں احنف بن قیس غیر جانب دار رہے تاہم جنگ صفین میں انہوں نے حضرت علی کا ساتھ دیا۔

اخ

*** اخرم بن ابی العوجا:** صحابی رسول ﷺ۔ ایک بار نبی کریم ﷺ نے حضرت اخرم کو پچاس مجاہدین کے ہمراہ دعوت اسلام کے لئے بنوسلیم کی طرف بھیجا۔ یہ جماعت جب وہاں پہنچی اور بنوسلیم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ لوگ نہ مانے بلکہ مسلمانوں کی اس جماعت پر تیراندازی شروع کردی۔ نتیجے میں حضرت اخرم بن ابی العوجا اور دیگر صحابہ شہید ہوگئے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت اخرم شہید نہیں ہوئے تھے، زخمی ہوئے تھے اور بعد میں صحت یاب ہوگئے تھے۔ (واللہ اعلم)

*** اخبار آحاد:** وہ احادیث جو تواتر کے درجے تک نہیں پہنچ سکیں۔ ان احادیث کو "اخبار آحاد" کہتے ہیں۔

متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو روایت کرنے والے اشخاص اس قدر زیادہ ہوں کہ عقل انسانی ان کے کذب پر متفق ہونے کو محال سمجھتی ہو۔ متواتر کی دو قسمیں ہیں:

متواتر لفظی: ایسی احادیث بہت کم ہیں مثلاً من كذب علی متعمدًا فليتبو مقعده من النار۔

متواتر معنوی: ایسی احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے مثلاً طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے احکام سے متعلق احادیث اور وہ احادیث جن میں بیع کی اقسام، نکاح اور غزوات کا ذکر کیا گیا ہے اور جن کے بارے میں سب مسلک ہائے اسلامی متفق الخیال ہیں۔

*** اخلاق نبوی ﷺ:** رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور اخلاقی کردار۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آکر آپ ﷺ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے واضح طور پر ممتاز نظر آتی ہے۔

آپ ﷺ خود اپنی تعلیم کا نمونہ تھے۔ انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتے تھے، گھر کے خلوت کدے میں وہ اسی طرح نظر آتے تھے۔ اخلاق و عمل کا جو نقطہ وہ دوسروں کو سکھاتے تھے وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتے تھے۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون رازداں ہوسکتا ہے۔ چند صاحبوں نے آکر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق بیان کیجئے! انہوں نے پوچھا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ ﷺ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ قرآن مجید لاکھوں مخالفین و اہل عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی حق کی نسبت گویا تھا: "اے محمد ﷺ! تم اخلاق کے بڑے اعلیٰ درجے پر ہو۔"

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیا گیا حالانکہ اخلاق وہ چیز ہیں جو زندگی کی ہر تہہ میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتے ہیں۔ دوست دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت، غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرۂ اخلاق کی وسعت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہئے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ ﷺ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں، زمانہ آغاز وحی میں آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں: ہرگز نہیں، خدا کی قسم! خدا آپ ﷺ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی نے آپ ﷺ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو ورنہ آپ ﷺ اس سے بہت دور ہوتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا، خدا اس سے انتقام لیتا تھا (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی آپ ﷺ اس پر حد جاری فرماتے تھے)۔ آپ ﷺ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ ﷺ نے کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی، اگر وہ ناجائز نہ ہو۔ آپ ﷺ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں ہنستے اور مسکراتے ہوئے۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو یاد کر لے۔ کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے۔ عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ ﷺ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اعراض فرماتے۔ جو آپ ﷺ سے کوئی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس کرتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے یعنی صریح انکار و تردید نہیں کرتے تھے بلکہ خاموش رہتے تھے۔ اور مزاج شناس آپ ﷺ کے تیور سے آپ ﷺ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔

اپنے نفس سے تین چیزیں آپ ﷺ نے بالکل نکال دی تھیں: بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا، اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے: کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے کہ جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب آپ ﷺ گفتگو کرتے تو صحابہ کرام خاموش ہو کر اور سر جھکا کر بات کو پوری توجہ سے سنتے، اور جب آپ ﷺ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے۔ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، آپ ﷺ چپ چاپ اس کی بات کو سنا کرتے۔ لوگ جن باتوں پر ہنستے، آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے۔ جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ ﷺ بھی تعجب کرتے۔ کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ ﷺ تحمل فرماتے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ ﷺ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہوتا آپ ﷺ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی پہلی بار آپ ﷺ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔

مداومت عمل

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جن کاموں کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہیں اور وہ فطرتاً اسی پر مجبور ہیں۔ آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے۔ اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہو سکتا۔ رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے۔ وہ روشنی کی علت نہیں۔ درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایام بہار ہی میں پھولتے ہیں۔ حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال و اخلاق سے یک سرمو تجاوز نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان خدا کی طرف سے کسی حد تک مختار پیدا ہوا ہے۔ وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی۔ اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں۔ اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمے دار ہونے کا راز ہے۔ لیکن اخلاق کا ایک رقیق نکتہ یہ ہے کہ آدمی یہ افعال و اعمال و اخلاق اس قدر باقاعدگی اور پابندی سے ادا کرے کہ ان کو چھوڑنے کی غلطی اس سے سرزد ہو ہی نہ سکے۔ اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل اور پھول سے

خوشبو کہ یہ خصوصیات اس سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں۔ اسی کا نام "استقامت حال اور مداومت عمل" ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے۔ جس کام کو جس طریقے سے جس وقت آپ ﷺ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ "سُنّت" کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے ماخوذ ہے۔ سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضور ﷺ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کسی خاص دن یہ کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی اسی طرح آپ ﷺ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ ﷺ نے اختیار کر لی، ہمیشہ اس کی پابندی کی۔ پھر فرمایا، آنحضرت ﷺ جو کر سکتے تھے وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے، جب آنحضرت ﷺ کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کا خود ارشاد ہے: "خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ عمل ہے جس پر انسان سب سے زیادہ مداومت کرے۔"

آپ ﷺ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی رات کی عبادت ترک نہیں کی۔ اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سُست ہوا تو بیٹھ کر نماز ادا کرتے تھے۔

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ ﷺ نے مقرر کر لیا تھا، اس میں کبھی تکلّف نہ ہوا۔ نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ اوقات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہیں آیا۔ اب یہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہے۔

حسن خلق

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ہند رضی اللہ عنہا، ابی ہالہ وغیرہ جو مدتوں آپ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے، ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے اور کسی کی دل شکنی نہیں کرتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام و مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے۔ مصافحے میں بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانوں کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔

مجالس میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے۔ حضرت زینب سے جب نکاح ہوا اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے۔ اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینب بھی مجلس میں شریک تھیں۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں، لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ لوگوں نے کچھ خیال کیا۔ آپ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہ کے حجرے تک گئے۔ واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا۔ پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے۔ پردے کی آیت اسی موقع پر اتری۔

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلے کا اچھا آدمی نہیں ہے، لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہ کو اس پر تعجب ہوا اور آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آپ ﷺ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے پھر بھی اس نرمی و اخلاق کے ساتھ کلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، خدا کے نزدیک

سب سے برا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح فرمادیتے کہ لوگ اس طرح کرتے ہیں، اس طرح کرتے ہیں۔

حسن معاملہ

اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ ﷺ کی زرہ من بھر غلے پر ایک یہودی کے ہاں گروی تھی، لیکن ہر حال میں حسن معاملت کا سخت اہتمام تھا۔ مدینہ میں دولت مند عموماً یہودی تھے اور اکثر انہی سے آپ ﷺ قرض لیا کرتے۔ یہودی عموماً سخت گیر ہوتے ہیں، لیکن آپ ﷺ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرض تو نہیں ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ مرنے والا مقروض تھا تو صحابہؓ سے فرماتے کہ جنازہ کی نماز پڑھادو، آپ ﷺ خود شریک نہ ہوتے۔

عدل و انصاف

کوئی شخص گوشہ نشیں ہو کر بیٹھ جائے تو اس کے لئے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے۔ آنحضرت ﷺ کو عرب کے سیکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا۔ اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا تھا۔ ان سب مشکلات کے باوجود انصاف کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا۔

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان تو ایک طرف یہود بھی جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے، اپنے مقدمات آپ ﷺ ہی کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے اور ان کی شریعت کے مطابق ان مقدمات کا فیصلہ ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کا صراحت سے ذکر ہے۔ اسلام سے پہلے یہودیان بنو نضیر و بنو قریظہ میں عزت و شرافت کی عجیب و غریب حد قائم تھی۔ کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا، لیکن اگر کوئی قریظی، نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی۔ اسلام آنے کے بعد جب یہ واقعہ پیش آیا تو بنو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فوراً تورات کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کردیا۔

عدل و انصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلے میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے۔ ایک بار آپ ﷺ غنیمت کا مال تقسیم فرمارہے تھے۔ گرد و پیش لوگوں کا ہجوم تھا۔ ایک شخص آکر منہ کے بل آپ ﷺ پر لد گیا۔ دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے اس کو ٹہوکا دیا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی۔ فرمایا، مجھ سے انتقام لے لو۔ اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں نے معاف کردیا۔

مرض الموت میں آپ ﷺ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمے کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوادیئے گئے۔

جود و سخا

جود و سخا آپ ﷺ کی فطرت تھی۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، خصوصاً رمضان کے مہینے میں آپ ﷺ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ تمام عمر کسی کے سوال پر منع نہیں فرمایا۔ بخاری شریف میں آپ ﷺ کے الفاظ مرقوم ہیں کہ "میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور دیتا اللہ ہے۔"

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اگر آپ ﷺ کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہوتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے ورنہ آئندہ دینے کا وعدہ فرماتے۔ اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر بے تکلف ہوگئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامت نماز

کے وقت ایک بدو آیا۔ آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے، خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں۔ اس کو پورا کر دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور حاجت بر آری کر کے آئے تو نماز پڑھائی۔

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے بلکہ صحابہ کو بھی شریک فرما لیتے۔

ایثار

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں ہے اور جس کا اثر ہر موقعے پر نظر آتا ہے وہ "ایثار" تھا۔ اولاد سے آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت فاطمہ زہرا اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں تو فرط محبت سے آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ تاہم حضرت فاطمہ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ خود چکی پیستیں، خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک کے اثر سے سینے پر نیل پڑ گئے تھے۔ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کر سکیں، جناب امیر نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوے میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز فاطمہ کو مل جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو، میں دوسری طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ (⇐ تسبیحات فاطمہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہرا خدمت اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس و تنگ دستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اب کے غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔

مہمان نوازی

عرب میں مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہ نبوی ﷺ میں آتے تھے۔ رملہ ایک صحابیہ تھیں۔ ان کا گھر دار الضیوف (مہمان خانہ) تھا۔ یہیں لوگ مہمان اترتے تھے۔ ام شریک جو ایک دولت مند اور فیاض انصاریہ تھیں، ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا۔ مخصوص لوگ مسجد نبوی میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے۔ یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے، بغیر کچھ کھائے پئے واپس نہ آتے تھے۔ فیاضی میں کافر اور مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ ﷺ کے مہمان ہوتے اور آپ ﷺ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے۔ جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان ٹھہرایا اور خود ان کی خدمت کی۔

ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا۔ وہ سارے کا سارا دودھ پی گیا۔ آپ ﷺ نے دوسری بکری منگوائی۔ وہ بھی کافی نہ ہوئی۔ غرض سات بکریوں تک نوبت آئی۔ جب تک وہ سیر نہ ہوا، آپ ﷺ پلاتے گئے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے۔ آپ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمان کی خبر گیری کرتے تھے۔

گداگری اور سوال سے نفرت

باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کا ابر کرم ہر وقت برستا رہتا تھا تاہم کسی کا بے ضرورت شدید سوال کرنا آپ ﷺ پر سخت گراں ہوتا تھا۔ ارشاد فرماتے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھ پیٹھ پر لاد لائے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔

قبیصہ نامی ایک صاحب مقروض ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس آئے اور اپنی حاجت عرض کی۔ آپ ﷺ نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا، اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے۔ ایک اس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار ہو وہ مانگ سکتا ہے، لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہئے۔ دوسرے اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی

مصیبت آگئی جس نے اس کے تمام مالی سرمائے کو برباد کیا اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہوجائے۔ تیسرے اس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلے کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔

صدقہ سے پرہیز

آنحضرت ﷺ اپنے اور اپنے خاندان کے لئے صدقہ وزکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ وعار سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں۔ جی میں آتا ہے کہ اٹھا کر منہ میں ڈال لوں۔ پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقے کی کھجور نہ ہو، اس لئے وہیں ڈال دیتا ہوں۔

آپ ﷺ کے سامنے جب کوئی شخص چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے اور اگر پتا چلتا کہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرمادیتے۔

ہدیہ اور تحفے قبول کرنا

دوست احباب کے ہدایہ اور تحفے آپ ﷺ قبول فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے اس کو محبت میں اضافے کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی۔" اسی لئے صحابہ عموماً کچھ نہ کچھ آپ ﷺ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ ﷺ حجرۂ عائشہ میں قیام فرماتے تھے۔

آس پاس کے ملوک وسلاطین بھی آپ ﷺ کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفے میں دیا تھا۔ عزیز مصر نے ایک خچر مصر سے بھیجا تھا۔ ایک امیر نے آپ ﷺ کو موزے بھیجے تھے۔ ایک دفعہ قیصر روم نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ذرا دیر کے لئے پہن لی پھر اتار کر حضرت علی کے بھائی حضرت جعفر کے پاس بھیج دی۔ وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لئے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو۔ عرض کیا پھر کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔

ہدایا اور تحفے دینا

جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے۔

عدم قبول احسان

کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے۔ حضرت ابوبکر سے بڑھ کر جاں نثار کون ہوسکتا تھا تاہم ہجرت کے وقت جب انہوں نے سواری کے لئے ناقہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس کی قیمت پیش کی۔ مدینہ میں مسجد کے لئے جو زمین درکار تھی، اس زمین کے مالکان نے وہ مفت نذر کرنا چاہی، لیکن آپ ﷺ نے اس کی قیمت ادا کی۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر دونوں ہم سفر تھے۔ عبداللہ بن عمر کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت ﷺ کے ناقے سے آگے نکل جاتا تھا۔ عبداللہ بن عمر روکتے تھے، لیکن وہ قابو میں نہ آتا تھا لہٰذا حضرت عمر حضرت عبداللہ بن عمر کو ڈانٹتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر سے کہا کہ یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔ انہوں نے نذر کرنا چاہا، لیکن آپ ﷺ نے کہا کہ دام لو! حضرت عمر نے دوبارہ کہا، یونہی حاضر ہے۔ آپ ﷺ نے انکار کیا۔ آخرکار حضرت عمر دام لینے پر تیار ہوگئے۔ آپ ﷺ نے خرید کر عبداللہ بن عمر کو دے دیا کہ اب یہ تمہارا ہے۔

عدم تشدد

حضرت معاذ بن جبل ایک محلے میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھاتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر ہوں۔ ابومسعود انصاری کا بیان ہے کہ میں نے

آنحضور ﷺ کو اتنا غضب ناک کبھی نہیں دیکھا جتنا اس موقعے پر دیکھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں۔ جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے، کیونکہ نماز میں بوڑھے، کمزور، کام والے سبھی طرح کے آدمی شریک ہوتے ہیں۔

حدو قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا، درگزر کرنا چاہتے۔

رہبانیت ناپسند تھی

رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے۔ صحابہ میں سے بعض بزرگ میلان طبعی کی وجہ سے یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا۔ بعض صحابہ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے۔ انہوں نے قطع اعضا کرنا چاہا۔ آپ ﷺ نے سخت ناراضی ظاہر کی۔ قدامہ بن مظعون ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترک حیوانات اور دوسرے نے ترک نکاح کا عزم کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں۔ آپ ﷺ کی مرضی نہ پاکر دونوں صاحب اپنے ارادے سے باز رہے۔ عرب میں صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھے جاتے تھے۔ صحابہ نے بھی اس کا ارادہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے سختی سے روکا۔

عیب جوئی اور تعریف کی ناپسندیدگی

مدح اور تقریب کو بھی آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس اقدس میں ایک شخص کا ذکر نکلا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کی بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی۔ یہ الفاظ چند بار فرمائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم کو اگر کسی کی خواہی نخواہی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا۔ حضرت مقداد بھی موجود تھے۔ انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ محجن ثقفی سے پوچھا، یہ کون ہے؟ انہوں نے ان کا نام بتایا اور بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ یعنی دل میں غرور پیدا ہو گا جو موجب ہلاکت ہو گا۔

سادگی اور بے تکلفی

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں ہی چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے۔ روز روز کنگھا کرنا پسند نہ فرماتے۔ ارشاد تھا کہ ایک دن چھوڑ کر کنگھا کرنا چاہئے۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے غرض کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آتا، تناول فرماتے۔ پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا، پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی، بیٹھ جاتے۔ آپ ﷺ کے لئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی۔ کرتے کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے۔ لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے۔ سامان آرائش سے طبعاً نفرت تھی۔ غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند تھی۔

امارت پسندی سے اجتناب

اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیاوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے تاہم ناز و نعمت، تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے۔

مساوات

آپ ﷺ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمان و صہیب و بلال ..... سب کے سب غلام رہ چکے تھے۔ ان حضرات کا آپ ﷺ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھا۔ حضرت سلمان و بلال ایک موقعے پر جمع تھے۔ اتفاق سے ابوسفیان

آنکلے۔ ان لوگوں نے کہا، ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے۔ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں سے کہا، سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا۔ ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکر نے فوراً جا کر ان حضرات سے کہا، بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے۔ ان لوگوں نے کہا، نہیں! خدا تم کو معاف کرے۔

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اسامہ بن زید (جن سے آپ ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے) کو لوگوں نے سفارشی بنا کر خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اسامہ! کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا: "تم سے پہلے کی امتیں اسی لئے برباد ہوگئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے۔ خدا کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو اس کے بھی دونوں ہاتھ کاٹے جاتے۔"

تواضع

آپ ﷺ گھر کا کام کاج خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے۔ گھر میں خود جھاڑو دیتے۔ بازار سے سودا لاتے۔ جوتی پھٹ جاتی تو گانٹھ لیتے۔ گدھے کی سواری سے آپ ﷺ کو شرم نہ تھی۔ غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے۔ غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی، بیٹھ جاتے۔ تواضع کی انتہا یہ کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

تعظیم اور تعریف سے روکتے تھے

اس نکتے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی مثال پیش نظر تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہیں۔ میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں۔ قیس بعد سعد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حیرہ گیا۔ وہاں لوگوں کو دیکھا کہ وہ رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے کہ آپ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گزرو گے تو سجدہ کرو گے۔ عرض کی نہیں! پھر فرمایا، جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہئے۔

شرم و حیا

کتب صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے اور شرم و حیا کا اثر آپ ﷺ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا۔ کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی۔ بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گزر جاتے۔ تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندۂ قہقہہ سے آشنا نہیں ہوئے۔ بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ چہرے کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے۔

عرب میں دیگر ممالک کی طرح شرم و حیا کا بہت کم لحاظ تھا۔ ننگے نہانا عام بات تھی۔ حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو۔ عرب میں حمام نہ تھے، لیکن شام و عراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے وہاں کثرت سے حمام تھے۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام ملیں گے۔ ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا

اگرچہ تمام صحابہ آپ ﷺ کے جاں نثار خادموں میں داخل تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ، ابوسعید خدریؓ اور حضرت حسنؓ سے

روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے۔ایک شخص نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ ﷺ گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگاتے تھے۔گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے۔ دودھ بھی دوہ لیتے تھے۔ بازار سے سودا خرید لاتے تھے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے۔ ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے۔ اس کو چارہ دیتے تھے۔غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے تھے۔

دوسروں کے کام کر دینا

خبابؓ بن ارت ایک صحابی تھے۔ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کسی مہم پر بھیجا۔ خباب کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر آپ ﷺ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔

عزم و استقلال

خدا نے قرآن مجید میں اولو العزم من الرسل کہہ کر انبیائے کرام کے عزم اور حوصلے کی تعریف فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم الرسل تھے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپ ﷺ کی ذات میں ودیعت کیا تھا۔ انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت ﷺ کے عزم و استقلال کا مکمل مظہر ہے۔

عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے، بے یار و مدد گار اور دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے۔ ریگستان کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے، لیکن وقار نبوت اور عزم ربانی سے شکست خوردہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے۔

شجاعت

یہ وصف انسانیت کا اعلیٰ جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔ عزم و استقلال، حق گوئی، راست گفتاری..... یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو سیکڑوں مصائب و خطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے، لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی۔ غزوۂ بدر میں گھمسان کی لڑائی میں تین سو نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو مرکز نبوت ہی کے دامن میں آکر پناہ لیتے تھے۔ حضرت علی جن کے دست بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، کہتے ہیں کہ جب بدر میں زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ﷺ کی آڑ میں آکر پناہ لی۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ مشرکین کی صف سے اس دن آپ ﷺ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔

ایفائے عہد

ایفائے عہد آپ ﷺ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپ ﷺ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد ﷺ نے بد عہدی بھی کی ہے۔ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں۔ وحشیؓ جنہوں نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے۔ اہل طائف نے مدد بھیجنے کے لئے جو وفد مرتب کیا اس میں ان کا نام بھی تھا۔ ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے، لیکن دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ۔ محمد ﷺ سفرا کو قتل نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ صفوان بن امیہ قبل اسلام شدید ترین دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادے سے جدہ چلے گئے۔ عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کو امان کی نشانی ہے۔ عمیر عمامہ مبارک لے کر صفوانؓ کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں، تم کو امان ہے۔ جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی، کیا آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں یہ سچ ہے۔

⇦ وحشی بن حرب + صفوان بن امیہ + ابوسفیان

زہد و قناعت

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ میں تھے، محض پیغمبر تھے۔ مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عرب کے زیر نگیں ہوجانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جو کے عوض گروی تھی۔ جن کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہوچکا تھا اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آچکا تھا۔

عفو و حلم

ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا بجز اس کے کہ اس نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی ہو۔

دشمنوں سے درگزر اور حسن سلوک

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب اور نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے، لیکن حامل وحی نبوی کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی حق ہے، لیکن تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ

کفار کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ مورخین یورپ میں مدعی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کے ساتھ حسن خلق کا یہ معاملہ اس وقت بھی جاری تھا جب نبی کریم ﷺ کو مدینہ میں اقتدار حاصل ہو چکا تھا (ان واقعات کی تفصیل علامہ شبلی نعمانی کی "سیرت النبی" جلد دوم کے باب "اخلاق نبوی" میں دیکھی جاسکتی ہے)۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ

خلق عظیم میں کافر و مسلم، دوست دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی۔ ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرت ﷺ سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعے سے ملتی ہے، لیکن آپ ﷺ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ﷺ انہی کی تقلید فرماتے۔

دشمنان جاں سے عفو و درگزر

جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفہ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے۔ جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی، کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد ﷺ کا سر قلم کردیا جائے۔ اس لئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کئے کھڑا رہا۔ اگرچہ اس وقت دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ ﷺ میں ظاہری قوت نہ تھی، لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف محمد ﷺ کے رحم و کرم پر موقوف تھی، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی بھی مجرم اس جرم میں قتل نہیں ہوا۔

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے، لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے۔ جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو لوگ ان کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت ﷺ پر جو مسلسل مظالم ہو رہے تھے اس داستان کے دہرانے کے لئے بھی سنگ دلی درکار ہے۔ اسی زمانے میں حضرت خباب بن ارت نے عرض کی کہ یا رسول اللہ!

دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیے۔ یہ سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔ ایک دفعہ چند صحابہ نے مل کر اسی قسم کی بات کی تو فرمایا کہ میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

بچوں پر شفقت

آپ ﷺ بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے۔ راستے میں بچے ملتے تو ان کو خود سلام کرتے۔ ایک دن خالد بن سعید خدمت اقدس میں آئے۔ ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کرتا بدن پر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، سنہ! سنہ! (حبشی زبان میں "حسنہ" کو "سنہ" کہتے ہیں)۔ چونکہ ان کی پیدائش حبشہ میں ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس مناسبت سے حبشی تلفظ میں حسنہ کے بجائے "سنہ" کہا۔

آنحضرت ﷺ کی پشت پر جو مہر نبوت تھی، ابھری ہوئی تھی۔ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں۔ وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگے۔ حضرت خالد نے ڈانٹا۔ آنحضرت ﷺ نے روکا کہ کھیلنے دو۔

غلاموں پر شفقت

آنحضرت ﷺ غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ۔ آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو ہمیشہ آپ ﷺ آزاد فرماتے تھے، لیکن وہ حضور ﷺ کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہوسکتے تھے۔ ماں باپ، قبیلے، رشتے کو چھوڑ کر عمر بھر آپ ﷺ کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔ زید بن حارثہ غلام تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ان کے باپ ان کو لینے آئے، لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور جانے سے قطعًا انکار کر دیا۔ زید کے بیٹے اسامہ سے آپ ﷺ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے، اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو اس کو زیور پہناتا۔ خود اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔

مستورات کے ساتھ برتاؤ

دنیا میں یہ صنف ضعیف یعنی عورتیں چونکہ ہمیشہ ذلیل رکھی گئی ہیں، اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی کسی کے پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریقہ معاشرت کیا ہو۔ اسلام دنیا کا وہ سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو ان کے حقوق دیئے اور عزت و منزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی، اس لئے شارع اسلام کے واقعات زندگی میں ہم کو بھی یہ دیکھنا چاہئے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کے ایلا ازواج مطہرات (⇦ ایلا) سے چند روز علیحدگی کی جو روایت مذکور ہے اس میں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتًا عورتوں کی قدر تھی، لیکن اس قدر نہیں جس کی وہ مستحق تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے جس طرح اپنے ارشاد و احکام سے ان کے حقوق قائم کئے، آپ ﷺ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا۔

عام رحمت و محبت

حضور انور ﷺ کی ذات پاک تمام دنیا کے لئے رحمت بن کر آئی تھی۔ حضرت مسیح نے کہا تھا کہ میں امن کا شہزادہ ہوں، لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس ثبوت میں محفوظ نہیں۔ جب کہ امن کے شہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا: وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (محمد ﷺ! ہم نے تم کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔

رقیق القلبی

آنحضرت ﷺ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ مالک بن حویرث ایک وفد کے کارکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کو بیس دن تک مجلس نبوی ﷺ میں شرکت کا موقع ملا۔ وہ کہتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔" ۱

حضرت زینب کا بچہ فوت ہونے لگا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ بچے کو لے کر سامنے لائے۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔ بے اختیار آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حضرت سعد کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، خدا انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔

عیادت، تعزیت و غم خواری

بیماروں کی عیادت میں دوست دشمن، مؤمن و کافر کسی کی تخصیص نہ تھی۔ سنن نسائی باب الکبیر علی الجنازہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے تھے۔ بخاری و ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے۔

لطف طبع

آپ ﷺ کبھی کبھی ظرافت کی باتیں بھی فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انس کو پکارا تو فرمایا، "او دو کان والے" اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انس نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت انس کے چھوٹے بھائی کا نام "ابو عمر" تھا۔ وہ کمسن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ ابو عمر کو بہت رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کو غم زدہ دیکھا تو فرمایا، ابو عمر! تمہارے ممولے نے کیا کیا۔

اولاد سے محبت

اولاد سے نہایت محبت تھی۔ معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ ہی ہوتیں۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے۔ اسی اثنا میں حضرت فاطمہ نے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازے پر پردے لٹکائے۔ ۲

آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہ کے گھر نہیں گئے۔ وہ سمجھ گئیں۔ فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لئے۔ صاحب زادے روتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کنگن لے کر بازار میں بھیج دیئے اور کہا کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لا دو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے۔ ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

اذ

✽ **اذان:** وہ خاص طریقہ جس کے ذریعے مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ نماز کے لئے بلایا جاتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے چاہا کہ کچھ لوگوں کو مقرر کر دیا جائے جو مقررہ وقت پر مسلمانوں کے گھروں پر جائیں اور انہیں نماز کے لئے مسجد میں بلائیں، لیکن اس کا طریقہ کیا ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام کو مشورے کے لئے جمع کیا گیا۔ مختلف صحابہ کرام نے اس سلسلے میں مختلف مشورے دیئے یہاں تک کہ حضرت عمر (اور ایک رائے کے مطابق حضرت عبداللہ بن زید) نے خواب میں اذان کا موجودہ طریقہ جانا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کر دیا۔ آپ ﷺ کو یہ طریقہ پسند آیا اور حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم کر دیا۔ تب سے اب تک اسی طریقے پر اذان دی جاتی ہے البتہ فجر کی اذان میں بقیہ چار نمازوں کی اذان کے لحاظ سے ایک جملے کا اضافہ ہے: قد قامت الصلوٰۃ۔ ⇐ عمر فاروق۔

✽ **اذکار:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ وہ کتب حدیث ہیں جن میں آنحضرت ﷺ سے منقول دعائیں جمع کی گئی ہوں، جیسے امام نووی کی "کتاب الاذکار" اور علامہ ابن جوزی کی "حصن حصین من کلام سید المرسلین"، ⇐ حصن حصین + نووی، امام۔

ار

*** اربعین:** علم حدیث کی ایک اصطلاح بہ معنی "چہل حدیث" یعنی چالیس احادیث۔ "الاربعین" ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں چالیس حدیثیں کسی ایک باب اور موضوع کی یا مختلف ابواب کی جمع کی گئی ہوں۔ چنانچہ بے شمار محدثین نے اربعین لکھی ہیں اور ان کا مقصد تالیف امام بیہقی کی اس حدیث پر عمل کرنا ہے جو انہوں نے "شعب الایمان" میں حضرت ابودرداؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے: من حفظ علی امتی اربعین حدیثافی امر دینهابعثه الله فقیهاو کنت له یوم القیامة شافعاو شهیدا "میری اُمت کو فائدہ پہنچانے کے لئے جو شخص چالیس حدیثیں یاد کرے اور دوسروں تک یہ چالیس حدیثیں علم دین کے سلسلے میں پہنچائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو فقہا اور علما کے ساتھ اٹھائیں گے اور میں ایسے شخص کے لئے شفاعت کروں گا اور اس کا گواہ بنوں گا۔

یہ حدیث عوام میں بہت مشہور ہے، لیکن امام احمد نے اس حدیث کے بارے میں کلام کیا ہے۔ تاہم اس وقت اردو میں بھی اربعین یعنی چہل حدیث پر کئی کتابیں دستیاب ہیں جن میں کسی ایک یا کئی ایک موضوعات پر چالیس احادیث جمع کر کے ان کا ترجمہ اور تشریح دی جاتی ہے۔

*** ارقم، عبداللہ بن:** صحابی رسول ﷺ جن کا مکان اسلام کے ابتدائی دنوں میں مرکز اسلام رہا۔ حضرت عمر نے اسی جگہ آکر اسلام قبول کیا۔ حضرت ارقم کا یہ مکان "دار ارقم" کہلاتا تھا۔

حضرت ارقم کے والد کا نام عبد مناف تھا اور وہ قبیلہ مخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ارقم نے کم عمری میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کی اور غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے۔ ۵۳ھ (۶۷۳ء) یا ۵۵ھ (۶۷۵ء) میں وفات پائی۔ دار ارقم بعد میں "بیت الخیزران" کے نام سے مشہور ہوا۔ ⇦ عمر فاروق + بدر، غزوہ + ہجرت مدینہ۔

از

*** ازدواجی زندگی:** نبی کریم ﷺ کی گھریلو زندگی، ازدواج مطہرات سے آپ ﷺ کا تعلق اور ان شادیوں کی حقیقت اور توجیہات۔

اس مختصر سے مضمون میں یہ واضح کرنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی شادیوں کے اغراض و مقاصد عام انسانوں کے مقاصد نکاح سے کچھ مختلف تھے۔ قبل اس کے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کا تعارف پیش کیا جائے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تعداد ازواج کے مسئلے پر تھوڑی سی روشنی ڈالی جائے، کیونکہ اس کے بارے میں خارجی اور اندرونی دونوں جانب سے اعتراضات ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا جان لینا چاہئے کہ ظہور رسالت سے قبل نکاح کے لئے بیویوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ جو شخص جتنی بیویاں چاہے، رکھ سکتا تھا۔ چونکہ عربوں میں یہ طریقہ زمانہ دراز سے چلا آرہا تھا، اس لئے اس پر قدغن لگانا بجائے خود ایک ناممکن کام تھا۔ لیکن جس طرح آنحضرت ﷺ نے دوسرے انقلابی کام کئے اسی طرح بحکم خداوندی اس رواج کو بھی مٹادیا اور شادیوں کی تعداد ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار مقرر کی۔ تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا اور اس کے بعد سے آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہ اسلام کا ایک انقلابی اور تحسین آفریں کام ہے۔

اب یہ نقطہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام نے ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اس کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی اس سخت پابندی کے ساتھ مشروط ہے کہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ بصورت دیگر صرف ایک بیوی رکھنی چاہئے۔ یہ قرآن کا صریح اور واضح حکم ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلام کا کوئی قانون بھی حکمت سے خالی نہیں

ہوتا۔ چنانچہ تعداد ازدواج کی اجازت کا حکم بھی چند مصلحتوں کی بنا پر ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اگر پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوسکتی یا وہ کسی مہلک مرض میں ہو تو اس صورت میں اس کی حق تلفی کئے بغیر اور اس کو طلاق دیئے بغیر شادی کی جاسکتی ہے۔ ایسا کرنے میں پہلی بیوی کا کوئی حق بھی غصب نہیں ہوتا اور انسان کے مقاصد نکاح کا ایک بڑا مقصد یعنی افزائش نسل بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی جنگ میں مردوں کی کثیر تعداد شہید ہو جائے اور معاشرے میں ان کی بیوائیں جن میں جوان عورتیں بھی شامل ہوں، باقی رہ جائیں تو بجائے اس کے کہ ان جوان عورتوں کو اپنے جنسی حقوق سے محروم کر دیا جائے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی غیر شادی شدہ شخص ان سے شادی نہ کرے تو ایک شادی شدہ انسان کے ساتھ اپنی دوسری شادی کرسکتی ہیں۔ اگر اسلام نے تعدد ازواج کی اجازت نہ دی ہوتی تو ایسی عورتیں محرومی کی زندگی گزارتیں یا بے سہارا ہو کر ذہنی طور پر پریشان رہتیں یا معاشرے میں اخلاقی برائیوں کے فروغ کا باعث ہوتیں۔ اسلام نے اپنے اس قانون کے ذریعے معاشرے کی اخلاقی برائیوں کا سدباب کر دیا۔ یہ اور اسی طرح کی دیگر مصلحتیں ہیں جن کی بنا پر اسلام نے تعدد ازواج کو روا رکھا ہے۔ جو قومیں اسلام کے اس مصلحت آمیز قانون پر معترض ہیں اور صرف ایک شادی کی اجازت دیتی ہیں ان کے معاشرے میں ایسی اخلاقی برائیاں فروغ پا چکی ہیں جن کے ذکر سے قلم شرماتا ہے۔ اسلام میں تعدد ازواج کا قانون ان معاشروں کے مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے جہاں عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہو۔ ان حالات میں بجائے اس کے کہ بیشتر عورتیں غیر شادی شدہ رہ کر بے سہارا ہو جائیں اور اپنی طبعی نفسانی خواہشات کی یا تو تکمیل نہ کر پائیں یا پھر گناہ کی زندگی گزاریں، اسلام ایک مرد کی زوجیت میں کئی عورتوں کے آنے کی اجازت دیتا ہے اور معاشرے کے اس مسئلے کو بخوبی حل کرتا ہے۔

غیر مسلم قومیں اور ہم میں سے بعض ایسے لوگ جنہوں نے سیرت طیبہ کا تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا ہے، چار سے زائد بیویاں نہ رکھنے کا حکم آنے کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں نو بیویاں رکھنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ دشمنان اسلام یہ اعتراض آنحضرت ﷺ کی کردار کشی کی غرض سے کرتے ہیں جب کہ مسلمان لاعلمی کی بنا پر اس قسم کے شبہات کو اٹھاتے ہیں۔ مخالفین اسلام کا مقصد یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی یہ شادیاں (نعوذ باللہ من ذالک) اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے تھیں اور یہ سلسلہ انہوں نے آخر تک جاری رکھا۔

ان کے اس بے بنیاد اعتراض کے جواب میں صرف یہ تاریخی حقیقت بیان کر دینا کافی ہے کہ قبل از نبوت، اپنے عنفوان شباب میں آپ ﷺ کا دامن ہر طرح کے گناہ سے پاک تھا۔ عین اس وقت کہ جب آپ ﷺ تبلیغ دین میں مصروف تھے، قریش نے آپ ﷺ پر ہر طرح کے اعتراضات کئے، لیکن کسی نے بھی آپ ﷺ کی پاک دامنی کے خلاف کچھ نہ کہا۔ اگر خدانخواستہ آپ ﷺ کا اخلاق وکردار مشتبہ ہوتا تو دشمنان دین سب سے پہلے اس کا ذکر کرتے۔ یہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عین جوانی میں بھی آپ ﷺ کا اخلاق اعلیٰ وارفع تھا۔

اسی طرح جب حضرت خدیجہ سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا تو آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ کیا عمر کا یہ تفاوت واضح طور یہ ثابت نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کی پہلی شادی بھی محض نفسانی خواہشات کی تکمیل نہ تھی۔ اس کے علاوہ سوائے حضرت عائشہ کے آپ ﷺ کی تمام بیویاں سن رسیدہ، مطلقہ یا بیوائیں تھیں۔ کیا آپ ﷺ کے لئے اپنی نفسانی خواہشات کی خاطر حسین اور کم سن دوشیزائیں ملنا مشکل تھا؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی شان اعلیٰ و ارفع اور آپ ﷺ کا اخلاق تمام رذائل سے پاک تھا۔ آپ ﷺ کی تمام شادیاں اُمت کی تعلیم کے لئے تھیں۔ آپ ﷺ نے بیواؤں، مطلقات، باکرہ، کم سن اور عمر رسیدہ ہر طرح کی عورتوں سے نکاح کر کے اُمت کو یہ بتایا کہ صرف دوشیزاؤں اور باکرہ خواتین سے نہیں بلکہ بیواؤں، مطلقہ اور سن رسیدہ عورتوں سے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی متعدد شادیوں کے اغراض و مقاصد شرعی، دینی

اور سیاسی نوعیت کے تھے۔ کبھی آپ ﷺ نے کسی قبیلے کی عورت سے اس لئے نکاح کیا کہ اس تعلق کی بنا پر وہ قبیلہ اسلام کی طرف مائل ہو جائے جیسا کہ حضرت جویریہ سے نکاح کرنے کے بعد ہوا کہ وہ قبیلہ جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا اس شادی کے بعد حلقہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ کبھی جنگ میں آئی ہوئی کسی عورت سے آپ ﷺ نے اس لئے شادی کی کہ وہ کسی رئیس قبیلہ کی بیٹی تھی اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے سے نکاح اس کے اور اس کے قبیلے کے لئے ننگ عار ہوتا۔ جیسا کہ حضرت صفیہ کے ساتھ کیا کہ وہ حُیی بن اخطب کی بیٹی تھیں جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ آپ ﷺ نے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے اس لئے شادی کی کہ اُمت کو یہ نقطہ سمجھادیا جائے کہ اسلام میں اگر کسی نے کسی کو "لے پالک" بنا لیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن جائے گا اور یہ کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔ آپ ﷺ نے زینب بنت جحش سے شادی کی جو آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کی مطلقہ تھیں۔

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی شادیاں موانست اور رفاقت کے لئے بھی تھیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد حضرت سودہ سے شادی پر رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچوں کی نگہداشت اور گھریلو انتظامات کے لئے مجھے رفیقہ حیات کی ضرورت ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض ان خواتین سے نکاح کیا جن کے شوہر ان سے اس لئے الگ ہوگئے تھے کہ یہ خواتین مسلمان تھیں اور شوہر غیر مسلم تھے جیسا کہ حضرت ام حبیبہ کے معاملے میں کہ جن کے شوہر نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جن کے شوہر اسلامی جنگوں میں قید ہوگئے تھے اور وہ بے سہارا ہوگئیں جیسا کہ حضرت ام سلمہ کے ساتھ ہوا کہ ان کے شوہر غزوۂ احد کے بعد انتقال کر گئے۔

آپ ﷺ کی زوجیت میں حضرت عائشہ وہ واحد خاتون تھیں کہ جب ان کا نکاح ہوا تو وہ کنواری اور کم سن تھیں۔ اس نکاح کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کے علاوہ کنواری اور کم عمر لڑکیوں سے بھی شادی سنت رسول ﷺ ہے۔ اگر آپ ﷺ کی یہ شادی نہ ہوئی ہوتی تو ممکن ہے لوگ اسوۂ رسول ﷺ سمجھ کر صرف زیادہ عمر کی مطلقہ اور بیواؤں سے شادیاں کرتے۔

آئیے اب اس مسئلے پر بھی ایک نظر ڈالیں کہ چار سے زائد بیویاں نہ رکھنے کا حکم آجانے کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں چار سے زیادہ بیویاں کیوں رہیں؟ یہ سوال نہ صرف غیر مسلموں بلکہ کچھ سادہ لوح مسلمانوں کے ذہن میں بھی ابھرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لئے ہوا کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات قرآن کی رو سے امہات المؤمنین یعنی مسلمانوں کی مائیں قرار دی گئی ہیں۔ ظاہر ہے ماں سے نکاح حرام ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ ﷺ ان میں سے چار کے علاوہ دیگر ازواج کو طلاق دے دیتے تو کوئی شخص بھی ان سے نکاح نہیں کر سکتا تھا اور وہ ساری عمر مطلقہ ہی رہتیں۔ مزید براں ازواج مطہرات مسلمانوں خصوصاً مسلمان عورتوں کو دینی مسائل کی توضیح و تشریح کے لئے بھی مامور تھیں۔ انہیں وجوہ کی بنا پر آنحضرت ﷺ کو خصوصی اجازت دی گئی تھی کہ آپ ﷺ چار سے زائد بیویاں رکھ سکتے تھے۔ لیکن یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ یہ خصوصی اجازت صرف ان عورتوں کے لئے تھی جو آپ ﷺ کے حلقہ نکاح میں پہلے سے تھیں۔ یہ اجازت نہیں دی گئی کہ چار سے زائد بیویاں نہ رکھنے کا حکم آجانے کے بعد بھی آپ ﷺ موجودہ بیویوں میں ایک کا بھی اضافہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اس حکم کے آجانے کے بعد آپ ﷺ نے کوئی شادی نہیں کی۔ رحلت کے وقت آپ ﷺ کی جو نو بیویاں تھیں ان سے آپ ﷺ کا نکاح اس قانون کے آنے سے قبل ہوا تھا۔

⇦ ازواج مطہرات۔

٭ ازواج مطہرات: نبی کریم ﷺ کی پاک بیویاں۔ نبی کریم ﷺ کی تمام بیویوں کو امہات المؤمنین یعنی مؤمنوں کی مائیں بھی کہا جاتا ہے۔ ازواج مطہرات کی کل تعداد کے بارے میں کسی قدر اختلاف ہے۔ کچھ کے مطابق چودہ ہے اور کچھ کے مطابق تیرہ اور گیارہ اور نو کی تعداد بھی مذکور ہے۔ ازواج مطہرات درج ذیل خواتین تھیں۔ ان کی تفصیل آئندہ حروف تہجی کے اعتبار سے آئے گی:

❶ حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ ⇦ خدیجہ۔

❷ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ ⇦ سودہ بنت زمعہ۔
❸ حضرت عائشہ بنت ابوبکر۔ ⇦ عائشہ۔
❹ حضرت حفصہ بنت عمر۔ ⇦ حفصہ بنت عمر۔
❺ حضرت ام سلمہ ہند بنت خذیفہ۔ ⇦ ام سلمہ۔
❻ حضرت زینب بنت خزیمہ۔ ⇦ زینب بنت خزیمہ۔
❼ حضرت زینب بنت جحش۔ ⇦ زینب بنت جحش۔
❽ حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار۔ ⇦ جویریہ بنت حارث۔
❾ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان۔ ⇦ ام حبیبہ۔
❿ حضرت صفیہ بنت حیَ۔ ⇦ صفیہ، ام المؤمنین۔
⓫ حضرت ریحانہ بنت زید نضریہ۔ ⇦ ریحانہ بنت زید۔
⓬ حضرت میمونہ بنت حارث۔ ⇦ میمونہ بنت حارث
جبکہ ماریہ قبطیہ کنیز تھیں۔ ⇦ ماریہ قبطیہ

اس

*** اساف:** کعبہ میں نصب ایک مشہور مورتی کا نام۔ یہ مورتی چاہ زم زم پر نصب تھی۔ ⇦ آب زم زم۔

*** اسامہ بن زید:** صحابی رسول ﷺ۔ ابو محمد اور ابوزید کنیت تھی۔ حضرت برکہ ام ایمن کے بطن سے پیدا ہوئے۔ غزوۂ خیبر کے بعد ان کا وظیفہ مقرر ہوا، اسی پر گزارہ کرتے۔ سب سے پہلے فتح مکہ میں شرکت کی، کیونکہ کم عمری کی وجہ سے پہلے اجازت نہ ملتی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ کئی ایک اہم مہمات میں شرکت کی۔ جنگ صفین میں غیر جانب دار رہے۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئے۔

*** اسباب الحدیث:** علم حدیث کی ایک اصطلاح یعنی حدیث کے اسباب اور وجوہ۔ حدیث میں ان کی وہی حیثیت ہے جو تفسیر میں اسباب النزول کی ہے یعنی اس میں قولی احادیث کا سبب ورود بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کون سا ارشاد کن حالات میں فرمایا۔ اس نوع کی بہت کم کتابیں لکھی گئیں۔ اس میں سب سے پہلی تصنیف امام ابوحفص العکبری کی ہے۔ ان کے بعد حامد بن کرنی اور علامہ سیوطی نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ ہمارے دور میں اس نوع کی صرف ایک کتاب باقی رہ گئی ہے جس کا نام "البیان و التعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف" ہے جو علامہ ابراہیم بن محمد شہیر بابن حمزہ حسینی الدمشقی کی تالیف ہے۔ + حدیث

*** اسحاق علیہ السلام:** اللہ کے برگزیدہ نبی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند۔ پہلے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ حضرت اسحاق حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت اسمٰعیل سے چودہ برس چھوٹے تھے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام اس لحاظ سے ایک عظیم پیغمبر تھے کہ ان کے بعد بنی اسرائیل میں جتنے رسول اور نبی آئے وہ سب کے سب انہی کے خاندان اور نسل سے تھے۔ جس وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بشارت سنائی کہ حضرت سارہ کے بطن سے بھی ایک بیٹا ہوگا، اس کا نام اسحاق رکھنا جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

"اور بلاشبہ ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے ابراہیم کو سلام کیا اور ابراہیم نے سلام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابراہیم بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لائے اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ بھنے گوشت کی طرف نہیں بڑھے تو انہوں نے فرشتوں کو اجنبی محسوس کیا اور ان سے خوف کھایا۔ فرشتے کہنے لگے، خوف نہ کھاؤ، ہم لوط کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی ہنس رہی تھیں۔ پس ہم نے اس کو اسحاق کی اور اس کے بعد (اس کے بیٹے) یعقوب کی بشارت دی۔" (سورۂ ہود: ٦٩)

قرآن حکیم میں حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر سورۂ ہود کے علاوہ سورۂ حجر اور سورۂ ذاریات میں بھی ہے اور سورۂ مریم، سورۂ صافات، سورۂ انعام اور سورۂ ص میں آپؑ کے نبی ہونے اور آپؑ پر اللہ کی

رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا ذکر ہے۔

حضرت اسحاق کا مولد و مسکن شام کی سرزمین تھا جہاں سفر مصر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ چالس مارسٹن کی تحقیق کے مطابق حضرت اسحاق کا سن پیدائش ۲۰۶۰ ق م تھا۔ اسحاق اصل تلفظ کے اعتبار سے "یضحق" ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے جس کا عربی ترجمہ "یضحک" ہے۔ اس کے معنی "ہنستا ہوا" کے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو سو برس اور حضرت سارہ کو نوے برس کی عمر میں بیٹے کی بشارت دی تو حضرت ابراہیم نے اسے اچنبھا سمجھا اور حضرت سارہ کو بھی ہنسی آگئی، اس لئے ان کا نام اسحاق تجویز ہوا۔ عربی قاعدے سے یضحق مضارع کا صیغہ ہے۔ اہل عرب کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ مضارع کے صیغوں کو بھی بطور نام کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ "یعرب" اور "یملک" جیسے نام عرب میں معروف و مشہور ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بچپن کے واقعات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب آٹھ دن کے ہوئے تو شریعت ابراہیمی کے مطابق آپ علیہ السلام کا ختنہ ہوا۔ آپؑ کو جناب سارہؓ ہی نے دودھ پلایا۔ آپ علیہ السلام کی رضاعت کا زمانہ ختم ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک شان دار ضیافت کی۔ حضرت سارہ کی عمر اس وقت ۱۲۷ سال تھی۔ جب وہ حبرون میں انتقال کر گئیں اور وہیں دفن ہو گئیں تو اس وقت حضرت ابراہیم نہایت بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی کی زیادہ فکر لاحق ہو گئی۔ آپ علیہ السلام چاہتے تھے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی کسی کنعانی لڑکی سے نہ ہو بلکہ خاندان ہی کی کسی مناسب لڑکی سے رشتہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت اسحاق کی شادی ربقہ سے ہو گئی جو حضرت ابراہیم کے بھائی ناحور کی پوتی تھی۔ جناب ربقہ کے والد بتیوایل تھے اور اس کے بھائی کا نام لابن تھا۔ تورات کی تصریح کے مطابق اس وقت حضرت اسحاق کی عمر چالیس سال تھی اور ابراہیم ایک سو چالیس برس کے تھے۔ چارلس مارسٹن کی تحقیق کے مطابق آپ علیہ السلام کی شادی ۲۰۲۰ ق م میں ہوئی۔ جناب ربقہ بانجھ تھیں۔ بیس برس تک ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت اسحاق نے دعا مانگی جو قبول بارگاہ ہوئی اور ربقہ کے بطن سے جڑواں بیٹے تولد ہوئے۔ پہلے عیسو ادوم جن کا رنگ سرخ تھا، بدن پر بال تھے اور پھر حضرت یعقوب۔ اس وقت حضرت اسحاق کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ بڑے ہو کر عیسو ادوم ایک ماہر شکاری نکلے اور شکار کا گوشت لا کر حضرت اسحاق کی تواضع کرتے تھے۔ حضرت یعقوب سادہ مزاج تھے اور زیادہ تر اپنے ڈیرے ہی میں رہا کرتے تھے۔ حضرت یعقوب کا پیشہ چوپانی تھا جو امم سامیہ کے تمام پیغمبروں کا رہا ہے۔

کنعان میں ان دنوں نہایت شدید قسم کا قحط پڑا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم نے اسی قحط کی بنا پر مصر کا سفر اختیار کیا تھا۔ اب جو پھر کنعان میں اس قسم کا ایک اور قحط پڑا تو حضرت اسحاق نے وہاں سے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اس وقت وحی الٰہی کے ذریعے آپ علیہ السلام کو مصر جانے سے روک دیا گیا۔ اس موقع پر حکم ہوا کہ آپ فلسطینیوں کے ملک جرار تشریف لے جائیں۔ جرار ان دنوں قدیم فینشیہ یا موجودہ لبنان کے جنوب میں بحر روم کے کنارے واقع تھا۔ یہاں کا حکمران ابی ملک تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلیف اور دوست تھا۔ حضرت اسحٰق اپنے اہل و عیال سمیت جرار میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ علیہ السلام چونکہ بہت زیادہ خوش حال اور متمول تھے، اس لئے مقامی آبادی حسد کی بنا پر آپؑ کے خلاف ہو گئی اور ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کے خلاف ہنگامے اور شرارتیں شروع کر دیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھدوائے ہوئے کنوؤں کو بند کر دیا اور ابی ملک کو اکسایا کہ وہ کسی طرح سے حضرت اسحاق کو ملک سے نکال دے۔ وہ پہلے تو راضی ہو گیا اور اس نے حضرت اسحاق کو ملک بدر کر دیا، لیکن ادھر آپ جرار تشریف لے گئے ادھر ابی ملک طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ مصیبتیں حضرت اسحاق کے چلے جانے کے باعث نازل ہو رہی ہیں۔ چنانچہ اس نے آپ علیہ السلام کی منت سماجت کی اور آپ کو جرار واپس بلا لیا۔ جرار واپس آ کر حضرت اسحاق نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کنوؤں کی کھدائی کرائی اور ان کے وہی نام رکھے جو پہلے تھے مثلاً بیرعسق، بیرستنہ، بیررجولت اور بیرسبع وغیرہ۔ بیرسبع میں

حضرت اسحاق نے ایک عبادت گاہ بھی تعمیر کرائی۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "اور ہم نے ان (ابراہیم) اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور وہ ہمارے نزدیک نیک اور منتخب لوگوں میں سے تھے۔" (سورۂ ص: ۴۵-۴۷)

حضرت اسحاق آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپؑ نے باقی ساری عمر فلسطین میں گزاری اور ایک سو اسی سال کی عمر میں کنعان میں فوت ہوئے۔ قریہ اربع (حبرون) میں حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے پہلو میں دفن ہیں۔ ⇐ ابراہیمؑ + اسماعیلؑ۔

*** اسحاق اخرس مغربی:** مدعی نبوت۔ مغرب کا رہنے والا تھا۔ اہل عرب کی اصطلاح میں مغرب شمالی افریقہ کے اس حصے کا نام ہے جو مراکش، تیونس، الجزائر وغیرہ ممالک پر مشتمل ہے۔

اسحاق ۱۳۵ھ میں اصفہان میں ظاہر ہوا۔ ان ایام میں مسلم ممالک پر خلیفہ سفاح عباسی حکمران تھا۔

اہل سیر نے اس کی دکان آرائی کی جو کیفیت لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اس نے صحف آسمانی، قرآن، تورات، انجیل اور زبور کی تعلیم حاصل کی پھر جمیع علوم رسمیہ کی تکمیل کے بعد زمانۂ دراز تک مختلف زبانیں سیکھتا رہا۔ مختلف قسم کی صناعیوں اور شعبدہ بازیوں میں مہارت پیدا کی اور ہر طرح سے باکمال اور بالغ النظر ہو کر اصفہان آیا۔

اصفہان پہنچ کر ایک عربی مدرسے میں قیام کیا اور دس سال تک کی مدت ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں گزار دی۔ یہاں اس نے اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر شخص اسے گونگا یقین کرتا رہا۔ اس مدت میں کسی کو کبھی یہ وہم و گمان نہیں ہوا کہ یہ شخص قوت گویائی سے بہرہ ور ہے یا علامہ دہر اور یکتائے روزگار ہے۔ اسی بنا پر یہ اخرس یعنی گونگے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ دس سال تک ہمیشہ اشاروں کنایوں سے اظہار مدعا کرتا رہا۔ ہر شخص سے اس کا رابطہ مؤدت قائم تھا۔ کوئی چھوٹا بڑا ایسا نہ ہو گا جو اس کے ساتھ اشاروں کنایوں سے تھوڑا بہت مذاق کر کے تفریح طبع نہ کر لیتا ہو۔

اتنی صبر آزما مدت گزار لینے کے بعد آخر وہ وقت آ گیا جب وہ اپنی مہر سکوت توڑے اور کشور قلوب پر اپنی قابلیت اور نطق و گویائی کا سکہ بٹھائے۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ ایک نہایت نفیس قسم کا روغن تیار کیا۔ اس روغن میں یہ صفت تھی کہ اگر کوئی شخص اسے چہرے پر مل لے تو اس درجہ حسن و تجلی پیدا ہو کہ شدت انوار سے اس کے نورانی طلعت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا مشکل ہو۔ اسی طرح اس نے خاص قسم کی دو رنگ دار شمعیں بھی تیار کر لیں۔ اس کے بعد ایک رات جب کہ تمام لوگ محو خواب تھے اس نے وہ روغن اپنے چہرے پر ملا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں۔ ان کی روشنی میں ایسی چمک دمک اور رعنائی و دل فریبی پیدا ہوئی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ اب اس نے زور سے چیخنا شروع کیا کہ مدرسے کے تمام مکین جاگ اٹھے۔ اب وہ نماز پڑھنے لگا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری اش اش کر اٹھے۔

جب مدرسے کے معلمین اور طلبہ نے دیکھا کہ گونگا بہ آواز بلند قرأت کر رہا ہے اور قوت گویائی کے ساتھ اسے اعلیٰ درجے کی فضیلت اور فن تجوید کا کمال بھی بخشا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے۔ اس کا ہر طرف چرچہ ہونے لگا اور شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ لوگ رات کی تاریکی میں جوق در جوق آ رہے تھے۔ خوش اعتقادوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ دن نکلنے پر شہر کے قاضی صاحب چند رؤسائے شہر کو ساتھ لے کر اس "بزرگ ہستی" کا جمال مبارک دیکھنے کے لئے مدرسے میں آئے۔ قاضی صاحب نے نہایت نیاز مندانہ لہجہ میں التماس کی کہ حضور والا! سارا شہر اس قدرت خداوندی پر متحیر ہے اگر حقیقت حال کا چہرہ بے نقاب فرمایا جائے تو بڑی نوازش ہو گی۔

اسحاق جو اس وقت کا پہلے سے منتظر تھا، نہایت ریاکارانہ لہجے میں بولا کہ آج سے کوئی چالیس دن پہلے فیضان الٰہی کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ دن بدن القائے ربانی کا سرچشمہ میرے باطن میں موجزن ہوا حتیٰ کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروان منزل اس کے تصور سے بھی محروم رہے تھے اور وہ وہ اسرار و حقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہب طریقت میں ممنوع ہے۔

البتہ مختصر اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوض کوثر کا پانی لے کر میرے پاس آئے، مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کہنے لگے:

السلام علیک یانبی اللّٰہ

یہ سن کر گھبرایا کہ واللہ اعلم یہ کیا ابتلا ہے۔ ایک فرشتہ بہ زبان فصیح یوں گویا ہوا:

یانبی اللّٰہ افتح فاک باسم اللّٰہ الازلی۔

(اے اللہ کے نبی بسم اللہ پڑھ کر ذرا منہ تو کھولئے) میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بسم اللہ الازلی کا ورد کرتا رہا۔ فرشتے نے ایک سفید سی چیز میرے منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی البتہ اتنا جانتا ہوں کہ شہد سے زیادہ شیریں، کستوری سے زیادہ خوشبودار، برف سے زیادہ ٹھنڈی تھی۔ اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ میری زبان گویا ہوگئی اور میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔

یہ سن کر فرشتوں نے کہا، محمد (ﷺ) کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو۔ میں نے کہا، میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو مجھے اس سے سخت حیرت ہے بلکہ میں تو عرق انفعال میں ڈوبا جاتا ہوں۔ فرشتے کہنے لگے، خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کے لئے معبوث فرمایا

میں نے کہا، باری تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام روحی فداہ کو خاتم الانبیا قرار دیا اور آپ ﷺ کی ذات اقدس پر نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟ کہنے لگے، درست ہے مگر محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری بالتبع اور ظلی ہے"

معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیوں نے انقطاع نبوت کے بعد ظلی بروزی نبوت کا ڈھکوسلا اسی اسحاق سے اڑایا ہے ورنہ قرآن وحدیث اور اقوال سلف صالحین میں اس مضحکہ خیز نبوت کا کہیں وجود نہیں۔

اس کے بعد اسحاق نے حاضرین سے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے مجھے ظلی نبوت کا منصب تفویض کیا تو میں نے اس سے معذرت کی اور کہا کہ دوستو! میرے لئے تو نبوت کا دعویٰ بہت سی مشکلات میں گھرا ہوا ہے کیونکہ بوجہ معجزہ نہ رکھنے کے کوئی شخص میری تصدیق نہ کرے گا۔ فرشتے کہنے لگے، تمہارے معجزے یہ ہیں جتنی آسمانی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئیں تمہیں ان سب کا علم دیا گیا۔ مزید برآں کئی زبانیں اور متعدد رسم الخط تمہیں عطاء کیئے۔ اس کے بعد فرشتے کہنے لگے کہ قرآن پڑھو۔ میں نے قرآن اس ترتیب سے پڑھ کر سنا دیا جس ترتیب سے نازل ہوا تھا۔ پھر انجیل پڑھوائی، وہ بھی سنا دی۔ تورات، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفے پڑھنے کو کہا تو وہ بھی سنا دیئے۔ ملائکہ نے صحف آسمانی کی قرأت سن کر فرمایا:

قم فانذر الناس۔

(اب کمر ہمت باندھ لو اور غضب الٰہی سے ڈراؤ) یہ کہہ کر فرشتے رخصت ہوگئے اور میں جھٹ نماز اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوگیا۔

تھوڑی مدت میں اسحاق کی قوت اور جمعیت یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کے دل میں ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی

چنانچہ اس نے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عمال کو مقہور و مغلوب کر کے بصرہ، عمان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ یہ معلوم کر کے خلیفہ منصور نے لشکر کشی کا حکم دیا۔ عساکر خلافت یلغار کرتی ہوئی پہنچیں اور رزم و پیکاری کا سلسلہ شروع کیا۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ آخر سپاہ خلافت مظفر و منصور ہوئیں اور اسحاق مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پیرو اب تک عمان میں پائے جاتے ہیں۔

✽ اسرا: نبی کریم ﷺ کا معراج کے لئے جانا۔ یہ لفظ پندرہویں پارے کی پہلی سورت میں موجود ہے۔ سبحان الذی اسراء .... ⇦ معراج۔

✽ اسفل: یثرب (مدینہ) کی آبادی کا نام۔ اسفل کی یہ آبادیاں یا بستیاں جوف کے وسط میں نشیبی جگہ پر کم و بیش چار مربع میل علاقے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ قابل ذکر مقامات مرید، شحر، درخ، مخراف تھے۔ یہاں پر بنی ساعدہ، بلدح، بنی مطویہ، نقیع الحثمات، بنی نجار، راتج، قینقاع، بنی حرم کی بستیاں تھیں۔

اسفل اور عالی (یثرب کی دو مختلف بستیاں) میں سے اسفل کے قبائل نے پہلے اسلام قبول کیا۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنی اسلامی حکومت کے دار الخلافہ کے لئے جو جگہ منتخب کی تھی، اسفل میں واقع تھی۔ چنانچہ اس

جگہ پر اسلام کے اثرات بھی قوی تھے۔

✽ اسلامی تقویم: سن ہجری، وہ بارہ مہینوں کا نظام جس کا آغاز ہجرت مدینہ کے یادگار اور تاریخ ساز واقعے سے ہوتا ہے۔← ہجری تقویم۔

✽ اسلم: صحابی رسول ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کے غلام تھے۔ ان کی کنیت ابورافع تھی اور اسی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ قبطی تھے اور حضرت عباس کے غلام تھے۔ حضرت عباس نے انہیں نبی کریم ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ کو حضرت عباس کے اسلام کی بشارت دی گئی تو آپ ﷺ نے ابورافع کو آزاد کر دیا۔ حضرت اسلم نے غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کیا اور حضرت عثمان کی وفات سے چند روز قبل فوت ہوئے۔ جب کہ ایک روایت کے مطابق حضرت علی کے زمانہ خلافت کے اوائل میں فوت ہوئے۔ ان سے ۶۸ حدیثیں مروی ہیں۔

✽ اسم: صحابی رسول ﷺ۔ مضرس طائی صحابی کے بیٹے تھے۔ ان کا شمار بصرہ کے اعرابیوں میں ہوتا ہے۔

✽ اسماء الرجال: علم الحدیث سے متعلق ایک فن۔ آپ جانتے ہوں گے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے واقعات آپ ﷺ کی وفات کے تقریباً ۱۰۰ سال بعد لکھے گئے۔ ان میں اکثر ماخذ زبانی روایات تھیں۔ ان روایتوں کو پرکھنے کے لئے ہر ایک راوی کے متعلق جانچ پڑتال شروع کی گئی کہ اس کا اخلاق، کردار، حافظہ، علم وغیرہ کس درجے کا ہے۔ اس کے لئے محدثین نے اپنی عمریں صرف کر دیں اور "اسماء الرجال" کا فن وجود میں آیا۔

"اسما" جمع ہے "اسم" کی، جس کے معنی ہیں...... نام۔ "رجال" جمع ہے "رجل" کی یعنی مرد۔ اور "رجل" بالغ مرد کو کہتے ہیں۔ علم حدیث میں یہ حدیث کی سند کا علم ہے کہ حدیث کے راویوں کے حالات و سوانح کی کس طرح تحقیق ہو۔ جرمنی کے مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے جنہوں نے حافظ ابن حجر کی کتاب کی تصحیح کی ہے، اس کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح علم اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو کہ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

عقلی و نقلی دلائل

علم اسماء الرجال کے فن کی بنیاد قرآن مجید نے قائم کی۔ قرآن کریم میں ارشاد مبارک ہے: (ترجمہ) اے ایمان والو! خبر بیان کرنے والوں کو دیکھ لیا کرو کہ کیسا آدمی ہے۔

احادیث نبوی ﷺ کے ساتھ اصولی احتیاط خلفائے راشدین کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ تابعین کے دور میں جب رفض، خروج، ارجا، قدر، اعتزال کے فرقے پیدا ہوئے تو آیت بالا کی بنا پر اس خیال نے مزید زور پکڑا اور اسناد ایک مستقل فن قرار پایا جس کی بیسیوں شاخیں ہیں۔

ایک لطیف اشارہ اہمیت اسناد پر قرآن حکیم میں ہے (منکرین معاد و قرآن کے رد میں اوپر سے یہ سلسلہ چلا آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آسمان و زمین اور کل مخلوقات بنائی۔ کیا سچے دل سے کہا جا سکتا ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا بنا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں! پھر اللہ کے ساتھ معبودان باطل کو کیوں پکارا جاتا ہے، (لہٰذا) اگر تم اپنے دعوائے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلی طور پر مسلم چلا آتا ہے۔

جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو تو آخر اسے کیوں تسلیم کیا جائے۔ ظاہر ہے کسی علمی دعوے کے لئے دلیل و سند ہی اصل شے ہے۔ جتنی مذہبی کتابیں دنیا کی مختلف قوموں کے پاس ہیں ان میں سے ایک کے متعلق بھی تاریخی سند سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جس نبی کی طرف منسوب ہے واقعی اسی نبی کی ہے۔ بلکہ بعض مذہبی کتابیں ایسی ہیں جن کے متعلق سرے سے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس زمانے میں کس نبی پر اتری تھیں۔ مگر قرآن کے متعلق اتنی زبردست تاریخی شہادت موجود ہے کہ کوئی شخص حضرت محمد ﷺ کی طرف اس کی نسبت پر شک کر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ یہی تواتر علمی و قولی ایسا تاریخی

ثبوت اور کھلی ہوئی سند ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی علمی شے کے ثبوت اور قطعیت کی کوئی دلیل اور سند نہیں ہوسکتی۔ پس آیت بالا پر غور کرنے سے صاف طور پر یہ اصول ہاتھ آتا ہے کہ کسی مذہبی دعوے کے لئے یا تو آسمانی کتاب کی سند ہو یا کسی علمی اصول سے ثابت ہو، وہ قرآن کے نزدیک حجت وسند شرعی ہے

یہ تو ہوئی نقلی دلیل........اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب کسی بات کی نسبت کسی کی طرف کی جاتی ہے تو سب سے پہلے یہ سوال عقلی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس پر کیا ثبوت ہے کہ یہ فلاں کا کلام ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ میں نے خود سنا ہے یا دیکھا ہے کہ فلاں نے مجھ سے بیان کیا ہے یا دیکھا ہے۔ اگر یہ سلسلہ اس آدمی تک متصل ہے تو بات صاف ہے۔ بہر حال اسی اصول کے ماتحت آسمانی کتابیں، سنن و آثار نبوی، لغت و اشاعت فقہ و اصول حتیٰ کہ آئمہ کے مذاہب اور تصوف کے سلاسل سنداً روایت ہونا شروع ہوئے۔ اور یہ سلسلہ اتنا زبردست اور محکم ثابت ہوا جس کی معقولیت اور ناقابل انکار مقبولیت نے مخالفین کی زبانوں پر مہر سکوت لگادی۔ غور کیجئے کہ پیغمبر نے ایک بات کہی یا کوئی کام کیا، اگر وہ بات اور فعل اس طریقے پر روایت ہوا اور ذرہ برابر اس کے اندر تغیر و تبدل نہیں ہوا تو ظاہر ہے کہ حق و صداقت اور روحانیت کے اثرات اور اس کی برکات ہیں۔ پھر کسی کو کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر علم اپنے اندر ایک خاص کیفیت اور اثر رکھتا ہے جس کی مزاولت و ممارست سے آدمی نیک و بد اور بات کے صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔ فن حدیث میں سند ایسا علم ہے کہ صرف اسی کے ذریعے ہر دینی کام کی نسبت پیغمبر تک صحیح طور پر معلوم کی جاسکتی ہے اور اس وجہ سے گویا آدمی کے اندر معنی صحابیت کا شرف پیدا ہوجاتا ہے، کیونکہ معنی صحابیت نام ہے...... اطلاع بر جزئیات احوال رسول و مشاہدۂ اوضاع و کیفیات کا، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا عادات سے۔ اور یہ بغیر سند کے قابل اعتبار نہیں۔ سند کے عالی اور نازل ہونے کے سیکڑوں واقعات کتب رجال و طبقات میں موجود ہیں جو غیر معمولی احتیاط پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو خلفائے بنی امیہ میں بڑے رتبے کے بزرگ ہیں اور جن کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے، ایک روز نماز عصر میں دیر کردی۔ عروہ بن مسعود تابعی نے ٹوکا اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھنا اور جبریل کا ابتدائی و انتہائی اوقات نماز کا بتانا، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو بتایا۔ حضرت عمر کو تعجب ہوا اور کہا: اعلم ما تقول یا عروہ (دیکھو عروہ کیا کہہ رہے ہو)

حضرت عروہ نے فوراً اپنی بیان کردہ روایت کی سند پڑھ کر ساکت کردیا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کوفہ میں ایک روز نماز میں دیر کر دی تو ابو مسعود انصاری نے ٹوک دیا اور کہا کہ مغیرہ یہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ حضرت جبریل نے دو روز آکر آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھ کر نماز کی ابتدا و انتہا کو بیان کردیا۔

بہر کیف یہ شہادتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ اسناد ہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس کے ذریعے صحیح و غلط اور خبر و روایت کو پرکھنے اور جانچنے کا اصول ہاتھ آتا ہے۔ المختصر ہر فن میں فن والے کی رائے اور اس کی تحقیق و تشریح ہی حجت وسند ہے۔ چنانچہ کوئی وجہ نہیں کہ سنن و آثار نبوی ﷺ کے معیار کو معلوم کرنے کے لئے سند کو اصل الاصول نہ قرار دیا جائے۔

اصول روایت

محدثین نے حدیث کی سند کو جانچنے کے لئے حسب ذیل اصول وضع کئے ہیں جو "اصول روایت" کہلاتے ہیں:

❶ روای کس حد تک قابل اعتماد یا قابل رد ہے۔ یہ ایک مستقل فن ہے جسے "جرح و تعدیل" کہا جاتا ہے۔

❷ حدیث کے کتنے طریقے ہیں اور راویوں کی تعداد کیا ہے۔ یہ بحث احادیث کو چار قسموں میں تقسیم کرتی ہے: متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔

❸ کیا حدیث صراحت سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے یا نہیں۔ اس اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں: مرفوع، موقوف اور مقطوع۔

❹ کیا حدیث کی سند متصل ہے؟

اخذ حدیث کے آٹھ طریقے

یعنی حدیث کو حاصل کرنے کی کتنی صورتیں ہیں اور ان کے مطابق بعد میں کن الفاظ سے ان کو اپنے شاگرد اور استفادہ کرنے والوں کے سامنے بیان کیا جائے۔ محدثین نے اس سلسلے میں آٹھ صورتیں ذکر کی ہیں:

① استاد کی زبان سے سننا ② استاد کے سامنے پڑھنا ③ اجازت ④ مناولت ⑤ کتابت ⑥ اعلام یا اعلان عام ⑦ وصیت ⑧ وجادت۔

محدثین نے اس ضمن میں سعی و جہد کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ فن حدیث کے ماہرین نے روایان حدیث کو ٹٹولا۔ ان کی حیات، ان کی سیرت اور تاریخ کا مطالعہ کیا۔ ان کے ظاہری و باطنی امور کا بخوبی جائزہ لیا۔ اس راہ میں نہ کسی ملامت کی پرواکی، نہ کسی کا خوف دامن گیر ہوا۔ نہ راویوں پر جرح و تعدیل کرتے ہوئے ان کا تقویٰ و بزرگی مانع ہوئے۔ ایک مرتبہ مشہور محدث یحییٰ بن سعید القطان سے پوچھ گیا کہ "جن لوگوں سے آپ حدیث روایت نہیں کرتے، کیا وہ خدا کی بارگاہ میں آپ سے مزاحم نہیں ہوں گے؟"

یحییٰ بن سعید نے جواب میں کہا "بارگاہ ربانی میں ان لوگوں کا مزاحم ہونا میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ خود نبی کریم ﷺ میرے مد مقابل ہوں اور مجھ سے دریافت فرمائیں کہ تم نے میری احادیث کو جھوٹ کی آمیزش سے کیوں نہ بچایا۔"

فن اسماء الرجال کے ماہرین نے تحقیق و مشاہدے کے بعد جس شخص کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا نہایت دلیری کے ساتھ لکھ دیا۔ ہر شخص کے عیوب اور ہر شخص کے اوصاف بیان کر دئے۔ اس صورت میں راہ فیصلہ صاف ہے۔ دیکھنے والوں نے اصول جرح و تعدیل اور جرح و تعدیل کرنے والوں کے وزن سے اندازہ کر لیا کہ اس شخص کی بات کس درجے لائق قبول یا لائق رد ہے۔ آئمہ فن نے جرح و تعدیل میں چھوٹے چھوٹے امور کو بھی نظر انداز نہیں کیا، سوائے انبیائے کرام کے۔ ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جس میں کچھ کمزوری نہ ہو یا جس میں تمام محاسن و خوبیاں موجود ہوں یا جس کی ہر بات ہر فرد کو محبوب ہو۔ اس طرح جرح سے کوئی بڑے سے بڑا امام بھی نہ بچ سکا۔ آئمہ پر جرح کرنے والوں کا مقصد ان کی تذلیل نہ تھا بلکہ ان امور کا اظہار اس لئے ضروری تھا کہ کل کو یہ خیال پیدا نہ ہو جائے کہ رسول کریم ﷺ کے سوا اور بھی معصوم انسان ہیں یا یہ کہ ان لوگوں کی دانستہ عیب پوشی کی گئی ہے۔ چنانچہ اس جرح و تعدیل کے بعد جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ یقیناً صحیح ہوتا ہے۔ ⇦ جرح و تعدیل + حدیث + سند + سنن۔

✽ اسما بنت ابی بکر: حضرت ابوبکر صدیق کی بڑی صاحبزادی اور عبداللہ بن زبیر کی والدہ۔ ہجرت سے ۲۷ سال پہلے قتیلہ بنت عبدالعزیٰ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ ذات النطاقین ان کا لقب تھا۔ حضرت اسما سے ساٹھ کے قریب احادیث روایت کی جاتی ہیں۔ حضرت اسما کی شادی زبیر بن عوام سے ہوئی تھی۔ ہجرت کے بعد آپؓ نے پہلے قبا میں قیام کیا۔ یہاں عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ یہ پہلے بچے تھے جو کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ اس کے بعد حضرت اسما کے ہاں کئی اور بیٹے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ آخری عمر میں غالباً حضرت زبیر نے ان کو ان کی تیز مزاجی کی وجہ سے طلاق دے دی تو یہ اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے گھر چلی گئیں۔ واقعہ جمل میں ابن جرموز کے ہاتھوں حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہو گئے۔ ان کی لاش تین دن تک سولی پر لٹکتی رہی اور حضرت اسما بڑے تحمل سے اس منظر کو دیکھتی رہیں، لیکن بیٹے کی موت کے چند روز کے بعد سو سال کی عمر میں جمادی الاولیٰ ۷۳ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ⇦ ابوبکر صدیق + صدیق اکبر۔

✽ اسما بنت عمیس: صحابیہ جو اوائل اسلام ہی میں مسلمان ہو گئیں تھیں۔ حضرت جعفر کے نکاح میں آئیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور فتح خیبر کے بعد مدینہ آگئیں۔ ۸ھ میں حضرت جعفر کی شہادت کے چھے ماہ بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابوبکر کی میت کو انہوں نے ہی غسل دیا۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت علی سے نکاح کیا۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

✽ اسماعیل علیہ السلام: اللہ کے پیغمبر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند اور محمد (ﷺ) کے جد امجد۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں (قطورا، سارہ، ہاجرہ) سے آٹھ بیٹے ہوئے جن سے نہایت عظیم الشان خاندان اور قومیں پیدا ہوئیں اور بڑے بڑے اولوالعزم انبیا کرام نے ظہور کیا۔ حضرت قطورا کے بطن سے حضرت ابراہیم کے چھے لڑکے پیدا ہوئے: زمران، یقسان، مدان، مدیان، اسباق اور سوخ ان کے نام تھے۔ بنی قطورا میں اہل مدین اور اصحاب الایکہ آتے ہیں جن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

حضرت سارہ سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاق کے دو بیٹے: عیسو جن کا لقب "اودم" تھا، اور حضرت یعقوب جن کا لقب "اسرائیل" تھا۔ ان سے دو زبردست قبیلوں بنی اودم اور بنی اسرائیل کی ابتدا ہوئی۔ بنی اودم میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ جبکہ بنی اسرائیل میں کئی بڑے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ۔

حضرت ابراہیم جب مصر سے فلسطین (شام) لوٹے تو ان کی تیسری بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل ہوئے۔ ان سے تاریخ میں انباط (اصحاب الحجر) قیدار اور قریش کے شان دار قبیلے وجود میں آئے اور انہی کی نسل میں خاتم الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے نزول فرمایا۔

معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ اسماعیل "اسمع" اور "ایل" دو لفظوں کا مرکب ہے۔ عبرانی میں "ایل" اللہ کے مترادف ہے اور عربی کے اسمع اور عبرانی کے شماع کے معنی ہیں "سن۔" چونکہ اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی اور حضرت ہاجرہ کو اس سلسلے میں بشارت ملی، اس لئے انہوں نے آپ علیہ السلام کا نام اسماعیل رکھا۔ عبرانی میں اسماعیل کا تلفظ "شماع ایل" ہے۔

حضرت اسماعیل کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس تھی۔ حضرت اسماعیل کا بچپن اپنے والد بزرگوار ہی کی صحبت میں کنعان میں گزرا۔ قربانی کا واقعہ بھی غالباً یہیں پیش آیا۔ قرآن مجید میں ہے:

(ترجمہ) لڑکا جب اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑے۔ باپ نے کہا، فرزند من! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ دیکھو، تم کیا سمجھتے ہو۔ بیٹے نے کہا، میرے باپ! جو حکم دیا گیا ہے، کر گزریئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ (صافات: ۱۰۲)

اللہ کے خلیل نے اپنے اس جگر گوشے کو جو مدتوں تمناؤں اور بڑھاپے کی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا، اللہ کے حکم پر خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالنے کے لئے ماتھے کے بل لٹا دیا اور چھری لے کر بیٹھ گئے۔ کیسی عجیب آزمائش تھی، کتنا رفیع مقام تھا۔ بیٹے کی سعادت اور رشد و ہدایت کی کس قدر بلند منزل تھی .... لیکن اللہ اللہ .... ادھر حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کی گردن پر چھری چلا کر فارغ ہوئے، ادھر بارگاہ الٰہی سے حضرت اسماعیل کی جگہ ایک دنبہ ذبح پڑا تھا۔ اس آزمائش کے متعلق حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا، بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔

قربانی کا یہ واقعہ حضرت اسحاق کی ولادت سے پہلے کا ہے اور اس وقت حضرت ابراہیم کی اولاد میں صرف حضرت اسماعیل ہی موجود تھے۔ حضرت اسماعیل جب تیرہ برس کے ہوئے تو حضرت اسحاق پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کو لے کر حجاز کی طرف ہجرت کر گئے اور جہاں ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے مل کر کعبہ کی بنیاد رکھی اور مکہ کو آباد کیا۔

اگرچہ حضرت اسماعیل کی ولادت سے حضرت ابراہیم بے حد شاداں و فرحاں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل حضرت ابراہیم کی ابھی ایک اور آزمائش منظور تھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا کہ اے ابراہیم! جاؤ اپنے لخت جگر اسماعیل کو مع ان کی والدہ بی بی ہاجرہ کے عرب کے ریگستان میں کسی بے آب و گیاہ مقام پر یک و تنہا چھوڑ آؤ۔ اس حکم کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ حضرت اسماعیل کی پیدائش حضرت سارہ پر بے حد شاق گزری تھی اور وہ حضرت ہاجرہ کو خواہ مخواہ تنگ کر رہی تھیں۔ یہ بشری تقاضے کے عین مطابق تھا اور خداوند قدوس کو اپنے اولوالعزم پیغمبر کو اسی ذیل میں ایک اور آزمائش میں ڈالنا تھا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے جو روایت منقول ہے اس

روایت کا مضمون یہ ہے:

"ابراہیم (علیہ السلام) ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچے اسماعیل کو لے کر چلے اور جہاں آج کعبہ ہے اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصے پر ان کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا بھی نام ونشان نہ تھا، اس لئے ابراہیم نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہوگئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں، اے ابراہیم! تم ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دئے جہاں آدمی ہے، نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس وغمخوار۔ ہاجرہ برابر یہ کہتی جاتی تھیں، مگر ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جارہے تھے۔ آخر ہاجرہ نے دریافت کیا، کیا خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے۔ تب حضرت ابراہیم نے فرمایا، ہاں! یہ خدا کے حکم سے ہے۔ حضرت ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں، اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا۔ اور پھر وہیں سے لوٹ آئیں۔ حضرت ابراہیم چلتے چلتے جب ایک ٹیلے پر ایسی جگہ پہنچے کہ ان کے اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہوگئے تو اس جگہ جہاں کعبہ ہے، رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی: اے ہم سب کے پروردگار! تو دیکھ رہا ہے کہ ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں، میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لاکر بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزاران توحید سے خالی نہ رہے۔ پس تو اپنے فضل وکرم سے ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوجائیں۔ اور ان کے لئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کردے تاکہ تیرے گھر شکر گزار ہوں۔" (سورۂ ابراہیم)

حضرت ہاجرہ چند روز تک مشکیزے سے پانی اور تھیلی سے کھجوریں کھاتی اور حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں، لیکن وہ وقت بھی آگیا کہ پانی نہ رہا اور کھجوریں بھی ختم ہوگئیں۔ تب وہ سخت پریشان ہوئیں۔ چونکہ بھوکی پیاسی تھیں، اس لئے دودھ بھی نہ اترتا تھا لہٰذا حضرت اسماعیل بھی بھوکے پیاسے تھے۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی تو حضرت اسماعیل بے تاب ہونے اور تڑپنے لگے۔ حضرت ہاجرہ ان کے لئے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑیں۔ صفا کی پہاڑی پر گئیں۔ پھر مروہ پر چڑھ گئیں، مگر نہ کوئی بندہ نظر آیا اور نہ کہیں پانی کا نام ونشان ملا۔ اس طرح حضرت ہاجرہ نے سات چکر لگائے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس دوران جبریل علیہ السلام آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جگہ جہاں حضرت اسماعیل ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بلک رہے تھے، وہاں پانی کا ایک چشمہ ابل رہا تھا۔ اس چشمے کا پانی آج "آب زمزم" (⇦ آب زم زم) کہلاتا ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہ کی دوڑ کو ایک مثالی عمل قرار دے دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج کا ایک لازمی رکن بنادیا گیا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ خوف اور غم نہ کیجئے، اللہ تعالیٰ اس بچے (اسماعیل علیہ السلام) کو ضائع نہیں کریں گے۔ یہ مقام بیت اللہ ہے جس کی تعمیر اس بچے اور اس کے باپ حضرت ابراہیم کے ہاتھوں مقدر ہوچکی ہے۔

اسی دوران بنی جرہم کا ایک قبیلہ اس وادی کے قریب آکر ٹھہرا جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل موجود تھے۔ دیکھا تو تھوڑے فاصلے پر پرندے اڑتے نظر آئے۔ جرہم نے کہا کہ یہ پانی کی علامت ہے۔ پانی دیکھ کر بنی جرہم نے بھی حضرت ہاجرہ سے یہاں قیام کی اجازت مانگی۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا، قیام کرسکتے ہو لیکن پانی میں ملکیت کے حصے دار نہیں ہوسکتے۔ جرہم نے بخوشی یہ شرط منظور کرلی اور وہیں مقیم ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ خود بھی باہمی انس ورفاقت کے لئے چاہتی تھیں کہ کوئی یہاں آکر مقیم ہو، اس لئے انہوں نے مسرت کے ساتھ بنی جرہم کو یہاں قیام کی اجازت دے دی۔ جرہم نے آدمی بھیج کر اپنے باقی ماندہ اہل خاندان کو بھی یہاں بلالیا اور وہ لوگ مکانات بنا کر رہنے لگے۔ انہی میں حضرت اسماعیل بھی رہے، کھیلے، ان کی زبان سیکھی۔ بنی جرہم کا خاندان آپؑ کے حسن اخلاق اور حسن سیرت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے ہی خاندان میں ان کی شادی کردی۔ اس کے کچھ عرصے بعد حضرت ہاجرہ کا انتقال ہوگیا۔ ادھر حضرت ابراہیم برابر اپنے اہل وعیال کو دیکھنے آتے رہے۔

حضرت اسماعیل، حضور سرور کونین ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں۔ آپؑ

حضور ﷺ سے کم و بیش ۲۰۰۷ برس پہلے پیدا ہوئے۔ تورات کا بیان ہے کہ حضرت اسمٰعیل نے ۱۳۷ سال کی عمر پائی۔ سر چارلس مارلٹن کی تحقیق کے مطابق آپؑ کی تاریخ پیدائش ۲۰۷۴ ق م اور تاریخ وفات ۱۹۳۷ ق م ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت آپؑ ۸۹ سال کے تھے۔ آپ کے یہاں بارہ بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں: قیدار، ادبیل، مشماع، بشام، رومہ، مساحرا، بطور، نافص، قدما، بناہوت اور تیما۔

آپ علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں متعدد بار ہوا ہے۔

✽ اسناد: علم حدیث کی اصطلاح۔ حدیث کے راویوں کا سلسلہ جس میں راوی یہ بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ حدیث فلاں صاحب سے سنی اور انہوں نے فلاں سے سنی۔ اس طرح سے یہ سلسلہ چلتا چلتا نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اسناد سے ہی حدیث کے غیر مشتبہ یا غیر مستند ہونے کا پتا چلتا ہے۔ اسناد کی دو قسمیں ہیں: ایک سند متصل جو مسلسل نبی کریم ﷺ تک پہنچ جائے، دوسرے سند منقطع جس میں کسی جگہ کوئی راوی چھوٹ جائے۔ ⇦ اسماء الرجال + حدیث + سند + سنن۔

✽ اسود، حجر: حجر اسود۔ خانہ کعبہ میں لگا ہوا مقدس پتھر جسے دوران طواف حاجی صاحبان بوسہ دیتے ہیں۔ دور جاہلیت میں بھی یہ پتھر تقدس اور روحانیت کی علامت تھا۔ ⇦ حجر اسود۔

✽ اسود بن عبد یغوث: کفار قریش کے اکابرین میں سے ایک۔

✽ اسود بن کعب عنسی: مدعی نبوت جس نے دور نبوی ﷺ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

اسود نے حضور سید کون و مکان علیہ التحیۃ والسلام کے آخری ایام میں یمن میں دعوائے نبوت کیا۔ اہل نجار اور قبیلہ مذحج نے اس کی متابعت اختیار کی۔ اسود کا قبیلہ عنس قبیلہ مذحج ہی کی ایک شاخ تھا۔ جب اسود کی جمعیت بڑھی تو اس نے تھوڑے ہی دنوں میں پہلے نجران پر اور یمن کے اکثر دوسرے حصوں پر قبضہ کر لیا۔ انجام کار یمن کے دارالحکومت صنعا کا رخ کیا۔ وہاں کے عامل شہر بن باذانؓ نے اس کا مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہوئے اور شہادت پائی۔ جب آنحضرت ﷺ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے مسلمانان یمن کو لکھ بھیجا کہ جس طرح بن پڑے اسودی فتنے کا استیصال کریں۔

اہل یمن اس فرمان سے بڑے قوی دل ہوئے اور یمن کے مختلف علاقوں میں در پردہ حربی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن دارالحکومت صنعا کے مسلمان اسود کے مقابلے میں اپنی حربی کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے مصلحت و صوابدید اس میں دیکھی کہ عسکری اجتماع کے بجائے مخفی سرگرمیوں سے اس کی جان لیں۔ اسود نے شہر بن باذانؓ کے واقعہ شہادت کے بعد ان کی بیوی آزاد کو جبراً گھر میں ڈال لیا تھا۔ آزاد کے عم زاد بھائی حضرت فیروز دیلمیؓ (جو شاہ حبشہ کے خواہر زادہ تھے) آزاد کو اسود کے پنجہ بیداد سے آزاد کرانے کے لئے سخت فکر مند تھے۔

مسلمانوں نے آزاد کو اپنا رازدار بنایا اور اس کے مشورے کے مطابق ایک رات چند مسلمان نقب لگا کر اسود کے محل میں گھس گئے۔ فیروز دیلمی نے جو ایک قوی الجثہ جوان تھے اچانک اسود کی گردن اور منڈی جا پکڑی اور بڑی پھرتی سے مروڑ کر اس کی گردن توڑ دی اور اسے آناً فاناً بستر ہلاکت پر ڈال دیا۔

اسود کی ہلاکت کے بعد اہل ایمان نے اس کے پیروؤں اور ہوا خواہوں کو مغلوب کر کے چند ہی روز میں یمن کی حکومت بحال کر لی۔ شہر بن باذانؓ کی جگہ حضرت معاذ بن جبل انصاریؓ صنعا کے حاکم قرار پائے۔ سید دو جہاں ﷺ نے وحی الٰہی سے اطلاع پا کر فرمایا تھا کہ اسود فلاں رات اور فلاں وقت مارا جائے گا۔ چنانچہ جس وقت وہ قصر عدم میں پہنچا اس صبح کو مخبر صادق ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج رات اسود مارا گیا۔ صحابہؓ عرض پیرا ہوئے، یارسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟ فرمایا، ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو ایک بابرکت خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ پوچھا گیا کہ اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فیروز دیلمی۔

چند روز بعد جب یمن کا قاصد اسود کے مارے جانے اور اسلامی

فرمانروائی کے بحال ہونے کی خبر لے کر مدینۃ الرسول پہنچا تو اس وقت حضرت سرور عالم وعالیان علیہ الصلوۃ والسلام انتقال فرما چکے تھے اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے عہد خلافت میں سب سے پہلے جو بشارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مژدہ تھا۔

✽ اسود بن مطلب: کفار قریش کے اکابرین میں سے ایک۔+قریش+مکہ۔

✽ اسوۂ رسول اکرم ﷺ: حضرت عارف باللہ مولانا ڈاکٹر عبدالحیؒ کی مشہور و معروف تصنیف۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے نبی کریم ﷺ کی عادات و خصائل سے متعلق مختلف احادیث کو مختلف الابواب میں جمع کر دیا ہے۔ شمائل ترمذی کے برخلاف انہوں نے کسی قسم کی تشریح یا تبصرہ نہیں کیا۔

✽ اسید بن حضیر: صحابی رسول ﷺ۔ حضیر انصاری کے بیٹے تھے۔ حضیر الکتائب (بن سماک بن عتیک بن رافع بن امرؤالقیس بن زید بن عبدالاشہل) قبیلہ اوس کا سپہ سالار تھا۔ جنگ بعاث (⇦ بعاث، جنگ) میں مارا گیا۔ حضرت ابویحییٰ اسید بن حضیر ان افراد میں سے ہیں جو بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر موجود تھے اور عقبہ والی رات میں یہ نقیب تھے۔ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ۲۰ھ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان سے اٹھارہ احادیث روایت کی جاتی ہیں۔

✽ اسیر بن رزام: خیبر کے یہودیوں کا رئیس اعظم۔ یہ شخص ابورافع سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے بعد مسند ریاست پر بیٹھا۔ ⇦ سلام بن ابی الحقیق۔

اش

✽ اشج: صحابی رسول۔ اصل نام منذر تھا۔ العائذ العصری العبدی کے بیٹے تھے۔ اپنی قوم کے سردار تھے۔ وفد عبدالقیس میں شامل ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔

✽ اشعث بن قیس: نبی کریم ﷺ کے دور کا ایک شخص۔ اس کا نام ابومحمد معدی کرب بن قیس تھا۔ حضرموت کے کندہ کا سردار تھا۔ یہ شخص ۱۰ھ (۶۳۱ء) میں ایک وفد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد باغی ہو گیا۔ اسلامی فوج نے قلعہ البخیر میں اس کا محاصرہ کر کے اسے گرفتار کیا اور مدینہ میں حضرت ابوبکر صدیق کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ابوبکر نے اسے نہ صرف معاف کیا بلکہ اپنی بہن قریبہ کی شادی بھی اس سے کی۔ بعد ازاں وہ شام اور عراق کی مہموں میں شریک ہوا۔ شمالی عراق فتح ہونے کے بعد وہ کوفہ میں مقیم ہو گیا۔ شیعی روایات کے مطابق اسے پکا غدار کہا گیا ہے، کیونکہ اس نے جنگ صفین میں حصہ لیا اور صلح کی بات چیت میں حضرت علی کو اصول تحکیم منظور کرنے اور عراق کی جانب سے ابوموسی اشعری کو حاکم مقرر کرنے پر اصرار کیا تھا۔ اشعث بن قیس نے حضرت حسن کے دور میں وفات پائی۔

✽ اشعری، ابوعامر: صحابی رسول ﷺ۔ فتح مکہ و غزوۂ حنین کے مواقع پر آنحضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ غزوۂ حنین میں نبی کریم ﷺ نے قبیلہ ہوازن کے مشرکین کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ انہوں نے اس دوران ۹ افراد کو تہ تیغ کر دیا، لیکن آخر کار کافروں کے نرغے میں آکر شدید زخمی ہو گئے۔ شہادت سے قبل انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو اپنا قائم مقام بنایا اور وصیت کی کہ ان کا گھوڑا اور ہتھیار آنحضور ﷺ کے حوالے کر دیئے جائیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے ان کی یہ وصیت پوری کی۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ چیزیں لے کر حضرت ابوعامر کے بیٹے کے حوالے کر دیں اور دعا کی کہ اے اللہ! ابوعامر کی مغفرت فرمایا اور انہیں جنت میں میری اُمت کے بلند ترین لوگوں میں شامل کر۔

✽ اشعری، ابوموسیٰ: صحابی رسول ﷺ۔ پورا نام عبداللہ بن قیس الاشعری تھا۔ ہجرت سے چھ سات سال پہلے یمن

میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کے قبیلہ والے غزوۂ خیبر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ۱۰ھ میں حضرت معاذ بن جبل کے ساتھ یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے گئے اور پھر یہیں کے عامل مقرر ہوئے۔ ۱۷ھ میں حضرت عمر نے ان کو بصرہ کا اور ۲۲ھ میں کوفہ کا عامل مقرر کیا۔ مگر مغیرہ کی بحالی کے بعد انہیں دوبارہ بصرہ بھیج دیا گیا۔ یہاں سے انہوں نے خوزستان فتح کیا اور الجزیرہ کی تخسیر میں بھی حصہ لیا۔ حضرت عثمان کے دور میں کچھ مخالفتوں کی بنا پر انہیں کوفہ کا والی مقرر کر دیا گیا۔ جنگ جمل میں غیر جانب دار رہے۔ بعد ازاں حضرت علی کی طرف سے انہیں ثالث مقرر کیا گیا۔ ابو موسیٰ اشعری نے حضرت علی کے حق میں فیصلہ دیا اور مکہ چلے گئے۔ جب حضرت امیر معاویہ نے بسر کو مکہ پر قبضے کے لئے بھیجا تو وہ مکہ سے کوفہ چلے گئے۔ ۴۱ھ سے ۵۰ھ کے درمیان ان کا انتقال ہوا۔

اص

✽ اصحاب رسول: وہ مسلمان جنہیں براہ راست نبی کریم ﷺ سے اسلامی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا یا جنہوں نے مسلمان ہونے کے بعد آنحضور ﷺ کی زیارت کی۔ انہیں صحابہ بھی کہتے ہیں۔ ⇐ صحابی۔

✽ اصحاب بدر: غزوۂ بدر میں حصہ لینے والے صحابہ کرام۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر سورۂ آل عمران (آیت ۱۲۳)، سورۂ انفال (آیات ۷ تا ۱۲، ۱۷، ۲۵، ۴۱، ۴۲)، سورۂ توبہ (آیت ۱۰۰) سورۂ دخان (آیت ۱۶)، سورۂ قمر (آیت ۴۵) اور سورۂ حدید (آیت ۱۰) میں آیا ہے۔

اصحاب بدر کا درجہ دیگر صحابہ کرام سے بلند ہے۔ صحیح بخاری میں رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل آئے اور پوچھا کہ آپ ﷺ اہل بدر کو مسلمانوں میں کیسا سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، سب مسلمانوں سے افضل! حضرت جبرئیل نے بتایا کہ جو فرشتے بدر میں حاضر ہوئے ان کا درجہ بھی ملائکہ میں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا کہ اب تم جو چاہو کرو، میں تمہیں بخش چکا ہوں۔ چنانچہ اصحاب بدر کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں۔ ⇐ بدر، غزوہ + بدری۔

✽ اصحاب صفہ: وہ صحابہ کرام جو مسجد نبوی سے متصل چبوترے صفہ پر بیٹھ کر دین کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ صحابہ کرام، اصحاب صفہ یعنی چبوترے والے مشہور ہوگئے۔ ⇐ صفہ، اصحاب۔

✽ اصحمہ: حبش کا بادشاہ نجاشی۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کے زمانے میں صحابہ کرام کی ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور حضرت جعفر نے اس کے سامنے تاریخی تقریر کی تھی اور اس نے اسلام بھی قبول کیا تھا۔ ⇐ نجاشی + ہجرت حبشہ۔

اط

✽ اطاعت رسول: رسول ﷺ کی اطاعت۔

✽ اطراف: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ "اطراف" یا "الاطراف" وہ کتب حدیث ہیں جن میں احادیث کے صرف اول و آخر الفاظ ذکر کئے گئے ہوں جن سے پوری حدیث کو پہچانا جا سکے اور آخر میں اس حدیث کا حوالہ ذکر کر دیا گیا ہو کہ فلاں فلاں کتب حدیث سے یہ احادیث لی گئی ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایک شخص کو کسی حدیث کے اول یا آخر الفاظ تو یاد ہوتے ہیں، لیکن پوری حدیث ذہن میں ہوتی ہے اور نہ اس کی اسنادی حیثیت کا علم ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اطراف کی کتب خوب کام دیتی ہیں۔

اس موضوع پر سب سے پہلے حافظ ابن عساکرؒ دمشقی نے کتاب لکھی جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا نام "الاشراف فی معرفۃ

الاطراف" ہے جس میں حافظ ابن عساکر نے ابوداؤد، نسائی، ترمذی کے اطراف ذکر کئے ہیں۔ اس کتاب کو انہوں نے حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ اب یہ کتاب نایاب ہے۔ ان کے بعد حافظ عبدالغنی مقدسی نے "اطراف الکتب الستہ" تحریر فرمائی۔ آج کل اس نوع کی سب سے زیادہ متداول کتاب حافظ مزیؒ کی "تحفۃ الاشراف فی معرفۃ الاطراف" ہے۔

اع

*** اعلان حرم:** وہ اعلان (ڈکلریشن) جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جاری کیا۔ اعلان حرم کے تحت مدینہ اور اس کے آس پاس کی آبادیوں کو امن و امان کا احساس ہوا۔ اس اعلان کے بعد مسلم اور غیر مسلم سب اس اعلان کی شقوں کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے لگے۔ اس اعلان کی وجہ سے مدینہ کے مکین آپ ﷺ کی سیادت قبول کرنے پر تیار ہوگئے اور مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا رعب بھی لوگوں پر بیٹھا۔

⇦ میثاق مدینہ + ہجرت نبوی + مدینہ۔

اغ

*** اغر مازنی:** صحابی رسول ﷺ۔ اہل کوفہ میں سے تھے۔ مازنی ان کے والد کا نام تھا۔ کئی احادیث ان سے روایت کی گئیں۔

اف

*** افراد و غرائب:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ "الافراد و الغرائب" ان کتب حدیث کو کہتے ہیں جن میں کسی ایک شخص کے تفردات کو جمع کیا گیا ہو۔

*** افک:** تہمت، بہتان۔ اصطلاح میں ایک واقعہ جس میں حضرت عائشہ پر ایک بہتان لگایا گیا۔ اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عائشہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ غزوہ سے واپسی پر سب لوگ ابھی مدینہ سے ایک منزل دور تھے اور رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ کی تیاریاں شروع کردی گئیں۔ اسی اثنا میں حضرت عائشہ اٹھ کر رفع حاجت کے لئے چلی گئیں۔ ان کے گلے میں ایک ہار تھا جو انہوں نے حضرت اسما سے لے کر پہنا تھا، وہ واپسی پر کہیں گر پڑا۔ چنانچہ جب حضرت عائشہ کو اس ہار کی گمشدگی کا علم ہوا تو انہیں بہت صدمہ ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ ابھی تو قافلے والوں کی روانگی میں کچھ وقت ہے، اس ہار کو تلاش کرلیا جائے۔ چنانچہ وہ تن تنہا اس ہار کی تلاش میں آگے نکل گئیں، لیکن ان کے آنے تک مسلمانوں کا قافلہ روانہ ہوچکا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ کوچ کے وقت حضرت عائشہ ہودے میں بیٹھ جاتیں اور چار آدمی اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ چونکہ آپؓ جسمانی طور پر ہلکی پھلکی تھیں، اس لئے کسی کو یہ محسوس نہ ہوا کہ آپؓ ہودے میں نہیں ہیں۔ جب آپؓ پلٹیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ آخر آپؓ اس امید پر چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں کہ کوئی نہ کوئی تو ڈھونڈنے آئے گا۔

کچھ دیر کے بعد وہاں سے صفوان بن معطل سلمی (ایک صحابی جن کی ڈیوٹی تھی کہ وہ قافلے کے پیچھے پیچھے چلیں گے اور اس کی گری پڑی چیزوں کی حفاظت کریں گے) وہاں پہنچے اور اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حضرت صفوان نے اپنا اونٹ حضرت عائشہ کو پیش کر دیا۔ حضرت عائشہ اس پر سوار ہوگئیں اور حضرت صفوان پاپیادہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہوگئے۔ دوپہر کے وقت آپؓ لشکر میں پہنچ گئیں۔ اس پر بہتان اٹھانے والوں نے بہتان اٹھائے۔ ان میں عبداللہ بن ابی پیش پیش تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ بہتان طرازی اسی کے دماغ کی شیطانی اور شرارت تھی۔ تاہم بعد میں حضرت ابوبکر صدیق کی خالہ زاد بہن کے بیٹے مسطح نے بھی اس بات کو خوب ہوا دی۔ حسان بن ثابت، حمنہ بنت جحش اور دیگر چند مسلمان بھی اس چکر میں آگئے۔

آنحضور ﷺ تک جب یہ تمام باتیں پہنچیں تو آپ ﷺ سخت ذہنی اور نفسیاتی اذیت میں مبتلا ہوئے۔ یہ صورت حال کسی شخص کو بھی پیش آتی تو اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا، لیکن حضور ﷺ نے انتہائی رحم دلی کا مظاہرہ کیا اور عفو و درگزر سے کام لیا۔ اس واقعے کے پس پردہ منافقین کے سرغنہ عبد اللہ بن ابی کا ہاتھ تھا جو یہودیوں سے ساز باز میں ملوث تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک روز منبر پر مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو مجھے اس اذیت ناک اور ناپاک سازش سے جو میری آبرو کے خلاف پھیلائی گئی ہے، نجات دلا کر انصاف کا تقاضا پورا کرے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور غصے میں عرض کیا کہ میں قبیلہ اوس کا سردار ہوں اور اس بے عزتی کے بدلے میں اس شخص کا سر تلوار سے جدا کر دوں گا چاہے وہ میرے قبیلے کا ہو یا دوسرے قبیلے کا۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ جو ان کے حریف قبیلے خزرج سے تعلق رکھتے تھے، سخت برہم ہوئے اور ان کے بیان پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ دوسروں کو ہمارے بارے میں کچھ کہنے کا اختیار نہیں ہے۔ ہم اسے اپنے معاملات میں مداخلت تصور کرتے ہیں۔ اس پر دونوں طرف کے لوگ کھڑے ہوگئے اور میان سے تلواریں نکل آئیں لیکن آنحضور ﷺ نے انہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔

اس بہتان کی افواہیں کم و بیش ایک مہینے تک شہر میں اڑتی رہیں۔ آخر ایک روز نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: "عائشہ مجھے تمہارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تمہاری براءت فرما دے گا اور اگر واقعی تم کسی گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔"

حضرت عائشہ نے جواباً عرض کیا: "آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ نہ مانیں گے۔ اور اگر خواہ مخواہ میں ایک ایسی بات کا اعتراف کر لوں جو میں نے نہیں کی اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کی تو آپ لوگ مان لیں گے۔ اب میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کی تھی کہ فصبر جمیل۔

اس کے بعد آنحضور ﷺ پر اس سلسلے میں وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان فرمایا۔ یہ سورۂ نور کی آیت نمبر گیارہ سے اکیس ہیں۔

اس وحی کے نزول نے تمام متعلقین کو بے حد محظوظ کیا اور انہیں اطمینان نصیب ہوا۔ حضرت عائشہ کی والدہ نے ان سے کہا کہ وہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں جائیں، لیکن حضرت عائشہ نے کہا کہ مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے اللہ کا شکر کیوں نہ بجا لاؤں۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد اور ابن ہشام)

اق

*** اقرع بن حابس:** صحابی رسول۔ پورا نام فراس بن حابس بن عقال بن محمد بن سفیان تھا۔ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد فتح مکہ، غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف میں شریک رہے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بنو دارم بن مالک کے صدقات کی فراہمی کے لئے عامل مقرر کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے حضرت عثمان کے عہد میں جوزجان فتح کیا اور وہیں وفات پائی۔

⇦ نبی مصطلق، غزوہ + عبد اللہ بن ابی۔

اک

*** اکیدر دومہ:** صاحب دومۃ الجندل کے خطاب سے مشہور ہیں۔ عبد الملک کے بیٹے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس نامہ مبارک ارسال فرمایا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔

ال

❋ الازلام و الیسار: کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی عہدوں میں سے ایک عہدہ۔ اس کا مقصد محکمہ مال کا انتظام کرنا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صفوان بن امیہ اس عہدے پر فائز تھا۔
⇦ صفوان بن امیہ + کعبہ + مکہ۔

❋ الرحیق المختوم: بیسویں صدی کے اواخر کی سیرت طیبہ کی ایک مستند کتاب جسے مولانا صفی الدین مبارک پوری نے تصنیف کیا۔ سات سو چھیاسی صفحات کی اس کتاب کو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے سیرت نگاری کے عالمی مقابلے میں اول انعام (پچاس ہزار ریال) کا مستحق ٹھہرایا۔ پہلے یہ کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، لیکن بعد میں مصنف نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا جو لاہور سے شائع ہوا۔

❋ الکوکب الدری: ترمذی شریف کی احادیث پر مولانا رشید احمد گنگوہی کی تقاریر کا مجموعہ۔ یہ مجموعہ دو جلدوں میں ہے۔
⇦ رشید احمد گنگوہی + ترمذی شریف۔

❋ اللہ: اس کائنات میں موجود چھوٹی بڑی ہر چیز کا خالق اور مالک اور پروردگار اور رب۔ ہم اسی کی عبادت کرتے اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ کافر اور مسلمان میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ کافر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں اور اردگرد کی چیزوں کی عبادت کرتا ہے اور مسلمان محض ایک رب خدائے واحد اللہ عزوجل کی عبادت کرتے ہیں۔

ام

❋ ام ابی ہریرہ: صحابیہ، حضرت ابوہریرہ کی والدہ۔ پورا نام امیمہ بنت صفیح بن حارث تھا۔ نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی تھی۔

❋ ام الفضل: صحابیہ۔ اصل نام لبابہ بنت حارث بن حزن تھا۔ ام المؤمنین حضرت میمونہ اور حضرت اسما بنت عمیس کی بہن تھیں۔ ان کی والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔ نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس سے نکاح ہوا اور حضرت خدیجہ کے بعد اسلام لائیں۔ حضرت عباس کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ ان کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ حضرت ام الفضل سے تیس احادیث مروی ہیں۔

❋ ام القریٰ: بستیوں کا مرکز۔ مکہ مکرمہ کو یہ نام دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ آیا ہے (٦=٩٢)(٤٢=٧)(٢٨=٥٩)۔ ⇦ کعبہ + مکہ۔

❋ ام المؤمنین: مؤمنوں کی ماں۔ اس سے مراد وہ تمام پاک عورتیں ہیں جو نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ⇦ ازدواجی زندگی + ازواج مطہرات۔

❋ ام ایمن: نبی کریم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی کنیز۔ ان کا اصل نام برکہ تھا اور کنیت ام ایمن تھی۔ آنحضرت ﷺ کی پرورش بھی انہوں نے کی۔ پہلا نکاح حضرت عبید بن زید سے ہوا۔ جب حضرت عبید بن زید غزوہ حنین میں شہید ہوگئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے کرادیا۔ پہلے حبشہ کی ہجرت کی اور پھر وہاں سے مدینہ کی ہجرت کی۔

حضرت ام ایمن کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے: ایمن اور اسامہ۔ ام ایمن نے حضرت عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی۔
⇦ آباو اجداد نبویؐ + عبداللہ بن عبدالمطلب + حنین، غزوہ + ہجرت حبشہ + ہجرت نبوی۔

❋ ام حبیبہ: ام المؤمنین، ابوسفیان کی بیٹی۔ اصل نام رملہ بنت ابوسفیان تھا۔ والد کا نام ابوسفیان بن سخار بن حرب بن امیہ تھا۔ آپؓ کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا جو حضرت عثمان غنی کی سگی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہؓ کا اولین نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا تھا جو حرب بن امیہ کا ساتھی تھا۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور دونوں میاں بیوی نے ایک ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کی جہاں ان کی صاحبزادی حبیبہ تولد ہوئیں۔ کچھ عرصے بعد عبداللہ بن جحش آوارہ منش ہوگیا اور نہ صرف شراب نوشی کرنے لگا بلکہ اسلام سے مرتد ہو کر نصرانیت اختیار کرلی۔ اس نے حضرت ام حبیبہ کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ثابت قدم رہیں اور اپنا مذہب نہیں چھوڑا۔ اپنے شوہر کے مرتد ہونے سے پیشتر ایک خواب دیکھا تھا جس میں انہیں اپنے شوہر کا چہرہ نہایت مکروہ شکل میں نظر آیا تھا۔ ان کو اس پر سخت پریشانی اور تردد لاحق ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا نے خیال کیا کہ ضرور کوئی نہ کوئی مصیبت یا پریشانی آنے والی ہے۔ دوسرے دن عبداللہ نے صبح صبح ان سے تذکرہ کیا کہ اس نے نہایت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے کہ وہ نصرانی مذہب اختیار کرلے، کیونکہ اس کے خیال میں یہی سب سے بہتر مذہب ہے۔ حضرت ام حبیبہ نے اسے بہت سمجھایا، لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بقیہ تمام عمر نصرانی ہی رہا بلکہ حضرت ام حبیبہ کو بھی نصرانیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن حضرت ام حبیبہ بھی اپنی دھن کی پکی تھیں۔ اس پر عبداللہ نے عیش پرستی زندگی گزارنا شروع کی اور خود کو شراب نوشی میں غرق کردیا جس کی وجہ سے وہ بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

عبداللہ بن جحش کے انتقال کے بعد حضرت ام حبیبہ دیار غیر میں تن تنہا رہ گئیں لہٰذا ان کی عدت ختم ہونے پر حضور ﷺ نے عمر بن امیہ کے توسط سے نکاح کا پیغام بھجوایا۔ اس تجویز کے پس پردہ آپ ﷺ کا ایک مقصد مسلمان خاتون کو مصیبت اور پریشانیوں سے نجات دلانا تھا تو دوسری جانب انہیں نصرانیوں کے مذہب سے بچانا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ابوسفیان کو بھی کہ جو مسلمانوں کا کھلا دشمن تھا، مطمئن کرنا تھا۔ ابوسفیان حضرت ام حبیبہ کے والد تھے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق اہل مدینہ نے حضور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ وہ حضرت ام حبیبہ کو اپنے نکاح میں قبول کرلیں تاکہ وہ دوبارہ آباد ہو جائیں اور اپنے کافر باپ کے ہاتھوں میں جانے سے بھی بچ جائیں۔

حبشہ کے فرمانروا نجاشی نے حضور ﷺ کا پیام نکاح اپنی باندی ابرہہ کے ذریعے حضرت ام حبیبہ کو پہنچایا اور ان سے دریافت کرایا کہ ان کی جانب سے اس معاملے میں کوئی نمائندہ مقرر کیا جائے تاکہ وہ تفصیلات طے کرے۔ حضرت ام حبیبہ کو اس پیغام ملنے کی اتنی خوشی ہوئی کہ انہوں نے ابرہہ کو فوری طور پر چند چاندی کے زیورات بطور انعام مرحمت فرمائے اور اس کا ذکر خالد بن سعید سے کیا اور انہیں حضور ﷺ سے اپنے نکاح کی رسم کا نمائندہ منتخب کردیا۔

اسی شام نجاشی نے تمام مہاجر مسلمانوں کو جمع کیا جس میں حضرت جعفر بن ابوطالب بھی شامل تھے اور بذات خود نکاح کا خطبہ پڑھا اور حضور ﷺ کی جانب سے چار ہزار دینار بطور مہر حضرت ام حبیبہ کو ادا کئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ مہر کی رقم چار سو درہم تھی۔ نکاح کی ادائیگی کے بعد حضرت خالد بن سعید نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق دعوت ولیمہ منعقد کی جائے گی لہٰذا انہوں نے تمام حاضرین کی دعوت کی۔ بعض روایات کے مطابق بادشاہ نجاشی نے اپنی طرف سے اس ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس نکاح کے وقت حضرت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶ یا ۳۷ سال تھی اور یہ واقعہ ۶ھ یا ۷ھ میں پیش آیا تھا۔ مہر کی رقم میں سے حضرت ام حبیبہ نے مزید پچاس دینار ابرہہ کو دیئے۔ لیکن اس نے نہ صرف دینار بلکہ وہ زیور بھی انہیں واپس کردیا جو اس سے پیشتر اس نے لیا تھا اور ان سے کسی قسم کی رقم یا انعام و اکرام لینے سے اس بنا پر انکار کردیا کہ اسے اس کی ممانعت ہے۔

حضرت ام حبیبہ نہایت دین دار، صحیح العقیدہ مسلمان تھیں اور دین کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھیں چاہے وہ ان کے عزیز ترین رشتے دار کیوں نہ ہوں۔ ایک مرتبہ ابوسفیان مدینہ منورہ آئے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) تاکہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں توسیع کی گفت و شنید کریں۔ اپنے قیام کے دوران وہ اپنی صاحبزادی سے ملنے بھی تشریف لائے اور چاہا کہ اس بستر پر بیٹھ جائیں جو حضور ﷺ کے آرام کے لئے مخصوص تھا، لیکن حضرت ام حبیبہ کو گوارا نہ ہوا کہ حضور ﷺ کے بستر پر کوئی غیر مسلم شخص بیٹھ جائے لہٰذا

انہوں نے فوراً اسے تہہ کر دیا۔ ابوسفیان کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور انہوں نے اپنی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، کیا تمہاری نظر میں اس بستر کی قدر و قیمت تمہارے باپ سے بڑھ کر ہے۔ ام حبیبہ نے جواباً عرض کیا کہ یہ بستر حضور ﷺ کا ہے اور آپؓ چونکہ غیر مسلم ہیں، لہٰذا آپؓ نجس ہیں۔ اس پر ابوسفیان بولے، میرے بعد تم نے کئی بری عادتیں اختیار کرلی ہیں۔

حضرت ام حبیبہ جملہ احادیث مبارکہ کی سختی سے پابند تھیں اور دوسروں کو بھی سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضور ﷺ کی زبانی سنا تھا کہ جس نے دن میں بارہ رکعات نفل ادا کئے اسے جنت الفردوس میں جگہ ملے گی۔ اس کے بعد آپؓ نے کبھی ان نوافل کی ادائیگی میں سستی نہیں برتی۔

حضرت ام حبیبہ نے اپنے والد کے انتقال پر صرف تین روز کا سوگ منایا جو اس زمانے کے دستور کے خلاف تھا اور فرمایا کہ مسلمان خواتین کو اپنے عزیزوں کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا مناسب نہیں البتہ اپنے شوہروں کے لئے وہ چار ماہ اور دس دن تک رنج و غم کر سکتی ہیں۔

حضرت اُمّ حبیبہ نہایت خلوص اور محبت کا پیکر تھیں اور آنحضرت ﷺ کی پرستار۔ آپؓ میں خوف خدا اس درجہ موجود تھا کہ بحالت نماز تمام مسلمانوں کی مغفرت کے لئے دعا مانگتی تھیں اور اپنے والد ابوسفیان کی نجات کے لئے بھی۔ حضرت ام حبیبہ کو پسماندہ، غریب، غربا، یتیموں اور بیواؤں کا بڑا خیال رہتا۔ ایک مرتبہ کسی غریب مسلمان کی وفات کے بعد آپؓ نے اس کے تمام بچوں کی کفالت کا ذمہ لیا اور انہیں بالغ ہونے تک اپنے پاس رکھ کر پرورش فرمائی۔

حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں جب باغیوں نے انہیں محصور کر دیا تھا اور گھر والوں کو غذا اور پانی کی رسد پہنچانا دشوار ہوگئی تو حضرت اُمّ حبیبہ نے انہیں پانی کا مشکیزہ پہنچانا چاہا، لیکن انہیں گھر میں جانے سے روک دیا گیا اور پانی کے مشکیزے میں سوراخ کر دیا گیا۔

حضرت اُمّ حبیبہ نے ۶۶ھ میں ۷۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس وقت ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ کا دور حکومت تھا۔ وفات سے قبل انہوں نے حضرت عائشہ کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ ہم دونوں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں اور ایک ساتھ رہی ہیں لہٰذا اس دوران اگر مجھ سے کوئی ایسی باتیں سرزد ہوگئی ہو تو آپ مجھے معاف فرما دیجئے اور میری نجات اور مغفرت کے لئے دعا کریں۔ اس پر حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ مجھے آپ کی جانب سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی بلکہ آپ کی طرف سے خوشی حاصل ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ سے راضی ہو۔

حضرت اُمّ حبیبہ سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ تکالیف حضرت اُمّ حبیبہ نے اسلام کی خاطر برداشت کیں۔ ان کی پیدائش ایک اعلیٰ متمول، رئیس گھرانے میں ہوئی۔ اپنے وقت کی حسین خاتون تھیں، لیکن اپنے دین اور مذہب کی خاطر تمام تکالیف اور مصیبتیں جھیلنا قبول کیا۔ اپنے گھر کے عیش و آرام کو چھوڑ کر محض دین کی خاطر ایک اجنبی ملک میں ہجرت کرنا پسند فرمایا۔ اس دور کے حالات میں ایک تنہا عورت کے لیے اتنی زبردست قربانی دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ جب ایک غیر ملک میں ان کے شوہر نے بھی ان کو یکہ و تنہا دنیا کی ٹھوکریں کھانے کو چھوڑ دیا تھا، تب بھی ان کے پائے استقامت میں مطلق جنبش نہ ہوئی اور نہایت صبر و استقلال سے تمام پریشانیوں کا مقابلہ کیا اور اسلام پر قائم رہیں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ثابت قدمی اور پارسائی کا بدلہ اس صورت میں عطا کیا کہ آپ کو رسول اللہ کی زوجہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ⇦ ازدواجی زندگی + عائشہؓ + ابوسفیان۔

✽ ام حرام: صحابیہ۔ باپ کا ن ملحان بن خالد اور ماں کا نام لمیکہ بنت مالک تھا۔ مدینہ میں پیدا ہوئیں۔ انصار کے قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُمّ حرام، اُمّ سلیم کی سگی بہن تھیں اور نبی کریم ﷺ کی رشتے میں خالہ۔ حضرت اُمّ حرام کا پہلا نکاح عمرو بن قیس انصاری سے ہوا جو غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔ دوسرا نکاح عبادہ بن صامت سے ہوا۔ نبی کریم ﷺ جب بھی قبا تشریف لے جاتے تو اُمّ حرام ہی کے گھر کھانا کھاتے اور قیلولہ فرماتے۔ نبی

کریم ﷺ نے جہاد کے حوالے سے ایک خواب دیکھا کہ آپ ﷺ کی اُمت کے چند لوگ کشتیوں میں سوار سمندر میں جا رہے ہیں۔ اُم حرام نے بھی اس قافلے میں شرکت کی خواہش اور دعا کی درخواست کی۔ یہ خواہش اور دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت عثمان کے عہد میں حضرت امیر معاویہ نے جزیرۂ قبرص پر حملے کے لئے بحری بیڑہ تیار کیا تو اُم حرام بھی اس میں شامل تھیں۔ فتح حاصل کرنے کے بعد جب مجاہدین واپس لوٹنے لگے تو اُم حرام جانور پر بیٹھتے وقت گر گئیں اور زخمی ہوگئیں۔ اس صدمے سے ان کی وفات ہوئی۔ اُم حرام سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

⇦ احد، غزوہ + اُم سلیم + خزرج، بنو۔

✽ ام حکیم بنت حارث: صحابیہ۔ مکہ میں پیدا ہوئیں۔ باپ کا نام حارث بن ہشام اور والدہ کا نام فاطمہ بنت ولید تھا۔ اُم حکیم خالد بن ولید کی بھانجی اور قریش کے خاندان بنی مخزوم سے تھیں۔ ابتدا میں اپنے شوہر عکرمہ اور سسر ابوجہل کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف سازشیں کیں، لیکن فتح مکہ کے موقع پر اپنی والدہ کے ساتھ مسلمان ہوگئیں۔ جب عام معافی کا اعلان سنا تو اپنے شوہر عکرمہ کو یہ بات بتائی۔ وہ اور عکرمہ، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر صدق دل سے اسلام قبول کیا اور اسلام کی خدمت شروع کر دی۔ آخر کار عکرمہ اجنادین کی لڑائی میں شہید ہوگئے۔ ام حکیم نے دوسرا نکاح خالد بن سعید بن عاص سے کیا۔ یہ نکاح مسلمانوں کی عیسائیوں سے لڑائی کے دوران ہوا۔ ابھی ولیمہ کی دعوت سے لوگ فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رومیوں نے حملہ کر دیا۔ خالد بن سعید لڑنے کے لئے آگے بڑھے اور شہید ہوگئے۔ اسی لڑائی میں آپؓ نے بھی ۹ رومیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس جنگ کے بعد حضرت عمر کے دور میں جنگ یرموک میں بھی شرکت کی۔

⇦ ابوجہل + عکرمہ بن ابی جہل + فتح مکہ۔

✽ ام درداء: صحابیہ۔ حضرت ابودراد کی زوجہ۔ خیرہ بنت ابوحدرد نام تھا اور قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتی تھیں۔ عورتوں میں بڑی صاحب الرائے تھیں۔ حضرت ابودردا کی وفات سے دو سال پہلے شام میں حضرت عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی۔

✽ ام رومان: حضرت ابوبکر صدیق کی زوجہ اور حضرت عائشہ کی والدہ۔ قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تعلق رکھتی تھیں۔ پہلا نکاح عبداللہ سے ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر سے نکاح ہوا۔ ابوبکر کے ساتھ اُم رومان بھی مسلمان ہوگئیں۔ ۹ ھ میں انتقال ہوا اور نبی کریم ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔

✽ ام سلمہ: ام المؤمنین۔ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ۔ اصل نام ہند تھا اور "ام سلمہ" کنیت تھی جو آپ کے صاحبزادے سے ملی تھی۔ آپ کا سلسلہ نسب بنی مخزوم خاندان سے تھا جو قریش کی ایک شاخ تھی۔ ان کے والد کا نام ابوامیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھا اور وہ اپنے قبیلے کے سردار اور زبردست شہسوار مانے جاتے تھے۔ والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر تھا۔ والد متمول اور سخی انسان تھے اور مکہ مکرمہ کے ممتاز لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کا دستور تھا کہ جب کسی کارواں کی رہنمائی کرتے تو اس میں شامل تمام لوگوں کی کفالت کا ذمہ لیتے، اسی لئے انہیں عرف عام میں "زادالراکب" کا خطاب دیا گیا اور اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ اسی متمول گھرانے میں اور ایسی بلند خصوصیات کے حامل والدین کے ہاتھوں حضرت اُم سلمہ کی پیدائش اور تربیت ناز و نعم سے ہوئی۔ چنانچہ حضرت اُم سلمہ کی ذات میں اوصاف حمیدہ اور ذہنی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

حضرت اُم سلمہ کا اولین نکاح ابوسلمہ حضرت عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا جو رشتے میں آپ کے چچیرے بھائی اور حضور ﷺ کے منہ بولے بھائی بھی تھے۔ حضرت اُم سلمہ اور حضرت ابوسلمہ کو ایک دوسرے سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ اُم سلمہ نے ابوسلمہ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت، مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں اسی

مرد کو ملے گی۔ اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اس کو ملے گی۔ اس لئے آؤ ہم دونوں عہد کرلیں کہ ہم میں سے جو پہلے مرجائے تو دوسرا ایک اور نکاح نہ کرے۔ ابوسلمہ نے کہا کہ تم میرا کہنا مان لوگی۔ اُم سلمہ نے کہا کہ میں تو اسی لئے مشورہ کر رہی ہوں۔ ابوسلمہ نے کہا، تو میرے بعد نکاح کرلینا۔ پھر دعا کی کہ یا اللہ! میرے بعد اُم سلمہ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو اس کو رنج نہ پہنچائے اور نہ تکلیف دے۔

ابوسلمہ شروع زمانے میں ہی اسلام لے آئے تھے اور مکہ والوں کی طرف سے اذیتیں اور تکالیف دینے کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت فرما گئے تھے۔ دوران ہجرت ان کے یہاں ایک صاحبزادے تولد ہوئے جن کا نام "سلمہ" رکھا گیا۔ حبشہ سے ان حضرات نے مکہ اور پھر مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا اور اس طرح حضرت ام سلمہ کو پہلی خاتون ہونے کا اعزاز حاصل ہوا جو مدینہ منورہ بطور مہاجر تشریف لائیں۔ حضرت ابوسلمہ اور ام سلمہ کو حبشہ میں غلط اطلاع دی گئی کہ حضور ﷺ اور اہل مکہ کے مابین صلح ہوگئی ہے لہٰذا دونوں میاں بیوی (ام سلمہ اور ابوسلمہ) واپس مکہ چلے آئے جہاں وہ دوبارہ کفار مکہ کے ہاتھوں سختیوں اور اذیتوں کا شکار ہوگئے۔ اس دوران ابوسلمہ تو کسی طرح کفار کے چنگل سے نکل کر مدینہ منورہ جا پہنچے، لیکن اُم سلمہ کو زبردستی کفار نے روک لیا اور ان کے والد کے گھر پہنچا دیا۔ ابھی وہ شوہر کی جدائی اور ان سے جبریہ علیحدگی کے غم میں گرفتار تھیں کہ ان کے شوہر کے گھر والوں نے زبردستی ان کے شیر خوار بچے سلمہ کو بھی ان سے چھین لیا۔ اس صدمے سے وہ اس قدر نڈھال اور غم زدہ ہوگئیں کہ بستی کے باہر مقام عتبہ پر جا کر آنسو بہایا کرتیں اور اپنے شوہر اور بچے کے بچھڑنے پر روتی پیٹتی رہتیں۔ ایک روز ایک رشتے دار کا ادھر سے گزر ہوا جس نے حضرت اُم سلمہ کو آہ وبکا کرتے دیکھا تو اس کا دل پسیج گیا اور اس نے مکہ سے واپسی پر اپنے عزیزوں سے التجا کی کہ اس بے چاری کا چھینا ہوا بچہ اسے دیا جائے اور اسے اس کی مرضی کے مطابق مدینہ منورہ شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی جائے۔ اس پر وہ لوگ راضی ہوگئے اور انہیں نہ صرف بچہ واپس دے دیا بلکہ ہجرت کی اجازت بھی مل گئی۔

حضرت ام سلمہ نے تن تنہا ایک اونٹ پر مدینہ منورہ کا سفر شروع کیا۔ اس طرح انہوں نے دوسری خواتین کے لئے ایک مثال قائم کی جو اس وقت تک گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھیں کہ آیا وہ اپنے شوہروں سے جاملیں یا پھر مکہ ہی میں بیٹھی رہیں۔

سفر مدینہ منورہ کے دوران حضرت اُم سلمہ کو حضرت عثمان بن طلحہ ملے جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ حضرت عثمان بن طلحہ نے تن تنہا اونٹ پر سفر کرتے ہوئے حضرت اُم سلمہ کو دیکھ کر پوچھا کہ آپ اس حالت میں کہاں جا رہی ہیں جس پر حضرت اُم سلمہ کا جواب تھا، سوئے مدینہ! پھر انہوں نے مزید دریافت کیا کہ ان کے ساتھ کون ہے تو فرمایا، اللہ تعالیٰ اور یہ بچہ! اس پر حضرت عثمان بن طلحہ بولے، تو پھر آپ تنہا اتنا لمبا سفر طے نہیں کرسکتیں۔ میں آپ کو پہنچا کر آؤں گا۔

چنانچہ حضرت عثمان بن طلحہ نے ان کے اونٹ کی مہار پکڑی اور انہیں مدینہ کی جانب لے چلے۔ دوران سفر وہ اونٹ کو بٹھا دینے کے بعد کسی اوٹ والی جگہ چلے جاتے تاکہ حضرت اُم سلمہ اتر کر آرام کر لیں۔ روانگی سے پیشتر ان کے اونٹ کی کاٹھی درست فرما کر دور ہٹ جاتے اور ان کے سوار ہونے کے بعد دوبارہ رسی تھام کر عازم سفر ہوجاتے۔ اس طرح منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے یہ لوگ مدینہ پہنچے۔ شہر کے باہر قبا کے مقام پر حضرت عثمان نے حضرت اُم سلمہ سے عرض کیا کہ آپ کے شوہر یہاں مقیم ہیں لہٰذا وہ ان سے رخصت ہو کر اس طرف روانہ ہوئیں اور حضرت عثمان بن طلحہ واپس مکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف آدمی نہیں دیکھا۔

مدینہ منورہ میں ام سلمہ کے اپنے شوہر کی ہمراہی میں تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ابوسلمہ نہایت جری شہ سوار اور بہادر سپہ سالار سپاہی تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں حصہ لیا تھا اور اسی غزوہ میں داغ مفارقت دے گئے۔ ان کی وفات جمادی الثانیہ ۴ھ میں زخموں میں زہرباد ہونے کی وجہ سے ہوئی۔

حضرت اُم سلمہ جس وقت بیوہ ہوئیں تو وہ حمل سے تھیں اور

انہوں نے خود جا کر حضور ﷺ کو اس صدمے کی خبر سنائی۔ حضور ﷺ بذات خود ان کے گھر پر تشریف لے گئے اور وہاں کے مکینوں کو روتے پیٹتے ہوئے دیکھا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں تسلی اور صبر کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے ابو سلمہ کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

حضرت ابو سلمہ کے انتقال کے بعد حضرت اُمّ سلمہ یکہ و تنہا اور بے یار و مدد گار ہو گئیں۔ ان کا نہ تو کوئی ذریعہ معاش تھا اور نہ وہ اپنے والدین کے پاس واپس جا سکتی تھیں۔ اس صورت حال سے آنحضور ﷺ باخبر تھے اور ان کی تکالیف اور مصیبتوں کو کم کرنے کے خواہاں بھی۔ اسی دوران حضرت اُمّ سلمہ کے ہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ آپؓ کی عدت کی میعاد پوری ہونے کے بعد حضرت ابوبکر نے انہیں شادی کا پیغام دیا جسے حضرت اُمّ سلمہ نے قبول نہ فرمایا۔ (طبقات) بعد میں حضرت عمر نے حضور ﷺ کی جانب سے نکاح کا پیغام دیا جس کے جواب میں حضرت اُمّ سلمہ نے چند عذر پیش کئے کہ وہ نہایت سریع الحس اور خوددار ہیں۔ دوسرے بااولاد ہیں۔ تیسرے عمر بھی ڈھل چکی ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے ان تینوں وجوہ کو قبول کر لیا تو انہیں بھی کوئی اعتراض نہیں رہا اور انہوں نے عربوں کے دستور کے مطابق اپنے بیٹے عمر سے فرمایا کہ وہ حضور ﷺ سے ان کا نکاح پڑھا دیں۔ (سنن نسائی) لہٰذا حضرت اُمّ سلمہ کی شادی شوال ۴ھ کے آخری ایام میں آنحضور ﷺ سے ہوگئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شوہر سے جدائی کے ابدی غم کو راحت سے بدل کر انہیں حضور ﷺ جیسا شوہر عطا فرمایا۔

حضرت اُمّ سلمہ کی ذات میں انتہائی شرم و حیا کا عنصر غالب تھا اور حضور ﷺ سے نکاح کے کچھ عرصے بعد تک جب وہ آپ ﷺ کے ہاں تشریف لائیں تو آپ بوجہ شرم و حجاب اپنی صاحبزادی حضرت زینب کو اپنی گود میں بٹھا لیتیں۔ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت اُمّ سلمہ کے منہ بولے بھائی تھے، جب اس بات کا پتا چلا تو انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو نہ صرف اس سے منع فرمایا بلکہ ان کی بچی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد میں آہستہ آہستہ ام سلمہ کی جھجک میں کمی آنے لگی اور انہوں نے اپنے آپ کو بدلے ہوئے حالات کے مطابق ڈھال لیا۔

حضور ﷺ کو اُمّ سلمہ سے بڑی محبّت تھی اور ایک مرتبہ جب ازواج مطہرات کو آنحضرت ﷺ سے کوئی معاملہ پیش کرنے کا وقت آیا تو ان سب نے اس کام کے لئے حضرت اُمّ سلمہ کو منتخب کیا کہ وہ سب کی جانب سے اسے آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش فرمائیں۔

حضرت اُمّ سلمہ کو آنحضرت ﷺ کے آرام و راحت کا بے حد خیال رہتا تھا۔ انہوں نے اپنے غلام حضرت سفینہ کو اس شرط پر آزاد کر دیا تھا کہ وہ تمام عمر حضور ﷺ کی خدمت گزاری کرتے رہیں گے۔ (مسند احمد)۔

صلح حدیبیہ میں

عام مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کی شرائط ناپسند تھیں۔ ان کے خیال میں یہ کفار کے لئے سود مند تھیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس سال مسلمان مکہ مکرمہ نہ جائیں بلکہ بلا حج کئے واپس لوٹ جائیں لہٰذا حضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو ہدایت کی کہ وہ حدیبیہ کے مقام پر قربانی کریں اور یہیں سے گھروں کو واپس لوٹ جائیں۔ چونکہ مسلمانوں کو اس بات کا سخت صدمہ تھا، اس لئے انہوں نے باوجود بار بار تاکید کے اس پر عمل نہیں کیا۔ حضور ﷺ کو ان کا یہ عمل ناپسند ہوا جس کی بابت انہوں نے حضرت اُمّ سلمہ سے شکایت کی۔ اس سفر میں حضرت اُمّ سلمہ آنحضور ﷺ کے ساتھ شریک تھیں۔ جب آنحضور ﷺ نے یہ کیفیت حضرت اُمّ سلمہ سے بیان کی تو حضرت اُمّ سلمہ نے جواباً نبی کریم ﷺ کو مشورہ دیا کہ اس وقت آپ ان لوگوں سے کچھ نہ کہیں بلکہ ان کے سامنے (کھلی جگہ پر) قربانی کریں اور سر منڈوالیں اور احرام کھول دیں۔ آپ ﷺ نے ان کے کہنے کے مطابق عمل کیا جسے تمام لوگوں نے دیکھا اور سمجھ گئے کہ ان احکام کی پابندی لازمی ہے لہٰذا انہوں نے بھی آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے قربانی کی اور اپنے سروں پر استرا پھروایا بلکہ اس کام میں عجلت کی خاطر انہوں نے ایک دوسرے کے سر مونڈنا شروع کر دیئے تاکہ اس کام سے جلد از جلد فارغ ہو جائیں۔ (بخاری)

اس واقعے سے حضرت اُمّ سلمہ کی دانائی اور فراست کا اندازہ

ہو سکتا ہے۔

حضرت اُمّ سلمہ نے غزوۂ خیبر میں حصہ لیا اور مرحب سے اپنے مقابلے کا ذکر سنایا جو ایک یہودی تھا۔ حضرت اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ جب ان کی تلوار اس کے چہرے پر پڑی تو اس کے منہ سے دانت جھڑنے لگے اور ایک عجیب سی بھیانک آواز اس کے منہ سے نکلی جو انہیں عرصہ تک یاد رہی۔ اس کے بعد کئی دن تک حضرت ام سلمہ نے روزے رکھے۔

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات میں حضرت اُمّ سلمہ کا درجہ حصول علم و فضل میں حضرت عائشہ کے بعد آتا ہے۔ عصابہ کے مصنف نے حضرت اُمّ سلمہ کی سحر انگیز شخصیت اور ان کی خصوصیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"حضرت اُمّ سلمہ قدرتی حسن کی مالک تھیں اور ساتھ ہی ان میں ذہنی صلاحیتیں، بصیرت، قوت ادراک اور قوت فیصلہ بدرجہ اتم موجود تھیں۔ حضرت اُمّ سلمہ نے بے شمار احادیث اپنے پہلے شوہر ابوسلمہ، حضرت فاطمہ اور حضور ﷺ سے نقل کی ہیں اور متعدد مصنفین نے ان کے حوالے سے بھی کافی احادیث شریفہ منقول کی ہیں۔"

حضرت اُمّ سلمہ کی علمی قابلیت کے علاوہ ان کی ذات نہایت ذہین الطبع اور معاملہ فہم تھی۔ حضرت ابوہریرہ فرمایا کرتے تھے کہ بحالت جنابت روزہ رکھنا جائز ہے۔ جب کسی شخص نے اس بارے میں حضرت عائشہ اور حضرت اُمّ سلمہ سے تصدیق چاہی تو انہوں نے اس فعل کو جائز قرار دیا اور اس شخص سے کہا کہ خود حضور ﷺ نے بحالت جنابت روزے رکھے ہیں۔ اس پر حضرت ابوہریرہ کو شرمندگی محسوس ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس بارے میں روایت فضل بن عباس سے سنی تھی، لیکن ان دونوں محترم خواتین کا بیان قابل اعتبار اور درست مانتا ہوں۔

حضرت اُمّ سلمہ نے کسی شخص کو ایک مسئلہ بتایا، لیکن وہ مطمئن نہیں ہوا اور مزید معلومات کے لئے دیگر ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضری دی۔ جب ان سب نے آپؓ کے بیان کردہ مسئلے کی تصدیق فرمادی تو وہ دوبارہ آپؓ کی خدمت میں پہنچا اور ماجرا بیان کیا۔ حضرت اُمّ سلمہ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم مطمئن رہو، کیونکہ یہ مسئلہ میں نے از خود حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے۔

حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ یوں تو تمام امہات المؤمنین کو احادیث مبارکہ یاد تھیں، لیکن ان دو خواتین یعنی حضرت عائشہ اور حضرت اُمّ سلمہ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ابن قیم کا خیال ہے کہ اگر حضرت اُمّ سلمہ کے تمام اقوال کا مجموعہ اکٹھا کیا جائے تو ایک ضخیم رسالہ بن جائے۔

وفات

حضرت اُمّ سلمہ کی حیات مبارکہ جملہ ازواج مطہرات میں سب سے طویل تھی۔ زرقانی کے بقول ان کی وفات ۸۴ سال کی عمر میں واقع ہوئی۔ حضرت ام سلمہ کی وفات کا سن ۶۳ھ بتایا جاتا ہے۔ نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ نے پڑھائی اور جنت البقیع کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ اس وقت ولید بن عتبہ مدینہ منورہ کا حاکم تھا جو ابوسفیان کا پوتا تھا۔ حضرت اُمّ سلمہ کی وصیت تھی کہ ان کی نماز جنازہ حاکم مدینہ کے علاوہ کوئی اور شخص پڑھائے لہٰذا انہوں نے حضرت ابوہریرہ کو اس فرض کی ادائیگی کے لئے منتخب فرمایا۔

حضرت اُمّ سلمہ کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بقول واقدی، حضرت اُمّ سلمہ کی تاریخ وفات ۵۹ھ ہے جب کہ ابراہیم حربی ۶۳ھ بیان کرتے ہیں۔ امام بخاری اپنی کتاب تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت اُمّ سلمہ کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی۔ دیگر مصنفین نے ۶۱ھ لکھی ہے کہ جس سال شہادت حضرت حسین کا واقعہ ہوا۔

حضرت اُمّ سلمہ کی پہلے شوہر سے چار اولادیں تھیں جس میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

(الف) — حضرت سلمہ، صاحبزادے جو ابی سینیا میں پیدا ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہ کی صاحبزادی سے فرمادیا تھا۔

(ب)— حضرت عمر، صاحبزادے جنہوں نے اپنی والدہ کا نکاح حضور ﷺ سے پڑھایا تھا اور حضرت عمر کے دور حکومت میں وہ بحرین اور فارس کے گورنر تھے۔

(ج)— حضرت دراہ، صاحبزادی جن کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ حضور ﷺ شاید ان سے عقد فرمائیں لیکن حضور ﷺ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے منھ بولے بھائی کی بیٹی سے شادی کس طرح کر سکتے ہیں۔

(د)— حضرت براہ، صاحبزادی جن کا نام تبدیل کر کے حضور ﷺ نے زینب رکھ دیا تھا۔

⇦ازدواجی زندگی + خیبر، غزوہ + حدیبیہ، صلح۔

✽ اُمّ سلیم: صحابیہ، اُمّ حرام کی بہن۔ ان کا نام رملہ یا سہلہ بنت ملحان بن خالد تھا۔ اُمّ سلیم اور اُمّ انس کنیت تھی جبکہ غمصا اور امیصا لقب تھے۔ پہلا نکاح مالک بن نصر سے ہوا جن سے حضرت انس پیدا ہوئے۔ حضرت اُمّ سلیم مسلمان ہوئیں لیکن ان کا شوہر مسلمان نہ ہوا اور انہیں چھوڑ کر شام چلا گیا۔ دوسرا نکاح حضرت ابو طلحہ سے ہوا، لیکن وہ بھی ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حضرت اُمّ سلیم نے ان سے کہا کہ میرا مہر اسلام ہے۔ حضرت ابو طلحہ سے ان کے ہاں ابو عمیر اور عبداللہ پیدا ہوئے۔

ام سلیم بہت بہادر صحابیہ تھیں۔ نبی کریم ﷺ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے اُمّ سلیم پر رحم آتا ہے۔ حضرت اُمّ سلیم سے احادیث بھی روایت کی جاتی ہیں۔ لوگ اکثر ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ حضرت اُمّ سلیم نے حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

✽ ام عبیس: ایک صحابیہ اور کنیز۔ چونکہ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئی تھیں، اس لئے ان پر بے انتہا ظلم کیا جاتا۔ حضرت ابوبکر نے ان کو خرید کر آزاد کرایا۔ ⇦ابوبکر صدیقؓ

✽ ام عمارہ: صحابیہ۔ نام نسیبہ بنت کعب تھا۔ قبیلہ بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہجرت سے چالیس برس پہلے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا جن سے عبداللہ اور حبیب نامی دو لڑکے ہوئے۔ دوسرا نکاح عربہ بن عمرو سے ہوا۔ اس سے بھی دو بیٹے ہوئے۔ مصعب بن عمیر کے مدینہ میں تبلیغ اسلام کے ذریعے ابتدا میں اسلام لے آئی تھیں۔ غزوۂ احد میں نہایت بہادری سے لڑیں۔ اس غزوہ میں ان کے گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ کلائی سے کٹ گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ، حضرت عمر کے دور میں حیات تھیں لہٰذا حضرت عمر نے ایک قیمتی زر کا دوپٹہ جو مال غنیمت میں آیا تھا، انہیں عطا کیا۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

✽ ام عطیہ: صحابیہ۔ نام نسیبہ بنت حارث تھا۔ مدینہ میں پیدا ہوئیں۔ ان خواتین میں سے تھیں جو غزوات میں شریک رہتیں۔ اُمّ عطیہ سات غزوات میں شامل رہیں۔ ۸ھ میں حضرت زینب کے انتقال پر انہیں حضر اُمّ عطیہ نے غسل دیا۔

✽ ام کلثوم بنت محمد ﷺ: نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی جو حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حضرت اُمّ کلثوم، حضرت فاطمہ سے بڑی اور حضرت رقیہ سے چھوٹی تھیں۔ حضرت اُمّ کلثوم کی تاریخ ولادت کا حوالہ کتابوں میں نہیں ملتا، لیکن قرین قیاس ہے کہ آپؓ کی ولادت آنحضور ﷺ کے نبوت پانے سے چھ سال قبل ہوئی تھی۔

اُمّ کلثومؓ کے بچپن کا دور نہایت ہنگامہ خیز تھا۔ حضرت اُمّ کلثوم کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا، لیکن نبی کریم ﷺ کو نبوت ملنے کے بعد باپ اور بیٹے اسلام، رسول اللہ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ کے دشمن ہوگئے تو اُمّ کلثوم کو طلاق ہوگئی۔ جب حضرت رقیہ کا انتقال ہوگیا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت اُمّ کلثوم کی شادی حضرت عثمان سے کر دی۔ چنانچہ حضرت عثمان کو اسی مناسبت سے "ذوالنورین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ حضرت اُمّ کلثوم سے پہلے حضرت رقیہ حضرت عثمان کے عقد میں تھیں۔ حضرت اُمّ کلثوم نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد حضرت سودہ اور حضرت

فاطمہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی اور بقیہ زندگی یہیں گزاری۔

شعبان ۹ھ میں حضرت اُمّ کلثوم کا انتقال ہوا۔ انصاری خواتین نے اُمّ عطیہ کے ہمراہ انہیں غسل دیا اور آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت ابوطلحہ، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس اور عثمان بن زید نے آپؓ کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا۔

*** ام کلثوم بنت عقبہ:** صحابیہ، دشمن اسلام عقبہ کی بیٹی۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے باپ اور بھائی تکالیف پہنچاتے تھے یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کے بعد بنی خزاعہ کے ایک شخص کے ساتھ چپکے سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بھائی تعاقب میں گئے، لیکن وہ مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ چکی تھیں۔ اُمّ کلثوم کے بھائیوں نے صلح حدیبیہ کی رو سے مطالبہ کیا کہ ان کی بہن کو ان کے حوالے کر دیا جائے تو قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ تھا کہ اے مؤمنو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو۔ اللہ ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے حوالے نہ کرو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اُمّ کلثوم کو ان کے بھائیوں کے حوالے نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارث سے کیا۔ زید بن حارث کے غزوۂ موتہ میں شہادت کے بعد ان کا نکاح حضرت زبیر بن عوام سے ہوا۔ حضرت زبیر کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن عاص کے نکاح میں آئیں۔ اس نکاح کے ایک ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

*** ام کلثوم بنت فاطمہ:** نبی کریم ﷺ کی نواسی، حضرت علی کی صاحبزادی، پہلا نکاح حضرت عمر سے ہوا اور ان کی شہادت کے بعد عون بن جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں آئیں۔ ان کی وفات کے بعد محمد بن جعفر کے نکاح میں آئیں۔ جب محمد بن جعفر بھی شہید ہو گئے تو عبداللہ بن جعفر سے نکاح ہوا۔ ۴۹ھ (۶۶۹ء) میں وفات پائی۔

*** ام ورقہ بنت عبداللہ:** صحابیہ جو انصار کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کے مدینہ ہجرت کرنے پر مسلمان ہوئیں۔ غزوۂ بدر میں اُمّ ورقہ نے نبی کریم ﷺ سے جنگ میں شرکت کی اجازت مانگی اور شہادت کی خواہش ظاہر کی۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے گھر پر رہنے کو کہا اور فرمایا کہ تم گھر میں رہو، اللہ تم کو یہیں شہادت عطا کرے۔ یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت اُمّ ورقہ نے ایک بار اپنے غلام اور لونڈی سے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ ان دونوں کی نیت خراب ہو گئی۔ چنانچہ رات کو ان دونوں نے حضرت اُمّ ورقہ کو شہید کر ڈالا۔ یہ حضرت عمر کے دور کا واقعہ ہے۔ تحقیق پر ان دونوں غلام اور باندی کو پھانسی کا حکم دیا گیا۔

*** ام ہانی:** صحابیہ، حضرت علی کی بہن۔ ان کا نام فاختہ بنت ابوطالب تھا۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ ۸ھ کو فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ ہبیرہ بن عمر مخزومی سے نکاح ہوا تھا، لیکن فتح مکہ کے بعد اسلام لانے کے بجائے وہ نجران بھاگ گیا۔ اُمّ ہانی نے حضرت امیر معاویہ کے دور میں وفات پائی۔ حضرت اُمّ ہانی سے ۴۶ احادیث مروی ہیں۔ اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ سے اکثر مسائل دریافت کرتی رہتی تھیں۔

*** امالی:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ پہلے زمانے میں تدریس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد اپنی یاد کی ہوئی حدیثیں شاگردوں کو املا کراتا تھا۔ اس طرح شاگردوں کے پاس جو مجموعہ تیار ہوتا تھا اسے شیخ کی "امالی" کہتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر کی امالی مشہور ہیں۔ جب طباعت کا رواج عام ہو گیا تو احادیث کی تدریس کے لئے املا کی ضرورت باقی نہ رہی۔ لیکن احادیث کی تشریح اور اس کے متعلقات جو استاد بطور تقریر بیان کرتا ہے اسے قلم بند کرنے کا دستور اب تک جاری ہے اور آج کل انہی تقاریر کو "امالی" کہتے ہیں۔ اس نوع کی بہت سی تقاریر شائع ہو چکی ہیں جن میں مفصل ترین کتاب "فیض الباری" ہے جو صحیح بخاری پر علامہ انور شاہ کشمیری کی تقاریر کا مجموعہ ہے جسے مولانا بدر عالم میرٹھی نے مرتب کیا۔ اسی طرح علامہ کشمیری کی تقاریر ترمذی ہے جو "العرف الشذی" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح "الکوکب الدری" ترمذی پر حضرت گنگوہی کی امالی ہیں اور "لامع الدراری" بخاری پر انہی

کی امالی ہیں جسے مولانا محمد یحییٰ سہارنپوری نے مرتب کیا۔

امامہ بنت ابوالعاص: نبی کریم ﷺ کی نواسی اور حضرت زینب کی بیٹی۔ نبی کریم ﷺ کو امامہ بنت ابوالعاص سے بہت محبت تھی کہ اوقات نماز میں بھی کبھی خود سے ان کو جدا نہ کرتے۔ صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ ان کو کندھے پر بٹھا کر نماز پڑھتے۔ جب ۸ ھ میں حضرت زینب کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو امامہ کے نکاح کی وصیت کی تھی۔ حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا تو حضرت زبیر نے حضرت علی سے ان کا نکاح کر دیا۔ ان کے بطن سے محمد الاوسط پیدا ہوئے۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد ان کا نکاح مغیرہ بن نوفل سے ہوا اور یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے۔ لیکن بعض روایتوں کے مطابق امامہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت امامہ کا انتقال صفرا کے مقام پر ہوا۔

اُمّت محمدیہ: حضرت محمد ﷺ کی امت۔ اس سے مراد آنحضور ﷺ کے بعد آنے والے قیامت تک کے انسان ہیں۔ قاموس القرآن میں ہے کہ "امت" کے معنی "ماں" کے ہیں۔ ہر اس جماعت کو "امۃ" کہتے ہیں جس میں کوئی مذہب یا وطن یا زمانہ مشترک ہو۔ گویا یہ مشترکہ چیز بمنزلہ ماں کے ہے اور یہ جماعت بمنزلہ اولاد کے ہے۔ علما کے مطابق اُمّت محمدیہ میں اُمّت مسلمہ اور اُمّت کفریہ دونوں شامل ہیں۔

اموال: کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی عہدوں میں سے ایک عہدہ۔ اس کا عہدے دار خزانے کا مہتمم ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حارث بن قیس اس عہدے پر فائز تھا۔

امی: ناخواندہ جو پڑھا لکھا نہ ہو۔ حضرت محمد ﷺ کا لقب، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ قرآن پاک میں دو جگہ یہ لفظ آیا ہے۔ (۷ = ۱۶۷ اور ۴ = ۱۵۸) بعض علما نے امی سے "عامی" مراد لیا ہے یعنی جو "عامۃ الناس" کی صفت پر ہو۔ بعض علما کے نزدیک امی کا لفظ اُمّ (ماں) سے منسوب ہے یعنی جس کے ماں باپ بچپن ہی میں فوت ہو گئے ہوں۔

امین: آنحضرت ﷺ کا لقب۔ اس کے معنی ہیں "وہ شخص جس پر لوگ اعتماد کریں اور اس کے پاس اپنی امانتیں رکھوائی جائیں۔ نبی کریم ﷺ چونکہ نہایت ہی امین ثابت ہوئے تھے یعنی جو بھی ان کے پاس کوئی امانت رکھواتا آپ ﷺ پوری دیانت داری سے اس امانت کی حفاظت کرتے اور مطالبہ کرنے پر فوراً لوٹا دیتے، اس لئے نبی کریم ﷺ کو مکہ کے کافر "امین" کے لقب سے یاد کرنے لگے۔

اس کے علاوہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی "امین الوحی" کہا گیا ہے، کیونکہ ان کے پاس وحی جیسی امانت تھی اور وہ یہ امانت پیغمبروں کے سپرد کیا کرتے تھے۔

امیہ بن خلف: کفار قریش میں سے ایک اور اسلام کا سخت ترین دشمن۔ قریش کی شاخ بنو جمح سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح قرشی جمحی۔ "ایسار" کا عہدہ اسی کے پاس تھا اور پانسہ ڈالنے کے تیر اسی کی تحویل میں رہتے تھے۔ اس کام کی وجہ سے امیہ بن خلف بہت مال دار ہو گیا تھا۔ چنانچہ مکہ والے اسے "شداد البطحا" کہتے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا تو امیہ بن خلف اور اس کے بھائی اُبی بن خلف نے مل کر آپ ﷺ کی سخت مخالفت کی اور اسلام لانے والے مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیں۔ موذن رسول ﷺ حضرت بلالؓ حبشی امیہ ہی کے غلام تھے، اس لئے وہ حضرت بلالؓ کو خوب تکالیف پہنچایا کرتا۔ اس کی یہ تکالیف سیرت کی کتب میں موجود ہیں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر امیہ بن خلف اپنے سارے کنبے کے ہمراہ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت سے لڑنے کے لئے بڑے جوش و خروش کے ساتھ آیا۔ لیکن جب کفار کے لشکر کو شکست ہوئی اور کفار نے بھاگنا شروع کر دیا تو امیہ بن خلف کا ٹکراؤ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے ہو گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور امیہ بن خلف کی زمانۂ جاہلیت میں دوستی تھی۔ امیہ نے ان تعلقات کا حوالہ دے کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے گزارش کی کہ وہ اسے قتل ہونے سے بچالیں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے زرہیں پھینک دیں اور امیہ اور اس

کے بیٹے علی کو ساتھ لے کر (غالباً) آنحضرت ﷺ کی طرف چلے۔ راستے میں حضرت بلال حبشیؓ (جن کے ساتھ کچھ دوسرے مسلمان بھی تھے) نے امیہ بن خلف کو دیکھا تو وہ پکار اٹھے:

"اے انصار اللہ! اے انصار اللہ! یہ مشرکوں کا سرغنہ امیہ بن خلف جارہا ہے۔ اس کو چھوڑنے میں بھلائی نہیں ہے۔ دیکھنا بچ کر نہ جانے پائے۔"

یہ سنتے ہی حضرت بلال اور ان کے ساتھ دیگر مسلمان امیہ اور اس کے بھائی علی پر ٹوٹ پڑے۔ اگرچہ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ یہ دونوں میرے قیدی ہیں، لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی اور ان دونوں کو قتل کر ڈالا۔ امیہ اور علی کو بچاتے بچاتے خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی زخمی ہوئے، لیکن وہ امیہ بن خلف اور علی بن امیہ کو نہ بچا سکے۔

امیہ بن عبد شمس: قریش مکہ کے قبیلہ بنو امیہ کا مورث اعلیٰ۔ وہ نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا چچازاد بھائی تھا۔ امیہ ایک طویل عرصے تک قریش کی جانب سے جنگوں کی سپہ سالاری کرتا رہا۔ سپہ سالار کی یہ ذمے داری امیہ کے بعد اس کے بیٹے حرب کے حصے میں آئی ہے اور پھر حرب سے ابوسفیان کو ملی۔

⇦ حرب بن امیہ + ابوسفیان۔

امیہ، بنو: قریش کا ایک خاندان جس کا مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمس تھا۔ اموی خلافت کا سلسلہ اسی خاندان سے چلا۔ حضرت علی کے زمانے میں حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان بن حرب بن امیہ نے بھی اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ اس طرح اموی خلافت کا آغاز ہوا۔

⇦ امیہ بن عبد شمس + حرب بن امیہ + ابوسفیان۔

ان

انبیائے کرام: وہ نیک بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں تک اپنا خاص پیغام پہنچانے کے لئے اس دنیا میں بھیجا۔ انبیا "نبی" کی جمع ہے۔ ⇦ نبی۔

انس بن اوس: صحابی رسول ﷺ۔ پورا نام انس بن اوس بن عتیک بن عمرو تھا۔ انصار کے قبیلہ عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے۔ ایس بن اوس ان کے حقیقی بھائی تھے حضرت انس بن اوس نے غزوۂ خندق میں جام شہادت نوش کیا۔

انس بن مالک: صحابی رسول ﷺ جن کی کنیت ابوحمزہ تھی۔ قبیلہ بنو خزرج سے تعلق تھے۔ بطور محدث و معلم ان کا صحابہ میں بلند مقام ہے۔ حضرت انس کے والد نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن ان کی والدہ ہجرت کے بعد اسلام لائیں اور حضرت انس کی والدہ کے کہنے پر نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے طویل عمر کی دعا کی لہٰذا انہوں نے ایک طویل عمر پائی۔ بعض کے مطابق، ان کے سولڑکے لڑکیاں تھے۔ اور بعض کے مطابق ۸۷ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ ۸ غزوات میں شرکت کی۔ بصرہ میں ۱۰۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت انس بن مالک سے ۲۲۸۶ حدیثیں مروی ہیں۔ صحابہ میں سب سے آخر میں انہی کا انتقال ہوا۔

انس بن مالک کعبی: صحابی رسول ﷺ۔ ان کی کنیت ابوامامہ ہے۔

انس بن مرثد: صحابی رسول۔ وہ مرثد بن ابی مرثد کے بیٹے تھے۔ ابی مرثد کا اصل نام کناز بن حصین تھا۔ دوسرے قول کے مطابق، ان کا نام انیس تھا۔ ابن عبدالبر کے مطابق یہ وہی انیس ہیں جو فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں شریک تھے۔ ایک اور قول کے مطابق، یہ وہی انیس ہیں جن سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے انیس! صبح کو اس عورت سے مل کر پوچھو، اگر اس نے زنا کا اقرار کیا تو اس کو سنگسار کر دینا۔ ایک اور قول کے مطابق، یہ دوسرے انیس تھے۔ واللہ اعلم۔ حضرت انس یا حضرت انیس کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی۔

انس بن معاویہ: صحابی رسول ﷺ۔ ان کا نسبی تعلق بنو

عمرو بن مالک سے تھا۔ حضرت انس بن معاویہ قراء صحابہ کی جماعت کے اہم رکن تھے۔ بیرِ معونہ کے مقام پر شہید ہوئے۔

*** انس بن نضر:** صحابیِ رسول ﷺ۔ حضرت انس بن مالک کے چچا تھے اور قبیلہ نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت انس بن نضر غزوۂ احد میں نبی کریم ﷺ کی حفاظت میں پیش پیش تھے۔ اسی جنگ میں شہادت نوش کی۔ ۸۰ کے قریب زخم آئے۔ کفار نے ان کی لاش کو بری طرح مسلا کیا ان کی بہن ربیعہ بنت نضر نے ان کی انگلیوں کے پوروں سے انہیں پہچانا۔

*** انشقاق قمر:** رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں انجام پانے والا ایک معجزہ جس میں آنحضور ﷺ نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ⇦ شق القمر+ معجزہ۔

*** انصار:** مدینہ کے وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر کے نبی کریم ﷺ اور مکہ کے مہاجر مسلمانوں کی مدد کی۔

انصار دراصل یمن کے باشندے تھے اور خاندان قحطان سے تھے۔ جب یمن میں مشہور سیلاب "سیل عرم" آیا تو یہ لوگ یمن سے یثرب (مدینہ) میں آکر آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے، اوس اور خزرج۔ چنانچہ انصار انہی دو خاندانوں میں سے ہیں۔ جس زمانے میں یہ لوگ یمن سے ہجرت کر کے یثرب آئے اس وقت یہاں پر یہود کا اقتدار اور اثر تھا۔ انصار نے ان سے دوستی کا معاملہ کر لیا، لیکن جیسے جیسے انصار کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا ان کا اثر علاقے میں بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر یہود نے ان سے معاہدہ توڑ لیا۔ انہی یہود کا ایک رئیس فطیون تھا۔ وہ نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اس نے یہ حکم جاری کیا کہ جو لڑکی بیاہی جائے، پہلے اس کی خوابِ گاہ میں آئے۔ یہود نے تو اس حکم کو گوارا کر لیا تھا، لیکن انصار نے یہ حکم نہ مانا۔ اس زمانے میں انصار کا سردار مالک بن عجلان تھا۔ جب اس کی بہن کی شادی ہونے لگی تو وہ عین شادی کے دن اپنے بھائی کے سامنے جان بوجھ کر بے پردہ ہو کر گزری۔ اس پر بھائی نے بہن کو ملامت کیا تو بہن نے کہا کہ کل جو کچھ ہو گا، اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ سن کر مالک کو بہت طیش آیا۔ اگلے روز حسب دستور جب اس کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خواب گاہ کی طرف گئی تو اس کا بھائی مالک بھی زنانہ کپڑے پہن کر اندر چلا گیا اور فطیون کو قتل کر کے ملک شام بھاگ گیا۔

شام میں اس وقت غسانیوں کی حکومت تھی۔ یہاں کے حکمران کا نام ابوجبلہ تھا۔ مالک سے یثرب کے حالات سن کر ابوجبلہ نے اپنے ہمراہ ایک بڑی فوج لے کر یثرب کا قصد کیا۔ یثرب پہنچ کر اوس اور خزرج کے رؤسا کو بلا کر اس نے تحائف سے نوازا۔ پھر یہود کے امرا کی دعوت کی اور دھوکے سے ایک ایک کر کے ان کو قتل کرا دیا۔ یوں یہود کا زور ٹوٹ گیا اور انصار کی قوت علاقے میں بڑھنے لگی۔ اب اس علاقے میں اوس اور خزرج (انصار) نے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے۔ ابتدا میں دونوں قبائل متحد ہو کر رہے، لیکن پھر آپس میں لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ بعاث کی لڑائی (⇦ بعاث، جنگ) ہوئی جس میں دونوں قبیلوں کے نامور جنگجو لڑ کر مر گئے۔

انصار اگرچہ یہود سے نفرت کرتے تھے، لیکن ان کی علمی قابلیت کے معترف تھے، اس لئے ان پر یہود کے علمی رتبے کا بڑا اثر تھا یہاں تک کہ اگر کسی انصار کی اولاد زندہ نہ رہتی تو وہ منت مانتا کہ بچہ زندہ رہا تو وہ اس کو یہودی بنا دے گا۔

⇦ مدینہ۔

انصار کا اسلام

اگرچہ ۱۰ نبوی میں عقبہ کے مقام پر یک دم چھ انصار نے اسلام قبول کیا، لیکن اس سے پہلے چند ایک واقعات مسلسل ایسے پیش آتے رہے تھے کہ اسلام کا اثر انصار پر پڑ رہا تھا۔ ۱۰ نبوی ماہ رجب میں جب متعدد قبائل حج کے لئے آئے تو نبی کریم ﷺ ان کے پاس اسلام کی تبلیغ کے لئے گئے۔ عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ نے خزرج کے چند افراد کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے ان کا نام و نسب پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ آپ ﷺ نے دعوت اسلام دی اور قرآن پاک کی آیات سنائیں۔ خزرج کے لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا، "دیکھو!

یہود ہم سے اس میں بازی نہ لے جائیں۔" یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ یہ مندرجہ ذیل اشخاص تھے:

❶ ابوالہیثم بن تیہان۔
❷ ابوامامہ اسعد بن زرارہ۔
❸ عوف بن حارث۔
❹ رافع بن مالک بن عجلان۔
❺ قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔
❻ جابر بن عبداللہ بن ریاب۔

اس کے بعد سن ۱۱ھ میں بیعت عقبہ اولیٰ اور سن ۱۲ھ میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔ ⇦ بیعت عقبہ اولیٰ + بیعت عقبہ ثانیہ + مدینہ۔

٭ انور شاہ کشمیری، مولانا: محدث اور عالم دین۔ ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ (۲۶ نومبر ۱۸۷۵ء) کو پیدا ہوئے اور ۲ صفر ۱۳۵۲ھ (۲۷ مئی ۱۹۳۳ء) میں وفات پائی۔ والد کا نام مولانا محمد معظم شاہ تھا۔ مولانا انور نے قرآن شریف اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ وہ ۹ برس کی عمر میں صرف و نحو کی مطولات کا مطالعہ کر چکے تھے اور ۱۲ سال کی عمر میں فتاویٰ دینے لگے تھے۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں ہزارہ سے دیوبند آئے اور مولانا محمود الحسن، مولانا خلیل، مولانا محمد اسحاق وغیرہ کی علمی صحبتوں سے چار سال تک استفادہ کیا اور اس کے بعد گنگوہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے پاس حاضر خدمت ہوئے۔ یہاں مسند حدیث کے علاوہ فیوض باطنی بھی حاصل کئے۔ مولانا حبیب الرحمان نے مولانا انور شاہ کا نکاح گنگوہ کے ایک سید خاندان میں کرایا۔ مولانا انور ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۷ء) تک مدرسہ دیوبند کے صدر مدرس رہے اور پھر ڈابھیل میں جامعہ اسلامیہ چلے گئے جہاں ۱۳۵۱ھ تک درس حدیث دیتے رہے۔ تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند میں ان کا انتقال ہوا۔ فیض الباری، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد کی شرحیں آپ کی ان تصانیف میں سے ہیں جن کو مختلف علما نے جمع کیا۔

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جن علما نے اہم کردار ادا کیا، ان میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ ⇦ ختم نبوت، تحریک۔

٭ انیسہ: نبی کریم ﷺ کی رضاعی بہن یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ کی بیٹی۔ ان کی ایک اور بہن شیما تھیں۔ ⇦ حلیمہ سعدیہ۔

او

٭ اوس، بنو: مدینہ منورہ کا ایک قبیلہ جو یمن سے نکلا اور مدینہ (یثرب) میں آکر آباد ہوا۔ اوس کے معنی "عطیہ" کے ہیں۔ دور جاہلیت میں "اوس املات" اور "اوس منات" مشہور تھے۔ دور جاہلیت کی اوس اور خزرج قبائل کی لڑائیاں مشہور ہیں خاص طور پر جنگ بعاث جس میں اوس نے خزرج کو شکست دی تھی۔ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے اپنی ماں "قیلہ" کے نام پر بنو قیلہ اور ہجرت کے بعد "انصار" کہلائے۔

ابن سعد کے مطابق، ان کا نسب نامہ یہ ہے: اوس بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر بن حارثہ بن امری القیس بن ثعلبہ بن مازن بن الازد بن الغوث بن بنیّت بن مالک بن زید بن کہلان بن سباء بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

خزرج کے مقابلے میں اوس کے لوگ بہادر اور طاقتور تھے۔ بنی اوس کا مسکن مدینہ سے باہر کچھ فاصلے پر تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اوس اور خزرج کے درمیان صلح کرائی اور اس کے بعد ان دونوں قبائل نے اسلام قبول کرلیا۔ ⇦ انصار + بیعت عقبہ اولیٰ + بیعت عقبہ ثانیہ + مدینہ + یثرب۔

٭ اوس بن اوس: صحابی رسول ﷺ اوس ثقفی کے بیٹے تھے۔ ایک قول کے مطابق ابواوس کے بیٹے ہیں، اور یہ عمرو بن اوس کے والد ہیں۔ ان سے ابوالاشعث سمعانی اور ان کے بیٹے عمرو غیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔

٭ اولاد نبوی ﷺ: محمد ﷺ کے بیٹے اور بیٹیاں۔ متفق

علیہ روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی چھے اولاد تھیں: ① قاسم ② ابراہیم ③ زینب ④ اُمِ کلثوم ⑤ رقیہ ⑥ فاطمہ۔

ابن اسحاق نے مزید دو صاحبزادوں کا نام لیا ہے: طاہر اور طیب۔ تاہم لڑکیوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف نہیں ہے، صرف لڑکوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ان تمام اولادوں کے بارے میں تفصیل حروف تہجی کی ترتیب سے ان کے مندرجات میں دی گئی ہے۔

⇦ قاسم بن محمدؐ + ابراہیم بن محمدؐ + زینب بنت محمدؐ + ام کلثوم بنت محمدؐ + رقیہ بنت محمدؐ + فاطمہ بنت محمدؐ۔

✽ **اویس قرنی:** آنحضور ﷺ کے زمانے کے ایک مسلمان جن کا عشق رسول ﷺ مثالی ہے اور نہایت مشہور ہے۔ حضرت اویس قرنی نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حیات تھے، لیکن اپنی ضعیف والدہ کی خدمت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ ان کا نام اویس بن عامر تھا۔ یمن کے رہنے والے تھے۔ روایات کے مطابق حضرت قرنی ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں یمن کی امدادی فوج میں مدینہ منورہ آئے اور حضرت عمرؓ سے ملاقات کی۔ پھر بصرہ چلے گئے۔ حضرت عمرؓ سے دوسری ملاقات عرفات میں ہوئی۔ اس کے بعد آذربائیجان کے معرکے سے لوٹتے ہوئے بیمار ہو کر وفات پائی، لیکن ایک اور روایت کے مطابق جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی جانب سے شریک ہوئے اور تقریباً چالیس زخم کھائے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں۔

اہ

✽ **اہل بیت:** حضرت محمد ﷺ کے گھر والے۔ لغوی مطلب "گھر والے" ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: "اے اہل بیت نبی (ﷺ)! اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک صاف کر دے۔"

آنحضور ﷺ کے اہل خانہ کے بارے میں تفصیلی معلومات ہر فرد کے ردیف وار اندراج کی ترتیب میں دی جا رہی ہیں۔ یہ معلومات وہاں سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

✽ **اہل حدیث:** مسلمانوں کا ایک مسلک جس کے پیروکاروں کے نزدیک صرف حدیث کو سامنے رکھ کر عمل کرنا درست ہے۔ اہل حدیث کا کہنا یہ ہے کہ حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی اصل اسلام نہیں بلکہ خود حدیث کا مطالعہ کر کے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

تقریباً تیرہویں ہجری (اوائل بیسویں صدی عیسوی) میں اس نام یعنی اہل حدیث کی ابتدا ہوئی۔ ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) میں مولانا سید نذیر حسین دہلوی نے ہندوستان میں اس مسلک کو پھیلانا شروع کیا۔

✽ **اہل سُنّت والجماعت:** مسلمانوں کا ایک مسلک جو نبی کریم ﷺ اور آثار صحابہ پر عمل کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسلامی خلافت، سُنّت رسول ﷺ اور آثار صحابہ پر عمل کرنے کا دعویٰ کیا وہ لوگ "اہل سنت" کہلائے۔ اور جن لوگوں نے اس سے انکار کیا وہ خوارج اور معتزلہ کہلائے۔ لیکن آخر الذکر فرقہ دوسری صدی ہجری میں منظر عام پر آیا اور بہت جلد ختم ہو گیا۔

ای

✽ **ایاس بن بکیر:** صحابی رسول ﷺ۔ بکیر لیثی کے بیٹے تھے۔ ہجرت سے پہلے دار ارقم میں اسلام قبول کیا اور پھر غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں بھی شرکت کی۔ ۳۴ھ میں وفات پائی۔

✽ **ایاس بن عبداللہ:** صحابی رسول ﷺ۔ (لیکن اس میں اختلاف ہے)۔ وہ عبداللہ دوسی مدنی کے بیٹے تھے۔ امام بخاری کے مطابق ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہو سکا۔ ان سے عورتوں کو مارنے کے بارے میں صرف ایک حدیث روایت کی گئی ہے۔

ایام بیض: روشن دن۔ ان ایام سے مراد قمری مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں ہیں۔ دراصل ان تین تاریخوں میں چونکہ چاند پورا ہوتا ہے، اس لئے راتیں خوب روشن ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ ایام بیض کے روزے بھی رکھا کرتے تھے۔

ایام تشریق: ذوالحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخیں۔ یہ وہ دن ہیں جو حجاج حج کے دوران قربانی کرنے کے بعد منیٰ میں گزارتے ہیں۔ ان دنوں کو "ایام تشریق" اس لئے کہتے ہیں کہ ان ایام میں اہل عرب منیٰ میں قربانی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔

ایثار: قربانی۔ ⇐ اخلاق نبوی ﷺ۔

ایلا: حیات نبوی ﷺ کا ایک ناخوشگوار واقعہ جو ۹ھ میں پیش آیا۔ سیرت النبی ﷺ میں لکھا ہے کہ واقعہ "ایلا" اور "تخییر" ایک ہی واقعے کی دو کڑیاں ہیں۔ نیز مظاہرۂ حفصہ و عائشہ بھی اسی میں شامل ہے۔ اس واقعے کا تعلق نبی کریم ﷺ کے ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک قطع تعلق کر لینے اور خود پر شہد (یا ماریہ قبطیہ) کے بارے میں قسم کھا لینے سے ہے۔

رسول اللہ زاہدانہ اور تمام زخارف دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ ایک مدت تک دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ ازواج مطہرات اس جنس لطیف میں شامل تھیں جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ناز و نعمت ہے۔ گو شرف محبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان واقعات کا فطری تقاضا تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا۔

ازواج مطہرات میں بڑے بڑے گھرانوں کی خواتین تھیں۔ حضرت اُم حبیبہ تھیں جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت جویریہ تھیں جو قبیلہ بنی مصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں۔ حضرت صفیہ تھیں جن کا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا۔ حضرت عائشہ تھیں جو حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت حفصہ تھیں جن کے والد فاروق اعظم تھے۔

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ ﷺ نے شہد نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی۔ حضرت عائشہ کو شک ہوا اور انہوں نے حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول اللہ جب ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہئے کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں)۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو آنحضرت ﷺ نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری:

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو؟" (سورۂ تحریم:۱)

"اور جب کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر دی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی تو پیغمبر نے کہا، مجھ کو خدائے عالم خبیر نے خبر دی۔" (سورۂ تحریم:۱)

یہ معاملہ بڑھتا گیا اور حضرت عائشہ و حضرت حفصہ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی شان میں یہ آیتیں اتریں:

"اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے (یعنی رسول اللہ کے) مقابلے میں ایکا کرو تو خدا اور جبریل علیہ السلام اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں۔" (سورۂ تحریم:۱)

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے، لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج

مطہرات شریک تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ ﷺ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینے تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا۔ آپ ﷺ نے بالاخانے پر تنہا نشینی اختیار کی۔ واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو ہم حضرت عمر کی زبان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دلچسپ اور پر اثر تفصیل کے ساتھ اس واقعے کو بیان کیا ہے۔ اس بیان میں کچھ ابتدائی واقعات بھی آگئے ہیں جن سے اصل معاملے پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عمر فرماتے ہیں: میں اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان مالک) ہمسائے تھے اور معمول تھا کہ باری باری ایک دن بیچ دے کر ہم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے، ان پر غالب رہتے تھے، لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں۔ ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی۔ ایک دن میں نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا۔ انہوں نے الٹ کر جواب دیا۔ میں نے کہا، تم میری بات کا جواب دیتی ہو۔ بولیں، تم کیا ہو..... رسول اللہ کی بیویاں ان کو برابر کا جواب دیتی ہیں یہاں تک کہ دن بھر آنحضرت ﷺ سے روٹھی رہتی ہیں۔ میں نے دل میں کہا، غضب ہوگیا۔ اٹھ کر حفصہ (حضرت عمر کی صاجزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تم واقعی آنحضرت ﷺ سے رات بھر روٹھی رہتی ہو۔ حفصہ نے اقرار کیا۔ میں نے کہا، تمہیں یہ خیال نہیں کہ رسول ﷺ کی ناراضی اللہ کی ناراضی ہے۔ بخدا رسول اللہ میرا خیال فرماتے ہیں ورنہ تمہیں طلاق دے چکے ہوتے۔ پھر حضرت اُمّ سلمہ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہ شکایت کی۔ وہ بولیں کہ عمر! تم ہر معاملے میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔ میں چپ رہ گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔

کچھ رات گئے، میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا، خیر ہے۔ انہوں نے کہا، غضب ہوگیا۔ میں نے کہا، کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے۔ بولے کہ نہیں، اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ نے ازواج کو طلاق دے دی۔ میں صبح کو مدینہ آیا۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو کر بالاخانے میں تنہا جا کر بیٹھ گئے۔ میں حفصہ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے کہا، تجھ سے پہلے ہی کہا تھا۔ حفصہ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی ﷺ میں آیا۔ دیکھا تو صحابہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا، لیکن طبیعت کو سکون نہیں ہوتا تھا۔ اٹھ کر بالاخانے کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا، اطلاع کرو۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ میں اٹھ کر پھر مسجد میں آیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بے تاب ہو کر بالاخانے کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ جب کچھ جواب نہیں ملا تو میں نے پکار کر کہا، رباح! میرے لئے اذن مانگ، شاید رسول اللہ کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم، رسول اللہ فرمائیں گے تو حفصہ کی گردن اڑا دوں۔ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی۔ اندر گیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کھرّی چارپائی پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ نے سبب پوچھا تو میں نے عرض کی، اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا کہ قیصر و کسریٰ باغ بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور پیغمبر ہو کر آپ ﷺ کی یہ حالت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لے لیں اور ہم آخرت۔

میں نے عرض کی، کیا آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں! میں اللہ اکبر پکار اٹھا۔ پھر عرض کی کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں، اجازت ہو تو جا کر خبر کر

دوں کہ واقعہ غلط ہے۔

چونکہ "ایلا" کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تھا، اس لئے آپ ﷺ بالا خانے سے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی:

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب و آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بہ طریق احسن رخصت کر دوں اور اگر خدا اور خدا کا رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔" (سورۂ احزاب: ۴)

اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں.... دنیا اور آخرت۔ اگر تم چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسول اور ابدی زندگی کی طلب گار ہو تو خدا نے نیکو کاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ بالا خانے سے اترے اور چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہ پیش پیش تھیں، ان کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا۔ انہوں نے کہا، میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں۔ دیگر تمام ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

ایلا، تخییر، مظاہرۂ حفصہ و عائشہ... یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں اور ان سے ظاہر بین دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تین واقعے ہم زمان اور ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ صحیح بخاری باب النکاح (باب موعظۃ الرجل ابنۃ) میں حضرت ابن عباس کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے، اس میں صاف تصریح ہے کہ مظاہرۂ ازواج مطہرات سے آیت تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلے کے واقعات ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس سلسلے میں متعدد اسباب لکھتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق، کشادہ دلی اور کثرت عفو کے یہی مناسب ہے اور آپ ﷺ نے اس وقت تک ایسا نہیں کیا ہوگا جب تک ان سے اس قسم کی حرکتیں متعدد بار ظہور پذیر نہ ہوئیں۔"

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پُر خطر تھا:

"اور اگر تم دونوں (حضرت عائشہ و حضرت حفصہ) رسول ﷺ کے برخلاف ایکا کرو تو خدا اس کا مولا ہے اور جبریل علیہ السلام اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مدد گار ہیں۔" (سورۂ تحریم: ۱) اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ ﷺ کی مدد کو خدا اور جبریل اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہیں۔

اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کر لی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کر دی جائیں، لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں اور حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کی کس قسم کی سازش ایسی پُر خطر ہو سکتی ہے جس کی مدافعت کے لئے ملائے اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو۔ اس بنا پر بعض نے قیاس کیا ہے کہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا۔ مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا جن کی تعداد ۴۰۰ تک بیان کی گئی ہے۔ یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت ﷺ کے خاندان اور رفقائے خاص میں پھوٹ ڈلوادیں۔ علامہ شبلی نعمانی کے بقول اس آیت میں روئے سخن منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہ و حفصہ سازش کریں گی اور منافقین اس سے کام لیں گے تو خدا، پیغمبر کی اعانت کے لئے موجود ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ جبریل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ بلکہ تمام عالم ہے۔

اس قدر عموماً مسلم ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ کیا چیز تھی۔ بہت سی روایتوں میں ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ تھیں جن کو عزیز مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت ماریہ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا راز جو حضرت حفصہ نے فاش کر دیا تھا انہی ماریہ

قبطیہ کا راز تھا۔ اگرچہ یہ روایتیں بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ہیں، لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخوں نے آنحضرت ﷺ کے معیار اخلاق پر جو حرف گیریاں کی ہیں ان کا گل سر سبد یہی کاذب روایتیں ہیں، اس لئے ان سے تعرض کرنا ضروری ہے۔ ان روایتوں میں واقعے کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے، لیکن اس سب میں قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت ﷺ کی موطورہ کنیزوں میں تھیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہ کی ناراضی کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم میں لکھتے ہیں:

"اور سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ جو مسروق تک منتہا ہوتی ہے۔ یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے مقاربت نہ کریں گے۔"

اس کے بعد حافظ موصوف نے مسند (ہیثم بن کلیب) اور طبرانی سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

"اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلے میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ اپنے گھر میں گئیں تو آنحضرت ﷺ کو حضرت ماریہ کے ساتھ ہم بستر دیکھا۔ اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو معاتب کیا۔"

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایوں میں نقل کیا ہے۔ ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام روایتیں محض افترا اور بہتان ہیں۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح میں لکھتے ہیں:

"اور آیت کی شان نزول کے باب میں صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعے میں ہے۔ ماریہؓ کے قصے کے باب میں نہیں ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابوں میں مذکور ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ ماریہؓ کا واقعہ کسی صحیح طریقے سے مروی نہیں ہے۔"

یہ حدیث تفسیر ابن جریر، طبرانی، مسند ہیثم میں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ ان کتابوں میں عموماً جس قسم کی طرب یابس روایتیں مذکور ہیں اس کے لحاظ سے جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو، لائق التفات نہیں۔ حافظ ابن حجر نے ان میں ایک طریقے کی توثیق کی ہے یعنی وہ روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہیں، لیکن اولاً تو اس روایت میں حضرت ماریہ کا نام نہیں، صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤں گا اور وہ مجھ پر حرام ہے۔ اس کے علاوہ مسروق تابعی ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، اس لئے یہ روایت اصول حدیث کی رو سے منقطع ہے یعنی اس کا سلسلہ سند صحابی تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث کے ایک اور طریقے کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صحیح کہا ہے، لیکن اس طریقے کے ایک اور راوی عبدالملک رقاشی ہیں جن کی نسبت دار قطنی نے لکھا ہے:

"سندوں میں اور اصل الفاظ حدیث میں بہت خطا کرتے ہیں۔"

یہ امر مسلم ہے کہ ماریہ قبطیہ کی روایت صحاح ستہ کی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ سورۂ تحریم کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے یعنی شہد کا واقعہ قطعی طریقے سے ثابت ہے۔ امام نووی نے جو ائمہ محدثین میں سے ہیں، صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقوں کو صحیح کہا ان میں سے ایک منقطع اور دوسرے کا راوی کثیر الخطا ہے۔ ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت استناد کے قابل ہے۔

یہ بحث اصول روایت کی بنا پر تھی۔ روایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کد و کاش کی حاجت نہیں۔ جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ میں جو جزئیات مذکور ہیں وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے نہ کہ اس ذات پاک کی طرف جو تقدس و نزاہت کا پیکر تھا۔

✽ **ایلہ:** وہ مقام جہاں کا حاکم غزوۂ تبوک کے دوران نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے جزیہ دے کر اپنے آپ کو اسلامی حکومت میں دینا قبول کیا۔

بعض مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایلہ ہی وہ جگہ ہے جہاں اصحاب سبت مچھلیاں پکڑا کرتے تھے اور اللہ کی طرف سے عائد کردہ پابندی

کے باوجود ہفتے کے روز مچھلی کا شکار کرنے کے لئے سمندر کے کنارے زمین میں گڑھے کھود لیتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

*** ایمن بن خریم:** صحابی رسول ﷺ۔ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ شاعر بھی تھے۔ اگرچہ خلفائے بنو امیہ سے بہت اچھے تعلقات تھے، لیکن مسلمانوں کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان میں بالکل غیر جانب دار رہے۔ حضرت ایمن ابن خریم سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

*** ایوب بن ابی عتیمہ:** محدث اور عالم۔ پورا نام ابوبکر ایوب بن کیسان ابی عتیمہ تھا۔ خواجہ حسن بصری نے انہیں بصرہ کے اہل علم کا سردار کہا ہے۔ ان کا شمار بصرہ کے ممتاز ترین حفاظ حدیث میں ہوتا تھا۔ بصرہ ہی میں ۱۳۱ھ (۷۴۸ء) میں طاعون کی وجہ سے انتقال ہوا۔ ان سے تقریباً ۸۰۰ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔



ب

ب ا

باب: دروازہ، داخلے کا ذریعہ، سمت، امام کا ختم، مقررہ حصہ۔ حدیث کی کتب میں جہاں سے کسی نئے موضوع کی احادیث شروع ہوتی ہیں اس کو "باب" کہتے ہیں۔ مسلم فن تعمیر میں اس کا اکثر استعمال ہوا ہے۔⇐ حدیث

باب السلام: مسجد حرام کے ایک دروازے کا نام جو مشرقی جانب ہے۔ "باب السلام" کا مطلب ہے، امن کا دروازہ۔ جب قریش کے درمیان اس بات پر جھگڑا ہوا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر کون سا قبیلہ رکھے گا تو اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ اس دروازے سے داخل ہوئے تھے۔ پہلے یہ دروازہ باب بنی شیبہ کے نام سے مشہور تھا۔ بنو شیبہ، شیبہ بن عثمان کا قبیلہ تھا جسے نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ کی چابی عطا فرمائی تھی۔

باب النسا: حضرت محمد ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کے دروازوں کے لئے یہ لفظ بولا جاتا تھا۔ اس لفظ کا مطلب ہے، عورتوں کا دروازہ۔ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور کو ان دروازوں سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ دروازے اس طرح بنائے گئے تھے کہ ان سے گزر کر نبی کریم ﷺ بہ آسانی مسجد نبوی میں تشریف لے آتے تھے۔⇐ مسجد نبوی۔

باذان: یمن کا گورنر۔ اس کو خسرو پرویز نے حکم دیا تھا کہ نئے مدعی نبوت محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے میرے دربار میں لائے۔ چنانچہ باذان نے دو افراد بابویہ اور خرخسرہ کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ان دونوں قاصدوں نے بارگاہ رسالت میں آکر عرض کی کہ شہنشاہ عالم (کسریٰ) نے آپ ﷺ کو بلوایا ہے۔ اگر حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو وہ آپ ﷺ کے ملک کو برباد کر دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اور اس سے کہنا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔ یہ دونوں یمن آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا ہے۔

بارہ ربیع الاول: آنحضور ﷺ کا یوم پیدائش اور یوم وفات۔ تاہم اس بارے میں اختلاف ہے، کیونکہ کچھ علمائے کرام کے مطابق آنحضور ﷺ کا یوم وفات تو بارہ ربیع الاول ہی ہے، یوم پیدائش ۹ ربیع الاول ہے۔

بہر کیف پاکستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بارہ ربیع الاول کو "عید میلاد النبی ﷺ" کے طور پر مناتی ہے۔ اس بحث سے قطع نظر کہ آنحضرت ﷺ کا یوم پیدائش کون سی تاریخ ہے، یہ بات قطعی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے یوم پیدائش میں سے کسی قسم کی رسمی خوشی کرنا یا عید میلاد النبی ﷺ منانا کسی طرح بھی دین نہیں ہے اور اس کا تعلق محض خرافات اور بدعات سے ہے۔⇐ آمنہ + بدعت + بارہ ربیع الاول۔

باقیات محمد: حضرت محمد ﷺ کے باقی ماندہ تبرکات۔ عربی میں "اثر الشریف" کہتے ہیں۔ عربی میں یہ لفظ (اثرالشریف) "نشان" کے معنوں میں مستعمل ہے۔ جب کہ اسلامی اصطلاح میں "اثر الشریف" سے مراد نبی کریم ﷺ کے باقی ماندہ نشانات و تبرکات ہیں۔ ⇐ تبرکات نبوی۔

بانت سعاد: ایک صحابی حضرت کعب بن زہیر کی نعت۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد حضرت کعبؓ کے بھائی نے انہیں مشورہ دیا

کہ مدینہ چلے جاؤ یا کہیں اور پناہ لے لو۔ اس کے جواب میں کعبؓ نے اپنے بھائی کو نظم لکھی اور انہیں قبول اسلام پر ملامت کی، لیکن آخر کار حضرت کعب ایک روز مدینہ منورہ آگئے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ فجر کی نماز ادا کر کے مسجد میں موجود تھے۔ حضرت کعب نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر معافی مانگی اور اس موقعے پر انہوں نے اپنا یہ مشہور قصیدہ پڑھا جس میں نبی کریم ﷺ کے حسن سلوک اور کریمانہ اخلاق کی تعریف کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب کو اپنی چادر مبارک بھی عطا فرمائی۔ اس قصیدے میں اٹھاون اشعار ہیں۔

ب چ

*** بچپن محمد:** نبی کریم ﷺ کے بچپن کا زمانہ۔ آپ ﷺ ۹ ربیع الاول (۲۲ اپریل ۵۷۱ء) کو مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے بعد حضرت آمنہ کے ہاں اس دنیا میں تشریف لائے۔

بریگیڈیر گلزار احمد نے رسول ﷺ کے بچپن کے بارے میں اپنے مفصل مضمون میں لکھا ہے:

نبی کریم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ، آپ ﷺ کی ولادت سے چند ماہ قبل مدینہ کے سفر کے دوران مدینہ میں وفات پا گئے تھے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے والد بزرگوار کی وفات ان واقعات کی پہلی کڑی تھی جن سے شاید قدرت کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ سیدالبشر ﷺ کسی بشری رشد و ہدایت یا رہنمائی اور مثال کے حاجت مند نہ تھے۔

(⇦ عبداللہ بن عبدالمطلب)

اللہ کی عطا کردہ امانت جو آمنہ کو عطا ہوئی تھی، اس کے مستقبل کی فکر آمنہ سے بہتر کسے ہو سکتی تھی۔ ماں اپنے لخت جگر کو تعریف کے قابل دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے نومولود کا نام "احمد" رکھا۔ دادا کو بھی اپنے منظور نظر بیٹے کی اولاد سے نہایت پیار تھا اور یہ فطری بات تھی۔ وہ خود بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، گرد و پیش میں احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے پوتے کا نام "محمد" رکھا۔ دونوں کو شاید یہ معلوم تھا کہ یہ دونوں نام ماقبل کے صحیفوں میں آچکے ہیں۔ توریت نے اللہ کے آخری پیغام رساں کو "محمد" اور انجیل نے "احمد" کے نام سے یاد کیا ہے۔

چند روز چچا ابولہب کی کنیز ثوبیہ (⇦ ثوبیہ) نے دودھ پلایا اور پھر آٹھ دن کے نومود نے حلیمہ سعدیہ (⇦ حلیمہ سعدیہ) کی گود میں لاغری اونٹنی کی پیٹھ پر صحرا کا رخ کیا۔ اماں حلیمہ سعدیہ کا کہنا تھا کہ اس روز کمزور ترین اونٹنی کی رفتار کا ساتھ باقی قافلہ نہ دے پا رہا تھا۔ حلیمہ سعدیہ خود بھی چنداں خوش حال نہ تھیں، مگر آج ان کے قلب و ذہن کو کسی نامعلوم وجہ سے سکون و اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

حلیمہ سعدیہ دستور کے مطابق ہر چھے ماہ کے بعد اس عظیم امانت کو اپنی والدہ کی ملاقات کے لئے مکہ لے جاتی تھیں۔ یوں تو دستور کے مطابق اس طرح صحرا کی کھلی فضا کی زندگی کی مدت پانچ سال مقرر کی گئی تھی، لیکن بی بی آمنہ نے فیصلہ کیا کہ آپ ﷺ کے لئے اس مدت کو ایک سال کے لئے مزید بڑھا دیا جائے۔ چنانچہ اب آپ ﷺ کو اپنے رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ ایک سال مزید رہنے کا موقع مل گیا اور یوں بھیڑ بکریوں کی گلہ بانی میں عملی طور پر حصہ لینے کے مواقع ملتے رہے۔ یہ رضاعی رشتہ حنین کی لڑائی کے قیدیوں کے حق میں رحمۃ للعالمین کے ہاتھوں باعث رحمت و آزادی ثابت ہوا کہ جب یہ قبیلہ اپنی آزادی حاصل کر کے اور رضاعی بہن شیما خوش و خرم تحائف لے کر قبیلہ کے ساتھ اسی صحرا کو لوٹیں جہاں ریت کے ٹیلوں پر وہ نبی کریم ﷺ کو لئے پھرا کرتی تھیں۔ (⇦ شیما)

چھے سال کے بعد نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ کے سائے سے متعارف ہونے کے لئے والدہ محترمہ تک پہنچا دیا گیا اور اماں حلیمہ سعدیہ انعام و اکرام اور بوجھل سا دل لے کر واپس بنو سعد کے ٹیلوں کو لوٹیں۔

اب تھوڑے سے عرصے کے لئے آپ ﷺ کو مکہ کی شہری زندگی کی گہما گہمی دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ ﷺ کا مولود بازار کے بالکل قریب ہے۔ بیت اللہ بھی دور نہیں۔ صحرا کی خاموشیوں کی عادی طبیعت پر شہر کے شور و غل کا جو اثر پڑا ہو گا یہ وہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں عرصے تک

کوہ و صحرا کی زندگی گزارنے کے بعد کسی شہر کے مرکز میں زندگی گزارنے پر مجبور ہونا پڑے۔

اس وقت مکہ جزیرۃ العرب کا معاشرتی، تمدنی، دینی اور تجارتی مرکز تھا۔ اس وجہ سے قریش مکہ آسودہ حال بھی تھے اور قبائل میں محترم بھی۔ اعیان قریش نے مکہ کو باقاعدہ تنظیم کے ذریعے منضبط کر رکھا تھا۔ زندگی کے شعبے متعیّن تھے۔ ان شعبوں کے سربراہ مقرر تھے۔ افراد قبیلہ کو آزادی رائے اور اس کے بے باکانہ اظہار کے مواقع میسر تھے، مگر انضباط کی حدود کے اندر رہنا ضروری ہوتا تھا۔ شوریٰ کے اجلاس کے لئے "دارالندوہ" موجود تھا (البتہ چند برسوں کے بعد حلف الفضول کے وجود میں آنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شوری کے فیصلوں میں بھی طاقت نہ رہی تھی اور ان میں بھی کمزوری داخل ہو چکی تھی) تاہم چھے سالہ محمد ﷺ کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔

ماں بیٹے کی ملاقات کے بعد ماں کو خیال ہوا ہوگا کہ بیٹے نے والد کو تو نہیں دیکھا، والد کے مدفن کو ہی دیکھ لے، اس لئے بی بی آمنہ نے یثرب کا سفر اختیار کیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر چھے سال ہو چکی تھی۔ اب مشاہدے میں آنے والے مقامات اور واقعات کے خطوط حافظے پر اپنا نقش چھوڑ رہے تھے۔ ننھے محمد ﷺ اور احمد ﷺ کو والدہ کا یثرب لے جانا ہمیشہ یاد رہا۔ یہ بھی یاد رہا کہ والدہ نے اس جوان رعنا کا ذکر بھی کیا تھا جو یثرب کے سفر سے مکہ کو لوٹا تھا۔

یہ بات پختگی سے واضح ہوتی ہے کہ خالق ارض و سما کا فیصلہ تھا کہ اس کے آخری پیغام کا اولین مخاطب اور نسل انسانی کا آخری رہبر و ہادی امی رہے تاکہ وہ دنیاوی اثرات سے محفوظ رہ کر خالصۃً اللہ کا پیغام انسانیت تک پہنچائے۔ اس پیغام کو قیامت تک انسانیت کا ساتھ دینا تھا۔ اسے صدیوں تک بدلتے ہوئے زمانوں اور بدلتے ہوئے مقامات کی بدلتی ہوئی ضروریات کے باوجود غیر متبدل رہنا تھا، اس لئے اس پیغام کو کاملاً اللہ کا بھیجا ہوا پیغام ہونا تھا۔ اگر والد یا کسی اور بزرگ کے نصائح، ارشادات عالیہ یا علم و خبر کے خزینے نبی کریم ﷺ کے ذہن پر نقش ہو جاتے تو اللہ کے پیغام کے متاثر ہونے کے امکانات و خدشات تھے اور رسول کے پیغام ربانی کے لئے ان خدشات سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ وہ یتیم بھی ہو اور امی بھی ہو۔ والد کا سایہ تو رب کعبہ نے اٹھا لیا تھا، مگر ان کا مدفن وہ مقام قرار پایا جہاں خیر البشر نے زندگی کے آخری دس سال گزار کر خود بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہیں رونق افروز رہنا تھا۔

یثرب کے سفر اور قیام کے دوران واقعات میں آپ ﷺ کو تیرنا سیکھنا اور یثرب کے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنا آخر عمر تک یاد رہا۔ واپسی کا سفر یتیمی کو مکمل کرنے والا سفر تھا۔ ابوا کے مقام پر والدۂ محترمہ بی بی آمنہ نے انتقال کیا۔ کون جانتا تھا کہ مشیت ایزدی اس کم سن کو کس طرح کی زندگی سے دوچار کرنا چاہتی ہے۔ آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ قدرت نے جو خاکہ مرتب کیا تھا اس میں کسی ایسے قلبی و ذہنی عنصر کو شامل نہیں کیا گیا تھا جسے ورثے میں ملی ہوئی تربیت اور تعلیم پر محمول کیا جا سکے۔ والد کے سائے کے اٹھ جانے سے اس کمسن کے لئے ایسی کوئی ہستی نہ رہی تھی جسے وہ ظاہری طور پر تقلید کے قابل قرار دیتا۔ ماں کی ممتا پیار، محبت، رحم و کرم، لطف و احسان اور بخشش و عطا کی جانب رہبری کرتی ہے۔ ابوا کے پڑاؤ پر وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئی۔ دوسروں پر لطف و کرم کے اسباب سیکھنا تو کجا اللہ کا یہ شاہکار فہم و ادراک کی دہلیز تک پہنچا تو خود اس کے لئے مہر و محبت کا سرچشمہ موجود نہ رہا۔ شاید اس سے یہ مقصود تھا کہ خود اس کے اپنے ذہن پر کسی بشر کی کرم فرمائیوں کے نقش نہ ابھر سکیں اور اس کے تمام فضل و کرم، اس کی جود و سخا اور بخشش و عطا اللہ کی دین ہو۔ جب نصف صدی اور تین سال بعد حرم کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے سرداران قریش اور اہالیان کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: لا تثریب علیکم الیوم اور اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں پر کئے گئے تمام مظالم اور ان کی یاد کو ذہن کی سطح سے محو کر دیا تھا تو وہ اللہ کی عطا کردہ "رحمت عالمی" کی صفت کا نتیجہ تھا، نہ کہ کسی بزرگ کی صحبت میں حاصل کردہ خصوصیت کا پرتو۔ یہ اس خلق عظیم کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ تھا جو خیر البشر ﷺ کو وانک لعلٰی خلق عظیم کہہ کر خالق کائنات نے یہ اشارہ کیا کہ اس بلند مرتبہ پر قائم کرنے والا وہ خود ہے۔ یہ وہ مقام عزت و احترام ہے جہاں رب العزت کے

بغیر کوئی ہستی نہیں پہنچ سکتی اور نہ کوئی اس کی جانب رہنمائی کر سکتا ہے۔ یہ انسانوں کے اپنے رہنماؤں کے وعظ و نصیحت یا رشد و ہدایت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو ان گزشتہ چودہ صدیوں میں مثال موجود ہونے کی بنا پر اور اس سے ہدایت حاصل کر کے کوئی ایک انسان تو اس مقام کے قریب پہنچ سکتا۔

پڑاؤ کی مسافرانہ زندگی، قافلے اور قافلے والوں کی بے ترتیب اور پُر ہیجان زندگی، چہار سو ریت کے ٹیلے اور دو نیلگوں بے آب و گیاہ پہاڑیوں کا سلسلہ اور عین غربت میں دنیا کے والد موجود سہارے کا اٹھ جانا.... چھے سال کے کمسن محمد و احمد (ﷺ) کے دل کی کیفیت تصور سے بالاتر ہے۔ وہ بچہ جو والد کی شفقت سے روز اول سے محروم رہا تھا، جس نے بادیہ نشینوں کے خیموں کے سوا کوئی دوسرا مسکن زیادہ عرصے کے لئے نہیں دیکھا تھا اور پھر اس ماحول سے بھی علیحدگی ہو گئی تھی اس نے ایک پڑاؤ کی بستی میں واحد سہارے سے جدا ہو کر اپنی والدہ کی کنیز سے کیا کیا سوال کئے ہوں گے۔ اماں جان کو کیا ہوا ہے۔ کل تو بول رہی تھیں۔ آج کیوں بات نہیں کرتیں۔ لوگ انہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ وہ کب واپس آئیں گی۔ ہم مکہ کب جائیں گے۔ اور پھر خیمے میں صرف اُمّ ایمن برکہ حبشیہ تھی اور چھے سال کا در یتیم۔ اس یتیم نے ابوا کے مقام کو مدنی زندگی کے دور میں دیکھنا تھا، مگر یہ سب حادثات و واقعات ان سفروں کی تیاری کی بنیاد تھے جو فخر انسانیت ﷺ کو پیش آنے تھے۔

اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کے لئے جو تربیت مقدر کر رکھی تھی اس میں کسی بزرگ کی بزرگی، اس کا عام لوگوں سے ملنا جلنا، اس کا کاروبار، روز مرہ میں رعب و دبدبہ اور اس کے اصول زندگی کا دخل نہیں ہو سکتا تھا۔ مبادا کہیں اس بزرگ کی صفات کی جھلک یا اس کا رنگ اللہ کے اس فرستادہ اور ہادی نسل انسانی کی طبیعت میں گھر نہ کر جائے تاکہ اس کا خلق عظیم، اس کا جلال و جبروت، اس کی سپہ سالاری، اس کا عدل و انصاف اور اس کا مملکت و ریاست اور حکومت کے معاملات کو حل کرنا مکمل طور پر وحی کی عطا کردہ بصیرت پر منحصر ہو۔ یہی وجہ نظر آتی ہے کہ مدینہ سے لوٹ کر آنے کے جلد بعد جب حضور اقدس ﷺ کا سن بہ مشکل آٹھ سال کا ہوا تھا تو دادا نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

دادا نے بستر مرگ پر فیصلہ فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کی نگہداشت آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کریں گے۔ ابو طالب کی مالی حالت اتنی اچھی نہ تھی، مگر انہوں نے آپ ﷺ کو انتہائی پیار اور شفقت سے رکھا۔ یہ وہ دور ہے جب آپ ﷺ نے گلہ بانی کے فرائض بھی انجام دئیے۔ ان بھیڑ بکریوں میں دوسروں کے جانور بھی شامل ہوتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ امانت کی نگہداشت کا آغاز کم سنی میں ہی ہو گیا تھا۔ امانت و دیانت کا یہ معیار بعد ازاں تجارت میں بھی جاری رہا حتیٰ کہ اسی یتیم کو "امین" کا لقب اس معاشرے نے دیا جس میں صاف گوئی، آزادیٔ رائے اور بے خوف تنقید کو معمول سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح آپ ﷺ کے اجرت پر بھیڑ بکریاں چرانے سے ابو طالب کو روز مرہ ضروریات اور گھر کے اخراجات کے سلسلے میں دشواریوں سے کسی حد تک نجات حاصل ہو گئی ہو گی۔

ڈھائی تین سال بعد جب آپ ﷺ کی عمر بارہ سال کی تھی تو آپ ﷺ نے ابو طالب کے ہمراہ تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا۔ قریش مکہ جاڑوں میں جنوب کی جانب اور گرمیوں میں شمال کی جانب تجارتی قافلے روانہ کیا کرتے تھے۔ جو لوگ نہیں جا سکتے تھے وہ دوسروں کو اپنا مال دے کر روانہ کرتے اور متفقہ فیصلے کے مطابق منافع میں شراکت یا اجرت کے اصول پر کام کیا جاتا۔ شام اس وقت ایشیا اور افریقہ کی سب سے طاقت ور حکومت سمجھی جاتی تھی۔ شام کے سفر میں عام معلومات میں اضافہ ضرور ہوا ہو گا، مگر باز نطینی مقبوضات کی اخلاقی اور دینی سطح اس قدر گر چکی تھی کہ اس سفر کے دوران بارہ سال کا نوجوان معاشرتی و معاشی امور، کسی مکتب فکر، فلسفہ یا دین کے پیچیدہ مسائل کسی فلسفی یا راہب سے نہیں سیکھ سکتا تھا۔ بحیرہ راہب کا قصہ یوں بھی قابل ذکر و توجہ نہیں البتہ اس سے مستشرقین نے جو دور از کار نتائج نکال کر اسلام کی تعلیمات کو ایک راہب کی سرسری ملاقات پر مبذول کیا ہے، اہل مغرب کی فطرت ظاہر کرنے کے علاوہ اس کے کوئی مقام نہیں۔ (⇦ بحیرہ راہب)

سن بلوغ کے بعد آپ ﷺ نے ضرور ایسے سفر اختیار کئے ہوں گے اور لا محالہ تجارت میں حصّہ لیا ہوگا، اس لئے کہ امین کا لقب معاملات کی حسن کارکردگی پر ہی مبنی ہوگا۔ اسی طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے آپ ﷺ کو مختار کل کے طور پر اپنے سامان تجارت کے ساتھ روانہ کرنا ماقبل کے تجربات اور امانت و دیانت میں معروف ہونے کی بنا پر کیا گیا ہوگا۔

⇦ آباو اجداد نبوی + آب زم زم + ابراہیم علیہ السلام + آمنہ + اسمٰعیل علیہ السلام + عبدالمطلب + ابوطالب + مکہ۔

ب ح

✽ بحیرہ: ایک عیسائی یہودی عالم جس نے آپ ﷺ کے نبی ہونے کی شہادت تھی۔ یہ واقعہ نبوت سے پہلے شام کے ایک سفر کا ہے کہ جب بصرہ کے مقام پر ایک درخت کی تمام شاخیں آپ ﷺ پر جھک گئیں۔ ⇦ نبوت، عقیدہ۔

ب خ

✽ بخاری، امام: مشہور محدث اور حدیث کے سب سے مستند مجموعے "صحیح بخاری" کے مرتب کرنے والے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بروزبہ۔ تیرہ شوال ۱۹۴ھ کو بروز جمعہ کو پیدا ہوئے۔ امام بخاری کا اصلی نام "محمد" اور کنیت "ابوعبداللہ" ہے۔ ان کے جد اعلیٰ بروزبہ فارس کے رہنے والے اور مذہبًا مجوسی تھے۔ امام صاحب کے جد امجد مغیرہ پہلے شخص ہیں جو اس خاندان میں مشرب بہ اسلام ہوئے۔ اس زمانے کا قاعدہ تھا کہ جس شخص کے ہاتھ پر اسلام لاتے تھے اسی کی نسبت سے مشہور ہوجاتے تھے۔ مغیرہ چونکہ امیر بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے، اس لئے جعفی مشہور ہوگئے اور یہ لقب نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا ہوا امام صاحب تک پہنچا۔ اس بنا پر امام صاحب "جعفی" کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ امام صاحب کے دادا ابراہیم کا حال کچھ معلوم نہیں ہوسکا، لیکن ان کے والد اسمٰعیل چوتھے طبقے کے معتبر محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں۔

امام صاحب کی تحصیل علم کا زمانہ بچپن ہی سے شروع ہوتا ہے۔ ابتداء میں علم فتویٰ پر توجہ کی اور امام وکیع اور امام ابن مبارک جیسے اساتذہ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا۔ پندرہ برس کی عمر میں فقہ کی تعلیم سے فارغ ہوگئے تو اس مقدس فن کی جانب متوجہ ہوئے جس کی پریشان اور پراگندہ حالت ان کی آئندہ توجہ اور سرپرستی کا انتظار کر رہی تھی۔ امام بخاری کا فضل و کمال اسحاق بن راہویہ اور علی بن المدینی کے فیضان تعلیم کا زیادہ ممنون ہے۔

امام صاحب نے تحصیل علم اور زیارت علما کے لئے دور دراز مقامات کے سفر کئے۔ مصر و شام میں استفادۂ حدیث کی غرض سے دوبار گئے۔ حجاز میں متواتر چھے سال تک قیام کیا۔ کوفہ وبغداد میں جو علما کا مسکن تھا، بار بار گئے۔ بصرہ چار بار گئے اور بعض مرتبہ پانچ پانچ برس تک قیام کیا۔ ایام حج میں مکہ معظمہ چلے جاتے اور فراغت کے بعد پھر بصرہ چلے آتے۔ ان تمام سفروں میں نیشاپور کا سفر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

محققین نے امام بخاری کے اساتذہ اور مشائخ کے ضبط کا ایک خاص طریقہ بیان کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ امام بخاری کے اساتذہ پانچ طبقوں میں منحصر ہیں۔ طبقہ اولیٰ میں وہ مشائخ ہیں جو ثقات تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن عبداللہ، مکی بن ابراہیم، ابوعاصم انیس، عبداللہ بن موسیٰ، اسمٰعیل ابن ابی خالد اور ابونعیم وغیرہ۔ اور طبقہ ثانیہ میں وہ مشائخ ہیں جو طبقہ اولیٰ کے معاصر ہیں، لیکن وہ ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے جیسے آدم بن ابی ایاس، ابومہر، سعید بن ابی مریم اور ایوب بن سلیمان وغیرہ۔ طبقہ ثالثہ میں وہ مشائخ ہیں جو کبار تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے سلیمان بن حرب، قتیبہ بن سعید، نعیم بن حماد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ۔ اس طبقے سے روایت کرنے میں

امام مسلم بھی امام بخاری کے رفیق اور شریک تھے، لیکن انہوں نے سماع حدیث امام بخاری سے پہلے شروع کیا تھا جیسے محمد بن یحییٰ ذہلی، ابو حاتم رازی، محمد عبدالرحیم، عبد بن حمید اور احمد بن نصر اس طبقے سے امام بخاری نے اس وقت احادیث کی روایت کی جب ان کے مشائخ فوت ہو چکے تھے۔ جو احادیث اس طبقے سے روایت کی ہیں وہ اور کسی کے پاس نہیں تھیں۔ طبقہ خاصہ میں وہ مشائخ ہیں جو دراصل امام بخاری کے تلامذہ تھے جیسے عبداللہ بن حماد آملی، عبداللہ بن عباس خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی اس طبقے سے بھی امام بخاری نے ضرورت اور فائدہ کے پیش نظر احادیث روایت کی ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ بہر حال اس تحقیق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام بخاری نے اپنے اکابر، امثال اور اصاغر سب سے روایت حدیث کی ہے اور اپنے اس قول کو سچا کر دکھایا کہ اس وقت تک کوئی شخص کامل محدث نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود سے برتر، مساوی اور کمتر سے حدیث روایت نہ کرے۔

بخارا کے بارے میں

بخارا دریائے جیحون کی زیریں گزرگاہ پر ایک بڑے نخلستان میں واقع ان مردم خیز علاقوں کا ایک شہر ہے جن سے علم و فن کی تاریخی شخصیات کی عظمتیں وابستہ ہیں جو علم و دانش کے بڑے بڑے سورماؤں کا وطن رہا اور جہاں صحاح ستہ کے مصنفین پیدا ہوئے۔

سطح سمندر سے بخارا کی بلندی ۷۲۲ فیٹ (۲۲۲ء۴۰ میٹر) ہے اور یہ طول البلد مشرقی ۶۴ درجے ۳۸ دقیقہ (گرین وچ) اور عرض البلد شمالی ۳۹ درجے ۴۳ دقیقہ پر واقع ہے۔ اس کی مساحت (۲۰۵۰۰۰) کلو میٹر ہے۔

معجم البلدان میں علامہ یاقوت حموی بخارا کے متعلق لکھتے ہیں:

"بخارا (ہا کے ضمہ کے ساتھ) ماوراء النہر کے بڑے اور عظیم شہروں میں سے ہے۔ مقام "آمل الشط" سے اس کی طرف دریا عبور کیا جاتا ہے۔ اس جہت سے دریائے جیحون اور بخارا کا فاصلہ دو دن کا ہے۔ بخارا کا طول ستاسی درجے اور عرض اکتالیس درجے ہے اور اقلیم خامس میں واقع ہے۔ بخارا کی وجہ تسمیہ باوجود تلاش کے معلوم نہ ہو سکی۔ بخارا ایک قدیم اور باغ و بہار والا شہر ہے۔ ماوراء النہر کے تمام شہروں میں جو شادابی اور حسن بخارا کو حاصل ہے، کسی دوسرے شہر کو نہیں۔ جب آپ باہر سے اس کے قلعے پر چڑھ کر اس کا نظارہ کریں گے تو ہر سو آپ کو مرغزار اور سبزہ ہی سبزہ نظر آئے گا۔ درمیان میں بنے ہوئے محلات کا منظر حسین پھولوں کی مانند نظر نواز ہے۔"

بخارا کی تاریخ پر ایک سرسری نظر

اسکندر اکبر مقدونی کی فتوحات سے قبل بخارا فارسی حکومت کے تابع تھا۔ اس وقت اس کو "صغدیان" کہتے تھے۔ اسکندر اکبر نے جب فارس کے شہر فتح کئے تو بخارا بھی اس کے زیر نگیں آ گیا۔ بعد میں انہی سے یونانیوں کو ملا پھر جب لشکر اسلام دنیا کے چپے چپے پر دین اسلام کا جھنڈا لہرانے کے لئے اٹھا تو بخارا کو بھی فتح کر ڈالا۔ ہوا یوں کہ جب حضرت معاویہؓ کے دور میں زیاد بن ابی سفیان کا ۵۳ھ میں انتقال ہوا تو ان کی جگہ ان کے بیٹے عبیداللہ کو خراسان کا عامل بنایا گیا۔ ۵۴ھ میں اس نے بخارا کی جانب پیش قدمی کی اور نسف و بیکند کو فتح کیا۔ بخارا کی حکومت اس وقت "خاتون" نامی عورت کے پاس تھی۔ عورت نے ترک کو مدد کے لئے کہا۔ ان کی ایک بڑی جماعت آئی، جنگ ہوئی اور ان کو شکست ہوئی۔ خاتون نے پیغام صلح بھیجا اور ایک لاکھ سالانہ پر صلح ہوئی۔ پھر حضرت معاویہ نے ۵۵ھ میں سعید بن عثمان کو خراسان کا امیر مقرر کیا۔ ۸۷ھ تک پھر اس کا تاریخی حال معلوم نہ ہو سکا۔ ۸۷ھ میں اسلامی فتوحات کے عظیم جرنیل قتیبہ بن مسلم کی قیادت میں اسلامی لشکر کے نہ تھمنے والے سیل رواں نے جب ان علاقوں کا رخ کیا تو بخارا کو بھی فتح کر ڈالا۔ پھر جب چنگیز خاں کی تاریخ بربریت کا نامبارک آغاز ہوا تو عالم اسلام کے بیسیوں شہروں کی طرح بخارا بھی اس کی بربادیوں کا لقمہ بنا اور یہاں اس نے سفاکی کی وہ تاریخ مرتب کی جس کی مثال تباہی اور قتل و درندگی کی تاریخ میں کم سے کم ملے گی۔ چند محلات چھوڑ کر پورے شہر کو آتش کر کے تاراج کیا گیا۔ یہ چار ذوالحجہ ۶۱۶ھ (۱۰ فروری ۱۲۲۰ء) کا واقعہ ہے۔

پھر وہ تاتاری قوم جو اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے اور دنیا کے نقشے سے اس کا وجود ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی، جب پوری کی پوری مسلم ہو گئی اور کعبے کو صنم خانے سے پاسباں مل گئے تو چنگیزی خاندان کے مشہور

اسلامی فاتح تیمور لنگ کے ہاتھ بخارا ۱۳۷۰ء میں آیا اور بخارا ایک بار پھر اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا۔ بخارا تیمور لنگ کی اولاد کے پاس رہا حتیٰ کہ ۱۴۹۸ء میں اوزبکوں نے اس پر قبضہ کیا اور تیموری خاندان کی حکومت یہاں ختم کر ڈالی۔ چونکہ روس کے لئے ہندوستان کی ایک راہ گزر بخارا بھی ہے، اس لئے اس اہمیت کے پیش نظر مغربی وسائل کی مدد سے روس نے اس پر ۱۸۷۳ء میں قبضہ جمایا۔

جب ۱۹۹۱ء میں ریاستوں کے عناصر سے بنے ہوئے روس کے وفاق کا عقدہ کشا ہوا اور چھ مسلم ریاستیں آزاد ہوئیں تو ان آزاد ہونے والی چھ ریاستوں میں بخارا ریاست ازبکستان کا شہر ہے جس کا دارالحکومت ''تاشقند'' ہے۔

علل حدیث

علل حدیث کی معرفت کو علم اصول حدیث میں انتہائی اہمیت دی جاتی ہے۔ حدیث معلل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی علّت خفیہ ہو یعنی حدیث بہ ظاہر صحیح معلوم ہوتی ہو، لیکن دراصل اس میں کوئی سقم ہو مثلاً موقوف کو مرفوع قرار دیا گیا ہو یا بالعکس۔ اسی طرح مرسل کو موصول قرار دیا ہو یا بالعکس یا ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث میں داخل کر دیا گیا ہو یا اور کوئی وہم ہو۔ ان علل مذکورہ میں سے کوئی علّت بھی سند یا متن میں پائی جاتی ہو تو وہ حدیث معلل ہوتی ہے۔ آئمہ حدیث نے حدیث معلل کی معرفت کو بہت مشکل قرار دیا ہے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن مہدی نے کہا کہ علل حدیث کی معرفت الہام کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔

امام بخاری حدیث کے باقی فنون کی طرح علل حدیث میں بھی انتہائی ماہر اور اپنے وقت کے امام گردانے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مشہور محدث امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے علل حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔

امام بخاری کے زمانے میں بصرہ، بغداد، نیشاپور، سمرقند اور بخارا علوم اسلامیہ کے مرکز قرار دیئے جاتے تھے۔ ان شہروں میں امام بخاری بار بار گئے اور بے حساب لوگوں کو احادیث املا کرائیں۔ بخارا تک امام بخاری کے تلامذہ کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ملا علی قاریؒ اور قسطلانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری سے ایک لاکھ اشخاص نے روایت کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عدد و شمار ان کے تلامذہ کا احصا کرنے سے قاصر ہے۔

تصانیف

امام بخاری کی زندگی کا اکثر حصہ احادیث کی تلاش میں شہر در شہر سفر میں گزرا ہے اور انہیں کسی ایک جگہ سکون سے بیٹھ کر کام کرنے کا موقع بہت کم ملا۔ اس کے باوجود انہوں نے خاطر خواہ تعداد میں تصانیف چھوڑی ہیں۔

⇦ حدیث + اسماء الرجال + مسند + سنن۔

✽ بخاری شریف: حدیث کا سب سے مستند مجموعہ جو امام بخاری نے مرتب کیا۔ امام بخاری کی تصانیف یوں تو بیس سے زیادہ ہیں، لیکن جو عظمت و شہرت اور مقبولیت صحیح بخاری کے حصے میں آئی وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہ ہو سکی بلکہ حق یہ ہے کہ تمام امہات کتب حدیث میں جو مقام صحیح بخاری کو حاصل ہوا وہ کسی اور کتاب نے نہیں پایا۔ نیز علمائے اُمّت کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ کوئی صحیح کتاب روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔

امام شافعی نے موطاء امام مالک کو صحیح ترین کتاب قرار دیا تھا، لیکن وہ صحیح بخاری کی تصنیف سے پہلے کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کے منظر وجود میں آنے کے بعد متقدمین کی تمام کتابیں پس منظر میں چلی گئیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کا چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کیا ہے۔ حدیث شریف کو کتاب میں ذکر کرنے سے پہلے وہ غسل کرتے، اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے، پھر اس حدیث کے بارے میں استخارہ کرتے، اس کے بعد اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج کرتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب کو سولہ سال کی مدت میں مکمل کیا۔ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث شامل کی ہیں۔ اور جن صحیح احادیث کو میں نے طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تالیف صحیح سے امام بخاری کا مقصد جمع احادیث نہیں ہے بلکہ تراجم الابواب پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ان کا مقصد تھا۔ چنانچہ "ترجمۃ الباب" کے اثبات کے لئے وہ سب سے پہلے قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں۔ پھر کبھی اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں اور بعض اوقات آثار صحابہ اقوال تابعین اور ارشادات آئمہ فتویٰ سے اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس باب کے تحت اپنی پوری سند کے ساتھ حدیث کی روایات کرتے ہیں اور کبھی سند معلق سے حدیث وارد کرتے ہیں اور کبھی بغیر سند کے حدیث ذکر کر دیتے ہیں۔

صحیح بخاری کی تعداد امرویات میں علما کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن صلاح کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے اور حذف مکررات کے بعد یہ تعداد چار ہزار ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق، صحیح بخاری کی کل احادیث مسند بشمول مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہے اور جملہ معلقات کی اعداد ایک ہزار تین سو اکتالیس ہے اور جملہ متابعات کی تعداد تین چوالیس ہے اور کل میزان نو؟ ہزار بیاسی ہے اور حذف مکررات کے بعد احادیث مرفوعہ کی تعداد دو ہزار چھ سو تیس رہ جاتی ہے۔ نیز امام بخاری کی جو احادیث اعلیٰ اسانید پر مشتمل ہیں وہ ثلاثیات ہیں اور ان کی تعداد بائیس ہے۔ حذف مکررات کے بعد یہ تعداد سولہ رہ جاتی ہے۔

ب د

٭ بدر، مقام: سعودی عرب میں مکہ مدینہ کے درمیان وہ مقام جہاں اسلام کی سب سے پہلی جنگ (غزوہ) لڑی گئی۔ اس علاقے کا نام "بدر" نامی ایک چشمے کی وجہ سے پڑا۔ بدر کا مقام مدینہ منورہ سے کوئی ۸۰ میل مکہ کی جانب ہے۔ بدر کا پانچ میل لمبا اور چار میل چوڑا میدان چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔

⇦ بدر، غزوہ + مکہ + مدینہ۔

٭ بدر، غزوہ: غزوات نبی کریم ﷺ میں سے ایک غزوہ۔ غزوۂ بدر نہایت مشہور اور نہایت متبرک ہے۔ ایک مقام پر اسی غزوہ کو "یوم الفرقان" بھی فرمایا گیا ہے۔ اس غزوہ کا فضل و شرف جملہ غزوات سے برتر ہے۔ اس مقام پر بدر بن یخلا بن النضر بن کنانہ آباد ہوا تھا۔ اسی کے نام سے مقام کا نام ہو گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ بدر بن حارث نے یہاں کنواں لگوایا تھا۔ بیئر بدر کی وجہ سے اس جگہ کو بھی "بدر" کہنے لگے۔ جب آنحضور ﷺ اور مہاجرین مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آگئے تھے تب سے قریش نے ارادہ کر لیا تھا کہ جوجی قوت سے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو فنا کر دیا جائے اور ایسا ناگہانی حملہ کیا جائے جو مسلمانوں کو پامال کر دے۔ نبی کریم ﷺ ان کے مزاج سے واقف اور ان کے ارادوں سے باخبر تھے، اس لئے تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد ہر اس راستے کی طرف جدھر سے اہل مکہ کا اقدام حملہ ہو سکتا تھا، سرور کائنات مسلمانوں کے جتھے رواہ کرتے اور اس طرف کے قبائل کے ساتھ جانبدار رہنے کے معاہدات کرتے رہتے تھے۔

رمضان ایک ہجری میں حضرت امیر حمزہؓ تیس سواروں کے ساتھ سیف البحر کی طرف گشت لگانے گئے تھے کہ ان کو ابوجہل کا لشکر جس میں تین سو سوار تھے مل گیا۔ ابوجہل نے دیکھا کہ مسلمان ہوشیار ہیں اور ناگہانی حملہ ناممکن ہے لہٰذا وہ واپس چلا گیا۔ شوال ایک ہجری میں عبیدہ بن الحارث الہاشمی ساٹھ سواروں کو لے کر مدینہ منورہ سے گشت کو نکلے تو ان کو بھی ابوسفیان دو سو سواروں کے ساتھ ثنیۃ المرہ کے راستے پر آ یا مل گیا۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ مسلمان اس راہ سے غافل نہیں وہ واپس چلا گیا۔

ذی القعدہ ایک ہجری میں سعد بن ابی وقاص سو یا اسی سواروں کے ساتھ مدینہ سے گشت کو نکلے اور جحفہ تک انہوں نے چکر لگایا۔ دشمن نہیں ملا۔ اس کے تین ماہ بعد صفر ۲ھ نبی کریم ﷺ خود ستر سواروں کے ساتھ "ابوا" تک آئے۔ اس سفر میں عمرو بن مخشی الضمری سے معاہدہ ہوا کہ وہ غیر جانبدار رہے گا۔ نبی کریم ﷺ نے پھر بواط تک سفر فرمایا۔ یہ مقام ینبوع بندرہ گاہ کے قریب ہے۔ قریش کا

قافلہ ملا جس کا سردار امیہ بن خلف تھا۔ اس کے ساتھ صرف ایک سو اشخاص تھے اور آنحضور ﷺ کے بارہ سو افراد تھے۔ چونکہ مسلمانوں کا مقصد خود کسی کو چھیڑنا نہ تھا، اس لئے قافلہ نکل گیا اور نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔

اسی مہینے میں کرز بن ابر الضری نے مکہ سے نکل کر مدینہ پر حملہ کیا اور اہل مدینہ کے مویشی مدینہ کی چراگاہ سے لوٹ کر لے گیا۔ اس کا تعاقب بھی مقام سفوان تک کیا گیا، مگر اسلامی لشکر ناکام رہا۔ سفوان بدر کے قریب ہے، اس لئے اس کا نام "بدر اولیٰ" بھی مورخین نے لکھا ہے۔ اس حملے کے بعد نبی کریم ﷺ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ بنومدلج اور بنوضمرہ کے ساتھ ایک معاہدہ غیر جانبدار رہنے کا کیا جائے۔ جمادی الاولیٰ میں یہ معاہدہ ہو گیا۔ اسی ماہ کے آخر میں بارہ سواروں کا ایک جتھا عبداللہ بن جحش کی امارت میں بھیجا گیا۔ ان کو قریش کا قافلہ مل گیا۔ نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے خلاف مسلمانوں نے تیر چلائے۔ قریش کا ایک آدمی مارا گیا اور دو قید ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کو چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا قریش کو ادا کر دیا اور یہ بھی ظاہر فرمایا کہ مسلمانوں نے یہ کام اجازت سے بڑھ کر کیا ہے۔ قریش نے تاوان وصول کر لیا، مگر انہوں نے مسلمانوں کی معذرت کی کچھ قدر نہ کی اور یہ ارادہ کر لیا کہ اب مسلمانوں پر اعلانیہ حملہ کیا جائے گا۔ قوم کو جوش دلانے کے لئے ابوجہل نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ قریش کے قافلے کو جو ابوسفیان کی ماتحتی میں شام سے آرہا ہے جس کا سرمایہ تجارت پچاس ہزار دینار ہے، مسلمان اسے لوٹنا چاہتے ہیں لہٰذا قافلے کی حفاظت کے لئے جلد آگے بڑھنا چاہئے۔ اس کی تدبیر خوب موثر ثابت ہوئی اور ایک ہزار کا لشکر جو خوب مسلح تھا اور تین گھوڑے اور سات اونٹ ان کے ساتھ تھے، فراہم ہو گیا۔ قریش کے پندرہ سردار لشکر میں شامل ہو گئے اور ہر ایک نے وعدہ کیا کہ یکے بعد دیگرے تمام لشکر کی غذا کا انتظام کرے گا۔

ابوجہل مکہ سے چار پانچ منزل پر پہنچا تھا کہ اسے اطلاع مل گئی کہ ابوسفیان والا قافلہ خیریت سے مکہ پہنچ گیا ہے۔ اہل لشکر نے ابوجہل سے کہا کہ اب ہم کو واپس چلنا چاہئے، کیونکہ ہمارا قافلہ بلا کسی گزند کے گھر پہنچ چکا ہے۔ ابوجہل نے کہا کہ ہاں یہ تو اچھا ہوا، لیکن بہتر یہ ہے کہ یثرب کے قریب و جوار تک پہنچیں اور وہاں جشن شادی مرتب کریں۔ اس کا اثر گردونواح کے قبائل پر پڑے گا کہ وہ مسلمانوں سے ہم عہد ہونا پسند نہ کریں گے اور مسلمان ہماری کثرت و شوکت اور جشن کے حالات سن کر مرعوب ہو جائیں گے۔ اہل لشکر نے اس رائے سے اتفاق کیا اور یہ لشکر سمندر کا ساحل چھوڑ کر (جدھر سے قافلے کے لئے جا رہے تھے) مدینہ کی طرف چل پڑا۔ جب نبی کریم ﷺ کو ابوجہل کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو حضور ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جو اصحاب اس وقت جلد سے جلد تیار ہو سکتے ہیں، وہ چل پڑیں۔ چنانچہ ۳۱۳ صحابہ جو اس وقت روئے زمین پر بہترین بزرگ تھے، حضور ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اس تعداد میں مہاجرین ۸۳ اور انصار ۱۵۲ (اوس ۶۱۔ خزرج ۹۱) اور متعلقین ہر دو قبائل ۷۹ تھے۔ بعض روایات میں تعداد ۳۱۹ اور بعض میں ۳۱۵ بیان کی گئی ہے۔ ۳۱۹ کی روایت غالباً ان صحابہ سمیت ہے جنھیں بوجہ صغرسن اجازت جنگ نہ دی گئی۔

مہاجرین و انصار سے نبی کریم ﷺ نے مشورہ طلب کیا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اور بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ نے گفتگو فرمائی۔ پھر مقداد بن عمرو انصاری نے کہا، یارسول اللہ! جو حکم آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ملا ہے اس کے لئے تیار ہو جائیے۔ ہم لوگ بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم تو بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق و صداقت کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ برک الغماد (اقصائے یمن کا ایک مقام) تک جائیں گے تو ہم ساتھ ساتھ ہوں گے اور حضور ﷺ کو درمیان میں لیتے ہوئے آگے پیچھے دائیں بائیں جنگ کریں گے۔

نبی کریم ﷺ کا چہرۂ مبارک اس تقریر پر روشن ہو گیا۔ انصار کے لئے شمولیت جنگ کا یہ پہلا موقع تھا۔ نبی کریم ﷺ نے مکرر انصار کی طرف رخ فرما کر دریافت کیا کہ کیا رائے ہے تو سعد بن معاذ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا حضور ﷺ کو ہماری رائے کی ضرورت ہے۔ بخدا ہمارا حضور ﷺ پر ایمان ہے۔ کیا حضور ﷺ کا یہ خیال ہے کہ انصار حضور ﷺ کا ساتھ صرف اپنے ہی وطن میں دیا کریں گے۔

میں اس وقت انصار ہی کی طرف سے اور انہی کی عرض پیش کر رہا ہوں کہ حضور ﷺ کا جو منشا ہو اس پر عمل فرمائیں۔ جس کا رشتہ ملانا ہو، ملا دیجئے۔ جس کا رشتہ توڑنا ہو، توڑ دیجئے۔ جسے موجودہ حالت پر رکھنا ہو اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیجئے۔ ہمارے اموال حاضر ہیں۔ جس قدر منشا ہو، قبول فرمائیے اور جس قدر منشا ہو، ہمیں بطور عطیہ چھوڑ دیجئے۔ لیکن حضور ﷺ کا قبول فرمانا ہم کو زیادہ پسند ہوگا۔ اور جو ہمارے لئے رہ جائے گا وہ ناپسند ہوگا۔ ہمارا معاملہ بالکل رسول ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ برک الغماد تک چلیں، ہم سب ہمرکاب ہیں۔ اس خدا کی قسم جس نے حضور ﷺ کو سچی نبوت کے ساتھ بھیجا ہے، اگر ہم کو سمندر چیر کر نکل جانے کا حکم ہوگا تو ہم سب حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ چلیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہ جائے گا۔ یا رسول اللہ! ہم لوگ جنگ میں جم جانے والے ہیں اور مقابلے میں اپنی بات کو پورا کر دکھاتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہماری خدمات حضور ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں گی۔

نبی کریم ﷺ نے اس تقریر پر نہایت سرور و نشاط کا اظہار فرمایا۔ اسلامی لشکر میں صرف ستر اونٹ اور تین گھوڑے سواری کے لئے تھے۔ تین تین سواروں کے لئے ایک ایک اونٹ مقرر کیا گیا تھا۔ ان تین میں سے ایک پیدل چلتا اور دو سوار ہوتے۔ نبی کریم ﷺ کی سواری میں بھی سیدنا علی المرتضیٰ اور ابولبابہ شامل تھے۔ ابولبابہ راستے میں سے حاکم مدینہ بنا کر واپس کئے گئے تو زیدؓ بن حارثہ نے ان کی جگہ لے لی۔

مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں جہاں اترنا پڑا وہاں پر ریت بہت تھی۔ پاؤں دبے جاتے تھے۔ پانی موجود نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی زور کی بارش بھیجی کہ ریت دب گئی اور مسلمانوں نے ریت ہٹا کر جوہڑ بنا لیا جو پانی سے بھر گیا۔ کفار صاف زمین پر اترے، ادھر بہت کیچڑ ہوگئی۔ اسلامی لشکر سے پیچھے ایک بلند ٹیلے پر حضور ﷺ کے لئے ایک چھپر بنا دیا گیا تاکہ آنحضور ﷺ اس بلندی سے دونوں لشکروں کو ملاحظہ کر سکیں۔ صرف سیدنا ابوبکر صدیقؓ اس چھپر کے سائے میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان کا کام حضور ﷺ کی خدمت بجا لانا، اپنے لشکر کی حالت عرض کرتے رہنا اور حضور ﷺ کے احکام لشکر تک پہنچانا تھا۔

لڑائی سے ایک روز قبل نبی کریم ﷺ نے میدان جنگ کا معائنہ کیا۔ صحابہ کرام ساتھ تھے۔ نبی کریم ﷺ ٹھہر کر فرماتے جاتے تھے: کل یہاں فلاں کافر کی لاش ہوگی اور یہاں فلاں کافر کی۔ جملہ سرداران قریش کے نام اسی طرح آنحضور ﷺ نے گنوا دیئے۔

لڑائی کے لئے صف بندی

جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ کو صف بندی ہوئی۔ نبی کریم ﷺ ملاحظہ کے لئے صفوں کے سامنے سے گزرے۔ کیا دیکھا کہ ایک انصاری صف سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ آنحضور ﷺ کے ہاتھ میں پتلی سی چھڑی تھی۔ ان انصاری صحابیؓ کے پیٹ پر چھڑی لگا کر کہا کہ برابر ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! مجھے تو اس سے سخت تکلیف ہوئی۔ حضور ﷺ نے اپنا کرتا اٹھا کر فرمایا کہ بدلہ لے لو! ان صحابی نے آگے بڑھ کر جھٹ حضور ﷺ کے بطن اطہر کو چوم لیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا، یہ کیا؟ وہ بولے، حضور! دنیا میں یہ آخری گھڑیاں ہیں اور آخری سانس ہے۔ میں نے سوچا کہ اس شرف سے مشرف ہو جاؤں۔ نبی کریم ﷺ نے دعائے خیر کی اور بعد ازاں یہ دعا فرمائی: "یا اللہ! یہ وہ اہل ایمان ہیں کہ آج ان کو تو نے ہلاک کر دیا تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔"

اپنی فوج کے معائنے سے فارغ ہوئے تو دشمن کی فوج کی طرف دیکھا اور زبان مبارک سے فرمایا: "الٰہی یہ قریش ہیں جو فخر و تکبر سے بھرپور ہیں، تیرے نافرمان، تیرے رسول ﷺ سے جنگ آور۔ الٰہی! تیری نصرت تیری مدد کی ضرورت ہے جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔"

بعد ازاں نبی کریم ﷺ عریش میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی۔ ابوبکر صدیقؓ شمشیر برہنہ لے کر پہرے پر کھڑے ہوگئے۔ نماز میں آنحضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی: (ترجمہ) "الٰہی! مجھے ندامت سے بچائیو۔ یا اللہ! میں تجھے تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں۔"

نماز کے بعد نبی کریم ﷺ نے لمبا سجدہ فرمایا۔ سجدے کے بعد بھی لمبی دعا میں مصروف رہے۔ دعا ایسے گریہ و زاری کے ساتھ کی کہ

آپ ﷺ کی چادر مبارک بھی کندھوں سے گر گئی اور آپ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! حضور ﷺ اپنے آپ کو اتنا ہلکان نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فتح و ظفر کا وعدہ فرما چکا ہے۔ اتنے میں آنحضور ﷺ پر اونگھ سی طاری ہوئی اور ادھر ساری فوج کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ حضور ﷺ نے آنکھ کھولتے ہی فرمایا، ابوبکر تجھے بشارت ہو کہ نصرت الٰہی بھی آپہنچی۔ جبرئیل علیہ السلام بھی آگئے ہیں۔ فوج نے آنکھ جھپک جانے کے بعد دشمن کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کی تعداد بہت کم ہے اور مسلمان تعداد میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس یقین نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے۔ نبی کریم ﷺ میدان جنگ میں تشریف لائے تو لشکر اسلام سے فرمایا، اپنی جگہ پر قائم رہنا۔ دشمن حملے کی شکل میں آگے بڑھے تو آگے آنے دینا۔ جب وہ تمہارے تیروں کی زد آجائے، تب تیر خوب برسانا۔ دشمن اور قریب آجائے تو نیزوں کا استعمال کرنا۔ تلوار کا استعمال آخر میں کرنا۔"

اس وقت کفار کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف اپنی فوج کے سامنے تقریر کے لئے نکلا اور ادھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم میں یہ شخص سمجھ دار ہے۔ اگر لوگوں نے اس کی بات مان لی تو سیدھی راہ ہو جائیں گے۔

عتبہ بولا: محشر قریش! محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کا کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا۔ اگر تم غالب بھی آگئے تب بھی کیا ہوگا۔ ہم اپنے بھائیوں سے ہمیشہ آنکھ چراتے رہیں گے۔ کوئی چچازاد کو، کوئی خالہ زاد کو قتل کرے گا۔ کوئی اپنے قبیلے کے بھائی کو مار ڈالے گا۔ چلو واپس چلو۔ عرب والے خود محمد سے سمجھ لیں گے۔ اگر کوئی بھی غالب نہ آیا تو تم ندامت سے بچے رہے۔

بعد ازاں یہی پیغام ابوجہل کے پاس بھی بھجوا دیا گیا۔ ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو بلایا اور کہا کہ دیکھو یہ عتبہ تیرا رقیب ہے اور تجھے بھائی کا انتقام لینے سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا بیٹا مسلمانوں کی طرف ہے۔ اب تم پر لازم ہے کہ آگے بڑھو اور فوج کو گرماؤ۔ اس نے اپنے بھائی کے نام کی دہائی کر دی اور فوج میں جوش پیدا ہو گیا۔ اسود مخزومی کفار سے نکلا اور کہا کہ سب سے پہلے میں بڑھتا ہوں۔ مسلمانوں کے حوض کا پانی پی کر آؤں گا۔ وہ حوض کی طرف چلا تو سیدنا حمزہؓ نے اس کا تعاقب کیا اور اس کی پیٹھ پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں رہ گیا۔

اب اپنی صف سے عتبہ نکلا۔ غالباً یہ ابوجہل کے طعن کا جواب تھا۔ اس کا بھائی شیبہ اور فرزند ولید بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس نے نعرہ لگایا کہ کوئی مقابلے کو نکلے۔ یہ سن کر معاذ اور معوذ پسران حارث باہر نکلے۔ ان کی ماں عفراء انصاریہ تھیں۔ اس خاتون کے سات فرزند دو شوہروں حارث اور بکیر سے تھے اور ساتوں فرزند میدان جنگ میں حاضر تھے۔ کوئی خاتون اس فضیلت کو نہ پا سکی۔ عبداللہ بن رواحہ انصاری ان کے ساتھ ساتھ تھے۔ عتبہ نے کہا، تم کون ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہم انصار ہیں۔ عتبہ بولا، ہاں آپ ذی عزت ہیں۔ برابر کے جوڑ ہیں، لیکن میں تو اپنی قوم کے اشخاص چاہتا ہوں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، عبیدہ بن حارث چلو۔ حمزہ تم چلو، علی تم چلو۔ تینوں ہاشمی ہیں۔ حضرت حمزہ نے شیبہ اور حضرت علیؓ نے اسید کا کام کر ڈالا۔

عبیدہ اور عتبہ ایک دوسرے پر شمشیر زنی کر رہے تھے کہ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے بھی عتبہ پر حملہ کر دیا اور اسے خاک و خون میں سلا دیا۔ اسی جنگ میں امیہ بن خلف پر جو حضرت بلالؓ کو کلمہ توحید قبول کرنے پر ستایا کرتا تھا، حضرت بلالؓ نے حملہ کیا۔ معاذ بن عفراء بھی بلال کی مدد کو پہنچ گئے اور اس ناپاک کا خاتمہ کر دیا۔

ابوبکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کو مبارکباد دی۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ صف بندی میں میرے دائیں بائیں نوجوان لڑکے تھے۔ میں نے دل میں کہا کہ میرے برابر کوئی آزمودہ کار ہوتا تو خوب ہوتا۔ یہ دونوں نوجوان معاذ و معوذ دو بھائی تھے۔ ایک نے چپکے سے مجھ سے کہا کہ چچا، آپ ابوجہل کو جانتے ہیں جب ہمارے سامنے آئے تو مجھے بتانا۔ دوسرے نے بھی یہی بات آہستہ سے پوچھی۔ میں نے کہا کہ تم کیا کرو گے اگر اسے دیکھ لو گے؟ بولے، ہم نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ ہم نے عہد کر لیا ہے کہ اسے ضرور قتل کریں گے یا اپنی جان دے دیں

گے۔ اتنے میں ابو جہل چکر لگاتا ہوا لشکر کے سامنے آیا۔ میں نے دونوں لڑکوں سے کہا، دیکھو ابو جہل وہ ہے۔ یہ سنتے ہی دونوں ایسے جھپٹے جیسے شہباز کوے پر گرا کرتا ہے۔ دونوں نے اپنی اپنی تلواریں اس کے پیٹ میں بھونک دیں۔ وہ زمین پر پڑا جان توڑ رہا تھا کہ ابن مسعودؓ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کی چھاتی پر پاؤں رکھ کر سر کاٹا اور داڑھی سے پکڑ کر سر اٹھالیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس اُمت کا فرعون یہی ابو جہل تھا۔

گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی اہل ایمان کی مدد و نصرت اور ثبات و اطمینان کے لئے نازل فرمایا۔

مُسلمین و کافرین کا ہر شخص جنگ میں مصروف تھا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی کفار کی جانب پھینک دی۔ کنکریوں کا پھینکنا تھا کہ کفار ہمت ہار بیٹھے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ستر افراد کو قید بھی کر لیا۔ معرکے میں کافروں کے ستر آدمی ہلاک ہوئے تھے اور مسلمان صرف چودہ شہید۔

ستر قیدیوں میں چند ہاشمی بھی تھے جو نبی کریم ﷺ سے قرابت رکھتے تھے:

1. انہی میں عباس بن عبد المطلب نبی کریم ﷺ کے چچا تھے۔
2. انہی میں سیدنا علی المرتضیٰ کے برادر کلاں بھی تھے۔
3. نوفل بن حارث نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھی۔
4. انہی میں حضور ﷺ کی دختر کلاں زینبؓ کے شوہر ابو العاص بھی۔

لیکن یہ سب عام قیدیوں میں شامل تھے۔ رات کو ایک انصاری نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ آرام نہیں فرماتے۔ ادھر ادھر کروٹیں لے رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کو کچھ تکلیف ہے؟ فرمایا، نہیں! مجھے تو عباس کے کراہنے کی آواز آ رہی ہے اور وہی آواز مجھے سونے نہیں دیتی۔ انصاری صحابی اٹھے اور حضرت عباس کی مشک کھول آئے۔ نبی کریم ﷺ نے جب عباس کی آواز نہ سنی تو انصاری صحابی سے اس بارے میں پوچھا، انصاری صحابی نے کہا، میں ان کی مشک کھول آیا ہوں۔ فرمایا، جاؤ اور سب اسیروں کے ساتھ یہی سلوک کرو۔

کفار ایسے بھاگے تھے کہ انہوں نے اپنی فوج کے مردوں کا بھی کچھ انتظام نہ کیا۔ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جہاں کسی انسان کی لاش کو بلا تدفین دیکھ لیتے، دفن کرنے کا حکم دیتے۔ غزوۂ بدر میں بھی آنحضور ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

چوبیس سرداران قریش کو ایک گڑھے میں الگ اور باقی کفار کو ایک گڑھے میں الگ دفنا دیا گیا۔ تیسرے روز نبی کریم ﷺ اس گڑھے کے کنارے تک تشریف لے گئے جہاں سرداران قریش کے ناپاک جسم گرائے گئے تھے اور بہ آواز بلند فرمایا: "اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن عتبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابو جہل بن ہشام! اللہ نے جو تمہاری بابت کہا تھا، کیا اس کو تم نے ٹھیک پایا؟ مجھ سے جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا، میں نے اسے بالکل درست دیکھ لیا۔"

حضرت عمرؓ نے سوالیہ لہجے میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ ﷺ ان لاشوں سے جن میں روح نہیں، تین روز بعد خطاب فرما رہے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "ہاں وہ اس وقت خوب جان گئے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کے معاملے کو شوریٰ میں پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا، یہ لوگ کافروں کے پیش رو ہیں۔ میری رائے میں ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ فلاں شخص جو میرا قریبی ہے اس کی گردن میں اڑا دوں اور عقیل جو علی کا بھائی ہے، علیؓ اس کی گردن اڑا دے۔ اس طرح حمزہؓ اپنے قریبی کی تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دل میں مشرکین کی مودت ذرا بھی نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: میری رائے ہے کہ ان کو معاف کر دیا جائے اور ان سے فدیہ لیا جائے۔ اس سے ہم اپنی جنگی حالت کو درست کر لیں گے اور بعد میں ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کو اسلام کی نعمت مل جائے اور وہ خود بھی ہمارا قوت بازو ثابت ہو۔

عبد اللہ بن رواحہ انصاری نے کہا کہ میری رائے ہے کہ جس جنگل میں لکڑیاں بہت ہوں وہاں ان کو داخل کر کے آگ لگا دی جائے۔

نبی کریم ﷺ عریش میں چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر باہر

تشریف لائے اور یوں ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بعض کے دلوں کو نرم کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ ضرورت سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں۔ بعض کے دلوں کو پتھر کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تو ملائکہ میں میکائیل جیسا ہے جو رحمت کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! انبیا میں تیری مثال ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! انبیا میں تیری مثال عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے۔ اے عمر رضی اللہ عنہ! تیری مثال ملائکہ میں جبرئیل جیسی ہے جو شدت اور باس کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔ اے عمر رضی اللہ عنہ! تیری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے۔ اے عمر! تیری مثال انبیا میں موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے۔ اے ابوبکر و عمر! اگر تمہارا اتفاق ہوتا تو میں کچھ اور حکم نہ دیتا۔ اچھا ان سے فدیہ لیا جائے ورنہ ضرب عنق ہوگا۔"

بہت سے لوگوں نے اپنا زر فدیہ وہیں ادا کر دیا اور جو رہ گئے تھے ان کو مدینہ لے جایا گیا۔ قیدیوں میں بعض پڑھے لکھے تھے ان کو انصار کے بچے سپرد کر دیئے گئے کہ زر فدیہ کے عوض میں ان کو تعلیم دیا کریں۔ اسیروں کو مدینہ میں ایسے آسائش و آرام سے رکھا گیا تھا کہ وہ مکہ میں واپس آکر کہا کرتے تھے، خدا اہل مدینہ پر رحم کرے۔ خود کھجوروں پر گزارہ کیا کرتے تھے اور ہمیں روٹی کھلایا کرتے تھے۔

وہ تمام صحابہ کرام جنہوں نے اس غزوہ میں شرکت کی، "اہل بدر" یا "بدری" کہلاتے ہیں۔ احادیث میں ان صحابہ کی بہت ہی فضیلت آئی ہے۔ ⇦ بدری۔

✻ بدر الموعد، غزوہ: ایک غزوہ جو بدر کے مقام پر ۴ھ میں ہوا۔ غزوۂ احد سے واپسی پر ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ آئندہ سال اسی مہینے میں بدر کے مقام پر آؤں گا جہاں پھر مقابلہ ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت عمر فاروقؓ نے ابوسفیان کو اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ ذوالقعدہ ۴ھ میں رسول اللہ ﷺ بدر کے مقام پر پہنچے تاکہ ابوسفیان کا حسب وعدہ مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بدر کے مقام پر عرب کا میلہ شروع ہو جاتا تھا اور خوب تجارت ہوتی تھی۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ پندرہ سو غازی اور ۱۰ گھوڑے تھے۔ ابوسفیان بھی حسب وعدہ نکلا، لیکن مرالظہران پہنچ کر اس کی ہمت جواب دے گئی، کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس موقع پر ہر طرف ہریالی اور سبزہ ہے، خشک سالی بھی نہیں ہے اس لئے یہ وقت لڑائی کے لئے مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ ادھر نبی کریم ﷺ ۸ ذوالقعدہ کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

✻ بدری: وہ صحابہ کرام جنہوں نے اسلام کے پہلے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ ان صحابہ کرام کی احادیث میں بہت ہی فضیلت آئی ہے۔

صحیح بخاری میں رفاعہ بن رافع الزرقی سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور پوچھا، آپ ﷺ اہل بدر کو مسلمانوں میں کیسا افضل سمجھتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب مسلمانوں سے افضل سمجھتا ہوں۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ فرشتوں میں سے جو فرشتے بدر میں حاضر ہوئے ان کا درجہ ملائکہ میں بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا: "اب تم جو چاہو، کرو۔ میں تم کو بخش چکا ہوں۔"

✻ بدعت: ایک اسلامی اصطلاح، گمراہی اور خسارہ۔ محمد ﷺ کی سُنّت کے خلاف دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنا۔

"بدعت" اور "اجتہاد" میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بدعت ضلالت و بدی ہے اور اجتہاد دین کی ضرورت ہے۔ دین میں نئی بات نکالنا کوئی معمولی برائی نہیں ہے۔ اس پر شدید وعید اس لئے آئی ہے کہ بدعت سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ سے کچھ ایسی باتیں بیان کرنے سے رہ گئیں جن کے کرنے سے آخرت میں بڑا ثواب ہوگا اور آخرت میں ترقی ہوگی۔

آنحضور ﷺ کو بدعت سے نہ صرف نفرت تھی بلکہ ایذا اور تکلیف بھی ہوتی تھی۔ بدعت ایک مہلک اور متعدی مرض ہے۔ اس

کے مریضوں سے دور رہنا چاہئے۔ قیامت کے دن آنحضور ﷺ اپنی اُمت کے بدعتیوں کو دیکھ کر فرمائیں گے: جنہوں نے میرے بعد دین میں کوئی تبدیلی کی اور بدعت پھیلائی وہ مجھ سے دور رہیں۔

قرآن اور احادیث مبارکہ کی تصریحات کے مطابق شرک کے بعد سب سے بڑی فکری اور عملی گمراہی بدعت ہے۔ بدعت سے اسلام کا چشمہ صافی گدلا ہو جاتا ہے اور جو شخص اسلام کے چشمہ صافی کو گدلا کرنے کی کوشش کرے گا وہ خود ہی دنیا اور آخرت میں گدلا اور میلا ہو جائے گا، اسی لئے خاتم الانبیا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بدعت سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی۔ صحابہ کرام اور اکابرین نے اسے انتہائی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور عارفین اُمت نے اس سے سوئے خاتمہ کا اندیشہ محسوس کیا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح "توحید" کے مقابل لفظ "شرک" ہے، اسی طرح "سنت" کے مقابلے میں لفظ "بدعت" ہے۔ کوئی شخص شرک کرنے کے بعد اپنے آپ کو ہزار اہل توحید میں سے سمجھے اس کا یہ سمجھنا باطل اور مردود ہوگا۔ اسی طرح بدعات اپنانے کے بعد کوئی اپنے آپ کو "سنی" کہے تو اس کا یہ کہنا غلط ہوگا، کیونکہ جس طرح شرک نام ہے توحید کی مخالفت کا اسی طرح بدعت نام ہے، سُنّت کی مخالفت کا۔ سُنّت کی مخالفت کرنے والا "اہل سنت" اور "سنی" کہلانے کا کسی صورت مستحق نہیں۔ بدعات کے اپنانے والے پر شیطان کا داؤ اس طرح چلتا ہے کہ وہ علی الاعلان ان "بدعات" کو "سنت" کہتا ہے اور اسے دین کا حصہ قرار دیتے ہوئے دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور ان بدعات پر عمل نہ کرنے والے کو برا کہتے ہوئے بھی شرم نہیں کرتا۔ آخر کار وہ ان بدعات کا بوجھ لئے آخرت کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے اور اسے توبہ کی مہلت تک نہیں ملتی۔

بدعت کی ایجاد اور اس پر اصرار کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا دین ابھی (معاذ اللہ) ناقص ہے۔ آنحضرت ﷺ جو شریعت لے کر آئے اس میں کمی رہ گئی تھی جو اس بدعت سے پوری کی جا رہی ہے۔ بدعت کا ارتکاب کرنے والا گویا یہ کہہ رہا ہے کہ یہ بھی دین کا ایک اہم عمل تھا، مگر آنحضرت ﷺ نے ہمیں نہیں بتایا۔ غور کیجئے، کیا یہ دین کے کامل ہونے کا کھلا انکار نہیں؟ اور کیا آنحضرت ﷺ پر یہ الزام لگانا نہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ نے ہمیں پورا دین نہیں دیا؟ لہٰذا یاد رکھیے کہ بدعت کا اثر نہ صرف اعمال پر پڑتا ہے بلکہ بدعت کے ارتکاب سے عقیدہ بھی گدلا اور گندا ہو جاتا ہے، اس لئے بدعت کے مریضوں سے ہمیشہ دور رہنا چاہئے۔

بدعت ہر اس عمل کا نام ہے جسے دین سمجھ کر کیا جائے اور اس پر ثواب اور اجر کی امید رکھی جائے، مگر اس کی اصل نہ کتاب اللہ سے ملے، نہ سُنّت رسول اللہ ﷺ سے، نہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے عمل سے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ کام اچھا ہوتا اور اس پر ثواب ملتا تو قرآن کریم اس کا ضرور ذکر کرتا۔ آنحضرت ﷺ اسے عمل میں لاتے اور اپنی اُمت کو اس کی تاکید فرماتے۔ صحابہ کرام جو ہر نیکی کی تلاش میں رہتے تھے وہ ضرور یہ عمل کر گزرتے، لیکن جب انہوں نے باوجود داعیہ ہونے کے وہ کام نہ کیا تو یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں کہ اسلام میں اس عمل کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جو اس پر عمل کرے گا وہ نہ صرف اسلام کو ناقص سمجھنے کا مجرم ٹھہرے گا بلکہ حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا منکر ہوگا۔ مشہور محدث حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

"بدعت سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس سے بدتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ بدعت ایک مہلک اور متعدی مرض ہے۔ اس کے مریضوں سے متعدی امراض کی طرح دور رہنا چاہئے۔ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ بدعتیوں کو دیکھ کر بڑی نفرت کے انداز میں فرمائیں گے: سحقا سحقا لمن بلد بعدی (یعنی جنہوں نے میرے بعد میرے دین میں تبدیلی کی اور بدعات پھیلائیں وہ مجھ سے دور رہیں، دور رہیں)۔ بدعت کو ایجاد کرنے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہمارا کامل دین گویا ابھی ناقص ہے اور آنحضرت ﷺ کی شریعت میں بھی کمی بیشی کی گنجائش ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد گویا نبوت کی ضرورت باقی ہے۔ اور یہ ختم نبوت کا انکار نہیں تو اور کیا ہے۔ بدعت کا اثر نہ صرف مسلمانوں کے اعمال پر ہوتا ہے بلکہ ان کے عقائد پر بھی پڑتا ہے، اس لئے بدعت میں غلو کرنے سے یعنی اس کی زیادتی

سے سوئے خاتمہ کا بھی اندیشہ ہے۔"

بدعت کے نقصانات

آئیے ہم قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے آئینے میں بدعت اور اس کے نقصانات پر ایک سرسری نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ دین میں بدعات پیدا کرنے، بدعات کو رواج دینے اور بدعات کو گلے لگانے کا انجام کس قدر خطرناک ہے۔ اس کے دنیاوی نقصانات کیا ہیں اور آخرت میں بدعات کا پھل کتنا کڑوا ہوگا:

❶ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے اتباع کا حکم فرمایا ہے اور اپنی محبت کا معیار اتباع سُنّت بتایا ہے۔ جو شخص آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی سُنّت مبارکہ کا اتباع کرے گا اسے خدا کی خوشنودی اور اس کی محبت حاصل ہوگی۔ قرآن کریم میں ہے:

"آپ کہہ دیں اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے اور رسول ﷺ کا حکم مانو۔ پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے۔" (آل عمران)

اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ اتباع سُنّت ہے۔ خدا کی محبّت اور اس کی رضا اتباع رسول ﷺ میں ہے۔ ابتداع میں نہیں۔ بدعات سے نہ خدا خوش ہوتا ہے اور نہ اس کی محبّت اور مغفرت حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے:

"جس نے میری بات مانی اس نے خدا کی بات مانی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۱)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میری اُمت میں سے ہر کوئی جنّت میں جائے گا، مگر جس نے انکار کیا ہوگا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا، وہ کون ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس نے میری بات مانی وہ جنّت میں جائے گا اور جس نے میری بات نہ مانی بس اس نے انکار کر دیا۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۱)

جب آنحضرت ﷺ کی اطاعت، خدا کی اطاعت اور حضور ﷺ کی نافرمانی، خدا کی نافرمانی ٹھہری اور حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والا جنّت کے قابل نہ رہا تو آپ ہی اندازہ فرمائیے کہ جو عمل آنحضرت ﷺ کی سُنّت مطہرہ کے مقابل آجائے اور حضور ﷺ کے پاک صاف دین میں کمی بیشی کا باعث بنے، اس عمل اور صاحب عمل پر خدا کا غضب نہ اترے تو اور کیا ہو!

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین میں اضافہ ہو اور خدا کی محبّت اور اس کی رضا ملے۔ ہرگز نہیں! یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی سیرت اور سُنّت کا مقابل بدعت کو قرار دیا جس میں بتا دیا گیا کہ بدعت کا نقصان یہ ہے کہ انسان حضور ﷺ کی سُنّت اور سیرت کے مقابل آجاتا ہے اور آپ ﷺ کی سنتوں کے مقابلے پر آجانا صریح گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"بہترین بات اور بیان کتاب اللہ ہے اور بہترین نمونہ اور طریقہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت ہے اور وہ کام بدترین ہیں جو نئے نئے گھڑے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۰)

پس سُنّت کو اپنانے کا فائدہ یہ ہے کہ خدا کی محبّت اور اس کی مغفرت نصیب ہوتی ہے جب کہ بدعت کو اپنانے اور اسے پھیلانے کا نقصان یہ ہے کہ خدا ناراض ہوتا ہے اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ جب خدا ناراض ہو تو پھر بندے کا کوئی نیک عمل بھی قبول نہیں ہوتا۔

❷ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے، نہ نماز صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ حج، نہ عمرہ اور نہ جہاد اور نہ کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے اور نہ نفلی۔ بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔" (سنن ابن ماجہ)

آپ ہی سوچیں بدعت کا یہ نقصان کیا کچھ کم ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی تو اسلام کے مطابق گزارے۔ نماز، روزہ، حج، صدقہ اور فرائض و نوافل بھی کرتا رہے، لیکن بدعت کو بھی محبوب رکھے اور اہل بدعت کو گلے لگائے تو یہ بدعت اس کی نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ عبادت کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میری عبادت قبول ہو رہی ہے، مگر وہ یہ نہیں سمجھتا کہ بدعت ایک ایسا خبیث عمل ہے کہ اس سے اس کا نیک عمل قبول نہیں کیا جاتا۔ اللہ کے

ہاں اس کے اس عمل کی کوئی وقعت نہیں ہوتی بلکہ بدبختی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال دیا جاتا ہے۔ ہاں، اگر وہ آئندہ کے لئے بدعت سے توبہ کرلے تو پھر اس کے عمل کو قبولیت کا شرف نصیب ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کے ہر عمل کو رد کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی بدعت کو چھوڑ دے۔ (سنن ابن ماجہ)

بدعتی کے ہر عمل کو رد کرنے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ وہ اپنے قول و عمل سے اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ جو دین لے کر آئے وہ ابھی تک ناقص ہے۔ یہ عمل (جو اس وقت میں کر رہا ہوں) بھی دین کا ایک اہم حصہ تھا جو اس دین میں شامل نہیں کیا گیا اور پیغمبر ﷺ نے اپنی اُمت کو یہ عمل نہیں بتایا۔ ظاہر ہے یہ بات آنحضرت ﷺ پر کھلا افترا ہے اور مفتری علی الرسول اسی کا مستحق ہے کہ اس کا ہر عمل رد کر دیا جائے، اس لئے کہ دین کامل اور مکمل ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت کو پورا دین پہنچا دیا ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں فرمائی۔

❸ آنحضرت ﷺ کی سنتوں پر چلنے والا اپنے قول و عمل سے اس کا کھلا اعلان کرتا ہے کہ دین اسلام کامل اور مکمل دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر دین کو مکمل فرمایا اور آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو نیکی کی ہر راہ بتادی اور ہر برائی کی نشان دہی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا احسان اور میں نے تمہارے واسطے پسند کیا اسلام کو دین۔"

(المائدہ: ۳)

حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ بتاؤ، میں نے خدا کا دین پورا پورا پہنچایا کہ نہیں؟ صحابہ نے کہا جی ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے ہمیں خدا کا دین پورا پورا پہنچایا۔ آپ ﷺ نے اس وقت اپنا سر مبارک آسمان کی طرف کیا اور فرمایا کہ اے اللہ! آپ گواہ رہئے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۲۳۵)

اس سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت کو ان تمام اعمال کی خبر دے دی تو جو نیکی اور بھلائی کے امور ہیں جن کے اختیار کرنے سے خدا راضی ہوتا ہے اور اس عمل پر ثواب حاصل ہوتا ہے اور ان سب امور کا پتا بتا دیا جن کو عمل میں لانے سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے یا اپنے عمل کے ذریعے یہ بتائے کہ یہ عمل جو اب میں ادا کر رہا ہوں، یہ نیکی اور ثواب کا عمل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت سے نیکی کی ایک بات چھپائی جسے یہ بدعتی ظاہر کر رہا ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) حق یہ ہے کہ ایسا کہنے والا جھوٹ کہتا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

"جو یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ نے دین کی کوئی بات چھپائی وہ جھوٹ کہتا ہے۔" پھر آپؓ نے آیت پڑھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اے رسول! پہنچادے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۰۷)

قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں اہل سُنّت اس عقیدے کا کھلا پرچار کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دین کی کوئی بات ہرگز نہیں چھپائی اور نہ کوئی ایسا عمل اپنی اُمت سے مخفی رکھا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں اور اس پر ثواب ملے جب کہ بدعت پیدا کرنے اور اسے رواج دینے کا نقصان یہ ہے کہ اس سے معاشرے میں یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ہمارا دین ابھی ناقص ہے، ابھی ایسے نیکی کے اور بھی بہت سے کام تھے جو ہمیں نہیں بتائے گئے۔ یہ بات حضور اکرم ﷺ پر افترا نہیں تو اور کیا ہے۔

امام دار الہجر حضرت امام مالکؒ نے بدعت کے نقصانات میں اس بات کو سب سے اہم بتایا ہے کہ اس سے آنحضرت ﷺ کی ذات رسالت پر حملہ ہوتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں: "جو شخص بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے تو وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (معاذ اللہ) رسالت (کی ادائیگی) میں خیانت کی ہے حال آنکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم الایہ (آج میں نے تم پر دین مکمل کر دیا)۔" پھر فرماتے ہیں کہ جو کام اس زمانے میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں بن سکتا۔

حضرت مجددؒ الف ثانی فرماتے ہیں کہ بدعات کی راہ اپنانا اکمال دین کا انکار کرنا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں:

"دین ان بدعات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمت تمام ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی اسی دین پر کامل عمل سے وابستہ ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الیوم اکملت لکم دین کم الایہ پس دین کا کمال ان بدعات میں تلاش کرنا آیت کریمہ کے مضمون سے انکار کرنے کے برابر ہے۔ (مکتوبات حصہ چہارم)

اس سے پتا چلتا ہے کہ جس عمل کو آج دین بنا کر اس پر عمل کرنے کی ترغیب اور اس کی تاکید کی جاتی ہے وہ نہ صرف یہ کہ سرے سے دین ہی نہیں بلکہ اس عمل کے موجد آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اب جو لوگ اس نئے عمل کو اپناتے ہیں اور اس کے موجد کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا کسی درجے میں اس کی تکریم کرتے ہیں وہ دراصل آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین کو نقصان پہنچانے میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں حال آنکہ آنحضرت ﷺ کے امتی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ نہ اس نئے عمل کو پذیرائی بخشے، نہ اس کے موجد کی عزت کرے بلکہ جس قدر ہو سکے اس عمل اور اس کے موجد کی حوصلہ شکنی کرے۔ حضرت ابراہیم بن میسرہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے کسی بدعتی کی مدد کی اس نے اسلام کو گرانے میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت علامہ شاطبی اہل بدعت کی عزت کرنے کے نقصانات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل بدعت کی تعظیم کرنے میں دو ایسی برائیوں کا اندیشہ ہے جن سے اسلام کی بنیاد منہدم ہوتی ہے۔ پہلی یہ کہ جاہل اور عوام جب اہل بدعت کی اس عزت افزائی کو دیکھیں گے تو یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا فضیلت والا کام ہے اور یہ جس قول و عمل پر ہے وہ اس سے بہتر ہے جو دوسرے بتاتے ہیں۔ پس یہ بات اس کی اس بدعت کی پیروی کی طرف لے جائے گی جس کا نقصان یہ ہو گا کہ اہل سُنّت کے طریقے کی اتباع نہ ہو پائے گی۔ دوسرا یہ کہ اہل بدعت جب اپنی بدعت کی وجہ سے عزت پائے گا تو وہ گویا ہر عمل میں بدعت پیدا کرنے کی ترغیب دے گا اور ہر کام میں بدعت اختیار کرنے کا داعی بنے گا۔ بہر حال (اہل بدعت کی عزت و تکریم سے) بدعات کی نشو و نما ہوتی ہے اور سنتیں مرتی ہیں اور یہ بعینہٖ اسلام کو گراتا ہے۔" (الاعتصام)

حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"جو شخص اہل بدعت کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملے گا جو اس کی خوشی کا باعث ہوتی ہو تو اس نے اس چیز کی حقارت کی جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔" (غنیۃ الطالبین)

جو لوگ آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کے مقابلے میں اس عمل کو اچھا جانیں جو بدعت ہے تو ایسے لوگ خدا کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ حضرت علیؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں:

"مدینہ منورہ مقام عیر سے لے کر مقام ثور تک حرم ہے۔ پس جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ نہ تو اس کا کوئی فرض قبول ہے، نہ نفل۔" (صحیح بخاری)

بدعت پیدا کرنے اور اسے پھیلانے کا نقصان دیکھئے کہ ساری کائنات اس پر لعنت برساتی ہے اور وہ ہے بھی اسی لائق، اس لئے کہ وہ خدا کے دین کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنتوں اور آپ ﷺ کے طریقے کے مقابلے پر ایک نیا عمل وجود میں لا رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بدعت اور اہل بدعت سے اس قدر سخت نفرت ہے کہ آپ ﷺ اپنے امتی کو یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کو جو بدعت کا شکار ہے، کبھی پناہ نہ دینا ورنہ تم بھی ساری کائنات کی لعنت کے مستحق بن جاؤ گے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ جو لوگ کسی درجے میں بدعت کو قبول کرتے ہیں اور اہل بدعت کے لئے راستے پیدا کرتے ہیں وہ اپنی جگہ کتنے ہی نوافل اور نیکیاں کیوں نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے یہ اعمال شرف قبولیت نہیں پاتے۔ یہ لوگ ہر لمحہ خدائی لعنت میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی زمین پر خدا اور اس کے رسول کے طریقے اور اس کی دعوت دین پھیلانے کے بجائے ایسے افعال کو وجود دیتے

ہیں جس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر انہی بدعات کی وجہ سے معاشرے میں حق و باطل اور سُنّت و بدعت کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور پورا معاشرہ اس طرح خدائی پکڑ میں آجاتا ہے کہ ہر طرف جہالت کے اندھیرے رہ جاتے ہیں اور سُنّت کا نور اٹھالیا جاتا ہے۔

❻ حضرت عفیف بن الحارث الثمالی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: "کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گی، مگر اس کی مقدار میں ان سے سُنّت اٹھالی جائے گی۔ اس لئے سُنّت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔" (مشکوٰۃ)

اس حدیث پاک میں سُنّت پر عمل کرنے کا فائدہ اور بدعت پیدا کرنے کا نقصان بتا دیا گیا کہ سُنّت پر عمل کرنا اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا بڑی فضیلت کی بات ہے، اس لئے کہ سُنّت پر عمل کرنے میں راحت ہی راحت ہے، کوئی خطرہ اور اندیشہ نہیں۔ جب کہ بدعت کے ایجاد کرنے کا کھلا نقصان یہ ہے کہ معاشرے کو سُنّت جیسی عظیم نعمت سے محروم ہونا پڑتا ہے۔

مشہور تابعی حضرت حسانؒ فرماتے ہیں کہ جب وہ سُنّت اٹھائی جاتی ہے تو پھر قیامت تک وہ واپس نہیں کی جاتی۔ (مشکوٰۃ)

آپ ہی اندازہ کیجئے کہ وہ قوم کیسے خوش حال اور سدا بہار رہ سکتی ہے جو سنت جیسی نعمت سے محروم ہوجائے، اسی لئے ہر دور کے اکابرین اور اللہ والوں نے ہمیشہ سُنّت کے دامن کو مضبوطی سے تھامنے کی تاکید کی اور ہر ایسے قول و عمل سے اجتناب کی تاکید کی جس سے ایک مسلمان آنحضرت ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے محروم ہوجائے۔

آپ اگر اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو آپ کو ایسے بہت سے اعمال ملیں گے جن کا دور دور تک اسلام سے کوئی واسطہ نظر نہیں آتا اور نہ وہ اعمال اسلامی تعلیمات سے کچھ لگاؤ رکھتے ہیں، مگر افسوس کہ معاشرے میں انہیں اس طرح داخل کر دیا گیا ہے یا جہالت کے مارے افراد نے انہیں اس طرح اپنا لیا ہے کہ دین گویا نام ہی ان اعمال کا ہے اور انہیں اپنائے بغیر نہ کوئی صحیح مسلمان سمجھا جاسکتا ہے اور نہ پکا اہل سُنّت بن سکتا ہے۔ ان وضعی افعال (بدعات) کی بھرمار سے سُنّت پر عمل کرنے کی راہ بند کر دی جاتی ہے اور اگر کوئی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے ان وضعی افعال سے جان چھڑانا چاہتا ہے تو اس پر آواز کسی جاتی ہے کہ اس نے سُنّت کو ترک کر دیا حال آنکہ اس نے جس عمل کو ترک کیا تھا وہ سُنّت نہیں بدعت تھا۔ حضرت حذیفہ فرماتے تھے: "آئندہ زمانے میں بدعت اس طرح پھیل جائے گی کہ اگر کوئی شخص کسی بدعت کو ترک کرے گا تو اس کو کہیں گے کہ تو نے سُنّت ترک کر دی۔" (الاعتصام)

یہ کہنے والے کون ہیں؟ وہی جو سُنّت کو ختم کرنے اور اس کو مٹانے کے درپے ہیں اور اس کی جگہ اپنے وضع کردہ افعال کو لانا چاہتے ہیں۔ ان کے اس طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے مقابل بن کر نکلے ہیں جو آپ ﷺ کی اُمت کو آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کے بجائے اپنے طریقے پر چلانا چاہتے ہیں۔ مزید المیہ یہ ہے کہ یہ چلانا بھی طاعت کے انداز میں ہوتا ہے تاکہ اسے عمل میں لانے والا یہ نہ سمجھے کہ میں کوئی معصیت اور گناہ کا کام کر رہا ہوں۔ یہ وہ خطرناک راہ ہے جہاں شیطان بڑی آسانی سے اپنا شکار کرتا ہے اور اسے آخرت کے سفر پر اس طرح روانہ کرتا ہے کہ اسے توبہ کی توفیق تک نہیں ملتی۔ عارفین اُمت فرماتے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کے سوئے خاتمہ کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔

❼ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ہر اہل بدعت پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔" (مجمع الزوائد)

توبہ کا دروازہ اس پر بند ہوتا ہے جو گناہ کو گناہ نہ سمجھے بلکہ گناہ کو نیکی اور ثواب جانے۔ جو شخص گناہ کو گناہ سمجھے تو امید ہوتی ہے کہ وہ ایک دن اس گناہ سے توبہ کرلے گا، مگر جو شخص گناہ کو گناہ ہی نہ جانے اس سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اس سے توبہ کرے گا۔ اس پر مستزاد یہ کہ کسی گناہ کو نیکی سمجھنے والے سے یہ امید رکھنی عبث ہے کہ وہ اپنے اس عمل سے توبہ کرے گا۔ بھلا نیکی سے بھی کوئی توبہ کیا کرتا ہے۔ علما لکھتے ہیں کہ بدعت بڑا گناہ ہے اور گناہ پر اصرار کرنے والے کے لئے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جب موت کے وقت حقیقت کا پردہ اٹھے گا اور عالم آخرت کے سارے احوال اس

کے سامنے آئیں گے تو شیطان کے لئے یہ بہت آسان ہو گا کہ اسے وسوسہ دے کر اس پر پوری طرح غلبہ حاصل کر لے اور اسے اس طرح اپنے قابو میں کر لے کہ وہ بے ایمان ہو کر دنیا سے جائے۔ عارف باللہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا لکھتے ہیں:

"بدعت کا درجہ معصیت سے بھی اوپر ہے اور کفر بدعت سے اوپر تاہم بدعت کفر کے بہت نزدیک ہے۔" (فوائد الفواد)

جس طرح کافر اپنے کفر کو کفر نہیں سمجھتا بلکہ اسی کو حق سمجھتا ہے اسی طرح بدعت پر عمل کرنے والا بدعت کو معصیت نہیں جانتا بلکہ اسے نیکی اور ثواب سمجھ کر عمل کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بات اور عمل کو حق سمجھے یا اسے نیکی جانے وہ کب اس سے توبہ کرے گا، اس لئے عارفین فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے سوئے خاتمہ کا خطرہ ہے۔ حضرت علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

"بدعتی باوجود یہ کہ اس بات پر مصر ہے جس پر اللہ نے روکا ہے اس شخص سے آگے ہے جو اپنے گناہوں پر عقل سے عمل پیرا ہو اور تحصیل امر میں اس کا قائل نہیں۔ لیکن وہ بدعتی گناہ کو نیکی اور طاعت سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے۔ جس چیز کو شارع علیہ السلام نے برا جانا اسے (یہ بدعتی) اچھا کہہ رہا ہے اور اپنی بات کو نیکی سمجھنے والا ہے اور اس چیز کو برا سمجھ رہا ہے جسے شارع نے اچھا کہا ہے اور جس کا یہ حال ہو تو وہ سوئے خاتمہ کے بہت ہی قریب ہے، مگر جسے اللہ بچالے۔" (الاعتصام)

اس سے پتا چلتا ہے کہ جو شخص گناہ کو نیکی سمجھ کر عمل میں لاتا ہے اور بدعت کو کار خیر اور ثواب جان کر اسے پھیلا رہا ہے وہ پوری طرح شیطان کے قابو میں آچکا ہے۔ شیطان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ ایک مسلمان اس جہاں سے بے ایمان اور بے توبہ جائے، اسی لئے شیطان کو گناہ کی بہ نسبت بدعات زیادہ محبوب ہیں کہ اس میں توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ حضرت امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

"ابلیس کو گناہ کی بہ نسبت بدعت زیادہ پسند ہے، کیونکہ گناہ سے توبہ سمجھنے کی وجہ سے توبہ کی جاتی ہے، مگر بدعت ایسی گمراہی ہے کہ اس سے توبہ ہی نہیں کی جاتی کیونکہ اس کو گناہ نہیں سمجھا جاتا۔"

(شرح السنہ للبغوی)

جب کوئی شخص دنیا سے اس طرح جائے کہ نہ اسے بدعات سے توبہ کی توفیق ملے اور وہ پوری طرح شیطان کے قابو میں آچکا ہو تو وہاں سے اس کے چہرے پر بدعات کے اندھیرے اور اس کی سیاہی عام دیکھی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جس دن کہ سفید ہوں گے بعض چہرے اور سیاہ ہوں گے بعض چہرے۔" (آل عمران)

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اس دن اہل سُنّت و الجماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت وضلال کے چہرے سیاہ ہوں گے۔"

(تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۴۰۹، تفسیر ابن کثیر)

اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سُنّت اور آپ کا طریقہ نورانیت سے معمور ہے۔ آپ ﷺ جو دین لے کر آئے اور آپ ﷺ ہمیں جس دین پر گامزن فرما گئے اس کی راتیں بھی روشن ہیں۔ اب جو شخص آنحضرت ﷺ کی سنتوں کا پابند اور اس کا عامل ہو گا، آخرت کے میدان میں اس کا چہرہ منور اور روشن ہو گا، مگر جن لوگوں نے بدعت پیدا کی ہو گی اور اسے پھیلانے میں محنت کی ہو گی ان کے چہرے انتہائی سیاہ ہوں گے اس لئے کہ بدعات میں سیاہی اور اندھیروں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اکابرین اُمت نے بدعات کی دنیا بہت ہی سیاہ بتائی ہے اور ہمیشہ اپنے متوسلین کو اس سے بچانے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں جابجا بدعات کو اندھیرے اور سیاہی کہا گیا ہے اور سنت کو ایک درخشاں ستارہ فرمایا ہے۔ آپؒ سُنّت مطہرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سنت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں نظر آتی ہے جو گمراہی کی اندھیری رات میں راستہ دکھاتی ہے۔" (دفتر دوم)

آپؒ بدعات کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ فقیر ان بدعت میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھا۔ ان میں ظلمات اور کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔" (مکتوبات دفتر اول)

آپؒ یہ بھی لکھتے ہیں: "یہ فقیر اس مسئلے میں ان سے اتفاق نہیں کرتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و

کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔" (مکتوبات دفتر دوم)

آپ اکابرین کی کتابیں، ان کے ملفوظات اور مکتوبات کا مطالعہ فرمائیں تو کہ ان بزرگوں نے ہمیشہ بدعات کو اندھیرے کہا اور اس سے مسلمانوں کو دور رہنے کی تاکید کی تاکہ قیامت کے دن چہرے کی سیاہی سے حفاظت ہو۔

جو لوگ بدعات کے قمقمے اور اس کی روشنیاں دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب اس کے ظاہر ہیں۔ اصل یہی ہے کہ اہل بدعت اپنے چہرے پر سیاہی کا داغ لئے میدان آخرت میں کھڑے ہوں گے۔ وہاں دنیا کے قمقمے اور اس کی روشنیاں ہرگز کام آنے والی نہیں۔

❾ قیامت کے دن جن کے چہرے سیاہ ہوں گے اور بدعات کے اندھیرے ہر طرف سے لپک رہے ہوں گے انہیں آنحضرت ﷺ کے قریب جانے سے روک دیا جائے گا۔ یہ لوگ آب کوثر (⇦ آب کوثر) پینے کے لئے آگے آئیں گے، مگر انہیں دور ہی سے دھتکار دیا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ ان سیاہ چہروں کو دیکھ کر فرمائیں گے: سحقا سحقا (میری نظروں سے دور ہو جاؤ، مجھ سے دور ہو جاؤ)۔ (شرح صحیح مسلم) تم نے میری روشن سنتوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی اور اسے مٹانے کی مذموم سعی کی تھی، سو میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ کون ہوں گے وہی جنہوں نے دین میں بدعات پیدا کی ہوں گی۔ آنحضرت ﷺ ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔ حدیث میں ہے:

"آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شفاعت میری اُمت کے لئے ثابت ہوگی، مگر اہل بدعت کے لئے نہیں۔" (البدایہ والنہایہ، الاعتصام)

جو لوگ دین میں تحریف کے مرتکب ہوئے، آنحضرت ﷺ پر تبلیغ رسالت کی ادائیگی میں خیانت کا الزام تک لگانے سے باز نہ آئے، جنہوں نے دین میں بدعات پیدا کر کے تکمیل دین کا انکار کیا اور پوری زندگی اس کی کوشش میں لگے رہے، جس طرح بھی بن پڑے، آنحضرت ﷺ کی سنتوں کو مٹا دیا جائے، جو اس دنیا سے بے توبہ اور (بسا اوقات بے ایمان) گئے، میدان آخرت میں جن کے چہرے انتہائی سیاہ ہوں گے، جنہیں آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محروم کر کے آپ ﷺ سے دور ہو جانے کا حکم ہو گا وہ اہل بدعت ہی ہوں گے اور آخر کار جس انجام کو دیکھیں گے وہ بڑا ہی عبرت ناک ہو گا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"اہل بدعت جہنمیوں کے کتے ہیں۔" (جامع صغیر)

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے فتاویٰ افریقہ میں یہ حدیث ابو امامہ باہلی سے نقل کی ہے اور اسے تسلیم کیا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بدعت کا نقصان کس قدر بڑا اور عبرت ناک ہے۔ ہم اس وقت بدعت اور اہل بدعت کی مذمت میں صحابہ کرام اور اولیا کے ارشادات نقل نہیں کر رہے۔ ان کے ارشادات کو دیکھنے والا اور ان سے محبت رکھنے والا کبھی بدعات کی دلدل میں گرنے کی کوشش نہیں کرے گا اور نہ کسی بدعتی کے قریب جائے گا۔ تاہم یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ سے محبت کرنے والا اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے والا ایک ایک فرد بدعت کے خلاف دہائی دے رہا ہے اور اسے ایک عظیم فتنہ بتا رہا ہے۔ اس سے صرف افراد نہیں مرتے بلکہ قومیں تباہی کے دہانے آکھڑی ہوتی ہیں۔ جس معاشرے سے سُنّت کی بنیاد اکھاڑنے کی راہیں ہموار ہوں، آپ ہی سوچیں اس قوم کی نئی نسل کو یہ کیسے علم ہو گا کہ زندگی کے کس دائرے میں آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا تھا؟ آپ ﷺ کے صحابہ نے کون سی راہ اختیار کی تھی؟ اور اُمت کس عمل کو سُنّت سمجھتی تھی؟ مسلمانوں کی نئی نسل بدعات ہی کو سُنّت سمجھے گی اور اسے دین کا اہم رکن قرار دے گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ حقیقی دین رخصت ہو جائے گا اور اس کی جگہ یہ مصنوعی دین ہو گا۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری نئی نسل صحیح دن پر قائم رہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی پائے تو ہمیں چاہئے کہ سُنّت کے پیغام کو عام کریں۔ زندگی کے ہر موڑ پر اگر آپ سُنّت کا چراغ جلائیں گے تو بدعات کے اندھیرے خود بہ خود چھٹ جائیں گے۔

بدعات سے نفرت دلانے کی راہ یہی ہے کہ سُنّت سے محبت کی تلقین ہو اور اس پر عمل کی تاکید ہو۔ اگر آپ کسی بدعت کو سُنّت اور

دینی کام کہنے والے کی حوصلہ افزائی نہ کریں اور کسی "اہل بدعت" کو "اہل سُنّت" کا نام نہ دیں تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ بدعت اپنی موت مرجائے گی اور اہل بدعت کو کہیں سرچھپانے کی جگہ نہ ملے گی، لیکن اگر آپ نے ہی بدعت کو سُنّت کہنا شروع کر دیا اور ہر اہل بدعت کو اہل سُنّت سمجھنا اور سمجھانے کا مشغلہ اپنالیا تو یاد رکھئے، آپ بھی افترا علی الرسول کے مجرم ٹھہریں گے اور آپ بھی دین کی عمارت منہدم کرنے والوں میں سے سمجھے جائیں گے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ کیا یہ کچھ کم نقصان ہے؟

⇦ حدیث + حدیث اور سنت کا فرق۔

*** بدو:** خانہ بدوش، گلہ بان، چرواہے۔ خاص کر عرب کے صحرائی علاقوں کے لوگ جو روزی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ بدوی لوگ صحراؤں میں تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح سے آباد ہیں۔ گیارہ سو قبل مسیح میں انہوں نے اونٹ سے کام لینا شروع کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو تین صدی پہلے گھوڑا ان کے زیر استعمال آیا۔ سیرت نبوی ﷺ میں بھی ان کا ذکر اکثر ملتا ہے۔ انہیں "اہل بادیہ" کہا جاتا ہے۔ ان کی چار قسمیں ہیں: پہلی قسم کے بدو بحر ہند کے کنارے آباد ہیں جو سامی زبانی بولتے ہیں۔ دوسری قسم کے بدو دریائے جہلم، دریائے دجلہ و فرات کے قریبی صحراؤں میں آباد ہیں۔ کاشت کاری کرتے اور مویشی پالتے ہیں۔ تیسری قسم کے بدو صحراؤں کے کنارے پر آباد ہیں اور زیادہ تر چرواہے ہیں۔ چوتھی قسم کے بدو خالص بدو ہیں جو صحراؤں میں آباد ہیں۔ اونٹوں کا زیادہ تر استعمال یہی لوگ کرتے ہیں۔ ان کا قدیم ترین قبیلہ "صلیب" ہے جو شمالی عرب میں رہتے ہیں۔

عربوں اور خصوصاً مسلمانوں کو اہل یورپ نے "بدوی" کہہ کر پکارا ہے۔ اس کے لئے وہ moor کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اسپین کے فاتح مسلمانوں کو "مور" کہا گیا ہے حال آنکہ بدو تو صرف خانہ بدوش لوگ کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بدوؤں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہودی اور عیسائی بھی تھے، لیکن یہ مذہبی منافرت ہے کہ تمام مسلمانوں کو "بدو" کہا گیا ہے۔

⇦ عرب + عربی زبان۔

*** بدیل بن ورقا:** صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ خزاعہ کے رئیس اعظم۔ ابتدا ہی سے مسلمانوں کے حلیف تھے، لیکن فتح مکہ میں اسلام لائے۔ صلح حدیبیہ کے واقع میں وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ قریش کا لشکر آپ ﷺ کی طرف آرہا ہے۔ لشکر کو آپ ﷺ کعبہ جانے نہ دے گا۔ فتح مکہ کے وقت بدیل نے اسلام قبول کیا تو ان کی عمر ۹۰ برس تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے جمال اور بالوں کے سیاہی کے لئے دعا فرمائی تھی۔ حضرت بدیل کو نبی کریم ﷺ نے ایک خط بھی تحریر فرمایا تھا۔ یہ خط وہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ ۱۰ ہجری میں حضرت بدیلؓ نے وفات پائی۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ ان سے تین احادیث روایت کی جاتی ہیں۔

⇦ فتح مکہ۔

ب ر

*** برا بن عازب:** صحابی رسول ﷺ جن کی کنیت ابو عمارہ تھی۔ بنو حارثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۳ قبل ہجرت (۶۱۰ء) میں پیدا ہوئے اور ۷۲ھ میں انتقال ہوا۔ مدینہ میں مسلمان ہوئے اور پندرہ برس کی عمر میں غزوۂ احد میں شرکت کی۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ۱۵ غزوات میں حصّہ لیا۔ ان کا شمار معزز انصار صحابہ میں ہوتا ہے۔ اکثر نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان سے کافی احادیث مروی ہیں جن میں سے بائیس احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ اپنی سکونت کے لئے کوفہ میں ذاتی مکان بنوا رکھا تھا۔ آخری عمر میں حضرت برا نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ ان کے چار بیٹے تھے جو کوفہ کے مشہور محدثین میں شمار ہوتے تھے۔

⇦ احد، غزوہ + انصار + حدیث۔

*** برا بن مالک:** صحابی رسول ﷺ اور انس بن مالک کے بھائی۔ ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔ بدر کے علاوہ تمام غزوؤں میں

شریک ہوئے۔ نہایت بہادر اور دلیر تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کثرت سے محبّت تھی، اس لئے سیکڑوں احادیث سننے کا موقع ملا۔ معرکہ تست (فارس) میں دوران لڑائی شہید ہوئے۔ یہ ۲۰ھ (بہ مطابق ۶۴۰ء) کا واقعہ ہے۔

⇦ بدر، غزوہ + انس بن مالک۔

*** برا بن معرور:** صحابی رسول ﷺ۔ ابو بشر کنیت تھی۔ قبیلہ خزرج کے رئیس تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بنو سلمہ کا نقیب مقرر فرمایا تھا۔ ۶۲۲ء میں جن پچھتر انصاری نے حج کے موقع پر نبی کریم ﷺ سے بیعت کی ان میں حضرت برا سب سے زیادہ عمر والے تھے۔ ہجرت نبوی سے ایک ماہ پہلے مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا۔ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کے مال کا تیسرا حصّہ نبی کریم ﷺ جس طرح چاہیں، استعمال فرمائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہ مال ان کے وارثوں میں تقسیم فرمادیا۔

⇦ خزرج، بنو + ہجرت مدینہ + مدینہ + بیعت عقبہ اولیٰ + بیعت عقبہ ثانیہ۔

*** برات، اعلان:** اعلان برات۔ وہ اعلان جو حضرت علیؓ نے نو ہجری کو حج کے موقع پر کیا۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ ہجرت کے نویں برس رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ اس حج کے موقع پر حضرت علی نے کھڑے ہو کر سورۂ برات کی آیات پڑھیں:

"اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا (اور انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا) خدا کی، خدا کے رسول کی طرف سے ان کی کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ اب (اے معاہدہ شکن مشرکو!) چار مہینے کی تم کو مہلت ہے۔ اس میں تم ملک میں چلو پھرو اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے۔ حج اکبر کے دن لوگوں کو اعلان عام ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین کے اب ذمے دار نہیں۔ اگر (تم نے اے مشرکین) توبہ کر لی تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر اب بھی پھرے رہے تو یقین کرو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکو گے۔ اے پیغمبر! تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دے، لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اس کے ایفا میں تمہارے ساتھ کچھ کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلے میں انہوں نے تمہارے دشمنوں کی مدد کی تو زمانہ معاہدہ کو تم پورا کرو۔ خدا پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔" (پہلا رکوع)

"اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہیں، اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئیں۔" (چوتھا رکوع)

*** براق:** شب معراج میں آنحضور ﷺ کی سواری۔ قرآن مجید کی آیت کے ضمن میں مفسرین نے براق کا ذکر کیا ہے "پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔"

اس آیت (سورہ اسرا: پہلی آیت) کے ضمن میں مفسرین نے براق کا ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث میں آنحضور ﷺ نے اس سواری کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ایک جانور ہے جو خچر سے کچھ چھوٹا اور گدھے سے ذرا بڑا سفید رنگ کا تھا۔ اس کا نام "براق" تھا۔ اس کا ایک ایک قدم حد نظر تک رکھا جاتا تھا۔

بعض احادیث میں ہے کہ جب آنحضور ﷺ اس پر سوار ہونے لگے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے براق، بخدا ایسا بلند مرتبت انسان تجھ پر کبھی سوار نہیں ہوا۔ آنحضور ﷺ سے قبل دوسرے انبیا نے بھی اس پر سواری کی ہے۔

*** بردہ شریف:** اونی کپڑے کی دھاری دار چادر جو نبی کریم ﷺ اوڑھا کرتے تھے۔ اس قسم کی ایک چادر آپ ﷺ نے کعب بن زبیر کو ایک قصیدے پر بہ طور انعام عطا فرمائی تھی۔ بعد میں یہ چادر حضرت امیر معاویہ نے حضرت کعب کے بیٹے سے خرید کر محفوظ کر لی۔ یہ چادر بنو امیہ کے خلفا کے بعد بنو عباس کے پاس محفوظ رہی، لیکن بغداد پر جب ہلاکو خاں نے قبضہ کیا تو اس چادر کو جلوا دیا۔ بعض کے مطابق یہ چادر مبارک اب بھی قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔

✽ بردہ شریف، قصیدہ: نبی کریم ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ جو حضرت امام صالح شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن حسن البوصیری نے تحریر کیا۔ اس قصیدہ کا اصل نام "کواکب الدریہ فی مناقب خیر البریہ" ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت امام بوصیری کو فالج کی بیماری ہوئی اور ان کا نصف بدن بے کار ہوگیا تو انہوں نے اس کا بہت علاج کرایا، مگر بے سود یہاں تک کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی شان میں یہ قصیدہ تحریر کیا اور خدائے ذوالجلال کے حضور میں اپنے مرض کے ازالے کے لئے اس کو ایک واحد ذریعہ قرار دے کر جمعہ کی رات ایک تنہا مکان میں خالص عقیدے سے بحضور قلب پڑھنا شروع کیا۔ اسی دوران ان پر نیند طاری ہوگئی۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوا اور طالب ہوئے۔ آنحضور ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو شیخ کے اعضا پر پھیرا۔ اللہ جل شانہ نے اس کی برکت سے ان کو شفائے کامل عطا فرمائی۔

✽ برزالی، علم الدین: محدث، عالم اور مورخ۔ پورا نام علم الدین القاسم بن محمد بن یوسف تھا۔ ان کا تعلق بربر قبیلہ بنوبرزال سے تھا۔ جمادی الثانیہ ۶۶۵ھ (۱۲۶۷ء) میں شام میں پیدا ہوئے۔ دمشق کے کئی مدارس میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے فرائض انجام دئے۔ حدیث کے موضوع پر ان کی تصانیف بانکی پور میں محفوظ ہیں۔ برزالی کی تمام اولاد ان کی زندگی ہی میں وفات پاگئی تھی، لیکن ان کے شاگردوں نے شہرت پائی۔

✽ برک الغماد: مکہ کے قریب ایک مقام۔ یہ جگہ مکہ سے یمن کی سمت میں پانچ دن کے فاصلے پر ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابوبکر صدیق کی ملاقات حبشہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے ابن الدغنہ سے ہوئی۔ جب ابن الدغنہ کو علم ہوا کہ حضرت ابوبکر بھی ہجرت کر رہے ہیں تو اس نے حضرت ابوبکر کو ایسا کرنے سے روکا اور انہیں اپنی پناہ میں لے کر مکہ واپس لے گیا۔

⇦ابوبکر صدیق+صدیق اکبر+حبشہ۔

✽ برکت: نمو، افزائش، بڑھوتری۔ اسلامی روایت میں اس سے رفعت و عظمت و خیر اور بھلائی کا مفہوم بھی لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف کی ۵۴ویں آیت میں ارشاد ہے: "بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خوبیوں اور بھلائیوں کی کوئی حد نہیں۔ بے حد و حساب خیرات اس سے پھیل رہی ہے اور وہ بہت بلند و برتر ہستی ہے۔ کہیں جا کر اس کی بلندی ختم نہیں ہوتی۔ اس کی یہ بھلائی و رفعت ہمیشہ ہے۔ عارضی نہیں ہے کہ کبھی اس کو زوال آئے۔

عام میل جول میں لفظ "مبارک" استعمال کیا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام اور مال میں برکت دے!

✽ بریدہ بن حصیب: صحابی رسول ﷺ جو قبیلہ اسلم بن افصیٰ کے سردار تھے۔ ایک روایت کے مطابق ہجرت نبوی کے وقت اور ایک روایت کے مطابق غزوۂ بدر کے بعد اسلام قبول کیا۔ غزوۂ احد کے بعد حضرت بریدہ مدینہ آئے اور پھر تمام غزوات میں شامل رہے۔ ۹ھ میں نبی کریمؐ نے انہیں بنو اسلم اور بنو غفار سے صدقات وصول کرنے پر مقرر فرمایا اور غزوۂ تبوک کی دعوت کے لئے ان قبیلوں کے پاس حضرت بریدہ ہی کو بھیجا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد پہلے بصرہ اور پھر خراسان چلے گئے۔ مرو میں انہوں نے وفات پائی۔ حضرت بریدہ سے تقریباً ایک سو پچاس احادیث مروی ہیں۔

✽ بریرہ: صحابیہ رسول ﷺ، حضرت عائشہ کی آزاد کردہ لونڈی۔ حضرت بریرہؓ ایک غیر مسلم کی باندی تھیں۔ اسلام قبول کیا تو اپنے آقا کو اس بات پر راضی کر لیا کہ اگر (۹ یا ۵) قسطیں سالانہ یک مشت ادا کریں تو آزاد ہوجائیں گی۔ حضرت بریرہ حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور قصہ عرض کیا۔ حضرت عائشہ نے انہیں پوری رقم ادا کر کے آزاد کرا لیا۔ آزادی کے بعد ان کا نکاح ایک حبشی غلام مغیث سے ہوا تھا، لیکن ان سے علیحدگی ہوگئی۔ حضرت بریرہ کا انتقال یزید اول کے دور میں ہوا۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

⇦عائشہ صدیقہ۔

ب س

بسر بن ارطاہ: صحابی رسول ﷺ جو قریش کی شاخ بنوعامر سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت سے ۱۰ برس پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک بہادر سپاہی اور دلیر سالار بھی تھے۔ چنانچہ حضرت عمر نے ان کی بہادری پر دعا دی۔ انعام سے نوازا۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہ کا ساتھ دیا۔ ۵۰ھ (بمطابق ۶۷۰ء) میں امیر معاویہ نے انہیں اپنا نائب مقرر کیا تو وہ کبھی امیر البحر اور کبھی سپہ سالاری کے عہدوں پر فائض رہے۔ عبدالملک کے دور میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی اولاد میں سے کئی ایک محدثین گزرے ہیں۔

ب ش

بشر بن برا: صحابی رسول جو قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ بیعت عقبہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ غزوۂ خیبر میں جب ایک یہودی عورت نے نبی کریم ﷺ کو زہر ملا کر بھیڑ کا گوشت کھلانا چاہا تو آنحضور ﷺ نے چکھ کر زہر معلوم کر کے گوشت کو تھوک دیا لیکن حضرت بشر نے یہ گوشت کھا لیا۔ اس گوشت کے زہر کے اترنے سے انہوں نے وفات پائی۔

⇦ بیعت عقبہ + خیبر، غزوہ۔

بشیر: رسول اللہ ﷺ کا اسم شریف۔ مسلمانوں کو خوش خبری دینے والا۔ ⇦ مبشر۔

بشیر بن سعد: صحابی رسول جو قبیلہ بنو خزرج سے تھے۔ وہ سابقون الاولون میں سے تھے اور بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر موجود تھے۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ایک بار سپہ سالار بھی بنائے گئے۔ جب نبی کریم ﷺ صلح حدیبیہ کے مطابق عمرے کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو حضرت بشیر اس دستے کے سردار تھے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ گیا تھا۔ حضرت بشیرؓ نے عین التمر کے مقام پر وفات پائی۔ حضرت نعمان بن بشیر انہی کے بیٹے تھے۔ حضرت بشیر ان صحابہ میں سے تھے جنہیں لکھنا آتا تھا۔

⇦ حدیبیہ، صلح + سابقون الاولون + بیعت عقبہ ثانیہ۔

ب ع

بعاث: ایک مقام جو مدینہ کے جنوب مشرق میں بنوقریظہ میں ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مدینہ کے مشہور قبائل "اوس" اور "خزرج" کے درمیان جنگ بعاث لڑی گئی۔

⇦ قریظہ، بنو + مدینہ۔

بعاث، جنگ: جنگ بعاث وہ مشہور خون ریز لڑائی ہے جو تقریباً ۶۱۷ء میں مدینہ کے انصاری قبائل اوس اور خزرج کے درمیان لڑی گئی۔ اس لڑائی میں دونوں طرف کے نامور جنگجو لڑ کر مر گئے۔

اس لڑائی کے دوران اوس اور خزرج دونوں اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انہوں نے مکہ میں قریش کے پاس سفارش بھیجی کہ ہمیں اپنا حلیف بنا لیجئے، لیکن ابوجہل نے اس پر کوئی توجہ نہ کی۔ اس لڑائی میں اوس کے طرف دار دو یہودی قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور ایک بدوی قبیلہ مزینہ تھا۔ خزرج کے ساتھ بنو جہینہ اور بنو اشجع کے کچھ بدوی تھے۔ اس جنگ نے دونوں قبائل کو خوب کمزور کر دیا کہ مجبوراً ایک عارضی صلح کرنا پڑی۔

⇦ اوس + خزرج + مدینہ۔

ب ق

بقی بن مخلد: مفسر و محدث جن کا تعلق قرطبہ سے تھا۔ ان

کا نام ابو عبدالرحمٰن اندلسی تھا۔ وہ ۳۵ برس تک مشرق میں مقیم رہے اور بڑے بڑے علما سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر قرطبہ واپس آگئے جہاں انہوں نے بڑی شہرت پائی کہ اندلس کے امام اور مجتہد کا درجہ حاصل کر لیا۔ ابن حزم نے بقی کو حدیث کے میدان میں امام بخاری اور دوسرے نامور محدثین کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ بقی بن مخلد ۲۰۱ھ (بمطابق ۸۱۷ء) میں پیدا ہوئے جب کہ ۲۷۶ھ (بمطابق ۸۸۹ء) میں وفات پائی۔

ب ک

٭ بکر بن عبداللہ مزنی فیروز: تابعی عالم اور احادیث کے حافظ۔ تقریباً ۱۵۰ حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔ بصرہ کے ممتاز علما میں ان کا شمار ہوتا تھا، اس لئے "شیخ البصرہ" کہلاتے تھے۔ وہ بہت ہی دولت مند تھے اور ہر وقت اعلیٰ لباس پہنتے تھے۔ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔

٭ بکر بن وائل: ایک عربی قبیلہ جو در اصل بہت سے قبائل پر مشتمل تھا۔ بنو بکر بھی انہی میں شامل ہیں۔ بنو ثعلبہ، بنو عجل، بنو قیس اور بنو خلیفہ بھی چند ایسے ہی قبائل ہیں جو مجموعی طور "بنو بکر" ہی کہلاتے ہیں۔ بکر بن وائل کے لوگ یمامہ کے علاقے میں رہتے تھے۔ ان کے درمیان اکثر خانہ جنگیاں ہوتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے انہوں نے خانہ بدوشی اختیار کر لی تھی۔ بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان ایک طویل خانہ جنگی تقریباً چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں جا کر ختم ہوئی۔ بنو بکر عراق کے وسیع میدانوں میں آباد ہو گئے اور دس سال بعد بنو تمیم اور بنو یربوع الحزن میں خیمہ زن ہوئے۔ بنو عجل مغرب میں کوفہ کے قریب بنو شیبان خلیج، کویت کے قریب اور بنو قیس راس العین کے قریب آباد ہوئے۔

یہ لوگ عربی نخلستانوں (بحرین وغیرہ) کی طرف جاتے رہتے تھے۔ ۶۰۵ء میں ذوقار کی مشہور جنگ لڑی گئی جس میں بنو شیبان نے ایرانی دستوں کو مار بھگایا۔ یہ مقام عین صید اور ابو غر کے درمیان طف میں واقع ہے۔ اس جنگ کے فوراً بعد ایرانیوں نے بنو بکر کو دبا لیا اور بنو بکر اور بنو تمیم کے درمیان خانہ جنگی چھڑ گئی۔ بنو بکر کے کچھ قبائل نے عیسائیت اختیار کر لی۔

آنحضور ﷺ نے یمامہ کے والی ہوذہ بن علی کو دعوت اسلام دی تو اس نے تمسخر کیا۔ الحجر میں اس کا جانشین مسلمہ تھا۔ انہی لوگوں میں ذہل بن شیبان کے ایک قائد مثنیٰ بن حارثہ نے اسلام قبول کیا اور حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ الحیرہ کو اسلام کے لئے فتح کیا۔ انہوں نے شام کی مہمات میں بھی کارنامے انجام دئے۔

۶۴۲ء میں بنو عجل اور بنو خلیفہ نے جنگ نہاوند میں حصہ لیا۔
۶۸۴ء میں بنو بکر اور بنو تمیم کے درمیان ایک زبردست جنگ ہوئی۔
۶۹۰ء میں کہیں جا کر بنو بکر کو اطمینان نصیب ہوا۔
ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی تک بنو بکر صرف کوفے تک محدود ہو کر رہ گئے۔ بنو عجل خانہ بدوش ہی رہے اور بنو شیبا کوفے کے قریبی چشموں میں منتقل ہو گئے اور بعد میں موصل کے قریب آباد ہو گئے۔ نویں صدی عیسوی میں انہوں نے موصل کے میدانی علاقوں پر حملے کیے تو ۸۸۳ء میں خلیفہ معتضد نے ان کے خلاف ایک مہم روانہ کی۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد تمام قبائل بنو بکر ربیعہ کے نام سے ظاہر ہوئے۔

⇦ مثنیٰ بن حارثہ + عرب + خالد بن ولید۔

ب ل

٭ بلال بن رباح: صحابی رسول ﷺ اور موذن جنہیں ان کی والدہ کی نسبت سے بلال بن حمامہ بھی کہتے ہیں۔ وہ عام طور پر "بلال حبشی" کے نام سے مشہور ہیں، اس لئے کہ ایک حبشی غلام تھے۔ مکہ مکرمہ میں سراہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کیا جس کی وجہ سے نہایت مصیبتیں جھیلیں، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر

صدیق نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کا سلسلہ مواخات ابورویحہؓ کے ساتھ قائم کیا۔ جب اذان کا حکم ہوا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں موذن بنایا۔ ساتھ ہی وہ نبی کریم ﷺ کے عصا بردار، خازن اور ذاتی خادم بھی تھے۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر میں خاص طور پر امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو قتل کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کی حمیت پر پہلی بار اذان حضرت بلال ہی نے دی۔ حضرت ابوبکر کے دور میں موذن کے منصب پر فائز رہے، لیکن حضرت عمر کے عہد میں شام کی مہمات میں شریک ہوگئے اور بقیہ زندگی اسی میں بسر کی۔

حضرت بلال بن رباحؓ کا قد لمبا اور ذرا جھکا ہوا تھا۔ رنگ سیاہ، چہرہ پیلا اور بال گھنے تھے۔ ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ روایات کی رو سے انہوں نے ۱۷ھ (بمطابق ۶۳۹ء) یا ۱۸ھ (بمطابق ۶۴۱ء) یا ۲۰ھ (بمطابق ۶۴۲ء) یا ۲۱ھ (بمطابق ۶۴۳ء) میں وفات پائی۔ حلب یا دمشق یا داریا میں دفن ہوئے۔

⇦ ابوبکر صدیق + بدر، غزوہ + امیہ بن خلف + عمر بن خطاب۔

✽ **بلوغ المرام:** احادیث نبوی کا انتخاب۔ اس کتاب میں فقہی ابواب کے طرز پر احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے حدیث کی مشہور کتب سے ان احادیث کا انتخاب کیا۔ کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کی بہت سے شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔

⇦ حدیث + اسماء الرجال۔

ب ن

✽ **بنو امیہ:** قریش کا ایک خاندان۔

✽ **بنو اوس:** یثرب میں مقیم ایک قبیلہ۔ قبول اسلام میں پیش پیش رہا۔ بنو اوس اور بنو خزرج کی جنگ بعاث تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ دونوں قبائل انصار میں سے تھے۔ ⇦ اوس + خزرج + بعاث، جنگ۔

✽ **بنو بکر:** قبل از اسلام کا مشہور قبیلہ۔ یہ قبیلہ حرب البوس میں قبیلہ بنو تغلب کے ساتھ ۴۰ برس تک لڑتا رہا۔ حرب البوس پانچویں صدی عیسوی کے اختتام پر شمال مشرقی عرب میں لڑی گئی۔ اس جنگ کی ابتدا بنو بکر کی ایک صعیفہ کے ناقہ سے ہوئی۔ اس صعیفہ کا نام بسوس تھا اور اس کے ناقہ کو بنو تغلب کے ایک سردار نے زخمی کر دیا تھا۔ ۵۲۵ء کے لگ بھگ حیرہ کے بادشاہ بلنذر سوئم نے اس جنگ کا خاتمہ کیا۔

⇦ بکر بن وائل۔

✽ **بنو تغلب:** عربوں کے قبیلے کا نام۔ قبائل ربیعہ میں سے بنو بکر بن وائل اہم ترین قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے مورث اعلیٰ کا اصل نام وثار تھا۔ ایک روز وثار کے باپ نے اس کی کامیابی کے بارے میں کہا، تغلب تو غالب آئے گا۔ اس روز سے اس کا نام تغلب پڑ گیا اور اسی سے اس قبیلے کا نام بنو تغلب ٹھہرا۔ بعض کے نزدیک اس قبیلے کا نام اس کے مورث اعلیٰ کی مندرجہ بالا روایت سے بھی قدیم ہے۔ قدیم شعرا کے نزدیک تغلب وائل کی بیٹی کا نام تھا۔

جب قبائل میں افتراق پیدا ہوا تو بنو ربیعہ کے ساتھ بنو تغلب بھی کوہستان نجد، حجاز اور تہامہ کی سرحدوں پر قابض ہوگئے جہاں سے آہستہ آہستہ الجزیرہ میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ عہد اسلامی کے شروع تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس علاقے کو بعد میں دیار ربیعہ کا نام دیا گیا۔ عرب بسوس کے زمانے میں بنو بکر اور بنو تغلب نجد ہی میں آباد تھے۔

ظہور اسلام سے پہلے نصرانیوں سے ملاپ کی وجہ سے بنو تغلب میں عیسائیت نے بھی قدم جمائے تھے۔ اس سے قبل وہ ایک دیوتا اوال کی پرستش کرتے تھے، لیکن چند افراد نے ابتدائے اسلام ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ۹ھ میں بنو تغلب کا ایک وفد مدینہ آیا۔ ان میں سے بعض مسلمان تھے اور بعض عیسائی تھے۔ عیسائیوں نے آنحضور ﷺ سے ایک معاہدہ کیا تھا کہ وہ اپنے مذہب ہی پر قائم رہیں گے، لیکن اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے۔

۱۱ھ میں ردہ کی لڑائیوں کے دوران جھوٹی نبوت کی دعوے دار

سجاح سے تغلب اور تمیموں کی ایک بڑی تعداد لے کر تمامہ کی جانب پیش قدمی کی اور انہی کے ساتھ رہتے ہوئے عراق میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا۔

ان تغلبیوں نے ۱۲ھ میں عین التمر کے مقام پر ایرانیوں کی حمایت میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ چنانچہ اس معرکے میں حضرت خالد بن ولید نے انہیں تہ تیغ کر دیا اور ان کے سردار عقہ کو بھی قتل کرا دیا۔ تغلبیوں نے اپنے سردار کا بدلہ لینے کے لئے ایک اور مہم میں حصّہ لیا۔ اس مہم میں ایرانیوں نے بڑے پیمانے پر تیاری کی تھی۔ تغلبیوں کا سردار ہذیل بن عمران مقام المصیخ میں خیمہ زن ہوا۔ حضرت خالد بن ولید ان پر فوج کے تین دستوں سمیت ٹوٹ پڑے اور ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ پھر الثنی میں انہوں نے ربیعہ بن بجیر التغلبی کی فوج کو مار بھگایا اور ربیعہ کی بیٹی کو حضرت علیؓ نے خرید لیا جو اسیر ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آگئی تھی۔ حضرت خالد بن ولید نے زمیل کے ایک اور پڑاؤ پر بھی چھاپا مارا لیکن ہلال بن عقہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے حضرت خالد بن ولید نے شام کی طرف یلغار کی تو المصیخ اور الحصید کے مقام پر مزید تغلبیوں کو موجود پایا جو ربیعہ بن بجیر کے تحت تھے۔ آپؓ نے انہیں شکست دی۔

مندرجہ بالا واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تغلبیوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ چھوڑی تھی۔

بنو تغلب کا ایک وفد حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں عبداللہ کے سفارتی وفد کے ساتھ مدینے آیا تھا جس نے حضرت عمرؓ سے علیحدہ ایک معاہدہ کیا۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں پہلے تو بنو تغلب محبان علی میں سے تھے، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد وہ بنو امیہ کے ہم نوا بن گئے اور جنگ صفین میں امیر معاویہ کی طرف سے لڑے۔ حضرت امیر معاویہ نے انہیں کوفے میں آباد کر دیا۔ حرہ کی جنگ میں تغلبیوں نے یزید کا ساتھ دیا اور مرج راہط میں مروان کے طرف دار بنے۔

❋ **بنو تمیم:** عرب کا ایک مشہور قبیلہ۔ یہ لوگ نجد میں مقیم تھے اور شاخیں بصرہ اور عامہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ مجوسی تھے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اس قبیلے کا نسب نامہ کچھ اس طرح ہے کہ تمیم بن مر بن اد بن طابخۃ بن الیاس بن مضر۔ اس قبیلے کا تاریخ میں پہلی بار ذکر چھٹی صدی عیسوی میں آتا ہے۔ اس زمانے میں یہ ایک بڑا قبیلہ تھا اور اس کے افراد عرب کے مشرقی ساحل پر نجد کے تمام علاقوں، بحرین کے ایک حصے اور تمامہ کے ایک حصے پر آباد تھے۔

❋ **بنو ثعلبہ:** قدیم عرب کے متعدد قبائل میں بنو ثعلبہ نام کے کئی قبائل تھے۔ دراصل اس کا اطلاق متعدد قبائل کبیرہ کی بڑی شاخوں کے ناموں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں کئی ایسے قبائل کا ذکر ملتا ہے جن کے ناموں میں ثعلبہ آتا ہے۔

❋ **بنو ثقیف:** عرب کا ایک مشہور قبیلہ۔ یہ قبیلہ طائف کے گرد و نواح میں آباد تھا اور بڑا جنگجو تھا۔ آخر تک کفر کا ساتھ دیتا رہا۔ بنو ثقیف کا زمانہ ظہور اسلام سے تقریباً سو سال پہلے کا ہے، کیونکہ عہد نبوی کے اواخر میں عروہ ابن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو ابن سعد بن عوف بن ثقیف نے اپنے بڑھاپے میں اسلام قبول کیا۔ عربی روایات کی رو سے ثقیف نے اپنے حقیقی یا چچازاد بھائی کو کسی بات پر قتل کیا اور فرار ہو کر طائف آگیا۔ یہاں کے سردار عامر بن الظرب عدوانی نے اسے نہ صرف پناہ دی بلکہ اپنی لڑکی بھی ثقیف کے ساتھ بیاہ دی۔

اب اس کی نسل بنو ثقیف میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ یہ قبیلہ اسلام سے پہلے اچھی خاصی حضریت اختیار کر چکا تھا۔ بنو ثقیف کے لوگ وادی وج میں لیتہ اور دہط وغیرہ میں باغ بانی کو کافی ترقی دے چکے تھے اور آب رسانی میں بھی ماہر تھے۔ یہ لوگ بتوں کی خاص طور پر عکاظ نامی بت کی پوجا کرتے تھے حتیٰ کہ طائف میں "لات" کے لئے ایک "کعبہ ثانی" بھی تیار کر لیا تھا۔ ابتدا میں چونکہ قبیلہ ثقیف کے لوگ زیادہ نہیں تھے، اس لئے انہوں نے دوسرے قبیلے والوں کی اپنے علاقے میں آباد کاری کا خیر مقدم کیا۔ لیکن بعد میں ان میں رقابتیں بڑھتی گئیں۔ وہ قبائل جو بعد میں یہاں آباد ہوئے "احلاف" کہلائے۔

ظہور اسلام کے بعد ۵ھ میں غزوۂ خندق کے موقع پر جب سارا

عرب مسلمانوں کے خلاف مدینہ پر حملہ آور ہوا تو کفار کے لشکر میں بنو ثقیف کا بھی ایک دستہ تھا۔ فتح مکہ کے بعد طائف سے ایک وفد ایک دفعہ مدینہ آیا اور اس نے اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے دلداری کے لئے انہیں فوجی خدمات سے مستثنیٰ قرار دیا۔

⇦ لات + طائف، سفر + طائف، غزوہ + خندق، غزوہ۔

❋ بنو جرہم: عرب کا ایک قبیلہ۔ عربی روایات کے مطابق بنو جرہم کے لوگ دراصل قحطان کی اولاد تھے اور انہوں نے یمن سے مکہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پہلے یہ لوگ قبیلہ قطوار سے جنگ لڑتے رہے اور خانہ کعبہ پر قبضہ کر لیا تاہم بعد میں بنو خزاعہ کے بکر بن عبد مناف نے انہیں یہاں سے نکال دیا۔ ابن خلدوں کا خیال ہے کہ جرہم کے نام سے دو قومیں تاریخ میں گزری ہیں۔ ایک عاد کے زمانے میں تھے اور دوسرے قحطان کی نسل سے تھے۔

اس دوسرے بنو جرہم نے حجانہ میں حکومت قائم کی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت اسمٰعیل کی شادی بھی اس قبیلے میں ہوئی تھی۔

⇦ اسمٰعیل علیہ السلام + ابراہیم علیہ السلام + آباؤاجداد نبوی ﷺ۔

❋ بنو حنیفہ: مسیلمہ کذاب کا قبیلہ۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مسیلمہ کذاب اپنے قبیلے کا رئیس تھا۔ بنو حنیفہ یمامہ میں آباد تھے۔ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے نہایت سختی سے جواب دیا۔

⇦ مسیلمہ کذاب۔

❋ بنو خزاعہ: قحطانی عربوں کا مشہور قبیلہ جو قدیم زمانے میں یمن میں آباد تھا۔ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے بہت پہلے ان لوگوں نے جنوبی حجاز اور مکہ پر قبضہ کر لیا تھا اور بنو جرہم کو حجاز سے نکال دیا تھا، لیکن قصیٰ کے زمانے میں یہ قبیلہ مکہ سے نکل کر جدہ میں آباد ہو گیا۔

صلح حدیبیہ کی رو سے یہ لوگ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ یہ قبیلہ ہی فتح مکہ کا سبب بنا۔

⇦ فتح مکہ + حدیبیہ، صلح۔

❋ بنو خزرج: مدینہ کے انصار کا مشہور قبیلہ جو یمن سے آ کر یثرب میں آباد ہوا تھا۔ یہ قبیلہ اپنے ساتھی قبیلہ اوس کے ہمراہ مکہ آ کر مسلمان ہوا تھا۔ چونکہ بنو خزرج اور اوس دونوں نے اسلام کی بڑی مدد کی تھی، اس لئے انہیں احتراماً "انصار" کا لقب دیا گیا۔

⇦ انصار + مدینہ + بیعت عقبہ اولیٰ + بیعت عقبہ ثانیہ۔

❋ بنو ذہل بن شیبان: ایک قبیلہ جس کو نبی کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت دی۔ اس قبیلے والوں نے آپ ﷺ کی بات صبرو تحمل سے سنی، اس کی تصدیق بھی کی، لیکن کہا کہ خاندانی دین ایک دم چھوڑ دینا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ نیز ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں اور ان سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم کسی اور کے زیر اثر نہ آئیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کی سچائی کی تعریف کی اور فرمایا کہ خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا۔

❋ بنو زہرہ: قریش مکہ کا ایک قبیلہ۔ نبی کریم ﷺ کی والدہ آمنہ اس قبیلے کے سردار کی بیٹی تھیں۔ غزوۂ بدر کے موقعے پر جب ابوسفیان کا قافلہ سلامتی کے ساتھ واپس آگیا تو بنو زہرہ نے جنگ کو غیر ضروری سمجھ کر ابوجہل کا ساتھ چھوڑ دیا۔ فتح مکہ کے بعد سارا قبیلہ اسلام لے آیا۔

⇦ آمنہ + بدر، غزوہ + ابوسفیان۔

❋ بنو سعد: حجاز کا ایک قبیلہ۔ اس قبیلے میں نبی کریم ﷺ نے اپنی شیر خوارگی کا زمانہ گزارا۔ آپ ﷺ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کا اس قبیلے سے تعلق تھا۔ یہ قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے۔

⇦ حلیمہ سعدیہ + بچپن محمد۔

❋ بنو سلمہ: عرب کا ایک جنگجو قبیلہ۔ اس قبیلے کے اکثر افراد نے اسلام قبول کر کے اسلام کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

❋ بنو سلیم: قدیم عرب کا ایک قبیلہ جو بنو قضاعہ کی ایک شاخ تھا۔ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے کچھ عرصے کے بعد بتایا جاتا ہے۔

*** بنو سلیم، غزوہ:** ایک غزوہ جو ۳ھ میں ہوا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ بنو سلیم بحران کے مقام پر جمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ کا والی مقرر کر کے تین سو صحابہ کے ہمراہ ۶ جمادی الاولیٰ تین ہجری کو اس خطرے کے خاتمے کے لئے نکلے۔ دشمن کو جب آپ ﷺ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کی آمد کی خبر ملی تو وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ ۱۶ تاریخ کو واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

⇦ عبداللہ بن ام مکتوم۔

*** بنو شیبا:** قریش مکہ کا ایک خاندان جو شیبہ بن عثمان ابی طلعہ عبداللہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصیٰ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس خاندان کو حاجب کعبہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ بیت اللہ کی کلید برداری بھی انہی کے ذمے تھے۔ یہ خاندان اگرچہ مسلمانوں کا دشمن رہا تھا، لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اس خاندان کو بیت اللہ کی کلید برداری کا شرف عطا کیا۔

⇦ فتح مکہ + بیعت اللہ + کعبہ + مکہ۔

*** بنو ضمرہ:** قبیلہ جو مدینہ کے اطراف آباد تھا۔ نبی کریم ﷺ نے دیگر قبائل کی طرح اس سے بھی امن کا معاہدہ کیا تھا۔ اس وقت اس قبیلے کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے معاہدہ ۲ھ میں کیا۔ اس معاہدے میں تحریر تھا کہ یہ محمد رسول اللہ کی تحریر ہے بنو ضمرہ کے لئے کہ ان لوگوں کا جان اور مال محفوظ رہے گا۔ اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی، بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلے میں لڑیں۔ اور پیغمبر ﷺ جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔ تمام محدثین اس واقعے سے مغازی کی ابتدا کرتے ہیں۔

⇦ میثاق مدینہ + مغازی + غزوہ۔

*** بنو طے:** عرب کا ایک مشہور قبیلہ۔ غالباً تیرہویں صدی میں اس قبیلے کے لوگ یمن سے نجد آکر آباد ہوئے۔ ان میں سے کچھ یہودی اور کچھ عیسائی تھے۔ قبیلے بنو طے کے افراد بہادر، سخی اور جرات مند تھے۔ مشہور حاتم طائی کا بھی اس قبیلے سے تعلق تھا۔ غزوۂ حنین کے موقع پر اس قبیلے کے کئی سردار گرفتار ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے گئے جن میں حاتم طائی کی بیٹی بھی شامل تھی۔ حاتم طائی کی شہرت پر نبی کریم ﷺ نے انہیں رہا کر دیا۔ اس قبیلے نے ۹ھ میں اسلام قبول کیا۔

⇦ عدی بن حاتم + حنین، غزوہ۔

*** بنو عدی:** عرب کا مشہور قبیلہ۔ اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کی گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ قریش انہی کی اولاد ہیں۔ قریش کی نسل میں دس شخصیتوں نے اپنی لیاقت کے باعث بڑا امتیاز حاصل کیا اور ان کے حساب سے دس جدا نامور قبیلے بنے۔ ان میں سے ایک نامور قبیلہ "عدی" ہے۔ حضرت عمر فارق انہی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کا ایک اور بھائی "مرہ" تھا۔ آنحضرت ﷺ کا تعلق ان سے ہے۔ اس طرح حضرت عمر کا سلسلہ نسب آنحضرت ﷺ سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔

⇦ اسماعیل علیہ السلام + آباؤ اجداد نبوی ﷺ + قریش + عمر بن خطاب۔

*** بنو غطفان، غزوہ:** غزوہ بنو غطفان جو ربیع الاول ۳ھ میں پیش آیا۔ نبی کریم ﷺ کو غزوۂ قرقرۃ الکدر (محرم الحرام ۳ھ) سے واپسی کے قریباً ایک ماہ بعد اطلاع ملی کہ ثعلبہ اور محارب کے مشرکین رذوامر کے مقام پر جمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور چار سو پچاس گھڑسوار مجاہدین کے ہمراہ بارہ ربیع الاول کو محاذ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقابلے کی نوبت نہیں آئی۔ رسول اللہ ﷺ ۲۳ ربیع الاول کو مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

⇦ قرقرالکدر، غزوہ + عثمان بن عفان + مدینہ۔

بنو قریظہ : یہودیوں کا ایک قبیلہ جس نے مدینہ کے ایک اطراف میں قلعے بنائے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں ریاستی نظام قائم کرتے وقت یہودیوں کے جن قبائل سے صلح و امن کے معاہدے کئے تھے ان میں بنو قریظہ بھی شامل تھے۔ اس قبیلے کے سردار کعب بن اسد تھے۔ ⇦ بنو قریظہ، غزوہ۔

بنو قریظہ، غزوہ : غزوہ جو غزوۂ خندق (غزوۂ احزاب) کے فوراً بعد ہوا۔

دراصل نبی کریم ﷺ نے بنو قریظہ کے یہودیوں سے بھی معاہدہ کر رکھا تھا، لیکن غزوۂ خندق میں مسلمانوں پر ہر طرف سے کفار کے زور کو دیکھ کر یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا اور جس قلعے میں مسلمان عورتیں اور بچے محفوظ تھے اس پر حملہ کر دیا۔ غزوۂ خندق کے بعد نبی کریم ﷺ خود ۲۳ ذوالقعدہ کو تین ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور بنو قریظہ کا محاصرہ کیا۔ طویل محاصرے سے تنگ آکر یہودیوں نے صلح کی پیش کش کی اور حضرت سعد بن معاذ کو ثالث بنانے کی تجویز دی۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کے فیصلے کے بعد بنو قریظہ نے مسلمانوں کی اطاعت اختیار کرلی۔ یہ سلسلہ سات ذوالحجہ تک جاری رہا۔ ⇦ خندق، غزوہ۔

بنو قینقاع : یثرب (مدینہ منورہ) کا ایک یہودی قبیلہ جس سے نبی کریم ﷺ نے مقابلہ کیا۔ ⇦ بنو قینقاع، غزوہ۔

بنو قینقاع، غزوہ : غزوہ جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے قریب آباد یہودیوں کے ایک قبیلے "بنو قینقاع" کے خلاف لڑا۔

نبی کریم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے وہاں تین یہودی قبائل بنو نظیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع آباد تھے۔ وہ مدینے کی ایک جانب رہتے تھے اور زیادہ تر تجارت کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ آمد کے بعد ان قبائل سے ایک تحریری معاہدہ کیا تھا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی نے بنو قینقاع اور دیگر یہودی قبائل کے دلوں میں حسد و عداوت کی آگ بھڑکا دی اور اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لئے خطرہ سمجھنے لگے۔ بنو قینقاع اور دوسرے یہودی قبائل کھلے بندوں اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ ان کے ایک شاعر کعب بن اشرف نے مکہ جا کر قریش کو مسلمانوں پر حملے کی ترغیب دی۔ یہود کے شعرا اور خاص طور پر کعب، نبی کریم ﷺ اور اسلام کے بارے میں ہجو کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے ان تمام احوال کو دیکھتے ہوئے ان کے سرداروں کو بلا کر اپنی دعوت پیش کی اور انہیں تنبیہ کی۔ اسی دوران میں ایک مسلمان خاتون بنو قینقاع کے محلے میں ایک سنار سے اپنے زیورات بنانے کے لئے گئیں۔ اس سنار نے اس خاتون کے ساتھ نازیبا مذاق کیا اور بے حرمتی کی۔ اس مسلمان عورت کی پکار پر ایک باغیرت مسلمان نے اس یہودی سنار کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے جوش انتقام میں اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ اس پر ہنگامہ کافی بڑھ گیا۔ نبی کریم ﷺ مدینہ میں ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر انصاری کو اپنا نائب مقرر کر کے خود بنی قینقاع کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے مسلمان مجاہدین کے ہمراہ بنو قینقاع کا محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن تک جاری رہا۔ یہودیوں نے تنگ آکر غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دئے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی سفارش پر نبی کریم ﷺ نے ان کی جاں بخشی اس شرط پر کی کہ وہ شام کی طرف جلاوطن ہو جائیں۔ چنانچہ وہ شام میں جا آباد ہوئے۔ غزوہ بنو قینقاع کی تاریخ کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ یہ بات تو قطعی ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد اور غزوۂ احد سے پہلے پیش آیا لہٰذا اس کی تاریخ ۳ھ متعین کی جا سکتی ہے۔ تاہم علامہ شبلی نعمانی نے اس غزوہ کو ۲ھ کے واقعات میں شمار کیا ہے۔

⇦ عبداللہ بن ابی۔

بنو مدلج : ایک قبیلہ جس سے جمادی الثانیہ ۲ھ میں نبی کریم ﷺ نے امن کا معاہدہ کیا۔ یہ قبیلہ مدینہ سے ۹ منزل کے فاصلے پر ذوالعشیرہ کے مقام پر آباد تھا۔

بنو مصطلق، غزوہ : غزوۂ بنو مصطلق یا غزوۂ مریسیع۔ مریسیع کا مقام مدینہ منورہ سے ۹ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں قبیلہ خزاعہ (جو قریش کا حلیف تھا) کا ایک خاندان بنو مصطلق آباد تھا۔ نبی کریم ﷺ کو

۲ھ میں یہ خبر ملی کہ یہ قبیلہ مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس خبر کی تصدیق کی۔ چنانچہ ۲ شعبان کو اسلامی فوج مدینہ سے روانہ ہوئی، لیکن جب مجاہدین کی یہ جماعت مریسیع کے مقام پر پہنچی تو پتا چلا کہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار اور اس کے آدمی کہیں منتشر ہو گئے ہیں۔ تاہم مریسیع میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے مسلمانوں سے لڑائی شروع کر دی اور مسلمانوں پر تیر برسائے۔ جب مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن ان کے دس آدمی مارے گئے اور تقریباً چھ سو گرفتار ہوئے۔

اسی غزوہ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا ان میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ حضرت جویریہ، حضرت ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ حضرت جویریہ نے حضرت ثابت سے مکاتبت کرنے کو کہا یعنی مجھ سے کچھ رقم لے کر مجھے چھوڑ دو۔ حضرت ثابتؓ نے اسے منظور کیا، لیکن حضرت جویریہ کے پاس رقم نہ تھی۔ انہوں نے چاہا کہ کچھ لوگوں سے چندہ جمع کر کے یہ رقم ادا کر دیں۔ اس غرض سے وہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں بھی آئیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا، اگر اس سے بہتر برتاؤ تمہارے ساتھ کیا جائے تو قبول کرو گی؟ انہوں نے پوچھا، وہ کیا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہاری طرف سے میں رقم ادا کر دوں اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں؟ حضرت جویریہ نے اسے منظور کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تنہا حضرت جویریہ کی رقم ادا کر دی اور انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ⇐ ازواج مطہرات + جویریہ۔

٭ بنو لحیان، غزوہ: غزوۂ بنو لحیان جو ۵ھ میں ہوا۔ بنو لحیان وہ قبیلہ تھا جو واقعہ رجیع میں شریک تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے مکر و فریب اور وحشیانہ رویے کا بدلہ لینے کے لئے مجاہدین کی ایک جماعت تیار کی اور ربیع الاول ۵ھ میں مدینہ سے قبیلہ بنو لحیان کی طرف روانہ ہوئے۔ دو سو گھوڑے اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

جب نبی کریم ﷺ وہاں پہنچے تو بنو لحیان کے لوگ مسلمانوں سے ڈر کر فرار ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا پیچھا کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق کو بھیجا، مگر وہ ہاتھ نہ لگے۔ ⇐ رجیع + ابوبکر صدیق۔

٭ بنو نجار: قدیم عرب کا مشہور قبیلہ جو اپنی مردم خیزی کی بدولت مشہور ہے۔ اس قبیلے میں نامور شاعر اور بڑے سپاہی پیدا ہوئے۔ اسلام آنے پر اس قبیلے کے بہت سے افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

٭ بنو نضیر: مدینے کے جنوب کی جانب تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ایک یہودی بستی۔ بنو نضیر اور بنو عامر آپس میں حلیف تھے۔ بنو نضیر کا تعلق خیبر کے یہود سے تھا۔ یہ اگرچہ عربی نام رکھتے تھے، مگر عربوں سے جداگانہ رہتے تھے۔ ان کی سماجی حیثیت بہت مضبوط تھی۔ بے پناہ سرمایہ، مال و متاع سے بھرپور تھے۔ ذریعہ معاش کسی حد تک زراعت بھی تھا۔ ان کا اہم رہنما حیَی بن اخطب تھا۔ حضرت صفیہ اس کی بیٹی تھیں جو بعد میں آپ ﷺ کی زوجہ بنیں۔

ان کی رہائش گاہیں تمام شہر میں ہونے کی بجائے صرف جنوب کی جانب تھیں۔ ان کے قلعے مدینے سے آدھے دن کے سفر کے فاصلے پر تھے۔ سورۂ حشر اللہ تعالیٰ نے انہی کے حوالے سے نازل کی تھی۔

⇐ ازواج مطہرات + صفیہ، ام المؤمنین + مدینہ۔

٭ بنو نضیر، غزوہ: غزوۂ بنو نضیر جو ۴ھ میں پیش آیا۔ اس غزوہ کا پس منظر بہت روح فرسا ہے جس سے یہودیوں کی ہمیشہ سے عہد شکنی اور بدعہدی کا ثبوت ملتا ہے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ غزوۂ احد کے چار ماہ بعد آنحضور ﷺ کے پاس بنو عامر کے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے چند صحابہ کو اپنے ساتھ بھیجنے کو کہا تاکہ یہ صحابہ جا کر ان کے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے کہنے پر چالیس صحابہ کرام کو تبلیغ کے لئے بیرِ معونہ بھیج دیا۔ وہاں بنو سلیم نے ان صحابہ کو گھیر کر شہید کر دیا۔ صرف ایک صحابی حضرت عمروؓ بن امیہ بچ نکل سکے۔ وہ واپس آرہے تھے کہ راستے میں حضرت عمرو نے جوش انتقام میں بنو سلیم کے دو یہودیوں کو قتل کر دیا۔ انہوں معلوم نہ تھا کہ اس

قبیلے کے ساتھ یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر کے واسطے آنحضور ﷺ کا عہد و پیمان تھا۔ نبی کریم ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ دونوں آدمیوں کی دیت ادا کرنے خود بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ بنو نضیر نے یہ قبول نہ کیا بلکہ درپردہ آنحضور ﷺ کے قتل کی سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانے پر چڑھ کر آنحضور ﷺ پر پتھر گرادے۔ عمرو بن جحاش نامی ایک یہودی اس ارادے سے کوٹھے پر چڑھا، لیکن آنحضور ﷺ کو اس سازش کا علم ہوگیا اور آپ ﷺ فوراً مدینہ تشریف لے آئے اس کے بعد یہ لڑائی ہوئی۔ ⇦ بیرِ معونہ۔

✽ بنو ہاشم: سرزمین حجاز میں قبیلہ قریش کا اہم خاندان۔ یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ جب یہ قبیلوں میں بٹی تو قریش ایک اہم قبیلہ بنا۔ یہ مکہ میں تھا اور کعبہ کا متولی تھا۔ اس قبیلے میں ایک معزز متمول خاندان آباد تھا جو حضرت ہاشم کی اولاد سے تھا۔ انہی کی اولاد بنو ہاشم کہلاتی ہے۔ حضرت علی اور ان کی اولاد اور خلفائے بنو عباس بھی بنو ہاشم سے ہی تھے۔ یہ لوگ تجارت پسند تھے اور مکہ بھر میں معزز تھے۔ پینے کے لئے چمڑوں کے حوضوں میں پانی بھرتے، مہاجروں کو دل کھول کر امداد دیتے۔ ایک طرح سے مکہ کے امیر تھے۔

انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور مصر و شام کے بادشاہ قیصر سے ان کے ملکوں میں بے روک ٹوک تجارت کے لئے فرمان لکھوایا۔ پھر وہاں کے باشندوں سے عہد لیا کہ وہ قریش کے قافلوں کو نہیں لوٹیں گے۔ اس طرح عرب کی تجارت میں درخشاں ترقی ہوئی۔

⇦ آباواجداد نبوی + قریش + حبشہ۔

✽ بنو ہوازن: قدیم عرب کا ایک مشہور قبیلہ۔ قریش اور ان کے اتحادی قبیلہ بنو کنانہ اور ہوازن کے مابین چار جنگیں ہوئیں جن میں ایک میں سرورِ کونین ﷺ بھی بعثت سے قبل شریک رہے۔

✽ بنوری، محمد یوسف: محدث، عالم دین، مصنف۔ پورا نام سید محمد یوسف بن محمد زکریا بن میر مزمل شاہ بن میر احمد شاہ بنوری تھا۔ پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد، ماموں اور اپنے علاقے کے دوسرے علما سے حاصل کی۔ کابل بھی گئے اور وہاں کے علما سے فیض حاصل کیا۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند کا سفر اختیار کیا۔

۱۹۳۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انور شاہ کاشمیری کی معیت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سوات میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور وہیں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۶ھ میں ڈابھیل کی مجلس علمی کی طرف سے حجاز، مصر، یونان، ترکی کا سفر کیا۔

جنوری ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ کے ارباب حل و عقد کے شدید اصرار پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو چھوڑ کر دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تین سال تک یہ خدمت سرانجام دینے کے بعد کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں سے حجاز مقدس کا سفر اختیار کیا۔ حج سے واپسی پر نیو ٹاؤن میں ایک علمی ادارہ "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" (موجودہ معروف نام "جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن") کی بنیاد رکھی۔

علامہ بنوری عربی زبان کے صاحب طرز ادیب تھے۔ شاعرانہ ذوق رکھتے تھے اور بہترین نعتیں لکھی ہیں جو ایک علمی رسالے "الاسلام" میں چھپ چکی ہیں۔ اردو، فارسی، پشتو اور عربی چاروں زبانوں کے ادیب اور شاعر تھے۔

تصوف میں مولانا بنوری، مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجاز صحبت ہیں۔ ۱۳۶۵ھ (۱۹۴۶ء) میں جب آپؒ مکہ مکرمہ گئے تو وہاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ حضرت مولانا محمد شفیع الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو مولانا محمد یوسف، بنوری کا انتقال ہوا۔

حدیث شریف کی ترویج کے سلسلے میں آپؒ نے خاصا کام کیا ہے۔

ب و

✽ بواط، غزوہ: ایک مقام۔ مدینہ سے کوئی پچاس میل دور

مغرب کی طرف جو پہاڑیوں کا سلسلہ ہے، اسے "بواط" کہتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا ایک غزوہ اس جگہ لڑا گیا۔ اسی جگہ کی مناسبت سے اس غزوے کا نام "غزوۂ بواط" ہے۔

جب نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک کارواں جس میں ڈھائی ہزار اونٹ ہیں اور اس کی حفاظت امیہ بن خلف اور دیگر سوار افراد کر رہے ہیں، شام سے آرہا ہے تو آپ ﷺ دو سو صحابہ کرام کے ہمراہ اس طرف چل پڑے۔ مدینہ منورہ میں اپنا نائب حضرت سعد بن معاذ کو مقرر کیا اور اپنے اسلامی لشکر کا علم سعد بن ابی وقاص کو تھمایا، لیکن بواط تک پہنچنے پر آپ ﷺ اس کارواں کو نہ پاسکے اور واپس آگئے۔ ⇦ امیہ بن خلف + مدینہ۔

*** بہافرید نیشاپوری:** مدعی نبوت۔ ابومسلم خراسانی (جو خلافت آل عباسؓ کا بانی تھا) کے دور میں بہافرید نامی ایک شخص سیراوند نامی ایک قصبے (ضلع نیشاپور) میں ظاہر ہوا۔ نبوت و وحی کا مدعی تھا۔ دعوائے نبوت کے تھوڑی مدت بعد چین گیا اور وہاں سات سال تک مقیم رہا۔ مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے علاوہ سبز رنگ کی ایک نہایت باریک قمیص بھی ساتھ لایا۔ اس قمیص کا کپڑا اس قدر باریک تھا کہ قمیص آدمی کی مٹھی میں آجاتی تھی۔ چونکہ اس زمانے تک لوگ زیادہ باریک کپڑوں سے روشناس نہ ہوئے تھے، اس لئے بہافرید نے اس قمیص سے معجزے کا کام لینا چاہا۔

چین سے واپس آکر رات کو وطن پہنچا۔ کسی سے ملاقات کئے بغیر رات کی تاریکی میں سیدھا مجوس کے مندر کا رخ کیا اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ جب صبح کے وقت پجاریوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے نیچے اترنا شروع کیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ سات سال تک غائب رہنے کے بعد اب یہ بلندی کی طرف سے کیوں آرہا ہے۔

لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا، حیرت کی کوئی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمان پر بلایا تھا۔ میں برابر سات سال تک آسمانوں کی سیر و سیاحت میں مصروف رہا۔ وہاں مجھے جنت کی خوب سیر کرائی۔ میں نے دوزخ کا بھی معائنہ کیا۔ آخر رب نے مجھے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہ قمیص پہنا کر زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں ابھی آسمانوں سے نازل ہو رہا ہوں۔

اس وقت مندر کے پاس ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ اس نے کہا، میں نے خود اسے آسمان کی طرف سے اترتے دیکھا ہے۔ پجاریوں نے بھی اس کے اترنے کی شہادت دی۔ بہافرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمان سے نازل ہوا، زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ کہیں دنیا میں بھی ایسا باریک اور نفیس کپڑا تیار ہوسکتا ہے۔ لوگ اس قمیص کو دیکھ کر محو حیرت تھے۔ الغرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ خلعت پر یقین کر کے ہزارہا لوگ اس کے پیرو ہوگئے۔ اس کے دین کے احکام بڑے مضحکہ خیز تھے۔

بہافرید مدت تک اغوائے خلق میں بلا مزاحمت مصروف رہا۔ آخر جب ابومسلم خراسانی نیشاپور آیا تو مسلمانوں اور مجوسیوں کا ایک مشترک وفد اس کے پاس پہنچا اور شکایت کی کہ بہافرید نے دین اسلام اور دین مجوس میں رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں۔ ابومسلم نے عبداللہ بن شعبہ کو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ بہافرید کو اطلاع مل گئی کہ اس کی گرفتاری کا حکم ہوا ہے۔ فوراً نیشاپور سے راہ فرار اختیار کی۔ عبداللہ بن شعبہ نے تعاقب کر کے اسے کوہِ بادغیس پر جالیا اور گرفتار کر کے ابومسلم کے سامنے لا حاضر کیا۔ ابومسلم نے دیکھتے ہی اس پر خنجر خونخوار کا وار کیا اور سر قلم کر کے اس کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔

ابومسلم نے حکم دیا کہ اس کے گم کردگان راہ پیرو بھی گرفتار کر لئے جائیں۔ اس کے پیروان بہافرید کی گرفتاری سے پہلے ہی اسلامی فوج کے آنے کی خبر سن کر بھاگ چکے تھے، اس لئے بہت تھوڑے افراد ابومسلم کی فوج کے ہاتھ آئے۔ اس کے پیرو بہافرید کہلاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ بہافرید ایک مشکیں گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان پر چڑھ گیا تھا اور کسی مستقبل زمانے میں آسمان سے نازل ہو کر اپنے دشمنوں سے انتقام لے گا۔

ب ی

*** بیان بن سمعان تمیمی:** مدعی نبوت۔ بیان بن سمعان

تمیمی مغیرہ بن سعید عجلی کا معاصر تھا۔ دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے تھے۔ فرقہ بیانیہ جو غلاۃ روافض کی ایک شاخ ہے، اسی بیان کا پیرو ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس کے ذریعے زہرہ کو بلا لیتا ہوں اور لشکروں کو منہزم کر سکتا ہوں۔ ہزاروں انسان نماڈھور خوش اعتقادی کے سنہری جال میں پھنس کر اس کی نبوت کے قائل ہوگئے۔ اس نے امام محمد باقرؒ جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی اپنی نبوت کی دعوت دی تھی اور اپنے خط میں جو عمر بن عفیف کے ہاتھ امام ممدوح کو بھیجا، لکھا تھا کہ میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہو گے اور ترقی کرو گے۔ تم نہیں جانتے کہ خدا کس کو نبوت پر سرفراز فرماتا ہے۔

بیان کو اس کے اس دعوے کی وجہ سے بیان کہتے تھے کہ مجھے قرآن کا صحیح بیان سمجھایا گیا ہے اور آیات قرآنی کا وہ مطلب و مفہوم نہیں جو عوام سمجھتے ہیں۔ عوام سے اس کی مراد علمائے اسلام تھے۔ اس قسم کا دعویٰ کچھ بیانا پر موقوف نہیں تھا بلکہ ہر جھوٹا مدعی خود مصیب وحق پرست بنتا اور حاملین شریعت کو خطا کار بتایا کرتا ہے۔

عامل کوفہ خالد بن عبداللہ قسری نے مغیرہ عجلی کو نذر آتش کر دیا تھا۔ بیان بھی اسی وقت گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا۔ جب مغیرہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا تو خالد نے بیانا کو بھی حکم دیا کہ سرکنڈوں کا ایک گٹھا تھام لے۔ چونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ مغیرہ کو گٹھا نہ اٹھانے پر مار پڑی تھی، اس لئے فوراً لپک کر ایک گٹھا تھام لیا۔ خالد نے کہا تمہیں دعویٰ ہے کہ تم اپنے اسم اعظم کے ساتھ لشکروں کو ہزیمت دیتے ہو، اب یہ کام کرو کہ مجھے اور میرے عملے کو جو تیرے درپے قتل ہیں، ہزیمت دے کر اپنے آپ کو بچالو۔ مگر ظاہر ہے وہ جھوٹا تھا، لب کشائی نہ کر سکا۔ آخر مغیرہ کی طرح اس کو بھی جلا کر بے نشان کر دیا گیا۔

✽ بیت الحرام: حرمت والا گھر۔ وہ جگہ جس کا حد سے زیادہ احترام کیا جائے۔ مکہ میں جس جگہ خانہ کعبہ موجود ہے، اسے "بیت الحرام" کہتے ہیں۔ ⇦ کعبہ + مکہ مکرمہ۔

✽ بیت العتیق: کعبہ کا ایک نام۔ اس کا مطلب ہے پرانے گھر۔ چونکہ یہ کافی قدیم خانہ خدا ہے کہ جس کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مل کر اس کی تعمیر کی، اس لئے اسے "بیت العتیق" کا نام دیا جاتا ہے۔

⇦ کعبہ + مکہ۔

✽ بیت المدارس: یہود کی درس گاہیں۔ دراصل مدینہ منورہ میں یہود کا غلبہ تھا اور مدینہ اور آس پاس کے دیگر مذاہب کے لوگ ان کو تعلیم یافتہ اور مہذب خیال کرتے تھے اور ان سے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے لہٰذا یہود نے تورات کی تعلیم کے لئے متعدد درس گاہیں قائم کی تھیں جن کو "بیت المدارس" کہتے تھے۔

⇦ مدینہ۔

✽ بیت المعمور: بھرا گھر، آباد مکان۔ اصطلاحاً خانہ کعبہ کے عین اوپر ساتویں آسمان پر دور ملائکہ کا ایک عبادت خانہ ہے جہاں فرشتے کثیر تعداد میں طواف اور دیگر عبادات میں رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات اس کی زیارت بھی کی تھی۔

⇦ کعبہ + مکہ۔

✽ بیت المقدس: پاک گھر۔ اُمت مسلمہ کا قبلہ اول۔ یروشلم اور اس کی عبادت گاہ جس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی اور تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔ عام طور پر یروشلم کو بھی بیت المقدس ہی کہا جاتا ہے۔ یہ ان شہروں میں سے ایک ہے جنہیں نوع انسانی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اسلام کا قبلہ اول یہی تھا۔ چنانچہ تحویل قبلہ کے حکم سے قبل رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کعبہ کے بجائے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ ⇦ تحویل قبلہ + قبلہ اول + کعبہ۔

✽ بیعت رضوان: وہ بیعت جو حدیبیہ کے مقام پر واقعہ "صلح حدیبیہ" کے وقت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے لی۔ یہ ۶ھ کی بات ہے کہ جب صحابہ کرام، نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر جمع تھے۔ قریش مکہ کے ساتھ کوئی معاملہ طے نہیں پا رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے صلح کی گفتگو کے لئے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا۔

⇐ حدیبیہ، صلح۔

*** بیعت عقبہ اولیٰ:** گیارہ نبوی میں انصار کی بیعت جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کی۔ سن گیارہ نبوی میں مدینہ سے ۱۲ آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اسلامی احکام سکھانے کے لئے کوئی معلم ان کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت مصعبؓ مدینہ آکر اسعد بن ذرارہ کے مکان پر ٹھہرے۔ اسعد مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے۔ حضرت مصعب کا معمول تھا کہ روزانہ ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے۔ اس طرح روزانہ ایک دو افراد اسلام قبول کر لیتے۔

⇐ بیعت عقبہ ثانیہ + مدینہ + ہجرت مدینہ۔

*** بیعت عقبہ ثانیہ:** یہ بیعت سن ۱۲ انبوی میں ہوئی۔ اس سال حج کے موقع پر مدینہ سے ۷۲ افراد نے آکر عقبہ (منی) کے مقام پر نبی کریم ﷺ سے بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انصار سے کہا: "گروہ خزرج! محمد اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں ہم ہمیشہ اس کے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔"

اس پر انصار نے تعاون کی حامی بھر لی اور نبی کریم ﷺ نے اس گروہ میں سے بارہ اشخاص نقیب منتخب کئے۔ ان میں سے ۹ خزرج کے اور تین اوس کے تھے:

1. اسید بن حضیر۔
2. ابوالہیثم بن تیہان۔
3. سعد بن خثیمہ۔
4. سعد بن زرارہ۔
5. سعد بن الربیع۔
6. عبداللہ بن رواحہ۔
7. سعد بن عبادہ۔
8. منذر بن عمرو۔
9. برا ابن معرور۔
10. عبداللہ بن عمرو۔
11. عبادہ بن الصامت۔
12. رافع بن مالک۔

نبی کریم ﷺ نے ان افراد سے بیعت لی کہ شرک، چوری، زنا، قتل اولاد، اور افترا کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ جو اچھی بات کہیں گے وہ اس سے سرتابی نہ کریں گے۔ جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہ نے ان سے کھڑے ہو کر کہا کہ بھائیو، خبر بھی ہے کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے جنگ ہے۔ سب نے کہا کہ ہاں ہم اس پر بیعت کر رہے ہیں۔ ان افراد کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا ثابت ہوا اور مکہ کے مسلمانوں کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کا راستہ مل گیا۔

⇐ بیعت عقبہ اولیٰ + ہجرت مدینہ + مدینہ۔

*** بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین:** مشہور محدث اور شافعی فقیہ۔ آپؒ بیہق میں ۳۸۴ھ (بمطابق ۹۹۴ء) میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کی خاطر کئی ملکوں کا سفر کیا اور سو کے قریب اساتذہ کا فیض حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد غزنی کے دارالعلوم سے وابستہ ہو گئے۔ عمر کے آخری حصے میں نیشاپور آگئے اور حدیث کی تدریس میں خاص طور پر مصروف ہو گئے۔ آپؒ کا نیشاپور میں ۴۵۸ھ (بمطابق ۱۰۶۶ء) میں انتقال ہوا، لیکن میت کو بیہق لایا گیا۔

⇐ حدیث۔

*** بیئر رومہ:** مدینہ منورہ سے شمال مغرب کی جانب ایک یہودی کا ایک کنواں۔ اس کنویں کو "بیئر رومہ" کہا جاتا تھا۔ یہ کنواں اپنے پانی کی مٹھاس اور لذت کی وجہ سے مشہور تھا۔ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اسی

وقت کنواں اس کے یہودی مالک سے بیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا۔ اس لئے اسے "بیرِ عثمان" بھی کہتے ہیں۔

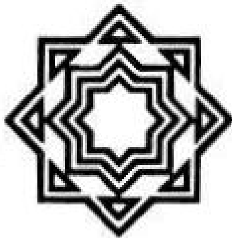
⇦ عثمان بن عفان۔

*** بیرِ ریس:** مسجد قبا سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلے پر ایک کنواں۔ اس کنویں کا پانی کھارا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک منھ کا لعاب اس میں ڈالا جس کی برکت سے اس کا کھارا پانی، میٹھا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ جو انگوٹھی پہنا کرتے تھے وہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے بعد حضرت عثمانؓ کو ملی تھی۔ ایک دن یہ انگوٹھی حضرت عثمان کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس کنویں میں جا گری اور پھر تلاش کے باوجود نہ مل سکی، اس لئے اس کنویں کو "بیرِ خاتم" بھی کہتے ہیں۔

*** بیرِ معونہ:** مدینہ منورہ میں ایک کنواں جو بنو سلیم کی ملکیت تھا۔ یہ علاقہ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان واقع تھا۔ تاریخ اسلام کے حوالے سے اس کنویں کی اہمیت اس طرح ہے کہ کفار نے ایک سازش اور غداری کے ذریعے بہت سے بلند مرتبہ صحابہ کو جن میں حفاظ اور قراشامل تھے، شہید کر دیا۔ چنانچہ یہ واقعہ تاریخ میں بیرِ معونہ کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔

یہ واقعہ ۲۰ صفر ۴ھ کا ہے کہ بنو عامر کا ایک سردار ابو براعامر بن مالک الکلابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو نہ وہ اسلام لایا اور نہ اس سے انکار ہی کیا البتہ اس نے درخواست کی کہ چند صحابہؓ کو اس کے ساتھ اہل نجد کی طرف بھیج دیا جائے تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کے ساتھ ۷۰ صحابہ کرام کا ایک وفد بھیج دیا۔ جب وفد بیرِ معونہ پہنچا تو صحابہ نے حضرت حرامؓ بن ملحان کو نبی کریم ﷺ کا دعوتی خط دے کر بنو عامر کے سردار کے پاس بھیجا۔ اس سردار نے خط پڑھے بغیر حضرت حرام کا سر قلم کر دیا اور اپنے قبیلے کو وفد پر حملہ کرنے کو کہا، لیکن انہوں اس وجہ سے انکار کیا کہ ابوبراء اس وفد کو اپنی حفاظت میں لایا تھا، لہٰذا اس نے بنو سلیم کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کو کہا۔ حملہ ہوا، مسلمان لڑے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ صرف حضرت کعب بن زید زخمی ہو کر بچ نکلے۔ نبی کریم ﷺ کو اس حادثے کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ کو بڑا افسوس ہوا۔ آپ ﷺ تقریباً ایک ماہ تک بیرِ معونہ کے شہدا کے قاتلوں کے لئے بددعا کرتے رہے۔ ⇦ بنو سلیم + مدینہ

*** بیرِ میمون:** مکہ مکرمہ کے قریب ایک کنواں۔ یہ کنواں اسلام کے ابتدائی دور میں موجود تھا۔ بیرِ میمون کا محل وقوع مسجد حرام اور منیٰ کے درمیان منیٰ سے قدرے قریب تر قرار دیا جاتا ہے۔ طبریؒ نے اس کنویں کے مقام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کنواں حدود حرم کے اندر تھا اور عراق سے آنے والے حاجیوں کی راہ پر تھا۔ ایک اور تاریخی شہادت کے مطابق یہ کنواں مکہ کے شمال میں مرالظہران کے نزدیک تھا۔



ت

ت ا

* **تابعی:** وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کا زمانہ دیکھا ہو اور کسی نہ کسی صحابی سے ملاقات کی ہو۔ ان تابعین (تابعی کی جمع) میں سے بعض تو نبی کریم ﷺ کے عہد میں بہ قید حیات تھے، لیکن آپ ﷺ کو دیکھنے کی نوبت نہ آسکی تھی۔ احادیث کی روایت اور دین اسلام کی اشاعت میں تابعین کا بڑا حصّہ ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا شمار طبقہ اولیٰ کے مشہور تابعین میں ہوتا ہے۔

⇦ صحابی۔

* **تاریخ الخمیس فی احوال نفس نفیس:** نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ اور اسلام کی ابتدائی تاریخ پر مشتمل ایک کتاب۔ اس کتاب کو حسین بن محمد بن حسن نے لکھا تھا جو ایک مورخ تھے۔ یہ اپنے زمانے کی تاریخ کی ایک مشہور کتاب تھی۔

ت ب

* **تبع تابعین:** تابعین کے بعد آنے والے۔ علم حدیث کی اصطلاح میں "تبع تابعین" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تابعین سے ملاقات اور ان سے فیض اٹھانے کا شرف حاصل ہوا۔ نیز وہ خود مؤمن ہوں اور ایمان ہی کی حالت میں وفات پائی ہو۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ تبع تابعین صحابہ کرام کے سلسلے کی تیسری کڑی ہیں۔

* **تبلیغ:** نبی کریم ﷺ کا مقصد اصلی۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد۔ آپ جانتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور پہلی وحی اقرا باسم ربک الذی خلق کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا تاج نبی کریم ﷺ کے سر پر رکھا، لیکن ابتدا میں چونکہ آپ ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص حکم نہیں ملا تھا، اس لئے آپ ﷺ تبلیغ کی طرف خاص طور پر متوجہ نہیں ہوئے تھے اور محض اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ آنحضور ﷺ اکثر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں کئی کئی دن تنہائی میں بسر فرماتے اور مشغول عبادت رہے۔ جو توشہ ختم ہو جاتا تو گھر واپس آجاتے اور دوبارہ چند دن عبادت کے ارادے سے واپس غار حرا میں چلے جاتے۔ آپ ﷺ کی یہ عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہبی طریقے پر ہوتی تھی۔ تاہم ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کی طرف سے القا کیے گئے طریقے کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے۔

جب آپ ﷺ کی عمر پورے چالیس سال ہوگئی تو جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں نبوت کی بشارت لے کر حاضر ہوئے۔ یہ مبارک واقعہ آپ ﷺ کی ولادت کے حساب سے ۱۷ رمضان ۴۱ میلادیہ بروز دو شنبہ ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت قمری حساب سے آپ ﷺ کی صحیح عمر چالیس سال، چھے ماہ، آٹھ یوم تھی۔ یہ تاریخ ۶ اگست ۶۱۰ء کے مطابق تھی۔ اس وقت آپ ﷺ غار حرا میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ آنحضرت پر سب سے پہلے سورۂ اقرا نازل ہوئی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہی روایت درست ہے جس پر اگلے پچھلے جمیع اکابرین اُمت کا اتفاق ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کی وہ حدیث نقل کی گئی ہے جس میں آپ ﷺ نے وحی کے انقطاع کے متعلق بیان کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے:

"میں چلا جا رہا تھا کہ یکایک میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا، زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر مجھ پر دہشت طاری ہوگئی۔ میں فوراً گھر لوٹا اور گھر والوں سے کہا، مجھے چادر اڑھا دو مجھے چادر اڑھا دو۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، "اے کملی والے! اٹھ اور قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرا۔ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھ اور بتوں سے بے تعلق رہ۔" (سورۂ مدثر)

اس کے بعد آپ ﷺ کے پاس مسلسل وحی آتی رہی۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ پر نزول قرآن کی ابتدا ماہ رمضان میں ہوئی تھی اور "انقطاع وحی" کی کل مدت تین سال رہی۔ (⇦ انقطاع وحی) پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ پر سورۂ والضحیٰ لے کر نازل ہوئے۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے میں دیر ہوئی تو مشرکین نے ازراہ تمسخر کہا کہ محمد ﷺ کے خدا نے اسے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ اس سے بغض رکھنے لگا ہے۔ ان کی تردید کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا: "دن کی روشنی کی قسم اور رات کی قسم! جب سکون و سناٹا ہو جاتا ہے، نہ خدا نے آپ ﷺ کو چھوڑا اور نہ آپ ﷺ سے اسے کوئی بغض و کدورت پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ عنقریب آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا اللہ نے آپ ﷺ کو یتیم پا کر آپ ﷺ کے لئے ٹھکانہ نہیں بنایا اور کیا آپ ﷺ کو شریعت سے بے خبری کے بعد شریعت کا سیدھا راستہ نہیں بتایا اور آپ ﷺ کو مفلس پا کر مالدار نہیں بنایا۔"

ایمان لانے والی اولین ہستیاں

محدثین و علمائے تاریخ نے کہا ہے کہ آپ ﷺ پر مطلقاً سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ تھیں جن کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے دوشنبہ کی شام کو نماز پڑھی اور وہی آپ ﷺ کی نماز کا پہلا دن تھا۔ اس وقت نماز صرف دو وقت کی تھی۔ چنانچہ دو رکعتیں فجر میں اور دو عشا کے وقت ادا کی جاتی تھیں۔ آزاد بالغ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر، آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ لڑکوں میں حضرت علی جن کی عمر اس وقت دس سال تھی، آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارث، غلاموں میں حضرت بلال؄ بن رباح حبشی، حضرت خدیجہ کے بعد پہلے اسلام لانے والی دیگر خواتین کے اسمائے گرامی ہیں: حضرت اُمّ ایمن، حضرت عباس کی اہلیہ حضرت اُمّ فضل، حضرت اسما بنت ابی بکر، حضرت اُمّ جمیل، حضرت عمر بن خطاب کی ہمشیرہ حضرت فاطمہ بنت خطاب۔

رسالت کے ابتدائی تین سال تک آنحضرت ﷺ لوگوں کو پوشیدہ طور پر اسلام کی طرف بلاتے رہے، کیونکہ اس وقت آپ ﷺ کو کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کا حکم نہ ہوا تھا حتیٰ کہ اعلانیہ دعوت کا حکم مل گیا۔

آنحضور ﷺ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے ذریعے ایک بڑی تعداد میں لوگوں کو ایمان کے دائرے میں داخل کیا۔ حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی نے اپنی کتاب "دینی دسترخوان" میں کفار کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی کئی وجوہ بیان کی ہیں:

(الف)— کچھ لوگ آپ ﷺ کی طرز معاشرت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔

(ب)— کچھ افراد ایسے تھے جنہوں نے قرآن کریم کی بلاغت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔

(ج)— کچھ لوگ شعرائے عرب کی طرف سے قرآن کا جواب نہ پا کر مسلمان ہوئے۔

(د)— کچھ افراد قرآن مجید کی حقانیت جان کر مسلمان ہوئے۔

(ھ)— کچھ لوگ دینی مغیرات دیکھ کر مسلمان ہوئے۔

(و)— بعض افراد غیبی اطلاعات کی صداقت کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔

(ز)— کچھ لوگ اسلامی تعلیمات کے ذاتی حسن کو دیکھ کر مسلمان ہوئے۔

(ح)— کچھ افراد نبی کریم ﷺ کے ساتھ نصرت خداوندی دیکھ کر مسلمان ہوئے۔

✽ **تبوک:** وہ مقام جہاں رجب ۹ھ میں غزوۂ تبوک لڑا گیا۔ تبوک کا مقام مدینہ سے چودہ منزل پر ہے۔

⇦ تبوک، غزوہ۔

✽ **تبوک، غزوہ:** ایک مشہور غزوہ جو رجب ۹ھ (بمطابق نومبر ۶۳۵ء) میں ہوا۔ یہ نبی کریم ﷺ کا آخری غزوہ ہے۔ اس لڑائی کا نام، "جیش العسرۃ"، یعنی تنگی کا لشکر بھی ہے۔

غزوہ موتہ کے بعد سے رومیوں نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ قیصر روم نے اس کے لئے شام کے غسانی خاندان کو مقرر کیا تھا۔ یہ خاندان عیسائی تھا۔ شام کے سوداگر مدینہ آکر روغن زیتون بیچا کرتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو خبر دی کہ رومیوں نے شام میں ایک بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے اور فوج کی سال بھر کی تنخواہ جمع کر رکھی ہے۔ مسلمانوں کو خبر ملی کہ اس لشکر میں لخم جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں بلکہ مقدمۃ الجیش بلقا بھی آگیا ہے۔ مواہب لدینہ میں طبرانی سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل (قیصر روم) کو خط لکھا کہ محمد ﷺ انتقال کر گئے ہیں اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکے مر رہے ہیں۔ یہ جان کر ہرقل نے چالیس ہزار فوج روانہ کی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کے لئے بھی یہ زمانہ قحط اور سخت گرمی کا ثابت ہوا۔ ایسے حالات میں کسی کے لئے مہم پر نکلنا واقعی بہت مشکل تھا۔ اس موقع پر منافق سامنے آئے۔ انہوں نے خود بھی جانے سے انکار کیا اور دوسروں کو بھی منع کرتے اور کہتے، لا تنفروفی الحر (گرمی میں نہ نکلو)۔ اس زمانے میں سویلم نامی منافق (یہودی) کے گھر پر منافق جمع ہوتے اور لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکنے کی تدبیریں کرتے۔ چونکہ ملک پر رومیوں کے حملے کا اندیشہ تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے تمام قبائل عرب سے مدد طلب کی۔ اکثر صحابہ کرام نے بڑی رقمیں تعاون کی خاطر فراہم کیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے۔ اور جب ان سے پوچھا گیا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا تو عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ گھر کے پورے سامان میں سے آدھا سامان لے آئے۔ حضرت عثمانؓ نے ایک تہائی لشکر کا سامان مہیّا فرمایا۔ تاہم کچھ صحابہ کرام کی روانگی کا سامان نہ ہو سکا تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر اس قدر روئے کہ آپ ﷺ کو ترس آیا۔ ان لوگوں کی شان میں سورۂ توبہ کی آیات اتریں۔

جب نبی کریم ﷺ تبوک جانے لگے تو منافقین نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ ﷺ چل کر اس میں ایک دفعہ نماز پڑھا دیں تو مقبول ہو جائے۔ یہ وہی "مسجد ضرار" (⇦ ضرار، مسجد) ہے جو منافقوں نے اسلام میں پھوٹ ڈالنے کے لئے بنائی تھی۔ بہرکیف اس وقت نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں ابھی مہم پر جا رہا ہوں۔

اس غزوہ میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ساتھ نہ تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اہل حرم کی حفاظت کے لئے امیر کو مقرر کیا۔ اس پر انہوں نے شکایت کی کہ آپ ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔

نبی کریم ﷺ ۵ رجب کو مدینہ سے تبوک کے لئے نکلے تو آپ ﷺ کے ساتھ تیس ہزار فوج تھی اور بیس ہزار گھوڑے تھے۔ راستے میں عبرت ناک مقامات دیکھنے میں آئے۔ ایسی جگہوں پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں پر نہ تو قیام کرے نہ پانی پئے اور نہ اسے کسی کام میں لائے۔

تبوک پہنچ کر نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر ملی کہ مدینہ پر رومیوں کے حملے کی خبر غلط تھی، لیکن اس خبر میں کچھ حقیقت بھی تھی کہ غسانی رئیس عرب میں ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔ تبوک پہنچ کر نبی کریم ﷺ نے بیس دن قیام کیا۔ ایلہ کے سردار یوحنا نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جزیہ دینا منظور کیا۔ اس نے خچر بھی پیش کیا جس کے بدلے میں آپ ﷺ نے یوحنا کو ردائے مبارک عنایت فرمائی۔ جربا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر خدمت ہوئے اور جذیہ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت خالدؓ کو ۴۲۰ افراد کے ساتھ دومۃ

الجندل بھیجا۔ وہاں کے عربی سردار اکیدر کو حضرت خالد بن ولید نے گرفتار کرلیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ وہ خود دربار نبوی ﷺ میں پیش ہوکر صلح کی شرائط پیش کرے۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا اور نبی کریم ﷺ نے اسے امان دی۔

جب نبی اکرم ﷺ تبوک سے واپس مدینہ آئے تو لوگ عالم شوق میں استقبال کو نکل آئے یہاں تک کہ لڑکیاں یہ اشعار گانے لگیں:

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

(وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا)

وجب الشکر علینا　　مادعا للّٰہ داع

(جب تک خدا کا پکارنے والا کوئی دنیا میں باقی ہے، ہم پر خدا کا شکر فرض ہے۔)

اس غزوہ کا ایک اہم واقعہ نبی کریم ﷺ کا تین صحابہ سے تعلقات منقطع کرلینا ہے۔ یہ تینوں صحابہ کعبؓ بن مالک، بلالؓ بن امیہ، مرارہؓ بن ربیع تھے۔ یہ تینوں حضرات کسی عذر کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی خوش حالی کی وجہ سے اس غزوے میں شریک نہ ہوسکے۔ نبی کریم ﷺ نے اس وجہ سے ان تینوں سے بولنے کی لوگوں کو ممانعت کردی۔ اس پر تینوں صحابہؓ کو بہت رنج ہوا اور انہیں اپنی غلطی کا نہایت شدت سے احساس ہوا یہاں تک کہ وہ لوگ بے چین ہوگئے۔ یہ سلسلہ پچاس روز تک جاری رہا۔

کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ پچاسویں دن صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں غمگین بیٹھا ہوا تھا کہ سلع پہاڑ کی چوٹی سے ایک زور سے چلانے والے نے آواز دی کہ کعب رضی اللہ عنہ، خوش خبری ہو تم کو! میں اتنا ہی سن کر سجدے میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دور ہوگئی۔ اسی طرح میرے دوسرے دو ساتھیوں کے پاس بھی لوگ یہ خوشی کی خبر لے کر گئے۔ اس طرح ان تینوں صحابہ کرامؓ کی توبہ قبول ہوئی۔

✽ **تبوک کا چشمہ:** صحیح مسلم اور حدیث کی دیگر کتابوں میں موجود روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ ابھی تبوک کے راستے ہی میں تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "کل تم تبوک کے چشمے پر ہوگے۔ تمہارے وہاں پہنچتے پہنچتے چاشت کا وقت ہوجائے گا۔ تم میں سے جو شخص وہاں پہلے پہنچ جائے تو اس چشمے کا پانی استعمال نہ کرے۔" جب لشکر اسلامی وہاں پہنچا تو دیکھا کہ دو آدمی وہاں پر پہلے سے پہنچے ہوئے ہیں اور چشمے سے قطرہ قطرہ کرکے پانی نکل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس چشمے کا پانی استعمال کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، جی! آپ ﷺ نے ان دونوں پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے چلو سے ایک برتن میں اس چشمے کا پانی جمع کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے اپنا چہرۂ مبارک اور ہاتھ دھوئے اور اسے چشمے میں ڈال دیا۔ اس کے گرتے ہی چشمے سے بے تحاشا پانی ابل کر نکلنا شروع ہوا جسے تمام لشکر نے استعمال کیا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ سے یہ بھی فرمایا کہ اے معاذ! اگر تمہاری زندگی رہی تو تم اس علاقے کو باغوں سے بھرا پاؤ گے۔

یہ چشمہ اس کے بعد تقریباً چودہ سال تک بہتا رہا۔ یہ بھی نبی کریم ﷺ کے معجزے ہی کی برکت ہے کہ آج تبوک میں اس کثرت سے پانی موجود ہے کہ مدینہ اور خیبر کے علاوہ کہیں اور اتنی وافر مقدار میں پانی دیکھنا مشکل ہے۔

ت ج

✽ **تجرید:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ کسی کتاب حدیث سے سند اور مکررات کو حذف کرکے صرف صحابی کا نام اور حدیث کا متن بیان کردیا جائے تو وہ "تجرید" کہلاتی ہے جیسے "تجرید البخاری للزبیدی" اور "تجرید المسلم للقرطبی" اور "تجرید الصحیحین" وغیرہ۔

⇦ حدیث + سند۔

✽ **تجرید صریح:** علامہ حسین بن مبارک زبیدی کی تلخیص صحیح بخاری۔ اس کتاب کا پورا نام علامہ نے "التجرید الصریح لاحادیث الجامع

الصحیح" رکھا۔ علامہ کو یہ خیال تھا کہ امام بخاریؒ نے احادیث کا جو مجموعہ مرتب کیا ہے اس میں احادیث کی تکرار بہت ہے لہٰذا علامہ نے ایک حدیث کو ایک بار لیا اور اس حدیث کے تمام راویوں کو بیان نہیں کیا بلکہ ہر حدیث میں صرف اسی صحابی کا نام ذکر کیا جس نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

⇦ حدیث + بخاری، امام + بخاری شریف۔

ت خ

* **تخریج**: وہ کتاب جس میں کسی دوسری کتاب کی معلق یا بے حوالہ احادیث کی سند اور اس کا حوالہ بیان کیا جائے۔ مثلاً "ہدایہ" میں ساری حدیثیں بلاحوالہ ہیں۔ ان احادیث کی سند اور حوالہ تلاش کرنے کی غرض سے جو کتابیں لکھی گئیں وہ ہدایہ کی تخریج کہلائیں۔ مثلاً "نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ للزیلعی" اور حافظ ابن حجر کی "الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ" نیز انہوں نے ہی "التلخیص الجیرفی تخریج احادیث الرافعی الکبیر" کے نام سے ایک مفصل کتاب لکھی ہے جس میں شافعی کے ایک مشہور متن رافعی کی احادیث تخریج کی ہیں۔ ان کی یہ کتاب احادیث احکام کا جامع ترین ذخیرہ سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح انہی کی کتاب ہے "الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف" اسی طرح زین الدین عراقی کی "تخریج احیاء علوم الدین" جو بڑی مفید ہے۔ اس میں حافظ عراقی نے امام غزالی کی "احیاء العلوم" کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ ⇦ حدیث۔

* **تخییر**: رسول اللہ ﷺ کی ازواج سے متعلق ایک ناخوش گوار واقعہ، ایلا۔ ⇦ ایلا۔

ت ح

* **تحویل قبلہ**: قبلے کی تبدیلی۔ پہلے مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، لیکن تحویل قبلہ (شعبان ۲ھ) کے حکم کے بعد مسلمانوں نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ ان کا رخ پھیر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ پھر حضرت جبریل علیہ السلام سے بھی فرمایا کہ اے جبریل علیہ السلام! میری خواہش ہے کہ اللہ میرا رخ یہود کے قبلے سے پھیر دے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا، میں تو محض ایک بندہ ہوں۔ آپ ﷺ اپنے رب سے دعا کیجئے اور اسی سے درخواست کیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ جب نماز پڑھتے، اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھاتے۔ کہا جاتا ہے کہ ہجرت کے اٹھارہویں مہینے یعنی شعبان دو ہجری میں (غزوۂ بدر سے ایک ماہ پہلے) نبی کریم ﷺ حضرت بشر بن معرور کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا کہ ظہر کا وقت ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو دو رکعتیں پڑھائیں، تیسری رکعت میں سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

"(اے محمد) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو رخ کرنے کا حکم دیں گے تو اپنا رخ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو۔ اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ (نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں خدا ان سے بے خبر نہیں۔"

اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔ اس کے بعد مدینہ میں عام منادی کرادی گئی کہ اب کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ براء بن عازب کہتے ہیں کہ ایک جگہ منادی کی آواز اس حالت میں پہنچی کہ لوگ رکوع میں تھے، حکم سنتے ہی سب کے سب اسی حالت میں کعبہ کی جانب مڑ گئے۔ ⇦ قبلہ اول + کعبہ + مکہ مکرمہ + مسجد حرام۔

ت د

* **تدفین، آنحضور ﷺ کی**: نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔ ⇦ وفات محمد ﷺ۔

*** تدلیس:** علم حدیث کی ایک اصطلاح جس کا معنی ہے، عیب کا چھپانا۔ "مدلس" وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی سند میں کسی عیب کو چھپا کر اس کے حسن کو ظاہر کر کے پیش کیا جائے۔ تدلیس کو دو طرح پیش کیا جاتا ہے:

(الف)— تدلیس فی الاسناد: وہ حدیث جسے راوی اپنے استاد سے سنے بغیر اس طرح نقل کرے کہ اس سے بہ ظاہر سننے کا گمان ہو اور راوی شیخ سے سننے یا نہ سننے کے بارے میں کوئی تصریح نہ کرے۔

(ب)— تدلیس الشیوخ: وہ حدیث جسے راوی اپنے شیخ سے براہ راست نقل کر رہا ہو اور اس کے معروف لقب و کنیت اور نسب کی جگہ غیر معروف نام، لقب یا کنیت وغیرہ کا ذکر کرے تاکہ اسے پہچانا نہ جا سکے۔ ⇦ حدیث + سند + اسماء الرجال۔

*** تدوین حدیث:** علم حدیث کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے، احادیث کو جمع کرنا۔

تدوین حدیث کی تاریخ کے سلسلے میں علما نے بالعموم تین ادوار بیان کئے ہیں اور انہیں "قرون ثلاثہ" کہا ہے:

(الف)— قرن اول: نبی کریم ﷺ کی بعثت سے لے کر ۱۱۱ھ تک چلتا ہے۔ اس کو عہد نبوت اور عہد صحابہ کہا گیا ہے۔

(ب)— قرن دوم: یہ دور ۱۱۱ھ سے شروع ہو کر ۱۷۰ھ تک چلتا ہے۔ اس کو تابعین کا دور کہا گیا ہے۔

(ج)— قرن سوم: یہ تابعین کے شاگردوں کا دور ہے۔ اس کو بعض علما نے ۲۲۰ھ تک اور بعض نے ۲۶۰ھ تک لکھا ہے۔ اس دور کو ائمہ کا دور بھی کہا گیا ہے۔ اسی دور میں بخاری شریف مدون ہوئی، لیکن صحاح ستہ کی دوسری کتابیں ۲۶۰ھ کے بعد کی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ تدوین حدیث کا کام عملی طور پر صحاح ستہ کے ساتھ تکمیل کو پہنچتا ہے لہٰذا بعض علما نے تیسرا دور ۳۱۰ھ تک بیان کیا ہے۔ قرون ثلاثہ کی تشریح میں حضور ﷺ کی اس حدیث کو بنیاد بنایا گیا ہے: "تمام زمانوں سے میرے زمانے کے لوگ اچھے ہیں پھر اس کے بعد والے اور پھر اس کے بعد والے۔"

آغاز اسلام کے دور میں آنحضور ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرما دیا تھا جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ کو بنیاد بنا کر بعض طبقوں کی جانب سے یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ عہد نبوی میں کتابت حدیث کے سلسلے میں کوئی اہم کام نہیں ہوا حال آنکہ یہ درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو بات فرمائی تھی وہ صرف ابتدائی عہد کے لئے تھی اور بعد میں بعض مواقع پر نہ صرف کتابت حدیث کی اجازت دے دی بلکہ اس کو پسند فرمایا اور اس کو باعث اجر و ثواب قرار دیا۔

جہاں تک ممانعت کتابت والی حدیث کا تعلق ہے، اس سلسلے میں تمام محدثین نے یہ بات لکھی ہے کہ اس کا مقصد اسلام کے آغاز کے دنوں سے متعلق تھا، کیونکہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن اور حدیث خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ احادیث میں ناسخ و منسوخ بھی ہیں۔ ایک موقع پر اس کی مناسبت سے ایک حکم دیا گیا۔ بعد میں دوسرے موقع پر ایک دوسرا حکم دیا گیا۔ اس وجہ سے ایک ہی مضمون سے متعلق اگر مختلف احادیث منظر عام پر آئیں تو عوام کے لئے پریشانی کا باعث ہوں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ غیر احکامی احادیث زیادہ روایت ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان مصلحتوں کی بنا پر یہ فرمایا کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت نہ کرو۔ بعد میں جب پُرسکون ماحول قائم ہو گیا، قرآن کریم کے حفاظ کی تعداد بڑھ گئی، اسلام کی اشاعت کثرت سے ہو گئی تو آپ ﷺ نے کتابت احادیث کی اجازت دے دی۔

ایک صحابی حاضر ہوئے اور انہوں نے کتابت حدیث سے متعلق یہ عرض کیا، یارسول اللہ! میں آپ ﷺ سے حدیث سنتا ہوں۔ مجھے آپ ﷺ کی حدیث اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن میں اس کو بھول جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لیا کرو۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "علم کو قید کرو۔" میں نے عرض کیا، اس کو قید کرنا کیا ہے؟ فرمایا، "اس کا لکھنا۔"

آنحضور ﷺ کے اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد صحابہ کرام نے حدیثوں کے چھوٹے بڑے مجموعے تیار کرلیے تھے۔ بعد میں جب منظم طریقے سے احادیث کی تدوین کا کام عمل میں آیا تو انہی مجموعوں سے استفادہ کیا گیا بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بعد کی کتابوں کے لئے انہی مجموعوں کو بنیاد بنایا گیا۔ ان میں سے چند مجموعے یہ ہیں:

● صحیفة الصادقه: اسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے تیار کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کے انتقال کے بعد یہ صحیفہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے قبضے میں آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو آنحضرت ﷺ کی ہر حدیث لکھ لیا کرتے تھے اور اس کے لئے آنحضرت ﷺ نے آپؓ کو اجازت بھی دے دی تھی۔ یہ صحیفہ کتنا ضخیم ہوگا، اس کا اندازہ حضرت ابوہریرہ کے اس جملے سے ہوتا ہے: "نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں آپ ﷺ کی حدیثیں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس نہیں ہوں گی، سوائے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔"

حضرت ابوہریرہ سے پانچ ہزار سے اوپر احادیث مروی ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا یہ صحیفہ پانچ ہزار سے یقیناً زیادہ احادیث رکھتا ہوگا۔

● صحیفہ علیؓ: حضرت علی نے بھی حدیثیں تحریر کی تھیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم اور اس کے صحیفے کے سوا کچھ نہیں لکھا۔ حضرت علی اس صحیفے کو نہایت اہتمام سے اپنے پاس رکھتے تھے اور مختلف موقعوں پر اس کے اقتباسات بیان کرتے تھے جیسا کہ بخاری کی بعض روایتوں سے ظاہر ہے۔

● حضرت انسؓ کا تحریری مجموعہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے اور انہیں دس سال تک نبی کریم ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل رہا لہٰذا آپ ﷺ سے کیا کچھ فیض نہ حاصل کیا ہوگا اور آنحضرت ﷺ کی احادیث بڑی تعداد میں ان کے پاس محفوظ ہوں گی۔ حضرت انس نے آپ ﷺ کی زندگی ہی میں احادیث کے مجموعے تیار کرلئے تھے اور انھیں آنحضرت ﷺ کو سنا بھی دیا تھا۔ اس طرح اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت انس کی تالیفات کی خود توثیق بھی فرمائی تھی۔

حضرت رافع بن خدیج کے پاس ایک حدیث لکھی تھی جسے بعد میں امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں شامل کیا۔ اس حدیث کا مفہوم یہ تھا:

(ترجمہ) مدینہ ایک حرم ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ایک حرم قرار دیا ہے اور یہ ہمارے پاس ایک خولانی چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔

● حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت جابر بن عبداللہ کے پاس بھی حدیثوں کے مجموعے تھے۔ قتادہ اور مجاہد انہی کو روایت کرتے تھے۔

● حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس بھی احادیث موجود تھیں۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے احادیث کے متعدد صحیفے موجود تھے جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی تالیفات کا یہ عالم تھا کہ اونٹ ہی ان کے بوجھ کو سہار سکتا تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ تالیفات ان کے صاحبزادے کے پاس آئیں۔

فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے ایک خطبہ دیا تھا۔ یمنی صحابی ابوشاہ نے یہ عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کو میرے لئے تحریر کرا دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔"

جب آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کو یمن کا والی مقرر کیا تھا تو سلطنت کے مختلف معاملات سے متعلق ایک تحریر لکھوا دی تھی۔ اس صحیفے میں زکوٰۃ، دیت، طلاق، فرائض صلوٰۃ وغیرہ کے احکام تھے۔

جب حضرت معاذ بن جبل یمن میں تھے تو ان کو تحریر بھجوائی گئی تھی جس میں یہ حکم موجود تھا کہ سبزیوں ترکاریوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ بن حزم جو بحرین کے حاکم تھے ان کو آنحضرت ﷺ نے کتاب "الصدقہ" لکھوائی تھی جس میں زکوٰۃ کے احکام تھے۔

حضرت عبادہؓ نے ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا جو برسوں ان کے خاندان میں موجود رہا۔ اس کا نام "کتاب سعد بن عبادہ" تھا۔

حضرت عبداللہ بن حکیم کے پاس مردہ جانوروں سے متعلق احکام موجود ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن ربیعہ بن مرثد اسلمی کے پاس احادیث موجود

تھیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے احادیث جمع کی تھیں۔

حضرت وائل بن حجر کے پاس نماز، روزہ، شراب، ربا کے متعلق احادیث لکھی ہوئی تھیں۔

حدیبیہ کے مقام پر کفار اور مؤمنین کے درمیان ایک صلح نامہ ہوا۔ اس کا پورا متن حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کی ایک نقل آنحضرت ﷺ کے پاس تھی اور ایک نقل قریش کے پاس تھی۔

وہ افراد جو محصلین زکوٰۃ کے فرائض انجام دے رہے تھے ان کے پاس بھی اپنی ذمے داریوں سے متعلق تحریری روایتیں موجود تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے یہ دریافت کیا کہ کیا کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا۔ اس موقع پر ضحاک بن سفیان نے جواب دیا، میرے علم میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا۔

مختلف ممالک کے فرماں رواؤں کے نام حضور ﷺ نے جو خطوط روانہ کئے تھے وہ بھی دور نبوی ﷺ کا تحریری سرمایہ ہیں۔ یہ خطوط قیصر وکسریٰ اور نجاشی وغیرہ کے نام بھیجے گئے تھے۔

حضرت سعد بن ربیع بن زبیر انصاری نے بھی احادیث جمع کی تھیں۔

اب سوال یہ ہے کہ عہد رسالت کا تحریری سرمایہ کم کیوں ہے؟ دور رسالت کے جن تحریری مجموعوں کی جانب اوپر اشارہ کیا گیا اس سے ان تمام اعتراضات کی قلعی کھل جاتی ہے کہ احادیث چونکہ دوسری صدی میں لکھی گئی ہیں، اس لئے قابل اعتماد نہیں۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ تدوین حدیث کا جو عظیم الشان کام تابعین کے دور میں ہوا وہ دور نبوی ﷺ میں نہیں ہوا۔ لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ احادیث کی روایت دور نبوی ﷺ میں نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ بعد کے دور میں کتابت حدیث سے متعلق جو عظیم الشان کام ہوا، اس کے لئے بنیاد اسی دور نے فراہم کی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دور کا تحریری سرمایہ کم کیوں ہے تو اس کے بعض بنیادی اسباب ہیں اور ان کا جائزہ لینا ضروری ہے:

(الف)— چونکہ آنحضرت ﷺ حیات تھے لہٰذا باقاعدہ طور پر کتابت کی ضرورت کو محسوس نہ کیا گیا۔ صحابہ کو جو کچھ سمجھنا ہوتا اور جس معاملے میں استفسار کی ضرورت پیش آتی وہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کرلیا جاتا۔

(ب)— عربوں کا غیر معمولی حافظہ بھی اس کا اہم سبب تھا۔ ان کے ہاں لکھنے کا رواج کم تھا۔ ایک عام عرب کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ گھوڑوں کا سلسلہ نسب، گزشتہ ادوار کے جنگی واقعات، قبائلی لڑائیاں، قدیم ادبی قصائد، حکایات اس کو ازبر ہوتیں۔ جس قوم کا حافظہ اس قدر اچھا رہا ہو اس نے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اللہ کے نبی ﷺ کے ارشادات و افعال کی کس طرح حفاظت کی ہوگی، یہ بات صاف ظاہر ہے۔

(ج)— عرب لکھنے پڑھنے سے ناواقف تھے۔ تحریر سے زیادہ اپنے حافظے سے کام لیتے تھے۔ مکہ میں صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ مختلف مواقع پر حضور ﷺ نے حصول علم پر زور دیا۔ اس کے لئے اجر وثواب بیان فرمایا۔ غزوۂ بدر کے موقعے پر پڑھے لکھے قیدیوں کا فدیہ آپ ﷺ نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

(د)— ابتدائے اسلام کا دور مسلمانوں کے لئے افراتفری کا دور تھا۔ کفار کی دشمنی، آئے دن جھڑپیں، مسلمانوں سے انتقامی کارروائی وغیرہ کے ماحول میں کتابت حدیث کا کام منظم طریقے پر نہیں ہوسکتا تھا۔ مسلمانوں کی زیادہ توجہ تبلیغ دین اور اسلام کی اشاعت جیسی ذمے داریوں پر مرکوز تھی۔ اس سلسلے میں جنگ و جہاد کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

(ھ)— زیادہ تر لوگوں میں قرآن کریم حفظ کرنے اور اس کی تعلیم کرنے کا شوق تھا اور اسی جانب زیادہ توجہ تھی۔

دور صحابہ کرام: دور رسالت کے بعد دور صحابہ شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے دور رسالت میں بعض اسباب کی بنا پر تدوین حدیث کے سلسلے میں جو اقدامات کئے گئے وہ صحابہ کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہیں اور کوئی عمومی کام نظر نہیں آتا، لیکن بعد کے دور

میں مسائل کی پیچیدگیاں بڑھتی گئیں اور ان کے حل کے لئے صرف دو ہی ماخذ تھے۔ ایک قرآن، دوسرے حدیث۔ قرآن کریم کی کتابت کا کام حضرت صدیق اکبر نے فرمایا اور کتابت حدیث کی تحریر فاروق اعظمؓ کے دور میں شروع ہوئی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں اس تحریک نے خاص طور پر ترقی پائی۔ دور عباسی میں یہ مکمل ہوئی۔

روایت حدیث کے سلسلے میں صحابہ کرام غیر معمولی احتیاط سے کام لیتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط حدیث روایت ہو جائے اور اُمت اس کو رسول کا فرمان سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگے۔ صحابہ کی اس احتیاط کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے واقعات میں یہ ملتا ہے کہ وہ حدیث کی بہت کم روایتیں کرتے تھے اور انتہائی احتیاط سے کام لیتے۔ حضرت ابو عمرو شیبانی کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں رہا۔ جب آپؓ، ''قال رسول اللہ'' کہتے تو کانپ اٹھتے۔ فرماتے، اس طرح یا اس کے مثل یا اس جیسا وغیرہ۔

حضرت سائب بن خلاد اور حضرت عقبہ بن عامر جہنی دونوں نے رسول کریم ﷺ سے حدیث سنی تھی۔ چھے دن بعد حضرت سائب کو شک محسوس ہوا۔ چنانچہ اس کی تصحیح کی غرض سے وہ سفر کر کے حضرت عقبہ کے پاس پہنچے۔

حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر کو دروازے کی اوٹ سے تین بار سلام کیا۔ حضرت عمر مصروفیت کے باعث جواب نہ دے سکے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری لوٹ آئے۔ اب حضرت عمر نے آدمی بھیج کر ان کو بلوایا اور وجہ دریافت کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حدیث رسول ﷺ کا حوالہ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

حضرت عمر نے فرمایا، اس حدیث پر کوئی اور گواہ لاؤ ورنہ تم کو سزا دوں گا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری پریشان ہو گئے اور دوسرے صحابہ کے پاس انتہائی پریشانی کی حالت میں گئے۔ جب ان لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک نے یہ حدیث سنی ہے۔ پھر حضرت ابو سعید نے حضرت عمر کے پاس آکر اس حدیث کی تصدیق کی۔ یہاں حضرت عمر کا مقصد حضرت ابو موسیٰ اشعری کو جھوٹا یا غلط ثابت کرنا نہیں تھا، لیکن حدیث رسول کے معاملے میں کم از کم دو شہادتوں کو ضروری خیال کیا۔

''تذکرۃ الحفاظ'' میں ذہبیؒ نے روایت کی ہے کہ دادی حضرت صدیق اکبر کے پاس وراثت میں حصّہ دریافت کرنے آئیں تو انہوں نے فرمایا، میں کتاب میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں پاتا اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ آنحضرت ﷺ نے تمہارا حصّہ مقرر کیا ہے۔ اس موقع پر حضرت مغیرہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ مجھے معلوم ہے آنحضرت ﷺ نے چھٹا حصّہ مقرر کیا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس حدیث پر دوسری شہادت کا مطالبہ کیا تو محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر مغیرہ کی تائید کی۔ پھر حضرت ابوبکر نے دادی کو حصّہ دلوایا۔

حضرت علی کا قبول حدیث کے سلسلے میں طریقہ یہ تھا کہ وہ راوی سے قسم لیتے تھے کہ یہ رسول کا کلام ہے۔

حضرت عائشہ نے حضرت عمروؓ بن العاص سے ایک حدیث دریافت کی۔ ایک سال بعد دوبارہ وہی حدیث پوچھی۔ انہوں نے درست سنادی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، عبداللہ کو صحیح بات یاد ہے۔

حضرت زبیر بن ارقم نے آخری عمر میں روایت حدیث کو ترک کر دیا تھا۔ جب لوگ استفسار کرتے تو آپؓ فرماتے، بوڑھا ہوں۔ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

حضرت عمرؓ سے لوگوں نے عرض کیا کہ حدیث بیان کریں۔ فرمایا، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کوئی کمی بیشی ہو جائے گی تو ضرور بیان کرتا۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان کے دور میں جب قرآن کریم کی اشاعت کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، حفاظ قرآن دور دور پہنچ گئے، قرآن اور حدیث کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ نہ رہا، مختلف اقوام نے اسلام قبول کیا، نئے ملک اسلامی قلمرو میں داخل ہوئے، نئے تقاضے اور نئی صورتیں سامنے آئیں تو اس ضرورت کو محسوس کیا گیا کہ تمام حدیثیں سامنے آجائیں تاکہ مسائل کے استنباط میں آسانی ہو کیونکہ مختلف احادیث مختلف صحابہ کے پاس تھیں لہٰذا اگر تمام احادیث سامنے نہ آجاتیں تو فتاویٰ میں اختلاف پیدا ہو جاتے جیسا کہ اہل شام نماز میں

وتر نہیں پڑھتے تھے، اس لئے کہ وتر کے وجوب کی حدیث ان تک بعد میں پہنچی لہٰذا یہ ضروری تھا کہ تمام احادیث کی روشنی میں استنباط مسائل کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ سوم اور خلیفہ چہارم نے ان قیود کو ہٹادیا جو شیخین نے قائم کی تھیں۔

درس احادیث کا اہتمام

تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ دور صحابہؓ میں حدیث کے مختلف مراکز قائم تھے جہاں درس حدیث ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ اپنے حجرے میں حدیث کا درس دیا کرتی تھیں۔ ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو سے زائد تھی جن میں اڑتیس خواتین تھیں۔ حضرت حذیفہ دمشق میں مقیم تھے۔ جب وہ درس کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تو اتنا مجمع ہوتا گویا کوئی حاکم وقت آیا ہے۔

دور صحابہؓ کا تحریری سرمایہ

اب یہ ضروری ہے کہ اس تحریری سرمائے کی نشان دہی کر دی جائے جو خلافت راشدہ اور بعد کے دور میں تیار ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں سکون و اطمینان کم رہا یعنی دور صدیقی میں فتنہ ارتداد، فتنہ انکار زکوٰۃ پھر نبوت کے جھوٹے مدعی وغیرہ۔ دور فاروقی جنگ و جہاد کا دور ہے۔ دور عثمانی کے آغاز میں امن رہا، لیکن آخری دور میں حضرت عثمان امن قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ تاہم حدیث کا اچھا خاصا ذخیرہ مرتب ہو چکا تھا۔

● حضرت ابوبکر نے پانچ سو احادیث لکھی تھیں، لیکن بعد میں احتیاط کے پیش نظر اس ذخیرے کو نذر آتش کر دیا۔

● حضرت سمرہؓ بن جندب نے اپنے بیٹوں کو خطوط لکھے۔ ان میں بہ کثرت احادیث موجود تھیں۔

● حضرت ابیؓ بن کعب نے حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔

● حضرت عبداللہؓ بن عباس نے ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا۔

● حضرت زیدؓ بن ثابت نے کتاب الفرائض ترتیب دی۔

● آنحضرت ﷺ کے غلام ابورافع کے پاس احادیث تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے ان سے حدیثیں حاصل کیں اور آنحضرت ﷺ کے حالات تحریر کئے۔

● حضرت حسینؓ نے حدیثیں جمع کی تھیں۔

● حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر کے فیصلے اور خطوط مرتب کئے تھے۔

● حضرت علی نے فتاویٰ لکھے ہوئے تھے جن کو حضرت ابن عباس نے دیکھا تھا۔

خلافت راشدہ کے بعد حضرت امیر معاویہ نے علم حدیث کی جانب توجہ دی، لیکن بعد کے حکمراں علم سے زیادہ امور سلطنت کی جانب متوجہ رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث کا کام مکمل طور پر علما نے انجام دیا۔ اگرچہ صحابہ ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جا رہے تھے تاہم انہوں نے اپنا سرمایہ حدیث تابعین کے سینوں میں منتقل کر دیا تھا اور تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہو چکی تھی جس نے تدوین حدیث کے کام کو آگے بڑھایا۔

تابعین نے آنحضرت ﷺ کی احادیث کو جمع کرنے کے سلسلے میں کس قدر عقیدت اور وابستگی کا اظہار کیا اس کی بہ کثرت مثالیں موجود ہیں۔ ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے بعض اوقات انہیں میلوں کا سفر کرنا پڑا۔ مثال کے طور پر حضرت سعد بن ہشام سفر کر کے مدینہ آئے اور حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت ابودردا کے پاس مدینہ میں ایک شخص شام سے آیا اور اس نے کہا کہ میں ایک حدیث کے لئے آیا ہوں۔ حضرات محدثین نے حدیث کے لئے نہ صرف یہ کہ میلوں کے سفر طے کئے بلکہ بے اندازہ رقم بھی خرچ کی۔ مثلاً حضرت امام زہری جو انتہائی دولت مند تھے۔ انہوں نے اپنا تمام سرمایہ علم حدیث کے حصول میں خرچ کر دیا حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ گھر کا سامان تک فروخت کرنا پڑا۔ صحابہ کرام کے سیکڑوں شاگرد تھے جو حصول حدیث کے لئے بے چین رہتے تھے۔ صرف کوفہ میں حضرت ابوہریرہ کے آٹھ شاگرد تھے۔

تدوین حدیث قرن سوم میں

یہ دور ۱۷۰ھ سے شروع ہو کر ۲۲۵ھ تک ہے اور بعض لوگ

اس کو ۳۱۵ھ تک بیان کرتے ہیں، اس لئے کہ بخاری شریف کے علاوہ صحاح ستہ کی پانچ کتابیں ۲۲۵ھ کے بعد کی ہیں۔ یہ دور تدوین حدیث کا سنہری دور کہا جاتا ہے، اس لئے کہ محدثین نے سخت ترین شرائط قائم کیں اور ان شرائط پر احادیث جمع کیں۔ علاوہ ازیں مختلف علوم حدیث ایجاد کئے گئے۔ اس طرح اس دور میں بھی مختلف کتابیں وجود میں آئیں۔ علما کے شوق حدیث، احتیاط اور علم حدیث کی راہ میں مالی قربانیوں سے متعلق بکثرت واقعات موجود ہیں۔ اس سے قبل کہ اس دور کی کتب کا حوالہ دیا جائے ان میں سے چند واقعات کو بیان کیا جاتا ہے:

امام ابوحاتم رازی حدیث کی تلاش میں پیدل سفر کرتے تھے۔ انہوں نے ایک ہزار کوس کا سفر کیا۔ اسی طرح امام بخاری حدیث کی تلاش میں ایک سفر کے دوران راستے میں تین دن تک کچھ کھانے کو نہ ملا تاہم انہوں نے سفر جاری رکھا۔

پھر محدثین کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ قبول حدیث کے سلسلے میں انہوں نے راوی کی عدالت، شہادت، حافظہ وغیرہ تمام حالات کو پیش نظر رکھا۔ کسی کے بارے میں اگر جھوٹ کا ذرا سا شائبہ ہوا تو اس کی حدیث ہی کو قبول نہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ راوی کس پیشے سے وابستہ ہے۔ آیا اس کا پیشہ اس کو بددیانتی کا مرتکب تو نہیں کرتا۔ اس دور میں سیکڑوں محدثین پیدا ہوئے اور سینکڑوں کتابیں تالیف کی گئیں، لیکن وہ کتابیں مدغم ہوگئیں۔ ⇐ حدیث + اسماء الرجال + سند۔

ت ذ

* **تذکرۃ الحفاظ:** علامہ سیوطیؒ کی مشہور تصنیف جس میں محدثین کے حالات زندگی اور فن حدیث کا ذکر ہے۔

ت ر

* **تراجم:** ان کتب حدیث کو کہتے ہیں جن میں ایک طریق سند کی تمام روایات ایک باب میں یکجا کردی گئی ہوں مثلاً اس میں باب اس طرح قائم کیا جاتا ہے: ذکر ماروی مالک عن نافع عن ابن عمر۔ اور اس کے تحت وہ تمام احادیث نقل کی جاتی ہیں جو اس سند سے مروی ہیں۔ اسی نوع میں وہ کتابیں بھی داخل ہیں جو من رؤی عن ابیہ عن جدہ کہلاتی ہیں۔

* **ترتیب:** وہ کتاب جس میں کسی دوسری غیر مرتب کتاب کی احادیث کو کسی خاص ترتیب سے جمع کردیا گیا ہو مثلاً ترتیب مسند احمد علی الحروف لابن کثیر اور ترتیب مسند احمد علی الحروف لابن الحبیب۔ اسی طرح آخری دور میں علامہ ابن الساعاتی نے مسند احمد کو "الفتح الربانی" کے نام سے ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔

* **ترتیب و الترہیب:** یہ وہ کتب حدیث ہیں جن میں صرف "ترغیب و ترہیب" کی احادیث جمع کی گئی ہوں۔ اس میں سب سے زیادہ جامع کتاب حافظ منذری کی "الترغیب و الترہیب" ہے۔

* **ترکہ نبوی ﷺ:** وہ اشیا جو نبی کریم ﷺ اپنی حیات مبارکہ کے بعد اس دنیا میں چھوڑ گئے۔ ⇐ متروکات نبوی ﷺ۔

* **ترمذی، ابو عبداللہ:** محدث، فقیہ، عالم اور صوفی۔ پورا نام محمد بن علی بن حسین الحکیم تھا۔ وہ خراسان میں پیدا ہوئے۔ ان کے حالات زندگی بہت کم ملتے ہیں۔ آپؒ انہی شیوخ کے شاگرد تھے جن سے امام بخاری نے فیض حاصل کیا۔

حضرت ابو عبداللہ ترمذی کی تصانیف تقریباً تیس ہیں۔

* **ترمذی، امام:** محدث، حدیث کے معروف مجموعہ "ترمذی شریف" کے مرتب۔ امام ترمذی کا اصل نام محمد اور کنیت ابوعیسیٰ تھی۔ قبیلہ بنوسلیم سے تعلق رکھتے تھے اور سلسلہ نسب اس طرح سے بیان کیا جاتا ہے: محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی۔

امام ترمذی ۲۱۰ھ میں بلخ کے شہر ترمذ میں پیدا ہوئے۔ بعض کتابوں میں تاریخ پیدائش ۲۰۵ھ اور بعض میں ۲۰۹ھ لکھی ہے، لیکن

زیادہ تر اتفاق ۲۱۰ھ پر ہے۔ آپؒ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی اور ترمذ ہی میں دفن کئے گئے۔

امام ترمذیؒ جس دور میں پیدا ہوئے اس زمانے میں علم حدیث اپنے عروج پر تھا۔ بالخصوص خراسان اور ماوراء النہر کے علاقے علم کا مرکز تھے اور امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث کی مسند علم بچھ چکی تھی۔ امام صاحب نے ترمذ میں علم کی ابتدائی منزلیں طے کیں اور علم حدیث کی تحصیل کا شوق انہیں بستی بستی لے کر پھرا۔ بصرہ، کوفہ، اوسط، رے، خراسان، حجاز اور عراق میں آپؒ نے اپنے شوق کی تکمیل کا سامان کیا اور اپنے وقت کے بہترین علماء، فضلا، محدثین سے علم حاصل کیا۔

امام ترمذی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اپنے وقت کے بہترین اور جلیل القدر محدث امام بخاری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ امام ترمذی فن حدیث کے اکابر آئمہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ صحاح ستہ میں جامع ترمذی کو تیسرا درجہ حاصل ہے۔ اس لحاظ سے صحاح کے محدثین میں امام کا نمبر تیسرا ہے۔

تصانیف

مورخین کے اجمالی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کی بہت سے تصانیف تھیں، لیکن ان کی تین تصانیف کا علم ہے: جامع یا سنن ترمذی، شمائل ترمذی، کتاب العلل۔

ابن ندیم نے تین کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں دو تو "ترمذی" اور "کتاب العلل" ہیں، لیکن تیسری کا نام اس نے "کتاب التاریخ" لکھا ہے۔ ⇦ ترمذی شریف + حدیث۔

٭ ترمذی شریف: صحاح ستہ کی ایک مشہور کتاب۔ ترمذی شریف کا شمار حدیث کی مشہور کتابوں میں ہوتا ہے۔ ترمذی شریف کے مرتب ابوعیسیٰ محمد بن سورہ ترمذی ہیں۔ "جامع ترمذی" حدیث کی مستند ترین کتابوں میں سے ہے۔ "جامع" اس حدیث کی کتاب کو کہتے ہیں جس میں آٹھ قسم کے مضامین شامل کئے گئے ہوں: سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، شرائط، مناقب۔

ترمذی شریف میں یہ آٹھوں قسم کے مضامین شامل ہیں، اس لئے اس کو "جامع" کہا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ چونکہ ترتیب فقہی کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس لئے اس کو "سنن" کہنا بھی درست ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کی جامع صحیح ترتیب، صحاح کے لحاظ سے نسائی اور ابوداؤد کے بعد آتی ہے، لیکن اس کو اپنی جودت ترتیب، افادیت اور جامعیت کی وجہ سے جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اس کے باعث اس کو عام طور پر بخاری اور مسلم کے بعد شمار کیا جاتا ہے۔ تمام مولفین کی کتابوں میں کچھ علیحدہ علیحدہ خصوصیات ہیں۔ صحاح ستہ کے ہر مولف نے یہ کوشش کی کہ اس کتاب میں ایسی خصوصیات ہوں جو اسے دیگر کتب سے ممتاز کر سکیں۔ چنانچہ جامع ترمذی میں بھی ایسی بہت سی خصوصیات ہیں جو اسے دوسری کتب سے ممتاز کرتی ہیں۔

- جامع ترمذی ترتیب کی عمدگی کے ساتھ ہے۔
- اس میں تکرار حدیث نہیں ہے۔
- اس میں فقہا کا مسلک اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بیان کیا گیا ہے۔
- اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح، حسن، غریب اور معطل وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی وجوہ کو بھی بیان کیا ہے۔
- راویوں کے نام، القاب و کنیت کے علاوہ علم الرجال سے متعلق دیگر معلومات موجود ہیں۔
- جب ایک حدیث کئی صحابہ سے مروی ہو تو جس صحابی سے اس حدیث کی روایت مشہور ہو، امام ترمذی اس صحابی کی روایت ذکر کرتے ہیں اور بقیہ صحابہ کی روایت کی طرف وفی الباب عن فلاں و عن فلاں کہہ کر اشارہ کر دیتے ہیں۔
- اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی مجہول ہو تو امام ترمذی اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔
- اگر ایک وصف کے ساتھ دو راوی مشہور ہوں تو امام ترمذی ان کے اسما اور مراتب کا فرق بھی بیان کر دیتے ہیں۔
- بعض اوقات حدیث میں کوئی مشکل لفظ ہو تو امام ترمذی اس کا آسان لفظ سے معنی بیان کر دیتے ہیں۔

● اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو امام ترمذی اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے کوئی توجیہ اور تاویل پیش کر دیتے ہیں۔

⇦ حدیث + ترمذی، امام + اسماء الرجال۔

ت س

❋ **تسبیح فاطمہ:** وہ تسبیحات جو حضرت فاطمۃ الزہرا سے منسوب ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہ اپنے گھر کا کل کام کاج خود کیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ ان کاموں کے لئے انہیں کوئی خادم دے دیا جائے تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس خادم سے اچھی چیز بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت ۳۳ دفعہ سبحان اللہ، ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ یہ تمہارے خادم سے بدرجہا بہتر ہے۔ جو شخص ہر نماز کے بعد یہ تسبیح پڑھا کرے اور آخر میں ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیا کرے: لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر تو اس کی سب خطائیں معاف ہو جائیں گی اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

⇦ فاطمہ بنت محمد۔

ت ع

❋ **تعدد ازدواج:** رسول اللہ ﷺ کی ازدواج مطہرات کی تعداد۔ نبی کریم ﷺ کی ازدواج کے بارے میں بے انتہا اعتراضات کئے گئے جن کے مدلل و مستند جوابات بھی مختلف ادوار میں علمائے اسلام کی جانب سے دیئے گئے۔ ⇦ ازدواجی زندگی۔

ت ق

❋ **تقویم:** دن، مہینہ، سال وغیرہ کی پیمائش کا پیمانہ، کیلنڈر۔ اسلام میں اگرچہ عیسوی تقویم (کیلنڈر) کا استعمال ممنوع نہیں، مگر ہجری تقویم کو فوقیت اور افضلیت حاصل ہے۔ ہجری کیلنڈر کا آغاز آنحضور ﷺ کے مدینہ کو ہجرت کے واقعے سے ہوتا ہے۔ ⇦ ہجری سال۔

ت ل

❋ **تلبیہ:** لبیک لبیک اللھم لبیک۔ یہ الفاظ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ذوالحلیفہ (۲۷ ذوالقعدہ) سے کہنا شروع کیے۔ اس تلبیہ کا ترجمہ یہ ہے: "ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، اے اللہ! تیرے سامنے حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں۔ ہر ستائش صرف تیرے لئے ہے اور ہر نعمت تیری ہے۔ سلطنت بھی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔"

⇦ حجۃ الوداع + خطبہ حجۃ الوداع۔

ت م

❋ **تمیم داری:** صحابی جو ۹ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ ابتدا میں عیسائی تھے اور قبیلہ لخم سے تعلق تھا۔ کنیت ابورقیہ تھی۔ مسجد نبوی میں سب سے پہلے انہوں نے ہی چراغ جلایا۔ نوفل بن حارث نے اپنی بیوہ لڑکی اُمّ المغیرہ کی شادی ان سے کر دی۔ آخری عمر میں درویشانہ زندگی بسر کی۔ ۴۰ھ میں وفات پائی اور بیت جیران میں دفن کیا گیا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں قرآن جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ احادیث اور فقہ پر بھی دسترس تھی۔ چند احادیث بھی ان سے مروی ہیں۔

ت و

❋ **توریہ:** اسلامی اصطلاح۔ صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) میں

حضرت کعبؓ بن مالک کا قول نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو کسی اور موقع کا "توریہ" فرماتے تھے۔ شارحین بخاری نے توریہ کے معنی لکھے ہیں کہ آپ ﷺ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعیین الفاظ استعمال کرتے تھے۔



ث

ث ا

*** ثابت بن ضحاک:** صحابی رسول۔ ان کی کنیت ابوزید تھی۔ قبیلہ اشہل سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ثابت بن ضحاک نبی کریم ﷺ کی بعثت کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ غزوۂ حمراالاسد اور غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد شام چلے گئے۔ پھر شام سے بصرہ جا کر یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ان سے چودہ احادیث مروی ہیں۔

*** ثابت بن دحداح:** صحابی رسول۔ "دحداح" کنیت تھی اور قبیلہ بلی کے خاندان انیف سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا اور غزوۂ احد سمیت کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں حضرت خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) کے نیزے سے زخمی ہوئے۔ پہلے یہ زخم صحیح ہوگیا، لیکن غزوۂ حدیبیہ میں دوبارہ ابھر آیا اور اسی کے باعث انتقال کیا۔

⇦ احد، غزوہ + حدیبیہ، غزوہ + خالد بن ولید

*** ثابت بن قیس:** صحابی رسول۔ ابو محمد کنیت تھی اور "خطیب رسول اللہ" ان کا لقب تھا۔ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت سے قبل اسلام لائے اور کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ مریسیع میں حضرت جویریہ انہی کے حصے میں آئیں، لیکن نبی کریم ﷺ نے رقم دے کر حضرت جویریہ کو آزاد کرا لیا اور اپنے عقد میں لے لیا۔ ۱۱ھ میں طلیحہ پر فوج کشی کے دوران انصار کی قیادت آپؓ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۲ھ میں مسیلمہ کذاب سے معرکے میں حضرت ثابت بن قیس نے شہادت پائی۔

⇦ خزرج + جویریہؓ + مریسیع، غزوہ + مسیلمہ کذاب

ث ل

*** ثلاثیات:** وہ کتب احادیث جن میں صرف وہ حدیثیں ذکر کی گئی ہوں جو مصنف کو صرف تین واسطوں سے پہنچیں یعنی جن کی سند میں مصنف سے آنحضرت ﷺ تک کل تین واسطے ہوں جیسے ثلاثیات البخاری، ثلاثیات الدارمی، ثلاثیات عبد بن حمید وغیرہ۔

ث م

*** ثمامہ بن آثال:** صحابی رسول ﷺ جن کی کنیت ابوامامہ تھی۔ ان کا نسب ثمامہ بن آثال بن نعمان بن سلمہ بن عتبہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن دول بن حنفیہ حنفی یمامی تھا۔ حضرت ثمامہ، یمامہ کے سردار تھے۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے چند سواروں پر مشتمل ایک مختصر سریہ یمامہ کی طرف بھیجا۔ اس اسلامی لشکر نے ثمامہ کو گرفتار کرلیا اور لا کر مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے آکر سوال کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ محمد بہت اچھا ہوا۔ اگر آپ ﷺ مجھے قتل کریں گے تو ایک جان دار کو قتل کریں گے اور اگر احسان کریں گے تو ایک احسان شناس پر احسان کریں گے۔

تین دن یہی سلسلہ رہا۔ پھر تیسرے دن نبی کریم ﷺ نے انہیں رہا کردیا تو آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیا اور

پھر واضح الفاظ میں یہ بات کہی کہ اب نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ نہیں آسکتا۔ مسیلمہ کذاب انہی کا ہم وطن تھا۔ چنانچہ اس کے خلاف مہم میں بھرپور حصّہ لیا۔ مرتدین کے استیصال کے بعد بنی قیس کے مرتد سردار حطیمہ کا حلہ (کرتا) اس کے قاتل سے خریدا اور اسے پہن کر نکلے تو بنو قیس ان کے بدن پر حطیمہ کا حلہ دیکھ کر سمجھے کہ شاید آپ نے اسے قتل کیا ہے۔ چنانچہ اس شبے میں انہیں شہید کر دیا گیا۔

⇦ مسیلمہ کذاب۔

٭ ثمامہ بن عدی: صحابی رسول ﷺ جو خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی زمانے ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کی، غزوات میں شریک ہوئے اور حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں صنعا (یمن) کے حاکم مقرر ہوئے۔

⇦ مکہ + مدینہ + ہجرت مدینہ۔

ث و

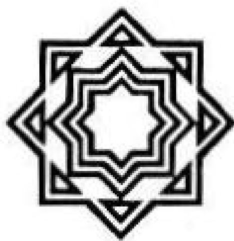
٭ ثوبان: صحابی رسول ﷺ جن کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ثوبان غلام تھے، لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ تاہم وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت ہی میں رہتے رہے۔ نبی کریم ﷺ کے خاص خادموں میں تھے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد شام چلے گئے اور رملہ میں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت عمر کے دور میں مصر کی فتوحات میں شریک ہوئے۔ بعد میں رملہ سے حمص گئے اور حمص ہی میں انتقال کیا۔ حضرت ثوبان کو ۱۲۷ حدیثیں یاد تھیں۔ ⇦ عمر بن خطاب

٭ ثویبہ: ابولہب کی باندی۔ نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے بعد چند روز تک آپ ﷺ کو اس باندی نے دودھ پلایا۔ چند ہی روز کے بعد حلیمہ سعدیہ مل گئیں اور پھر آپ کو ان کے حوالے کر دیا گیا۔

⇦ حلیمہ سعدیہ + بچپن محمد ﷺ

٭ ثور، جبل اور غار: غار ثور دراصل جبل ثور میں واقع ہے۔ غار ثور وہ جگہ ہے جہاں ہجرت کے موقع پر کفار مکہ سے چھپنے کے لئے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق نے پناہ لی تھی۔ یہ مقام مکہ معظّمہ کے جنوب میں ہے اور مکہ سے تین میل دور ہے۔ پہاڑی کی چوٹی تقریباً ایک میل بلند ہے۔

⇦ ہجرت مدینہ + ابوبکر صدیق + صدیق اکبر۔



ج

ج ا

*** جابر بن زید:** فرقہ اباضیہ کے مشہور فقیہ اور محدث۔ نزوئی (عمان) میں ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ ازد سے تھا۔ تابعین میں سے تھے اور بے شمار احادیث ازبر تھیں۔ اگرچہ بصرہ کے سرکاری طور پر قاضی تو نہ تھے، لیکن شہرت کی وجہ سے لوگ انہیں بصرے کا قاضی سمجھتے تھے۔ حضرت جابر، حضرت ابو عباس کے گہرے دوست تھے۔ ان کی تاریخ وفات میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۹۶ (بمطابق ۷۱۴ء) ہے اور بعض کے نزدیک ۱۰۳ھ (بمطابق ۷۲۱ء) ہے۔

*** جابر بن عبداللہ:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت جابر بیعت عقبہ ثانیہ پر والد کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا۔ حضرت جابر کی زندگی کا مقصد اشاعت حدیث تھا۔ چنانچہ ان سے کافی احادیث مروی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو ان سے بہت محبت تھی۔ چونکہ کھاتے پیتے صحابی تھے، اس لئے نبی کریم ﷺ کو جب بھی ضرورت ہوتی انہی سے قرض لیتے۔ لیکن حضرت جابرؓ اس کے باوجود سادہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کا گھر بھی مسجد نبوی ﷺ سے صرف ایک میل کے فاصلے پر تھا۔

حجاج کی حکومت آئی تو اس نے حضرت جابرؓ پر بھی سختی کی۔ آخری عمر میں وہ نابینا ہو گئے اور ۹۴ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

عثمان کے فرزند نے جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

⇦ بیعت عقبہ ثانیہ + حدیث + مسجد نبوی۔

*** جابر بن مسلم:** صحابی رسول ﷺ جن کا بنو تمیم سے تعلق تھا۔ ان کی کنیت ابو جری تھی۔ ایک بار دیکھا کہ چند لوگ ایک شخص سے رائے لے رہے ہیں اور بخوشی قبول کر رہے ہیں۔ حضرت جابر نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا، علیک السلام۔ یارسول اللہ ﷺ۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "علیک السلام" مُردوں کا سلام ہے۔ "السلام علیک یارسول اللہ" کہو!

اس تعلیم کے بعد حضرت جابر نے عرض کی: السلام علیک یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں۔ میری دعا قبول ہوتی ہے۔ اگر میں تمہارے لئے دعا کروں تو قبول ہو گی۔ اگر تمہارے ہاں قحط سالی ہو تو میری دعا سے تم سیراب ہو گے۔ تمہارے روئیدگی ہو گی۔ اگر تم بے آب و گیاہ میدان میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے تو میری دعا سے وہ تمہارے پاس واپس آ جائے گی۔

یہ سن کر حضرت جابر نے کہا، یارسول ﷺ! خدا نے آپ کو جو کچھ سکھایا ہے وہ مجھے بھی سکھایئے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ اس قدر ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ روئی سے گفتگو کر دیا اپنے ڈول سے پیاسے کے برتن میں پانی ڈال دو۔ اگر کوئی شخص تمہارے راز سے واقف ہو اور وہ تم کو کسی بات پر شرم دلائے تو تم اس کے راز کا حوالہ دے کر اس کو شرم نہ دلاؤ تاکہ اس کا وبال اوپر نہ ہو۔ لٹکتے ہوئے آزار سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ غرور کی نشانی ہے اور غرور اللہ کو ناپسند ہے۔ کسی کو گالی نہ دو۔

حضرت جابر بن مسلم کے حالات زندگی بہت کم ملتے ہیں۔

*** جارود بن عمرو:** صحابی رسول ﷺ جن کا قبیلہ عبد قیس سے تعلق تھا۔ اصل نام بشر تھا۔ "ابومنذر" کنیت اور "جارود" لقب تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل ختم کر دیا تھا۔ عربی میں "جرد" کے معنی بزرگ و برتر کے ہیں۔ یہی واقعہ ان کے لقب کا باعث بنا۔ پہلے عیسائی تھے۔ ۱۰ھ میں قبیلہ عبد قیس کے ساتھ مدینہ آئے۔ ⇦ بکر بن وائل + مدینہ۔

*** جاریہ قدامہ:** صحابی رسول ﷺ جن کی کنیت "ایوب" اور لقب، "المحرق" تھا۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں حضرت جاریہ کی ان سے صلح ہوگئی۔ انہوں نے بصرہ میں وفات پائی۔

*** جامع یا جوامع:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ اس سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں آٹھ مضامین کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں۔ ان آٹھ مضامین کو ایک شعر میں جمع کر کے بیان کر دیا ہے:

سیر و آداب و تفسیر و عقائد
فتن و اشراط و احکام و مناقب

"سیر"، سیرت کی جمع ہے یعنی وہ مضامین جو آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے واقعات پر مشتمل ہیں۔

"آداب" ادب کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہیں آداب معاشرت مثلاً کھانے پینے کے آداب۔

"تفسیر" یعنی وہ احادیث یا مضامین جن کا تعلق عقائد سے ہے۔

"فتن" فتنہ کی جمع ہے یعنی وہ بڑے بڑے واقعات جن کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔

"اشراط" یعنی علامات قیامت احکام یعنی احکام عملیہ جن پر فقہ مشتمل ہوتا ہے۔ ان کو السنن بھی کہا جاتا ہے۔ (⇦ سنن)

"مناقب" منقبت کی جمع ہے یعنی صحابہ کرام اور صحابیات اور مختلف قبائل اور طبقات کے فضائل۔

غرض جو کتاب ان آٹھوں مضامین پر مشتمل ہو اسے "جامع" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی جامع، معمر بن راشد ہے جو امام زہری کے معروف شاگرد معمر کی تالیف ہے اور پہلی صدی ہجری میں ہی مرتب ہو چکی تھی، لیکن اب "جامع معمر" نایاب ہے۔ دوسری "جامع سفیان ثوری" ہے۔ اس سے امام شافعی نے بھی استفادہ کیا۔ یہ کتاب بھی نایاب ہے۔ تیسری "جامع عبدالرزاق" ہے جو امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کی تالیف ہے اور دوسری صدی ہجری میں معروف ہو چکی تھی۔ یہ مصنف عبدالرزاق بھی مشہور جوامع میں داخل ہیں۔

لیکن سب سے زیادہ مقبولیت "جامع بخاری" کو حاصل ہوئی ہے۔ اس کے بعد "جامع ترمذی" ہے۔ صحاح ستہ میں سے بخاری اور ترمذی کے جامع ہونے پر اتفاق ہے البتہ صحیح مسلم کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اسے "جامع" کہتے ہیں، کیونکہ اس میں آٹھوں ابواب موجود ہیں، لیکن بعض حضرات اس کے جامع ہونے سے بریں بنا انکار کرتے ہیں کہ اس میں کتاب تفسیر بہت مختصر ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بھی جامع ہے، کیونکہ جامع ہونے کے لئے کسی کتاب کا مفصل ہونا ضروری نہیں۔ محض اس کا وجود ہی کافی ہے اور صحیح مسلم میں بھی کتاب التفسیر ہے اگرچہ احادیث کم ہیں، لیکن بہرحال نفس کتاب موجود ہے۔ نیز تفسیر کی بہت سی احادیث امام مسلم نے دوسرے ابواب کے تحت نقل کر دی ہیں، اسی لئے علامہ مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے اس کو جامع قرار دیا ہے اور صاحب کشف الظنون نے بھی اس کو جوامع میں شمار کیا ہے۔

⇦ سیرت + حدیث + بخاری شریف + ترمذی شریف + مسلم شریف

ج ب

*** جبار بن سحر:** صحابی رسول ﷺ جو قبیلہ خزرج کے خاندان مسلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت مسلمان ہوئے اور پھر تمام ہی غزوات میں شریک ہوئے۔ حساب میں بہت ماہر تھے، اسی لئے محاسب اور خازن کا عہدہ حضرت جبار کے سپرد کیا گیا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے

دور میں بھی خازن بنے اور حضرت عثمان کے دور خلافت (۳۰ھ) میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان سے چند احادیث بھی روایت کی جاتی ہیں۔

⇐ خزرج، بنو + بیعت عقبہ ثانیہ + عثمان بن عفان۔

*** جبریل:** ایک فرشتے کا نام۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تمام فرشتوں میں اعلیٰ مرتبے کے ہیں۔ ان کے ذمے پیغمبروں تک اللہ تعالیٰ کی وحی لانے کا کام تھا۔ "جبریل" عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب بندۂ خدا ہے۔

*** جبریل، حدیث:** ⇐ حدیث جبریل۔

*** جبل الالال:** ایک چھوٹی سی پہاڑی جس کے دامن میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے وعظ فرمایا تھا۔ اب اسے جبل الرحمہ کہتے ہیں۔ اس کے دامن میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وقوف اس جگہ تھا۔ اس کے اوپر بھی ایک مسجد بنی ہوئی ہے اور اس کے متعلق بھی یہی کیا جاتا ہے کہ یہاں پر آپ ﷺ کا قیام تھا۔

*** جبل نور:** وہ پہاڑ جس کے اندر غار حرا واقع ہے۔ اس غار میں پہلی بار نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ حرم سے اس کا فاصلہ تقریباً ڈھائی تین میل ہے۔ غار حرا تک پہنچنے کے لئے دو مرتبہ پہاڑ پر چڑھنا اور اترنا پڑتا ہے۔

*** جبیر بن مطعم:** صحابی رسول ﷺ جن کا قریش سے تعلق تھا۔ ان کی کنیت "ابو محمد" تھی۔ حضرت جبیر کے والد قریش کے خدا ترس لوگوں میں سے تھے۔ مطعم کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو ابتدائے اسلام میں بڑی مدد ملی حتیٰ کہ جب نبی کریم ﷺ اور ان کے کئی افراد شعب ابی طلب میں محصور کردیئے گئے تو مطعم ہی تھے جو چپکے چپکے کچھ نہ کچھ نبی کریم ﷺ تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ حضرت جبیرؓ غزوۂ بدر میں کفار کی طرف سے شریک نہ ہوسکے تھے، لیکن قیدیوں کو چھوڑنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے انہی عزّت و تکریم سے نوازا۔ اسلام قبول کیا۔ قبول اسلام کے بعد غزوۂ حنین میں شرکت کی۔

حضرت جبیر علم الانساب کے بڑے اچھے حافظ تھے۔ چنانچہ احادیث کے بھی حافظ تھے۔ ان سے ساٹھ احادیث بھی مروی ہیں۔ قریش کے ایک مقتدر خاندان سے تعلّق رکھنے کے باوجود غرور بالکل نہیں تھا اور حلیم ترین اشخاص میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ۵۷ھ (بمطابق ۶۷۶ء) میں انتقال ہوا۔ ان کے دو لڑکے محمد اور نافع تھے۔

⇐ شعب ابی طالب + بدر، غزوہ۔

ج ر

*** جرح وتعدیل:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ "جرح" کے معنی ہیں، تنقید کرنا، عیب نکالنا۔ اور "تعدیل" کے معنی ہیں، ثابت کرنا، قابل اعتبار، سچا۔ اس اصطلاح کے تحت احادیث کے راویوں کے ثقہ ہونے کے بارے میں چھان بین کی جاتی ہے یعنی فلاں حدیث کا فلاں راوی قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

حدیث کے راویوں کی یہ چھان بین نبی کریم ﷺ کے زمانے ہی میں شروع ہوگئی تھی، لیکن فن کی صورت بعد میں ملی۔ اس دور میں حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک اس فن کے جاننے والے تھے۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین میں بھی خاص طور پر اس فن خاص طور پر اس فن کو تقویت ملی حتیٰ کہ امام احمد بن جنبل کے دور میں جرح وتعدیل کا فن اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔

دوسری صدی ہجری میں جھوٹی حدیثیں گھڑی جانے لگیں تو اس فن پر خاص توجہ کی گئی اور احادیث کے راویوں کے اوصاف کو خاص توجہ سے لکھا جانے لگا۔ تیسری صدی ہجری سے نویں صدی ہجری کے درمیان اس پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں راویوں کے نام درج ہوتے اور پھر ان کے مکمّل کوائف مع ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کا بھی ذکر ہوتا۔ علم حدیث کے اس فن میں ثقہ راویوں کے لئے چند صفات مقرر

کی گئی ہیں:

وہ مسلمان ہو، حافظہ اچھا ہو، صائب العقل ہو، سچا ہو، اپنی روایت کے عیب کو نہ چھپاتا ہو، ہر لحاظ سے قابل اعتبار ہو، درست محفوظ کرنے والا ہو، حدیث میں کھرا ہو۔

سند کے لحاظ سے کمتر درجے کے راویوں کی چار اقسام ہیں:

- لین الحدیث (حدیث نرم اور کم کوش)
- لیس بقوی (روایت میں قوی نہ ہو)
- ضعیف الحدیث (حدیث میں ضعیف)
- متروک الحدیث (جس کی احادیث ترک کردی گئی ہوں)
- ذاہب الدیث (جس کی حدیث رد کردی گئی ہو)

جرح و تعدیل میں ایک اصول یہ ہے کہ جس راوی کے بارے میں جرح و تعدیل دونوں ہوں تو جرح کو قوی تر مانا جائے گا، لیکن جرح کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اس جرح کی معقول وجہ پیش کی جائے اور تعدیل کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اس تعدیل پر دلیل دیں۔

علم الجرح والتعدیل کی تعریف

(الف) — راوی کے اندر مقبولیت کی شرائط کا وجود یا عدم وجود کے احکام کو "جرح و تعدیل" کہتے ہیں۔

(ب) — راوی کی عدالت یا ضبط پر ایسی تنقید کی جائے جس سے اس کی حیثیت داغ دار ہو جائے اسے "جرح" کہتے ہیں۔

(ج) — راوی کے اندر عدالت و ضبط کے وجود کا بیان "تعدیل" کہلاتا ہے۔

جرح و تعدیل میں بھی اختلاف ہے اور اختلاف ہونا بھی چاہئے تھا، کیونکہ ہر امام کا اپنا اپنا اجتہاد اور اپنے اپنے اصول ہیں۔ ان اصولوں سے متفق ہونا ضروری نہیں، کیونکہ ایک شخص ایک بات کو کسی قدر معیوب سمجھتا ہے مگر دوسرے کے نزدیک وہ بات معیوب نہیں۔ ایک بات دو شخصوں کو ایک ہی ذریعے سے پہنچی ایک اس ذریعے کو معتبر سمجھتا ہے اور دوسرا ضعیف خیال کرتا ہے۔ بعض نے اس راوی کی تضعیف کی ہے جو کتاب دیکھ کر روایت کرے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا حافظہ قوی نہ تھا اور بعض نے اس کو احتیاط پر محمول کیا ہے۔ امام شعبی نے ایک شخص کی اس لئے تضعیف کی کہ انہوں نے اس کو خچر دوڑاتے دیکھا تھا۔ یہ بات ان کے نزدیک معیوب تھی، مگر ہر شخص تو اس کو معیوب نہیں سمجھ سکتا۔

جرح و تعدیل میں اس لئے بھی اختلاف ہوا ہے کہ ایک شخص کسی راوی سے ملا تو اس کو ضعف و حفظ و نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا لہٰذا اس نے اس کی تضعیف کر دی۔ نیز ایک وقت کسی عقل مند سے بھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔ ایک شخص ایک راوی کو خوب جانتا تھا کہ وہ دانشمند ہے۔ اس نے اس کی توثیق کی، مگر کسی دوسرے کے سامنے اتفاقاً اس سے کوئی امر رکیک سرزد ہو گیا، اس پر اس نے جرح کر دی۔

بعض جرحوں کا باعث معاصرانہ نوک جھوک بھی ہے۔ پرانے بزرگوں میں نفسانیت تو نہ تھی البتہ مناقشت ضرور تھی۔ چونکہ متقدمین میں ہر شخص اجتہاد کی قابلیت رکھتا تھا اور خود مجتہد تھا، اس لئے اختلاف اجتہاد سے بھی جرحیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ اصول قرار دیا گیا ہے کہ ایک محدث کے جرح معاصر محدث پر قابل قبول ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ جرح میں تعدی کبھی خواہش نفسانی اور کبھی حسد و عداوت سے بھی کی جاتی ہے۔ غالباً متقدمین کا کلام اس قسم کی تعدی سے پاک تھا اور کبھی جرح اعتقادی مخالفت سے بھی صادر ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی جرحیں متقدین و متاخرین میں بہ کثرت ہیں۔ اعتقادی مخالفت کی بنا پر جرح کرنا عموماً ناجائز ہے۔

جرح و تعدیل میں کیا مقدم ہو گا، تمام امور پر نظر کر کے ائمہ نے یہ قرار دیا ہے کہ بعض جگہ جرح، تعدیل پر مقدم ہوتی ہے اور بعض جگہ تعدیل، جرح پر مقدم ہوتی ہے اگر جرح کے الفاظ سخت ہیں اور جو عیب بیان کیا گیا ہے وہ واقعی بڑا عیب ہے، جرح بیان کرنے والا عالم و مقدس ہے اور معاصرت و تعصب کا دخل نہیں تو جرح مقدم ہو گی اور اگر اس کے خلاف ہے تو تعدیل مقدم ہو گی۔

جرح اور تعدیل کرنے والوں کی تعداد پر بھی نظر کی جاتی ہے۔ یہی علامہ سبکی نے طبقات شافعیہ میں لکھا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ امر

انصاف کے خلاف ہوگا۔ اس کی زد سے کوئی امام بھی نہیں بچ سکتا، نہ امام مالک، نہ امام اعظم اور نہ امام بخاری۔

امام ابوایوب سختیانی (متوفی ۱۳۱ھ جو امام مالک کے استاد تھے) نے اپنے استاد امام حسن بصری اور اعمش پر جرح کی ہے اور انہیں "مدلس" کہا ہے۔ عیسیٰ بن ابان نے شافعی کے رد میں کتاب لکھی۔ یحییٰ قطان نے امام جعفر صادق کی روایتوں پر اعتراض کیا۔ امام بخاری پر امام مسلم وغیرہ نے اعتراضات کئے اور بعض نے ان کی صرفی غلطیاں نکالی ہیں۔

علما نے یہ فیصلہ کیا کہ آئمہ متبوعین پر جرح نہ کی جائے۔ انہوں نے یہ فیصلہ ہر پہلو پر نظر کر کے ان کے معائب و محاسن بیان کرنے والوں کی تعداد و شان کو دیکھ کر اور ان امور کو سمجھ کر جو جرح میں بیان کئے گئے ہیں، کیا ہے۔ تو پھر سب سے پہلے سوال یہ ہے کہ محدثین پر جرح و تعدیل کرنا جائز ہے یا نہیں اور شریعت میں اس کی اہمیت کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ راوی کی مدح و ثنا تعدیل کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے البتہ جرح بہ ظاہر راوی کے لئے برائی اور غیبت ہے جو شریعت میں عام انسانوں کے لئے بھی پسند نہیں کی گئی، مگر اہل اسلام اور خصوصاً اہل حق کے لئے اس وجہ سے جائز ہے کہ اس کا تعلق دین کی ایک اہم ضرورت سے ہے۔ دین اور احکام دین کی حفاظت سے ہے لہٰذا آئمہ اُمت نہ صرف جرح کے جواز کے قائل ہیں بلکہ اسے استحسان اور ضروری بھی قرار دیتے ہیں اور اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے سامنے کوئی خبر یا واقعہ بیان کرے تو تم چھان بین کر لیا کرو۔"

جرح کے بارے میں یہ آیت اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے جرح و تعدیل دونوں منقول ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے متعلق آپ کا ارشاد ہے: "ان عبداللّٰہ رجل صالح" یہ ان کے حق میں تعدیل ہے۔ جرح سے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے بئس اخو العشیرہ۔

حضرات صحابہ و تابعین سے جرح و تعدیل کے سلسلے میں بہت کچھ نقل کیا گیا ہے۔ آئمہ رجال کے نزدیک قبولیت جرح و تعدیل کی دو صورتیں ہیں:

(الف) — مشہور قول یہ ہے کہ تعدیل سبب کے بیان کے بغیر کسی سبب کے تعدیل کی جا سکتا ہے۔

(ب) — جرح اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ جرح کے اسباب بیان نہ کیے جائیں۔

جرح و تعدیل کی کیفیات

● کسی ایک امام کی جرح و تعدیل سے راوی کا ثقہ یا مجروح ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

● بعض آئمہ کے نزدیک امام جرح و تعدیل کی تعداد کم از کم دو ہونی چاہئے۔ صرف ایک ہونے کی صورت میں مجروح یا ثقہ ثابت نہیں ہوگا۔

● کسی ایک راوی میں جرح و تعدیل دونوں جمع ہو جائیں تو وہ راوی ثقہ میں شمار ہوگا۔

● اگر جرح کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں تو راوی مجروح ثابت ہوگا۔

● اگر تعدیل کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو تو راوی ثقہ ہوگا۔ اس طرح اگر جرح کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو تو روای مجروح ہوگا۔

● قول صحیح کے مطابق کسی ایک شخص کی جرح قابل قبول نہیں بلکہ تعدیل قابل قبول ہے۔

صحابہ کرام برابر جانچ پڑتال کرتے رہے۔ حضرت عمر اور حضرت عائشہ کے واقعات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کو فن کی صورت امام شعبہ نے دی۔ انہوں نے اس کے اصول مقرر کئے، مگر کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ اس زمانے کے بہت سے علما نے اس فن کو غیبت قرار دیا اور امام شعبہ کے مخالف ہو گئے۔ امام اعظمؒ بھی ان اصول کے کچھ زیادہ موید نہ تھے۔ صحابہ کے حالات میں متقدمین و متاخرین نے بہت سی تالیفات مرتب کیں۔ تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے حالات میں مفصّل تصانیف موجود ہیں۔ اگر کوئی محدث چاہے تو آسانی سے اپنے سلسلہ روایت کو ثقہ راویوں کے

ذریعے رسول کریم ﷺ تک ثابت کر سکتا ہے۔
اس فن میں سب سے پہلی تصنیف شیخ یحییٰ بن سعید القطان نے لکھی۔ ابن سعد نے طبقات لکھی۔ امام احمد بن جنبل شیخ یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) شیخ علی بن المدینی (متوفی ۲۳۴ھ) نے تصانیف کیں۔ فن جرح و تدیل کا مدار انہی آخر الذکر تینوں حضرات پر ہے۔
امام بخاری نے تاریخ لکھی۔ امام مسلم نے کتاب الاسما والکنی، کتاب التاریخ و المجروحین من المحدثین لکھی۔ ابن ابی حاتم نے کتاب الجراح والتعدیل تصنیف کی اور اس میں جمیع رواۃ کو تذکرہ کیا۔ عجلی، ابن حبان، ابن شاہین نے صرف ثقات کے ناموں کو جمع کیا۔ ابن عدی، ابن حبان نے مجروحین کو جمع کیا عقیلی و امام نسائی وابن حبان ان تینوں کی تصانیف کا نام کتاب الضعفا ہے۔
⇦ حدیث۔

*** جرہم، بنو:** عرب کا ایک قبیلہ۔ بنو جرہم۔ ⇦ بنو جرہم۔

*** جریج:** بنی اسرائیل کا ایک عابد و زاہد شخص۔ اس کا قصہ نبی کریم ﷺ نے بیان کیا تھا۔ روایت کے مطابق، اس نیک آدمی پر ایک عورت نے زنا کی تہمت لگائی اور ثبوت کے طور پر اپنے بچے کو پیش کیا کہ یہ اس آدمی کے نطفے سے ہے حال آنکہ اس کا باپ کوئی اور تھا۔ جب جریج نے اس بچے سے اس کے باپ کا نام پوچھا تو اللہ کی قدرت سے اپنے باپ کا نام بتا دیا۔ اس طرح جریج اس تہمت سے بری ہو گیا۔

*** جریر بن عبداللہ:** صحابی رسول ﷺ جو نبی کریم ﷺ کی وفات سے پانچ ماہ پہلے مسلمان ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت جریرؓ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جب وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کی عزّت افزائی کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی۔ یمن کے صنم کدہ ذی الخلیفہ (کعبہ یمانی) کو مسمار کرنے کا کام نبی کریم ﷺ نے انھی کے سپرد کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عہد میں غالباً خاموش زندگی گزاری۔ حضرت عمر کے دور میں عراق کے خلاف فوج کشی میں شرکت کی۔ جنگ یرموک اور کسریٰ کی فتح کے بعد عمر بن مالک نے جلولا کی مہم سر کر کے حضرت جریر کو چار ہزار فوج کے ساتھ جلولا کی حفاظت کے لئے متعیّن کیا۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں حضرت جریر بن عبداللہ کو ہمدان کا گورنر بنا دیا گیا۔ جنگ جمل میں حضرت علی نے اپنی بیعت کے لئے جو خط حضرت امیر معاویہ کو لکھا اس کو لے جانے والے حضرت جریر ہی تھے۔ واپس آکر انہوں نے حضرت علی سے امیر معاویہ کے فوجی انتظامات اور اہل شام کے انکار کی بابت بتایا تو حضرت علی کے گرد لوگوں نے حضرت جریر کی برائیاں شروع کر دیں۔ اس پر جریر بددل ہو کر قرقیسیا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ قرقیسیا ہی میں خاموشی سے ۴۵ھ میں وفات پائی۔
حضرت جریر بن عبداللہ کے پانچ لڑکے تھے: عمر، منذر، عبیداللہ، ایوب اور ابراہیم۔
حضرت جریرؓ اس قدر خوب صورت تھے کہ حضرت عمرؓ انہیں "امت اسلامیہ کا یوسف" کہا کرتے تھے۔ ان سے کئی احادیث روایت کی جاتی ہیں۔
⇦ حجۃ الوداع + عمر بن خطاب + عثمان بن عفان۔

ج ز

*** جز:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ اس کتاب حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی ایک جزوی مسئلے سے متعلق احادیث یک جا کر دی گئی ہوں۔
بعض حضرات نے اس کے ساتھ کتب حدیث کی ایک اور موع "الرسالہ" بھی بیان کی ہے اور اس کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ کتاب حدیث جس میں صرف کسی ایک شیخ کی احادیث جمع کی گئی ہوں، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ کوئی مستقل نوع نہیں ہے بلکہ الجزکا مترادف ہے۔

*** جزیہ:** ایک اسلامی اصطلاح، جس کا تعلّق جہاد اور جنگ سے ہے۔ لفظ "جزیہ" ایرانی لفظ "گزیہ" کا معرب ہے اور اس لفظ کے

ساتھ جزیہ لگانے کی رسم بھی ایران سے عرب میں پہنچی تھی کہ جب عرب کا ایک حصہ قبل از اسلام ایران کے ماتحت تھا۔ جزیہ غالباً آٹھ ہجری میں فرض ہوا۔

"جزیہ" غیر مسلموں پر جزیہ اور خراج ان کی پیداوار پر عائد ہوتا ہے، جب کہ "زکوٰۃ" مسلمان کے نقد مال اور مویشی اور تجارت کے سامان پر اور "عشر" ان کی زمینی پیداوار پر شریعت نے مقرر کیا ہے۔

اسلامی جزیہ کس اصول پر لگایا جاتا ہے اور کیونکر ادا کرنے والے مفتوحین کو ماتحین کے اعلیٰ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں، فقہ میں ہے:

اگر وہ لوگ جن سے جزیہ لینا چاہئے، جزیہ ادا کرنا منظور کریں تو:

(الف) — ان کی حفاظت اسی طرح کرنی چاہئے جیسے مسلمانوں کی۔

(ب) — ان کے لئے قواعد ہوں گے جو مسلمانوں کے لئے ہیں، کیونکہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کفار (غیر مسلم) جزیہ اس لئے ادا کرتے ہیں کہ ان کے خون کو مسلمانوں کے خون کی اور ان کے مال کو مسلمانوں کے مال کی حیثیت حاصل ہو جائے۔

ج ع

✽ جعرانہ: وہ مقام جہاں غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف سے واپسی پر نبی کریم ﷺ نے بنی ہوازن اور بنی ثقیف کا مال غنیمت صحابہ کرام میں تقسیم فرمایا تھا۔

⇦ حنین، غزوہ + طائف، غزوہ + ہوازن، بنو + ثقیف، بنو۔

✽ جعفر بن ابی طالب: نبی کریم ﷺ کے چچیرے اور حضرت علی کے سگے بھائی۔ ان کی کنیت "عبداللہ" تھی۔ والد کا نام ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف تھا۔ حضرت جعفر بن ابی طالب حضرت علی سے عمر میں دس برس بڑے تھے۔ حضرت عباسؓ نے اپنے بھائی ابوطالب کی عیال داری کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے انہیں اپنے ذمے لے لیا تھا اور اپنے گھر لے گئے تھے۔ حضرت جعفرؓ نے بہت جلد اسلام قبول کیا۔ وہ اسلام قبول کرنے والے چوبیسویں یا اکتیسویں یا بتیسویں فرد تھے۔ انہوں نے مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ ان کی بیوی اسما بنت عمیس بھی اس ہجرت میں ان کے ہمراہ تھیں۔ جب نجاشی کے دربار میں مکہ کے کفار کا وفد ان مسلمان مہاجروں کی واپسی کے لئے آیا تو مسلمانوں نے حضرت جعفرؓ ہی کو اپنا امیر بنایا۔ حضرت جعفر نے ایک بھرپور تقریر نجاشی کے دربار میں کی جو کافی مشہور ہے۔ حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی آیات تلاوت کیں۔ نجاشی کے دل پر اس کا اثر ہوا اور اس نے کفار کو کہہ دیا کہ تم لوگ واپس جاؤ، میں مسلمانوں کو تمہارے حوالے ہرگز نہ کروں گا۔

حضرت جعفر ہجرت مدینہ کے بعد چھ سال حبشہ ہی میں رہے۔ ۷ ہجری (بمطابق ۶۲۸ء) میں فتح خیبر کے دن نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم ﷺ وسلم نے انہیں گلے لگایا اور پیشانی کو چوم کر فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں نبی کریم ﷺ نے جو لشکر غزوۂ موتہ کی طرف بھیجا اس میں حضرت جعفر بھی شریک تھے۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ کی شہادت کے بعد علم حضرت جعفر کے ہاتھ میں آیا۔ حضرت جعفر کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا، لیکن علم کو گرنے نہ دیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت جعفر کی عمر چالیس برس تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر کو ان کے کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے دو پر عطا فرمائے ہیں اور وہ ان پروں کے ساتھ جنتی فرشتوں کے ساتھ محو پرواز رہتے ہیں۔

⇦ حبشہ + علی بن ابی طالب + خیبر، غزوہ + موتہ، غزوہ۔

ج م

✽ جمع یا الجمع: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ ان کتابوں کو کہتے

ہیں جن میں ایک سے زائد کتب حدیث کی روایتوں کو بحذف تکرار جمع کر دیا جائے۔ اس نوع کی سب سے پہلی کتاب امام حمیدی کی "الجمع بین الصحیحین" ہے۔ ان کے بعد حافظ رزین بن معاویہ نے "تجرید الصحاح ستہ" لکھی جن میں صحاح ستہ کی تمام احادیث کو جمع کیا گیا البتہ ان کی اصطلاح میں ابن ماجہ کی بجائے موطا امام مالک صحاح ستہ میں شامل تھی اسی لئے انہوں نے اپنی کتاب میں ابن ماجہ کی بجائے موطا امام مالک کی احادیث کو جمع کیا۔ ان کے بعد حافظ ابن اثیر جوزی نے "جامع الاصول" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا اور حافظ رزین بن معاویہ سے جو احادیث چھوٹ گئی تھیں ان کو بھی شامل کر لیا۔ لیکن ان کی اصطلاح میں بھی موطا امام مالک صحاح ستہ میں شامل تھی نہ کہ ابن ماجہ۔ ان کے بعد علامہ نورالدین ہیثمی تشریف لائے اور انہوں نے "مجمع الزواہد ومنبع الفوائد" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس میں مسند احمد "مسند بزار" مسند ابی یعلیٰ اور امام طبرانی کی معاجم ثلاثہ کی ان زائد احادیث کو جمع کیا جو صحاح ستہ میں نہ تھیں۔ لیکن علامہ ہیثمی کی اصطلاح میں ابن ماجہ صحاح ستہ میں شامل تھی نہ کہ موطا امام مالک اس لئے انہوں نے مجمع الزواہد میں ابن ماجہ کی احادیث نہیں لیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ماجہ کی احادیث نہ جامع الاصول میں جمع ہو سکیں، نہ تجرید الصحاح الستہ میں اور نہ مجمع الزوائد میں۔

ان کے بعد علامہ محمد بن محمد بن سلیمان نے "جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ایک طرف تو جامع الاصول اور جمع الزوائد کی تمام احادیث کو بحذف تکرار جمع کر دیا نیز ابن ماجہ جو ان دونوں سے چھوٹ گئی تھی، اس کی روایات بھی لے لیں بلکہ اس کے علاوہ سنن دارمی کی روایات بھی جمع کر دیں۔ اس طرح یہ کتاب چودہ کتب حدیث کا مجموعہ بن گئی۔

ج ن

✽ جنت البقیع: مدینہ منورہ کا قبرستان۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور اکثر علما فقہا یہاں دفن ہیں۔ یہ قبرستان مسجد نبوی ﷺ سے مشرق کی سمت ہے۔

حدیث شریف میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص مدینہ میں مرے اور بقیع میں دفن کیا جائے وہ میری شفاعت سے ممتاز ہوگا۔"

✽ جنگ: لڑائی، انتقام۔ رسول ﷺ سے قبل بھی لڑائیاں لڑی جاتی تھی اور خود آنحضور ﷺ نے بھی بعثت سے قبل اور بعثت نبوی ﷺ کے بعد (اعلائے کلمۃ الاسلام کے لئے جنگیں کیں)۔

اسلام نے جنگ اور لڑائی کے لئے بھی واضح تعلیمات دی ہیں۔ اسلام کی خاطر لڑائی اور جنگ کو اسلامی اصطلاح میں "جہاد" کہا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسلام کی خاطر جو لڑائیاں کیں ان میں سے بعض میں خود بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ ایسی جنگوں کو "غزوہ" کا نام دیا گیا (⇦ غزوہ) اور بعض مرتبہ اپنے کسی صحابی کی امارت میں مہم روانہ فرمائی ایسی مہم کو "سریہ" کہا گیا۔ (⇦ سریہ)

⇦ غزوہ + سریہ

ج و

✽ جواز: کسی چیز کا جائز اور حلال ہونا۔ اسلامی فقہ میں جواز کا لفظ اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جواز کی الٹ "حرمت" یا "عدم جواز" ہے۔

✽ جوانی رسول ﷺ: رسول ﷺ کی جوانی۔ آنحضور ﷺ اگرچہ ایک انسان تھے اور عام انسانوں کی طرح ان کی زندگی میں بھی شیر خوارگی، بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے کے دور آئے۔ جوانی کا دور انسانی زندگی کا سب سے اہم دور کہنا چاہئے، کیونکہ یہ وہ دور ہوتا ہے جس میں تمام قوا اپنے جوبن پر ہوتے ہیں اور جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہتا ہے جس کے زور میں آدمی کے بہنے کا خطرہ ہوتا ہے اور اکثر نوجوان کسی نہ کسی درجے میں اس رو میں بہک بھی جاتے ہیں۔

لیکن نبی کریم ﷺ کا نوجوانی کا دور عام جوانوں سے بالکل مختلف

اور منفرد تھا۔ اس دور میں نوجوانوں میں جو لاابالی پن اور جذباتیت ہوتی ہے وہ آنحضور ﷺ میں بالکل نہیں تھی۔

آپ ﷺ بچپن ہی سے شجاع اور بہادر تھے۔ جب آپ ﷺ پندرہ سال کے ہوئے تو قریش کی دوسرے قبیلے سے ایک لڑائی ہوئی جس میں آپ ﷺ عزیز و اقارب کو دشمنوں کے تیروں سے بچاتے تھے۔

سفرِ تجارت اور حضرت خدیجہ سے نکاح

جب آپ ﷺ پچیس سال کے ہوئے تو حضرت خدیجہؓ بنت خویلد (جو قریش میں ایک مالدار خاتون تھیں اور تاجروں کو اپنا مال اکثر شراکت پر دیتی رہا کرتی تھیں) نے آپ ﷺ کے صدق و امانت اور حسن معاملہ و اخلاق کی خبر سن کر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میرا مال شراکت پر ملک شام کی طرف لے جائیں۔ میرا غلام میسرہ آپ ﷺ کے ساتھ جائے گا۔ آپ ﷺ نے یہ بات قبول فرمالی۔ اس سفر پر آپ ﷺ شام پہنچے اور ایک درخت کے نیچے اترے۔ وہاں ایک راہب کا صومعہ (گھر) تھا۔ اس راہب نے آپ ﷺ کو دیکھا اور میسرہ سے دریافت کیا: یہ کون شخص ہیں؟

میسرہ نے کہا کہ قریش اہل حرم میں سے ایک شخص ہیں۔

راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ اور کوئی کبھی نہیں اترا۔ گویا یہ اس راہب کی آپ ﷺ کی نبوت کی پیشین گوئی تھی۔

نبی کریم ﷺ اس تجارتی سفر کے دوران شام سے خوب نفع لے کر واپس ہوئے۔ میسرہ نے اس سفر کے دوران دیکھا کہ جب دھوپ تیز ہوتی تھی تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کر لیتے تھے۔

جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت خدیجہؓ کو ان کا مال سپرد کیا تو پتا چلا کہ دوگنا یا اس کے قریب نفع ہوا ہے۔ ساتھ ہی میسرہ نے حضرت خدیجہؓ سے اس راہب کا قول اور فرشتوں کے سایہ کرنے کا قصہ بیان کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل (جو عیسائی مذہب کے بڑے عالم تھے) سے اس تمام واقعے کا ذکر کیا۔

ورقہ نے کہا کہ اے خدیجہ رضی اللہ عنہا! اگر یہ بات صحیح ہے تو محمد ﷺ اس اُمت کے نبی ہیں اور مجھ کو کتب سماویہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس امت میں ایک نبی ہونے والا ہے اور اس کا یہی زمانہ ہے۔

حضرت خدیجہؓ بڑی عاقلہ تھیں۔ یہ سب سن کر رسول ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں آپ ﷺ کی قرابت، اشرف القوم، امین، خوش خوا اور صادق القول ہونے کے باعث آپ ﷺ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔

کعبہ کی از سرِ نو تعمیر

جب نبی کریم ﷺ پینتیس سال کے ہوئے تو قریش نے خانہ کعبہ از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ جب تعمیر حجر اسود کے مرحلے تک پہنچی تو ہر قبیلہ اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ میں رکھوں۔ قریب تھا کہ ان میں آپس میں ہتھیار چل جائیں۔ آخر اہل الرائے نے یہ مشورہ دیا کہ مسجد حرام کے دروازے سے کل جو سب سے پہلے حضور ﷺ پر نور تشریف لائے۔ سب دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ محمد (ﷺ) ہیں، امین ہیں (قریش آپ ﷺ کو نبوت سے پہلے امین کے لقب سے پکارتے تھے)۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ایک بڑا کپڑا لاؤ۔

چنانچہ کپڑا لایا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود اس کپڑے پر رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلے کا آدمی اس چادر کا ایک ایک پلہ تھام لے اور خانہ کعبہ کے کونے تک لائے۔ جب حجر اسود وہاں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب آدمی مجھے حجر اسود کو کعبہ کے جنوب مشرقی کونے پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنادیں کہ وکیل کا فعل بمنزلہ موکل کے ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس فیصلے سے سب راضی ہوگئے اور اس طرح رکھنے میں بھی سب شریک ہوگئے اور حضور ﷺ کے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھا گیا۔ ← حجر اسود۔

✽ **جویریہ** : اُمّ المؤمنین، رسول ﷺ کی زوجہ محترمہ۔ غزوۂ مریسیع میں قید ہو کر آئیں۔

حضرت جویریہؓ کا اصل نام "برہ" تھا، لیکن حضور ﷺ سے نکاح

ہونے کے بعد تبدیل کر کے "جویریہ" رکھ دیا گیا۔ بنی مصطلق سے تعلق تھا۔ حضرت جویریہ کے والد کا نام حارث بن ابی ضرار حبیب بن عائذ بن مالک بن خزیمہ تھا۔ حارث قبیلہ بنو مصطلق کا سردار تھا اور اسلام کا سخت دشمن۔

ہجرت کے پانچویں سال حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب آنحضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت بریدؓ بن حسیب کو حقیقت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا جنہوں نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اس پر رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو مقابلے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ تمام مسلمان ۲ شعبان ۵ ھ کو مدینہ منورہ سے باہر جمع ہوئے اور مورائیسہ کے مقام پر (جو مدینہ منورہ سے ۹ پڑاؤ پر واقع ہے) خیمہ زن ہو گئے۔ جب مسلمانوں کی لشکر کشی کی اطلاع حارث کو ملی تو اس کے باقی ساتھی تو مسلمانوں سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور خود اس نے کسی نامعلوم جگہ پر پناہ حاصل کی، لیکن مورائیسہ کے مقامی لوگوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور مسلمان لشکر پر تیروں کی بارش کر دی۔ مسلمانوں نے اچانک ایک زبردست حملہ کر کے انہیں پسپائی پر مجبور کر دیا جس کے نتیجے میں دشمن کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا اور قریباً چھ سو افراد قیدی بنا لئے گئے اور دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی مال غنیمت میں ہاتھ آئے۔ ان قیدیوں میں سردار قبیلہ کی بیٹی "برہ" بھی شامل تھیں جنہیں بعد میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا اور آپؓ حضرت "جویریہ" کہلائیں۔

اس زمانے کے دستور کے مطابق قیدیوں کو فاتح فوج کے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت جویریہ، حضرت ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ چوں کہ وہ اپنے قبیلے کے سردار کی صاحبزادی تھیں لہٰذا انہیں یہ بات سخت ناگوار گزری کہ ایسی عالی مرتبت خاتون کو ایک معمولی سپاہی کے سپرد کر دیا جائے۔ انہوں نے حضرت ثابت بن قیس سے درخواست کی کہ وہ انہیں کچھ رقم لے کر آزاد کر دیں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور آزادی کے بدلے ان سے نو اوقیہ سونا طلب کیا، لیکن ان کے پاس فوری طور پر ادائیگی کے لئے کچھ نہ تھا لہٰذا انہوں نے مختلف لوگوں سے چندہ لے کر رقم جمع کرنا شروع کی اور اس سلسلے میں حضور ﷺ کی خدمت میں بھی حاضری دی اور نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں جو اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ آپ ﷺ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہماری قوم کے لوگ اتفاق سے جنگ میں شکست کھا گئے ہیں اور میں بحیثیت قیدی ثابت بن قیس کے حصے میں آئی ہوں جن سے میں رہائی چاہتی ہوں، کیوں کہ میرا رتبہ اور حیثیت اس کی متقاضی ہے۔ کیا آپ ﷺ میرے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرتے ہوئے مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں؟

حضور ﷺ کو ان کی اس عاجزانہ اپیل پر بڑا ترس آیا اور آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ آیا آپ ﷺ اس سے بہتر معاملہ پسند نہ کریں گی؟

انہوں نے اس کی تفصیل دریافت کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ کا تاوان بھی ادا کرنے کو تیار ہوں اور آپؓ سے نکاح بھی، اگر آپ اس کے لئے رضامند ہوں۔ انہوں نے اس کو منظور فرما لیا جس کے بعد رسول ﷺ نے ان کا تاوان ادا کیا اور ان سے نکاح کر لیا۔

یہاں ایک اور روایت بھی بیان کی جاتی ہے جو زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مطابق حضرت جویریہ کے قیدی بنائے جانے کے بعد ان کے والد حارث حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں سردار قبیلہ کی بیٹی ہوں اور دستور کے مطابق سردار قبیلہ کی بیٹی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا لہٰذا انہیں رہا کر دیا جائے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ بہتر نہ ہوگا کہ اس معاملے میں فیصلہ خود قیدی پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنی بیٹی کے پاس گئے اور ان سے حضور ﷺ کا فیصلہ ان پر چھوڑ دینے کا ذکر کرتے ہوئے التجا کی کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جو ان کی بدنامی کا باعث ہو۔ حضرت جویریہ نے جواباً عرض کیا کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ طبقات میں تحریر ہے کہ حضرت جویریہ کے والد نے تاوان کی رقم ادا کی اور اپنی بیٹی کو غلامی سے نجات دلائی۔ ان کے آزاد ہونے کے بعد

حضور ﷺ نے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا۔ اس شادی کی بدولت تمام جنگی قیدی (جن کی تعداد چھ سو کے قریب تھی) مسلمانوں کی قید سے رہا کر دیئے گئے، کیوں کہ انہیں یہ بات پسند نہ آئی کہ جس قبیلے کے فرد سے حضور ﷺ نکاح فرمائیں اس کے افراد کو غلام بنا کر رکھا جائے۔

اس طرح نہ صرف حضرت جویریہ کو ایک اعلیٰ مقام نصیب ہوا بلکہ ان چھ سو افراد کو بھی غلامی سے نجات ملی جو ان کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ بقول حضرت عائشہ، انہوں نے حضرت جویریہ سے زیادہ متبرک خاتون نہیں دیکھیں جن کی برکت سے بنو مصطلق کے ہزاروں خاندان غلامی سے نجات حاصل کر سکے۔

علمی قابلیت اور سیرت

حضرت جویریہ نہایت خوددار اور بلند پایہ خاتون تھیں۔ انہوں نے دوران جنگ قیدی بنائے جانے کے بعد جس طرح اپنی رہائی کے لئے کوششیں کیں وہ ان کی دیدہ دلیری کی مثال ہیں۔ حضرت جویریہ کا مزاج انتہائی خدا پرست تھا اور بیشتر وقت عبادت میں بسر ہوتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ ان کو عموماً نماز پڑھنے میں مصروف پاتے تھے۔

ایک مرتبہ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے حضرت جویریہؓ کو نماز میں مصروف دیکھا۔ آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور دوبارہ جب بہ وقت ظہر تشریف لائے تو ان سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ مسلسل نماز میں مصروف تھیں۔ اس پر انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں چند خصوصی دعائیں سکھائیں جن کی فضیلت نوافل نمازوں سے زیادہ ہے۔

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حضرت جویریہ کثرت سے روزے رکھا کرتی تھیں۔ اکثر احادیث ان سے مروی ہیں۔

حضرت جویریہ کا انتقال ۶۵ سال کی عمر میں ۵۶ھ میں ہوا۔ اس وقت حضرت امیر معاویہ کا دور حکومت تھا۔ مروان بن حاکم نے حضرت جویریہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت جویریہ کو جنت البقیع کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ ⇦ ازواج مطہرات + ازدواجی زندگی + اُمّ المؤمنین + بنو مصطلق + مریسیع، غزوہ۔

ج ہ

✽ جہاد: اسلام کی خاطر لڑی جانے والی جنگ۔ اسلام نے جہاد کے لئے واضح تعلیمات دی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کسی شخص کا خدا کی راہ میں (یعنی اللہ کے دین کی جدوجہد اور اس کی نصرت و حمایت میں) کھڑا ہونا اور کچھ حصہ لینا اپنے گھر کے گوشے میں رہ کر ستر سال نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"

نبی ﷺ نے اسلام کی خاطر جو لڑائیاں کیں ان میں سے بعض میں خود بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ ایسی لڑائی کو "غزوہ" کا نام دیا گیا اور بعض مرتبہ اپنے کسی صحابی کی امارت میں مہم روانہ فرمائی، ایسی مہم کو "سریہ" کہا گیا۔

⇦ غزوہ + سریہ۔

✽ جہینہ: مدینہ کے قریب ایک قبیلہ۔ یہ قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا اور ان کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے دیگر قبائل کی طرح قبیلہ جہینہ سے بھی امن کا معاہدہ کر رکھا تھا۔

⇦ مدینہ۔

ج ی

✽ جیش: فوج کے لئے ایک عربی اصطلاح، لشکر۔ دور نبوی ﷺ میں بھی یہ اصطلاح استعمال ہوتی تھی جیسے کہ ایک معرکے کو "جیش العسرہ" یعنی تنگی کا لشکر کہا گیا۔ ⇦ غزوہ + سریہ

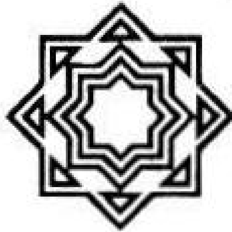
چ

چ ر

* **چراگاہ:** زمین کے وہ حصے جو اس لئے آباد نہ کیے جائیں کہ ان میں جو گھاس اور چارہ پیدا ہو گا اسے ہمارے جانور استعمال کریں گے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں مدینہ منورہ میں ایسا کیا تھا۔ ایک بار نبی کریم ﷺ بقیع میں ایک پہاڑی پر چڑھے اور ایک میدان جس کی مقدار چھے ضرب ایک میل تھی، اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ میری چراگاہ (حمیٰ) ہے۔ اس چراگاہ کو آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے گھوڑوں کے چرنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

چ ی

* **چی چیاشی ازو:** سیرت نبوی ﷺ پر چینی زبان کی پہلی کتاب۔ اس کے مصنف علامہ لیوتشی ہیں۔ علامہ کا سن پیدائش ۱۷۳۵ء ہے۔ اچھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ علامہ کے مطابق، اس کتاب کی تحقیق کے لئے انہیں کافی ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ تقریباً تین سال کی محنت کے بعد ۱۷۸۲ء میں جب یہ کتاب پریس میں پہنچی تو پولیس نے ضبط کر لیا۔ بعد میں چین کے بادشاہ نے اپنے ہی احکامات کے ذریعے کتاب کی ضبطی کے احکامات منسوخ کر دئیے۔ پھر ۱۷۸۵ء میں یہ کتاب شائع ہوئی۔



ح

حا

*** حارث:** نبی کریم ﷺ کے والد گرامی عبداللہ کے بڑے بھائی کا نام۔

⇐ عبداللہ بن عبدالمطلب + آباؤ اجداد نبوی + عبدالمطلب + بچپن محمدؐ۔

*** حارث بن ابی ہالہ:** صحابی اور اسلامی تاریخ کے پہلے شہید۔ جب مکہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہوگئی تو آپ ﷺ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کر دیا۔ یہ کفار کے نزدیک حرم کی سب سے بڑی توہین تھی۔ چنانچہ ہنگامہ کھڑا ہوگیا اور کفار نبی اکرم ﷺ پر ٹوٹ پڑے۔ اس وقت حضرت حارث بن ابی ہالہ (آپ ﷺ کے ربیب) اپنے گھر پر تھے۔ جب ان کو اس واقع کی خبر ہوئی تو حضور ﷺ کو بچانے کے لئے دوڑے ہوئے آئے، لیکن خود حارثؓ پر تلواریں برس پڑیں اور وہ شہید ہوگئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔

⇐ کعبہ + مکہ۔

*** حارث بن اوس:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کی کنیت "ابوالاوس" تھی اور والدہ ہند بنت عتیک بن امرالقیس بن زید بن عبدالاشہل تھیں۔ ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کا سلسلہ مواخات عامر بن ضمیرہ سے قائم کیا تھا۔ انہوں نے ۲۸ برس کی عمر میں غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ کہا جاتا ہے کہ کعب بن اشرف کو قتل کرنے والوں میں حضرت حارث بھی شامل تھے۔

⇐ کعبہ بن اشرف + مواخات۔

*** حارث بن عمیر ازدی:** صحابی رسول اور تاریخ اسلام کے پہلے قاصد جن کو شہید کیا گیا۔ ان کا تعلق ازد نامی قبیلے سے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک بار اسلامی دعوت کا ایک خط بصرہ کے حکمراں شرجیل بن عمر کے نام لکھا اور حضرت حارث کو قاصد بنا کر اس کی طرف بھیجا۔ حضرت حارث یہ خط لے کر ابھی موتہ کے مقام پر پہنچے ہی تھے کہ شرجیل سے ملاقات ہوگئی۔ اسے جب یہ پتا چلا کہ حضرت حارث نبی کریم ﷺ کے قاصد ہیں تو ان کو شہید کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کو جب حضرت حارث کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ کو بہت افسوس ہوا اور زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک لشکر شرجیل کی طرف روانہ کیا۔ یہی موتہ کی لڑائی اس لڑائی میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار وغیرہ شہید ہوئے۔

⇐ موتہ، غزوہ۔

*** حارث، بنو:** ⇐ بنو حارث۔

*** حارث بن نوفل:** صحابی رسول ﷺ، نبی کریم ﷺ کے چچیرے بھتیجے۔ حضرت حارث اور ان کے والد نے غزوۂ خندق سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، لیکن صرف حضرت حارث کے والد نے ہجرت کی۔ چونکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں جدہ کی امارت عطا کی تھی، اس لئے وہ غزوۂ حنین میں شریک نہ ہو سکے۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ ان کو بعد میں بھی اسی عہدے پر مامور کیا گیا تاہم انہوں نے بصرہ میں اپنی رہائش گاہ تعمیر کر لی تھی اور وہیں ستر برس کی عمر میں ان کا انتقال بھی ہوا۔

حضرت حارث کی چار بیویاں تھیں: رملہ، اُمّ زبیر، ریط، اُمّ حارث۔ ان کے لڑکوں میں سعید محمد الاکبر، ربیعہ، عبدالرحمٰن، عینیہ،

محمد الاصغر اور حارث بن حارث تھے۔

⇦ خندق، غزوہ + ہجرت مدینہ + حنین، غزوہ۔

*** حارث بن ہشام:** صحابی رسول ﷺ اور ابو جہل کے بھائی۔ ان کی کنیت "ابوعبدالرحمٰن" تھی اور نسب نامہ حارث بن ہشام ابن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی مخزومی تھا۔ حضرت حارث بن ہشام فتح مکہ کے دوسرے دن مسلمان ہوئے۔ تاہم غزوۂ بدر وغیرہ میں بھی پیچھے پیچھے رہے اور اسلام دشمنی کا خاص ثبوت نہ دیا۔ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں رہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو حضرت حارث نے پچھلی تلافی کا اچھا موقع جانا اور اس لشکر میں شامل ہوگئے۔ حضرت حارث چونکہ بے شمار غریبوں کی کفالت کرتے تھے، اس لئے ان تمام لوگوں نے آبدیدہ ہوکر انہیں جہاد کے لئے رخصت کیا۔ فحل اور اجنادین کے معرکوں میں شجاعت کے ساتھ لڑے۔ جنگ میں جب تمام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے اور مسلمان شہید و زخمی ہوئے تو حضرت حارث بھی زخمی ہوئے۔ طبیعت نڈھال ہوئی تو پانی مانگا۔ پانی لایا گیا، پاس ہی ایک زخمی مجاہد نے بھی پانی مانگا تو وہ پانی خود پینے کے بجائے اس کی طرف بڑھا دیا۔ ابھی یہ گلاس دوسرے مجاہد کے پاس پہنچا ہی تھا کہ تیسرے زخمی مجاہد نے پانی کی درخواست کی۔ دوسرے مجاہد نے پانی پینے کے بجائے تیسرے کی طرف بھجوا دیا۔ پانی تیسرے مجاہد تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ حضرت حارث بڑے ملنسار اور خدا ترس آدمی تھے۔ ان کا ایک لڑکا عبدالرحمٰن تھا۔

⇦ فتح مکہ + حنین، غزوہ۔

*** حارث دمشقی:** مدعی نبوت۔ حارث بن عبدالرحمٰن دمشقی ایک قرشی غلام تھا۔ حصول آزادی کے بعد یاد الٰہی کی طرف مائل ہوا اور بعض اہل اللہ کی دیکھا دیکھی رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگا۔ سد رمق سے زیادہ غذا نہ کھاتا۔ کم سوتا، کم بولتا اور اس قدر پوشش پر اکتفا کرتا جو ستر پوشی کے لئے ضروری تھی۔ اگر یہ زہد و ورع، ریاضتیں اور مجاہدے کسی مرشد کامل کے زیر ہدایت عمل میں لائے جاتے تو اسے قال سے حال تک پہنچا دیتے اور معرفت الٰہی کا نور کشور دل کو جگمگا دیتا، لیکن چونکہ احمد قادیانی کی طرح بے مرشد تھا، اس لئے شیطان اس کا رہنما بن گیا۔

حارث بڑا عابد، ریاضت کش تھا اور نفس کشی کر کے اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرلی تھیں اس سے عادت مستمرہ کے خلاف بعض محیر العقول افعال صادر ہوتے تھے مگر یہ افعال جو محض نفس کشی کا ثمرہ تھے ان کو تعلق باللہ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ مسجد میں ایک پتھر پر انگلی مارتا تو وہ تسبیح پڑھنے لگتا۔ موسم گرما میں لوگوں کو موسم سرما کے پھل، میوے اور جاڑے میں تابستان کے پھل پیش کرتا۔ بعض اوقات کہتا، آؤ میں تمہیں موضع دیر مراں (ضلع دمشق) سے فرشتے نکلتے دکھاؤں۔ چنانچہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ نہایت حسین و جمیل فرشتے بہ صورت انسان گھوڑوں پر سوار جارہے ہیں۔

یہ وہ وقت تھا کہ جب شیاطین ہر روز کسی نہ کسی نوری شکل میں ظاہر ہوکر حارث کو یقین دلا رہے تھے کہ تو خدا کا نبی ہے۔ ایک دن شہر کا ایک رئیس قاسم نامی اس کے پاس آیا اور پوچھا تم کس بات کے مدعی ہو؟ کہنے لگا، میں تو نبی اللہ ہوں۔ قاسم نے کہا، اے خدا کے دشمن! تو جھوٹا ہے۔ نبوت تو خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہوگئی۔ اب کوئی شخص منصب نبوت پر سرفراز نہیں ہوسکتا۔

دمشق جہاں حارث کذاب مدعی نبوت تھا، خلفائے بنو امیہ کا دارالخلافہ تھا اور ان ایام میں خلیفہ عبدالملک دمشق کے تخت سلطنت پر متمکن تھا۔ قاسم نے جھٹ قصر خلافت میں جاکر خلیفہ عبدالملک کو بتایا کہ یہاں ایک شخص نبوت کا دعوے دار ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن حارث اس سے پیشتر دمشق سے بھاگ کر بیت المقدس چلا گیا تھا اور وہاں نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ لوگوں کو اپنی نبوت کی دعوت دے رہا تھا۔

وقت کے خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو حکم دیا کہ "اس کو نیزہ مار کر ہلاک کردو" نیزہ مارا گیا لیکن کچھ اثر انداز نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر

حارث کے پیرو کہنے لگے کہ انبیا کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ خلیفہ نے محافظ سے کہا، شاید تم نے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ نہیں مارا؟ اب کی مرتبہ اس نے بسم اللہ پڑھ کر وار کیا تو وہ بری طرح زخم کھا کر گرا اور جان دے دی۔ یہ ۶۹ ھ کا واقعہ ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے کتاب الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان میں لکھا ہے کہ حارث کی ہتھکڑیاں اتارنے والا اس کا کوئی شیطان دوست تھا اور اس نے گھوڑوں کے جو سوار دکھائے تھے وہ ملائکہ نہیں بلکہ جنات تھے۔

قاضی عیاضؒ "شفاء فی حقوق دار المصطفیٰ" میں لکھتے ہیں کہ "خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حارث کو قتل کرا کے سولی پر لٹکوا دیا۔ خلفاو سلاطین اسلام نے ہر زمانے میں مدعیان نبوت کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے اور علماء معاصرین ان کے اس عمل خیر کی تائید و تحسین کرتے رہے ہیں کیونکہ یہ جھوٹے مدعیان نبوت مفتریٰ علی اللہ ہیں۔ خدائے برتر پر بہتان باندھتے ہیں کہ اس نے ان کو منصب نبوت سے نوازا ہے۔ یہ لوگ حضرت خیر الامام ﷺ کے خاتم النبیین اور لا نبی بعدی ہونے کے منکر ہیں۔ علمائے اُمت اس مسئلے پر بھی متفق ہیں کہ مدعیان نبوت کے کفر سے اختلاف رکھنے والا بھی دائرۂ ملت سے خارج ہے کیونکہ وہ مدعیان نبوت کے کفر اور تکذیب علی اللہ پر خوش ہے۔"

٭ حارثہ بن سراقہ: صحابی رسول ﷺ، انصار میں پہلے شہید۔ قبیلہ بنی خزرج کے خاندان نجار کے ایک فرد، ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے۔ غزوۂ بدر میں سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کو یہی روانہ ہوئے۔ وہاں ایک حوض پر پانی پی رہے تھے کہ کفار میں سے حبان بن العرقہ نے انہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔ گویا یہ انصار میں سب سے پہلے شہید ہیں۔ ہجرت کے وقت نبی کریم ﷺ نے حضرت حارثہ بن سراقہ کا مواخات السائب بن عثمان بن مظعون سے قائم کیا تھا۔ ان کی والدہ اُم حارثہ نبی کریم ﷺ کے خادم انس بن مالک کی پھوپھی تھیں۔ شہادت کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو حارثہ سے میرا تعلق معلوم ہے۔ اگر وہ جنّت میں ہو تو صبر کروں ورنہ جو آپ کی رائے ہو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اُم حارثہ! جنّت ایک نہیں ہے بلکہ بہت سی جنّتیں ہیں اور حارثہ افضل یا اعلیٰ درجے کی فردوس میں ہیں۔

٭ حارثہ بن نعمان: صحابی رسول ﷺ۔ ان کی کنیت "ابوعبداللہ" تھی۔ حضرت حارثہ غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں نبی کریم ﷺ کے ہم رکاب رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے دو بار حضرت جبریل کو دیکھا: ایک بار جب یوم الصورین میں نبی کریم ﷺ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت جبریل وحید بن حنیفہ الکلبی کی شکل میں ہمارے پاس سے گزرے اور انہوں نے ہمیں مسلح ہونے کا حکم کیا۔ دوسری بار موضع الجنائز کے دن کہ جب ہم لوگ واپس حنین آئے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ حضرت جبریل سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے انہیں سلام نہ کیا اور ان کے پاس سے گزر گیا۔ حضرت جبریل نے پوچھا: اے محمد! یہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا یہ یوم حنین میں ان سو صابروں میں سے نہیں ہیں جن کے جنّت میں رزق کا اللہ کفیل ہے۔ اگر یہ سلام کرتے تو ہم انہیں ضرور جواب دیتے۔

آخری عمر میں حضرت حارثہ کی بینائی جاتی رہی۔ انہوں نے اپنی جائے نماز سے حجرے تک ایک ڈوری باندھ رکھی تھی جس کے سہارے نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہ کے دور میں وفات پائی۔

⇦ احد، غزوہ + خندق، غزوہ + حنین، غزوہ۔

٭ حاطب بن ابی بلتعہ: ایک بدری صحابی رسول ﷺ۔ حضرت حاطبؓ دور جاہلیت کے مشہور شعرا میں بھی شمار ہوتے تھے۔ "ابو محمد" اور "ابوعبداللہ" ان کی کنیت تھی۔ یمن میں رہائش تھی۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا اور تمام جنگوں میں حصہ لیا۔

۶ ھ میں نبی کریم ﷺ نے حضرت حاطب کو شاہ مصر مقوقس کے پاس اپنا تبلیغی خط لے کر بھیجا۔ شاہ مصر نے یہ خط پڑھا۔ اپنے پاس حضرت حاطب کو محل میں ٹھہرایا اور ان سے نبی کریم ﷺ کی بابت کچھ

کچھ سوالات کئے۔ پھر ان کے جوابات کی تعریف کی۔ واپسی پر مقوقس نے نبی کریم ﷺ کے لئے بہت سی نایاب اشیا اور تین باندیاں حضرت ماریہ (حضرت ابراہیم کی والدہ) نیز دو اور باندیاں بھی دیں۔ ان ہی سے ایک باندی نبی کریم ﷺ نے حسان بن ثابت کو اور ایک باندی محمد بن قیس عیدی کو ہدیہ کر دی۔

فتح مکہ کے وقت حضرت حاطب ﷺ کو جب نبی کریم ﷺ کے مکہ پر چڑھائی کے ارادے کا معلوم ہوا تو انہوں نے ایک خط مکہ والوں کو اس سے خبردار کرنے کے لئے لکھا اور خاموشی سے ایک عورت کے حوالے کر دیا کہ وہ اس خط کو لے کر مکہ کے سرداروں میں سے کسی کو دے دے۔ نبی کریم ﷺ کو اس واقع کی اطلاع ہوئی۔ حضرت حاطب نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ میں نے یہ خط مرتد ہو کر نہیں لکھا بلکہ صرف اس لئے کہ ایام جاہلیت میں قریش سے میرے بڑے اچھے تعلّقات تھے اور میرے بہت سے رشتے دار مکہ میں مقیم ہیں، میں نے ان کی حفاظت کی غرض سے ایسا کیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ کہتے ہوئے حضرت حاطب کی یہ خطا معاف فرما دی کہ بدری صحابہ کی خطائیں معاف ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں مصر کے گورنر بنائے گئے۔ ۶۵ برس کی عمر میں ۳۰ھ (بمطابق ۶۵۰ء) میں انتقال ہوا۔ حضرت حاطب سخت مزاج، مگر صاف گو آدمی تھے۔

⇦ ماریہ قبطیہ + فتح مکہ + ابوبکر صدیق۔

✽ حاکم: حکمراں، سربراہ، وہ شخص جو فیصلے کرے۔

✽ حاکم نیشاپوری: ایک محدث جو "ابن البیع" کے نام سے بھی مشہور تھے۔ ان کا اصل نام محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن محمد تھا۔ علم حدیث کی تحصیل کے لئے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور تقریباً ۲ ہزار شیوخ سے احادیث سنیں۔ چونکہ کچھ عرصہ قاضی رہے، اس لئے "حاکم" کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ان کی کئی معیاری کتب "تذکرۃ الحفاظ" میں انہیں "محدثین کا امام" بھی کہا ہے۔ ۳۱ ربیع الاول ۳۲۱ھ (بمطابق ۹۳۳ء) کو پیدا ہوئے اور ۳ صفر ۴۰۵ھ (بمطابق ۱۰۱۴ء) میں وفات پائی۔

✽ حامیم بن من اللہ: ایک جھوٹا مدعی نبوت۔ اس کی کنیت "ابومحمد" تھی اور تعلق ریف کے قبیلہ بنوزوال سے تھا۔ اس نے اپنے علاقے ریف (واقع ملک معرب) میں ہزارہا لوگوں کے اعتقاد کو خراب کیا۔ اس نے اسلامی شریعت سے بالکل مختلف ایک آئین جاری کیا۔ وہ صرف دو نمازوں کا کہتا تھا۔ رمضان کے تیس روزے ختم کر کے رمضان کے آخری عشرے کے تین، شوال کے دو اور ہر بدھ اور جمعرات کو دوپہر تک روزہ متعیّن کیا۔ اس نے حج اور زکوٰۃ کا سلسلہ بھی ختم کر دیا۔ خنزیر کو حلال قرار دیا۔ حلال جانوروں کے سر اور انڈوں کو حرام کر دیا۔ اس نے قرآن مجید کے مقابل ایک کتاب بھی بنائی تھی۔ جو آدمی اس آئین کی خلاف ورزی کرتا، اس سے چھے راس مویشی کفارہ یا تاوان وصول کیا جاتا۔

اس کی پھوپھی (تنجیت یا تاتبعیّت) اور بہن (جو) کو بھی پیغمبرانہ درجے حاصل تھے۔ ۳۱۹ھ (بمطابق ۹۳۱) یا ۳۲۹ھ (بمطابق ۹۴۰ء) میں تبخیر کے قریب احواز سے قبیلہ مسمودہ سے ایک لڑائی میں ایک اور جھوٹا نبی عاصم بن جمیل بھی گزرا۔

✽ حب الحزن: غم کا کنواں، غم کا گڑھا۔ یہ ایک جہنّم کا گڑھا ہے جس کا ذکر حدیث میں آتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حب الحزن کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جہنّم میں ایک نالہ ہے جس سے جہنّم بھی دن میں چار سو بار پناہ مانگتی ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا، اس میں کون داخل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو محض دکھاوے کے لئے قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ح ب

✽ حباب بن منذر: صحابی رسول ﷺ۔ ان کی کنیت "ابوعمر" تھی اور قبیلہ خزرج سے تعلّق تھا۔ ہجرت سے پہلے اسلام

قبول کیا اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر میں قبیلہ خزرج کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ اس جنگ کے موقع پر آپؓ نے نبی کریم ﷺ کو جتنی تجاویز پیش کریں، بارگاہ اقدس میں سب قبول کی گئیں۔ حضرت حباب بن منذر شاعر بھی تھے اور ایسے زبردست شاعر کہ لوگ ان کے شعر سن کر اش اش کر اٹھتے۔ علم حدیث کے بھی ماہر تھے اور بیشتر احادیث ان کو یاد تھیں۔ حضرت عمر کے دور خلافت میں پچاس برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

⇦ خزرج + بدر، غزوہ + ہجرت مدینہ + حدیث۔

✽ حبرہ: یمن کی دھاری دار چادر کا عربی نام۔ لباس میں نبی کریم ﷺ کو یہ چادر سب سے زیادہ پسند تھی۔

⇦ متروکات نبوی ﷺ

✽ حبشہ: وہ معروف علاقہ جہاں صحابہ کرام نے کفار مکہ کے ظلم سے تنگ آکر آنحضرت ﷺ کی اجازت سے ہجرت کی۔

حبشہ کا علاقہ یمن کے قریب تھا۔ ظہور اسلام سے بہت پہلے مکہ سے حبشہ کے نہایت قریبی اقتصادی تعلّقات قائم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہودی حکمران ''ذونواس'' نے عیسائیوں پر مذہبی اختلاف کی بنا پر اتنے مظالم کئے کہ حبشہ کے عیسائیوں نے یمن پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن فاتح عیسائیوں کے جرنیلوں کے درمیان حسد و رقابت کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگے۔ اس خونریزی اور جنگ وجدل کے بعد ''ابرہہ'' حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر بن گیا۔ وہ مذہب کے معاملے میں بڑا کٹر اور ہٹ دھرم تھا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جس نے کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کے لئے مکہ پر حملہ کیا تھا، کیونکہ وہ کعبۃ اللہ کو عرب میں عیسائیت کے فروغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتا تھا۔ ابرہہ نے ہاتھیوں کی ایک فوج تیار کر رکھی تھی جسے اس نے مکہ پر حملے کے لیے استعمال کیا۔ قرآن پاک کی سورۃ الفیل (۱۰۵) میں اس واقعے کا ذکر ہے جس وقت یہ سورہ نازل ہوئی تھی ان لوگوں میں سے بہت سے بہ قید حیات تھے جنہوں نے مکہ پر ابرہہ کا حملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ گو یہ لوگ اسلام کے مخالف تھے، مگر انہیں سورۂ فیل کے نفس مضمون کی تردید کی جرات نہیں ہوئی۔ سورۂ فیل میں بتایا گیا ہے کہ اصحاب فیل کو جانوروں کے جھنڈ نے مکمل تباہ کر دیا۔ یہ واقعہ اسی سال رونما ہوا تھا جس سال رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے۔

اس کے بعد جلد ہی ایرانیوں نے یمن پر فوج کشی کی اور حبشہ کی حکومت کے مخالف یمنیوں کی مدد سے حکمرانوں کو مار بھگایا۔

حضور اکرم ﷺ نے جن مختلف حکمرانوں کو خطوط لکھے ان میں حبشہ کا بادشاہ ''نجاشی'' بھی شامل تھا۔ مسلمانوں سے نجاشی کے تعلّقات اس خط سے بہت پہلے سے قائم تھے۔ آنحضور ﷺ کے اعلان نبوت کے کوئی پانچ سال بعد مکہ میں اہل اسلام پر اتنے مظالم ڈھائے گئے کہ انہوں نے ہجرت کر کے سمندر پار حبشہ میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی۔

⇦ ہجرت حبشہ۔

کہا جاتا ہے کہ شاہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا تاہم وہ اپنی رعایا کو قبول اسلام کی ترغیب نہیں دے سکا۔ نجاشی کا قبول اسلام اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ نبی کریم ﷺ نے پڑھائی۔ امام بخاری کے مطابق نجاشی کی وفات کی خبر ملنے پر نبی کریم ﷺ نے شاہ نجاشی کے جانشین کو بھی خط لکھا تاہم اس نے اسلام قبول نہیں کیا، مگر حبشہ کے بہت سے شہری مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں نجاشی کا ایک بیٹا بھی شامل تھا۔ وہ بعد میں مدینہ آ گیا۔

عرب میں حبشہ کے کئی شہری بھی ملتے ہیں۔ موذن رسول ﷺ حضرت بلالؓ کو ''حبشی'' اسی بنا پر کہا جاتا تھا کہ وہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔

⇦ اصحمہ نجاشی + جعفر طیار + مدینہ + مکہ + قریش۔

✽ حبیب بن عمرو: صحابی رسول ﷺ۔ آپؓ ان صحابہ میں ہیں جنہوں نے جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔ پیدل تشریف لے جا رہے تھے کہ دشمن نے وار کر کے شہید کر دیا۔

ح ج

*** حج :** اسلام کا ایک اہم رکن۔ حج کا عمل بارھویں اسلامی مہینے یعنی ذوالحجہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ ۹ ہجری میں حج فرض ہوا اور اس سال رسول ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر تین سو صحابہ کے ساتھ مکہ حج کے لئے بھیجا۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان: جو شخص حج کرے اور اس میں کوئی فحش کام نہ کرے، بے ہودہ حرکت نہ کرے اور اللہ کی نافرمانی نہ کرے تو گناہوں سے ایسا پاک ہو کر واپس آئے گا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بالکل بے گناہ تھا۔"

*** حج مبرور:** مقبول حج۔ احادیث میں یہ لفظ آیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "ایک عمرے سے دوسرے عمرے تک کا کفارہ ہو جاتا ہے، ان کے درمیان کے گناہوں کا...... اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہے۔" (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "حج اور عمرہ پے در پے کیا کرو" کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے لوہار اور سنار کی بھٹی، لوہے اور چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ اور حج مبرور کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔"
(ترمذی، سنن نسائی)

*** حجابتہ :** کعبہ کا ایک عہدہ۔ کعبہ کا نظم و نسق سنبھالنے کے لئے جو محکمے اور منصب قائم کئے گئے تھے ان میں سے ایک حجابتہ بھی تھا جس کا مقصد کعبہ کی کلید برداری اور تولیت تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اس منصب پر عثمان بن طلحہ فائز تھے۔

⇐ کعبہ + مکہ۔

*** حجۃ الوداع :** حج فرض ہونے کے بعد یہ حضور ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اسی موقع پر دین کی تکمیل ہوئی اور قرآن پاک کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی۔ حجۃ الوداع کو سیرت نبوی ﷺ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

حج ہجرت کے نویں سال فرض ہوا تھا۔ اسی سال حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج بنا کر مکہ معظمہ بھیج دیا۔ پھر سورۂ برات کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت علیؓ کو یہ آیتیں دے کر مکہ کی طرف روانہ فرمایا کہ حج کے موقع پر یہ آیات سب کو سنا دی جائیں۔ اس واقع کو اعلان برات کہا جاتا ہے۔ ⇐ برات، اعلان۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم حج

ہجرت کے دسویں سال ذوالقعدہ کے مہینے میں رسول ﷺ نے خود حج کا ارادہ فرمایا۔ یہ خبر مشہور ہوئی تو ہزاروں مسلمان بے تابانہ شرف معیت حاصل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

حضور ﷺ ۲۶ ذوالقعدہ ۱۰ھ (۲۳ اپریل ۶۳۲ء) کو ہفتے کے روز مدینہ منورہ سے چلے اور ذوالحلیفہ میں قیام کیا جو اہل مدینہ کے لئے میقات ہے اور تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر ہے۔ آج کل اس مقام کو "آبادِ علی" کہتے ہیں۔ ۲۷ ذوالقعدہ کو قافلہ نبوی ﷺ ذوالحلیفہ سے چلا اور ان الفاظ میں تلبیہ شروع ہوا:

لبیک لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمت لک و الملک لا شریک لک۔

(ترجمہ: ہم حاضر ہیں۔ اے اللہ تیرے سامنے حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں۔ ہر ستائش صرف تیرے لئے ہے اور ہر نعمت تیری ہے، سلطنت بھی تیری، تیرا کوئی شریک نہیں۔)

راوی بتاتا ہے کہ میں نے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھا، جہاں تک بصارت کام کرتی تھی، آدمیوں ہی کا جنگل نظر آتا تھا۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے لبیک کی صدا بلند ہوتی تو ہر طرف سے اس آواز کی بازگشت آتی۔ اردگرد کے میدان اور پہاڑ گونج اٹھتے۔

اس واقعے کو چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور ہمارے تمام دینی اعمال کی حیثیت اب بڑی حد تک رسمی سی رہ گئی ہے، مگر آج بھی موسم حج میں مکہ معظمہ کی مقدس فضا کے اندر اور اس متبرک مقام کے تمام راستوں پر عازمین حج کا تلبیہ سن کر ہر انسان خدا پرستی کا ایک نادیدہ پیکر

بن جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

۲۷ ذوالقعدہ کو ذوالحلیفہ سے روانہ ہو کر حضور ﷺ منزل بہ منزل ۳ ذی الحجہ (یکم مارچ ۶۳۲ء) کو صرف پہنچے جہاں سے مکہ معظمہ صرف چھے سات میل ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اُم المؤمنین حضرت میمونہ کا مکان تھا۔ وہیں ان کا مزار بنا کر ۴ ذی الحجہ کو اتوار کے دن صبح کے وقت حضور ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ کے طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا۔ پھر سعی کے لئے کوہ صفا پر پہنچے۔ وہاں سے کعبہ نظر آیا تو فرمایا:

لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحیی و یمیت و ھو علی کل شئی قدیر لا الہ الا اللّٰہ وحدہ انجز وعدہ و نصر بدہ و ھزم الاحذاب وحدہ۔

(ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ایک ہے اس کا شریک نہیں، سلطنت اسی کی ہے اور ستائش بھی اسی کے لئے زیبا ہے، وہی جلاتا اور مارتا ہے اور سب چیزوں پر قدرت رکھتا ہے، خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اکیلے تمام گروہوں کو شکست دے دی)

اپنے بندے کی امداد اور اکیلے تمام گروہوں کی شکست پر عرب کے زمین و آسمان زبان سے شہادت دے رہے تھے۔ ۲۳ سال پیشتر رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں تنہا تھے۔ پھر آپ ﷺ کی دعوت پر ایک ایک دو دو آدمی ساتھ ملتے گئے۔ اس مقدس گروہ نے تیرہ سال مکہ معظمہ میں ایسی خوف ناک اذیتیں برداشت کیں جن کا تصور بھی جسموں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ پھر سب کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اس کے باوجود مخالفوں نے انہیں دکھ دینے اور تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ رزم پیکار کی ہر قوت مقدس ترین وجود اور اس کے جاں نثار ساتھیوں کے خلاف بے دریغ استعمال کی گئی۔ آخر ہر قوت ناکام و نامراد ہو کر اسی راستے پر گامزن ہوگئی جو حضور ﷺ نے آغاز نبوت میں پیش کیا تھا۔ کیا یہ اس حقیقت کا زندہ ثبوت نہ تھا کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے مقدس ترین بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام گروہوں کو شکست دے دی۔

رسول اللہ ﷺ نے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو جمعرات کے دن تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔ نویں تاریخ کو جمعہ کے دن صبح کی نماز ادا کر کے عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ عرفات کے کنارے پر ایک مقام "نمرہ" ہے جہاں کمل کے خیمے میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ "قصوا" پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور سواری ہی کی حالت میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہی وہ تاریخی خطبہ حجۃ الوداع ہے جو تاریخ انسانی میں ایک مثالی چارٹر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ⇦ خطبۂ حجۃ الوداع۔

ظہر و عصر کی نماز ادا کر کے پھر میدان میں دیر تک قبلہ رو ہو کر مصروف دعا رہے۔ سورج ڈوبنے لگا تو عرفات سے چلے۔ رات مزدلفہ (مشعر الحرام) میں گزاری اور دسویں ذی الحج کو منیٰ میں پہنچ گئے۔ ایام تشریق منیٰ میں گزارے۔ البتہ دسویں تاریخ کو قربانی کے بعد مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ ۱۳ ذی الحجہ کو بعد زوال منیٰ سے اٹھے اور حنیف بنی کنانہ میں قیام کیا۔ رات کے پچھلے پہر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور مدینہ روانہ ہو گئے۔

⇦ خطبۂ حجۃ الوداع + برات، اعلان + مکہ + کعبہ + مدینہ + میمونہ، ام المؤمنین۔

✽ **حجراسود:** خانہ کعبہ میں نصب ایک نہایت ہی متبرک پتھر۔ اس پتھر کا رنگ کالا (عربی میں کالے کو "اسود" کہتے ہیں) ہونے کی وجہ سے اس کو حجر اسود کا نام دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "رکن اسود" اور "مقام ابراہیم" جنّت کے دو یاقوت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے نور کو نہ بجھاتا تو مشرق و مغرب ان کی تابناکیوں سے جگمگا اٹھتے۔

تاریخی روایات میں اس کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے حجر اسود کو جب دیوار میں نصب فرمایا تو اردگرد اس کی چمک سے منور ہو گئے۔ چنانچہ جہاں تک حجر اسود کی روشنی پہنچی

وہاں تک اللہ رب العزت نے حدود حرم قائم فرمادیئے۔

حضرت قاضی عیاض نے اپنی تصنیف "کتاب الشفا" میں تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رکن اسود کے پاس (مقام ملتزم) پر دعا کرے گا، اللہ رب العزت اس کی دعا قبول فرمائیں گے۔

حجر اسود کی خاصیت یہ ہے کہ اس پر آگ کی حرارت اثر انداز نہیں ہوسکتی، اس لئے وہ ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ نیز نہ وہ پانی میں ڈوبتا ہے بلکہ پانی کی سطح پر خشک لکڑی کی طرح تیرتا رہتا ہے۔

اس پتھر کی تاریخ کچھ اس طرح ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی آسمان سے نازل کیا گیا تھا۔ یہ جنت کا ایک پتھر ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنی ایک نشانی کے طور پر زمین پر اتارا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: یہ پتھر جب آسمان سے نازل ہوا تھا تو دودھ سے زیادہ سفید اور شفاف تھا جو انسان کے گناہوں کا اثر لیتے لیتے سیاہ مائل ہوگیا۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جب بالکل سیاہ ہوجائے گا تو قیامت آجائے گی۔

بعض علما مورخین اس طرف گئے ہیں کہ حجر اسود جنت کا پتھر نہیں بلکہ حضرت جبریل امین علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے جبل ابی قبیس سے لائے تھے۔ نوح علیہ السلام کے وقت خدا کے حکم سے اسے محفوظ کر دیا گیا۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ از سر نو تعمیر فرمایا اور وہ بیت اللہ کی دیواروں کو اس حد تک تیار کر چکے جہاں آج حجر اسود نصب ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پتھر کا ایک ٹکڑا طلب فرمایا تاکہ وہ کعبہ میں لگادیں اور طواف کرنے والے کو علامت معلوم ہوجائے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے فوراً یہ پتھر پیش فرمایا اور حضرت ابراہیم نے اسے دیوار کعبہ میں نصب فرمادیا۔ یہی وہ حجر اسود ہے جو مختلف ادوار اور زمانوں میں ایک دوسرے کی مخالفت کا نشانہ بنتا رہا اور اپنی جگہ قائم چلا آتا رہا۔

ایک زبردست تنازعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ کے بعد جب عرب کے مشہور خاندان قریش نے تعمیر کعبہ کا کام اپنے وقت اور سوچ کے حساب سے جائز مال سے شروع کیا تو حجر اسود نصب کرنے پر زبردست ہنگامہ برپا ہونے لگا۔ مکہ مکرمہ کے ہر خاندان کی دلی خواہش تھی کہ یہ سعادت ہمارے حصے میں آئے۔ اختلاف اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ قتل و قتال کی نوبت آگئی تھی۔ آخر کار کفار مکہ اور خاندان قریش کے بڑے بڑے رہنماؤں کا اجلاس ہوا اور یہ فیصلہ ہوا کہ صبح سویرے جو شخص حرم کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہوگا وہ حجر اسود کے نصب کرنے کا حق دار ہوگا۔ اگلی صبح سرور کائنات، خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ سب سے پہلے حرم کعبہ میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے حجر اسود نصب کرنے سے پہلے اس پتھر کو ایک چادر میں رکھ لیا اور ہر خاندان کو چادر کے کونے پکڑا دیئے اور پتھر کو اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مقدس سے نصب فرمادیا۔ اس طرح مستقبل میں ایک زبردست جنگ چھڑنے کا جو اندیشہ تھا وہ ختم ہوگیا۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی۔

حجر اسود کے خلاف سازشیں

حجر اسود کی تاریخ مکمل اور مدلل لکھی جائے تو ایک اچھا خاصا کتابچہ تیار ہوسکتا ہے۔ تاریخ میں اس کے خلاف سازشوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو عبرت انگیز ہے۔ علما مورخین تحریر فرماتے ہیں کہ مختلف ادوار میں اس جنتی پتھر کو نیست و نابود کرنے کے لئے مختلف سازشیں کی گئی ہیں۔

پہلی سازش: قبیلہ جرہم، عمالقہ، ایاد، قراعہ اور قرامطہ قبائل کے لوگ بارہا اس پتھر کو بیت اللہ سے نکال کرلے گئے تاکہ وہ بیت اللہ کے مدمقابل اس نمونے کا ایک جعلی بیت اللہ تعمیر کر کے یہ پتھر اس میں نصب کرسکیں اور حقیقی بیت اللہ کی اہمیت اور عظمت ختم ہوجائے، لیکن ان کی یہ سازشیں ناکام ہوتی رہیں اور حجر اسود اپنے مرکز سے زیادہ عرصہ کبھی جدا نہ رہا۔ وہ اپنے اصلی مقام پر بہت جلد واپس ہوتا رہا۔

دوسری سازش: حضرت امیر معاویہ کے لڑکے یزید بن معاویہ

جب حاکم تھے اس وقت ان کے حکم سے حصین بن نمیر نے جب عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے کے لئے مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی تو حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سمیت مسجد حرام میں پناہ لی اور دھوپ سے بچانے کے لئے خیمے نصب کئے۔ حصین بن نمیر نے جبل ابی قبیس اور جبل کعبہ سے منجنیق کے ذریعے حضرت عبداللہ اور ان کی فوج پر بمباری کی۔ اس سے کعبۃ اللہ کو شدید نقصان پہنچا کہ کعبہ شریف میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے حجر اسود حادثے کا شکار ہو کر پھٹ گیا اور عظیم سانحہ سے باشندگان مکہ اور خصوصاً حصین کی فوج بہت گھبرائی اور ان پر خوف طاری ہو گیا۔ ایک ماہ بعد محاصرہ ختم کر دیا۔ بعد میں حضرت ابن زبیر نے کعبہ کی نئی تعمیر کی۔

حجر اسود چونکہ آتشزدگی کی وجہ سے پھٹ گیا تھا اور تین ٹکڑے ہو گئے، اس لئے ابن زبیر نے ان ٹکڑوں کو چاندی کے مضبوط پتروں اور تاروں میں جکڑ کر نصب فرما دیا۔

تیسری سازش: تاریخ میں حجر اسود کو ایک بار باہر نکالنے کی سازش ۳۱۷ھ میں ہوئی اور ۸ ذو الحجہ کو ابوطاہر سلیمان بن الحسن قرمطی نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے حجاج کرام کو لوٹا اور خوب خونریزی کی۔ بقول مورخین دیوار کعبہ پر انسانی خون کے نشان تھے۔ بیئر زمزم لاشوں سے بھرا پڑا تھا۔ اس حملے میں سلیمان حجر اسود نکال کر کوفہ لے گیا۔ جامع مسجد کوفہ میں اس نیت سے لگا دیا کہ اب حجاج کا رخ کوفہ کی طرف رہے گا، لیکن خلیفہ ابوالعباس الفضل بن المقتدر نے تیس ہزار دینار کے عوض قرامطیوں سے خرید لیا اور ۳۳۹ھ میں بائیس سال بعد حجر اسود خانہ خدا کی دیوار میں پھر نصب کر دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ جب یہ پتھر جنت میں لایا گیا اس وقت سفید تھا اور انسان کے گناہوں کی وجہ سے یہ سیاہ ہو گیا اور جب بالکل سیاہ ہو جائے گا تو قیامت آ جائے گی۔

حضرت قاضی عزیز الدین بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ۷۰۸ھ میں حجر اسود کو دیکھا تو اس پر سفید دھبا تھا۔ اس کے بعد یہ سفیدی ختم ہوتے ہوتے بالکل جاتی رہی۔

ابن خلیل کہتے ہیں کہ میں نے تین جگہ سفیدی دیکھی جو بتدریج سیاہی میں بدل گئی۔

"حجر" کے معنی "پتھر" اور "اسود" کے معنی سیاہ کے ہیں، اسی لئے اسے حجر اسود کہتے ہیں۔

⇦ ابراہیمؑ + آباو اجداد نبویؐ + عبداللہ بن زبیر + کعبہ۔

✽ حجرۂ ازواج مطہرات: مسجد نبوی سے متصل وہ حجرے جو نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے رہنے کے لئے تعمیر کئے گئے تھے۔ شروع میں مسجد نبوی ﷺ سے متصل دو حجرے تھے۔ ان میں ایک حضرت سودہؓ اور دوسرا حضرت عائشہؓ کے لئے تھا۔ جیسے جیسے اور ازواج آتی گئیں، یہ حجرے یا مکانات بنتے گئے۔ یہ حجرے اینٹوں کے تھے۔ ان کے اندرونی حجرے بھی اینٹوں کے تھے۔ یہ حجرے چھے یا سات ہاتھ چوڑے اور اور دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھولے۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتا تھا۔

ترتیب یہ تھی کہ حضرت اُمّ سلمہ، حضرت اُمّ حبیبہ، حضرت زینب، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ، حضرت زینب بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہ، حضرت صفیہ، حضرت سودہ مقابل جانب تھیں۔ ⇦ مسجد نبوی ﷺ۔

⇦ مسجد نبوی + مدینہ + ام سلمہ + ام حبیبہ + زینب + جویریہ، ام المؤمنین + میمونہ، ام المؤمنین + زینب بنت جحش + عائشہ صدیقہ + صفیہ، ام المؤمنین + سودہ، ام المؤمنین۔

✽ حجیت حدیث: حدیث کی حجت، دلیل۔ حدیث شریف کو کسی اسلامی اصول کے لئے بنیاد، حجت اور دلیل تسلیم کرنا۔ ⇦ اسماء الرجال + تدوین حدیث + حدیث۔

ح د

✽ حدیبیہ: وہ مقام جہاں صلح حدیبیہ ہوئی۔ یہ مقام مکہ سے ۲۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اب اس جگہ پر ایک مسجد حدیبیہ قائم ہے۔

اس کا نیا نام "شمیسی" (ش م ی س ی) ہے۔ ⇦ حدیبیہ، صلح۔

*** حدیبیہ، صلح:** صلح حدیبیہ جسے قرآن مجید نے "فتح مبین" کا نام دیا۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنواں ہے۔ مکے اور مدینے کے درمیان کچھ ڈھائی سو میل کا فیصلہ ہے لیکن حدیبیہ مکے سے فقط دس بارہ میل دور ہے۔ حدیبیہ گاؤں بھی اس کنویں کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ معاہدہ بھی چونکہ اسی جگہ پر ہوا، اس لئے اس صلح نامے کو "صلح حدیبیہ" کہا جاتا ہے۔

یہ وہ کنواں ہے جس کے قریب آنحضرت ﷺ کی زندگی اور تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ پیش آیا تھا جس نے غیر متوقع طور پر مسلمانوں کی تاریخ کا دھارا فتوحات اور دوسری تبلیغی کامیابیوں کی طرف موڑ دیا۔

قرآن پاک نے اس اہم واقعے کے مختلف پہلوؤں کا ذکر فرمایا ہے جس میں اسلامی سپہ سالاروں اور جرنیلوں کی رہنمائی کے لئے بہت کچھ سمو دیا گیا ہے۔ کتب سیرت کے علاوہ قرآن حکیم کی قدیم عربی تفسیروں میں بھی اس کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

قرآن نے مذکورہ بالا واقعے کو انا فتحنا لک فتحا مبینا کے الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو "سورہ فتح" کہتے ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ اے محمد! ہم نے تجھے ایک کھلی اور نمایاں فتح عطا فرمادی۔ قرآن کے الفاظ فتحا اور مبینا دونوں مبالغے کے الفاظ ہیں۔ گویا یہ فتح نہیں بلکہ ایک بہت بڑی اور نمایاں فتح ہے۔

واقعے یا مہم کا آغاز آنحضرت ﷺ کے ایک خواب سے ہوتا ہے جس میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مسلمان مسجد حرام میں داخل ہو گئے ہیں، کعبے کا طواف کر رہے ہیں اور عمرہ ختم کر کے سب نے اپنے سر منڈایا بال ترشوالئے ہیں (یہ عمرے یا حج کا آخری مرحلہ ہوتا ہے)۔

پیغمبروں کے خواب عام لوگوں کے خوابوں کی طرح نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ سچے اور بامعنی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا ایک ذریعہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم خواب ہی میں پایا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں، باپ اور ماں باپ کو ستاروں، سورج اور چاند کی شکل میں اپنی طرف سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا اور حضور ﷺ کا یہ خواب بھی وحی کی ایک صورت تھی۔ جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اپنا خواب سنایا تو وہ اس کا مطلب فوراً سمجھ گئے اور بے حد خوش ہوئے کہ یہ ایک حکم ہے جس کی تعمیل میں ہمیں مکہ جانے اور عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اس خواب کا بیان سننے کے بعد فوراً مکے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

صحابہؓ میں کچھ لوگ تو مہاجر تھے جن کو نہایت تکلیف دہ حالات میں اپنے شہر مکہ سے نکالا گیا تھا اور تقریباً چھ سال سے وہ اپنے آبائی شہر، اس کے گلی کوچوں، اپنے مکانوں کو دیکھنے اور بیت اللہ کی زیارت کے لئے ترس رہے تھے۔ صحابہ میں ایک بڑی تعداد اوس و خزرج کے انصار کی تھی۔ عرب کے دیگر قبائل کی طرح اوس و خزرج کے یہ قبیلے بھی اسلام سے پہلے ہر سال حج کے لئے مکہ جایا کرتے تھے اور ان کا یہی سفر ان کے اسلام قبول کرنے کا باعث ہوا تھا۔ یہ انصاری بھی جاہلیت کے حج کے بجائے اب اسلامی حج ادا کرنے کے بے حد مشتاق تھے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ خواب غزوۂ بنو مصطلق کے دو مہینے بعد اور غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) سے تقریباً ایک سال بعد دیکھا تھا۔ غزوۂ احزاب میں شکست اور ذلت اٹھانے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے دلوں میں انتقام کا جذبہ اور بڑھ گیا تھا۔ مسلمان اس صورت حال سے بے خبر نہ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ وہ اپنے شہر سے ڈھائی سو میل دور اس قوم کے منہ میں جا رہے ہیں جو ان کے خون کی پیاسی ہے اور اگر اتنی دور لڑائی چھڑ جائے تو گویا اپنی ہلاکت اور تباہی کو دعوت دینا ہے۔ دوسری طرف اس بات کا خطرہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت مدینہ خالی چھوڑ کر مکہ کی طرف چلی جائے تو پیچھے یہودیوں کی طرف سے بڑی خرابی ہو سکتی ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی رفاقت میں عمرے کے لئے مکہ جانے کا شوق اس قدر غالب تھا کہ مسلمان مردوں نے ان خطرات کو نظر انداز کر دیا بلکہ ان کی مائیں، بہنیں، اور بیویاں بھی ان کے خطرناک سفر میں مانع نہ ہوئیں۔ صحابہ اور صحابیات کو یقین تھا کہ

یہ ایک نبی کا خواب ہے اور اسے جس طرح آپ ﷺ نے دیکھا اور بیان فرمایا ہے اسی طرح پورا ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے مدینہ کے آس پاس کے قبائل کے لوگوں کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی، مگر چونکہ ایک تو ان میں سے کچھ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اس لئے ان کے ایمان ابھی پختہ نہیں ہوئے تھے، دوسرے، بہت سے لوگ سچے دل سے ایمان ہی نہیں لائے تھے یعنی منافق تھے لہٰذا وہ مسلمانوں کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اصل میں ان لوگوں کا خیال بلکہ یقین تھا کہ یہ مسلمان جب مکہ پہنچیں گے تو قریش سے ان کی ضرور جنگ ہوگی اور طاقتور اہل مکہ اور ان کے حلیفوں کے مقابلے میں وہ ایسے پس جائیں گے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے بیوی بچوں کے پاس زندہ سلامت لوٹ کر نہیں آئے گا۔

قرآن نے منافقوں کے لئے جنہوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا تھا، المخلفون کا لفظ استعمال فرمایا ہے یعنی پیچھے رہ جانے والے۔ غالباً ان کو المنافقون اس لئے نہیں فرمایا کہ ان میں سے بہت سے لوگ بعد میں سچے مسلمان ہوگئے اور مختلف جہادوں میں شریک ہوئے تاہم قرآن نے ان کے دلوں میں چھپی ہوئی بات یہ کہہ کر ظاہر فرما دی ہے:

"تم لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ خدا کا رسول اور (اس کی ساتھ) مؤمن لوگ بھی اپنے اہل وعیال کے پاس (زندہ) لوٹ کر نہیں آئیں گے۔"

آخر تیاریاں مکمل ہوئیں۔ زادراہ اور سواریاں حاصل کر لی گئیں اور مسلمانوں کا یہ قافلہ ذوالقعدہ ۶ ھ کو مکہ کے پُر خطر سفر پر روانہ ہوگیا۔ خواب کے مطابق آنحضور ﷺ نے کسی قسم کا بڑا اسلحہ جیسے نیزے برچھیاں تیر وکمال وغیرہ اپنے ساتھ نہ لئے، صرف تلواریں اپنے سامان میں رکھ لیں، کیونکہ عرب کا قدیم زمانے سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ سال میں تین مہینے ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم محترم مہینے قرار دیئے گئے تھے۔ ان مہینوں میں عرب کے مختلف علاقوں سے لوگ حج کے لئے مکہ آیا اور پھر واپس جایا کرتے تھے۔ ان مہینوں میں ڈاکو اور لٹیرے بھی راستوں سے ہٹ جاتے تھے۔ اس طرح راستے پر امن ہو جاتے تھے تاہم ان لوگوں کو تلواریں اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت ہوتی تھی، اسی لئے آپ ﷺ نے صرف تلواریں ساتھ رکھنے کی اجازت دی تھی۔

ابھی مکہ کے راستے ہی میں تھے کہ آپ ﷺ نے بنو کعب کے ایک ہوشیار شخص کو بطور جاسوس آگے بھیج دیا کہ وہ چوری چھپے جا کر اہل مکہ کے حالات اور ارادے معلوم کر کے اطلاع دے۔

ادھر اہل مکہ بھی بے خبر نہ تھے۔ ان کو پہلے سے اطلاع مل چکی تھی کہ آنحضرت ﷺ ایک کثیر جمعیت کے ساتھ مکہ کی جانب آرہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اطلاع پاتے ہی نہ صرف خود جنگی تیاریاں شروع کر دیں بلکہ مکہ کے قرب وجوار کے حلیف قبائل کو بھی اطلاع دے کر مکہ پہنچنے کی تاکید کر دی۔ وہ لوگ مسلمانوں کے مکہ کے قریب پہنچنے سے پہلے قریش کی مدد کے لئے مکہ پہنچ گئے۔

آنحضرت ﷺ کے جاسوس نے مکہ میں حالات کا پوری طرح جائزہ لیا اور آکر بتایا کہ مکہ والے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور انہوں نے اپنے حلیف قبائل کو بھی بلا بھیجا ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق اس شخص نے یہ اطلاع بھی دی کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ آگے کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔

حضور ﷺ نے یہ اطلاع پا کر اپنا راستہ بدل دیا اور ایک دشوار گزار راستہ اختیار کر لیا تاکہ خالد بن ولید کے دستے سے ان کی مڈبھیڑ نہ ہونے پائے (خالد بن ولید اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے)۔ یوں رسول اکرم ﷺ راستہ بدل کر چلتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ خالد بن ولید کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے راستہ بدل لیا ہے تو وہ واپس مکہ آگئے۔

اس سے پہلے مسلمانوں کا یہ قافلہ جب ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا تھا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ احرام باندھ لیں اور قربانی کے جانوروں کو نشانی کے طور پر قلاوے پہنا دیں۔ مسلمانوں نے حکم کی تعمیل کی۔ معتبر روایت کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ کل ستر جانور

قربانی کے تھے جنہیں قلاوے پہنا دیے گئے اور لبیک، الھم لبیک کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کو قریش کے سرداروں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم جنگ کے لئے نہیں، عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ ہم عمرہ ادا کر کے امن کے ساتھ واپس چلے جائیں گے، مگر قریش نے سخت جواب دیا کہ ہم آپ لوگوں کو مکہ میں ہرگز داخل ہونے نہیں دیں گے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کو اپنا پیامبر بنا کر بھیجا۔

اس دوران میں بنو خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقا اپنے چند آدمیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کس مقصد سے آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ہم عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں۔ امن کے ساتھ عمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔

بات بدیل کے دل میں بیٹھ گئی۔ اس نے واپس جا کر قریش کے سرداروں کو سمجھایا کہ مسلمان عمرے کے لئے آئے ہیں۔ لڑائی کی کوئی نیت نہیں رکھتے۔ عرب کے دستور کے مطابق امن سے عمرہ ادا کرنا ان کا حق ہے، لیکن قریش اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اس پر بدیل اپنے آدمیوں کو لے کر ان سے الگ ہو گیا۔

بدیل کے بعد قریش نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو آنحضور ﷺ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو وہیں سے لوٹ جانے پر مجبور کرے۔ حلیس آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے اسے بھی وہی کچھ فرمایا جو اس سے پہلے بدیل سے کہہ چکے تھے۔ اس نے حالات کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں، لبیک اللہم لبیک کی آوازیں بلند ہو رہیں۔ کسی نے اسلحہ باندھا ہوا نہیں ہے۔ اس نے قربانی کے جانور بھی دیکھ لئے اور اسے بھی یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہیں، سچ فرما رہے ہیں اور ان کا جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ حلیس نے بھی واپس جا کر قریش کو سمجھانے کی کوشش کی کہ مسلمان جنگ کے لئے نہیں بلکہ واقعی عمرے کے لئے آئے ہیں اس لئے ان کو عمرے کی اجازت دے دیں، مگر قریش اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اس پر حلیس بھی اپنے اعراب قبائل کے ساتھ قریش سے الگ ہو گئے۔ گویا قریش کی قوت کا ایک اور ستون ٹوٹ گیا۔

اس سلسلے میں قریش کے ایک اور حلیف اور مدبر عروہ بن مسعود ثقفی کا نام بھی آتا ہے۔ اس کو بھی آنحضرت ﷺ کے پاس اس مقصد سے بھیجا گیا کہ مسلمانوں کو وہیں سے واپس چلے جانے پر آمادہ کرے، لیکن حضور ﷺ نے اس سے بھی وہی باتیں کیں جو اس سے پہلے دوسرے سرداروں سے کی تھیں۔ عروہ بڑا ہوشیار اور جہاندیدہ شخص تھا۔ وہ مسلمانوں کے حالات اور حرکات و سکنات کا جائزہ بھی لیتا رہا اور جب وہ قریش کے پاس واپس گیا تو اس نے ان سے کہا کہ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں، لیکن واللہ میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا جس کے اہل دربار اس پر ایسے فدا ہوں جیسے محمد (ﷺ) کے ساتھی اس پر اپنی جانیں چھڑکتے ہیں۔ یہ لوگ تو محمد (ﷺ) کا تھوک بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ اسے ہاتھوں پر لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں۔ اور جب وہ وضو کرتا ہے تو وضو کا پانی بھی ہاتھوں میں لے کر اپنے بدن اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں۔ اس سے سمجھ جاؤ کہ تمہیں کن لوگوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ پس تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم ان کو عمرہ ادا کرنے سے مت روکو۔ اس سے قریش کچھ نرم پڑ گئے، لیکن اپنی جھوٹی انا کی وجہ سے کہ عرب کے لوگ کہیں گے قریش نے دب کر مسلمانوں کو اپنے شہر میں داخل ہونے دیا۔ اس پر عروہ بن مسعود ثقفی بھی ان سے جدا ہو گیا۔

ادھر قریش کے حلیف لوگوں کے سردار مسلمانوں کے پاس آجا رہے تھے، ادھر قریش کی مسلح ٹولیاں چوری چھپے مسلمانوں کے خیموں کی طرف جاتیں۔ ان میں سے بعض کو مسلمانوں نے گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے معمولی پوچھ گچھ کے بعد ان کو رہا کر دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں بغیر کسی فدیئے کے رہا کر کے ایک طرف تو ان گرفتار شدگان کو ممنون احسان کیا اور دوسری طرف اہل مکہ کو اس بات کا ثبوت مہیا کر دیا کہ ہم لڑنے نہیں آئے بلکہ امن کے ساتھ عمرہ کرنے آئے ہیں۔

قریش اگرچہ اپنے حلیف قبائل کے سرداروں کی یکے بعد دیگر ناکامی اور ان کے الگ ہوجانے کی وجہ سے خاصے ڈھیلے پڑگئے تھے، لیکن جب حضرت عثمانؓ ان کے پاس پہنچے تو ابان سعید نے ان کی امان دی اس طرح ان کا کام آسان ہوگیا، لیکن قریش اپنی اس ضد پر اڑے رہے کہ وہ مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ آپ خود عمرہ ادا کرلیں، مگر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ واللہ جب تک رسول ﷺ عمرہ نہیں کریں گے میں بھی عمرہ نہیں کروں گا۔ اس پر انہوں نے حضرت عثمان کو اپنے پاس روک لیا۔

آنحضرت ﷺ اور دیگر صحابہ کرام، حضرت عثمان کی واپسی کا انتظار کررہے تھے۔ جب ان کی واپسی میں ضرورت سے زیادہ وقت لگ گیا تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ اس وقت کسی نے یہ بات اڑادی کہ حضرت عثمان کو قتل کردیا گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی اور وہ سخت مشتعل ہوگئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ اب جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ تب آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں میں بیعت کا اعلان کرادیا۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے مسلمانوں سے ایک ایک کرکے بیعت لینا شروع کردی۔ اکثر مفسرین اور اہل سیر کا قول یہ ہے کہ بیعت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ صرف ایک شخص جد بن قیس نے بیعت نہیں کی۔ یہ شخص منافق تھا۔ اس بیعت کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر کہا کہ یہ ہاتھ عثمانؓ کے لئے ہے اور ان کی طرف سے بیعت کرلی۔

قرآن پاک نے اس بیعت کا ذکر یوں فرمایا ہے: لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرہ (یقیناً اللہ مؤمنوں سے راضی (خوش) ہوگیا جس وقت وہ ایک درخت کے نیچے (اے محمدؐ) تیری بیعت کررہے تھے) (فتح: ۱۸) اسی وجہ سے اس کو "بیعت رضوان" کا نام دیا گیا ہے۔

⇦ بیعت رضوان + عثمان بن عفان۔

قریش کو جب ان کے آدمیوں نے مسلمانوں کی اس بیعت اور تادم مرگ لڑنے کے عزم کی خبر پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے قریش کو اس سے ایسا مرعوب کردیا کہ ان کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ فوراً صلح پر آمادہ ہوگئے اور انہوں نے نہ صرف حضرت عثمان کو رہا کردیا بلکہ اپنے ایک قابل اعتماد مدبر اور تجربہ کار شخص سہیل بن عمرو کی سرکردگی میں اپنے آمیوں کا ایک وفد بھیجا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے مذاکرات کریں اور صلح کی شرائط طے کرکے معاہدہ کرلیں۔

آنحضور ﷺ نے جب سہیل اور اس کے ساتھیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو صحابہ سے فرمایا کہ اب صلح کا کام آسان ہوجائے گا۔ سہیل اور نبی کریم ﷺ کے درمیان مذاکرات ہوئے اور اس کے نتیجے میں صلح نامہ لکھا جانے لگا۔ آپ ﷺ نے صلح نامہ یا عہد نامہ لکھنے کے لئے حضرت علی کو بلایا اور فرمایا، لکھو بسم اللہ الرحمان الرحیم!

اس پر سہیل نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ اس کے بجائے وہ الفاظ لکھو جو ہم میں رائج ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی بات منظور فرمائی اور حضرت علی سے فرمایا، لکھو باسمک اللّٰھم!

یہ ابتدائیہ کلمہ عرب میں زمانہ جاہلیت سے رائج تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس میں کوئی قباحت نہ دیکھی، اس لئے یہی لکھوادیا اور پھر حضرت علی سے فرمایا کہ لکھو ھذاما قاضی علیہ محمد رسول اللہ وسھیل بن عمرو .... اس پر بھی سہیل نے اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو خدا کا رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کس بات کا تھا، اس لئے عام قاعدے کے مطابق "محمد بن عبد اللہ" لکھو!

آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں خدا کا رسولؐ ہوں اور تم مجھے جھٹلاتے ہو!

نبی کریم ﷺ چونکہ بہ ہرصورت اس عہد نامے کی تکمیل چاہتے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے "محمد رسول اللہ" کے بجائے "محمد بن عبد اللہ" لکھنے کو فرمایا، مگر حضرت علی نے کہا کہ میں ان الفاظ کو مٹانے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے خود اپنی انگلی سے یہ الفاظ مٹادیئے اور حضرت علی سے "محمد بن عبد اللہ" لکھنے کو فرمایا۔

صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط کو مفسرین اور اہل سیر نے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے۔ بعض نے اسے آٹھ شرطوں میں تقسیم کیا ہے، بعض نے چار میں اور بعض نے تین ہی شرطوں میں سمو دیا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو شرطوں میں کوئی فرق نہیں۔ صرف انداز بیان جدا جدا ہے۔ بہرحال یہ شرطیں حسب ذیل ہیں:

① فریقین میں دس برس تک صلح رہے گی۔ یعنی ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔

② قبائل میں جو چاہے محمد (ﷺ) کے ساتھ عہد نامے میں داخل ہوسکتا ہے اور جو چاہے قریش کے ساتھ عہد نامے میں داخل ہوجائے۔

③ اگر اہل مکہ میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے ساتھ جانا چاہے تو اسے ساتھ نہیں لے جایا جائے گا، لیکن اگر محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص مکہ آنا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔

④ مکہ کا کوئی شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں سے بھاگ کر مکہ آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

⑤ مسلمان اس سال عمرہ نہیں کریں گے، لیکن ان کو اگلے سال عمرے کی اجازت ہوگی۔ مسلمان اپنے ساتھ سوائے تلواروں کے اور کوئی اسلحہ نہیں لائیں گے اور صرف تین دن مکہ میں قیام کریں گے۔

عہد نامہ کی ان شرائط میں سے آخری تین واضح طور سے مسلمانوں کے مفاد کے خلاف معلوم ہوتی ہیں، اس لئے مسلمانوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی مگر حضور ﷺ نے انہیں خاموش رہنے کو فرمایا جس پر وہ خاموش تو ہوگئے، لیکن دل ان شرائط پر سخت رنجیدہ تھے اور جب یہ آخری شق لکھی گئی تو حضرت عمر اس پر ضبط نہ کر سکے اور پھر آنحضرت ﷺ سے انہوں نے عرض کی:

یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ خدا کے برحق رسول نہیں ہیں؟

حضور ﷺ: کیوں نہیں!

عمرؓ: کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟

حضور ﷺ: کیوں نہیں!

عمرؓ: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں ہیں؟

حضور ﷺ: کیوں نہیں!

عمرؓ: تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ (احرام باندھ لینے کے بعد) بغیرہ عمرہ کئے واپس چلے جائیں؟

حضور ﷺ: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور اللہ مجھے ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ میرا مددگار ہے۔

حضرت عمرؓ کی تسلی اس پر بھی نہیں ہوئی۔ پھر یہی سوالات انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے بھی کئے۔ انہوں نے بھی ان کو سمجھایا کہ آنحضرت ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں، ٹھیک ہی کرتے ہیں۔

ابھی حضرت عمر اور دیگر صحابہ اسی کشمکش میں تھے کہ اس جلتی پر تیل کا ایک زبردست چھینٹا یہ آن پڑا کہ عین اس وقت جب یہ عہد نامہ لکھا گیا اور ابھی اس کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی ایک دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آگیا۔ اسی سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندل اسلام لا چکے تھے اور اس جرم میں انھیں ان کے باپ نے پابہ زنجیر کر کے رکھا تھا اور اس پر آئے دن سختیاں اور ظلم ڈھاتا رہتا تھا۔ ابوجندل کسی طرح قید سے بھاگ کر مسلمانوں کے اس مجمع میں پہنچ گئے۔ سہیل نے جب وہاں بیٹے کو دیکھا تو پکارا اٹھا کہ یہ پہلا شخص ہے جسے آپ ﷺ نے اس عہد نامہ کی رو سے ہمارے حوالے کرنا ہے۔

مکہ اور مدینہ کے درمیان کچھ ڈھائی سو میل کا فاصلہ ہے، لیکن حدیبیہ مکہ سے فقط دس بارہ میل دور ہے۔ ذرا اس منظر کا تصور کیجئے کہ ایک طرف مسلمان جمع ہیں دوسری طرف عہد نامہ لکھنے لکھانے والے مشرکین مکہ بیٹھے ہیں۔ عین اس وقت ایک مسلمان قیدی نہایت قابل رحم حالت میں پاؤں میں زنجیریں پہنے مسلمانوں کے پاس آپہنچتا ہے۔ قریش (جن کا سردار خود اس قیدی کا باپ ہے) مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے اس قیدی کو ہمارے حوالے کیا جائے (تاکہ وہ اسے مکہ واپس لے جا کر مزید ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں) اور یہ قیدی اپنے جسم کے زخم دکھا

دکھا کر جو ان لوگوں کے مظالم اور ستم کاریوں کی گواہی دے رہے ہیں، دہائی دے رہے ہیں کہ مجھے ان ظالموں کے حوالے نہ کرو! لیکن عہد نامے کی ایک شرط کی پابندی پر مجبور ہے۔ آپ ﷺ نے ابو جندل کو ان مشرکوں کے حوالے کر دیا اور ابو جندل سے فرمایا: ابو جندل صبر سے کام لو! اللہ تمہاری اور تمہارے جیسے دوسرے قیدیوں کی رہائی کی کوئی اور سبیل نکال دے گا۔"

مسلمان اس عہد نامے کی بعض شرائط پر پہلے ہی کشمکش میں تھے۔ اس واقعے نے انہیں اور بھی حزن وملال میں ڈبو دیا۔ ارشاد نبوی ﷺ کے آگے وہ خاموش تو ہو گئے، لیکن ان کے دل کی کھٹک ایسی آسانی سے کہاں نکل سکتی تھی! ایک طرف یہ سخت شرائط اور پھر ایک یہ ناقابل برداشت منظر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دوسری طرف اطاعت رسول ﷺ! ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے، لیکن اللہ کا پیغمبر برحق جو کچھ کر رہا تھا اللہ کے حکم کے مطابق کر رہا تھا۔ آگے چل کر واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس عہد نامے کی ایک ایک شق ایک ایک شرط کے نتائج مسلمانوں کے لئے کس قدر مفید اور کارآمد نکلے۔ عہد نامہ مکمل ہو گیا۔ سہیل اور اس کے ساتھی ابو جندل کو پابہ جولاں اپنے ساتھ لے کر رخصت ہو گئے۔ مسلمانوں پر ایک سناٹا چھایا رہا۔ وہ سر جھکائے بیٹھے رہے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: اٹھو! اب یہیں اپنی قربانیاں کر دو اور احرام کھول دو۔

لیکن اس فرمان پر کوئی جگہ سے نہ اٹھا۔ حضور ﷺ نے اس حکم کو تین مرتبہ دہرایا، لیکن لوگ ایسے حزم وملال میں ڈوب گئے تھے کہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

ان لوگوں کے غم واندوہ کا اندازہ اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جو اپنے پیغمبر کے ادنیٰ سے اشارے پر جانیں نچھاور کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور جنہوں نے ابھی ابھی آپ ﷺ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ کی خاطر خوشی خوشی بیعت کی تھی، مگر اب تین بار حکم دہرانے پر بھی وہ حرکت میں نہ آسکے۔ آپ ﷺ نے اس کیفیت کا اندازہ کر لیا اور اٹھ کر اپنے خیمے میں چلے گئے۔ لوگ وہیں بیٹھے رہے۔

آنحضرت ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب بھی کسی غزوے یا سفر پر جاتے، اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے جس کا نام نکل آتا اس کو سفر میں ساتھ لے لیتے۔ اس سفر کی قرعہ اندازی میں اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا نام نکلا تھا۔ وہی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ جب آپ ﷺ خیمے میں داخل ہوئے تو حضرت اُمّ سلمہ نے اس پریشانی کا سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے سارا قصہ بیان فرما دیا۔ اس پر حضرت اُمّ سلمہ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ اس وقت مسلمانوں کے دل غم سے نڈھال ہیں۔ آپ ﷺ یوں کیجئے کہ ان سے کچھ نہ کہئے، خود جا کر اپنی قربانی کر دیجئے۔ احرام کھول دیجئے اور بال منڈا (یا ترشوا) لیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس مشورے پر عمل کیا۔ باہر گئے، قربانی کر دی، احرام کھول دیا اور بال منڈوا (یا ترشوا) لئے۔

مسلمانوں نے جب آپ ﷺ کے اس عمل کو دیکھا تو وہ بھی اٹھے اور سُنّت نبوی ﷺ کی پیروی میں قربانیاں بھی کر ڈالیں، احرام بھی کھول دیئے اور پھر بعض نے اپنے سر منڈوائے اور بعض نے ترشوائے۔

اس کے بعد واپسی عمل میں آئی۔ جب یہ قافلہ واپسی کے سفر میں کراع الغمیم کے مقام پر پہنچا تو سورۂ فتح نازل ہوئی: فتحنالک فتحا مبینا۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ آیتیں سنائیں تو وہ بے حد خوش ہوئے اور ان کے دلوں کا سارا غم وحزن دور ہو گیا۔

قدیم مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس فتح مبین سے کیا یا کون سی فتح مراد ہے۔ اکثر وبیشتر مفسرین نے اس سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے۔ اگرچہ اس وقت حدیبیہ کے عہد نامہ میں فتح کی کوئی ایسی علامت موجود نہ تھی، لیکن قیام حدیبیہ ہی کے دوران میں حالات نے جس طرح پلٹا کھایا وہ نہایت تعجب خیز ہے۔

جنگ کے دوران یا بغیر جنگ کے بھی کوئی صلح کا معاہدہ عموماً اس صورت میں طے پاتا ہے جب دونوں فریق برابر کی ٹکر کے ہوں یا دونوں کا مفاد اس صلح میں ہو ورنہ صلح محال ہوا کرتی ہے۔ زور آور یا

طاقت ور فریق صلح نہیں کیا کرتا، اپنی شرائط منوایا کرتا ہے۔ یہاں طاقت ور فریق کی طرف سے صلح کی درخواست ایک انہونی بات ہے؟ یہ صلح آنحضرت ﷺ کے حسن تدبر اور ماہرانہ جنگی حکمت عملی کی وجہ سے عمل میں آئی۔ اسی لحاظ سے اسے مسلمانوں کی ایک عظم فتح کہہ سکتے ہیں اور بعد میں مسلمانوں کو اس معاہدے کی وجہ سے جو فائدے اور فتوحات حاصل ہوئیں ان کے پیش نظر اسے فتح مبین کہنا بالکل بجا ہے۔

بہت سے مفسرین نے اس فتح مبین سے خیبر کی فتح مراد لی ہے۔ بلاشبہ خیبر کی فتح بھی ایک عظیم فتح تھی، لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ فتح بھی صلح حدیبیہ ہی کے طفیل حاصل ہوئی۔ غزوۂ خیبر کی تفصیل کے لئے دیکھئے خیبر، غزوہ۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود مسلمانوں کی تعداد چودہ سو (یا پندرہ سو) تھی، مگر یہ مسلمانوں کی کل تعداد نہیں تھی۔ مسلمانوں کا صحیح شمار غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا تھا جو خندق کھودتے وقت ان کے تین ہزار آدمی اس کام میں لگے ہوئے تھے تاہم صلح حدیبیہ کو ابھی دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو مکہ پر لشکر کشی کرنا پڑی تو اس وقت دس ہزار مجاہد آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔

صلح حدیبیہ کی بدولت ہی آنحضرت ﷺ نے امن واطمینان کے ساتھ عرب کے روسا اور بڑے بڑے بادشاہوں کے نام وہ تاریخی خطوط ارسال فرمائے جو ان دور دراز علاقوں اور ملکوں میں اسلام کی پہلی دعوت اور پہلی پکار تھی جس پر بعض نے لبیک کہا اور بعض نے انکار کیا۔ یوں اسلام کے لئے راہیں کھل گئیں۔

اس عہد نامے کے مطابق مسلمان اگلے سال یعنی ۷ ھ میں عمرے کے لئے گئے۔ اب کے ان کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ اہل مکہ نے ان کی آمد پر شہر خالی کر دیا۔ مسلمان تین دن تک نہایت امن، عزت، وقار کے ساتھ وہاں رہے اور پھر واپس چلے گئے۔ اس طرح حضور ﷺ کا خواب جو ایک وحی تھا، پورا ہوا۔

✽ حدیبیہ، غزوہ: غزوۂ حدیبیہ، صلح حدیبیہ کا دوسرا نام۔
⇦ حدیبیہ، صلح۔

✽ حدیث: رسول ﷺ کا قول، فعل اور تقریر۔

حدیث کو "خبر" بھی کہتے ہیں، لیکن بعض علما نے حدیث صرف اس روایت کو کہا ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ وتابعین سے منقول ہو اور خبر وہ قرار دی گئی جس میں بادشاہوں اور گزشتہ زمانوں کی خبریں ہوں۔

چنانچہ جو لوگ حدیث وسنت کی تحقیق وجستجو میں مصروف ہوئے انہیں محدث اور جو لوگ خبر میں مشغول ہوئے انہیں "اخباری" کہا جاتا ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک اصطلاح میں حدیث کا اطلاق رسول ﷺ کے قول وفعل اور تقریر پر ہوتا ہے۔ "تقریر" کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص نے رسول ﷺ کی موجودگی میں کچھ کیا یا کہا اور آپ ﷺ نے اس کا انکار کیا اور نہ منع فرمایا بلکہ آپ ﷺ خاموش رہے اور اسے قائم رکھا۔ اسی طرح صحابی اور تابعی کے قول، فعل اور تقریر پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو حدیث اسناد کے سلسلے سے ہوتی ہوئی نبی کریم ﷺ تک پہنچے اسے "مرفوع" کہتے ہیں۔ اور جو حدیث کسی صحابی تک پہنچے اس کو موقوف کہتے ہیں۔ اور جو حدیث تابعی تک پہنچے اسے "مقطوع" کہا جاتا ہے۔ بعض علمائے حدیث نے صرف "مرفوع" اور "موقوف" کو حدیث میں شمار کیا ہے۔

حدیث کا نبی کریم ﷺ تک پہنچنا (رفع) کبھی تو صریحاً ہوتا ہے اور کبھی حکماً ہوتا ہے۔ قولی میں صریحاً کو مثال جیسے کسی صحابی کا فرمانا کہ میں نے رسول ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا یا صحابی یا غیر صحابی کا فرمانا کہ رسول ﷺ نے اس طرح فرمایا یا پھر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح فرمایا اور فعلی میں صریحاً کی مثال جیسے صحابی کا یہ فرمانا کہ میں نے رسول ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا یا آپ ﷺ نے اس طرح کیا یا کسی صحابی سے مرفوعاً روایت ہے۔ یا اسے مرفوع کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کیا۔

تقریر میں صریحاً کی مثال جیسے صحابی یا غیر صحابی کا کہنا کہ فلاں شخص نے یا ایک شخص نے رسول ﷺ کی موجودگی میں اس طرح کیا اور آپ ﷺ کی موجودگی میں اس طرح کیا اور آپ ﷺ کے انکار کا تذکرہ نہ ملے۔ حکماً کی مثال جیسے صحابی کا گزرے ہوئے حالات کے متعلق خبر

دینا جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور وہ صحابی اگلی کتابوں کے متعلق بھی خبر نہ رکھتے ہوں۔ مثلاً انبیا کی خبریں، پیشین گوئی، جنگیں، احوال قیامت اور فتنوں کے متعلق یا کسی فعل خاص کی جزا و سزا کے متعلق خبر دینا کہ ان میں بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا۔ یا صحابی کوئی ایسا فعل کریں جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ یا صحابی خبر دیتے ہوں کہ وہ رسول ﷺ کے زمانے میں اس طرح کرتے تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگی اس حال میں کہ وحی کے نازل ہونے کا سلسلہ قائم تھا یا صحابی فرماتے ہوں کہ سُنّت اس طرح پر ہے اور ظاہر ہے کہ سُنّت سے مراد سُنّت رسول ﷺ ہی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ سُنّت صحابہ اور سُنّت خلفائے راشدین کا بھی احتمال رکھا ہے، اس لئے کہ سُنّت کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔ (⇐ تدوین حدیث)

اہم اصطلاحات و معلومات

سند کے اعتبار سے احادیث کی مشہور اقسام: احادیث کو سند کے اعتبار سے تقسیم کریں تو اس کی کم از کم دو قسمیں ہوتی ہیں یعنی روایات جس سند سے ہم تک پہنچ رہی ہیں وہ متواتر ہوتی ہیں یا آحاد۔ پھر ان دو بنیادی انواع کی مختلف اقسام ہیں۔

حدیث متواتر: ایسی خبر جس کو اتنی تعداد میں لوگ نقل کریں کہ ان سب کا کسی جھوٹ پر متفق ہونا عادتاً ممکن نہ ہو۔ یا وہ حدیث یا روایت جس کی سند کے تمام طبقات میں نقالین کی تعداد اس قدر کثیر ہو کہ عقل کے فیصلے کے مطابق عادتاً ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب اس حدیث کو گھڑنے پر متفق ہو جائیں گے۔

حدیث متواتر کی پانچ قسمیں ہیں:

● متواتر لفظی (وہ حدیث جس کے الفاظ متواتر ہوں یعنی تمام راویوں کے الفاظ بھی ایک رہے ہوں، اگرچہ اس طرح کی احادیث نہ ہونے کے برابر ہیں)

● متواتر معنوی (وہ حدیث جس کے مفہوم و مطلب متواتر ہوں۔ اس طرح کی احادیث کی تعداد کافی زیادہ ہے)

● متواتر عملی (وہ حدیث جس کے حکم پر ہر دور میں ایک بڑی جماعت عمل پیرا رہی ہو)

● متواتر طبقہ (وہ خبر جسے ایک مخصوص نسل اپنے سے پہلی نسل اور طبقے سے نقل کرے)

● متواتر استدلالی (وہ حدیث جس کے دلائل و احکام متواتر ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی چیز کے متعلق اتنے دلائل ہوں کہ ان کا مجموعہ اس کے حق میں قطعیت کا فائدہ دے)

حدیث واحد (آحاد): یہ لفظ "احد" سے بنا ہے جس کے معنی ہیں، ایک یعنی جس حدیث کو روایت کرنے والا راوی ایک (واحد) ہو۔ اگرچہ راوی ایک سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں، لیکن اصح قول کے مطابق خبر واحد وہ ہے کہ جو متواتر کی شرائط پر پوری نہ اترتی ہو۔ ایسی حدیث غالب ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ خبر واحد کو قوت و ضعف کے اعتبار سے اس طرح تقسیم کیا گیا ہے:

(الف) — خبر مشہور: یہ حدیث کی بنیادی اقسام میں سے تیسری اور آخری قسم ہے (صرف احناف کے نزدیک جب کہ جمہور محدثین کے نزدیک خبر یعنی حدیث کی صرف دو اقسام ہیں۔ اول خبر متواتر اور دوم خبر واحد یا آحاد)۔

محدثین کے مطابق "خبر مشہور" ایسی حدیث ہے جس کے ابتدا میں چند روای ہوں اگرچہ بعد کے ادوار میں اس سے زیادہ ہوگئے ہوں اور تواتر کی حد کو نہ پہنچے ہوں۔ اسی طرح اس حدیث کے ناقل عہد صحابہ میں تین سے کم رہے ہوں اور بعد کے زمانے میں اس سے زیادہ ہوگئے ہوں۔ امت میں بھی یہ حدیث مقبول اور شہرت کی حامل ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث مشہور کے دائرے میں آجاتی ہیں: ایسی احادیث جنہیں سند واحد کے ساتھ نقل کیا گیا ہو۔ ایسی احادیث جو مختلف اسناد کے ساتھ منقول ہوں۔ ایسی احادیث جن کی کوئی سند موجود نہ ہو۔

(ب) — خبر عزیز: خبر عزیزہ وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں راوی دو سے کم نہ ہوں۔

(ج) — خبر غریب: محدثین کے مطابق خبر غریب ایسی احادیث کو کہتے

ہیں جن کو صرف ایک راوی روایت کرتا ہو خواہ اس طرح وہ سند کے تمام طبقات میں ہو یا چند طبقات میں یا صرف ایک طبقے میں، ہر صورت میں وہ حدیث غریب یا خبر غریب کہلاتی ہے حدیث عزیز اور غریب کا حکم: اکابر اہل تحقیق کے مطابق حدیث غریب عام طور پر مجروح ہوا کرتی ہے۔ اس کا صحیح اور معتمد ہونا ضروری نہیں، جس طرح حدیث مشہور کا شہرت کی حامل ہونے کی وجہ سے معتمد بھی ہونا کوئی یقینی نہیں۔

خبر مقبول: وہ حدیث ہے جس میں سچائی کا احتمال غالب یعنی اس کا صدق و ثبوت راجح ہو۔ ایسی حدیث کو معروف، ثابت، صالح، قوی اور جید بھی کہتے ہیں۔ خبر مقبول خبر آحاد ہی کی ایک قسم ہے۔ آحاد کی دوسری قسم خبر مردود ہے۔

خبر مقبول کی بھی دو قسمیں ہیں:

1. حدیث صحیح۔
2. حدیث حسن۔

پھر ان دونوں (صحیح اور حسن) کی بھی مزید دو دو اقسام ہیں:

(الف) — صحیح لذاۃ

(ب) — حسن لذاۃ

(ج) — صحیح لغیرۃ

(د) — حسن لغیرۃ۔

اس طرح اس خبر مقبول کی کل چار اقسام ہو گئیں۔

حدیث صحیح: یہ وہ احادیث ہیں جن کی ابتدا سے لے کر انتہا تک یعنی جو واسطہ اخیر سند تک عادل و ضابط راویوں سے متصلاً مروی ہو اور ہر قسم کی شذوذ اور علت اس میں نہ پائی جاتی ہوں۔ آئمہ حدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ خبر صحیح دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے اور کسی کو اس سے روگردانی کرنا جائز نہیں بلکہ اس پر عمل درآمد ضروری ہوتا ہے۔ علمائے حدیث کے مطابق مندرجہ ذیل امور کا صحیح حدیث میں ہونا ضروری ہے:

(الف) — حدیث میں سند متصل ہو یعنی سند میں شروع سے لے کر آخر تک راوی اپنے اور اوپر والے راوی یا شیخ سے براہ راست روایت کو حاصل کر رہا ہو۔

(ب) — ہر راوی کا مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ عاقل و بالغ اور متقی ہونا ضروری ہے۔ وہ اس کے علاوہ فسق کا مرتکب نہ ہوا ہو۔

(ج) — راوی پورے حفظ وضبط کے ساتھ حدیث کو روایت کرے۔ یعنی حدیث حاصل کرنے کے بعد اسے محفوظ کرنے کا پورا اہتمام کرے یہ حفظ وضبط اپنی یاداشت کی بنا پر ہو یا وہ اسے کسی جگہ تحریر کر لے۔

(د) — راوی خود ثقہ ہو اور اپنے سے زیادہ ثقہ و عادل راوی کی مخالفت نہ کرے۔

(ح) — حدیث ظاہری صحت کے ساتھ ساتھ ایسے مخفی عیب سے بھی پاک ہو جو صحت حدیث پر اثر انداز ہو۔

حدیث حسن: یہ وہ حدیث ہے جس کی اسناد شروع سے لے کر آخر تک ہر قسم کی شذوذ اور علت سے پاک ہو اور اسے متصلاً ایسے راویوں نے روایت کیا ہو جن کا ضبط کچھ کمزور ہو۔ حسن روایات قوت میں کمتر ہونے کے باوجود شرعاً حجت و دلیل ہونے میں صحیح کے برابر ہیں۔

صحیح لغیرہ: یہ وہ حدیث حسن ہے جو کسی دوسرے طریق سے مروی ہو۔ ایسی حدیث کا مقام حسن سے اعلیٰ ہے، لیکن صحیح سے کمتر ہے لہٰذا شرعاً حجت و دلیل اور لائق عمل ہے کیونکہ اس میں دوسری حدیث کی وجہ سے قوت اور صحت میں زیادتی ہوتی ہے۔

حسن لغیرہ: وہ ضعیف روایت جو متعدد طریق سے نقل کی گئی ہو اور سبب ضعف راوی کے فسق اور کذب کی وجہ سے نہ ہو بلکہ سبب ضعف سوئے حفظ روایت کا عدم اتصال اور جہالت کی وجہ سے ہو۔ ایسی احادیث کا مقام و مرتبہ حسن سے کمتر ہے۔

خبر مردود: اسلامی اصطلاح میں خبر مردود ایسی حدیث کہلاتی ہے جس میں صدق کو ترجیح نہ دی جائے، کیونکہ اس کی مقبولیت کی بعض شرائط یا چند شرائط مفقود ہوں یا قبولیت کی کوئی بھی شرط نہ پائی جائے۔ کسی حدیث کو رد کرنے کی دو وجوہ ہوتی ہیں: اول سند میں انقطاع

(سقوط از سند) ہو۔ دوم راوی پر اعتراض (طعن راوی) ہو۔

خبر ضعیف: ایسی احادیث جو حدیث حسن کی بعض شرائط مفقود ہو جانے کے باعث حسن کے درجے تک نہ پہنچ سکیں۔ خبر ضعیف پر عمل کرنے کے بارے میں علما میں کچھ اختلاف ہے۔ المختصر بعض علما چند قیود کے ساتھ فضائل اعمال، مستحبات و مکروہات کے سلسلے میں احتیاط کے ساتھ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کو "مستحب" کہتے ہیں۔

خبر معلق: سند کی ابتدا سے یا درمیان سے یا آخر سے اگر ارادۃً یا غیر ارادی طور پر ایک یا ایک سے زائد راوی کو ساقط کر دیا جائے تو اس کی وجہ سے حدیث کو رد کر دیا جاتا ہے۔ یہ سقوط دو طرح کا ہوتا ہے:

(الف) — سقوط ظاہر اور واضح ہو

(ب) — سقوط مخفی ہو۔

علمائے حدیث کے نزدیک سقوط ظاہری کی دو قسمیں ہیں:

(الف) — حدیث معلق: حدیث معلق وہ ہے جس کی ابتدائے سند میں ایک یا ایک سے زائد راوی مذکور نہ ہوں۔ ایسی حدیث کے متعلق حکم یہ ہے کہ ایسی حدیث اتصال سند کے مفقود ہونے کی وجہ سے مردود قرار پاتی ہے اس لئے کہ جس راوی کا ذکر نہیں اس کا حال کسی کو معلوم نہیں۔

(ب) — حدیث مرسل: وہ حدیث جس کو تابعی روایت کرے اور رسول اللہ ﷺ اور تابعی کے درمیان میں صحابہ کا نام چھوٹ جائے۔ مثال کے طور پر تابعی یوں کہے قال رسول کذا، او فعل کذا، او فعل بحضرۃ کذا۔ فقہا کی نظر میں ہر وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو یعنی اس کے تمام راوی مذکور نہ ہوں خواہ اس کی کوئی بھی صورت ہو (شروع کا راوی مذکور نہ ہو یا آخر کا راوی مذکور نہ ہو یا تمام پے درپے راوی یا الگ الگ ہوں) تو ایسی حدیث مرسل کہلاتی ہے۔ ایسی حدیث اصولی طور پر ضعیف اور مردود ہے، کیونکہ وہ شرط جو قبولیت حدیث کے لئے ضروری ہے یعنی اتصال سند، وہ مفقود ہے۔

حدیث معضل: ایسی حدیث جس کی سند کے کسی بھی حصے میں مسلسل دو یا دو سے زیادہ کا نام تسلسل کے ساتھ حذف کر دیا گیا ہو۔ یہ حدیث بالاتفاق ضعیف اور مردود کے حکم میں ہے۔

خبر منقطع: وہ حدیث جس کی سند میں مختلف جگہ پر راویوں کا سقوط ہو، لیکن یہ سقوط مسلسل نہ ہو۔ حدیث منقطع ضعیف اور مردود ہے۔

حدیث مدلس: وہ حدیث جس کی سند میں کسی عیب کو چھپا کر اس کے حسن کو ظاہر کر کے پیش کیا جائے۔ ایسی احادیث ضعیف اور مردود شمار ہوتی ہیں۔ علما نے اس عمل کو قبیح و شنیع کہا ہے۔ اس عمل کو "تدلیس" بھی کہتے ہیں۔ (⇐ تدلیس)

حدیث مرسل خفی: ایسی حدیث جس کو راوی نے کسی ایسے شخص سے بیان کیا جس کا اس کے ہم عصر ہونے کے باوجود اس سے ملاقات یا سماع ثابت نہ ہو سکے۔ اس حدیث کو منقطع فی السند ہونے کی وجہ سے ضعیف کہا گیا ہے۔

معنعن: وہ حدیث جس کو عن فلاں اور عن فلاں کے ذریعے روایت کیا جائے۔ اس حدیث کو متصل یا منقطع میں شمار کرنے کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ جمہور فقہا اور محدثین کا قول یہ ہے کہ اس حدیث کو متصل شمار کیا جائے بشرطیکہ......

(الف) — معنعن کا راوی تدلیس یعنی درمیان میں کسی راوی کا سقوط نہ کر رہا ہو۔

(ب) — جن دو راویوں کے درمیان لفظ "عن" آرہا ہو، زمانہ ایک ہونے کی وجہ سے ملاقات کا امکان موجود ہو۔ لیکن امام بخاری کے نزدیک ملاقات کا ثبوت ضروری ہے۔

حدیث مونن: وہ حدیث جس کو لفظ "ان" کے ساتھ روایت کیا جائے۔ اس کے حکم کے دو قول ہیں:

(الف) — امام احمد بن حنبل اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت کے مطابق جب تک اس کا اتصال ثابت نہ ہو جائے تو وہ منقطع میں شمار کی جائے گی۔

(ب) — جمہور محدثین کا قول ہے کہ یہ حدیث معنعن کے مانند ہے اور معنعن کے لئے جو شرائط ہیں ان شرائط کے ساتھ یہ متصل میں شمار ہوگی۔

طعن راوی: طعن کا مطلب ہے کہ راوی کی عدالت، کردار، ضبط اور عقل و خرد کو زیر بحث لا کر اس پر کلام کیا جائے اور کسی خاص وجہ سے اس کو مجروح قرار دے دیا جائے۔ طعن راوی کے اصولاً دس اسباب ہیں جن میں سے پانچ اس کی عدالت سے متعلق ہیں اور آخری پانچ کا تعلق اس کی قوت حافظہ سے ہے:

① کذب
② تہمت
③ فسق یعنی گناہ
④ بدعت
⑤ جہالت
⑥ کثرِ اغلاط یعنی زبانی اغلاط
⑦ سوئے حفظ
⑧ غفلت
⑨ کثرت وہم
⑩ ثقہ راویوں کی مخالفت۔

ان دس اسباب کی بنا پر بھی احادیث کی چند اقسام کی گئی ہیں:

حدیث موضوع: وہ جھوٹی یا گھڑی ہوئی حدیث جس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت کر کے روایت کیا جائے۔ (دیکھئے وضع حدیث)

حدیث متروک: وہ حدیث جس کی سند میں ایسا راوی ہو جس پر کذب بیانی کی تہمت لگائی گئی ہو۔ یہ بھی حدیث موضوع کی قبیل میں سے ہے۔ ایسی حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

حدیث منکر: وہ حدیث جس کی سند میں ایسا راوی ہو جس نے بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہو، شدت سے غفلت کا مظاہرہ کیا ہو یا فسق کا ظہور ہو گیا ہو۔ حدیث منکر انتہائی ضعیف روایت میں سے ایک ہے۔ کبھی کبھی راوی کثرت اغلاط، غفلت یا فسق میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ ثقہ راوی کی مخالفت بھی کرتا ہے، اس لئے ایسی روایت ضعیف اور مردود قرار پاتی ہے۔

حدیث معروف: وہ حدیث ہوتی ہے کہ کوئی ثقہ راوی کسی ضعیف راوی کی مخالفت کرے۔

حدیث معلل: جس میں بظاہر کوئی عیب موجود نہ ہو، مگر اس کے اندر کوئی ایسا عیب پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے اس کی صحت کو مجروح کر دیا جاتا ہے۔

حدیث مدرج: وہ حدیث جو سند کا ذکر کئے بغیر نقل کی جائے یا اس کے متن کے آخر میں بلا فصل کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیا جائے۔

حدیث مقلوب: وہ حدیث جس کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر کے ذریعے حدیث میں ردوبدل کر دیا جائے۔ مقلوب حدیث کی کئی شکلیں ہو سکتیں ہیں:

(الف) — مقلوب السند: یعنی جس کی سند میں تقدیم وتاخیر کر دی جائے جیسے کسی راوی اور اس کے والد کے نام میں تقدیم وتاخیر کر دی جائے۔

(ب) — مقلوب المتن: یعنی حدیث کے متن میں تقدیم وتاخیر کر دی جائے، یا چند احادیث میں ہر ایک کی سند کو دوسری حدیث کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔

حدیث مضطرب: وہ حدیث جس کو ایک درجے کی قوت و مرتبہ رکھنے والی مختلف صورتوں کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اضطراب کی وجہ سے راوی کی ضبط کمزور قرار پاتی ہے، اس لئے روایت ضعیف اور مردود شمار کی جاتی ہے۔ ایسی حدیث کا مقام حدیث مقلوب کے بعد کا ہے۔

حدیث مصحف: وہ حدیث جس کے کلمات کو ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف نقل کیا گیا ہو یعنی ایسے کلمات سے تبدیل کرنا جو ثقہ راویوں سے نہ لفظاً منقول ہوں اور نہ معناً۔ مصحف کا یہ عمل تصحیف کہلاتا ہے۔ اگر یہ عمل راوی سے اتفاقاً صادر ہو جائے تو اس کی وجہ سے حدیث مردود نہیں ہوگی اور اگر یہ عمل راوی کی عادت بن چکا ہو تو اس کا ضبط متاثر ہوگا اور حدیث مردود شمار ہوگی۔

حدیث شاذ و محفوظ: وہ حدیث جسے کوئی مقبول راوی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو مرتبے کے لحاظ سے اس سے اعلیٰ ہو تو یہ حدیث شاذ و محفوظ کہلائے گی "شاذ" مردود ہے اور "محفوظ" مقبول ہے۔ تاہم درجہ قبولیت راویوں کے احوال کے مطابق ہو گا۔

علم ناسخ و منسوخ

جن احادیث کے درمیان جمع و تطبیق ممکن نہ ہو تو علم الناسخ المنسوخ ان متعارض احادیث سے بحث کرتا ہے۔ ان میں بعض کو ناسخ اور بعض کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ بسا اوقات ناسخ کا علم سیرت اور تاریخ کے ذریعے بھی حاصل کیا جاتا ہے اور بعض دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے معلوم ہوتا ہے۔ ناسخ و منسوخ کے معنی یہ ہیں کہ شارع کی طرف سے کسی حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی نیا حکم دے دینا۔

ناسخ اور منسوخ کی پہچان ایک مشکل فن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام شافعی اس فن میں کمال کا درجہ رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی صراحت، صحابی کے قول، تاریخ اور اجماع اُمت کے ذریعے ناسخ و منسوخ کی پہچان ہوتی ہے۔ علمانے اس فن پر مستقل کتابیں لکھیں ہیں۔

کتب احادیث

اللہ کے نیک بندوں نے علم حدیث پر جتنی محنت کی ہے شاید ہی دنیا کے کسی علم پر اتنی محنت اور عرق ریزی سے کام کیا گیا ہو گا۔ محدثین نے اپنی تحقیق اور علم کی بنا پر کتب احادیث کو چار طبقوں میں شمار کیا ہے:

(الف) — پہلا طبقہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا امام مالک پر مشتمل ہے۔ ان میں متواتر، صحیح اور حسن ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔

(ب) — دوسرے طبقے میں جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد بن حنبل اور نسائی شامل ہیں۔ ان میں درج احادیث اگرچہ طبقہ اول کے درجے کی نہیں البتہ ان کے مؤلفین نے حسب شرائط خود ان میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا۔ متاخرین نے ان کو قبول عام کی سند دی اور بعض ضعف و خفا کے باوجود ان سے کثیر علوم و احکام اخذ کئے۔

(ج) — تیسرے طبقے کی کتب حدیث میں ضعیف حدیثوں کی تمام قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اکثر راوی مستور الحال ہوتے ہیں۔ ان کتب میں مسند ابن ابی شیبہ، مسند طیالسی، بیہقی اور طحاوی شامل ہیں۔ ان کتب سے عوام مستفید نہیں ہو سکتے بلکہ صرف جید علما ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(ج) — چوتھے طبقے میں احادیث کی وہ ناقابل اعتبار کتابیں شامل ہیں جو پچھلے ادوار میں فسانہ گو واعظوں، صوفیوں، مورخوں اور غیر عادل اہل بدعت سے سن کر تصنیف کر دی گئیں۔ ایسی کتب میں ابن مردویہ، ابن الشاہین، ابوالشیخ وغیرہ کی تصانیف شامل ہیں۔ علمائے حدیث اس طبقے کو یکسر مسترد کر دیتے ہیں، کیونکہ ان کتب کے قابل اعتماد مصادر و ماخذ نہیں ہوتے۔

⇦ صحاح ستہ

اس کے علاوہ اور بھی احادیث کی کتب کی اقسام ہیں جن کا مختصر یا طویل ذکر ان کے ردیف وار اندراج میں موجود ہے۔

* **حدیث جبریلؑ**: ایک معروف اور مستند حدیث جو حضرت جبریل علیہ السلام سے تعلق کی وجہ سے "حدیث جبریل" کہلاتی ہے۔ یہ حدیث کتب حدیث میں کچھ اس طرح آتی ہے:

"حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت کالے تھے اور اس پر سفر کا بھی کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا (جس سے خیال ہو کہ یہ کوئی بیرونی شخص ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا بھی نہ تھا (جس سے خیال ہوا کہ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے)۔ چنانچہ یہ شخص حاضرین کے درمیان سے گزرتا ہوا آنحضرت ﷺ کے سامنے آکر دوزانو اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے حضور ﷺ کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا: "اے محمد (ﷺ) مجھے بتائیے کہ "اسلام" کیا ہے؟"

آنے والے شخص نے آپ ﷺ کا یہ جواب سن کر کہا کہ آپ ﷺ نے سچ کہا۔

حدیث کے راوی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس شخص پر

تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناواقف اور لاعلم ہے) اور خود ہی تصدیق اور تائید بھی کرتا جاتا ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باخبر اور جاننے والا ہے)۔ اس کے بعد اس شخص نے سوال کیا کہ آپ ﷺ مجھے بتائیں کہ "ایمان" کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو۔

(یہ سن کر بھی) اس نے کہا: "آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔"

اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا کہ مجھے آپ ﷺ یہ بھی بتائیے کہ "احسان" کیا ہے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اور بندگی تم اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے، لیکن وہ تم کو دیکھتا ہی ہے۔"

پھر اس شخص نے عرض کی: "مجھے قیامت کے متعلق بتائیے (کہ وہ کب واقع ہوگی)۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "جس سے یہ سوال کیا جارہا ہے، وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

اس شخص نے کہا کہ پھر اس کی کچھ نشانیاں ہی بتادیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "(اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ اور اپنے آقا کو جنے گی۔ اور (دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاس پاؤں میں پہننے کے لئے جوتا اور تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں، وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے۔"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کرکے یہ نووارد شخص چلا گیا۔ پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا تو حضور ﷺ نے مجھے فرمایا:

"اے عمر، تم جانتے ہو کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟"

میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ تمہاری اس مجلس میں اس لیے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھادیں۔

یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ مسند احمد میں عبداللہ بن عباس اور ابوعامر اشجعی کی روایت ہے۔ صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن عمر کی روایت سے بھی حضرت جبریل علیہ السلام امین کی آمد کا یہ واقعہ نقل ہوا ہے۔

٭ حدیث خرافہ: عرب کی ایک اصطلاح، ہر حیرت انگیز قصہ۔

ایک حدیث جس میں خرافہ نامی ایک شخص کا ذکر ہے: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو ایک قصہ سنایا۔ ایک عورت نے کہا، یہ قصہ تو حیرت اور تعجب میں بالکل خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے)۔

نبی کریم ﷺ نے دریافت کیا کہ جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ خرافہ بنوعذرہ کا ایک شخص تھا جس کو جنات پکڑ کر لے گئے۔ ایک عرصے تک اس کو انہوں نے اپنے پاس رکھا پھر لوگوں میں واپس چھوڑ گئے۔ وہاں کے زمانہ قیام کے عجائبات وہ لوگوں سے نقل کرتا تھا تو لوگ متحیر ہوجاتے تھے۔ اس کے بعد سے لوگ ہر حیرت انگیز قصے کو "حدیث خرافہ" کہنے لگے۔

٭ حدیث غریب: ایسی احادیث جن کو صرف ایک راوی روایت کرتا ہے خواہ اس طرح وہ سند کے تمام طبقات میں ہو یا چند طبقات میں یا صرف ایک طبقے میں۔ ہر صورت میں وہ "حدیث غریب" یا "خبر غریب" کہلاتی ہے۔ عام علما محدثین نے غریب کو فرد کا نام بھی دیا ہے جب کہ دیگر علما نے ان دونوں (غریب اور فرد) میں اختلاف کیا ہے۔

حدیث غریب کی دو بڑی قسمیں ہیں: (الف) غریب اسناد (ب) غریب لغوی۔

(الف) — غریب اسنادی: غریب اسنادی وہ حدیث ہے جس کو ایک طبقے میں کم از کم ایک ہی فرد نے روایت کیا ہو۔ اس کی بھی دو مزید

قسمیں ہیں: اول غریب مطلق (وہ حدیث جس کی سند کے ابتدائی حصے میں غرابت کی صفت پائی جاتی ہو یعنی اصل سند کی ابتدا میں ایک فرد اسے بیان کر رہا ہو) اور دوم غریب نسبی (وہ حدیث جس کے درمیانی کسی طبقے میں صفت غریب پائی جائے یعنی اولین طبقہ عہد صحابہ یا عہد تابعین میں اس حدیث کے راوی ایک سے زائد رہے ہوں، مگر بعد کے بعض طبقات میں اس حدیث کو صرف ایک فرد نے روایت کیا ہو)۔

(ب) — **غریب لغوی:** غریب لغوی سے مراد متین میں اسے لفظ کا موجود ہونے ہے جس کے معنی قلت استعمال کی وجہ سے واضح اور ظاہر نہ ہوں۔ ان الفاظ کی بہترین تفسیر وہ ہوتی ہے جس کی رسول ﷺ نے دوسری کسی حدیث میں وضاحت فرمادی ہو۔

*** حدیث قدسی:** وہ حدیث جو رسول ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے نقل فرمائی ہو۔ اس تعریف کی رو سے قرآن مجید اور حدیث قدسی میں کئی ایک فرق ہیں:

(الف) — قرآن کریم کے الفاظ و معانی دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں جب کہ حدیث قدسی کے معانی من جانب اللہ ہوتے ہیں اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے اپنے ہوتے ہیں۔

(ب) — قرآن کریم کی محض تلاوت بھی عبادت ہے، لیکن حدیث قدسی کی محض تلاوت عبادت نہیں۔

(ج) — قرآن کریم کے ثبوت کے لئے متواتر ہونا شرط ہے، حدیث قدسی کے لیے شرط نہیں۔ قرآن کریم معجزہ ہے، لیکن حدیث قدسی کی یہ شان نہیں ہے۔

(د) — قرآن کریم کا مطلق انکار کفر ہے، لیکن حدیث قدسی کا منکر کافر نہیں جب کہ یہ متواتر نہ ہو۔

(ح) — قرآن کریم کا نزول بالواسطہ ہوا ہے، لیکن حدیث قدسی کا نزول کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ۔

*** حدیث متصل:** وہ مرفوع یا موقوف حدیث جس کی سند اتصال کے ساتھ مذکور ہو یعنی تمام رواۃ کا ذکر کیا گیا ہو اور کسی بھی راوی کا سقوط نہ ہوا ہو۔

*** حدیث مرفوع:** ہر وہ حدیث جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو خواہ یہ آپ ﷺ کا قول، فعل یا تقریر ہو۔ اس کی چند اقسام ہیں:

(الف) — مرفوع قولی: وہ حدیث جس میں نبی کریم ﷺ کا کوئی قول، لفظ قال کے ذریعے نقل کیا جائے یا وہ لفظ قول کے مفہوم کا ادا کرے جیسے امر نہی قضا وغیرہ۔

(ب) — مرفوع تقریری: وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں یا ان کے سامنے کئے جانے والے عمل کا ذکر ہو اور نبی کریم ﷺ کا اس عمل کے بارے میں انکار مذکور نہ ہو۔

(ج) — مرفوع وصفی: وہ حدیث جس میں آنحضور ﷺ کے جسمانی، اخلاقی، روحانی یا دیگر اوصاف حمیدہ کا ذکر ہو۔

(د) — مرفوع حکمی: وہ حدیث جس کی بہ ظاہر ہر نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف نہ ہو، لیکن کسی وجہ سے حکماً آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔

*** حدیث مسند:** یہ وہ حدیث ہے جس کی اسناد رسول اللہ ﷺ تک بالاتصال مذکور ہوں۔

*** حدیث مقطوع:** وہ قول وفعل جس کو کسی تابعی کی طرف منسوب کیا جائے۔ حدیث مقطوع کی اقسام ہیں:

(الف) — مقطوع قولی: مثلاً حضرت حسن بصری کا وہ قول جو کسی بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں ہے۔ صلوا علیہ بدعتہ۔ یعنی نماز پڑھ لیا کرو، اس کی بدعت تو اسی پر پڑے گی۔

(ب) — مقطوع فعلی: مثلاً حضرت ابراہیم بن محمد بن منتشر تابعی کا قول کہ حضرت مسروق اپنے اور اہل وعیال کے درمیان پردہ ڈال کر نماز میں مشغول ہو جاتے اور ان سے اور ان کی دنیا سے الگ ہو جاتے۔

دونوں طرح کی مقطوع احادیث کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع کا حکم قرار پائے تو سمجھا جائے گا کہ تابعی کو اس کا علم حضرات صحابہ کے واسطے سے حاصل ہوا ہے، اس لئے حجت قرار پائے گا۔ اگر حکماً مرفوع نہ ہو تو بالاتفاق حجت نہیں ہوگا۔ ایسی احادیث سے استدلال جائز نہیں جب تک یہ کسی اعتبار سے مرفوع کے حکم میں

شامل نہ ہوں۔

*** حدیث موقوف:** وہ حدیث جس کی نسبت کسی صحابی کی طرف کی جائے خواہ قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو۔ بعض احادیث موقوف مردود کے حکم میں آتی ہیں اور بعض مقبول کے حکم میں۔

حدیث موقوف کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

- موقوف قولی: وہ حدیث جس میں کسی صحابی کا کوئی ارشاد ذکر کیا گیا ہو۔
- موقوف فعلی: وہ حدیث جس میں کسی صحابی کا فعل یا عمل منقول ہو۔
- موقوف تقریری: وہ حدیث جس میں کسی صحابی کی تائید سکوتی موجود ہو یعنی تابعی کا یہ کہنا کہ میں نے فلاں صحابی کے سامنے یا ان کے زمانے میں ایسا کام کیا اور ان صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا۔

*** حدیث اور سُنّت کا فرق:** محدثین کی غالب رائے یہ ہے کہ حدیث اور سُنّت کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور ان دونوں کا مفہوم قول و فعل، تقریر یا صفت کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا ہے تاہم بعض علمانے ان دونوں الفاظ میں فرق کیا ہے۔

ابوالبقا کے بیان کے مطابق، "حدیث" کا لفظ "تحدیث" سے نکلا ہے۔ تحدیث کے معنی ہیں، خبر دینا۔ بعد میں اس قول، فعل، تقریر کو حدیث کہنے لگے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔ ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب لوگ حدیث کے لفظ کو اخبار (خبر دینا) کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ اپنے مشہور ایام کو "احادیث" کہتے تھے۔

جب کہ سُنّت کے لغوی معنی ہیں، واضح راستہ، مصروف راستہ، چلتا ہوا راستہ، ہموار راستہ۔ قوموں کے ساتھ جو معاملہ اللہ نے کیا اور جو سب کے لئے یکساں ہے، قرآن مجید میں اسے "سنت اللہ" کہا گیا ہے۔

لفظ "سنت" اپنی اصل کے اعتبار سے لفظ حدیث کے ہم معنی نہیں ہے۔ اصل لغوی معنی کے اعتبار سے سُنّت کا اطلاق اس دینی طریقے پر کیا جاتا ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے عمل کیا ہو، اس لئے کہ سُنّت کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ کے ہیں۔ جب کہ حدیث عام لفظ ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال سب داخل ہیں۔ اس کے برخلاف سُنّت کا لفظ نبی کریم ﷺ کے اعمال کے ساتھ مخصوص ہے۔

ح ر

*** حرا، غار:** مکہ سے تین میل دور ایک غار۔ اس غار میں جا کر نبی کریم ﷺ عبادت کیا کرتے تھے، لیکن اس وقت تک نبوت کا منصب نہیں ملا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ گھر سے کھانے پینے کا سامان لے جاتے اور مہینوں غار حرا میں بند ہو کر اللہ کی عبادت اور مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔ سامان خورونوش ختم ہو جاتا تو دوبارہ گھر آتے اور ضروریات پوری کر کے واپس غار حرا میں چلے جاتے۔ صحیح بخاری میں ہے، نبی کریم ﷺ غار حرا میں تحنث یعنی عبادت کرتے تھے یہ اور عبادت غور و فکر اور عبرت پذیری تھی۔ نبی کریم ﷺ کا معمول چل رہا تھا کہ ایک روز حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر ان کو سورۂ اقرا کی ابتدائی پانچ آیات سنائیں اور انہیں پڑھنے کو کہا۔

⇦ نبوت محمدی۔

*** حرام، مسجد:** مسجد حرام۔ ⇦ مکہ مکرمہ، کعبۃ اللہ۔

*** حرب، بعاث:** ایک جنگ جو اوس و خزرج کے درمیان لڑی گئی۔ ⇦ بعاث، جنگ + اوس + خزرج + مدینہ۔

*** حرب بن امیہ:** کفار قریش میں سے رئیس اعظم۔ یہ شخص حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا باپ تھا اور ابولہب کا خسر۔ کہا جاتا ہے، اس نے پہلی بار عربی تحریر استعمال کی۔ اس نے شراب بھی ترک کر رکھی تھی۔ حرب نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا ساتھی تھا اور فوجی قائد کے طور پر ان کا جانشین مقرر ہوا تھا اور اس کے بعد قیادت بنوہاشم میں آئی۔ اس قدر قابل آدمی ہونے کے باوجود وہ شخص اسلام کی دولت سے محروم رہا، صرف اس وجہ سے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی ذات

گرامی کو معمولی (نعوذ باللہ) اور خود کو ایک قابل اور بڑا آدمی سمجھا۔

✽ حرب فجار: زمانہ جاہلیت کی ایک لڑائی۔ اس لڑائی کی خاص بات یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے بھی اس میں شرکت کی تھی اور اپنے قبیلے کی طرف سے آپ ﷺ نے تیر اٹھا اٹھا کر دئیے تھے۔ یہ لڑائی ۱۵عام الفیل میں ممنوع مہینوں میں ہوئی۔ جنگ کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا اور دونوں حریف قبیلوں "یعنی قریش" اور "بنو قیس" میں صلح ہوگئی۔ اس طرح جنگ فجار ختم ہوئی اور علاقے میں امن قائم ہوا۔

✽ حرم مدینہ: مدینہ منور کا وہ علاقہ جس کے اردگرد جنگ ممنوع تھی۔ اس سے مراد ہے OpenCity ۔ حرم نیم مذہبی اور نیم سیاسی اصطلاح ہے۔ حرم مدینہ کا مذہبی مفہوم یہ تھا کہ اس کی حدود میں جو شخص چاہے قیام کر سکتا ہے اور وہ پناہ میں سمجھا جائے گا۔ حرم کا سیاسی مفہوم تھا کہ یہ نئی اسلامی مملکت کی حدود ہیں۔

مدینہ کے ایک حصے کو حرم قرار دے کر نبی کریم ﷺ نے اہل مدینہ کو بہت سے فتنوں سے محفوظ کر لیا اور سیاسی پوزیشن بھی مستحکم ہوگئی۔ اب نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر مدینہ سے کوئی کارواں گزر نہیں سکتا تھا۔

حرم کا رقبہ بارہ مربع میل تھا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مطابق جبل عید سے جبل ثور تک کا علاقہ حرم میں شامل تھا۔ فتح مکہ کے بعد کعب بن مالک کی زیر نگرانی حرم کی حدود کا از سر نو تعین کیا گیا۔ تاہم ابتدا میں جب کہ مکہ کو فتح نہیں کیا گیا تھا، حرم کی حدود اس سے کم تھیں۔ ایک حوالے کے مطابق عید سے سلع تک کا علاقہ حدود حرم میں شامل تھا۔ امام ابو یوسف کے بیان کے مطابق، نبی کریم ﷺ نے فرمان جاری کیا تھا کہ مدینہ میں ۴میل کے علاقے میں کھیتی باڑی نہ کی جائے۔ یہ چار میل کا علاقہ حرم کی حدود میں شامل تھا اور یہیں پر اسلامی سلطنت قائم کی گئی۔

✽ حرمین الشریفین: دو مقامات مقدسہ یعنی مکہ اور مدینہ۔ ان دونوں مقامات کے خادم کے لئے "خادم الحرمین الشریفین" کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ⇦ مکہ + مدینہ۔

✽ حریر: ایک ریشمی کپڑا جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔

حریر اور اس قسم کے زیب و زینت والے لباس کو اسلام نے مردوں کے لئے مکروہ بلکہ علما کے ایک بڑے گروہ نے حرام قرار دیا ہے۔ البتہ عورتوں کے لئے اس کا استعمال جائز ہے۔

ح س

✽ حسان بن ثابت: صحابی رسول ﷺ اور مشہور شاعر۔ ان کی کنیت "ابوالولید انصاری" تھی۔ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ۶۰ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ کی شان میں کئی ایک نعتیں کہیں۔ ۱۲۰ برس تک زندہ رہے اور حضرت علی کے دور خلافت میں وفات پائی۔ حضرت حسان بن ثابت سے کئی احادیث بھی روایت کی جاتی ہیں۔ ⇦ خزرج + علی بن ابی طالب۔

✽ حسب نسب: معاشرے میں مقام، ذات پات وغیرہ۔ حسب کے معنی کرم، شرف اور وہ فضیلت ہے جو اچھے اعمال کی وجہ سے حاصل ہو۔ "حسب" کے معنی رشتے دار کے بھی ہیں۔ اور "نسب" وہ قرابت ہے جو آباؤ اجداد کی طرف سے ہو۔

⇦ آباؤ اجداد نبوی ﷺ۔

✽ حسن: علم حدیث کی ایک اصطلاح جو تین اقسام کی احادیث میں سے ایک ہے۔ حسن حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جس کے راویوں کے ثقہ ہونے پر پورا اتفاق ہو خواہ اس میں کسی دوسری معمولی وجہ سے کچھ کمزوری بھی پائی جاتی ہو۔

⇦ حدیث۔

✽ حسن بن جابر: صحابی رسول ﷺ۔ آپؓ ابن ابی جاہر السلمی کے نام سے بھی موسوم ہیں۔

✽ حسن بن علی: رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی کے صاحب زادے۔ عمر میں حضرت حسین سے

بڑے تھے۔ کنیت ابو محمد، اور خطاب سید اور ریحانتہ النبی تھا۔ جب کہ شیعہ رسول ﷺ لقب تھا۔ والد حضرت علی کی طرف سے سلسلہ نسب یہ تھا:

ابو محمد حسن بن علی ابی طالب بن عبد المطلب۔

والدہ حضرت فاطمہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ تھا:

فاطمہ بنت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔

اسلامی تاریخ میں حضرت حسنؓ ایک معروف اور اہم شخصیت کے حامل رہے ہیں۔ ان کی زندگی کے بارے میں کتب ہائے تاریخ میں تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے۔

٭ حسین بن علی: رسول ﷺ کے نواسے، حضرت حسن کے چھوٹے بھائی، حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے فرزند۔ ان کا سلسلہ نسب ظاہر ہے کہ حضرت حسن کا سلسلہ ہی ہے۔ کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ سیدالشباب اہل الجنتہ، ریحانتہ النبی اور سید الشھداء القاب ہیں۔ حضرت حسینؓ کا ذکر حضرت امیر معاویہ کے بیٹے یزید کی بیعت کے حوالے سے کافی مشہور ہے۔ تاریخ اسلامی کی کتب ان دونوں کے متفرق واقعات (قطع نظر اس سے کہ ان میں کتنی صداقت ہے) سے بھری پڑی ہیں۔

ح ص

٭ حصار شعب: شعب ابی طالب کی قید۔

تمام اہل مکہ نے (بنو امیہ، بنو نوفل اور بنو عبد مناف کے دو خاندان) مسلمانوں اور بنو ہاشم اور بنو مطلب سے تعلقات منقطع کر لئے۔ چنانچہ ان سب کو شعب ابی طالب میں قید ہونا پڑا۔ اور ایک عہد نامہ مقاطعہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔

دراصل کفار مکہ نے جب دیکھا کہ ہماری مخالفت کے باوجود مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے تو ان لوگوں نے بنو ہاشم پر نہایت سختی کرنے کی ٹھانی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے نبوت کے ساتویں برس نہ صرف آنحضور ﷺ اور دیگر مسلمانوں کا ناطقہ بند کیا بلکہ تمام بنو ہاشم سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لئے تاکہ وہ تنگ آکر آنحضور ﷺ کی حفاظت سے دست کش ہو جائیں۔ قریش اور کنانہ کے اکابر کا ایک اجلاس ہوا جس میں قرار پایا کہ جب تک بنو ہاشم نبی کریم ﷺ کو ہمارے حوالے نہیں کرتے، کوئی شخص نہ ان کے ساتھ رشتہ ناتا کرے گا اور نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کرے گا۔ اس قرارداد کو ایک کاغذ پر تحریر کر کے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔

اہل شہر نے اس قرارداد کی سختی سے پابندی کی۔ بنو ہاشم کے ساتھ نہ صرف لین دین بلکہ بول چال بھی قطع کر دی گئی۔ یہ وقت بنو ہاشم کے لئے ایک حوصلہ آزما امتحان تھا۔ ان میں کئی افراد مشرک بھی تھے تاہم انہوں نے آنحضور ﷺ کا ساتھ دینے کا عزم کر لیا۔ انہوں نے دیکھا کہ تمام مکہ بیگانہ ہو گیا ہے، کوئی شخص آنکھ ملانے کا بھی روادار نہیں اور آنحضرت ﷺ کی جان کو خطرہ بڑھ رہا ہے تو شہر سے نکل کر شعب ابوطالب میں مکین ہو گئے۔ "شعب" عربی میں "گھاٹی" کو کہتے ہیں۔ شعب ابوطالب پہاڑ کے دامن میں ایک گھاٹی تھی جو بنو ہاشم کی ملکیت تھی اور ابوطالب کے نام سے منسوب تھی۔

ابولہب نے مشرکین سے اتحاد کیا اور اپنے خاندان کے ساتھ شامل نہ ہوا۔

شعب ابوطالب ایک قلعے کے مانند تھی جس میں خاندان نبوی ﷺ گویا محصور تھا۔ وہ باہر آجا نہ سکتے تھے۔ کفار پہرے پر رہتے کہ کوئی شخص کھانے کی کوئی شے اندر نہ لے جائے۔

مکہ میں بنو ہاشم کے جو نرم دل اقربا یا ہمدرد تھے وہ انہیں کبھی کبھار خفیہ طور سے غلہ بھیجنے کی کوشش کرتے تھے۔ قریش مزاحم ہوتے۔ ابوجہل ایک دفعہ ایسی ہی حرکت میں پٹ گیا۔ قصہ یہ ہوا کہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لئے کچھ گیہوں اٹھائے لے جاتے تھے۔ ابوجہل ان سے الجھ گیا۔ ایک مشرک نے ابوجہل سے کہا کہ تمہیں دخل دینے کا حق نہیں، یہ صاحب اپنی پھوپھی کے لئے کچھ غذا لے جاتے ہیں، تم کیوں مزاحم ہوتے ہو۔

ابوجہل نے ضد کی اور بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ اونٹ کے

جبڑے کی ایک ہڈی اس مشرک کے ہاتھ آگئی اور وہ ہڈی ابوجہل کے پیخ دی۔ اس کا سر پھٹ گیا۔

شعب ابوطالب کے محاصرے کے دوران ہاشمی افراد کو اشیائے صرف کی تلاش میں دور دور تک جانا پڑتا تھا۔ دشمن ان کے پیچھے جا کر دیگر قبائل کو بھی ان کے ہاتھ چیزیں بھیجنے سے روکتا۔ بارہا غذا کی بہت قلت ہو جاتی، فاقوں پر فاقے گزر جاتے۔ بعض دفعہ درختوں کے پتوں سے بھوک مٹاتے تھے۔ ایک بار ایک صاحب کو سوکھا چمڑا زمین پر پڑا مل گیا۔ اسے دھو کر بھونا اور سفوف بنا کر کھایا۔

بچوں کی حالت بہت دل گداز تھی۔ وہ بھوک پیاس سے تڑپتے، بلکتے اور چلاتے تھے۔ کفار پہاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ کر ان کی چیخ پکار سنتے اور خوش ہوتے تھے کہ بنوہاشم اب گھٹنے ٹیک دیں گے، لیکن ان کی یہ مراد بر نہ آئی۔

اس حالت میں تین برس گزر گئے۔ آنحضور ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔ آپ ﷺ برابر تبلیغ میں مصروف رہے۔ کفار کا جہاں تک بس چلتا، طنز و تضحیک کرتے تھے۔

مصیبت پر مصیبت چلی آتی تھی اور پھر ہر مصیبت ایک پہاڑ تھی، لیکن ابوطالب کی ہمت میں خم نہ آیا۔ انہیں کسی اور کی بھوک کی پروا تھی، نہ پیاس کی فکر۔ اگر فکر دامن گیر تھی تو اس پیکر صداقت کی جس کی خاطر یہ سب صدمے اٹھائے جا رہے تھے۔ سوتے جاگتے آنحضور ﷺ کی زندگی کا دھیان رہتا۔ رات کو آپ ﷺ کی جگہ بدل دیتے اور آپ ﷺ کے بستر پر کوئی اور پڑ رہتا کہ کوئی کینہ خواہ یا بد خواہ شخص حملہ آور ہو بھی جائے تو چاہے کسی اور کی جان چلی جائے، آپ ﷺ کی زندگی پر آنچ نہ آئے۔

قریش کے چند رحم دل آدمی اس معاہدے کے خلاف تھے۔ بنوہاشم کے مصائب پر کڑھتے تھے، لیکن بے بس تھے لہٰذا چپکے رہتے۔ بالآخر ہشام بن عمرو نے معاہدہ توڑنے کی پوشیدہ تحریک چلائی۔ زبیر مطعم بن عدی، ابوالبختری اور زمعہ بن اسود نے اس کا ساتھ دیا۔ یہ اشخاص ایک رات مکہ سے باہر ایک پہاڑی پر جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ کل قرار داد کے ورق کو چاک کر دیں گے۔

اللہ کی قدرت دیکھئے، اسی روز آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کو بتایا کہ معاہدے کے حروف کو مٹی کھا گئی ہے صرف وہ جگہیں باقی ہیں جہاں خدا کا نام ہے۔

ابوطالب دوسرے دن حرم میں گئے اور اعلان کیا کہ میرے بھتیجے (محمد ﷺ) نے مجھے بتایا ہے کہ عہد نامہ کی تحریر کو دیمک نے کھرچ کھایا ہے صرف اللہ کا نام باقی چھوڑا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو ہم ابد تک محمد (ﷺ) کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے ورنہ آپ ﷺ سے یکسو ہو جائیں گے۔

دیکھا تو بات درست تھی۔ ہشام اور ان کے رفقا نے کہا، اب اس کاغذ کو بھی چاک کر دو۔ یہ ظلم اور سنگدلی کا نشان ہے۔

ابوجہل نے روکنا چاہا، مگر ناکام بچے کھچے کاغذ کے پرزے اڑا دیئے گئے۔ بنوہاشم کا قدغن ٹوٹ گیا اور وہ شہر میں واپس آ گئے۔

❋ **حصن حصین:** نبی کریم ﷺ کے اذکار، آیات اور ادعیہ پر مشتمل ایک مشہور معروف کتاب۔ اس کتاب کو علامہ امام محمد بن محمد بن محمد بن الجزری شافعیؒ نے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب کی تالیف کے بعد اتفاق سے مصنف موصوف تیموری فتنے کے زمانے میں تیموری افواج کے نرغے میں پھنس گئے، لیکن حصن حصین کے مسلسل ختم کی برکت سے انہوں نے اور تمام شہر کے مسلمانوں نے اس فتنے سے نجات پائی اور تیموری فوجیں شہر کا محاصرہ چھوڑ کر چلی گئیں۔

اردو زبان میں بھی اس کتاب کے تراجم ہو چکے ہیں۔

❋ **حصن مرحب:** خیبر کے مشہور یہودی سردار مرحب کا وہ قلعہ جسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فتح کیا۔ یہ قلعہ ایک بہت بلند پہاڑی پر واقع تھا۔ ⇦ خیبر، غزوہ + علی بن ابی طالب۔

ح ض

❋ **حضر موت:** بلاد عرب میں یمن کے مشرق میں واقع ایک مملکت۔ اسلام کی آمد سے پہلے اس علاقے میں قبیلہ "صدف" آباد

تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے قریبی زمانے میں بنو کندہ کے تیس ہزار افراد بحرین سے ہجرت کرکے یہاں آبسے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں کندہ کے سردار قیس بن اشعث نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

آج کل حضرموت جنوبی یمن کا حصہ ہے۔ یہ ایک پہاڑی سرزمین ہے جس کے آرپار ایک ندی ہے جس میں سے کئی ندیاں نکلتی ہیں۔ ساحل کے ساتھ ایک طویل پہاڑی سلسلہ ہے جب کہ سب سے اونچا جبل العرشہ ہے۔ پہاڑیوں کا یہ سلسلہ صحرائے اعظم تک پھیلا ہوا ہے۔ "المکلا" اس کی اہم ترین بندرگاہ ہے۔

✽ **حضرمی:** مکہ کا وہ کافر جس کا مسلمانوں کے ذریعے اتفاقی قتل غزوۂ بدر کا سبب بنا۔ ⇦ بدر، غزوہ۔

ح ف

✽ **حفصہ:** اُم المؤمنین، زوجہ محترمہ، خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی۔

حضرت حفصہ کی والدہ کا نام زینب بن مظعون تھا جو حضرت عثمان بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں۔ آنحضور ﷺ کی بنوت سے پانچ سال پیشتر حضرت حفصہ کی ولادت ہوئی۔ اس قت قبیلہ قریش کے لوگ خانہ کعبہ کی تعمیرنو میں لگے ہوئے تھے۔ (طبقات)

حضرت حفصہ کا پہلا نکاح خنیص بن حذیفہ سے ہوا تھا جو قبیلہ بنو سہم کے فرد تھے۔

حضرت حفصہ کے قبول اسلام کا زمانہ وہی ہے جس وقت حضرت عمرؓ اور دیگر اعزا نے اسلام قبول کیا جس میں ان کے شوہر اور والدین بھی تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے یکجا مدینۃ النبی ﷺ کی طرف ہجرت فرمائی اور شوہر نے غزوۂ بدر میں شرکت کی جہاں وہ شدید زخمی ہوئے اور بعد میں انتقال ہوگیا۔

عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت حفصہؓ کے لئے شوہر کی جستجو ہوئی۔ اس وقت حضرت حفصہ کی عمر ۱۹ سال تھی۔ حضرت رقیہؓ جو آنحضور ﷺ کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنیؓ کی اہلیہ تھیں، اس وقت وفات پاچکی تھیں لہٰذا حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ وہ ان کی بیوہ بیٹی کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں جس پر حضرت عثمان غنیؓ نے غور کرنے کا وعدہ کیا، لیکن چند روز کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسے نامنظور فرمادیا۔

پھر حضرت عمرؓ نے یہی درخواست حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کی جس پر انہوں نے خاموشی اختیار فرمائی۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی عدم دلچسپی ظاہر کرنے پر سخت افسردگی ہوئی۔ بعد ازاں نبی کریم ﷺ نے ازخود حضرت حفصہؓ سے نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال حضرت حفصہ کا نکاح رسول ﷺ سے ہوگیا۔ اس شادی کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے انکار کا خاص سبب یہ تھا کہ جب آپؓ میرے پاس یہ رشتہ لے کر آئے تھے اس وقت یہ بات میرے علم میں تھی کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے اس بارے میں خواہش ظاہر کی تھی لہٰذا میرے لئے اس معاملے میں کنارہ کشی کرنا زیادہ بہتر تھا۔ میں نے اس ذاتی معاملے کو عام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

نبی کریم ﷺ کا حضرت حفصہؓ سے نکاح کرنے کا مقصد حضرت عمرؓ اور ان کے بااثر قبیلے سے تعلقات استوار کرنا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس عمل کو عوام الناس نے نہ صرف بہ نظر تحسین دیکھا بلکہ اس پر اظہار مسرت بھی کیا۔

حضرت حفصہؓ کو جلد غصہ آجاتا تھا اور ترکی بہ ترکی جواب دیا کرتی تھیں جس کا مظاہرہ اکثر و بیشتر مباحثوں کے دوران زیادہ نظر آتا تھا۔ ان کا یہ رویہ حضرت عمرؓ کو ناپسند تھا اور اکثر اوقات وہ اپنی صاحبزادی کو حضور ﷺ سے بحث مباحثہ کرنے پر ٹوکتے رہتے اور فرماتے کہ یہ حرکت گناہ میں داخل ہے۔

واقعہ تحریم

آنحضرت ﷺ کو شہد مرغوب تھا۔ آپ ﷺ عموماً تیسرے پہر

کے بعد ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ حضرت زینبؓ کے یہاں پہنچے تو انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں شہد پیش کیا جسے آپ ﷺ نے بڑے شوق سے نوش فرمایا۔ یہ شہد ان پھولوں سے نکلا ہوا تھا جنہیں مقامی طور پر "منافیر" کا نام دیا جاتا تھا اور ان کی خاص طرح کی خوشبو تھی، لیکن وہ خوشگوار نہ تھی۔ بعد میں جب نبی کریم ﷺ دوسری بیویوں کے ہاں گئے تو انہوں نے اس ناخوشگوار بو کو محسوس کیا اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت زینبؓ سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ آئندہ کبھی شہد ان کو پیش نہ کریں۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے شہد نہ کھانے کی قسم بھی کھائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نہایت صفائی پسند اور خوشبوؤں کے دل دادہ تھے، اس لئے انہیں یہ بات ناگوار گزری کہ کوئی ان کے دہن مبارک کے حوالے سے ناخوشگوار بو کا ذکر کرے۔ اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ "اے پیغمبر، آپ ﷺ کیوں اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے واسطے ایک چیز کو حرام قرار دے رہے ہیں جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حلال بنایا ہے۔"

اس واقعے کو تحریم کا حادثہ کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے خدائے ذوالجلال کی طرف سے وحی کی ضرورت پڑی۔

وفات

حضرت حفصہ کا وصال شعبان ۴۵ھ کو حضرات امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں ہوا۔ (ابن سعد) حضرت ابوہریرہؓ نے جنازہ معیزہ کے مکان سے قبرستان تک پہنچایا اور مروان نے جو اس وقت مدینہ منورہ کا حاکم تھا، نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کے بھائیوں عبداللہ بن عمر، عاصم بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادوں سلیم، عبداللہ اور حمزہ نے ان کا جسم اطہر جنت البقیع کے قبرستان میں قبر میں اتارا۔ حضرت حفصہ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (ابن سعد)

علمی قابلیت

ذوالقرنی کے قول کے مطابق، ساٹھ حدیثیں حضرت حفصہؓ سے مروی ہیں جو انہوں نے آنحضرت ﷺ اور اپنے والد بزرگوار حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔ حضرت حفصہؓ مذہبی مسائل کے بارے میں وسیع علم رکھتی تیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں امید ہے کہ اصحاب بدر اور صلح حدیبیہ کے صحابہ دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ اس پر حضرت حفصہؓ نے اپنے بیان میں تصدیق کے لئے یہ قرآنی آیت پیش کی کہ تم میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اوپر نہیں جائے گا۔ (۱۹:۱۷) اس پر آنحضور ﷺ نے ان کی تائید کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں کہ ہم ان میں سے نیکوکاروں کو بچالیں گے اور گناہ گاروں کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ (مسند احمد)

علم کی جستجو میں حضرت حفصہؓ کا درجہ حضرت عائشہؓ کے بعد دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ حضرت حفصہ کو حضرت عمرؓ نے ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ کے ساتھ ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا تھا اور ان کا بیشتر وقت لکھنے پڑھنے میں صرف ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نازل شدہ آیات کو حضور ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب سے درج کر لیا کرتے تھے اور وہ مسودہ پھر حضرت عثمانؓ کو بہ حفاظت اپنے پاس رکھنے کو دے دیا کرتے جسے وہ حضرت حفصہؓ کے حوالے کر دیتے تھے۔ اس طرح حضرت حفصہ کو قرآن شریف کی پہلی محافظ کا شرف بھی حاصل ہوا اور بعد میں یہی مسودات قرآن مجید کے صحیح نسخے کے طور پر عام ہوئے۔

⇦ عمر فاروق + ازواج مطہرات + عائشہؓ صدیقہ۔

ح ک

*** حکیم بن خرام:** اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ کے بھائی۔ ان کی کنیت ابو خالد تھی۔ مکہ میں پیدا ہوئے اور قریش کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے دن ساٹھ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ نہایت فیاض اور دین دار آدمی تھے۔ چنانچہ اسلام لانے کے بعد بقیہ ساٹھ سال اسلام کی تبلیغ میں صرف کئے اور تقریباً سو غلام بھی آزاد کئے۔ انہوں نے ایک بار غزوۂ حنین کے موقع پر کچھ عطیہ نبی کریم ﷺ سے لیتے ہوئے عہد کیا تھا کہ آئندہ کبھی کسی سے عطیہ نہیں لیں گے۔

چنانچہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے مرتے دم تک کبھی کسی سے عطیہ نہیں لیا۔ البتہ خود اپنی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے دوسروں کی حاجتیں پوری کرتے رہے۔

⇦ خدیجہ، ام المؤمنین + قریش + فتح مکہ + حنین، غزوہ۔

ح ل

*** حلف الفضول:** قبل از اسلام ہونے والے دو معاہدے۔ ان معاہدوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اپنے شہر میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے، خواہ وہ مکہ کا شہری ہو یا پردیسی۔ پہلا معاہدہ قبیلہ جرہم کے سرداروں کے درمیان ہوا تھا۔ یہ لگ بھگ چار ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ جب کہ دوسرا معاہدہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ۵۸۹ء کا ہے۔ یہ دوسرا معاہدہ بنو مطلب، بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو تیم اور حارث بن فہر کے درمیان ہوا۔ اس معاہدے میں نبی کریم ﷺ نے خود شرکت فرمائی۔ اس معاہدے کی رو سے:

❶ خدا کی قسم شہر مکہ میں کسی پر ظلم ہوا تو ہم سب ظلم کے خلاف مظلوم کی تائید میں ایک ہاتھ بن کر اٹھیں گے، چاہے وہ شریف ہو یا وضیع، ہم میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے تا آنکہ مظلوم کو اس کا حق نہ مل جائے۔

❷ ہم حلف کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔

❸ روز مرہ کی زندگی میں سب ایک دوسرے کی مالی اعانت کریں گے۔

*** حلیہ مبارک:** نبی کریم ﷺ کا حلیہ شریفہ۔

رسول اللہ ﷺ میانہ قد اور موزوں اندام تھے۔ رنگ سفید سرخ تھا۔ پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے۔ پیشانی مبارک درازی مائل، چہرہ ہلکا یعنی بہت پر گوشت نہ تھا۔ دہانہ کشادہ۔ دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے۔ گردن اونچی، سر بڑا اور سینہ کشادہ اور فراخ تھا۔ سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے تھے۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ چہرا کھڑا کھڑا تھا۔ آنکھیں سیاہ سرگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں پُر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔

صحابہؓ پر آپ ﷺ کے حسن و خوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرۂ اقدس پر نظر پڑی تو بولے: "خدا کی قسم، یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں" "سمرہ ایک صحابی ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا: "آپ ﷺ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا؟" بولے: "نہیں، ماہ و خورشید کی طرح!"

یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا، میں کبھی آپ ﷺ کو دیکھتا تھا کبھی چاند کو دیکھتا تھا تو آپ ﷺ مجھے چاند سے زیادہ خوب رو معلوم ہوتے تھے۔

حضرت براءؓ صحابی کہتے ہیں: "میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس میں آپ ﷺ سے زیادہ خوب صورت نہیں دیکھا۔"

آپ ﷺ کے پسینے میں ایک خاص قسم کی خوشبو تھی۔ چہرۂ مبارک پر پسینے کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے۔ جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ نہایت کھلتا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کا پسینا موتی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے دیبا اور حریر بھی آپ ﷺ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مشک و عنبر میں بھی آپ ﷺ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی۔

عام طور سے مشہور ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا، لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر مہر ختم نبوت (مہر نبوت) تھی۔ یہ بہ ظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا۔ صحیح مسلم اور شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے:

"میں نے آنحضرت ﷺ کے دونوں شانوں کے بیچ خاتم نبوت کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا۔"

لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شانے کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدیر شکل پیدا ہو گئی تھی، اس

کو "مہر نبوت" کہتے تھے۔ تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا جس پر تل تھے اور بال اگے ہوئے تھے۔

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکتے رہتے۔ فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا کہ شانوں پر چار گیسو پڑے تھے۔

مشرکین عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ کفار کے مقابلے میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، اس لیے ابتدا میں اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے رکھتے تھے پھر مانگ نکالنے لگے۔ یہ شمائل ترمذی کی روایت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا، اس لئے آخر زمانے میں مانگ نکالنے لگے۔

بالوں میں اکثر تیل ڈالتے تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے۔ ریش مبارک میں گنتی کے چند سفید بال ہونے پائے تھے۔

⇦ شمائل نبوی

✽ حلہ: دور جاہلیت میں حرم مکہ کے رہنے والے تین طبقوں میں سے ایک۔ دراصل حج اور حرم مکہ کے مراسم ولوازم کے نقطہ نظر سے زمانہ جاہلیت میں عرب قبائل تین طبقوں میں تقسیم تھے: ایک تو یہی "حلہ" اور دیگر دو "حمس" اور "طلس" کہلاتے تھے۔ ⇦ حرم مکہ + حمس۔

✽ حلیمہ سعدیہ: نبی کریم ﷺ کی رضاعی والدہ جو نبی کریم ﷺ کو حضرت آمنہ سے لے کر دودھ پلانے کے لئے اپنے گاؤں اپنے گھر لے گئیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کا تعلق قبیلہ بنو سعد بن بکر سے تھا۔ عرب میں رواج تھا کہ بچوں کو ان کی مائیں دودھ نہیں پلاتی تھیں بلکہ دوسری خواتین دودھ پلاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ، نبی کریم ﷺ کو دودھ پلانے کے اپنے ساتھ لے کر چلی گئیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ بنت ابی دوئب کافی غریب تھیں۔ ان کے شوہر کا نام "الحارث" تھا۔ حلیمہ سعدیہ کا بیٹا عبداللہ اور دو بیٹیاں انیسہ اور شیما تھیں۔ اس طرح یہ تینوں نبی کریم ﷺ کے رضائی بہن بھائی ہوئے۔

ح م

✽ حمراء الاسد: مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں۔ یہاں ۳ ہجری میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک لڑائی ہوئی تھی جسے "غزوۂ حمراء الاسد" کہتے ہیں۔ ⇦ حمراء الاسد، غزوہ۔

✽ حمراء الاسد، غزوہ: غزوۂ حمراء الاسد جو غزوۂ احد سے واپسی پر ہوا۔ اس غزوہ کا قصہ کچھ یوں ہے کہ غزوۂ احد سے واپسی پر جب ابوسفیان (جواب تک اسلام نہیں لائے تھے) روحا کے مقام پر پہنچے تو انہیں احساس ہوا کہ احد کی لڑائی میں مسلمانوں کی خستہ حالی سے فائدہ اٹھنا چاہئے اور مدینہ پر حملہ کرینا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ کو کفار قریش کے حوالے سے یہ اندیشہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے زخموں سے چور چور اسلامی لشکر کو حکم دیا کہ کوئی واپس نہ جائے اور خود مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع مقام "حمراء الاسد" میں قیام کیا۔ اس علاقے میں قبیلہ خزاعہ جو اب تک اسلام نہیں لایا تھا، لیکن اسلام کا طرف دار تھا، اس کا سردار معبد خزاعی مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر آنحضرت ﷺ سے ملا اور پھر ابوسفیان کے پاس جاکر معبد نے کہا کہ محمد (ﷺ) اس سروسامانی سے آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔

یہ بات سن کر ابوسفیان نے واپسی مکہ کی راہ لی۔

اگرچہ اکثر کتابوں میں اسے غزوۂ حمراء الاسد کے طور بیان کیا گیا ہے، لیکن علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ مورخین نے تکثیر غزوات کے شوق میں اسے ایک نیا غزوہ بنایا ہے اور "حمراء الاسد" کا ایک عنوان قائم کیا ہے۔

✽ حمزہ بن عبدالمطلب: نبی کریم ﷺ کے چچا اور عبدالمطلب کے بیٹے۔ "ابوعمارہ" کنیت تھی۔ آنحضور ﷺ سے عمر

میں دو سال بڑے تھے اور آپ ﷺ کے رضائی بھائی بھی تھے۔ نبی کریم ﷺ کو ان سے گہرا جذباتی تعلق تھا۔

ابتدائے اسلام میں ہی مسلمان ہوگئے تھے اور آنحضور ﷺ کی ہر لحظہ خدمت اور حفاظت کیا کرتے تھے۔ آنحضور ﷺ نے مدینہ ہجرت کی تو آپ ﷺ کے ساتھ حضرت حمزہؓ نے بھی ہجرت کی جہاں رسول ﷺ نے انہیں حضرت زیدؓ کا بھائی بنایا۔ کسی اسلامی مہم میں حضرت حمزہؓ ہی کو سب سے پہلے اسلامی پرچم دیا گیا۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں اپنی دودستی تلوار سے بڑی دیدہ دلیری سے لڑ رہے تھے کہ ہند کے بھیجے ہوئے ایک غلام "وحشی" نے دوران لڑائی چھپ کر حضرت حمزہ کے "حربہ" (ایک چھوٹا نیزہ جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے) کھینچ مارا جو حضرت حمزہ کے ناف میں لگا اور پار ہوگیا۔ حضرت حمزہ اس زخم کی تاب نہ لا سکے اور شہید ہوگئے۔

ہند نے حضرت حمزہ کی لاش دیکھی تو ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجا نکالا اور چبائی، لیکن گلے سے نہ اتر سکا تو اگل دیا۔ ہند کو "جگر خوار" اسی واقعے کی بنا پر لکھا جاتا ہے۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کا کافی جانی اور مالی نقصان ہوا تھا۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ میں غم وحزن کا عالم ہے۔ نبی کریم ﷺ کو محسوس ہوا کہ سب کے اعزا واقرب اپنی اپنی میتوں پر رو رہے ہیں، لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپ ﷺ کی زبان سے بے اختیار الفاظ نکلے:

"لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں" انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے۔

✽ حمس: وہ نام جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حرم مکہ کے رہنے والوں کو دیا جاتا تھا۔ حج اور حرم مکہ کے مراسم ولوازم کے نقطہ نظر سے زمانہ جاہلیت میں عرب قبائل تین طبقوں میں تقسیم تھے: حمس، حلہ اور طلس۔

"المحبر" کے مصنف ابن جیب نے لکھا ہے کہ قریش کے تمام افراد یعنی خزاعہ، مکہ کے رہنے والے، اجنبی، بیرون مکہ، قریش کی لڑکیوں کی اولاد..... یہ سب حمس میں شامل تھے۔ ایک بار قریش نے سوچا کہ ہم حضرت براہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حرم مکہ میں رہتے ہیں، اپنی حیثیت کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے ہمیں کچھ کرنا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے حج میں عرفات جانا ترک کر دیا۔ بعد میں اور قبائل کو بھی قربت اور رشتے داری کی بنا پر یہی امتیاز عطا کیا۔ اس کے ساتھ گھی، دہی، پنیر، اونی خیموں وغیرہ کے ساتھ حج یا عمرے پر آئے ہوئے لوگوں کی غذا کو اپنے لئے حرام کر لیا۔ اجنبیوں پر یہ پابندی لگا دی کہ طواف قدوم کے لئے اہل حرم سے لباس لے کر استعمال کریں ورنہ برہنہ رہیں۔ بیرونی لوگوں نے یہ پابندیاں فوراً قبول کر لیں، لیکن جب اسلام کی آمد ہوئی تو اسلام نے یہ تمام خرافات ختم کر دیں اور امتیازات مٹا دیئے۔ پرانی باتوں میں سے صرف احرام کی حالت میں شکار، ناخن تراشنے اور ہم بستری جیسے امور پر پابندی برقرار رکھی۔

⇦ کعبہ + مکہ + قریش۔

✽ حملتہ العرش: وہ آٹھ فرشتے جو عرش معلیٰ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ سورہ مؤمن میں ہے کہ جو فرشتے (عرش الٰہی کو) اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (آیت سات)

بیضاویؒ کے مطابق حملتہ العرش وہ آٹھ فرشتے ہیں جو اپنے مرتبے کے لحاظ سے تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ وہ اتنے لمبے ہیں کہ ان کے پاؤں زمین کی آخری تہہ تک اور سر سب سے بلند جنت تک پہنچے ہوئے ہیں۔ تمام کائنات ان کی ناف تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اگر ہم ان کے کانوں سے لے کر کندھوں تک کا فاصلہ طے کرنا چاہیں تو ہمیں سات سو سال لگ جائیں۔

✽ حمنہ بنت جحش: جحش کی بیٹی اور حضرت زینب کی رضاعی بہن۔ وہ حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئیں اور انہی سے نکاح ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہی مدینہ کی طرف ہجرت کی اور کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ غزوہ احد میں جب حضرت مصعب بن عمیر شہید ہوگئے تو انہوں نے حضرت طلحہؓ سے نکاح کیا۔

ان سے دو لڑکے محمد (لقب محمد سجاد) اور عمران ہوئے۔

حضرت زینب کے انتقال (۶۰ ہجری) کے بعد کسی وقت انہوں نے وفات پائی۔

ح ن

*** حنظلہ بن ابی عامر:** صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ اوس سے تھے۔ باپ اسلام کا نہایت دشمن تھا۔ اگرچہ ابتدا میں اسلام لے آئے تھے، لیکن غزوۂ احد میں شرکت کی۔ اسی جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور فرشتوں نے انہیں غسل دیا۔ اسی وجہ سے انہیں "غسیل الملائیکہ" کا لقب دیا گیا۔

⇦ اوس + انصار + احد، غزوہ۔

*** حنظلہ بن ربیع:** صحابی رسول ﷺ اور نبی کریم ﷺ کے کاتب وحی۔ کنیت "ابوبعی" تھی۔ غزوۂ طائف سے پہلے بنو ثقیف کے پاس سفیر بنا کر رسول ﷺ نے بھیجا تھا۔ چند احادیث بھی ان سے روایت کی جاتی ہیں۔

⇦ وحی + طائف، غزوہ + بنو ثقیف۔

*** حنیف، دین:** دین حنیف۔ وہ دین جو اسلام سے پہلے بعض لوگوں نے اختیار کر لیا تھا اور اسلام کی دعوت سے پہلے ہی شرک سے کنارہ کش ہو کر توحید خالص کو اختیار کر لیا تھا۔

دین ابراہیمی کا بنیادی اصول "توحید خالص" تھی لیکن امتداد زمانہ، شیطانی بہکاووں اور انسانی سرشت کے باعث یہ اصول شرک آلود ہو گیا تھا بلکہ خود خانہ کعبہ میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ تاہم اس کو خدا کی مرضی یا مصلحت کہئے کہ اس کے باوجود توحید کا سلسلہ بالکلیہ ختم نہیں ہو سکا تھا۔ عرب میں کہیں کہیں اس کے ہلکے سے آثار نظر آتے تھے۔ جو لوگ صاحب بصیرت تھے ان کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ عاقل و سمجھ دار انسان ایک بے جان اور بے عقل جسم کے سامنے سر جھکائے۔ چنانچہ اس بنا پر بہت سے صاحب عقل اپنے ارد گرد بت پرستی کے ماحول کے باوجود بت پرستی کو کم عقلی اور بے وقوفی گردانتے تھے۔ لیکن اس شعور کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کی آمد سے کچھ ہی عرصہ پہلے شروع ہوتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے ابن اسحاقؒ کے حوالے سے لکھا کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلے میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں اچانک یہ خیال آیا کہ یہ کیا بے ہودہ پن ہے۔ کیا ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے۔ ورقہ حضرت خدیجہؓ کے عم زاد تھے۔ زید حضرت عمر کے چچا تھے۔ عبداللہ ابن جحش حضرت حمزہ کے بھانجے تھے۔ عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے۔

یہ سلسلہ آگے بڑھا تو زید، دین ابراہیمی کی تلاش میں شام گئے۔ وہاں عیسائی پادریوں سے ملے لیکن کسی سے تسلی نہ ہوئی۔ چنانچہ اس اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ "میں ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہوں۔"

صحیح بخاری (باب بنیاد الکعبہ سے پہلے) میں حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر سے روایت ہے کہ میں نے زید کو اس حالت میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں سے کہتے تھے کہ اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں ہے۔

دین حنیفی

اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ "دین ابراہیم" کو "دین حنفی" کیوں کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں یہ لفظ موجود ہے، لیکن اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ اس دین میں بت پرستی سے انحراف تھا اس لئے کو "حنفی" کہتے ہیں کیونکہ "حنف" کے معنی انحراف کے ہیں۔ عبرانی اور سریانی زبان میں "حنیف" کے معنی منافق اور کافر کے ہیں۔ ممکن ہے کہ بت پرستوں نے یہ لقب دیا ہو اور موحدین نے فخریہ قبول کر لیا ہو۔

یہ بات بھی کثرت سے معلوم ہوتی ہے کہ عرب خصوصاً مکہ اور

مدینہ میں آنحضور ﷺ کی آمد تک متعدد اشخاص بت پرستی سے منحرف ہو گئے تھے اور دین ابراہیمی کی جستجو میں تھے۔

*** حنیف بن رأب:** صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: حنیف بن رأب (رباب) بن حارثہ بن امیہ بن زید بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف الانصاری اوسی۔

غزوۂ احد سے قبل اسلام قبول کیا اور احد سمیت بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوۂ موتہ ان کا آخری غزوہ تھا۔ اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔

⇦ اوس + انصار + احد، غزوہ۔

*** حنیفہ، بنو:** ⇦ بنو حنیفہ۔

*** حنیفہ، وادی:** وہ وادی جہاں قبیلہ بنو حنیفہ آباد تھا۔ یہ علاقہ ریاض شہر کے قریب ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ وادی لگ بھگ ڈیڑھ سو میل لمبی ہے۔

*** حنین، وادی:** مکہ سے تقریباً پچّیس میل دور ایک وادی جہاں ہوازن اور ثقیف نامی قبائل آباد تھے۔ یہیں پر غزوۂ حنین بھی واقع ہوا۔ ⇦ ہوازن، بنو + ثقیف، بنو + حنین، غزوہ۔

*** حنین، غزوہ:** غزوہ حنین جو شوال ۸ ہجری میں ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مکہ فتح ہو چکا تھا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ لیکن دوسری جانب بعض ایسی طاقتیں بھی تھیں جن کو اسلام کا یہ پھیلاؤ ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ان میں پیش پیش "ہوازن" اور "ثقیف" کے قبیلے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ مکہ فتح کرنے چلے تھے اس وقت بھی ان کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید اسلامی لشکر ان کی طرف آ رہا ہے اور ان قبیلوں نے مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کر لی۔ تاہم جب اسلامی لشکر نے مکہ کا رخ کیا تو ان کو چین آیا، مگر ان قبائل نے مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کر لی تھی اور وہ اس تیاری کو کام میں لانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ہوازن اور ثقیف کے رؤسا یہ بھی سمجھتے تھے کہ مکہ کی فتح کے بعد اب مسلمان ان کا رخ کریں گے۔ چنانچہ ان قبائل نے آپس میں مل کر مشورہ کیا کہ مسلمانوں پر (جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں) مل کر ایک بڑا حملہ کر دیا جائے۔

یہ معاملہ طے ہونے کے بعد ہوازن اور ثقیف کے قبائل کے افراد بڑے زور و شور سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے تیاری کرنے لگے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنے تمام اہل و عیال لے کر آیا کہ ان کے بچے اور عورتیں تک ان کے ساتھ تھیں کہ اگر ان پر کوئی آنچ آئی تو ان کے لئے اپنی جانوں کی بازی لگا دیں گے۔

اس معرکے میں اگرچہ ہوازن اور ثقیف کی تمام شاخیں شریک تھیں، مگر کعب اور کلاب الگ رہے۔ فوج کی سرداری کے لئے اگرچہ انتخاب مالک بن عوف کا ہوا تھا (جو قبیلہ ہوازن کا رئیس اعظم تھا) لیکن مشیر کی حیثیت سے درید بن صمتہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ درید بن صمتہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ جشم کا سردار تھا۔ وہ اپنی شاعری اور بہادری کی وجہ سے پوری عرب میں مشہور تھا اور اس کی شاعری یادگار اور دلوں کو گرمانے والی شاعری شمار کی جاتی تھی۔ اس زمانے میں اس کی عمر سو سے تجاوز کر چکی تھی اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا، لیکن چونکہ عرب اسے خوب مانتے تھے اس لئے اس معرکے میں اس کی شرکت دونوں قبائل کے جنگجوؤں کو گرمانے کے لئے ضروری خیال کی گئی۔

چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے اور تدبیر پر تمام لوگوں کا اعتماد تھا، خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی۔ چنانچہ درید کو پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدان جنگ میں لایا گیا۔ اس نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے؟ اسے بتایا گیا کہ اوطاس! اس نے کہا، ہاں یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے۔ اس کی زمین نہ بہت سخت ہے نہ بہت نرم۔ پھر اس نے پوچھا کہ یہ بچوں کے رونے کی آواز کیسی آ رہی ہے؟ درید کو بتایا گیا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے۔

درید نے کہا: جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ میدان جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی۔

درید کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام پر فوجیں جمع کی جائیں اور وہیں اعلان جنگ کیا جائے۔ لیکن مالک بن عوف نے اس رائے کو قبول نہیں کیا۔

نبی کریم ﷺ کو ہوازن وثقیف کے ان عزائم کی خبر تھی اور آپ ﷺ ان کی تیاریوں سے باخبر تھے تاہم آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی جدرد کو ہوازن وثقیف کی جاسوسی کرنے اور ان کے بارے میں تازہ ترین رپورٹ لانے کو بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن ابی جدرد کئی دن تک کفار میں رہ کر ان کی فوج کی رپورٹ لائے اور آکر آنحضرت ﷺ کو ان کی جنگی تیاریوں کی خبر دی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کو بھی مجبوراً ان کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کو تیار کرنا پڑا۔ اس موقع پر سامان رسد و حرب کے لئے قرض کی ضرورت پڑی تو عبداللہ بن ربیعہ (ابوجہل کے بے مات بھائی) سے تیس ہزار درہم قرض لئے گئے۔ اسی طرح صفوان بن امیہ (جو اب تک مسلمان نہیں ہوا تھا) سے سو زرہیں اور ان کے لوازمات ادھار لئے گئے۔

جب اسلامی فوج کی تیاری مکمل ہوگئی تو شوال ۸ ہجری (جنوری فروری ۶۳۰ء) میں بارہ ہزار مسلمانوں کی جانب سے یہ بات جاری ہوئی کہ اب ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟

لیکن جب حنین کے مقام پر اسلامی فوجوں اور کفار کی فوجوں کا مقابلہ ہوا تو نقشہ ہی دوسرا تھا۔ رسول ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے بھی کوئی پہلو میں نہ تھا۔ حضرت ابوقتادہ جو شریک جنگ تھے، ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینے پر سوار ہے۔ میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی۔ اس نے مڑ کر مجھے اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔ اسی اثنا میں نے حضرت عمر کو دیکھا تو پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ وہ بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔

دوران جنگ ایک بار تو یہ حال ہوا کہ نبی کریم ﷺ تنہا رہ گئے۔ آنحضور ﷺ نے دائیں جانب دیکھا اور پکارا: یامعشر الانصار! دوسری جانب سے آواز آئی: ہم حاضر ہیں!

آپ ﷺ نے بائیں جانب مڑ کر دیکھا اور وہی آواز دی۔ جواب میں وہی آواز آئی۔ آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجے میں فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں۔

حضرت عباس کی نہایت بلند آواز تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو! حضرت عباسؓ نے نعرہ مارا:

یامعشر الانصار (اوگروہ انصار)

یا اصحاب الشجرة (او اصحاب الشجرہ یعنی اے بیعت رضوان والے)

ان آوازوں کا صحابہ کرام کے کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی۔ جب لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے تو انہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا رخ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے۔ جو رہ گئے تھے وہ گرفتار کر لئے گئے۔ بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ) جم کر لڑے، لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ مشہور شاعر درید بن صمہ بھی مارا گیا۔

قرآن پاک میں اس احسان کو سورۂ توبہ (چوتھی آیت) میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے، لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی سزا یہی ہے۔"

کفار کی شکست خوردہ فوج فرار ہوگئی۔ کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر مالک بن عوف بھی تھا۔

جب کہ مسلمانوں میں سے حضرت ایمنؓ بن عبید، یزیدؓ بن زمعہ، سراقہؓ بن حارث، ابوعامرؓ اشعری، حویرثؓ بن عبداللہ، مرۃؓ بن سراقہ، سراقہؓ بن حباب شہید ہوئے۔

ح و

٭ حوض کوثر: جنّت میں موجود ایک حوض۔ قرآن پاک سورہ کوثر میں اس حوض کا ذکر کیا گیا ہے۔ آنحضور ﷺ کے سفر معراج (اسرا) کے حوالے سے اس کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ⇐ اسرا۔

٭ حویطب بن عبدالعزیٰ: صحابی رسول ﷺ۔ کنیت ابو محمد تھی۔ مکہ کے رؤسا میں سے تھے۔ فتح مکہ کے فوراً بعد ۸۰ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا اور (غالباً غزوۂ حنین کے لئے) نبی کریم ﷺ نے ان سے چالیس ہزار درہم قرض بھی لئے۔ اس کے بعد حضرت حویطبؓ غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔

حویطب بن عبدالعزیٰ کا انتقال حضرت امیر معاویہ کے دور میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔

ح ی

٭ حیدر: حضرت علیؓ کا لقب جو آپؓ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے انھیں دیا تھا۔ ۷ھ میں خیبر کی لڑائی میں حضرت علی نے مرحب یہودی کے جوابی رجز میں اپنا یہ لقب استعمال فرمایا تھا۔ چنانچہ فتح خیبر کے بعد ان کی شجاعت کی بنا پر ان کا نام "حیدر کرار" زبان زد عام ہے۔ ⇐ علی بن ابی طالب۔

٭ حیلیہ: مقام عقربا کے قریب علاقہ جہاں مسلیمہ کذاب نے سب سے پہلے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ⇐ مسلیمہ کذاب۔



خ

خ ا

*** خارجہ پالیسی، عہد نبوی ﷺ میں:** رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد جن شعبوں پر خاص توجہ دی ان میں بیرونی دنیا سے تعلقات کالائحہ عمل بھی شامل تھا۔ بیرونی دنیا سے تعلقات کا یہ لائحہ عمل جو آج کے دور میں "خارجہ پالیسی" کہلاتا ہے، نبی کریم ﷺ کی فہم و فراست اور دعوت اسلامی کے مقصد کا آئینہ دار تھا۔

بازنطین

رسول اللہ ﷺ نے صرف دفاع کی خاطر اور وہ بھی بڑے تامل کے ساتھ ہتھیار اٹھائے تھے۔ جب اسلام کے پرانے دشمنوں کی احمقانہ دشمنی ختم ہوگئی تو ان کا صرف ایک ہی کام اور ایک ہی مقصد رہ گیا کہ عرب اور دیگر ممالک میں پر امن طور پر اسلام کی تبلیغ کی جائے۔

حدیبیہ سے واپسی کے بعد جہاں وہ اہل مکہ سے پر امن بقائے باہمی پر مفاہمت میں کامیاب رہے اور خیبر فتح کئے بغیر — فتح مکہ کا تو ذکر ہی کیا — پیغمبر اسلام نے بیرونی ممالک میں قاصد روانہ کرنا شروع کر دئے۔ ۷ھ میں انہوں نے بازنطینی فرماں روا، والی مصر، شاہ حبشہ، اور شاہ ایران کے نام مراسلے ارسال کئے جن میں ان فرماں رواؤں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ ان ممالک کے لئے نبی ﷺ نے ایسے افراد کا انتخاب کیا جو پہلے ہی ان ممالک کا دورہ کر چکے تھے اور وہاں کی زبان کسی حد تک سمجھ سکتے تھے۔

(الف) — رسول اللہ ﷺ نے جن فرماں رواؤں کو خطوط ارسال کئے ان میں ہرقل معمولی گھرانے کا فرد تھا جو قسطنطنیہ میں ایک فوجی انقلاب کے نتیجے میں برسراقتدار آیا تھا۔ اس نے انہی دنوں ایرانیوں پر زبردست فتح حاصل کی تھی اور انہیں اپنی مملکت کے ان حصوں سے مار بھگایا تھا جس پر انہوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ فطری طور پر شہنشاہ ہرقل عرب کے کسی باشندے کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہو سکتا تھا جب کہ عرب کا ایک حصّہ خود اس کی سلطنت کی ایک نوآبادی تھا۔ ہرقل نے اپنے ایک سردار کو محض اس لئے پھانسی دے دی تھی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے مسلم سفیر کو قتل کرنے والے گورنر کو پناہ دی جس نے بین الاقوامی قوانین اور اصول و قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ جب پیغمبر ﷺ نے سفیر کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے فوجی مہم موتہ بھیجی تو ہرقل نے ایک زبردست فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اس کا رویہ ایک بے اصول ظالم اور جابر بادشاہ کا تھا۔ مسلمان مورخوں کے مطابق ایک بڑے پادری نے اسلام سے رغبت کا اظہار کیا تو لوگوں نے اس کی تکا بوٹی کر دی۔ ممکن ہے اس واقعے کے باعث ہی ہرقل نے اسلام کے متعلق بے توجہی برتی ہو، حال آنکہ انہی دنوں اس توہم پرست بادشاہ نے بعض ڈراؤنے خواب دیکھے تھے اور اس نے علم نجوم کی بعض کتابوں میں جو اس کے کتب خانے میں موجود تھیں اور جن کا وہ اکثر مطالعہ کرتا تھا، رسول پاک ﷺ کے بارے میں بعض پیشگوئیوں کا بھی مطالعہ کر رکھا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے خطوں کے جواب میں کم و بیش نرم زبان میں انکار کے مترادف تھے۔ انسانی معاشرے میں مذہب اور ماورائے طبیعیات اعتقادات کے بارے میں سب سے زیادہ قدامت پرستی اور تعصب کارفرما رہتا ہے، لیکن ایسا داعی جسے اپنے دعوے پر مکمل یقین ہو، کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اگر شروع میں اسے کامیابی نہ بھی ہو تو وہ براہ راست یا بالواسطہ ذرائع سے بار بار اپنی کوشش بروئے کار لاتا ہے۔

ایرانیوں اور بازنطینیوں دونوں نے عرب کے اندر اور گردونواح میں اپنی نوآبادیاں قائم کر رکھی تھیں۔ انہوں نے عربوں کو غلام بنا کر رکھا تھا اور وہ ان سے دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ وہ عربوں کو کمتر نسل تصور کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے براہ راست یونانیوں (رومیوں) سے رابطہ پیدا کرنے سے قبل ان سے رابطہ کا فیصلہ کیا۔

سینٹ پال کے دور میں عرب نہ صرف دور دور تک آباد تھے بلکہ انہوں نے دمشق کے شمالی علاقے میں چھوٹی موٹی سرداریاں بھی قائم کر رکھی تھیں۔ اس وقت اس علاقے کا حکمران حارث (ارٹیس) نامی ایک شخص تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اس علاقے میں عرب قبیلہ غسان آباد تھا جس نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قبیلے کے مختلف سرداروں کے نام خط بھی بھجوائے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

نبی کریم ﷺ نے پہلا خط حارث ابن شمیر کو لکھا، مگر اس نے رسول ﷺ کی دعوت مسترد کر دی۔ جلد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ ۸ھ کا واقعہ ہے۔ پھر اس کے جانشین جبلہ الایہم کو بھی اسی طرح کا نامہ بھیجا گیا۔ اس کے قبول اسلام کے بارے میں متضاد روایات ملتی ہیں۔ رسول ﷺ نے حاکم بصرہ کے نام بھی اسلام کا دعوت نامہ ارسال کیا۔ یہ خط حارث ابن عمیر الازدی لے کر گئے، مگر عیسائی سردار شرجیل ابن عمرو الغسانی نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ عیسائی سردار کا یہ فعل تمام بین الاقوامی اصول و قواعد کی کھلی خلاف ورزی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سفیر کے قتل کا تاوان طلب کیا اور مطالبہ کیا کہ مجرم کو سزا دی جائے، لیکن شہنشاہ ہرقل نے مسلمانوں کی چھوٹی سی مہم کے مقابلے میں ایک لاکھ سپاہ پر مشتمل وہ فوج روانہ کر دی جو اس نے ایران کی مہم کے لئے بھرتی کی تھی اور ابھی اسے فارغ نہیں کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مہم کے لئے تین ہزار افراد پر مشتمل فوج خشکی کے راستے اور کچھ کمک سمندر کے راستے بھجوائی تھی۔ مسلم فوج کا ہرقل کی فوج سے موتہ کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ مسلمان دشمن کی تعداد سے خائف نہیں تھے۔ جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے دو سینئر جرنیل، کمانڈر، انچیف، زید بن حارثہ اور ان کے نائب جعفر طیار ابن ابوطالب شہید ہو گئے۔ اس کے بعد فوج نے خالد بن ولید کو سپہ سالار منتخب کیا۔ انہوں نے دشمن کو بھاری جانی نقصان پہنچایا اور اسلامی فوج کو بتدریج پیچھے ہٹا لائے۔ دشمن کو مسلم فوج کا تعاقب کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اسلامی فوج مدینہ میں وارد ہوئی جس کے بعد رسول پاک ﷺ نے غزوہ تبوک کی تیاری شروع کر دی۔ ۹ھ میں رسول خدا ﷺ تیس ہزار افراد پر مشتمل فوج لے کر نکلے۔ راستے میں اسلامی فوج جس جگہ پڑاؤ ڈالتی، وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی جاتی۔ انہوں نے پورے شمالی عرب اور جنوبی فلسطین پر مسلمانوں کی بالادستی قائم کر لی۔ اسلامی فوج نے دومۃ الجندل، مقنہ، ایلہ، جربا اور اذرح پر قبضہ کر لیا۔ یہ تمام شہر بازنطینیوں نے خالی کر دئے تھے۔ ان میں ایلہ کی بندرگاہ زبردست اہمیت کی حامل تھی۔ علاقے کی عرب آبادی نے جو عیسائیت قبول کر چکی تھی، ظالم بازنطینیوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ وہ روادار اور اصول پرست مسلمانوں کے سائے میں زندگی بسر کرنے پر خوش تھے۔ ان علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ مستحکم ہو گیا اور اب رومی شہنشاہ ان میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا تاہم ابھی اسلامی مملکت کی سرحدوں کی صورت حال مستحکم نہ تھی۔ چنانچہ ڈیڑھ سال بعد ایک اور فوجی مہم روانہ کی گئی۔ یہ فوج عین اس روز روانہ ہوئی جس روز رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا۔ اس فوج کو بھیجنے کا فیصلہ رسول اللہ نے کیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ ابوبکر صدیق ﷺ نے آپ ﷺ کا فیصلہ برقرار رکھا۔ فوج کا کمانڈر اسامہ ابن زید کو مقرر کیا گیا۔ اس فوج نے اسلامی مملکت کی حدود کو مزید شمال میں وسعت دی اور جلد ہی فلسطین مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔

معان کے عرب گورنر کو بھی رسول اللہ ﷺ نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اس نے اسلام قبول کر لیا مگر ہرقل کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔

مصر

مصر سلطنت بازنطین کا ایک حصہ تھا جب ایرانیوں نے اس پر

قبضہ کر لیا۔ انہوں نے قبطیوں سے فیاضانہ سلوک کیا جو بازنطینی حکومت کے "مذہبی مظالم" سے تنگ آ چکے تھے۔ ایرانیوں نے قبطیوں میں سے ایک شخص کو ان کا حکمران بنا دیا جسے مقوقس کا خطاب دیا گیا۔ ایرانیوں کو جب نینوا کے مقام پر ہرقل کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی تو وہ مصر بھی خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ غالباً یہی دور تھا جب رسول اللہ ﷺ نے قبطیوں کے سردار کو خط لکھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ قبطی سردار نے رسول اللہ ﷺ کے خط کا نہایت مودبانہ جواب دیا، تاہم مقوقس کے قبول اسلام کا معاملہ حل نہ ہو سکا۔ مقوقس نے اسلامی سفیر کو متعدد تحائف دئے جو وہ اپنے ساتھ مدینہ لے آیا۔

حبشہ

حبشہ کا علاقہ یمن کے قریب تھا اور باب المندب کی تنگ کھاڑی اسے یمن سے جدا کرتی تھی۔ ظہور اسلام سے بہت پہلے مکہ سے حبشہ کے نہایت قریبی اقتصادی تعلقات قائم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہودی حکمران ذونواس نے عیسائیوں پر مذہبی اختلاف کی بنا پر اتنے مظالم کیے کہ حبشہ کے عیسائیوں نے یمن پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن فاتح عیسائیوں کے جرنیلوں کے درمیان حسد و رقابت کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگے۔ اس خون ریزی اور جنگ وجدل کے بعد ابرہہ حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر بن گیا۔ وہ مذہب کے معاملے میں بڑا کٹر اور ہٹ دھرم تھا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جس نے کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کے لئے مکہ پر حملہ کیا تھا کیونکہ وہ کعبہ کو عرب میں عیسائیت کے فروغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتا تھا۔ اس کی فوج میں ایک ہاتھی تھا جو اس نے مکہ پر حملے میں استعمال کیا۔ وہ فوج لے کر طائف سے گزرا مگر اس نے لات کے بت خانہ کو نہیں چھیڑا کیونکہ اہل طائف نے مکہ کی راہ بتانے کے لئے اسے رہنما فراہم کئے تھے۔ قرآن پاک کی سورۃ الفیل (۱۰۵) اس وقت نازل ہوئی تھی جب ان لوگوں میں سے بہت سے بقید حیات تھے جنہوں نے مکہ پر ابرہہ کا حملہ بہ چشم خود دیکھا تھا۔ گویہ لوگ اسلام کے مخالف تھے مگر انہیں سورہ فیل کے نفس مضمون کی تردید کی جرات نہیں ہوئی۔ سورۂ فیل میں بتایا گیا ہے کہ "اصحاب فیل کو جانوروں کے جھنڈ نے مکمل تباہی سے ہمکنار کیا جنہوں نے ان پر کنکریاں برسائیں۔" یہ واقعہ اسی سال رونما ہوا تھا جس سال نبی کریم ﷺ تولد ہوئے تھے۔

اس کے بعد جلد ہی ایرانیوں نے یمن پر فوج کشی کی اور حبشہ کی حکومت کے مخالف یمنیوں کی مدد سے حکمرانوں کو مار بھگایا۔

حضور اکرم ﷺ نے جن مختلف حکمرانوں کو خطوط لکھے ان میں حبشہ کا شاہ نجاشی بھی شامل تھا۔ مسلمانوں سے نجاشی کے تعلقات اس خط سے بہت پہلے سے قائم تھے۔ حضور ﷺ کے اعلان نبوت سے کوئی پانچ سال بعد مکہ میں اہل اسلام پر اتنے مظالم ڈھائے گئے کہ انہوں نے مادر وطن سے ہجرت کر کے سمندر پار کے ملک حبشہ میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ رسول خدا ﷺ نے اپنے عم زاد جعفر ابن ابوطالب کو دیا تھا۔ اگلے سال اہل مکہ نے دو سفارتیں حبشہ بھیجیں تاکہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال کر اہل مکہ کے حوالے کیا جائے، مگر دونوں سفارتیں ناکام رہیں۔ جب مکہ والوں کا دوسرا وفد حبشہ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنا ایک سفیر حبشہ بھیجا تاکہ اہل مکہ کی سازش کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس دور کی حبشہ کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، جس کے باعث یہ قطعی اندازہ نہیں ہو سکتا کہ حبشہ کے جس شاہ نجاشی نے مکی مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور دس سال بعد جس نجاشی نے اہل مکہ کے دوسرے وفد سے ملاقات کی تھی وہ ایک شخصیت تھی یا دو مختلف افراد تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ ایک ہی شخصیت تھی اور پیغمبر ﷺ سے اس کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے خط لکھا تھا جس میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا تاہم وہ اپنی رعایا کو قبول اسلام کی ترغیب نہیں دے سکا تھا۔ نجاشی کا قبول اسلام اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کے مطابق نجاشی کی وفات کی خبر ملنے پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے شاہ نجاشی کے جانشین کو بھی خط لکھا تاہم اس نے اسلام قبول نہیں کیا، مگر حبشہ کے بہت سے شہری مشرف بہ

اسلام ہوئے جن میں شاہ نجاشی کا ایک بیٹا بھی شامل تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حبشہ کو بازنطینی سلطنت کی نو آبادی نہیں بلکہ دوست ملک اور حلیف ظاہر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے ایسا ہم مذہبیت کی بنا پر کیا گیا ہو، کیونکہ دونوں ملک عیسائیت کے پیروکار تھے۔

عرب میں حبشہ کے کئی شہری بھی ملتے ہیں۔ موذن رسول ﷺ حضرت بلالؓ کو حبشی اسی بنا پر کہا جاتا تھا کہ وہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ ایک اور شخص یاسر تھا جس کا تعلق نوبیا سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا تھا جس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کا خادم بن کر مدینہ میں جاگزین رہا۔ مگر یہ افراد عرب میں کیسے اور کہاں سے آئے، اس کا علم نہیں ہوسکا۔ کیا انہیں حبشہ سے اغوا کر کے عرب میں بہ طور غلام فروخت کیا گیا تھا یا کوئی اور ماجرا تھا۔

ایران

بازنطینی سلطنت کی طرح ایران نے بھی عرب میں نو آبادیاں قائم کر رکھی تھیں۔ گو عربوں کے درمیان باہمی اختلافات تھے، وہ ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے مگر ان میں انا اور عزت نفس کا احساس بہت زیادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ بہترین وفادار حلیف ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ بنو غسان بازنطینیوں کے نہایت وفادار حلیف تھے۔ اسی طرح حیرہ (موجودہ کوفہ) کے لوگوں کے ایران سے تعلقات تھے اور وہ ایران کے حلیف تھے۔ ایک وقت تھا کہ حیرہ کے حکمرانوں نے اپنے وتیرہ سے ایران کے شاہی خاندان میں اتنا اعتماد پیدا کر لیا کہ ولی عہد شہزادہ بہرام گور کو بچپن میں مدائن کے شاہی محل میں رکھنے کے بجائے حیرہ بھیج دیا گیا تاکہ یہاں اس کی پرورش اور تربیت کی جا سکے۔ لیکن بعد کی نسلوں کے زمانے میں صورت حال بالکل بدل گئی۔ ایک شاہ ایران نے خواہش ظاہر کی کہ والی حیرہ کی بیٹی شاہی حرم میں بھیجی جائے، مگر حیرہ کے گورنر نے انکار کر دیا۔ چنانچہ شہنشاہ نے گورنر کو مدائن طلب کیا جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس پر عربوں نے حکومت ایران کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ شاہ ایران نے عربوں کو سبق سکھانے کا فیصلہ کیا اور حیرہ پر فوج کشی کر دی۔ عربوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور شاہی فوج کو جنوبی عراق میں ذوقار کے مقام پر تہس نہس کر دیا۔ یہ واقعہ انہی دنوں رونما ہوا جب کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان غزوۂ بدر ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ذوقار کی جنگ کے دوران عربوں نے "یا محمد" کے نعرے بلند کئے۔ جب جنگ ذوقار کی خبر مدینہ پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے پکار کر کہا "یہ پہلا موقع ہے کہ عربوں نے ایرانیوں سے انتقام لیا ہے اور انہیں میری وجہ سے یہ فتح نصیب ہوئی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ ایران کے آنجہانی شہنشاہ نوشیرواں کی عادلانہ حکومت کے معترف تھے، لیکن وہ ایرانیوں کی آتش پرستی اور زرتشت کی طرف سے مذہب کے نام پر روا رکھی جانے والی بدعتوں کے سخت خلاف تھے۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ کو ہجرت سے قبل ایرانیوں نے بازنطینی سلطنت پر حملہ کر کے شام، فلسطین، اور مصر پر قبضہ کر لیا تھا۔ قرآن میں کہا گیا ہے، رومی (بازنطینی) ہمسایہ ممالک میں شکست سے دوچار ہوئے ہیں مگر چند سال کے اندر ہی فاتح ہوں گے۔ عیسائیوں کو نسبتاً مسلمانوں کے قریب تصور کیا جاتا تھا اور زرتشی (ایرانی) کفار مکہ کے ہم مشرب تصور ہوتے تھے۔ غالباً اسی لئے یہ ردعمل ظاہر کیا گیا ہے۔

۷ ھ میں نبی کریم ﷺ نے خسرو پرویز کو اسلام کی دعوت دی اور اسے خط لکھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا رسول ﷺ اسلام کا یہ خط خسرو پرویز نے وصول کیا تھا، یا اس کے کسی جانشین کو ملا تھا۔ کیونکہ بالکل انہی دنوں ایرانیوں کو نینوا کے مقام پر مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ شہنشاہ ایران کو خود اس کے بیٹے نے قتل کر دیا تھا اور پایۂ تخت مدائن (تیسفون) میں وارثان تخت جلد جلد بدل رہے تھے۔ بہر حال اسلامی سفیر سے نہایت توہین آمیز سلوک کیا گیا اور اسے بے عزتی کر کے ایرانی دربار سے نکال دیا گیا۔ ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق ایران کی ایک ملکہ نے مدینہ میں ایک سفارت بھیجی۔ ایرانی سفیر تحفے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا مقصد سابق بادشاہ کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچائی جانے والی اذیت کا مداوا کرنا تھا۔ ایران کی یہ ملکہ غالباً پوران دخت تھی جو مختصر عرصے کے لئے تخت ایران پر جلوہ گر رہی۔ وہ اس بات سے خوف زدہ تھی کہ عرب میں نو آبادیات

تخت ایران کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں۔

دراصل شاہ ایران سے مایوس ہو کر نبی کریم ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ عرب میں ایرانی مقبوضات پر مرکوز کر دی تھی کیونکہ ان ایرانی مقبوضات کی نہ صرف رعایا بلکہ حکمران طبقے کا بڑا حصّہ بھی عرب تھا۔ یمن، عمان، بحران (بحران کو بیشتر کتب میں بحرین ہی لکھا گیا ہے، مگر قدیم عربی کتب اور حوالے کے مطابق قدیم عرب اس علاقے کو "بحران" کہتے تھے۔ یہ موجودہ بحرین نہیں ہے بلکہ یہ وہ علاقہ ہے جو سعودی عرب کے مشرقی سرحدی صوبہ الحساء پر مشتمل ہے) اور جزیرہ نمائے عرب کے انتہائی شمال مشرقی علاقے ایرانی مقبوضات پر مشتمل تھے۔

یمن

یمن میں صورت حال خاص طور پر بڑی سنگین تھی۔ یمن ثقافتی اعتبار سے نہایت ترقی یافتہ علاقہ تھا اور انتہائی شان دار ماضی کا حامل تھا۔ یمن میں روم اور ایتھنز سے بھی پہلے مہذب حکومتیں قائم تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ظہور سے صرف ایک نسل قبل یمن میں عظیم الشان سلطنت قائم تھی جس کی حدود میں نہ صرف پورا جزیرہ نما عرب بلکہ وہ وسیع علاقے بھی شامل تھے جو بعد میں بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں کا حصّہ بنے۔ اب یہی ایرانیوں کی غلامی کے خلاف نبرد آزما تھا۔ یمنی ایرانیوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے یمن میں آباد تمام ایرانیوں، ایرانی النسل حکام اور فوجیوں کو قتل کرنے کی سازشوں میں مصروف تھے۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ کی طرف سے اہل یمن کو قبول اسلام کی دعوت کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ پہلے خالدؓ ابن ولید اور پھر حضرت علیؓ کو اس علاقے میں بھیجا گیا۔ چنانچہ جہاں یمن کے بہت سے قبائل آسانی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے، وہاں نجران کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر کے امن سے رہنے کو ترجیح دی۔ یمن کا ایرانی گورنر باذان بھی آتش پرستی سے توبہ کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے باذان کو گورنر کے عہدے پر برقرار رکھا اور کچھ عرصہ بعد جب وہ وفات پا گیا تو رسول اللہ نے اس کے بیٹے شہر کو گورنر مقرر کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے یمن کی انتظامیہ کے لئے مدینہ سے بہت سے لوگوں کو بھیجا۔ یہ سب لوگ نہایت پرہیز گار اور صالح مسلمان شمار ہوتے تھے اور ان میں سے بعض مثلاً ابوموسیٰ الاشعری، یمن الانسل تھے۔ انہوں نے یمن میں بطور جج، استاد، ٹیکس کلکٹر اور عام انتظامی افسروں کی حیثیت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ معاذ بن جبل انسپکٹر جنرل تعلیم کے عہدے پر فائز کیے گئے۔ انہوں نے یمن کے ایک ایک علاقے کا دورہ کیا اور ہر جگہ دینی تعلیم کے انتظامات کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے چند فوجی دستے یمن کے اس بت خانے کو مسمار کرنے کے لئے بھی بھیجے جسے کعبہ کا ہمسر تصور کیا جاتا تھا۔ جب اس بت خانے کو گرایا گیا اور بت شکنوں پر بتوں کا کوئی غضب نازل نہ ہوا تو یمن کے سادہ لوح عوام کے دلوں میں موجودہ خدشات بھی دور ہوگئے۔ جلد ہی عملی طور پر پورا یمن اسلام لے آیا۔ صرف نجران کا عیسائی قبیلہ اور اکاد کا یہودی خاندان باقی رہ گئے جو اپنے اپنے مذہب پر قائم تھے۔

نجران کے عیسائی مذہبی معاملات میں بے حد منظّم تھے۔ ظہور اسلام سے قبل وہاں غیر ملکی مسیحی مبلغ تک آتے تھے۔ ایسا ہی ایک مبلغ اٹلی کا گریگنتس تھا جس نے بنو نجران میں مسیحیت کو بڑھایا۔ یہودی بادشاہ ذونواس نے مذہبی اختلاف کی بنا پر بنو نجران پر جو مظالم توڑے ان کی بنا پر اپنے مذہب پر ان کا اعتقاد اور بھی راسخ ہوگیا۔ انہوں نے اپنا ایک وفد بھی مدینہ بھیجا جس کی قیادت ان کا بشپ اور اس کا نائب کر رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نجران میں کلیسا کی مضبوط تنظیم قائم تھی۔ وہ مدینہ اس امید پر گئے تھے کہ پیغمبر کو تثلیث و صلیب کے عقیدے کا قائل کر لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ میں عقائد پر بحث و مباحثہ بھی کیا۔ رسول اللہ ﷺ سے مذاکرات کے دوران ان کی اجتماعی عبادت کا وقت ہوگیا۔ مذاکرات مسجد نبوی میں ہو رہے تھے۔ چنانچہ عیسائی وفد عبادت کے لئے واپس اپنے کیمپ میں جانا چاہتا تھا، مگر رسول اللہ ﷺ نے مہمان نوازی کے ارفع جذبے کے تحت کہا: اگر آپ لوگ پسند کریں تو آپ مسجد میں ہی عبادت کر سکتے ہیں۔ مورخوں کا بیان ہے کہ عیسائی وفد نے مشرق کا رخ کر کے عبادت کی۔ غالباً انہوں نے اس مقصد کے لئے صلیبیں بھی نکال لیں (جو وہ لباس

کے اندر گلے میں پہنے ہوئے تھے)۔ مسلمان تجسّس کے گہرے جذبات کے ساتھ انہیں عبادت کرتے دیکھتے رہے۔ عبادت کے بعد عیسائی وفد نے پھر مذاکرات شروع کر دئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوالوں کے مسکت جواب دئے اور مزید کہا:

"اگر تمہارا اطمینان نہ ہو تو آئیے ہم خدا سے رجوع کرتے ہیں۔ آئیے ہم دونوں (فریق) اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اس پر، اس کے خاندان اور بال بچوں پر اپنا غضب نازل کرے۔" اس پر عیسائی وفد نے غور کرنے کی مہلت مانگی۔ انہوں نے تنہائی میں باہم مشورہ کیا۔ انہوں نے دانشمندی سے کام لیتے ہوئے سوچا: اگر محمد (ﷺ) واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو ان کی بد دعا ہمیں دونوں جہانوں میں تباہ کر کے رکھ دے گی۔ بہتر ہے کہ ان سے معاہدۂ صلح کر لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے رضا کارانہ طور پر مسلم حکومت کی بالادستی تسلیم کر لی اور رسول خدا سے تحریری معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے کے تحت نجران کے عیسائیوں کو انتظامی اور مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دی گئی۔ انہیں اختیار تھا کہ وہ جسے چاہیں بشپ وغیرہ منتخب کر لیں اور اس انتخاب کی توثیق اسلامی حکومت سے کرانا لازم نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ بھی مستقبل میں قرضوں پر سود وصول نہ کریں۔

یمن کے متعدد دوسرے قبائل نے بھی اپنے وفود مدینہ بھیجے اور اسلام قبول کیا۔ یمن کا وسیع و عریض علاقہ تین سال کے اندر کسی جنگ کے بغیر اسلامی سلطنت کے زیر نگیں آ گیا۔

عمان

عمان کے عرب جنوب مشرق میں ایک ریاست تھی جہاں جلندیٰ کے دو بیٹے جیفر اور عبد مشترکہ طور پر حکومت کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت پر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے وعدے کے مطابق دونوں کو عمان کی حکومت پر برقرار رکھا۔ اس طرح پیغمبر خدا ﷺ نے یہ اشارہ بھی دے دیا کہ اسلام میں مشترکہ حکومت روا ہے، تاہم رسول اللہ ﷺ نے عمان میں اپنا ایک نمائندہ مقرر کر دیا جو مسلمانوں کی تعلیم وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا۔

عمان کا علاقہ اقتصادی اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اس کی بین الاقوامی بندرگاہیں اور وہاں کے تجارتی میلے اسلامی مملکت کے لیے وقار اور قوت کا باعث بنے۔

عبدالقیس کا قبیلہ جعفر کی حکومت کے تحت نہ تھا بلکہ آزاد تھا کیونکہ انہوں نے اپنا وفد الگ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا جس نے مدینہ میں پیغمبر سے براہ راست مذاکرات کئے۔ وفد کے ارکان یہ جان کر ششدر رہ گئے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ملک کا وسیع دورہ کر چکے ہیں اور (ظہور اسلام سے قبل) کافی عرصہ عمان میں گزار چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ عمان کے بہت سے لوگوں کو ذاتی طور پر جانتے تھے۔ انہوں نے اہل وفد سے عمان کی تازہ خبریں بھی دریافت کیں۔ بات چیت نہایت خوش گوار ماحول میں اختتام پذیر ہوئی۔ امام بخاریؒ کے مطابق مسجد نبوی کے بعد جس مسجد میں پہلی بار نماز جمعہ ادا کی گئی وہ عبدالقیس کے علاقے کی مسجد جواثا تھی۔

یہ علاقہ زبردست اقتصادی اہمیت کا حامل تھا۔ دبا اور مقشر کے مقامات پر سالانہ تجارتی میلے منعقد ہوتے تھے جن میں کئی ممالک کے تجار شریک ہوتے۔ دبا عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھی۔ اس کے تجارتی میلے میں عرب کے کونے کونے سے ہی نہیں بلکہ چینی، ہندی، سندھی، اور مشرق و مغرب سے تاجر اپنا مال تجارت لے کر شریک ہوتے تھے۔ چینی تاجر بڑی کشتیوں میں اپنے ملک سے سیدھے دبا آتے تھے۔

جب یہ علاقہ غیر ملکی تسلط سے آزاد ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے دبا کا الگ گورنر مقرر کیا۔ یہ گورنر دبا کا رہنے والا ایک مسلمان تھا۔ اس کے فرائض میں دبا کی بندرگاہ، شہر اور منڈی کی دیکھ بھال شامل تھی۔

بحران

موجودہ بحرین جو خلیج عرب و فارس میں جزیرہ نما عرب کے مشرق میں واقع ہے ان دنوں اوال کہلاتا تھا۔ ان دنوں جس علاقے کو بحرین

(بحران بیشتر عربی کتب میں اس علاقہ کو بحران لکھا گیا ہے تاہم اسے بحرین بھی کہا اور لکھا جاتا تھا) کہتے تھے (بحرین کا لغوی ترجمہ دو سمندر ہے) وہ سعودی عرب کا موجودہ ضلع الحساء ہے، جو سعودی عرب کا ایک حصہ ہے۔ غالباً ظہور اسلام کے وقت اس علاقے میں موجودہ قطر بھی شامل تھا۔ قطر خلیج کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور یہ یوں سمندروں کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ بہرحال اس علاقے (بحران یا بحرین) کے گورنر المنذر ابن ساوہ نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ اسلامی حکومت کا نہایت پرجوش منتظم ثابت ہوا۔ تاریخ میں رسول اللہ ﷺ کے اس کے نصف درجن سے زائد خطوط کا ذکر آتا ہے۔

ساوہ

شمال مشرقی عرب کے قبیلہ بنو تمیم نے نہایت آسانی سے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے مزید شمال میں جنوبی عراق کا علاقہ بھی عربوں کا گہوارہ تھا۔ اس علاقے میں حیرہ (موجودہ کوفہ) کی ریاست سمیت عرب قبائل تھے۔ ایرانی حکومت کی جنوبی اور مشرقی عرب میں جو نوآبادیات تھیں ان پر دارالحکومت مدائن کے قرب و جوار کی آبادیوں کی حکومت کی گرفت کمزور تھی تاہم حیرہ کے حکمران قبیلہ بنولخم کے متعدد ذیلی قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے انہیں جو اسناد فراہم کی گئیں تاریخ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

حیرہ (کوفہ) کے جنوب مشرق میں ساوہ کا علاقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک خط کا ذکر ملتا ہے جو حضور ﷺ نے ساوہ کے بادشاہ کے نام لکھا تھا تاہم اس خط کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ یہ بادشاہ بھی عربی النسل تھا اور اس امر کے قوی امکانات ہیں کہ اس نے ایرانیوں کی باج گزاری سے نجات پانے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کر لیا ہو تاہم اس سلسلے میں یقینی بات کہنا ممکن نہیں۔

ہندوستان

کیا رسول ﷺ اسلام کے ہندوستان سے کوئی تعلق تھے؟ اس ضمن میں کچھ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اسے ناممکن بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ عرب تجار ظہور اسلام سے قبل ہی سندھ اور اس کی بندرگاہوں پر بہ کثرت آتے جاتے تھے۔ ہندی تاجر بھی جنوب مشرقی عرب کی بین الاقوامی بندرگاہ دبا کے تجارتی میلے میں شرکت کرتے تھے۔ اس امر کا بھی قوی امکان ہے کہ ہندی تاجر یمن بھی گئے تھے کیونکہ یمن کے حکمران سیف ابن ذی یزن نے ایک بار ایرانی شہنشاہ کو اطلاع دی کہ اس کے ملک پر "کووں" نے قبضہ جما لیا ہے اس کی امداد کی جائے۔ "کون سے کوے؟" کسریٰ نے وضاحت چاہی: "یہ ہندی کوے ہیں یا حبشہ سے آئے ہیں؟"

شہنشاہ ایران کے ذہن میں یہ سوال آ ہی نہیں سکتا تھا اگر یمن اور اس کے درمیان مستحکم تعلقات نہ ہوتے۔ جہاں تک دبا کا تعلق ہے رسول پاک ﷺ خود وہاں جا چکے تھے۔ چنانچہ کوئی تعجب خیز امر نہیں کہ جب قبیلہ بل حارث کا وفد مدینہ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "یہ کون لوگ ہیں جو ہندی معلوم ہوتے ہیں" (دیکھئے ابن ہشام ص۹۶۔ ابن سعد ۱/۲ ص۲۷۔ نسائی ۴۱/۲۵) ابن حنبلؒ کے مطابق ابوہریرہؓ جو یمنی النسل تھے، کہا کرتے تھے کہ "رسول خدا نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہندوستان کی طرف ایک مہم بھیجی جائے گی۔ اگر میں وہاں (ہندوستان میں ہلاک ہو جاؤں تو میں بہترین شہدا میں سے ہوں گا اور اگر میں صحیح و سالم واپس آجاؤں تو میں وہی آزاد شدہ غلام ابوہریرہ رہوں گا۔" رسول پاک ﷺ سے ایک اور حدیث بھی منسوب کی جاتی ہے، فرمایا: "مجھے ہندوستان کی طرف سے تازہ ہوا آتی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں صرف ہندی لوگوں کا ہی نہیں ان کے مذہب کا بھی ذکر آیا تھا۔ قدیم مسلم مورخ عبدالکریم الجلیلی اور مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ پیغمبر ذوالکفل (جو کفل سے آیا ہو) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کفل دراصل کپل وستو کی عربی شکل ہے، وہ ریاست جس میں گوتم بدھ پیدا ہوا تھا۔ ایک اور توضیح اس طرح ہے کہ "کفل" کے لفظی معنی "خوراک" کے ہیں۔ اور گوتم بدھ کے والد کے نام سدودھن کے معنی بھی "خوراک" کے ہی ہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ التین میں ہے: "انجیر اور زیتون کی قسم اور طور سینا کی اور اس شہر (مکہ) کی، جو امن والا ہے......"

مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں شہر سے مراد مکہ ہے۔ کوہ سینا سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا سینائی پہاڑ ہے اور زیتون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جہاں تک انجیر کے درخت کا تعلق ہے اس کا اشارہ بڑ کے درخت کی طرف ہے جو جنگلی انجیر ہے۔ بدھ کو بڑ کے درخت کے نیچے ہی نروان حاصل ہوا تھا، کسی اور پیغمبر کی زندگی میں بڑ کے درخت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں رہی۔

برہمنیت کا جہاں تک تعلق ہے قرآن میں ایک زرگر سامری کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس میں اچھوت (لامساس) کی طرف واضح اشارہ ہے۔ راجا سامری (جسے یورپ والے زمورین zamorin لکھتے ہیں) کالی کٹ اور مالا بار کے علاقوں میں آج بھی معروف ہے جہاں اس کا خاندان برطانوی راج کے دوران حکمرانی کرتا تھا۔ اس سامری کا انجیل کے سامری سے کوئی تعلق نہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے دور میں ہوا ہے، جب کہ سامری سنار یہودیوں کا حلیف تھا اور وہ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کے عہد میں موجود تھا۔

ہندوستان کے جنوب مغربی ساحلی علاقے مالا بار میں یہ روایت مشہور ہے کہ اس علاقے کے ایک بادشاہ چکرورتی فرماس نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔ یہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا جو مکہ مکرمہ میں ظہور پذیر ہوا۔ بادشاہ چکروتی فرماس نے اس سلسلے میں جب تحقیقات کیں تو اسے علم ہوا کہ عرب میں ایک پیغمبر کے ظہور کی پیشگوئیاں موجود ہیں اور شق القمر کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیغمبر خدا ظاہر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لئے عرب روانہ ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو اسلام قبول کیا اور پھر ان کے حکم پر واپس ہند روانہ ہو گیا۔ راستے میں یمن کی بندرگاہ ظفار میں اس کا انتقال ہو گیا۔ یہاں آج بھی "ہندی بادشاہ" کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں ایک پرانا مسودہ (نمبر عربی ۲۸۰۷ ص۱۵۲ تا ص۱۷۳) ہے جس میں اس کی تفصیل درج ہے۔ زین الدین المعبری کی تصنیف "تحفۃ المجاہدین فی بعد اخبار البرتگالین" میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔

ترکستان

ترکی کے لوگوں کے بارے میں تو بہت ہی کم مواد موجود ہے۔ علامہ بلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف (۱-۴۸۵) میں روایت کرتے ہیں کہ اسلام کی پہلی شہید خاتون حضرت سمیہ عمار بن یاسر کی والدہ تھیں۔ انہیں ابوجہل نے شہید کیا تھا۔ ان کا اصل نام پامخ تھا اور ان کا تعلق ایران کے علاقہ کسگر سے تھا۔ پامخ کو جدید ترکی میں "پاموک" کہتے ہیں جس کے لغوی معنی کپاس کے ہیں۔

چین

رسول اللہ ﷺ کی چینیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نہ صرف ان کی استقامت سے متاثر ہوئے کہ وہ کئی ماہ تک سمندر میں سفر کر کے آئے تھے بلکہ ان کی مصنوعات کی عمدگی نے بھی نبی کریم ﷺ کو متاثر کیا تھا۔ ایک طرف تو مسعودی لکھتے ہیں (دیکھئے علامہ مسعودی کی "مروج الذہب" ۱-۳۰۸) کہ چینی ظہور اسلام سے قبل بڑی بڑی کشتیوں میں بحران (بحرین) اور عمان آتے تھے۔ اور دوسری طرف ابن حبیب دبا کے تجارتی میلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ (دبا) عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھی اور اس کے سالانہ تجارتی میلے میں ہند، سندھ، چین اور مشرق و مغرب سے تجار آتے تھے......"

چینی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شاہ چین کے دربار میں سفیر بھیجا تھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس سفیر کا نام ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ بعد میں دوبارہ چین گئے اور اسی جگہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا مقبرہ سنگان فو میں ہے (ان کے مقبرے میں تحریروں کے سلسلے میں ملاحظہ کیجئے وین لینگ وو کی "مذہبی کتبات" پیکنگ ۱۹۵۷ء، اور بروم ہال مارشل کی "چین میں اسلام" ص۶۶ تا ص۸۳ تا ص۹۰)۔

٭ خارجہ بن حذافہ سہمی: عرب کے بہترین شہسوار جو فتح مکہ کے زمانے میں مسلمان ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فتح مصر کے موقع پر جنگی خدمات سرانجام دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

مصر کی مہم کے لئے جن چار افراد کو افسر مقرر کیا تھا، ان میں ایک آپؓ تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں بعد میں مصر کا حاکم مقرر کیا۔ جنگ صفین کے بعد خارجیوں نے حضرت علی، حضرت معاویہ اور عمرو بن العاص کے خلاف سازش قتل کے سلسلے میں عمرو بن العاص کے بجائے انہیں شہید کر دیا۔ یہ رمضان ۴۰ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت خارجہ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

٭ خارجہ بن زید: صحابیِ رسول ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق کے خسر۔ حضرت خارجہ کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان اغبر سے تھا۔ بیعت عقبہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق نے مدینہ آکر انہی کے ہاں قیام کیا۔ حضرت خارجہ نے اپنی ایک بیٹی حضرت حبیبہؓ کا نکاح حضرت ابوبکر صدیق سے کیا تھا۔ حضرت اُمِّ کلثوم انہی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت خارجہ بن زید نے غزوۂ بدر میں امیہ بن خلف کو ہلاک کیا۔ غزوۂ احد میں شدید زخمی ہوئے اور وفات پائی۔ ان کے بیٹے سعد بن ربیع بھی اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ دونوں باپ بیٹے کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

⇦ ابوبکر صدیق + خزاج + بدر، غزوہ + امیہ بن خلف۔

٭ خالد بن سعید العاص: صحابیِ رسول ﷺ۔ ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے لہٰذا دیگر صحابہ کرام کی طرح انہیں بھی اپنے اور لواحقین کی جانب سے سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ موقع پاکر مکہ ہی میں روپوش ہوگئے۔ بعد میں بیوی اور بھائی کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ طیبہ ہجرت کی اور پھر تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضرت خالد بن سعید العاص پڑھے لکھے تھے، اس لئے نبی کریم ﷺ ان سے خطوط لکھوایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں یمن کا گورنر بنا دیا تھا۔ لیکن آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق سے اختلاف کی بنا پر گورنری سے سبک دوش ہوگئے تاہم بعد انہوں نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ شام کی فتوحات کے دوران جام شہادت نوش کیا۔

⇦ ہجرت مدینہ + ابوبکر صدیق + صدیق اکبر۔

٭ خالدؓ بن عرفطہ: صحابیِ رسول ﷺ۔ حضرت خالدؓ کسی وجہ سے کسی بھی غزوے میں شرکت نہ کر سکے۔ نبی کریم کے وصال کے بعد فتوحات ایران میں حصّہ لیا۔ جنگ قدسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے انہیں اسلامی فوج کے ایک دستے کا امیر مقرر کیا۔ امیر معاویہ کی طرف سے ان کے مخالفوں سے لڑے اور ابی حوسا کو قتل کیا۔ حضرت خالد کا ۶۰ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

٭ خالدؓ بن ولید: صحابیِ رسول ﷺ اور معروف مسلم جرنیل۔ آنحضور ﷺ حضرت خالد بن ولید کے خالو تھے۔ ابتدا میں اسلام کے سخت مخالف تھے اور اپنے والد کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف برسرِپیکار رہتے تھے خاص طور پر غزوۂ احد میں انہی کی جنگی حکمت عملی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی۔

بچپن سے تیر اور تلوار کے ماحول میں پرورش پائی تھی، اس لئے بہت نڈر اور باہمت اور پھرتیلے تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت خالد نے سوچا، کیوں نا آپ ﷺ پر حملہ کر دیا جائے، لیکن پھر خیال آیا کہ ان کی حفاظت تو خدا کر رہا ہے۔ اس کے بعد اپنے ارادے سے باز آئے اور رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں پیدا ہوگئی۔

لیکن انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا کہ ایک دن ان کے بھائی نے جو مسلمان ہو چکے تھے، خط لکھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ یہ خط پڑھ کر ان کی آتش عشق بھڑک اٹھی اور وہ بے تابانہ مدینہ منورہ جا کر آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

اسلام لانے کے بعد اپنی تمام صلاحیتیں اسلام پر لگا دیں۔ حاکم شام کا مقابلہ کرنے کے لئے جب اسلامی لشکر تیار ہوا تو اس میں حضرت خالد بن ولید بھی شامل تھے۔ شام کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی جب کہ اسلامی فوج کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ ابتدا میں مسلمانوں کو کافی نقصان ہوا، لیکن جب اسلامی لشکر کی کمان حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں میں آئی تو انہوں نے دشمن کے لشکر کے چھکے

چھڑادئے۔

اسی طرح مسیلمہ کذاب کے کئی لاکھ لشکر کو صرف تیرہ ہزار مسلمان فوجیوں کی مدد سے شکست فاش دی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں کئی مہموں میں لشکر کا امیر مقرر کیا اور انہوں نے اللہ کی توفیق سے غیر یقینی معرکے سرانجام دئے۔

حضرت عمرفاروق نے خلیفہ بننے کے بعد انہیں معزول کر دیا۔ لوگوں نے جب اس کی وجہ دریافت کی تو حضرت عمرفاروق کا جواب یہ تھا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ جنگ میں فتح خالد بن ولید کی وجہ سے ملتی ہے، اس لئے لوگوں کا یقین اللہ پر سے کمزور ہوتا جارہا تھا۔

اتنا بڑا جرنیل جس نے ساری زندگی میدان جنگ میں گزار دی اس نے بستر مرگ پر انتقال کیا۔ آخری عمر تک انہیں شہادت نہ پانے کا افسوس رہا۔ ان کا سن وفات ۲۱ھ ہے۔

خ ب

*** خباب بن الارت:** صحابی رسول ﷺ جن کا قبیلہ بنو تمیم سے تعلق تھا۔ لوہار کا کام بھی کرتے تھے۔ اُمّ انمار کے غلام تھے۔ بالکل ابتدائی زمانے میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کو بھی دیگر صحابہ کی طرف بے تحاشا تکالیف دی گئیں۔ اس قدر تکالیف کہ حضرت عمر اور حضرت علی ان کی تکالیف کو یاد کر کے رو دیتے تھے۔

حضرت ابوعبداللہ خباب بن ارت زمانۂ جہالت میں غلام بنا کر فروخت کر دئے گئے تھے۔ مکہ آئے تو یہاں آہن گری کا کام شروع کیا، یہاں تک کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا پتا چلا تو اسلام قبول کر لیا۔ بس یہیں سے ان کے لئے مصائب و آلام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت خباب اسلام لانے والے چھٹے فرد تھے، اس لئے انہیں "سادس اسلام" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

طالب ہاشمی لکھتے ہیں:

حضرت خبابؓ سے حالات کی سنگینی مخفی نہ تھی لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو ایک دن کے لئے بھی اخفا میں نہ رکھا۔ جونہی انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا، کفار کی برق عتاب ان کے آستانۂ عافیت پر کوندنے لگی۔ انہوں نے بے کس خبابؓ پر ایسے بہیمانہ مظالم ڈھائے کہ انسانیت اور شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔ وہ ان کے کپڑے اتروا کر دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور سینے پر بھاری پتھر کی سل رکھ دیتے۔ کبھی انگاروں پر لٹا کر ایک قوی ہیکل آدمی ان کے سینے پر بیٹھ جاتا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ خبابؓ صبر و استقامت کے ساتھ ان انگاروں پر کباب ہوتے رہے حتیٰ کہ زخموں سے خون اور پیپ رس رس کر ان انگاروں کو ٹھنڈا کر دیتی۔ ایسے لرزہ خیز مظالم کے باوجود کیا مجال کہ ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش آئی ہو۔ اسی طرح ظلم سہتے سہتے کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک دن فریاد لے کر سرور کونین ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ اس وقت کعبہ کی دیوار کے سائے میں ردائے مبارک سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ خبابؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا، "یارسول اللہ! آپ اللہ پاک سے ہمارے لئے دعا کیوں نہیں کرتے؟" یہ سن کر حضور ﷺ سنبھل کر بیٹھ گئے، آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس سرخ ہوگیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم سے پہلے گزشتہ زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا۔ سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا۔ ایسی سختیوں نے بھی ان کا دین پر اعتقاد متزلزل نہ کیا۔ ان کے سروں پر آرے چلائے گئے، چیر کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دئے گئے تاہم دین کو نہ چھوڑا۔ اللہ اس دین کو ضرور کامیاب کرے گا اور تم دیکھ لوگے کہ اکیلا سوار صنعا (یمن) سے حضرموت تک جائے گا اور سوائے اللہ عزوجل کے کسی سے نہیں ڈرے گا۔"

حضور ﷺ کے ارشادات سن کر حضرت خبابؓ کا حوصلہ دوچند ہوگیا اور وہ خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے۔

حضرت خبابؓ کی آقا اُمّ انمار بھی نہایت قسی القلب عورت تھی۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ حضرت خبابؓ کو قبول اسلام کی سزا میں کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹاتی اور کبھی تپتے ہوئے لوہے سے ان کا سر داغا کرتی تھی۔ رحمت عالم ﷺ اُمّ انمار کے مظالم کا حال

سنتے تو حد درجہ ملول ہوتے اور خبابؓ کی دل جوئی فرماتے۔ اس بدبخت عورت کو جب حضور ﷺ کی دل جوئی کا علم ہوتا تو وہ خبابؓ پر اور شدت سے ظلم ڈھانا شروع کر دیتی۔ جب اس کی ستم رانیوں کی کوئی حد و نہایت ہی نہ رہی تو حضرت خبابؓ نے سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی:

"یا رسول اللہ، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس عذاب سے نجات دے۔"

حضور ﷺ نے دعا فرمائی: "الٰہی خبابؓ کی مدد کر۔"

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کے بعد اُمِ انمار کے سر میں ایسا شدید درد شروع ہو گیا جو کسی طریقے سے کم ہونے میں نہ آتا تھا اور وہ کتوں کی طرح بھونکتی تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ جب تک لوہے سے تمہارا سر نہیں داغا جائے گا اس درد میں کمی نہ ہو گی۔ اُمِ انمار شدت کرب سے تڑپ رہی تھی۔ اس نے حضرت خبابؓ ہی کو یہ کام تفویض کیا کہ وہ گرم لوہے سے اس کا سر داغیں۔ چنانچہ جو گرم لوہا حضرت خبابؓ پر استعمال ہوتا تھا وہی اس پر استعمال ہوا لیکن اس علاج کے باوجود اسے کوئی فائدہ نہ ہوا اور چند دنوں کے بعد وہ تڑپ تڑپ کر نہنگ اجل کا لقمہ بن گئی۔

مشرکین نے حضرت خبابؓ کو جسمانی ایذائیں دینے پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ انہیں مالی نقصان پہنچانے کے لئے عہد شکنی سے بھی دریغ نہ کیا۔ مشہور مشرک عاص بن وائل کو حضرت خبابؓ کا کچھ قرض دینا تھا۔ یہ جب تقاضا کرتے تو وہ کہتا، "جب تک تم محمد ﷺ کا دین ترک نہ کرو گے ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔" خبابؓ فرماتے، "جب تک تم دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں نہ آؤ گے میں محمد ﷺ کا دامن نہیں چھوڑ سکتا۔"

عاص کہتا، "تو پھر انتظار کرو جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا اور اپنے مال اور اولاد پر متصرف ہوں گا تو تمہارا قرضہ چکا دوں گا۔"

عاص کا یہ کہنا مسلمانوں کے عقیدۂ نشر و حشر اور ایمان بالآخرت پر ایک طرح کی تعریض تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس واقعہ پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۝ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا۝۔

(سورۂ مریم، ع ۱۴)

"اے محمد ﷺ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا کہ (قیامت میں بھی) مجھے مال اور اولاد دی جائے گی۔ کیا اس شخص کو غیب کا علم ہو گیا ہے یا اس نے رحمٰن سے عہد لیا ہے۔ ہرگز نہیں، ہم اس کا یہ کہنا بھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے اور جو کچھ یہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں گے اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا۔"

مظلوم خبابؓ سال ہا سال تک مصائب و آلام کی چکی میں پستے رہے تاآنکہ ہجرت کا حکم نازل ہوا اور وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ انہوں نے ایذاؤں کے ڈر سے ہجرت نہ کی تھی بلکہ ان کے پیش نظر محض رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ مسند احمد حنبل میں خود حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہجرت کی تھی۔ علامہ ابن اثیر صاحب "اسد الغابہ" کا بیان ہے کہ مدینہ میں حضور ﷺ نے خبابؓ اور خراشؓ بن صمہ کے غلام تمیمؓ کے درمیان مواخات کرادی۔ لیکن مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق ان کی مواخات جبیرؓ بن عتیک سے ہوئی تھی۔ غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت خبابؓ سرور کائنات ﷺ کی رفاقت میں شروع سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں نہایت پامردی سے شریک ہوئے۔ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں جب فتوحات کا دروازہ کھلا تو حضرت خبابؓ بعض اوقات بہت رویا کرتے اور فرماتے:

"ہم نے رضائے الٰہی کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور ہمارا اجر اللہ کے ذمے رہا۔ پھر ہم میں سے بعض تو ایسے تھے کہ مر گئے اور دنیا میں اپنے اجر کا کچھ بھی پھل نہ کھایا لیکن بعض کا پھل پک گیا اور وہ اسے توڑ کر کھا رہے ہیں۔ مصعبؓ نے احد میں شہادت پائی تو ان کو کفنانے کے لئے ایک چھوٹی سی چادر کے سوا ہمارے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اس چادر سے ان کا سر ڈھانکتے تو ان کے پاؤں ننگے رہ جاتے

اور پاؤں ڈھانکتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ آخر حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہم نے ان کا سر چادر سے ڈھانکا اور پاؤں پر اذخر (ایک قسم کی گھاس) ڈال دی۔ آج یہ حال ہے کہ اللہ کا فضل ہم پر بارش کی طرح برس رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مصائب کا بدلہ ہمیں کہیں دنیا ہی میں تو نہیں دے دیا۔"

متعدد روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خبابؓ نے آخری عمر میں کوفہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۳۷ھ میں شدید بیمار ہوئے۔ پیٹ کی تکلیف تھی جس کے علاج کے لئے پیٹ کو سات جگہ سے داغا گیا۔ اس سے انہیں بہت تکلیف ہوئی اور فرمایا:

"اگر حضور ﷺ نے موت کی تمنا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اپنی موت کی دعا کرتا۔"

اسی نازک حالت میں کچھ لوگ عیادت کے لئے آئے اور اثنائے گفتگو میں کہا: "ابو عبداللہ خوش ہو جائیے کہ دنیا چھوڑنے کے بعد حوض کوثر پر اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات کریں گے۔"

یہ سن کر ان پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا:

"واللہ! میں موت سے نہیں گھبراتا، تم نے ان ساتھیوں کا ذکر کیا جنہوں نے دنیا میں کوئی اجر نہیں پایا۔ آخرت میں انہوں نے یقیناً اپنا اجر پالیا ہوگا لیکن ہم ان کے بعد رہے اور دنیا کی نعمتوں سے اس قدر حصہ پایا کہ ڈر ہے کہیں وہ ہمارے اعمال کے ثواب ہی میں نہ محسوب ہو جائے۔"

وفات سے کچھ دیر پہلے ان کے سامنے کفن لایا گیا تو اشک بار ہو کر بڑی حسرت سے فرمایا:

"یہ تو پورا کفن ہے افسوس کہ حمزہؓ کو ایک چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا جو ان کے سارے بدن کو بھی نہیں ڈھانک سکتی تھی۔ پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ آخر ہم نے ان کے پاؤں کو اذخر سے ڈھانک کر کفن پورا کیا۔"

پھر انہوں نے وصیت کی اہل کوفہ کے معمول کے مطابق مجھے شہر کے اندر دفن نہ کرنا بلکہ میری قبر شہر کے باہر کھلے میدان میں بنانا۔ اس وصیت کے بعد انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ وصیت کے مطابق تدفین شہر کے باہر ہوئی۔ اس کے بعد اہل کوفہ نے بھی اپنے مردے ان کی قبر کے قریب دفن کرنے شروع کر دیے۔ مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہ ان کی تدفین سے پہلے صفین سے کوفہ پہنچ گئے اور انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔ لیکن ابن اثیر کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ خبابؓ کی وفات کے کئی دن بعد کوفہ پہنچے اور ان کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعائے مغفرت کی۔ وفات کے وقت حضرت خبابؓ کی عمر بہتر برس کے لگ بھگ تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے تمام صحابہ کرام حضرت خبابؓ کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں خبابؓ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ انہیں اپنی جائے نشست پر اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے اپنی داستان مصائب سنانے کی فرمائش کی۔ حضرت خبابؓ نے حضرت عمرؓ کو کپڑا اٹھا کر اپنی پشت دکھائی تو وہ حیران رہ گئے۔ ساری پشت اس طرح سفید تھی جیسے کسی مبروص (برص کا مریض) کی جلد ہوتی ہے۔ حضرت خبابؓ نے فرمایا:

"امیر المؤمنین، آگ دہکا کر مجھے اس پر لٹایا جاتا تھا یہاں تک کہ میری پشت کی چربی اس کو بجھا دیتی تھی۔"

حضرت خبابؓ اکثر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ﷺ سے دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مسند احمد حنبل میں ہے کہ ایک رات حضرت خبابؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ساری رات نماز پڑھتے ہوئے گزار دی۔ صبح ہوئی تو خبابؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آج رات آپ ﷺ نے جیسی نماز پڑھی اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"یہ بیم و رجا کی نماز تھی۔ میں نے بارگاہ رب العزت میں اپنی اُمت کے لئے تین چیزوں کی دعا مانگی تھی جن میں سے دو چیزیں تو منظور کر لی گئیں اور تیسری قبول نہیں ہوئی۔ جو دعائیں قبول ہوئیں وہ یہ

تھیں کہ اللہ دشمنوں کو مجھ پر غلبہ نہ دے اور اللہ میری اُمت کو کسی ایسے عذاب سے ہلاک نہ کرے جس سے گزشتہ امتیں ہلاک ہوئی تھیں۔

علامہ ابن اثیر کہتے ہیں کہ حضرت خبابؓ باہمہ جلالت قدر بے حد منکسر المزاج تھے۔ ایک مرتبہ وہ بہت سے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ان اصحاب نے حضرت خبابؓ سے درخواست کی کہ آپ ہمیں کسی بات کا حکم کریں تاکہ ہم اس پر عمل کریں۔

انہوں نے فرمایا، "میں کون ہوں جو کسی بات کا حکم کروں۔ ممکن ہے کہ میں لوگوں کو کسی بات کا حکم کروں اور خود اس پر عمل نہ کرتا ہوں۔"

حضرت خبابؓ سے تینتیس حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں دو متفق علیہ، دو میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ ان سے روایات کرنے والوں میں ان کے فرزند عبداللہ کے علاوہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ، قیسؒ بن ابی حازم، مسروقؒ بن اجدع، علقمہؒ بن قیس اور امام شعبیؒ جیسے اکابر اُمت شامل ہیں۔

✽ خبیب بن عدی: صحابی رسول ﷺ، اسلام کے ابتدائی شہدا میں سے ایک۔ حضرت خبیب مدینہ کے رہنے والے تھے۔ غزوۂ بدر میں خوب لڑے اور غزوۂ احد میں انہیں ہذیل کے آدمیوں نے گرفتار کرکے مکہ پہنچادیا۔ وہاں انہیں غلام بنا کر بنو حارث کو فروخت کر دیا گیا۔ بنو حارث نے انہیں رسیوں سے باندھ کر نیزوں سے زخمی کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئے۔

حضرت خبیب کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب انہیں شہید کر دیا گیا تو زمین اسی وقت شق ہوئی اور حضرت خبیبؓ بن عدی کی لاش مبارک اس میں سماگئی۔

خ ت

✽ ختم نبوت: ایک اسلامی اصطلاح، ایک بنیادی اسلامی عقیدہ۔ اس عقیدے کی رو سے محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔

⇦ ختم نبوت، تحریک۔

✽ ختم نبوت، تحریک: تحریک ختم نبوت۔

آنحضرت ﷺ کے "ختم نبوت" کے بعد تاریخی پس منظر میں بہت سے "جھوٹے نبی" پیدا ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ اس سے پہلے یہ علامات نہ ہو چکے کہ دو جماعتوں میں جنگ عظیم رونما ہو، حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہو اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ تقریباً ۳۰ دجال کاذب دنیا میں نہ آچکیں جن میں سے ہر ایک یہ کہتا ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔" (روایت کیا ہے اس کو امام بخاریؒ اور مسلمؒ اور امام احمدؒ نے)

اسی طرح ان جھوٹے "مدعیان نبوت" میں ایسا نام بھی شامل ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی ان احادیث مبارک جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے "قرب قیامت" میں "نزول" کا ذکر ہوا ہے ان کی آڑ میں "مسیح موعود" ہونے کا دعویٰ کیا۔

چنانچہ بائبل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے "جھوٹے مدعیان نبوت" کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یسوع نے جواب میں ان سے کہا کہ خبردار! کوئی تم کو گمراہ نہ کردے۔ کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔"

(متی باب ۲۴۔ آیت ۴،۵)

جھوٹے مدعیان نبوت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ بالا پیشین گوئیوں کے حوالے سے کفر و ارتداد کی فہرست میں ایک معروف نام "مرزا غلام احمد قادیانی" کا بھی آتا ہے۔

قادیانی، قادیانیت

مرزا غلام احمد قادیانی سکھ حکومت کے آخری عہد ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء

میں ضلع گورداسپور کے قصبہ ''قادیان'' میں پیدا ہوا۔
مرزا قادیانی نے اپنے گھر پر ہی ابتدائی تعلیم پائی۔ اس نے مولوی فضل الٰہی، مولوی فضل احمد اور مولوی گل علی شاہ سے ''نحو'' اور ''منطق'' کی کتابیں پڑھیں۔ ''طب'' کی کتابیں اپنے والد مرزا غلام مرتضیٰ سے پڑھیں جو ایک حاذق طبیب تھا۔ مرزا قادیانی کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کے مطالعے میں بڑا انہاک تھا۔ وہ اپنے بارے میں لکھتا ہے:
''ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈراتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے۔''
(قادیانیت مطالعہ وجائزہ ص۱۸ ص۱۹)
مذکورہ بالا سلسلہ زیادہ دن تک جاری نہیں رہا اور مرزا قادیانی کو اپنے والد کے اصرار پر آبائی زمیں داری کے حصول کے لئے جدوجہد اور عدالتی کارروائیوں میں مصروف ہونا پڑا۔ چنانچہ مرزا قادیانی اس بارے میں کیا کہتا ہے، ملاحظہ ہو:
''مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان جھگڑوں میں ضائع ہوا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمین داری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔'' (ایضاً ص۱۹)
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب اپنی کتاب ''قادیانیت مطالعہ و جائزہ'' میں ''ملازمت اور مشغولیت'' کے زیر عنوان مرزا قادیانی کے بارے میں صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں:
''مرزا صاحب نے سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازمت کر لی تھی۔ وہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک چار سال اسی ملازمت میں رہے۔ دوران ملازمت میں انہوں نے انگریزی کی بھی ایک دو کتابیں پڑھیں۔ اسی زمانے میں انہوں نے مختاری کا امتحان دیا لیکن اس میں ناکامیاب رہے۔ ۱۸۶۸ء میں وہ اس ملازمت سے استعفا دے کر قادیان آگئے اور بدستور زمین داری کے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔''
مرزا قادیانی نے ۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۳ء میں پہلا نکاح اپنے خاندان میں ''حرمت بی بی'' نامی خاتون سے کیا۔ مرزا کی اس بیوی سے دو لڑکے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد ہوئے۔ بعد میں اس پہلی بیوی کو مرزا قادیانی نے ۱۸۹۱ء میں طلاق دے دی تھی۔ اس کے علاوہ ۱۸۸۴ء میں دوسری شادی ''نصرت جہاں'' نامی خاتون سے کی۔ مرزا غلام قادیانی کی بقیہ تمام اولادیں اسی خاتون سے ہوئیں جن کے نام درج ذیل ہیں: ① عصمت ② بشیر ③ مرزا بشیر الدین محمود احمد ④ شوکت ⑤ مرزا بشیر احمد ⑥ مرزا شریف احمد ⑦ مبارکہ بیگم ⑧ مبارک احمد ⑨ امۃ النصیر ⑩ امۃ الحفیظ۔
مرزا قادیانی کے مذکورہ بالا مختصر سوانحی خاکے کے بعد اب آتے ہیں مرزا کے دعویٰ مسیحیت اور نبوت کی طرف۔ مرزا قادیانی نے ۱۸۹۱ء میں ''مسیح موعود'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ اس دعوائے مسیحیت کے حوالے سے مرزا قادیانی نے اپنی کتاب میں اپنے بارے میں کیا کیا کفریہ اقوال نقل کئے وہ ملاحظہ ہوں۔ ''کشتی نوح'' (ص۴۷) ''روحانی خزائن'' (ج۱۹ ص۱۵) پر مرزا قادیانی نے اپنے بارے میں لکھا ہے:
''مگر جب وقت آگیا تو وہ اسرار مجھے سمجھائے گئے۔ تب میں نے معلوم کیا کہ میرے اس دعوائے مسیح موعود ہونے میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ وہی دعویٰ ہے جو ''براہین احمدیہ'' میں بار بار بہ تصریح لکھا گیا ہے۔''
ذرا آگے چل کر مرزا قادیانی مزید کہتا ہے:
''اور یہی عیسیٰ ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں۔ میری نسبت ہی کہا گیا ہے کہ ہم اس کو نشان بنا دیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے جو آنے والا تھا جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ یہ حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافہمی سے ہے۔'' (''کشتی نوح'' ص۴۸، ''روحانی خزائن'' ج۱۹ ص۵۲ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" ص۶، روحانی خزائن ج۱۸ ص۲۱۰ پر مرزا قادیانی کہتا ہے:

"مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔"

(قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص۲۰۸)

مزید کہتا ہے: "میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوگا۔" ("تحفہ گولڑویہ" ص۱۹۵ "روحانی خزائن" ج۱۷ ص۲۹۵، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

"حقیقۃ الوحی" ص۱۴۹ پر مرزا قادیانی کہتا ہے: "اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا، مگر بعد میں خدا کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔" (ایضاً ص۲۰۹)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات عیاں ہے کہ مرزا قادیانی نے بھرپور انداز سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ کہ اپنی خانہ ساز مسیحیت کے نہ ماننے والوں کو نافہم اور لعنتی قرار دیتے ہوئے تمام پاک کتابوں میں موجود پیش گوئیوں کو اپنے حق میں بتایا۔ اسی حوالے سے دوسری جانب جب مرزا صاحب نے یہ محسوس کر لیا کہ اس کی خانہ ساز مسیحیت کے جھوٹے کرشمے دیکھنے کے لئے آنکھ اور دل کے اندھے تماشائی کافی تعداد میں جمع ہو گئے ہیں، اور یہ کہ ہر طرف سے داد مل رہی ہے تو مرزا قادیانی نے "ظلی" اور "بروزی" کا خود ساختہ عقیدہ نکال کر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس حوالے سے مرزا قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت پر کیا کیا کفریہ اقوال نقل کئے ملاحظہ ہوں:

"مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اس بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان نہیں ہے۔ بلکہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمد کے پاس ہی رہی۔" ("ایک غلطی کا ازالہ" "روحانی خزائن" ج۱۸ ص۲۱۶، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)، (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص۲۵۱، ۲۵۲)

مزید کہتا ہے: "پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے بلکہ اسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پا کر اور اسی میں ہو کر اور اسی کا مظہر بن کر آیا ہوں۔" ("نزول المسیح" ص۳ "روحانی خزائن" ص۳۸۱، ج۱۸ ص۳۸۱، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی (ایضاً ص۲۵۲)

پھر کہتا ہے: "اس نکتہ کو یاد رکھو کہ میں رسول اور نبی نہیں ہوں۔ یعنی بہ اعتبار نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے اور میں رسول اور نبی ہوں۔ یعنی بہ اعتبار ظلیت کاملہ کے۔ میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے اور میں کوئی علیحدہ شخص نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہوتا تو خدا تعالیٰ میرا نام محمد اور احمد اور مصطفیٰ اور مجتبیٰ نہ رکھتا۔" ("نزول المسیح" ص۳ حاشیہ "روحانی خزائن" ج۱۸ ص۳۸۱، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

ان میں "ظلی و بروزی" کا جو عقیدہ پیش کر کے مرزا قادیانی نے خود کو نبی اور رسول بتایا ہے، یہ عقیدہ عیسائیوں کے "عقیدۂ تثلیث" کا بالکل ہم شکل اور ہم معنی ہے جس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام "اقنوم" دوئم کے اعتبار سے خدا کے "بیٹے" اور خدا ہی کا دوسرا "مظہر" تھے جو خود "خدا" ہونے کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں دنیا میں جنم لے کر انسانوں کے "موروثی" گناہ کی نجات کے لئے اس دنیا میں آئے تھے۔ (معاذ اللہ) یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ قادیانی فرقے کو "جدید عیسائی" کہا کرتے تھے، جس میں یہ وجہ بھی شامل ہے کہ مرزا نے "مسیح موعود" ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

اپنی جھوٹی نبوت کے حوالے سے مرزا قادیانی مزید کیا کہتا ہے ملاحظہ ہو: "دنیا میں کوئی نبی نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ میں آدم ہوں، میں نوح

ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمد ﷺ ہوں یعنی بروزی طور پر جیسا کہ خدا نے اسی کتاب میں یہ سب نام مجھے دئے ہیں اور میری نسبت جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء فرمایا یعنی خدا کا رسول نبیوں کے پیرایوں میں سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔" ("تتمہ حقیقت الوحی" ص۸۴ "روحانی خزائن" ج ۲۲ ص۵۲۱، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص۳۳۲)

اپنی صفات بیان کرتے ہوئے مرزا قادیانی کہتا ہے:

"کمالات متفرقہ جو تمام انبیا میں پائے جاتے تھے، وہ سب حضرت رسول کریم ﷺ میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کیے گئے۔ اس لئے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان، یحییٰ، عیسی وغیرہ ہے.... پہلے تمام انبیا ظل تھے۔ نبی کریم کی خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔" (ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب، مندرجہ اخبار "الحکم" قادیان، اپریل ۱۹۰۲ء، ایضاً ص۳۳۲)

دعوائے مسیحیت اور نبوت سے پہلے مرزا قادیانی اپنے گاؤں قادیان میں اپنی زندگی عسرت و تنگی کے ساتھ گمنامی میں بسر کر رہا تھا۔ چنانچہ اپنے ماضی اور حال کو ایک موقع پر بیان کرتے ہوئے مرزا قادیانی کہتا ہے: "ہماری معاش اور آرام کا تمام مدار ہمارے والد صاحب کی محض ایک مختصر آمدنی پر منحصر تھا۔ اور بیرونی لوگوں میں ایک شخص بھی نہیں جانتا تھا اور میں ایک گمنام انسان تھا جو قادیان جیسے ویران گاؤں میں زاویۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔

پھر بعد اس کے خدا نے اپنی پیش گوئی کے موافق ایک دنیا کو میری طرف رجوع دے دیا اور ایسی متواتر فتوحات سے ہماری مدد کی کہ جس کا شکریہ بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی امید نہیں تھی کہ دس روپیہ ماہوار بھی آئیں گے۔ مگر خدائے تعالیٰ جو غریبوں کو خاک میں سے اٹھاتا اور متکبروں کو خاک میں ملاتا ہے اس نے ایسی میری دستگیری کی کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اب تک تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے اور شاید اس سے زیادہ ہو۔" (قادیانیت مطالعہ وجائزہ ص۲۲)

مرزا قادیانی کا مقصد ہی مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور اپنی جھوٹی نبوت کے سہارے مال و زر حاصل کرنا تھا، لہٰذا انگریزوں کے اس "خود کاشتہ پودے" کے بارے میں مرزا قادیانی ہی کے سالے مرزا شیر علی مرزا قادیانی کے پاس آنے جانے والے لوگوں کو مرزا کی اصل حقیقت کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ چنانچہ میاں بشیر الدین محمود احمد مرزا شیر علی کے اس طرزِ عمل کے بارے میں اپنی تقریر میں کیا کہتا ہے، ملاحظہ ہو:

"مرزا شیر علی صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سالے اور (ان کے فرزند) مرزا افضل احمد صاحب کے خسر تھے، انہیں لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس جانے سے روکنے کا بڑا شوق تھا۔ راستے میں ایک بڑی لمبی تسبیح لے کر بیٹھ جاتے۔ تسبیح کے دانے پھیرتے جاتے اور منہ سے گالیاں دیتے چلے جاتے۔ بڑا لٹیرا ہے، لوگوں کو لوٹنے کے لئے دکان کھول رکھی ہے۔ بہشتی مقبرے کی سڑک پر دار الضعفا کے پاس بیٹھے رہتے۔ بڑی لمبی سفید داڑھی تھی۔ سفید رنگ تھا۔ تسبیح ہاتھ میں لئے بڑے شان دار آدمی معلوم ہوتے تھے اور مغلیہ خاندان کی پوری یادگار تھے۔ تسبیح لئے بیٹھے رہتے۔ جو کوئی نیا آدمی آتا، اسے اپنے پاس بلا کر بٹھالیتے اور سمجھانا شروع کر دیتے کہ مرزا صاحب سے میری قریبی رشتے داری ہے۔ آخر میں نے کیوں نہ اسے مان لیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ میں اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک دکان ہے جو لوگوں کو لوٹنے کے لئے کھولی گئی ہے... میں مرزا کے قریبی رشتے داروں میں سے ہوں۔ میں اس کے حالات سے خوب واقف ہوں۔ اصل میں آمدنی کم تھی۔ بھائی نے جائیداد سے بھی محروم کر دیا۔ اس لئے یہ دکان کھول لی ہے۔ آپ لوگوں کے پاس کتابیں اور اشتہار پہنچ جاتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ پتا نہیں کتنا بڑا بزرگ ہوگا۔ پتا تو ہم کو ہے جو دن رات اس کے پاس رہتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے آپ کی خیر خواہی کے لئے آپ کو بتائی ہیں۔" (میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تقریر، جلسہ

سالانہ ۱۹۴۵ء، مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان نمبر۹۱، ج ۳۴ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۴۶ء)

دوسری طرف اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مرزا قادیانی ہندوستان پر اس وقت کی انگریزی حکومت کا آلہ کار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مرزا قادیانی نے تحریری و تقریری مقامات کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی انگریزی حکومت کا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں مرزا قادیانی کے دعویٰ مسیحیت اور نبوت نے خوب عروج حاصل کیا۔ کیونکہ مرزا کی پشت پر انگریزی حکومت کا ہاتھ تھا، اس حوالے سے مولانا صفی الرحمٰن الاعظمی اپنی کتاب فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ میں فرماتے ہیں:

"مرزا قادیانی ۱۸۷۷ء میں مذہبی اسٹیج پر نمودار ہوئے اور ایک مناظر اسلام کے روپ میں اسلام کی پر زور اور جذباتی وکالت کر کے عام مسلمانوں کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیا۔ اسی دوران آپ نے تصوف کا روپ دھار کر مختلف حکمتوں اور تدبیروں سے خلق خدا پر اپنی بزرگی و خدا رسیدگی کا سکہ بھی بٹھانا شروع کیا۔ پنجاب کی زمین اس مقصد کے لئے بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ چند برسوں میں آپ کا ایک وسیع حلقۂ ارادت تیار ہوگیا۔ اب آپ نے پر پُرزے نکالنے شروع کئے اور ۱۸۸۴ء تک اپنے آپ کو مامور من اللہ، مجدد وقت اور خدا کا الہام یافتہ قرار دیتے ہوئے مختلف نوع کے بہت سارے الہامات شائع کر دئے۔ یہی موقع تھا جب پہلی بار علمائے اسلام چونکے، اور انہوں نے محسوس کیا کہ مرزا صاحب اپنی ان کارروائیوں کے ذریعے نبی بننے کی تیاری کر رہے ہیں۔ مگر مرزا صاحب نے ان کے اس قسم کے اندیشوں کی بڑی سختی کے ساتھ نفی کی۔ موصوف نے ختم نبوت کے عقیدے پر بڑی پختگی کے ساتھ اپنے اٹل یقین کا اظہار کیا۔ اور اسے تسلیم نہ کرنے کو کفر قرار دے کر لوگوں کو تقریباً مطمئن کر دیا۔

اس کے بعد مارچ ۱۸۸۹ء میں مرزا صاحب نے اپنے دام افتاد گان سے ایک دس نکاتی شرائط نامہ پر بیعت لے کر ایک باقاعدہ تنظیم کی داغ بیل ڈالی۔ اس تنظیم کو محکم بنیادوں پر استوار کر لینے کے بعد جنوری ۱۸۹۱ء میں اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی ایک پانچ نکاتی منصوبہ بھی شائع کیا جس کا مقصد تنظیم کے افراد کے درمیان باہمی ربط، مالی نظام اور "تبلیغی کوششوں" کو مزید وسعت اور استحکام دینا تھا۔ پھر ۱۸۹۴ء میں آپ نے اپنے مہدی معہود ہونے کا بھی باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اور آخر کار ۱۹۰۱ء میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کر بیٹھے جس پر مرتے دم تک قائم رہے۔"

پھر آگے چل کر مولانا لکھتے ہیں:

"ان دعوؤں کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ اور جداگانہ اُمت بنانے کی تیاریاں بھی کرتے رہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ انہوں نے اور ان کی اُمت کے اکابر نے، اپنا خدا، رسول، کتاب، شریعت، عبادات، قانون، مناکحت دین، اور شعائر دین، مقامات مقدسہ، تاریخ شخصیتیں، تقویم کو کیلنڈر، جنّت و دوزخ اور سزا و جزا کا معیار سب کچھ مسلمانوں سے الگ کر لیا، اور وہ ہر حیثیت سے ایک جداگانہ اُمت بن گئے۔"

مولانا مزید لکھتے ہیں:

"مرزا صاحب کی تحریک جہاں اپنے ظاہری رخ کے لحاظ سے محض ایک مذہبی تاریخ تھی، وہیں اپنی خفیہ سرگرمیوں اور بنیادی مقاصد کے لحاظ سے ایک خطرناک سیاسی تحریک تھی۔ یہ وہ دور تھا جب برطانوی استعمار، عالم اسلام کو اپنے پنجہ اقتدار میں جکڑنے کے لئے طرح طرح کی سازشوں کے تانے بانے تیار کر رہا تھا۔ لیکن ابھی مسلم حلقوں سے جہاد کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ یورپ کا "مرد بیمار" ترکی نئی طاقت و توانائی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ سامراج کے زیر اقتدار مسلم ریاستوں میں آئے دن بغاوت کے لاوے پھوٹ رہے تھے، اور نہتے باغیوں کی مثالی جرأت و شجاعت اور بے نظیر فوجی کارناموں پر بڑے بڑے جرنیل اور کرنل انگشت بہ دندان رہ جاتے تھے۔ ان کے جوش جہاد اور شوق شہادت کے لئے یہ تصور آگ پر تیل کا کام دے رہا تھا کہ ظہور مہدی اور نزول مسیح کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر انگریزوں کو اپنی جرأت و شجاعت اور فوجی حکمت عملی کے بجائے اپنی عیاری و مکاری اور روباہی و چالبازی پر زیادہ بھروسا کرنا پڑ رہا تھا اور اس مقصد کے لئے انہی مختلف قوموں کے مقابلے میں خود

انہی قوموں کے افراد آلۂ کار کی حیثیت سے مطلوب تھے۔

"ہندوستانی مسلمانوں کے مقابل میں انہوں نے اپنے لئے جس آلۂ کار کا انتخاب کیا تھا وہ تھے مرزا صاحب قادیانی۔ مرزا صاحب نے انگریزوں کے خلاف جہاد کو زبردست حرام کاری اور گناہ کبیرہ بتایا۔ کسی جنگجو اور فاتح مہدی اور مسیح کی آمد کے تصور اور انتظار کو دماغی فتور قرار دیا۔ انگریزوں کی وفاداری وحمایت کو فریضۂ شرعی ٹھہرایا اور ان مقاصد کی اشاعت کے لئے اس قدر لٹریچر شائع کئے جن سے بقول ان کے پچاس الماریاں پر ہوسکتی تھیں۔ پھر اپنی ان مساعی کو ہندوستان کی حدود تک محدود رکھنے کے بجائے عراق وعرب اور روم ومصر وشام تک پہنچادیا اور اس طرح مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کو انگریزوں کے لئے ہموار کر دیا اور اسی دوران اپنے پیروکاروں کو انگریزی گورنمنٹ کی ایسی جاں نثاری فوج بنا دیا جس کا ظاہر و باطن جذبۂ خیر خواہی ووفاداری سے بھرا ہوا تھا۔"

اسرائیل اور عربوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں قادیانیوں نے کیا کچھ کیا اس بارے میں مولانا لکھتے ہیں: "اسرائیل میں قادیانیوں کا ایک اہم مشن ہے جو ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگوں میں اسرائیل کی حمایت اور عربوں کی مخالفت میں متعدد اہم اقدامات کر چکا ہے۔ عالم اسلام کو ہر ممکن طریق سے نقصان پہنچانا اور کمزور کرنا قادیانیوں کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ یہ ہے قادیانیوں کی اصل تصویر، جس پر پردہ ڈال کر وہ بڑے معصومانہ انداز میں ناواقف مسلمانوں سے ملتے ہیں اور بہ سہولت شکار کر لیتے ہیں۔"

آئیے اب معلوم کریں کہ مرزا غلام احمد قادیانی جیسے جھوٹے مدعی نبوت کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے آخر کار کیا انجام ہوا۔ مرزا قادیانی نے جب مسیحیت اور نبوت کا اعلان کیا تھا تو شروع دن سے ہی علما اور اہل اسلام نے تحریر وتقریر کے ساتھ عملی طور پر ہر سطح پر مرزا قادیانی اور اس کی جماعت کی "قرآن و سنت" کے ساتھ ساتھ خود مرزا قادیانی کی تحریروں کو دلائل کے طور پر پیش کرتے ہوئے بھرپور انداز سے ان کی تردید کی۔

ان علمائے کرام میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم مغفورؒ کا نام سرفہرست ہے جو آخری دم تک قادیانیت پر کاری ضربیں لگاتے رہے۔ چنانچہ حضرت مولانا امرتسری کی مجاہدانہ سرگرمیوں، عالمانہ گرفتوں اور فاضلانہ مواخذات کے مقابلے سے جب مرزا قادیانی اور اس کی پوری اُمت عاجز آگئی تو مرزا قادیانی نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے زیر عنوان شائع کیا۔ اس اشتہار میں مرزا قادیانی نے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحبؒ کو مخاطب کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، اس کا وہ ٹکڑا پیش خدمت ہے جو خاص اہمیت اور توجہ رکھتا ہے:

"بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری رہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں اور تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچے میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی ہی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں، اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سُنّت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں، بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی ہی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا تعالیٰ کی

طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں، بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک، بصیر وقدیر، جو علیم وخبیر ہے، جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے، اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین الخ۔

(فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ صـ۹۲، صـ۹۳)

مذکورہ بالا اشتہار میں مرزا قادیانی نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے زیر عنوان اللہ تعالیٰ سے حق وصداقت کا فیصلہ چاہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اثر دیکھئے کہ مرزا قادیانی جیسا مفسد اور کذاب اللہ تعالیٰ سے منہ مانگی موت کے مطابق حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ جیسے سچے کی زندگی ہی میں تیرہ مہینے بارہ دن بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء میں ہیضہ جیسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر قیامت تک کے لئے موت کی وادی میں سو گیا۔ اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مرزا کی موت کے بعد چالیس سال تک بہ قید حیات رہے۔ آپؒ کا انتقال سرگودھا (پاکستان) میں ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوا۔

مرزا قادیانی کیسے اور کن حالات میں موت کے منہ میں چلا گیا، اس اجمالی خاکے کو مولانا صفی الرحمٰن الاعظمی نے قادیانی مآخذ سے اپنی کتاب فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"آیئے! مرزا صاحب کی موت کی تفصیلات بھی قادیانی مآخذ کی زبانی سنتے چلیں۔ مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ "انی حافظ کل من فی الدار" (یعنی اے مرزا! تیرے گھر کے ہر فرد کی میں (خدا) حفاظت کروں گا) اس خدائی الہام کے باوجود اپریل یا مئی ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب کو اپنے اہل وعیال سمیت بیماری کے سبب قادیان (دارالامان و دارالشفا) چھوڑ کر تبدیلی آب وہوا کے لئے لاہور جانا پڑا، مگر جب لاہور وارد ہوئے تو زندہ نہ پلٹ سکے۔ ان کی موت کیوں کر واقع ہوئی، اس کی جو تفصیلات قادیانی اخبار الحکم ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء کے ضمیمہ میں شائع ہوئی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو مرزا صاحب پر ان کی قدیم بیماری اسہال کا دورہ ہوا۔ گیارہ بجے رات میں ایک زوردار دست آنے پر ازحد کمزوری ہو گئی۔ دو اور تین بجے کے درمیان ایک اور زبردست دست آنے پر نبض بالکل بند ہو گئی۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں نے حالت معمول پر لانے کی سرتوڑ کوشش کی، لیکن مرزا صاحب مسلسل گیارہ گھنٹے تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر ۲۶ مئی کو ساڑھے دس بجے فوت ہو گئے۔

تقریباً یہی بیان مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ کا ہے۔ ان سے ان کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں۔ پہلے ایک پاخانہ آیا اور اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا۔ مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پخانے نہ جا سکے تھے۔ اس لئے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر فارغ ہوئے اور پھر اٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی مگر ضعف بہت ہو گیا۔ اس کے بعد ایک اور دست آیا۔ اور پھر آپ کو ایک اور قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے گئے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے۔ اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔

مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے آرگن پیغام صلح نے ۳ مارچ ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ "بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کی موت کے وقت ان کے منہ سے پاخانہ نکل رہا تھا۔"

موت کے بعد مرزا صاحب کو جس مرحلے سے گزرنا پڑا وہ بھی کچھ کم عبرت انگیز نہ تھا۔ مرزا صاحب کا مدفن تو قادیان میں ان کا بنوایا ہوا "بہشتی مقبرہ" تھا لیکن چونکہ ان کی موت انبیاء ومرسلین کی سُنّت کے برخلاف مدفن قادیان سے کوئی ستر میل دور احمدیہ بلڈنگ لاہور میں ہوئی تھی اس لئے انہیں بذریعہ ٹرین لاہور سے قادیان لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب مرزا صاحب کا جنازہ لاہور ریلوے اسٹیشن لے جانے کے لئے احمدیہ بلڈنگ سے باہر نکالا گیا تو زندہ دلان لاہور نے اس کا بڑا شان دار استقبال کیا۔ یعنی راستے بھر مرزا صاحب کے جنازے پر

اس قدر غلاظتیں اور پاخانے پھینکے گئے کہ ان کی لاش بہ دقت تمام اسٹیشن تک پہنچ سکی۔" (فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ص۹۶، ص۹۷)

گزشتہ سطور میں اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ مرزا قادیانی ۱۸۷۷ء میں مذہبی اسٹیج پر نمودار ہوا اور ایک مناظر اسلام کے روپ میں اسلام کی پرزور اور جذباتی وکالت کر کے عام مسلمانوں کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیا۔ اور یہ کہ اسی دوران اسی نے تصوف کا روپ دھار کر مختلف حکمتوں اور تدبیروں سے خلق خدا پر اپنی بزرگی اور خدا رسیدگی کا سکہ بٹھانا شروع کیا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھے جانے کے قابل ہے کہ مرزا قادیانی جب مناظر اسلام کی حیثیت سے منظر عام پر آیا تو یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں عیسائی مشنریاں اور عیسائی پادری انگریزی حکومت کے زیر سرپرستی ہندوستان کے گوشے گوشے میں عیسائیت کی اشاعت و تبلیغ میں بھرپور انداز سے سرگرم تھے، اور اس حوالے سے علما اور عیسائی پادریوں میں جگہ جگہ مناظرے بھی ہوتے رہتے تھے، جس میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پادریوں کے مقابلے میں اہل اسلام ہی کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں ان مذہبی مناظروں اور اس ضمن میں انگریزی حکومت کے طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

"یہ دور مذہبی مناظروں کا دور تھا اور اہل علم کے طبقے میں سب سے بڑا ذوق، مقابلہ مذاہب اور مناظرۂ فرق کا پایا جاتا تھا۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عیسائی پادری مذہب مسیحیت کی تبلیغ و دعوت اور دین اسلام کی تردید میں سرگرم تھے۔ حکومت وقت جس کا سرکاری مذہب مسیحیت تھا، ان کی پشت پناہ اور سرپرست تھی۔ وہ ہندوستان کو یسوع مسیح کا عطیہ اور انعام سمجھتی تھی۔ دوسری طرف آریہ سماجی مبلغ جوش و خروش سے اسلام کی تردید کر رہے تھے۔ انگریزوں کی مصلحت (جو ۱۸۵۷ء کی متحدہ کوشش اور ہندوستان کے اتحاد کی چوٹ کھا چکے تھے) یہ تھی کہ ان مناظرانہ سرگرمیوں کی ہمت افزائی کی جائے اس لئے کہ ان کے نتیجے میں ملک میں ایک کشمکش اور ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہوتا تھا اور تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک ایسی طاقت ور حکومت کا وجود غنیمت معلوم ہوتا تھا جو ان سب کی حفاظت کرے اور جس کے سایہ میں یہ سب امن و امان کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کرتے رہیں۔ ایسے ماحول میں جو شخص اسلام کی مدافعت اور مذاہب غیر کی تردید کا علم بلند کرتا وہ مسلمانوں کا مرکز توجہ و عقیدت بن جاتا۔" (قادیانیت مطالعہ و جائزہ ص۳۷، ص۳۸)

لہٰذا یہی وجہ تھی کہ جب مرزا قادیانی انگریزی حکومت کی سوچی سمجھی سازش کے تحت اسلامی مناظر کا لبادہ اوڑھ کر (تاکہ مسلمانوں میں ایک نئے فرقے کی بنیاد پڑ سکے جیسا کہ گزشتہ سطور میں اجمالی طور پر یہ بیان گزر چکا ہے) سامنے آیا تو مرزا قادیانی بھی دیگر علمائے کرام کی طرح مسلمانوں کا مرکز توجہ و عقیدت بن گیا۔

چنانچہ مرزا قادیانی نے تقریری مناظروں کے علاوہ تحریری میدان میں بھی غیر مسلموں کی جانب سے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے مختلف اقسام کتب لکھیں، جن میں مرزا قادیانی کی "براہین احمدیہ" کو خاص اہمیت حاصل ہے جس کے بارے میں مرزا قادیانی کہتا ہے:

یہ عاجز (مولف براہین احمدیہ) حضرت قادر مطلق جلّ شانہٗ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے اور ان لوگوں کو جو راہ راست سے بے خبر ہیں صراط مستقیم (جس پر چلنے سے حقیقی نجات حاصل ہوتی ہے اور اس عالم میں بہشتی زندگی کے آثار اور قبولیت اور محبوبیت کے انوار دکھائی دیتے ہیں) دکھا دے۔ اسی غرض سے کتاب براہین احمدیہ تالیف پائی ہے جس کی ۳۷ جزو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور اس کا خلاصۂ مطلب اشتہار ہمراہی خط ہذا میں درج ہے لیکن چونکہ ساری کتاب کا شائع ہونا ایک طویل مدت پر موقوف ہے، اسی لئے یہ قرار پایا کہ بالفعل یہ خط مع اشتہار انگریزی شائع کیا جائے اور اس کی ایک کاپی بہ خدمت معزز پادری صاحبان پنجاب و ہندوستان و انگلستان وغیرہ بلاد جہاں تک ارسال خط ممکن ہو جو اپنی قوم میں خاص طور پر مشہور معزز ہیں برہمو صاحبان و

آریہ صاحبان و نیچری صاحبان و حضرات مولوی صاحبان جو وجود و خوارق و کرامات سے منکر ہیں اور اس وجہ سے اس عاجز سے بدظن ہیں، ارسال کی جائے۔" (قادیانیت مطالعہ وجائزہ ص۳۹، ص۴۰)

لیکن درحقیقت مرزا قادیانی کی کتاب براہین احمدیہ کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ مقصود کیا تھا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زبانی سنئے:

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کے تیسرے اور چوتھے حصّے کے شروع میں "اسلامی انجمنوں کی خدمت میں التماس ضروری اور مسلمانوں کی نازک حالت اور انگریزی گورنمنٹ" کے عنوان سے انگریزی حکومت کی کھل کر مدح و توصیف کی اور اس کے مسلمانوں پر احسانات گنائے ہیں اور اس بات کی پرزور اپیل کی ہے کہ تمام اسلامی انجمنیں مل کر ایک میموریل تیار کر کے اور اس پر تمام سربرآوردہ مسلمانوں سے دستخط کرا کر گورنمنٹ میں بھیجیں۔ اس میں اپنی خاندانی خدمات کا پھر تذکرہ ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جہاد کی ممانعت کی بھی پر زور تحریک ہے۔ اس طرح مرزا صاحب کی پہلی تصنیف بھی انگریزی حکومت کی منقبت وثنا اور مسلمانوں کو سیاسی مشورہ دینے سے خالی نظر نہیں آتی۔"

جہاد کی ممانعت اور انگریزی حکومت کی منقبت وثنا کے حوالے سے مرزا قادیانی کی تحریروں سے دو اقتباسات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔ مرزا قادیانی کہتا ہے:

"میری عمر کا اکثر حصّہ اس سلطنت انگریزی کی تائید وحمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچادیا ہے۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہوجائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہوجائیں۔"

ایک درخواست میں جو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ۲/۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو پیش کی گئی تھی، مرزا قادیانی اس میں لکھتا ہے:

"دوسرا امر قابل گزارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً ساٹھ برس کی عمر کو پہنچا ہوں، اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبّت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کروں جو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلّقات سے روکتے ہیں..... اور میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں پر میری تحریروں کا بہت ہی اثر ہوا اور لاکھوں انسانوں میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔"

بہرحال مرزا قادیانی کی تحریروں سے یہاں تک تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مرزا قادیانی اندرونی طور پر "انگریزی حکومت" کا "انگریزی نبی" تھا۔ اور ظاہری طور پر مرزا قادیانی ہندوستان کے طول و عرض میں دین کے داعی روحانی پیشوا اور مناظر اسلام کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شروع میں عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ علما اہل اسلام بھی مرزا قادیانی کی اس ظاہری پہچان کے تحت مرزا قادیانی کی عزّت و توقیر کرتے تھے اور اس کے حامی تھے مرزا قادیانی کی "براہین احمدیہ" کا کچھ احوال سطور میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے تبصرے کے ساتھ پڑھا جاچکا ہے، اس حوالے سے چند باتیں مکرر عرض ہیں کہ مرزا قادیانی نے "براہین احمدیہ" کے حوالے سے یہ شہرت کر رکھی تھی کہ یہ کتاب "غیر اسلامی ادیان" کے رد پر ہے، لیکن جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو بعض علمائے کرام نے مرزا کی "براہین احمدیہ" کے مطالعے کے بعد اس بات کی پیشین گوئی کر دی تھی کہ یہ شخص آگے چل کر "نبوت" کا دعویٰ کرے گا، یا یہ کہ یہ شخص مدعی نبوت ہے۔ ان صاحب فراست علماء کرام میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی مرحوم کے دو صاحب زادے حضرت مولانا محمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

براہین احمدیہ کے چار حصوں کی تالیف و اشاعت کا سلسلہ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک جاری رہا، اور آخری اور پانچواں حصّہ ۱۹۰۵ء میں

شائع ہوا۔ مرزا قادیانی اپنی اس کتاب کے آخری حصے کی اشاعت سے قبل اور پہلے چار حصوں کی اشاعت کے بعد ۱۸۹۱ء میں مسیحیت اور پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعوی کر چکا تھا۔ لہٰذا جن علماء کرام نے مرزا قادیانی کی نبوت کے حوالے سے پہلے پیشین گوئی کر دی تھی، وہ حرف بہ حرف سچ نکلی۔ مرزا قادیانی کی اس تقدس فروشی کی دکان کو بعد میں بام عروج تک لے جانے والوں میں یوں تو کئی لوگوں کے نام آتے ہیں، مگر ایک خاص نام حکیم نوارالدین کا بھی آتا ہے، جس نے نہ صرف مرزا قادیانی کا بھرپور ساتھ دیا بلکہ "مذہب مرزائیت" کو پھیلانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

حکیم نورالدین ۱۸۴۱ء میں بھیرہ (ضلع سرگودھا سابق شاہ پور پنجاب) میں پیدا ہوا۔ حکیم نوارلدین جس زمانے میں مہاراجا جموں کا طبیب خاص تھا، اسی زمانے میں حکیم نورالدین کا مرزا قادیانی سے تعارف ہوا۔ مرزا قادیانی چونکہ اس زمانے میں بسلسلہ ملازمت سیالکوٹ میں مقیم تھا، اور حکیم نورالدین بھیرہ آتے جاتے مرزا قادیانی سے ملتے ہوئے جاتا، اور مرزا کی طرح حکیم نورالدین بھی مناظروں کا شائق تھا، اس لیے ہم مذاقی اور طبعی مناسبت کی وجہ سے بہت جلد یہ تعارف و ملاقات دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ حکیم نورالدین اور مرزا قادیانی ایک دوسرے کے ہمدم اور ہمراز بن گئے۔ آگے چل کر اس گہری دوستی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا قادیانی کے انتقال کے بعد حکیم نورالدین مرزا قادیانی کا "خلیفہ اول" قرار پایا اور مرزا قادیانی کی اُمّت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خلیفۃ المسیح الموعود اور "نورالدین اعظم" اس کے خطاب ہوئے۔

حکیم نورالدین چھے سال تک منصب خلافت پر فائز رہا۔ حکیم نورالدین اپنے انتقال سے چند روز قبل گھوڑے سے گر کر بری طرح زخمی ہوگیا تھا۔ مرنے سے قبل اس کی زبان بند ہوگئی تھی۔ آخر کار ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو حکیم نورالدین انتقال کر گیا۔

مرزا قادیانی کے دعویٰ "مسیحیت" اور "نبوت" کے ساتھ ہی علما اہل اسلام کی ایک بڑی جماعت اس "فتنہ" کی بیخ کنی کے لئے میدان جہاد میں اتر چکی تھی، جس میں دیوبند کے عظیم علماء کرام اور اکابر بزرگوں کے ساتھ ساتھ علما الحدیث کی جانب سے حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی صاحبؒ اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں حضرات نے ہر مقام پر قادیانی کی جھوٹی نبوت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ایک "جدید مذہب" مرزائیت کا تعاقب کیا۔ تقریری و تحریری دونوں سطح پر ان دونوں حضرات کے سامنے خود مرزا قادیانی اور اس کی جماعت کے مُبلغوں کو ہر موقع پر ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی صاحبؒ ایک رسالہ ماہوار بنام "اشاعت السنہ" نکالا کرتے تھے۔ اس رسالے کے ذریعے شروع میں مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب نے مرزا قادیانی سے "حسن ظن" کی وجہ اس کی کتاب "براہین احمدیہ" اور خود مرزا قادیانی کے حق میں خوب پروپیگنڈا کیا تھا، لیکن جونہی مرزا قادیانی کی اصل حقیقت سامنے آئی تو مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے اپنے اسی رسالے "اشاعت السنہ" میں انگریزی حکومت کے انگریزی نبی مرزا قادیانی کی تردید پر شان دار انداز میں لکھا اور خوب لکھا۔ چنانچہ مرزا قادیانی اپنی کتاب "تحفہ گولڑویہ" ص۹ پر حضرت مولانا محمد حسین کے بیان کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے، "انہی ایام میں مولوی محمد حسین نے بعض احباب کے سامنے عالم برافروختگی میں کہا کہ میں نے ہی اس شخص (مرزا قادیانی) کو بلند کیا تھا، اور اب میں ہی گراؤں گا۔" مرزا قادیانی کے مذکورہ بالا الفاظ کی حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ تحریری شکل میں مرزا قادیانی اور حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب کے آپس کے تعلقات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں، اور اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ جب مرزا قادیانی کا بدباطن سامنے آیا تو حضرت مولانا اپنے الفاظ میں ہی "گراؤں گا" کا علمی ثبوت دیتے ہوئے تادم آخر مرزا قادیانی اور مذہب مرزائیت کی تردید کرتے رہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ یہ اس بابرکت شخصیت کا نام ہے، جنہوں نے ردقادیانیت پر دیگر علماء کرام کے بعد کام شروع کیا اور سب سے آگے نکل گئے۔ پہلے پہل جب مرزا قادیانیت نے نہایت معصومانہ انداز سے حمایت اسلام کا بیڑا اٹھایا تھا تو دیگر علما کی طرح آپ کو بھی مرزا کی ایک گونہ عقیدت پیدا ہوگئی تھی، لیکن جب

مرزا قادیانی کا خبث باطن منظر عام پر آگیا تو آپ بھی اس کے خلاف میدان کارزار میں کود پڑے۔ آپ نے بھی دیگر علما کرام کی طرح قادیانیوں سے کئی مناظر کئے جس میں ہر بار قادیانیوں کو ذلت آمیز رسوائی اٹھانا پڑی۔ حضرت مولانا امرتسری صاحبؒ کو ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے عظیم کامیابی ہوئی۔ آپ نے علمی سطح پر بھی ردقادیانیت پر بے شمار کتب ورسائل تصنیف کئے، اور خاص رد قادیانیت کے لئے آپ نے جون ۱۹۰۷ء کو ایک ماہنامہ "مرقع قادیانی" کے زیر عنوان اس وقت شائع کرنے کا اہتمام کیا جب مرزا قادیانی نے خاص آپ کو مخاطب کرتے ہوئے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بہ عنوان مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ شائع کیا، جس کا احوال گزشتہ سطور میں ذکر ہو چکا ہے۔ الغرض حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے جہاں ذاتی طور پر درس و وعظ، تحریر و تقریر، بحث و گفتگو اور مناظرات، مباحثات کے ذریعے ردقادیانیت کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں، وہیں اداروں، تنظیموں، تحریکوں اور افراد کے ذریعے بھی اس میدان میں قابل رشک اور موثر کارنامے انجام دئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہ قید حیات رکھا آپؒ فتنہ قادیانیت کے محاذ پر جہاد کرتے رہے۔

فتنہ قادیانیت کے تعاقب میں اگرچہ ابتدا علمائے لدھیانہ و امرتسر سے ہوئی جن میں مولانا علی امرتسریؒ، مولانا احمد اللہ امرتسریؒ، حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ، مولانا عبدالعزیز لدھیانوی، مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہ لدھیانوی، مولانا محمد اسماعیل لدھیانویؒ اور مولانا غلام دستگیر قصوریؒ کے اسماگرامی آتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ اکابر دارالعلوم دیوبند نے بھی فتنہ قادیانیت کے رد پر تاریخی کارنامے انجام دئے۔ جماعت دیوبند کے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ نے فتنہ قادیانیت کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے حجاز مقدس سے بہ طور خاص حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو ہندوستان آنے پر مجبور کیا، جنہوں نے ردقادیانیت پر "شمس الہدایہ" سب سے پہلی کتاب لکھی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے دوسرے خلفا حضرت مولانا احمد حسن صاحب امرہویؒ، حضرت مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادی اور حضرت مولانا محمد علی مونگیری وغیرہ بھی اس فتنے کی سرکوبی میں پوری طرح سرگرم تھے۔

تردید قادیانیت کے سلسلے میں ایک دوسرا نام حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا ہے کہ جنہوں نے اس فتنے کے خلاف عملی بند باندھنے کے علاوہ تحریری طور پر "مناظرہ عجیبہ" اور "تحذیر الناس" جیسی اہم مدلل اور قیمتی کتب تصنیف کیں۔ اسی طرح جب علماء لدھیانہ نے دارالعلوم دیوبند کی جلسۂ دستار بندی کے موقع پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس سے مرزا قادیانی کے بارے میں فتویٰ مانگا تو ان حضرات نے مرزا قادیانی کے دجل وفریب کی پوری تحقیق کے بعد اپنے فتاویٰ میں مرزا قادیانی کو لامذہب، گمراہ، مرتد، زندیق اور خارج اسلام لکھا، اور اس کی اتباع کرنے والوں کے بارے میں بھی یہی حکم لگایا۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے مولانا غلام دستگیر قصوری کے استفتا پر مرزا قادیانی کو "مرتد" اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے کر علمائے حرمین سے اس کی تصدیق کرائی اور یہ فتویٰ مرزا کی بڑھتی ہوئی آندھی کی موثر کاٹ ثابت ہوا۔

۱۸۹۱ء میں جب مرزا قادیانی کی کتابیں "فتح السلام"، "توضیح مرام" اور "ازالۂ اوہام" شائع ہوئیں جس میں مرزا قادیانی نے وفات مسیح کو ثابت کرکے اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا تھا تو علماء ربانیین خم ٹھونک کر میدان میں آگئے اور سارا ہندوستان مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید کے غلغلوں سے گونجنے لگا۔ جگہ جگہ مناظروں میں مرزائیوں کو شکست فاش دی جانے لگی۔

۱۹۰۸ء میں نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور کے زیر اہتمام عظیم الشان تاریخی مناظرہ ہوا جس میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے باطل شکن دلائل اور بیانات سے قادیانیت لرزہ براندام ہوگئی۔ ۱۹۱۰ء میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہ کی زیر سرکردگی وہ تاریخی مناظرہ ہوا جس میں چالیس علماء کرام نے شرکت فرمائی جن میں حضرت مولانا سید انور شاہ

کشمیری حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے اکابر دیوبند شریک ہوئے اور اس مناظرے میں مرزائیوں کی شکست فاش نے ان کی کمر توڑ دی۔

پھر اس کے بعد ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۴ء) میں محمد سہول صاحبؒ، مفتی دارالعلوم دیوبند کے قلم سے ایک مفصّل فتویٰ کی ترتیب عمل میں آئی۔ اس مفصّل فتویٰ میں پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے افکار و عقائد کو اسی کی کتابوں سے نقل کیا گیا اور پھر فتویٰ میں لکھا گیا: ''جس شخص کے ایسے عقائد و اقوال ہوں، اس کے خارج از اسلام ہونے میں کسی مسلمان کو خواہ جاہل ہو یا عالم تردد نہیں ہوسکتا، لہٰذا مرزا غلام احمد اور اس کے جملہ متبعین درجہ بہ درجہ مرتد زندیق، ملحد، کافر اور فرقہ ضالہ میں یقیناً داخل ہیں''

اس فتویٰ پر حضرت شیخ الہند اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور دوسرے مشاہیر علماء کے دستخط ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اگرچہ انگریز کی ذریت قادیانیت ٹولہ سے نہیں بلکہ براہ راست قادیانی نبوت کے خالق انگریز بہادر سے ٹکر لے رہے تھے، لیکن ذریت برطانیہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا، اور اپنے نابغہ روزگار تلامذہ (جن کی فہرست بڑی طویل ہے،) کو اس جانب متوجہ فرمایا جنہوں نے اس موضوع کو اپنی خدمت کا جولان گاہ بنایا۔ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، شیخ اسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، حضرت مولانا ثناء اللہ امر تسری، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالمسیح صاحب انصاری، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ اور حضرت مولانا محمد عالم آسی امر تسریؒ قدس اللہ اسرارہم نے تحریر و تقریر کے ذریعے حریم ختم نبوت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیا۔

لیکن ان اکابر کی خدمات کی فہرست میں حجۃ اللہ فی الارض حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امر تسری اگرچہ مسائل فقہیہ میں حضرت شیخ الہند کے مسلک پر نہ تھے، مگر ختم نبوت کے لئے آپ کے ارشاد پر جان چھڑکتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کے ذریعے پورے حلقہ اہل حدیث میں مرزائیت کے خلاف بیداری پیدا کر دی اور مولانا امر تسری نے مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا داؤد غزویؒ کو بھی اس پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا تھا۔ ادھر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے علم و قلم اور تلامذہ کی پوری طاقت اس فتنے کی سرکوبی کے لئے وقف کر دی اور ردقادیانیت کی تقریب سے اصول دین اور اصول تکفیر کی وضاحت پر ایسا قیمتی سرمایہ تیار فرمایا کہ قیامت تک اس طرح کے فتنوں کی سرکوبی کے لئے اُمّت اس سے روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ، حضرت مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا چراغ محمد گوجرانوالہ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی، حضرت مولانا ابوالوفا شاہ جہانپوریؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت محمد علی جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور دوسرے جلیل القدر علماء نے اس فتنے کا بھر پور تعاقب کیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں قریہ قریہ گھوم کر حق کی وضاحت کی اور اس موضوع کے ہر پہلو پر اتنا لٹریچر تیار کر دیا کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں ہے۔

تقسیم ہند کے بعد اس فتنہ نے سرزمین پاکستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تو یہاں بھی علمائے دیوبند اور منتسبین دیوبند نے تمام طاقتیں اس حریم مقدس کی حفاظت کے لئے وقف فرما دیں، تاآنکہ قادیانیت تاریخ انسانیت میں ایک بہتان اور افترا بن کر رہ گئی اور یہ کام اللہ کے فضل و کرم سے تکمیل تک پہنچ گیا۔

مجلس احرار اسلام

علماء کرام نے قادیانیت کے خلاف جہاں مذہبی سطح پر کام کیا، وہاں سیاسی سطح پر بھی ان علماء کرام نے مجلس احرار اسلام کے ذریعے مرزائیت کو ناقابل تلافی شکست سے دوچار کیا۔ "مجلس احرار اسلام" کی جماعتی تشکیل اور قیام کے حوالے سے مولانا محمد سعید الرحمان علویؒ اپنی کتاب "سوانح مولانا محمد علی جالندھری" میں لکھتے ہیں:

"کانگریس جیسا کہ ہم نے عرض کیا انیسویں صدی کے آخر میں خود ایک انگریز پروگرام کے مطابق قائم ہوئی اور ابتداء میں اس کا مقصد بڑا محدود تھا۔ لیکن اب وہی کانگریس تھی کہ ملک میں چھا چکی تھی اور اس کے عزائم اتنے واضح ہوگئے تھے کہ انگریزی سطوت اس سے خوف کھانے لگی تھی۔ کانگریس کی صفوں میں برصغیر کے نامی گرامی علماء قائدانہ طور پر موجود تھے جب کہ عددی اکثریت بہرحال غیر مسلم اقوام کی تھی۔ بعض مسلم رہنماؤں کی انگریز دوستی نے غیروں میں ایک غصہ اور جھنجھلاہٹ کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ پنجاب کا مسئلہ بہ طور خاص بڑا الجھا ہوا تھا۔ یہاں کانگریس کو مضبوط مورچہ نہیں مل رہا تھا اس صوبے میں یا تو پیروں کی گرفت تھی یا ان وڈیروں کی جو ۱۸۵۷ء کے بعد سے انگریزی خدمات کے نتیجے میں ابھرنا شروع ہوئے تھے۔ پنجاب کی سنجیدہ مخلص اور بیدار مغز قیادت حالات کی اصلاح کے لئے سوچ بچار میں مصروف تھی اور نہرو رپورٹ نے حالات اس طرح کے بنا دئے تھے کہ یہاں اول مسلمانوں کی موثر تنظیم ضروری سمجھی جارہی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس مشورے کے موجد ہی نہ تھے بلکہ بنیادی طور پر سوچ ہی انہی کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۲۹ء میں لاہور میں مجلس احرار اسلام کا قیام معرض وجود میں آیا۔ "تاریخ احرار" مصنفہ چودھری افضل حق صاحب مرحوم اس سلسلے میں ایک قابل قدر دستاویز ہے۔ مارچ ۱۹۶۸ء کا وہ ایڈیشن جو حضرت امیر شریعت قدس سرہ کے خلف الرشید سید ابوذر بخاری صاحب کے طویل مقدمے کے ساتھ چھپا اس کے مطابق احرار کی ذہنی نقشہ کشی اور قانونی تشکیل تو ۷ ۲ رجب ۱۳۴۸ھ میں بمطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء بہ روز یک شنبہ کو ہو چکی تھی۔ اسی اجلاس میں حضرت امیر شریعتؒ نے جداگانہ حقوق و انتخابات اور جداگانہ تنظیم کے عنوان سے عوام کو تعاون کی دعوت دی چنانچہ تشکیل جماعت سے پونے دو سال بعد ۲۴ صفر ۱۳۵۰ھ بمطابق ۱۱ جولائی ۱۹۳۱ء بہ روز شنبہ حبیبیہ ہال لاہور میں اس کی نئی فعال و مخلص اور انقلابی اسلامی جماعت کا پہلا اہم اجتماع منعقد ہوا جس میں کانگریس اور لیگ سے بنیادی اختلافات کی نشان دہی اور اغراض و مقاصد کی تشریح کر کے قوم کو نیا لائحہ عمل دیا گیا۔ (مقدمہ تاریخ احرار ص ۲۷)

مجلس احرار اسلام کی خوش قسمتی یہ تھی کہ اسے اپنے دور کے وہ نامور اور عبقری لوگ نصیب ہوگئے تھے جن پر ایک دنیا رشک کرتی ہے۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کے نام سے کون واقف نہیں۔ ۱۹۲۶ء میں انجمن خدام الدین کے سالانہ جلسے میں امام المحدثین حضرت العلام مولانا محمد انور شاہ قدس سرہ کی تحریک و ایماء سے آپ کو امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ پانچ صد اجل علماء نے بیعت کی اور پہلی بیعت حضرت اُمّ العصر کاشمیری نے خود کی۔ چودھری افضل مرحوم جماعت میں شامل تھے بلکہ بنیادی رکن اور قائد۔ انگریزی انتظامیہ میں شامل یہ راجپوت جواں رعنا امیر شریعت کی تقریر سے متاثر ہو کر ایسا ساتھی بنا کہ پھر اس کا جنازہ دفتر احرار سے اٹھا۔ لدھیانہ خاندان کے چشم و چراغ مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی سیاسی بصیرت اور اصابت رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس قسم کے افراد کی محنتوں سے مجلس احرار اسلام کا قوام تیار ہوا اور بعد میں مختلف مواقع پر شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا غلام غوث ہزاروی، حافظ علی بہادر، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا محمد علی جالندھری، غازی عبدالرحمٰن، میاں قمر الدین رئیس اچھرہ، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، مولانا محمد حیات، مولانا قاضی احسان احمد، مولانا لال حسین اختر اور آغا شورش کاشمیری جیسے لوگ جماعت کے اسٹیج پر ملت کی رہنمائی کرتے رہے۔ (ص ۳۸، ص ۳۹)

"مجلس احرار اسلام" اپنے زمانے میں جن محاذوں پر کام کر کے بام عروج کو پہنچ چکی تھی اس کے بارے میں مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی صاحب ص ۴۶ پر ایک جگہ اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"گزشتہ سطور سے آپ نے یہ اندازہ تو کر لیا ہو گا کہ حضرت مولانا

محمد علی صاحب مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں اور بالخصوص امیر شریعت قدس سرہ سے ایک تعلق ونسبت اپنے زمانہ تدریس میں قائم کر چکے تھے۔ مجلس کا معاملہ ایسا تھا کہ تحریک کشمیر، تحریک کپور تھلہ، ۱۹۳۵ء کے زلزلہ کوئٹہ کے متاثرین کی امداد، رنگیلا رسولی نامی رسوائے زمانہ کتاب کے ناشر راجپال کے قاتل غازی علم الدین شہید کے مقدمہ تحریک، میکلیگن کالج لاہور اور مرزائیوں کے تعاب کی وجہ سے شہرت وقبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی۔"

مذکورہ بالا اقتباس کے حوالے سے یہاں یہ بات اہم ہے کہ "مجلس احرار اسلام" شروع سے خاص قادیانی جماعت کی محاسب رہی، اور قادیانی مذہب اور قادیانوں کے در پردہ عزائم سے واقف نہ تھے، مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کو باخبر کیا گیا، جس میں اس بات کا خصوصیت سے اظہار کیا گیا کہ قادیانی مسلمانوں کے روپ میں برطانوی جاسوس ہیں اور ان کے دو کام ہیں، ایک مسلمان ریاستوں کی جاسوسی، دوسرے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی چاکری۔ لہٰذا قادیانی اُمت اور اس کے اکابر کو مسلمانوں کی اجتماعی گرفت میں لا کر ایک ایسا طائفہ بنا دیا کہ وہ مسلمانوں کی عمرانی و سیاسی اور تہذیبی و تعلیمی مجالس سے خارج ہو گئے۔

لیکن دوسری طرف ایک صورت حال یہ بھی تھی کہ قادیانیوں نے علماء کرام کی احتسابی تحریکوں کے باوجود قادیاں کو اپنی ریاست بنا رکھا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے صوبے کے مختلف اضلاع سے اپنی اُمت کے افراد بلوا کر قادیاں میں بسا لئے تھے۔ چنانچہ مجلس احرار اسلام نے قادیاں میں بھی مرزائیوں کا ریاستی زور توڑنے کے لئے موثر اقدامات کا آغاز کیا، جس کے تحت قادیاں میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے زیر سرپرستی احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ "مجلس احرار اسلام" کی قادیاں میں اس کامیاب کانفرنس کے حوالے سے آغا شورش کاشمیری صاحبؒ نے اپنی کتاب تحریک ختم نبوت میں اس بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس تفصیلی بیان سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"پہلی احرار کانفرنس ۲۱، ۲۲، ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو بہ صدارت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قادیاں میں منعقد ہوئی۔ مرزا بشیر الدین محمود کی خوشنودی کے لئے حکومت قادیاں نے میونسپل حدود میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ احرار نے میونسپل حدود سے باہر کانفرنس کا ایک عظیم الشان پنڈال بنایا۔ پشاور سے دہلی تک ہزار ہا لوگوں نے شمول کا اعلان کیا۔ اس غرض سے اسپیشل ٹرینیں چلائی گئیں۔ جب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قادیاں کے ریلوے اسٹیشن پر اسپیشل ٹرین سے پہنچے، تو ہزار ہا رضا کاروں نے ان کا استقبال کیا۔ تقریباً دو لاکھ افراد شریک ہوئے۔ شاہ جی نے دس بجے رات تقریر کا آغاز کیا اور صبح کی اذان تک تقریر جاری رکھی۔ اس تقریر سے قادیانی اُمت کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مرزا بشیر الدین نے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا، چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے وائسرائے اور گورنر سے فریاد کی تو شاہ جی کے خلاف دفعہ ۱۵۳ الف کے تحت وارنٹ جاری کر دئے گئے، اور انہیں شروع دسمبر ۱۹۳۴ء کو مسوری سے گرفتار کر لیا گیا۔ دیوان سکھا نند مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں دو ماہ مقدمہ چلتا رہا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے بھی چار دن تک شہادت دی۔ آخر مجسٹریٹ نے ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء کو ۶ ماہ قید بامشقت کا حکم سنایا۔ اس فیصلے کے خلاف سیشن جج گورداسپور کی عدالت میں اپیل کی گئی۔ انہوں نے ابتدًا شاہ جی کو ضمانت پر رہا کر دیا۔ پھر ۶ جون ۱۹۳۵ء کو ایک تاریخی فیصلہ لکھا جس سے قادیانی اُمت بے نقاب ہو گئی۔ مسٹر کھوسلہ نے شاہ جی کے جرم کو محض اصطلاحی قرار دے کر تا اجلاس عدالت قید محض کی سزا دی۔ اس فیصلے نے عوام کے احتساب کو ثبات دے کر خواص کو بیدار کیا۔

مسٹر کھوسلہ کا تاریخی فیصلہ عوام میں لوگ گیت کی طرح پھیل گیا۔ مرزائی اس کے مندرجات کی صداقت سے کپکپا اٹھے۔ اب وہ اس جستجو میں تھے کہ احرار کی پکڑ سے کیوں کر نکل سکیں، لیکن انہیں کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔" (ص۸۰، ص۸۱)

اسی کے ساتھ مجلس احرار اسلام نے جولائی ۱۹۳۵ء میں ورکنگ کمیٹی کے اجلاس امرتسر میں فیصلہ کیا کہ قادیاں میں احرار کا مستقل دفتر کھولا جائے۔ چنانچہ قادیاں میں مجلس احرار اسلام کے دفتر کا قیام عمل

میں آیا۔ دفتر کے انچارج مولانا عنایت اللہ صاحب مقرر ہوئے، اور ''فاتح قادیاں'' مولانا محمد حیات صاحبؒ کو وہاں پر مبلغ مقرر کر دیا گیا، جو عرصہ دس سال تک قادیاں میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ''جھوٹی نبوت'' کا منہ توڑ جواب دیتے رہے۔

مجلس احرار اسلام کے عروج کا یہ وہ زمانہ تھا کہ اپنے قیام ۱۹۲۹ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک خاص ''ردقادیانیت'' اور تحریک کشمیر سمیت کتنے ہی معرکے سرانجام دینے کی وجہ سے احرار کا طوطی ہر طرف بولنے لگا تھا۔ ادھر دو سال بعد یعنی ۱۹۳۷ء کو انتخابات ہونے والے تھے، لہٰذا احرار کی شہرت کو داغ دار کرنے کے لئے ۱۹۳۵ء میں سر فضل حسین اور سکندر حیات نے انگریزی حکومت کی سرپرستی میں قادیانیوں کے ساتھ مل کر ''مسجد شہید گنج'' واقع لنڈا بازار کو منہدم کیا جس کی تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔ نیز ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد کچھ ایسے سیاسی حالات سامنے آئے کہ ''مجلس احرار اسلام'' کے قائدین نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو محدود کر لیا۔ قیام پاکستان کے بعد یہاں بھی قادیانیوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ نیز قادیانیوں نے صوبہ بلوچستان اپنی حریص نگاہیں گاڑ رکھی تھیں۔ وہ اس وسیع و عریض رقبہ اور معدنیات سے لدی ہوئی زمین پر قادیانی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے، لیکن علمائے حق اور وہاں کے غیور مسلمانوں نے اس سازش کا فوری نوٹس لیا، اور اس علاقے سے قادیانیوں کی سازشوں اور عزائم کو ختم کر دیا گیا،

لیکن دوسری جانب تقسیم ہند کے بعد انگریز گورنر سر فرانسس موڈی نے قادیانیوں کو بہ مقام ربوہ ضلع جھنگ میں ۱۰۳۴ ایکڑ سات کنال، آٹھ مرلے اراضی ایک آنہ فی مرلہ کے حساب سے تحفۃً دے دی اور ربوہ کو ایک بند شہر بنا دیا گیا۔ کوئی مسلمان ربوہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، مرزا بشیر الدین یہاں کا مطلق العنان حاکم تھا۔ اس کا ہر حکم قانون تھا۔ یہاں کی اپنی عدالتیں اور نظارتیں تھیں۔ چنانچہ اس فضا کو اپنے حق میں جان کر مرزا بشیر الدین اور قادیانی مبلغ علماء کرام کو اپنی پرانی عادت کے مطابق نمائشی چیلنج دینے لگے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں کچھ ایسے سیاسی حالات سامنے آئے کہ احرار نے اپنی سیاسی سرگرمیاں محدود کر لیں تھیں، لہٰذا احرار کی اس سیاسی خاموشی کو قادیانی جماعت کے آنجہانی مرزا بشیر الدین نے احراریوں کا جھوٹا ہونا اور اپنا سچا ہونا گردانتے ہوئے ۱۹۵۰ء کے اوائل میں ایک بیان دیا کہ ''کہاں ہے مجلس احرار اور عطاء اللہ شاہ بخاری؟ وہ جھوٹے تھے مٹ گئے ہیں، ہم سچے ہیں، اس لئے زندہ ہیں۔''

روزنامہ ''زمیندار'' کی یہ خبر جب مولانا محمد علی جالندھری صاحب نے امیر شریعت کو دکھائی تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''میں ابھی زندہ ہوں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سیاست کو خیرباد کہتے ہوئے اب تردید مرزائیت پر کام کروں گا۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر اپنی تقریر میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحبؒ نے فرمایا:

''کوئی نہ سمجھ لے کہ پاکستان بننے کے بعد عطاء اللہ کے پاس عوامی طاقت نہیں تھی اس لئے اس نے سیاست کا میدان چھوڑ دیا ہے۔ اس قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں آج اعلان کرتا ہوں کہ میں اب سیاست میں کام نہیں کروں گا۔ انگریزی کی سیاست الیکشن لڑنا ہے۔ میں آج سے الیکشن کو خیرباد کہتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ میں اب تردید مرزائیت پر کام کروں گا۔ میں اپنے رضا کاروں کو حکم دیتا ہوں، اگر انہوں نے الیکشن لڑنا ہے یا ووٹ دینا ہے تو مسلم لیگ کے اسٹیج پر چلے جاؤ، اگر ووٹ نہیں دینا ہے، تو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ، میں تو اب ختم نبوت کا کام کروں گا۔''

تحریک، ختم نبوت

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ برصغیر کی آزادی سے قبل مجلس احرار اسلام نے قادیاں میں شعبہ تبلیغ کا جو اجرا کیا تھا، یہ شعبہ دراصل ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا ہی حصہ تھا، جس کے بارے میں امیر شریعت نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ سے ایک ملاقات پر عرض کیا کہ اس شعبہ کا سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں، اور پھر مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے امیر شریعت سے اس کی رکنیت کی سالانہ فیس معلوم کی۔ امیر شریعتؒ نے عرض کیا ''ایک روپیہ۔''

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے پچیّس روپے عنایت فرمائے۔ یعنی "مجلس تحفظ ختم نبوت" نے مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ سے ۱۹۳۵ میں جنم لیا تھا۔ مجلس ختم نبوت نے تحریک کی شکل ۱۹۵۳ء میں اس وقت اختیار کی جب اس سے ایک سال قبل ۱۹۵۲ء میں آنجہانی مرزا بشیر الدین محمود قادیانی نے ایک بیان دیتے ہوئے کہا، "۱۹۵۲ء ہمارا ہے۔ عنقریب ہماری حکومت آنے والی ہے، عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مخالف کٹہرے میں کھڑے ہوں گے، میں وہی سلوک کروں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔"

شاہ جی نے یہ خبر پڑھی تو پورے ملک کا دورہ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ سخت ترین جدوجہد کے بعد لوگوں کو قادیانیت کے فریب اور ملک دشمنی سے آگاہ کیا اور پورے ملک کو تیار کر لیا۔ جب ۱۹۵۳ء کا سال نمودا ہوا۔ اس کھدر پوش (شاہ جی) نے بہ آواز بلند (آنجہانی) مرزا بشیر الدین محمود کو للکارا: "او! مرزا غلام احمد قادیانی (آنجہانی) کی جھوٹی نبوت کے پیروکار مرزا محمود تیرا ۱۹۵۲ء ختم ہو گیا اور اب میرا ۱۹۵۳ء نمودار ہوتا ہے اور اب دیکھ (آنجہانی) مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کا کس طرح آپریشن کرتا ہوں۔"

شاہ جی نے شیعہ، سنی، اہل حدیث، بریلوی، دیوبند سبھی کو ایک اسٹیج پر جمع کر دیا اور قادیانیوں کے خلاف تحریک چلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں تین مطالبے تھے:

1. (آنجہانی) سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے الگ کر دو۔
2. مرزائیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دو۔
3. مرزائیوں کو کلیدی اسامیوں سے الگ کرو۔

ان مطالبات کے حق میں جلسے جلوس شروع ہو گئے۔ کراچی میں ملک بھر کے چوٹی کے علماء کا اکٹھ ہوا اور حکومت کو مطالبات تسلیم کرنے کے لئے ایک ماہ کا الٹی میٹم دیتے ہوئے تحریک چلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح ۳۱ علما کرام نے اس پر دستخط کئے۔ اس میں مجلس عمل تشکیل دی گئی، جس کے صدر مولانا سید ابوالحسنات احمد قادری (بریلوی)، جنرل سیکرٹری مظفر علی شمسی (شیعہ) اور خزانچی مولانا اختر علی (دیوبندی) کو بنایا گیا۔

اس طرح ملک بھر میں تحفظ ختم نبوت کی تحریک چلائی گئی۔ "تحریک ختم نبوت" کے منبر سے "قادیانیت اور اسلام" کا تقابلی جائزہ عوام کے ہر خاص و عام طبقے میں پیش کیا گیا۔ تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام پہلا جلسہ عام آرام باغ کراچی میں ہوا۔ جلسے سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید ابوالحسنات احمد قادریؒ، صاحبزادہ پیر فیض الحسنؒ، مظفر علی شمسیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ سمیت دیگر راہنماؤں نے خطاب کیا۔ اسی جلسے کے اختتام پر جب یہ حضرات واپس کراچی دفتر آئے تو ۲۶، اور ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب مذکورہ بالا تمام راہنماؤں کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ ان راہنماؤں کی گرفتاری کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی صورت اختیار کر گئی۔

ان راہنماؤں کو پہلے کراچی جیل میں رکھا گیا پھر سکھر جیل میں رکھا گیا۔ اس کے بعد کی حکومت کی جانب سے قائم ہونے والی تحقیقاتی کمیٹی کے جسٹس منیر (جو احرار کا دشمن اور قادیانیوں کا درپردہ دوست تھا) کے سامنے پیشی کے لئے ۲۵ جولائی ۱۹۵۳ء کو امیر شریعت سمیت دیگر تمام گرفتار راہنماؤں کو لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ ختم نبوت تحریک کے ان راہنماؤں کی گرفتاری سے ملک کے دیگر صوبوں میں عمومی طور پر اور صوبہ پنجاب میں خصوصی طور پر عوام نے حکومت اور قادیانیوں کے خلاف بھرپور احتجاج کیا۔

اس زمانے میں مسجد وزیر خاں (لاہور) تحریک تحفظ ختم نبوت کا مرکز تھی، لہٰذا ملک بھر سے تحریک ختم نبوت کے قافلے لاہور آنے لگے۔ حکومت نے مسجد وزیر خاں کو گھیرے میں لے کر اس کی بجلی کاٹی، پانی بند کیا، اور مسجد کے اندر اور باہر جانے پر بندش لگا دی گئی، شہر بھر میں کرفیو لگا دیا گیا، اور فوج ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں میں مسلح ہو کر گشت کرنے لگی۔ تحریک ختم نبوت کے عوامی ریلے کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے حکومت کی انتقامی اور غیر قانونی کارروائیوں کی وجہ سے ہزاروں مسلمان گولیوں کا نشانہ بنا دئے گئے۔ کئی جگہ قادیانی حکومت کی ان کارروائیوں کی آڑ لے کر جیپ میں سوار ہو کر مسلمانوں پر فائرنگ

کرتے رہے۔ لہٰذا حکومت کی ان غیر قانونی کارروائیوں کے نتیجے میں تحریک ختم نبوت کے کارواں کی عوامی قوت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

پنجاب میں اتنا خون خرابہ ہو چکا تھا کہ جب تک لوگوں کے دل راضی نہ ہوں کسی حکومت کے لئے بھی کام کرنا مشکل تھا۔ ہر گھر حکومت سے بددل ہو چکا تھا۔ چنانچہ اولاً میاں ممتاز دولتانہ کی وزارت عظمٰی برخاست کی گئی، اور ملک فیروز خان نون کو صوبے کا وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔ انہوں نے تحریک ختم نبوت کے تقریباً سبھی قیدیوں کو رہا کر دیا، ادھر مرکزی حکومت میں مرزائیوں کی ملی بھگت سے سازش کا ایک چکر شروع ہو گیا۔ ملک غلام محمد نے قومی اسمبلی کر برخاست کر دیا۔ خواجہ ناظم الدین وزارت عظمٰی سے نکال دئے گئے۔ ان کی جگہ امریکہ میں پاکستان کے سفیر محمد علی بوگرا کو درآمد کیا گیا اور وزیر اعظم بنائے گئے۔ مولوی تمیز الدین اسپیکر نیشنل اسمبلی نے برخاستگی کے خلاف رٹ کی لیکن جسٹس منیر نے یہاں بھی گل کھلایا اور ملک غلام محمد کے اقدام کو جائز قرار دے کر ایک غیر قانونی اقدام کی تصدیق کر دی۔ اس فیصلے سے ملک میں عدالتی وقار مجروح ہو گیا۔ اس کے ذمہ دار صرف جسٹس منیر تھے۔ مسٹر محمود علی قصوری نے حضرت شاہ صاحبؒ، مولانا ابوالحسنات، صاحبزادہ فیض الحسن اور ماسٹر تاج الدین انصاری کی نظر بندی کے خلاف رٹ دائر کر دی۔ جسٹس ایس اے رحمٰن نے قانونی غلطی کا فائدہ دے کر ان لوگوں کو ۸ فروری ۱۹۵۴ء کو رہا کر دیا۔

اسی سال یعنی ۱۳ ستمبر ۱۹۵۴ء کو حضرت امیر شریعت کو ملتان کے ایک اجلاس میں مجلس ختم نبوت کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۶ نومبر کو گھر میں وضو کر رہے تھے کہ دائیں جانب فالج کا ہلکا سا حملہ ہوا لیکن جلد ہی اس کا اثر زائل ہو گیا۔ یہ گویا مہلک مرض کے آغاز کا انتباہ تھا۔ لاہور میں شاہ جی نے تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ "جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے ہیں ان کے خون کا جواب دہ میں ہوں۔ وہ عشق رسالت ﷺ میں مارے گئے، اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبہ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں ان سے کہتا ہوں کہ حشر کے دن بھی اس خون کا ذمہ دار میں ہوں گا۔ اگر ان دانشوران بے دین یا دینداران بے عشق کے نزدیک ان کا جان دینا غلطی تھی تو اس غلطی کا ذمے دار بھی میں ہوں۔ وہ عشق نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ ہوگئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی سات ہزار حافظ قرآن صحابہ رضوان اللہ کو ختم نبوت کی خاطر شہید کرایا تھا۔"

دوسری طرف شاہ جی کی طبیعت ماندہ ہو چکی تھی۔ شب و روز دورہ کرتے اور مسلمانوں کو قادیانیت کے فریب اور ختم نبوت کے بارے میں بتاتے۔ وہ آخری سانس تک اس کا اعلان کرتے رہے، پھر حکومت نے ۱۹۵۵ء میں چھ ماہ کے لئے انہیں اپنے گھر ملتان میں نظر بند کر دیا۔ آزاد ہوئے تو کچھ عرصہ بعد چودہ اپریل ۱۹۵۶ء کو خانیوال کی ایک تقریر میں پکڑ لیا۔ پانچ چھ ماہ مقدمہ چلتا رہا۔ پھر بعد میں حکومت نے مقدمہ واپس لے لیا۔ آخر کار جسمانی عوارض یکایک عود کر آئے، اور حضرت امیر شریعت چار سال علالت کے بعد ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو ملتان میں انتقال کر گئے۔ آپ کے انتقال پر علماء کرام اور ملک بھر کے عوام نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔

حضرت امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری صاحبؒ کے وصال کے بعد ۱۹۷۴ء میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے امیر اور مولانا شریف جالندھری جنرل سیکرٹری منتخب کئے گئے۔ لیکن دوسری جانب قادیانیوں نے اندر ہی اندر سازشوں کا جال پھیلایا ہوا تھا، اور وہ سول انتظامیہ، فارن سروس، فوج اور ایئر فورس میں کلیدی عہدوں پر قابض ہو گئے تھے اور ربوہ میں انہوں نے اپنی ریاست بنا رکھی تھی۔ چنانچہ قادیانی نشہ اقتدار میں بدمست ہو چکے تھے اور اسی بدمستی کی بنیاد پر ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو قادیانی نوجوانوں نے ربوہ ریلوے اسٹیشن پر چناب ایکسپریس کے ذریعے سفر کرنے والے ملتان نشتر میڈیکل کالج کے مسلمان طلبہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا، جس پر سارے ملک میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی، لہٰذا سیاسی و دینی جماعتوں کے مطالبے پر کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، حکومت نے صمدانی انکوائری کمیشن قائم کیا۔

قادیانیوں کی طرف سے پیروی کے لئے سابق چیف جسٹس جناب

منظور قادر آئے، جن کی معاونت جناب اعجاز بٹالوی اور تمام قادیانی وکلا کر رہے تھے۔ ان کے مقابلے کے لئے لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن نے پاکستان کے سرکردہ ممتاز قانون دانوں کا ایک پینل بنایا جس میں چوہدری نذیر احمد خان سابق اٹارنی جنرل پاکستان تھے۔ وکلا کے اس پینل کی سربراہی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان جناب محمد اسمٰعیل قریشی کر رہے تھے۔

یہ کمیشن کئی ہفتوں تک مسلسل فریقین کے بیانات اور ان کی شہادتیں قلم بند کرتا رہا۔ مسلمانوں کی طرف سے دینی اور سیاسی جماعتوں کے رہنما پیش ہوئے اور قادیانیوں کی طرف سے ان کے خلیفہ اور دوسرے قائدین جماعت نے اپنا موقف بیان کیا۔ اس کے بعد کئی دنوں تک فریقین کے وکلا کے دلائل ہوتے رہے، اور بہ فضل تعالیٰ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کردی۔ اسی دوران قومی اسمبلی میں مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، پروفیسر غفور احمد اور ان کے ساتھیوں نے متفقہ طور پر اپوزیشن کی طرف سے قادیانیوں کے خلاف قرار داد پیش کی۔ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء متحد ہو کر سرگرم عمل ہوگئے، جس کے نتیجے میں اسلامیان پاکستان نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے ملک کے گوشے گوشے سے آواز اٹھائی۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت برسر اقتدار تھی، جس نے پاکستان کے مسلم عوام کے جذبات اور احساسات کا صحیح طور پر اندازہ کرتے ہوئے حکومتی بنچوں کی طرف سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی جس کی منظوری کے بعد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں قومی اسمبلی میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی منظور کردہ قرارداد کو آئینی ترمیم کے ذریعے شامل دستور کر لیا گیا، جس کے بعد لاہوری اور قادیانی گروپ اور ہر وہ شخص جو ختم نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو، آئینی طور پر غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ یہ ایک عظیم کام تھا۔ عرب ممالک نے اس موقع پر قابل قدر اسلامی اخوت کا مظاہرہ کیا۔

تحریک ختم نبوت کے بعد قادیانیوں نے یورپ، افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں پاکستان کو بدنام کرنے کی زبردست تحریک چلائی۔ پاکستان میں قادیانی انڈر گراؤنڈ چلے گئے، تاکہ عوام کے احتساب سے اپنی جان چھڑا سکیں۔ یہ تحریک ختم نبوت اور اس بنیاد پر علماء اہل اسلام کی محنتوں ہی کا ثمرہ تھا کہ آج تحریک ختم نبوت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ الحمد للہ عالمی مجلس تحفظ نبوت نے پاکستان کے باہر بھی قادیانیوں کا تعاقب جاری رکھا ہے، اور دنیا بھر میں انہیں رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مرزا طاہر کے ملک سے بھاگ جانے کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اس کا مقابلہ جاری رکھا اور انگلینڈ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا دفتر قائم کر لیا ہے۔ اب مرزا طاہر اور مرزائیوں کا دنیا بھر میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ پیچھا کر رہے ہیں۔ جماعت نے امریکہ، جرمنی، کنیڈا، اور دنیا کے دیگر ممالک میں اپنے دفاتر قائم کر لئے ہیں۔ دنیا بھر میں مجلس کی طرف سے ختم نبوت کانفرنسیں ہوتی ہیں، جن میں مرزائیوں کا پول کھولا جاتا ہے۔

خ د

*** خدیجہؓ، اُمّ المؤمنین:** اُمّ المؤمنین، رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ۔ سلسلہ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بنت بن اسعد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ۔ قصیٰ کے مقام پر حضرت خدیجہ کا نسب آنحضرت ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زاہدہ تھا۔ ۵۵۶ء میں اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوئیں اور اپنی شرافت و پاکیزگی کی وجہ سے "طاہرہ" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ سے جب ان کا نکاح ہوا تو ان کی عمر چالیس سال جب کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک صرف پچیس برس تھی۔ آنحضرت ﷺ کو اس وقت تک نبوت بھی عطا نہیں ہوئی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے نکاح

حضرت خدیجہ کی پہلی شادی کی بات چیت ورقہ بن نوفل سے

ہوئی تھی، لیکن کسی وجہ سے یہ رشتہ نہ ہو سکا۔ بعد میں ان کا نکاح ابوہالہ بن زراہ تمیمی سے ہوا۔ ان سے دو لڑکے ہوئے جن کے نام ہند اور حارث تھے۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عایذ مخزومی سے نکاح ہوا۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند رکھا گیا۔ چنانچہ حضرت خدیجہ "ام ہند" کے نام سے بھی پکاری جاتی تھیں۔ کچھ عرصے بعد عتیق کا بھی انتقال ہو گیا تو حضرت خدیجہ دوبارہ بیوہ ہو گئیں۔

حضرت خدیجہ چونکہ اعلیٰ خاندان سے تھیں اور ان کے پاس مال و اسباب بھی تھا، اس لئے وہ کاروبار کیا کرتی تھیں۔ اپنے کاروبار کو چلانے کے لئے قابل اعتماد آدمی کی ضرورت پڑی تو ان کی نظر انتخاب آنحضرت ﷺ کی طرف گئی۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت چوبیس سال کے قریب تھی اور امانت و دیانت، راست گوئی کی وجہ سے آپ ﷺ کی شہرت مکہ میں دور دور تک پھیل چکی تھی۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کی یہ خواہش ہوئی کہ حضرت محمد ﷺ ان کے کاروبار کو سنبھال لیں۔

لہٰذا حضرت خدیجہ نے یہ درخواست آنحضرت ﷺ کو بھجوائی اور آپ ﷺ نے اپنے چچا اور سرپرست ابوطالب کے مشورے سے حضرت خدیجہ کے کاروبار کو سنبھالنے کی ہامی بھرلی۔ اس بار جب آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہ کا سامان تجارت لے کر سفر پر گئے تو پہلے کے مقابلے میں دوگنا نفع ہوا۔

حضرت خدیجہ نے آنحضور ﷺ کے متعلق مزید معلومات حاصل کیں تو آپ ﷺ کی تعریف ہی سننے کو ملی۔ اس طرح ان کے دل میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہ سفر تجارت کے تین ماہ بعد انہوں نے اپنی باندی نفیسہ کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔

آپ ﷺ نے یہ پیغام قبول کرلیا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ کا نکاح پانچ سو طلائی درہم کے عوض ہو گیا۔ نکاح کے وقت آنحضور ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے حضرت خدیجہ کا ساتھ بہت اہم ثابت ہوا خاص کر نبوت ملنے کے بعد جس طرح حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کی دل جوئی اور رفاقت کا معاملہ کیا وہ آپ ﷺ کے لئے بہت اہم تھا۔

نبوت ملنے سے پہلے بھی نبی کریم ﷺ غار حرا میں عبادت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، لیکن جب نبی کریم ﷺ پر حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ اس قدر سہم گئے کہ لڑکھڑاتے قدموں گھر آئے۔ ایسے میں حضرت خدیجہ ہی نے رسول اللہ ﷺ کے مضطرب دل ودماغ کو تسلی اور آپ ﷺ کے حواس باختہ اعصاب کو تسلی پہنچائی۔

حضرت خدیجہ نے رسول اللہ ﷺ کو یقین دلایا کہ آپ ﷺ متردد نہ ہوں۔ اللہ آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کو ورقہ کے پاس لے گئیں جنہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔

حضرت خدیجہ کو اس سے بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے فورًا آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔ اس طرح حضرت خدیجہ مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی شخصیت بن گئیں۔

اسلام لانے کے بعد وہ مزید دس برس تک حیات رہیں اور گیارہ رمضان المبارک ۱۰ نبوی (دسمبر ۶۱۹ء) کو ۶۵ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ چونکہ اس وقت تک نماز کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے نماز جنازہ پڑھائے بغیر انہیں قبر میں اتارا گیا۔

رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ کی زندگی بڑے اطمینان وسکون سے گزری۔ حضرت خدیجہ کی وفات کا آنحضور ﷺ کو انتہائی صدمہ ہوا، کیونکہ اب کوئی چھوٹے بچوں کی نگہ داشت کرنے والا اور گھریلو کاموں کی دیکھ بھال کرنے والا نہ تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا دور جو حضرت خدیجہ کے ہمراہ گزرا، انتہائی پر مسرت اور قانع زندگی کا نمونہ تھا جس میں کبھی اختلاف کا گزر نہیں ہوا۔ اسے حضرت خدیجہ کا بے مثال فہم و تدبر ہی کہہ سکتے ہیں کہ جس کی وجہ سے کٹھن حالات میں بھی انہیں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے دباؤ محسوس نہیں ہوا۔ چنانچہ اسی فہم و فراست کی وجہ سے جب نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو انہوں نے آمنا صدقنا کہا۔ اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ

نے اپنی جائداد راہ خدا میں خرچ کرنے کو کہا تو اسے بہ خوشی قبول کرلیا۔ یہی وہ تعلق کا جذبہ تھا جس نے آنحضور ﷺ اور حضرت خدیجہ کے درمیان مثالی ہم آہنگی پیدا کردی تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "میں نے خدیجہ کو کبھی دیکھا تک نہیں، لیکن میرے دل میں ان سے زیادہ حسد کے جذبات کسی کے لئے نہیں تھے۔"

ایک مرتبہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ان کی ہمشیرہ حضرت ہالہ آنحضور ﷺ کے ہاں تشریف لائیں۔ انہوں نے دروازے کے باہر سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو حضرت ہالہ اور حضرت خدیجہ دونوں کی آوازوں کی یکسانیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر کپکپی طاری ہوگئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ہالہ کی آواز ہے۔" حضرت عائشہؓ نے اس موقع پر آنحضور ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ اس بوڑھی عورت کے لئے اس قدر ملول ہوتے ہیں جبکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی نفیس بیویاں عطا کی ہیں۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "عائشہ، نہیں! یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ مجھے خدیجہ سے بہتر رفیقہ حیات نہیں ملی کیونکہ جب لوگوں نے مجھے کاذب کہا تو انہوں نے یقین کا اظہار کیا، جب لوگوں نے میرا پیغام نہیں سنا تو انہوں نے اسلام قبول کیا، جب کسی نے میری اعانت نہیں کی اس وقت انہوں نے میرا ہاتھ تھاما۔ ان کے بطن سے اللہ نے مجھے صاحب اولاد کیا اور مجھے ان کی محبّت عطا کی۔"

حضرت عائشہؓ نے اس کے بعد طے کیا کہ وہ حضرت خدیجہ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کریں گی۔ خود آنحضور ﷺ نے حضرت خدیجہ کے اعزا و اقربا کا خوب اکرام کیا۔

مثالی ہم آہنگی

آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ کے درمیان جس قدر مثالی ہم آہنگی تھی، اس کی مثال دیگر ازواج مطہرات میں ملنا مشکل ہے۔ آنحضور ﷺ اور حضرت خدیجہؓ نے باہم پچّیس برس بسر کئے اور یہ پچّیس سال زن و شو کے درمیان ہم آہنگی کے بہترین سال تھے۔ ایک طرف آنحضور ﷺ نے بہترین شوہر کی حیثیت سے زندگی کے یہ سال گزارے تو دوسری جانب حضرت خدیجہؓ نے بھی ایک مثالی بیوی کا کردار ادا کیا۔ آنحضور ﷺ کی حضرت خدیجہ سے محبّت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی حیات میں کوئی اور نکاح نہیں کیا۔ دیگر نکاح کرنے کے بعد بھی آنحضور ﷺ کو حضرت خدیجہ کی یاد ستاتی رہی۔ آپ ﷺ کا وہ قول تو اوپر گزر چکا ہے کہ "جب میں نادار تھا تو انہوں نے میری مدد کی، جب لوگوں نے مجھے کاذب کہا تو انہوں نے میری نبوت کی تصدیق کی....."

حضرت خدیجہؓ اسلام لانے سے پہلے بھی نہایت پاک باز اور نفیس خاتون تھیں۔ یہ طبیعت کی نفاست ہی تھی کہ جب آنحضور ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو انہوں نے اسے نہ صرف بلاچوں چرا تسلیم کرلیا بلکہ آپ ﷺ کی ہمت بھی بندھائی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ پہلی وحی سے پیشتر آپ ﷺ کو رویائے صادقہ نظر آئے۔ آپ ﷺ جو کچھ دیکھتے تھے وہ نہایت نمایاں طور پر پیش آجاتا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ غار حرا میں عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ضرورت کے مطابق پانی اور غذا اپنے ساتھ غار حرا میں تشریف لے جاتے اور تمام وقت عبادت میں مصروف رہتے۔ جب غذا کا یہ ذخیرہ ختم ہوجاتا تو حضرت خدیجہ کے پاس واپس تشریف لے آتے اور پھر دوبارہ غار میں جاکر مصروف عبادت ہوجاتے۔ اس وقت تک نماز فرض نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ نفل عبادت کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات حضرت خدیجہ بھی شریک عبادت ہوجایا کرتی تھیں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ ایک عرصے تک خفیہ نماز ادا کرتے رہے۔

حضرت خدیجہ کا عملی ساتھ اور زبانی دلاسا آنحضرت ﷺ کے لئے اکسیر ثابت ہوتا تھا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات

گیارہ رمضان المبارک دس نبوی (دسمبر ۶۱۹ء) کو ۶۵ سال کی عمر میں اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ اس دار فانی سے کوچ فرماگئیں۔ چونکہ اس وقت تک نماز کا حکم نہیں آیا تھا، اس لئے انہیں بغیر نماز جنازہ کے دفنا دیا گیا۔ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آنحضور ﷺ کو تکالیف

اور مصائب کا زیادہ سامنا کرنا پڑا۔ اسی سال ابوطالب کا بھی انتقال ہوا جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے دو بڑے سہارے کم ہو گئے۔ اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال بھی کہتے ہیں (⟸ عام الحزن)۔

حضرت خدیجہ کی اولادیں

حضرت خدیجہؓ کی متعدد اولادیں ہوئیں۔ ان میں سے پہلے شوہر سے دو بیٹے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے، دوسرے شوہر سے ایک بیٹی ہند ہوئی۔ آنحضور ﷺ سے حضرت خدیجہ کے چھے اولادیں ہوئیں:

حضرت قاسمؓ: یہ آنحضرت ﷺ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ⟸ قاسمؓ

حضرت زینبؓ: آنحضور ﷺ کی بڑی صاحبزادی۔ ⟸ زینب بنت محمدؐ

حضرت عبداللہؓ: طاہر اور طیب کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ⟸ عبداللہ بن محمدؐ

حضرت رقیہؓ: ان کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا تھا۔ ⟸ رقیہ بنت محمدؐ۔

ام کلثومؓ: حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان سے ان کا نکاح ہوا۔ ⟸ ام کلثوم بنت محمدؐ + عثمان بن عفان۔

حضرت فاطمہؓ: آنحضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جن کا حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح ہوا۔ ⟸ فاطمہ بنت محمدؐ، + علی بن ابی طالب، + حسن بن علی + حسین بن علی۔

خ ر

*** خراش بن امیہ:** ایک صحابی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے انہی کو اپنا ایلچی بنا کر قریش کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن قریش نے ان کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور خود ان سے بھی انتقام لینے والے تھے کہ قبائل متحدہ کے لوگوں نے انہیں بچا لیا۔ یہ جان بچا کر مکہ سے نکل کر واپس نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئے۔

⟸ حدیبیہ، صلح + قریش۔

*** خرقہ شریف:** حضرت محمد ﷺ کے پیرہن کا نام جو اس وقت قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ خرقہ شریف ایک چوڑی آستینوں والی عبا ہے جو اونٹ کی سفید اون کی بنی ہوئی ہے۔ ۱۸۴۹ء میں خرقہ شریف کو ایک مسجد میں منتقل کر دیا گیا جو سلطان عبدالحمید نے خاص طور پر اس کے لئے بنوائی تھی۔ یہ عمارت "خرقہ شریف جامع" کہلاتی ہے۔

خ ز

*** خزرج، بنو:** ⟸ بنو خزرج۔

خ ذ

*** خزیمہ بن ثابت انصاری:** صحابی رسول ﷺ۔

ان کی کنیت ابو عمارہ تھی اور خاندان ساعدہ سے تعلق تھا۔ ہجرت مدینہ سے قبل مسلمان ہوئے۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ انہیں نبی کریم ﷺ نے ایک بار "ذوالشہادتین" کا لقب دیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ نے ایک بدو سے ایک گھوڑا خریدا۔ نبی کریم ﷺ نے ابھی گھوڑے کی قیمت ادا نہیں کی تھی کہ بدو نے یہ گھوڑا کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تو تم سے گھوڑا خرید چکا ہوں۔ بدو نے کہا، گواہ لائیے۔ یہ سن کر تمام مسلمان خاموش ہو گئے، لیکن حضرت خزیمہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ سودے کے وقت تم تو موجود نہ تھے، تم کس طرح گواہی دیتے ہو؟ اس پر حضرت خزیمہ نے عرض کی کہ میں آپ ﷺ کی بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت خزیمہ بن ثابت سے ۳۸ حدیثیں مروی ہیں۔

خ ط

*** خطبہ حجۃ الوداع:** رسول اللہ ﷺ کا حج کے دوران کا

خطبہ جو تاریخ انسانی میں معروف ہے اور جس کی نظیر ملنا ممکن نہیں۔ حج کے امور سے فارغ ہو کر جب نبی کریم ﷺ عرفات تشریف لائے اور یہاں ایک مقام نمرہ میں کمل کے خیمے میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد ناقہ (قصوا) پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور اسی پر بیٹھے بیٹھے خطبہ پڑھا:

"لوگو! مجھے امید نہیں کہ میں اور تم پر پھر اس مجلس میں اس جگہ جمع ہوں گے۔ لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس جگہ اکٹھے نہ ہوں گے۔ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے میں۔ عنقریب تم اپنے خدا کے سامنے حاضر ہوگے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔

خبردار! میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ لوگو! جاہلیت کی ہربات کو میں اپنے قدموں کے نیچے روندتا ہوں۔

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو لیا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لئے حلال بنایا۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو جس کا آنا تمہیں ناگوار ہے، نہ آنے دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔

لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی اُمت پیدا ہوگی۔

لوگو! مرحبا! خدا کی سلامتی، حفاظت، مدد تمہارے ساتھ ہو، خدا تمہیں ترقی و ہدایت اور توفیق عطا فرمائے۔ خدا تمہیں اپنی پناہ میں رکھے، مصیبتوں سے بچائے اور سلامت رکھے۔ میں تمہیں تقویٰ اور خدا ترسی کی وصیت کرتا ہوں اور تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور تم کو اپنا جانشین بناتا ہوں۔ عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ تم بھی لوگوں کو ڈراتے رہوگے۔ تم کو لازم ہے کہ سرکشی تکبر بڑھ کر چلنے کو خدا کے بندوں اور خدا کی بستیوں میں نہ پھیلنے دوگے۔ اور آخرت اسی کے لئے ہے جو زمین میں سرکشی اور بگاڑ نہیں چاہتے اور عاقبت صرف متقین کے لئے ہے۔ میں ان فتوحات کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو حاصل ہوں گی۔ مجھے ڈر نہیں رہا کہ تم مشرک بن جاؤ گے لیکن ڈر یہ ہے کہ دنیا کی رغبت اور فتنے میں پڑ کر کہیں ہلاک نہ ہو جاؤ جیسے پہلی امتیں ہلاک ہوئیں۔

لوگو! تم سے پہلے ایک قوم ہوئی ہے جو انبیا اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔ تم ایسا نہ کرنا۔ خدا ان یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے انبیا کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔ خدارا، میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنانا کہ اس کی پرستش ہوا کرے۔"

⇦ حجۃ الوداع۔

✽ خطیب بغدادی: مشہور محدث اور فقیہ۔ ان کا نام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت تھا۔ ۱۰ مئی ۱۰۰۲ء میں بغداد کے ایک جنوبی علاقے ورزجان میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن ہی سے خطیب بغدادی حدیث کی جستجو میں لگ گئے اور بصرہ، نیشاپور، اصفہان، ہمدان، دمشق گئے۔ بغداد میں انہوں نے مستقل سکونت اختیار کی اور یہاں خطیب مقرر کیے گئے اسی لئے انہیں "خطیب بغدادی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علم حدیث پر ان کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ پہلے حنبلی مسلک سے تھے، لیکن بعد میں شافعی ہوگئے تھے۔ انہوں نے سیاسی عروج و زوال کی وجہ سے ترک وطن بھی کیا، لیکن آخر کار بغداد ہی میں ۵ ستمبر ۱۰۷۱ء میں انتقال ہوا۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۱۰۰ ابتائی جاتی ہے۔

⇦ حدیث + احمد بن حنبل + شافعی، امام۔

خ م

✽ خمس: پانچواں حصہ۔ مخالفین اسلام سے لڑ کر جو مال حاصل کیا جائے، وہ "غنیمت" کہلاتا ہے اور جو مال بغیر لڑے حاصل ہو جائے،

اسے "فی" کہتے ہیں۔ حنفی مسلک کے مطابق "فی" عام مسلمانوں کا ہے اس میں سے خمس نکالے بغیر بیت المال میں ڈال دیا جائے گا۔ بعض کی رائے ہے کہ اس میں سے بھی خمس نکالا جائے گا اور پھر اس خمس کے بھی پانچ حصے ہوں گے۔ پہلا حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ دوسرا رسول ﷺ کے رشتے داروں کا۔ تیسرا حصہ یتیموں کا ہے۔ چوتھا حصہ مساکین کا۔ پانچواں حصہ مسافروں کا ہے۔

⇦ غنیمت

خ ن

✻ خناس: حضرت مصعب بن عمیر کی والدہ۔ بڑے دولت مند ماں باپ کی اولاد تھیں۔ غزوۂ احد کے موقع پر جب کفار قریش کی عورتیں بھی کفار کے لشکر کے ساتھ تھیں تو ان عورتوں میں خناس بھی شامل تھیں۔

⇦ احد، غزوہ + قریش۔

✻ خندق، غزوہ: غزوۂ خندق، غزوۂ احزاب، وہ غزوہ جس میں مسلمانوں نے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھود کر کفار کا مقابلہ کیا۔

قریش بدر کی شکست کا داغ احد کے میدان میں دھونے سے قاصر رہے تھے۔ وہ مدینہ کو فتح کرنے اور مسلمانوں کو نابود کرنے کے ارمان دل ہی اٹھائے پلٹ گئے تھے۔ ان کا مذہبی اقتدار بدستور خطرے میں تھا اور شام کی تجارت ہنوز معطل تھی۔

ابوسفیان نے غزوۂ احد کے اختتام پر آنحضرت ﷺ سے پکار کر کہا تھا کہ اگلے برس بدر کے میدان میں پھر طاقت آزمائی ہوگی۔ آنحضور ﷺ نے اس اعلان کو قبول فرمایا۔ آپ ﷺ اگلے برس مقررہ میعاد پر میدان بدر میں پہنچے۔ اگرچہ قریش خشک سالی اور قحط میں گرفتار تھے، تاہم ابوسفیان لشکر لے کر گھر سے چلا لیکن راستے ہی میں دل ہار کر لوٹ گیا۔ آنحضور ﷺ آٹھ روز انتظار کر کے واپس تشریف لے آئے۔ قیام بدر کے ایام میں مسلمانوں نے تجارت کی اور خوب نفع کمایا۔

بدر اور احد کے معرکوں اور خشک سالی نے ابوسفیان کا مزاج ٹھنڈا کر دیا تھا۔ میدان کارزار میں قدم رکھتے اسے شاید کئی برس گزر جاتے جس دوران سارے حوصلے خود ہی فنا ہو کر رہ جاتے لیکن بنو نضیر اور بنو وائل نے اسے دو ہی برس کے بعد دوبارہ آمادۂ پیکار کر دیا۔

بنو نضیر خیبر میں جاگزیں ہوتے ہی ملت اسلامیہ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔ بنو نضیر اور بنو وائل کا ایک وفد مکہ گیا اور قریش کے ساتھ معاہدہ کیا کہ ہم مل کر مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ حملے کا وقت اور دیگر تفصیلات طے کیں۔ اس کے بعد بنو غطفان اور بنو سلیم کے ہاں گئے اور انہیں گانٹھا۔ ان کو بھی منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔

بنو غطفان سے وعدہ کیا کہ تمہیں اس تعاون کے صلے میں خیبر کی نصف پیداوار ملے گی۔ یہ قبیلے یوں بھی اہل اسلام کے خلاف محاذ باندھے ہوئے تھے اور مدینہ پر فوج کشی کے خواہش مند تھے۔ ان کے عزائم کی پیش بندی کے خیال سے آنحضور ﷺ نے بدر کے بعد بنو غطفان اور بنو سلیم پر چڑھائی کی تھی۔ وہ آپ ﷺ کی آمد کا سن کر گھروں سے بھاگ گئے تھے۔

الغرض یہود خیبر کی تحریک سے قریش، غطفان، سلیم وغیرہ مدینہ پر فوج کشی کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ ان اتحادیوں کو قرآن حکیم نے احزاب کا نام دیا ہے۔ احزاب حزب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گرد۔ مدینہ میں یہود کا قبیلہ بنو قریظہ اور منافقین کا گروہ احزاب کے لئے بہت حوصلہ کا سبب تھے۔ احزاب کو ان کی مدد کا یقین تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کو دشمن کی تیاری کی اطلاع بروقت مل گئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ فیصلہ ٹھہرا کہ مدینہ میں بیٹھ کر مقابلہ کیا جائے۔ مدینہ کے تین طرف دشوار گزار پہاڑیاں اور گھنے نخلستان ہیں۔ لشکر کو ادھر سے راہ نہیں مل سکتی تھی۔ صرف شمالی سمت کھلی تھی۔ اس طرف حضرت سلمان فارسی کی تجویز پر خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے الہام سے بھی اس کی تائید ہو گئی۔

آنحضور ﷺ نے شیخین کی گڑھیوں سے لے کر مذاذ تک خندق

کے لئے حاشیہ کھینچا۔ دس دس آدمیوں کے ذمے چالیس ہاتھ خندق کی کھدائی تھی۔ اگر تین ہزار سپاہ کے حساب سے اندازہ لگایا جائے تو تین چار میل کھدائی ہوگی۔

خندق کے عرض اور گہرائی کے بارے میں کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ گہرائی کے بارے میں ایک روایت سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ شاید پانچ گز ہو۔ بہر حال گہرائی اور چوڑائی اتنی تھی کہ گھوڑے پھلانگ نہ سکیں۔ درمیان میں جہاں پہاڑی وغیرہ آجاتی، وہاں خندق کھودنے کی حاجت نہ تھی۔ خندق چھے روز میں تیار ہوئی۔

بعد میں مزید احتیاط کے لئے جبل مذاذ کے جنوب میں بھی خندق کھودی گئی۔

موسم خراب تھا اور زمین سخت... رسد کی قلت تھی، بارہا فاقہ گزر گیا۔ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ خندق کھودنے میں برابر کا حصہ لیا اور صعوبتوں میں ان سے بڑھ کر شریک ہوئے۔

انہی ایام میں جب ایک ظاہر بیں نگاہ کے لئے اسلام کے مٹنے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی، ہادی برحق ﷺ نے یمن، ایران اور رومی علاقوں کی فتح کی نوید دی۔ منافقین نے سنا تو طنز کیا کہ یہ وعدہ (نعوذ باللہ) محض فریب ہے۔

اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار سے زائد نہ تھی۔ آنحضور ﷺ نے اسے کئی دستوں میں تقسیم فرمایا اور انہیں خندق کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھیلا دیا۔

دروں اور گھاٹیوں میں جہاں خندق نہیں کھودی گئی تھی، پہرہ دار بٹھا دیئے گئے، بچوں اور عورتوں کو گڑھیوں میں بھیج دیا گیا۔ ان کی پاسبانی کے لئے ان کی غیرت اور حمیّت کا پہرہ کافی تھا۔ صرف ایک مرد حضرت حسان بن ثابت ان کے ہمراہ تھے۔

بنو قریظہ اپنے قلعوں کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے تھے۔ تاہم ان کی نیش زن فطرت سے خدشہ ضرور تھا۔ انہیں مرعوب کرنے کے لئے ہر رات اسلامی دستے شہر کی گشت لگاتے اور تکبیر کے نعرے بلند کرتے تھے۔

فوج کی مرکزی چھاؤنی جبل سلع کے مغربی پہلو میں تھی یعنی پشت پر سلع کی پہاڑی اور سامنے خندق تھی۔ اس کا یہ فائدہ تھا کہ مسلمان بلندی سے مشرکین پر تیر اور پتھر پھینک سکتے تھے۔ اس کے علاوہ سلع کی چوٹی سے سارے مدینہ پر نگاہ ڈال کر شہر کا جائزہ لیا جاسکتا تھا کہ دشمن کہیں گلیوں میں نہ گھس جائے۔

شوال پانچ ہجری میں شہروں، صحراؤں اور جنگلوں کے وحشی اور درندہ صفت یہود اور بت پرست امنڈ آئے۔ تقریباً پانچ بڑے جتھے تھے، ہر جتھے کا الگ سالار تھا۔ ابو سفیان سالار اعلیٰ تھا۔

قریش اور ان کے جتھے کی تعداد دس ہزار تھی۔ یہود اور بنو غطفان ان کے سوا تھے۔ بعض تاریخوں میں کل تعداد چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نظر نہیں آتا۔ بنو قریظہ بھی حُیَی بن اخطب کے بہکاوے میں آکر ان کی مدد پر اتر آئے اور صحیفہ مدینہ کو چاک کر دیا۔ آنحضور ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو فرمایا، مسلمانو! مبارک ہو۔ حسبنا اللّٰہ نعم المولیٰ و نعم الوکیل (اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے، وہ بہترین رفیق اور کارساز ہے)۔

اعدائے اسلام کی افواج ایک بپھرے ہوئے سیلاب کی طرح آئیں۔ کہ زمین لرز اٹھی۔ مدینہ میں جو ضعیف الایمان اور تھڑدلے لوگ تھے ان کی بے کلی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ ان کی آنکھیں پھر گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے۔ لیکن جو ایمان کے سچے تھے وہ کھل اٹھے۔ شہادت کے سہانے خواب دیکھنے لگے کہ ان کے وعدے سچ نکلے اور ہمیں جہاد کا موقع ملا۔

قریش نے مجمع الاسیال کے پاس پڑاؤ کیا اور بنو غطفان احد کی طرف پھیل گئے۔

اتحادیوں نے خندق دیکھی تو سٹپٹا گئے۔ شہر میں داخلے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ خیمے گاڑ کر بیٹھ رہے۔ جب بھی خندق عبور کرنے کی کوشش کی، منہ کی کھائی۔ ابو سفیان نے دو ہفتے اسی ادھیڑ بن اور پیچ و تاب میں گزار دئے۔ اس کا لاؤ لشکر اسلامی ذہانت اور حکمت کے سامنے بے بس اور لاچار تھا۔

دست بہ دست جنگ کا سوال ہی نہ تھا۔ کبھی کبھار طرفین سے تیر اندازی یا سنگ باری ہو جاتی۔ جانی نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص بہت اچھے تیرانداز تھے۔ ایک دن ان کے مقابل کچھ فاصلے پر ایک مشرک کھڑا تھا۔ سعدؓ نے اسے تیر کا نشانہ بنانا چاہا۔ لیکن جب چلہ چڑھاتے تو مشرک اپنے چہرے کے سامنے ڈھال کی آڑ کر لیتا تھا۔ ایک دفعہ اس کا سر جونہی زد پر آیا، حضرت سعدؓ نے تیر چھوڑ دیا جو سیدھے اس کی کھوپڑی پر بیٹھا۔ مشرک سر کے بل گرا اور اس کی ٹانگیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ آنحضور ﷺ نے اس کی ہیئت کذائی دیکھی تو ہنس دئے۔

اتنے بڑے ٹڈی دل کو ضبط میں رکھنا اور رسد بہم پہنچانا آسان نہ تھا۔ اتحادی اکتا گئے تو ایک دن قریش کے چند شاہسواروں نے بازی لگا دی۔ ایک جگہ خندق کچھ کم چوڑی تھی۔ انہوں نے گھوڑں کو ایڑ کی اور جست کر کے اندر آ گئے۔ اسلامی لشکر کے مقابل ایک کھلے میدان میں گھوڑوں کو ڈپٹ کر چکر دینے لگے۔ ان میں عرب کا مہیب پہلوان عمرو بن عبدود بھی تھا۔

عمرو بن عبدود کی عمر نوے برس تھی، بدر کے معرکے میں شامل ہوا تھا اور ایسا زخم کھا کر گر گیا تھا کہ احد میں حاضری نہ دے سکا۔ خندق کی لڑائی میں ماہرانہ بصیرت دکھانے کے لئے معلّم (انسٹرکٹر) بن کر آیا تھا۔ حضرت علیؓ نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اس کا سامنا کروں گا۔ آنحضور ﷺ نے علی کو اپنی تلوار عطا فرمائی اور اپنا عمامہ بندھوا کر رخصت فرمایا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ چند مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے اور اس جگہ کو روک لیا جہاں سے قریشی سواروں نے چھلانگ لگائی تھی۔ شاہسواروں نے گھوڑے ان کی طرف دوڑائے اور مقابل آ کر رک گئے۔ عمرو پکارا، مجھ سے کون طاقت آزمائی کرے گا۔ حضرت علیؓ سامنے آئے اور فرمایا، اے عمرو! تم نے عہد کیا ہے کہ قریش سے جو شخص تمہیں دو باتوں کی دعوت دے گا ان میں سے ایک ضرور قبول کرو گے۔ عمرو نے جواب دیا، ہاں! حضرت علیؓ نے فرمایا، میں تمہیں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو بولا، مجھے اس کی حاجت نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، اچھا اب تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ میرے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اترو۔ عمرو نے کہا، اے بھتیجے کیوں؟ اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ تمہارے خون میں ہاتھ رنگ لوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، واللہ، میں تمہارا خون بہانا چاہتا ہوں۔

عمرو اس جواب پر گرمایا۔ گھوڑے سے اترا، اور حضرت علیؓ کے دوبدو ہوا۔ کچھ دیر پینترے بدلنے کے بعد عمرو نے حضرت علیؓ پر ضرب لگائی۔ علیؓ نے ایک وار میں اسے ڈھیر کر دیا اور تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔

عمرو کے باقی ساتھی بھاگے۔ ان میں ایک خندق میں گر گیا۔ اس کا سر حضرت علیؓ نے قلم کیا۔ ایک کے تیر کا زخم آیا۔ وہ واپسی میں مکہ کی راہ میں اسی زخم سے ہلاک ہوا۔

مشرکین کی جو دو لاشیں خندق کے اس طرف پڑی تھیں ان کے لئے قریش نے استدعا کی کہ ان کی قیمت لے کر ہمارے حوالے کی جائیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا، ہمیں مردار لاش بیچنے کی حاجت نہیں۔ انہیں اٹھا لے جاؤ۔ (البدایہ والنہایہ کی مختلف روایات پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لاشوں کی قیمت پیش کی گئی)

بنو قریظہ کے دس سپاہیوں نے مسلمان خواتین کے ایک قلعے کا قصد کیا۔ ان کو علم نہ تھا کہ یہاں سوائے حضرت حسان کے اور کوئی مرد نہیں۔ پہلے انہوں نے دور سے تیر پھینکے۔ یہاں سے کوئی جواب نہ گیا تو انہیں اور حوصلہ ہوا۔ ان کا ایک ساتھی قلعے کے دروازے پر آ پہنچا۔ حضرت صفیہؓ اٹھیں اور قلعے میں چونکہ اور کوئی ہتھیار نہ تھا اس لئے ایک عمود اٹھا لائیں۔ یہودی کے سر پر ایک بھرپور وار کیا۔ وہ گر کر مر گیا۔ حضرت صفیہؓ اس کا سر کاٹ کر لائیں اور قلعے سے باہر یہود کی سمت پھینک دیا۔ وہ سمجھے کہ قلعہ بہادران اسلام سے خالی نہیں۔ چنانچہ وہ بھاگ گئے۔

محاصرے کو مزید طول دینا ممکن نہ تھا۔ سود خوار قریش کا سرمایہ بے سود ختم ہو رہا تھا۔ باہر سے رسد کا جو کارواں آتا وہ بمشکل مجاہدین کے ہاتھ سے بچ سکتا تھا۔ ادھر ذوالحجہ کا مہینہ سر پر تھا جس میں قریش کو حج کے لئے انتظامات کرنے تھے۔ انہیں واپسی کی فکر پڑی اور بہانے سوچنے لگے۔ قدرت نے بہانے تلاش کرنے میں ان کی مدد کی۔ موسم

کی مخالفت، سردی کی شدت، ہواؤں کی بے مہری، رسد کی کمی، چارے کی قلت، سپاہیوں کا آئے دن بیمار پڑنا اور ہلاک ہونا، بیسیوں بہانے ہاتھ آگئے۔ طرہ یہ کہ عرب کے گوناگوں قبائل دیر تک یک دل اور یک جا ہو کر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ بنو غطفان پہلے ہی مدینہ کی ایک تہائی پیداوار کے عوض اہل اسلام سے سمجھوتے کو تیار تھے، لیکن یہ تحریک کامیاب نہ ہوئی۔ نا اتفاقی نے آہستہ آہستہ سر اٹھانا شروع کیا۔ مدینہ کے بنو قریظہ نے بڑی امیدوں کے ساتھ احزاب سے قسمت وابستہ کی تھی۔ اب انہیں بھی فکر لگی کہ یہ لوگ خیمے اٹھا کر چل دئے تو ہماری گردنیں مسلمانوں سے کون چھڑائے گا۔ اس اثنا میں بنو غطفان کے ایک شخص نعیم اشجعی آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ مشرکین کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ نعیم نے انہیں بددل اور ہراساں کرنا شروع کیا۔ بنو قریظہ کو پٹی پڑھائی کہ خیریت درکار ہے تو قریش سے چند آدمی بہ طور ضمانت طلب کر کے اپنے قبضے میں رکھ لو تاکہ قریش تمہیں تنہا نہ چھوڑ جائیں۔ بنو قریظہ نے فوراً یہ مطالبہ کر دیا۔ قریش نے نہ مانا، بدگمانی اور بڑھی، بنو قریظہ نے احزاب سے ناتا توڑ لیا۔

دشمن کے دل اکھڑ چکے تھے۔ ایک رات اللہ تعالیٰ نے زور کی ہوا بھیجی کہ ان کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ یخ بستہ اور تیز ہوا میں نہ آگ جلتی تھی، نہ ہانڈیاں ٹکتی تھیں اور نہ خیمے کھڑے ہوتے تھے۔ ابو سفیان نے جلسہ کیا اور کہا کہ ادھر بنو قریظہ نے غداری کی اور ادھر ہوا دشمن ہو رہی ہے۔ میں تو گھر کو جا رہا ہوں۔ تم بھی سفر کرو۔ ابو سفیان سیدھے اپنے اونٹ کے پاس آیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے گھٹنے بندھے تھے۔ ابو سفیان نے بدحواسی میں اسے مارنا شروع کیا لیکن بے سود۔ ایک اور آدمی نے اس کی رسی کھولی تو اٹھنے کے قابل ہوا۔

رات کا پردہ اٹھا تو خندق پار کی سطح دشمن کے وجود سے صاف تھی۔ غالباً اسی واقعے کی طرف اشارہ کر کے آنحضور ﷺ نے فرمایا:
نصرت بالصبا (مجھے شمالی ہوا سے مدد ملی ہے)۔

غور سے دیکھا جائے تو اس جنگ میں اصل مقابلہ صبر و استقامت کا تھا جس میں مسلمان جیت گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور کامل ایمان حقیقت یہی دو چیزیں تھیں جنہوں نے اہل اسلام کو فتح دلوائی۔ یہ محاصرہ پندرہ روز رہا۔

عرب کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی کہ دفاع کے لئے خندق کھودی گئی۔ اس لئے اس جنگ کا نام غزوۂ خندق پڑا۔ اسے غزوۂ احزاب یعنی اتحادیوں کی جنگ بھی کہتے ہیں۔ اس جنگ میں چھے مسلمان شہید ہوئے اور تین کافر کام آئے۔ شہدا کی فہرست میں حضرت سعدؓ بن معاذ کا نام بھی ہے۔ ایام جنگ میں ان کے بازو میں تیر لگا جس سے ایک رگ کٹ گئی۔ آنحضور ﷺ نے زخم کو داغا، خون رک گیا لیکن بنو قریظہ کے استیصال کے بعد پھر بہنے لگا۔ اس طرح حضرت سعدؓ کی شہادت واقع ہوئی۔ (ترمذی ابواب السیر)

غزوۂ خندق کے نتائج و اثرات

مدینۃ النبی پر جب بھی حملہ ہوا، مسلمانوں کے لئے نئی برکتیں چھوڑ گیا۔ احزاب کی یورش سابقہ کل حملوں سے بڑھ کر نتائج خیز تھی۔ مثلاً

❶ غزوۂ احزاب میں دشمن کی نامرادی کا آخری فیصلہ آندھی اور طوفان نے کیا تھا۔ اس تائید غیبی کو دیکھ کر اہل اسلام کی قوت ایمانی ہزار چند ہوئی۔

❷ اس جنگ میں دشمنوں نے اپنی تمام قوت صف آرا کر دی تھی۔ اس سے زیادہ زور باندھنا ان کے بس میں نہ تھا۔ ان کا جوش فرو ہو گیا۔ اب مدینہ کو آئے دن کے خطرات سے نجات مل گئی۔ آنحضور ﷺ نے جنگ کے خاتمہ پر اعلان فرمایا کہ حملہ آور آئندہ مدینہ کا رخ نہیں کریں گے۔ اب ہم ان کا قصد کریں گے۔

❸ قریش کی اقتصادی حالت بدتر ہو گئی۔ انہوں نے اپنا تمام سرمایہ جنگ میں جھونک دیا تھا۔ ان کے پاس صرف حسرت و ارمان کی پونجی رہ گئی غزوۂ بدر کے بعد سورۂ انفال کی یہ پیش گوئی اتری تھی کہ قریش دو مزید جنگیں کریں گے اور پھر حسرت کا شکار ہو کر بیٹھ رہیں گے۔ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔

❹ قریش کی ہمت ٹوٹ گئی اور مایوسی نے انہیں چھا لیا۔ وہ عمرو بن العاص جو کبھی وقت حبشہ کے مسلم مہاجرین کو گرفتار کرنے کے لئے

مشرکین کا نمائندہ بن کر حبشہ گیا تھا، اب خود چند دوستوں کے ہمراہ اس خیال سے حبشہ کو چلا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا غلبہ روز افزوں ہے، عین ممکن ہے کہ آپ ﷺ جلد ہی مکہ پر قابض ہو جائیں اس لئے شاہ حبشہ کے پاس پناہ حاصل کرنی چاہئے۔

۵ قریش کا عرب میں بہت بھرم تھا جو کھل گیا۔ میدان جنگ سے سب سے پہلے ابوسفیان نے کوچ کیا تھا اس لئے اس کا اعتماد رخصت ہوا۔ عرب میں قریش سے بدظنی عام ہوگئی اور ان کی روحانی پیشوائی کا آبگینہ پاش پاش ہوگیا۔

۶ اسلامی دبدبے کی دھاک عرب کے کونے کونے میں بیٹھ گئی۔ دشمنان اسلام کے دل مرعوب ہوگئے۔ ان میں اہل اسلام سے بر سر میدان ہونے کی ہمت نہ رہی۔ غزوۂ خندق کے بعد ہجرت کے چھٹے برس مسلمانوں کے قبائل کے ساتھ نہایت کامیاب غزوات ہوئے جن میں مسلمانوں کو تائید ایزدی سے فتح و نصرت حاصل ہوئی اور اسلام کی اشاعت میں تیزی آگئی۔

خ و

٭ خوات بن جبیر: صحابی رسول ﷺ۔ حضرت خوات کا تعلق اوس نامی قبیلے سے تھا۔ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے اور تمام غزوات میں حصہ لیا۔ بہادری کے باعث نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنا سوار مقرر فرمایا تھا۔ آخری عمر میں بینائی جاتی رہی۔

⇦ اوس + مدینہ۔

٭ خولان: جنوبی عرب کا ایک قبیلہ جو ایک ہزار قبل مسیح میں یہاں آکر آباد ہوا۔ عرب ماہرین انساب کے مطابق اس قبیلے کا جد امجد خولان بن عمرو بن مالک بن حارث بن مرہ بن اُود بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا کو تھا۔ شعبان ۱۰ھ (بمطابق نومبر ۶۳۱ء) میں اس قبیلے کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی کے لئے انہیں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کا تحفہ دیا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد دوسرے قبیلوں کی طرح یہ لوگ بھی مرتد ہوئے، لیکن جب حضرت ابوبکر کی فوج آئی تو واپس مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

⇦ ابوبکر صدیق + عام الوفود۔

٭ خولہ بنت ازور: حضرت ضرارؓ کی بہادر بہن۔ ۱۹ھ میں جب جنگ اجنادین میں حضرت ضرارؓ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تو حضرت خالد بن ولید نے ان کی رہائی کے لئے ایک دستہ روانہ کیا۔ حضرت خولہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ اتنی تیزی سے روانہ ہوئیں کہ سب سے پہلے رومیوں پر حملہ آور ہوئیں۔

⇦ خالد بن ولید

٭ خولہ بنت حکیم: صحابیہ۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ سے ان کا نکاح ہوا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کی لیکن دو ہجری میں جب حضرت عثمان کا انتقال ہوگیا تو دوسرا نکاح کیا۔ ان سے کم و بیش پندرہ احادیث مروی ہیں۔

⇦ ہجرت مدینہ + عثمان بن مظعون + حدیث۔

خ ی

٭ خیبر: ایک جگہ کا نام جہاں غزوۂ خیبر لڑا گیا۔ خیبر کا مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے۔ خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے قلعہ۔ خیبر کے علاقے میں یہودو نے بڑے مضبوط قلعے بنا لیے تھے۔ اس جگہ بعض وجوہ کی بنا پر غزوۂ خیبر واقع ہوا۔ ⇦ غزوۂ خیبر۔

٭ خیبر، غزوہ: مسلمانوں اور خیبر کے یہودیوں کے درمیان چھٹی اور ساتویں ہجری کے درمیان لڑی گئی جنگ۔

اس غزوے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو آہستہ آہستہ مدینہ سے یہودیوں کو جلا وطن کیا گیا۔ ان یہودیوں کی ایک بڑی تعداد عرب سے نکل کر (خاص

طور پر بنو نضیر) خیبر میں آباد ہوئی۔ اس جگہ آباد ہونے کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف اہل باطل کو ورغلانا شروع کر دیا۔ اس کے نتیجے میں جنگ احزاب کا معرکہ ہوا۔ ⇦ خندق، غزوہ۔

اس اثنا میں یہودیوں کے رؤسا میں سے حیی بن اخطب جنگ قریظہ میں مارا گیا تو اس کی جگہ ابو رافع سلام بن ابی الحقیق تخت نشین ہوا۔ ٦ ہجری میں سلام نے خود جا کر اپنے سب سے حلیف قبیلۂ غطفان اور آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔ ابو رافع سلام کو اس میں کامیابی ہوئی اور مسلمانوں کے خلاف ان قبائل نے مل کر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

لیکن رمضان ٦ ھ میں ایک خزرجی انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن عتیک نے قلعۂ خیبر میں جا کر سلام کو قتل کر دیا۔ سلام کا قصہ تو تمام ہوا، لیکن اس کے بعد اسیر بن ارام یہودیوں کی مسند ریاست پر بیٹھا۔ ابن ازام نے یہودیوں کو جمع کیا اور تقریر کی کہ میرے پیش روؤں نے محمد (ﷺ) کے مقابلے کے لئے جو تدابیر کیں وہ غلط تھیں اور صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (ﷺ) کے دار الریاست پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ اسیر نے مختلف یہودی قبائل کا دورہ کر کے ایک بڑی فوج تیار کی۔ اس فوجی تیاری کی خبر جب نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کے لئے عبداللہ بن رواحہ کو خیبر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے خود اسیر کی زبان سے اس کے جنگی مشورے سنے اور آ کر نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر دی۔ اس تصدیق پر نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمی دے کر اسیر کے پاس بھیجا۔ اس اسلامی وفد نے اسیر کے پاس جا کر کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس لئے بھیجا ہے کہ تم اگر حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تم ہی کو دے دی جائے۔

اسیر اس بات پر راضی ہو گیا اور ۳۰ یہودیوں کے ہمراہ اسلامی وفد کے ساتھ چل نکلا۔ احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب ہوتے تھے جن میں ایک مسلمان اور دوسرا یہودی ہوتا تھا۔ قرقرہ پہنچ کر اسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی اور اس نے حضرت عبداللہ بن انیس سے تلوار چھیننی چاہی۔ حضرت عبداللہ بن انیس نے کہا کہ او دشمن خدا! بدعہدی کرنا چاہتا ہے؟ یہ کہہ کر انہوں سواری بڑھائی اور اسیر کے ایک ایسی تلوار ماری کہ اس کی ران کٹ گئی۔ لیکن گرتے گرتے اس نے بھی حضرت عبداللہ کو زخمی کر دیا۔ اب مسلمانوں اور یہودیوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ چنانچہ یہودیوں میں سے صرف ایک یہودی بچا۔ یہ چھے ہجری کے آخر یا ساتویں ہجری کے ابتدا کا واقعہ ہے۔

یہودیوں کو جب اپنے تمام ساتھیوں کی ہلاکت کا معلوم ہوا تو انہوں نے مکہ جا کر قریش کے ذریعے تمام عرب میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی آگ لگا دی۔ اس زمانے میں مدینہ میں رہائش پذیر عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے اہل خیبر کو یہ پیغام دیا کہ محمد (ﷺ) تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن تم ان سے نہ ڈرنا۔ یہ مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار بھی نہیں، خیبر کے یہود نے یہ جان کر کنانہ اور ہودہ ابن قیس کو غطفان کے، پاس بھیجا کہ وہ ان کے ساتھ مل کر مدینہ پر اگر حملہ کریں تو نخلستان کی پیداوار انہیں دے دی جائے گی۔ ایک روایت کے مطابق غطفان نے اسے قبول کر لیا۔

غطفان میں بنو فزارہ نامی ایک قبیلہ خوب طاقتور تھا، اس نے تو اس لڑائی کے لئے خوب ہامی بھری۔ نبی کریم ﷺ کو جب بنو فزارہ کی اس شرکت کا پتا چلا تو آپ ﷺ نے یہ پیغام بھیجا کہ وہ اس لڑائی سے باز آجائیں تو انہیں بھی حصہ دیا جائے گا۔ لیکن بنو فزارہ نے انکار کر دیا۔

غطفان کا اس جنگ میں شرکت کا بڑا سبب یہ تھا کہ ایک بار نبی کریم ﷺ کی چراگاہ ذی قرہ پر اس قبیلے کے چند آدمیوں نے اپنے سردار عبدالرحمن ابن عیینہ کے ساتھ مل کر چھاپہ مارا اور نبی کریم ﷺ کی بیس اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے۔ ساتھ ہی حضرت ابوذر کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی رکھوالی پر مقرر تھے، قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں نے جب ان لٹیروں کا تعقب کیا تو، لوگ ایک درے میں گھس گئے جہاں قبائل کے سپہ سالار عینیہ بن حصن نے ان لٹیروں کی مدد کی۔ بہرکیف مسلمانوں میں سے مشہور قدر انداز صحابی حضرت مسلمہ بن اکوع نے ان کو جا لیا۔ اللہ کی قدرت کہ وہ تنہا لڑے اور اونٹ چھڑا لائے۔ اس کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ اگر وہ آدمی مل جائیں تو ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی۔
اس واقع کی بنا پر غطفان کے لوگ مسلمانوں سے طیش میں تھے۔
اس واقع کے تین دن بعد خیبر کی جنگ پیش آئی۔

غزوۂ خیبر کا امتیاز

خیبر کا آغاز دیگر غزوات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے۔ سب سے مقدم یہ کہ جب حضور انور ﷺ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلان کر دیا کہ لا یخرجن معنا الا راغب فی الجهاد یعنی "ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں۔" (ابن سعد)

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ و دعوت ہے، اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے تو اسلام کی نہ تو اس سے جنگ ہے اور نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدۂ صلح ہی کافی ہے۔ لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اسلام کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور پھر اس قوم کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔

فتح کی بشارت

حضور اکرم ﷺ جب حدیبیہ سے لوٹے تو راستے میں سورہ فتح کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اور اللہ جلّ جلالہٗ نے فرمایا "اللہ مؤمنین سے راضی ہوا جب وہ شجر کے نیچے تم سے بیعت کرنے لگے اور خدا کو معلوم ہوگیا جو کچھ ان کے قلوب میں ہے تو ان پر اطمینان اور سکون نازل فرمایا اور ان کو ایک فتح عطا فرمائی جو جلد حاصل ہوگی اور بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جس پر وہ قبضہ کریں گے۔" (الفتح، آیت ۱۸، ۱۹)

انعام میں خدا نے دو چیزیں عطا فرمائیں: مغانم کثیرہ اور فتح قریب۔ چونکہ خیبر دولت کے اعتبار سے مشہور جگہ تھی اسی لئے سب نے سمجھا کہ یہ فتح خیبر کی پیشین گوئی ہے۔

جہاد کا حکم

جب نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور ذی الحجہ اور اوائل محرم میں یعنی تقریباً کل بیس دن مدینہ ہی میں مقیم رہے تو اسی اثنا میں حضور اکرم ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ خیبر پر چڑھائی کریں جہاں غدار یہود آباد تھے اور بد عہدی کر کے غزوۂ احزاب میں کفار مکہ کو مدینہ پر چڑھا کر لائے تھے۔ اللہ رب العزت نے حضور پر نور ﷺ کو یہ خبر بھی دی کہ فتح خیبر کی بشارت کا سن کر منافقین بھی آپ ﷺ سے استدعا کریں گے کہ ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں چلتے ہیں لیکن اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اس سفر میں ہرگز نہ جائیں۔ اسی بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی اور رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا:

"جب آپ غنیمت لینے جائیں گے تو پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ لیتے چلو وہ اللہ کی بات کو بدلنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ساتھ نہیں چلو گے، اللہ نے پہلے ہی یہ کہہ دیا ہے۔ پھر وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ وہ بات ہی کم سمجھتے ہیں۔" (الفتح آیت ۱۵)

چنانچہ روانگی کے وقت آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سوائے ان لوگوں کو جو حدیبیہ میں شریک تھے اور کوئی اس غزوہ میں شریک نہ ہو کیونکہ خیبر کے مغانم ان لوگوں کے لئے انعام تھا جو بیعت رضوان میں شامل تھے۔

خیبر کی طرف روانگی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ خیبر کی طرف روانگی سن ۷ ھ میں ہوئی۔ آپ ﷺ حدیبیہ سے لوٹ کر ذی الحجہ میں مدینہ آئے اور چند روز محرم ۷ ھ کے مدینہ میں گزارے پھر محرم ہی میں خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب کہ موسیٰ بن عقبہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ حدیبیہ سے لوٹ کر مدینہ آئے تو بیس دن یا اس کے قریب مدینہ میں رہے، اس کے بعد غزوۂ خیبر کے ارادے سے نکلے۔ لیکن امام مالکؒ کہتے ہیں کہ غزوۂ خیبر ۶ ھ میں ہوا اور ابن حزم کہتے ہیں کہ بے شک یہی صحیح ہے۔

اس اختلاف کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بعض لوگ سن کی ابتدا محرم سے شمار کرتے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک محرم میں ۷ ھ شروع ہوگیا۔ اور بعض ربیع الاول سے ابتدا لیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ

کی ہجرت ربیع الاول میں ہوئی لہٰذا ان حضرات کے نزدیک محرم اور صفر ۶ھ کا تھا۔ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے کہ حدیبیہ سے لوٹنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں پر حملہ ہوا جس کے نتیجے میں غزوۂ ذی قرد واقع ہوا۔ اس غزوۂ سے لوٹ کر آئے اور اس کے تین دن بعد غزوہ خیبر کے لئے روانہ ہوئے۔

امام احمد، ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں حضرت سباع عرفطہ غفاری ؓ کو اپنا جانشیں مقرر فرمایا۔

لشکر کے علم

ازواج مطہرات میں حضرت اُمّ سلمہ ؓ ساتھ تھیں۔ اسلامی لشکر کی تعداد سولہ سو تھی جن میں سے دو سو سوار اور باقی پیدل تھے۔ جب کہ دشمن اسلام کی تعداد جو صرف خیبر کے قلعوں میں مقیم تھی، بیس ہزار تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ ﷺ نے تین علم تیار کرائے۔ دو حضرت خباب بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہ ؓ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہ ؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہ کو عطا ہوا۔

رجزیہ اشعار

صحیح مسلم میں ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات کے وقت خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو عامر بن اکوع ؓ مشہور شاعر یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے تھے:

اللھم لو لا انت ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا

(اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور نہ کوئی صدقہ وخیرات کرسکتے اور نہ ایک نماز پڑھ سکتے)

فاغفر فدائک ما اقتفینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

(اے اللہ! ہم آپ پر فدا اور قربان ہیں جو احکام ہم نہیں بجالائے ان کو معاف فرما، اور دشمن سے مقابلے کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ)

والقین سکینة علینا
انا اذا صیخ بنا اتینا

(اور خاص سکینت و اطمینان ہم پر نازل فرما، ہم کو جب جہاد وقتال کے لئے پکارا جاتا ہے تو دوڑ کر پہنچتے ہیں)

وبالصیاح عولوا اعلینا

(اور لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے)

مسند احمد میں بعض کلمات رجزیہ اور زیادہ ہیں وہ یہ ہیں:

ان الذین قدبغوا علینا
اذا ارادوا فتنة ابینا

(تحقیق جن لوگوں نے ہم پر ظلم اور تعدی کی جب وہ ہم کو کفر اور شرک کے کسی فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اسے قبول نہیں کرتے)

ونحن عن فضلک ما استغنینا

(اور اے ہمارے پروردگار! ہم تیرے فضل وکرم سے مستغنی اور بے نیاز نہیں)

شہادت کی بشارت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حدی پڑھنے والا کون ہے؟ صحابہ نے کہا کہ عامر بن اکوع ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یرحمہ اللہ! تو صحابہ میں سے کسی نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے کہا، اے اللہ کے رسول! اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ کاش آپ عامر کی شجاعت سے اور چند روز ہم کو متمتع ہونے دیتے (صحابہ میں یہ مشہور تھا کہ غزوہ میں جب رسول اللہ ﷺ کسی کو دعا دیتے ہیں تو وہ شخص ضرور شہید ہوتا ہے)۔
(مسلم شریف ج ۲ ص ۱۱۲)

ایک کامیاب حربی تدبیر

چونکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ غطفان نے یہود خیبر کی امداد کے لئے لشکر جمع کیا ہے، اس لئے آپ ﷺ مدینہ سے چل کر مقام رجیع

میں جو خیبر اور غطفان کے مابین ہے، پڑاؤ ڈالا تاکہ یہود غطفان مرعوب ہوکر یہود خیبر کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ یہود غطفان کو جب یہ معلوم ہوا کہ خود ہماری جان خطرے میں ہے تو وہ باوجود یہ کہ ہتھیار سجا کر نکلے تھے، واپس ہو گئے۔

اسی مقام رجیع کو آپ ﷺ نے اپنا صدر مقام منتخب کیا۔ اسباب برادری، جمہ وخرگاہ اور مستورات یہاں چھوڑیں۔ روزانہ مجاہد یہاں سے خیبر کے قلعوں پر یلغار کے لئے جاتے تھے۔ فوری طور پر یہاں ایک مسجد بھی تعمیر کر لی گئی۔ عسکری اعتبار سے مقام رجیع بہت ہی موزوں جگہ تھی کہ بیک وقت دونوں دشمنوں پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ اس معسکر کا ذمے دار حضرت عثمان بن عفانؓ کو مقرر کیا گیا تھا۔ پھر مقام رجیع سے آگے بڑھے اور جب خیبر کے مقام پر پہنچے تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے یہاں ٹھہر کر نماز عصر ادا کی، اس کے بعد کھانا تناول فرمایا جو صرف ستو تھا۔ وہی حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ مل کر پانی میں ملا کر نوش فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کی دعا

اس کے بعد آپ ﷺ یہاں سے خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب خیبر کے نواح میں پہنچے اور خیبر کی عمارتیں نظر آنے لگیں تو آپ ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ! پھر آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی: اللھم انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر مافیھا ونعوذبک من شرھا وشر اھلھا وشر مافیھا۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر میں رات کو پہنچے اور آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ رات میں کسی پر حملہ نہیں فرماتے تھے، صبح کا انتظار فرماتے۔ اگر اذان سنتے تو حملہ نہ فرماتے ورنہ حملہ فرماتے۔ اسی سُنّت کے مطابق خیبر میں بھی صبح کی اذان کا انتظار فرمایا۔ جب صبح کی اذان نہ سنی تو حملے کی تیاری کی۔ صبح ہوتے ہی یہود کدال اور بیلچے وغیرہ لے کر کاموں کے لئے نکلے تو اچانک آپ ﷺ کے لشکر کو بڑھتے دیکھ کر چلا اٹھے کہ محمد واللہ محمد والخمیس یعنی محمد ﷺ اپنی کل فوج اور لشکر کے ساتھ آگئے تو آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر دعا کی اور فرمایا: "اللّٰہ اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین" (اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا اور ہم جب کبھی کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو وہ صبح کافروں کے لئے بہت بری ہوتی ہے) لشکر کو خمیس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں: ① مقدمہ ② میمنہ ③ میسرہ ④ قلب ⑤ ساقہ۔

قلعوں پر حملے

خیبر میں یہود کے متعدد قلعے تھے۔ یہود اسلامی لشکر کو آتے دیکھ کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ قلعوں میں محفوظ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے قلعوں پر حملے شروع کئے اور یکے بعد دیگرے فتح کرتے گئے۔

قلعہ ناعم

سب سے پہلے قلعہ ناعم پر فوجوں نے حملہ کیا۔ یہ قلعہ دفاعی نقطہ نظر اور محل وقوع کے لحاظ سے یہودیوں کا مضبوط ترین قلعہ تھا۔ حضرت محمود بن مسلمہؓ حملہ آور اسلامی لشکر کے افسر بنائے گئے تھے۔ وہ مسلسل پانچ دن تک قلعہ ناعم پر حملہ کرتے رہے۔ چھٹے روز گرمی کی بہت شدت تھی، آرام کی غرض سے قلعہ کی دیوار کے سائے میں لیٹ گئے۔ کنانہ بن ابی الحقیق نے اوپر سے چکی کا پاٹ گرایا جو ان کے سر پر گرا۔ چوٹ بہت شدید تھی جس کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ ان کو مقام رجیع میں دفن کیا گیا۔ ان کے بعد اسلامی لشکر کی کمان ان کے بھائی محمد بن مسلمہؓ نے سنبھالی اور آخر کار اللہ جلّ جلالہٗ نے ناعم کا قلعہ فتح کرا دیا۔

اسود راعیؓ جن کا قصّہ احادیث صحیحہ میں آتا ہے، وہ اس قلعے کی جنگ کے وقت پیش آیا۔ اہل خیبر کا ایک حبشی چرواہا تھا۔ جب یہود جنگ کی تیاری کر رہے تھے تو اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ یہود نے کہا کہ اس شخص سے جنگ ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ سن کر اس کے دل میں اسلام کے جذبات پیدا ہوئے۔ وہ اپنی بکریاں لئے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات کی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور مجھے اللہ کا رسول سمجھو۔ اس نے کہا کہ اگر ہم اللہ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی نبوت کو قبول کریں تو کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنّت ملے گی۔ اس نے کہا، یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں ان کا کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو قلعہ کی طرف لے جا کر ہنکادو۔ یہ سب اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ اسود راعیؓ نے کہا کہ یارسول اللہ میرا رنگ سیاہ ہے، چہرہ بدشکل ہے، بدن سے بدبو آتی ہے، میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ کیا میں بھی خدا کی راہ میں لڑوں اور قتل کیا جاؤں تو مجھے بھی جنّت ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملے گی۔ اس کے بعد یہ لڑے اور شہید ہوگئے۔ جب ان کی نعش آپ ﷺ کے پاس لائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے اس کے چہرے کو حسین کردیا اور بدن کی بدبو کو خوشبو میں بدل دیا ہے اور جنت کی دو حوریں ان کو ملی ہیں۔ اس نے جہاد فی سبیل اللہ کے سوا اور کوئی عمل خیر نہیں کیا۔ ایک وقت کی نماز بھی نہیں پڑھی، مگر ایمان وصداقت و جہاد فی سبیل اللہ کی وجہ سے اس مرتبے تک پہنچ گئے۔ سبحان اللہ۔

مقام صہبا سے ایک سڑک شام جانے والی شاہراہ سے جاملتی ہے۔ راستے میں ایک چڑھائی کے دائیں جانب ایک وسیع احاطہ بنا ہوا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں شہدائے خیبر کے مزارات ہیں۔ ان ہی مزاروں میں ایک مزار حضرت اسود راعیؓ کا بھی ہے۔ دیگر صحابہ کرام رضون اللہ علیہم اجمعین اسود راعیؓ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ "وہ جنتی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی نماز نہیں پڑھی لیکن سیدھا جنت میں پہنچا ہے۔"

قلعہ قموص

خیبر کے قلعوں میں یہ قلعہ نہایت مستحکم تھا۔ شیخین نے حضرت سہیل بن سعدؓ سے اور مسلم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرۃؓ سے اور امام احمد نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو درد شقیقہ (آدھے سر کا درد) اٹھا کرتا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ ایک دو روز باہر تشریف نہیں لاتے تھے۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر آپ ﷺ کو درد شقیقہ شروع ہوگیا۔ آپ ﷺ خود معرکے میں نہیں جاتے تھے بلکہ مہاجرین یا انصار میں سے کسی کو فوج کا سپہ سالار مقرر فرمادیتے تھے۔ محاصرہ طویل ہورہا تھا، مگر فتح نہیں ہورہی تھی۔ ابن ابی عقبہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس روز تک اس کا محاصرہ رکھا تھا۔ ایک روز حضرت ابوبکرؓ کو بلوا کر جھنڈا ان کے سپرد کیا۔ انہوں نے جھنڈا لے کر زبردست حملہ کیا اور پھر دوبارہ پہلے سے شدید حملہ کیا، مگر فتح کے بغیر واپس آگئے۔ دوسرے روز حضرت عمرؓ کو جھنڈا دیا۔ انہوں نے بھی بڑی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ دو دن کی لڑائی میں یہودیوں کا پلہ بھاری رہا۔

آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول سے محبّت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اسے عزیز رکھتے ہیں۔ حضرت بریدہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بعد ہمیں یقین ہوگیا کہ کل فتح ہوجائے گی، مگر لوگ رات بھر یہی سوچتے رہے کہ کل جھنڈا کس کو دیا جائے گا۔ صبح کو صحابہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہر شخص کے دل میں یہ خواہش تھی کہ آپ ﷺ جھنڈا اس کو عطا فرمائیں۔

فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا طلب فرمایا اور کھڑے ہوکر لوگوں کو نصیحت فرمائی۔ پھر دریافت فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلانے کے لئے چند صحابہ کو بھیجا۔ حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لے آیا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میری آنکھیں دکھنے لگی ہیں۔ حاکم نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا سر اپنی گود میں لے کر دست مبارک سے اپنا لعاب دہن میری آنکھوں میں لگادیا فوراً آنکھیں ایسی ہوگئیں جیسے کبھی دکھتی ہی نہ تھیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے جھنڈا حضرت علیؓ کو عنایت فرما دیا۔ حضرت علیؓ جھنڈا لے کر روانہ ہوئے اور قلعے کے نیچے پہنچ کر جھنڈا زمین میں گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے قلعے کے اوپر سے دیکھ کر پوچھا، تو کون ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، میں علی ہوں۔ یہ سن کر یہودی نے کہا، قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل کی، تم غالب آ گئے۔

محمد بن عمر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کے مقابلے کے لئے سب سے پہلے مرحب کا بھائی قلعے سے نکلا۔ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھی قلعے کے اندر واپس چلے گئے۔ پھر عامر نامی شخص نکلا جو بہت طویل قامت اور بھاری بھرکم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عامر باہر نکلا ہے یہ پانچ ہاتھ کا آدمی ہے اور مقابلے کے لئے پکار رہا ہے۔ حضرت علیؓ اس کے مقابلے کے لئے بھی جانے لگے تو حضرت زبیر بن عوامؓ نے حضرت علیؓ سے کہا، میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے اس سے نمٹ لینے دیجئے۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کی بات مان لی۔ جب حضرت زبیرؓ مقابلے کے لیے نکلے تو حضرت صفیہؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میرا بیٹا مارا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں بلکہ تمہارا بیٹا انشاء اللہ اس کو قتل کر دے گا۔ پھر حضرت زبیرؓ نے عامر کو قتل کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔

اس کے بعد یہود کا مشہور و معروف بہادر پہلوان مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا مقابلے کے لئے نکلا اور مبارزت طلب کی:

قد علمت خیبر انی مرحب
شاک السلاح بطل مجرب

(اہل خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں۔ سلاح پوش اور بہادر تجربہ کار ہوں)

حضرت عامر نے اس کے پیر پر تلوار مارنے کا ارادہ کیا تو وہ پلٹ کر خود انہی کے گھٹنے پر آ لگی جس سے ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ ان کے بھائی مسلمہ بن اکوعؓ نے سمجھا کہ چونکہ وہ خود اپنی تلوار کا نشانہ بنے ہیں، اس لئے ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون یہ کہتا ہے؟ حضرت مسلمہؓ نے کہا کہ فلاں اشخاص۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کذب من قالہ اور اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر کے فرمایا: ان کا اجر دہرا ہے۔ وہ بڑا جانباز مجاہد تھا۔ ان جیسا کوئی عرب روئے زمین پر نہ چلا ہو گا۔ وہ شہید ہے۔ ان کی نماز جنازہ پڑھائی گئی اور رجیع میں محمود بن مسلمہؓ کے ساتھ دفن کیا گیا۔ یہ وہی صحابی ہیں جن کی حدی خوانی پر آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی اور صحابہ نے سمجھ لیا تھا کہ یہ ضرور شہید ہوں گے۔

بعد ازاں حضرت علیؓ مرحب کے مقابلے پر آئے اور یہ رجز پڑھتے ہوئے بڑھے:

انا الذی سمتنی امی حیدره
کلیث غابات کریه المنظره

(میں وہی ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر شیر رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح نہایت مہیب ہوں)

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مرحب کے اس زور سے تلوار ماری کہ مرحب کے سر کے دو حصے ہو گئے۔ آخر کار یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔

قلعہ قموص بیس روز کے محاصرے کے بعد حضرت علیؓ کی ہاتھوں فتح ہوا۔ مال غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی بھی ہاتھ آئے جن میں صفیہؓ حی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی اور کنانہ بن الربیع کی بیوی بھی تھیں۔ کنانہ اس لڑائی میں مارا گیا۔

ایک نکتہ

نبی اکرم ﷺ ہر روز جب کسی قلعے پر حملہ کا ارادہ فرماتے تو اعیان مہاجرین و انصار میں سے کسی کو منتخب فرماتے کہ علم اسلام اس کے ہاتھ میں دیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر قلعہ فتح کرا دیتے۔ چونکہ قلعہ قموص کی فضیلت قضائے ازلی میں حضرت علیؓ کے ہاتھ تھی، اس لئے آنحضرت نے حضرت علیؓ کو بلایا اور جھنڈا ان کو عطا کیا۔ حضور پر نور ﷺ کا یہ فرمانا کہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، یہ ازراہ قدر دانی اور حوصلہ افزائی تھا۔ معاذ اللہ! اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس شخص کے سوا کوئی اللہ اور

اس کے رسول کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت صفیہؓ سے نکاح

بخاری شریف میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان میں سے ایک لونڈی مجھے عنایت ہو۔ آپ ﷺ نے انہیں اختیار دیا کہ خود جا کر لے لو! انہوں نے حضرت صفیہؓ کا انتخاب کیا تو صحابہ میں سے ایک نے آ کر کہا:

"اے اللہ کے پیغمبر! آپ ﷺ نے صفیہ بنت حی کو دحیہ کے حوالے کیا۔ وہ تو قریظہ اور بنو نضیر کی رئیسہ ہے اور آپ ﷺ کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے انہیں بلایا اور حضرت دحیہ کلبی سے فرمایا کہ قیدیوں میں سے کسی اور کو لے لو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور عتق ان کا مہر ٹھہرا۔

حضرت صفیہؓ کا خواب

حضرت صفیہؓ کے چہرے پر نیلا داغ تھا۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ چند روز پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گود میں آ گیا ہے۔ جب میں نے اپنے شوہر سے ذکر کیا تو اس نے طمانچا مارا کہ تو بادشاہ مدینہ کی تمنا کرتی ہے۔ یہ اسی طمانچے کا نشان ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا پہرہ

آپ ﷺ سے نکاح کرنے کے بعد خیبر سے واپسی پر مقام صہبا میں خلوت ہوئی اور تین روز یہاں مقیم رہے۔ خلوت کے پہلے روز بغیر اطلاع حضرت ابوایوب انصاریؓ نے تلوار لے کر تمام رات پہرہ دیا۔ صبح کے وقت جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ! ہمیں اندیشہ تھا کہ اس عورت کے باپ، بھائی، شوہر اور تمام اقربا قتل ہوئے ہیں، خوف ہوا کہ کہیں کوئی شرارت نہ کرے۔ حضور ﷺ مسکرائے اور ان کو دعا دی۔

حضرت صفیہؓ سے نکاح کی مصلحتیں

ابوداؤد کی شرح مارزی میں مشہور محدث کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو اس لئے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ سے لے کر ان سے عقد کیا کہ وہ عالی مرتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں، اس لئے ان کا کسی اور کے پاس جانا ان کی توہین تھی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے:

"یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہؓ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتیں۔ وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھی۔ ان کا شوہر بھی قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔ باپ اور شوہر دونوں قتل کئے جا چکے تھے۔ اس حالت میں ان کے پاس خاطر، حفظ مراتب اور رفع غم کے لئے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ آپ ﷺ ان کو اپنے عقد میں لے لیں۔ وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کی خاندانی عزّت کے لحاظ سے ان کو آزاد کر دیا اور پھر نکاح پڑھایا۔ حسن خلق، رحم اور مصیبت کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزوں تھی۔ اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنوں کے ورثے کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے۔ غزوۂ بنی المصطلق مقام مریسیع میں حضرت جویریہ کے ساتھ جو نکاح ہوا اور جو اثر ہوا اس کا سلوک وہ واضح اثر ہے۔"

قلعہ صعب بن معاذ

قلعہ قوص فتح ہو جانے کے بعد صعب بن معاذ کا قلعہ فتح ہوا جس میں غلہ اور چربی اور خور و نوش کا بہت سامان تھا۔ یہ سب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمانوں کو خور و نوش کی کمی ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی گئی۔ آپ ﷺ نے دعا کی۔ دوسرے ہی روز قلعہ صعب بن معاذ فتح ہو گیا اور خور و نوش کا بہت سامان ہاتھ آیا جس سے مسلمانوں کو مدد ملی۔ اسی روز آپ ﷺ نے دیکھا کہ ہر طرف آگ جل رہی ہے۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گوشت پکا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا، کس چیز کا گوشت ہے؟ کہا، اہلی گدھوں کا گوشت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ نجس ہے۔ سب پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو! کسی نے عرض کیا، یا رسول

اللہ ﷺ! اگر گوشت پھینک دیں اور برتنوں کو دھولیں تو اس کی اجازت ہے؟آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا برتنوں کو دھوڈالو۔

قلعہ قلہ

اس کے بعد یہود نے قلعہ قلہ میں جاکر پناہ لی۔ یہ قلعہ نہایت مستحکم تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، اسی وجہ سے اس کا نام قلہ تھا۔ قلہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں۔ بعد میں یہ "قلعہ زبیر" کے نام سے مشہور ہوا ہے، اس لئے کہ یہ قلعہ تقسیم غنائم کے بعد حضرت زبیرؓ کے حصے میں آیا۔

تین روز تک آپ ﷺ اس قلعے کا محاصرہ کئے رہے۔ حسن اتفاق سے ایک یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم! آپ اگر مہینہ بھر بھی ان کا محاصرہ کئے رہیں تب بھی ان لوگوں کو پروا نہیں۔ ان کے پاس زمین کے نیچے پانی کے چشمے ہیں۔ رات کو نکلتے ہیں اور پانی لے کر قلعے میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ آپ اگر ان کا پانی قطع کر دیں تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کا پانی بند کر دیا۔ یہودی مجبور ہو کر قلعے سے باہر نکلے اور سخت مقابلہ ہوا۔ دس یہودی مارے گئے اور کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ قلعہ قلہ، علاقہ نطاۃ کا آخری قلعہ تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ علاقہ شق کے قلعوں کی طرف بڑھے اور اس علاقے میں سب سے اول قلعہ ابی کو فتح کیا جو شدید معرکے کے بعد فتح ہوا اور مسلمان اس میں داخل ہوئے۔

وطیح وسلالم

قلعہ قلہ کے بعد نبی اکرم ﷺ بقیہ قلعوں کی طرف بڑھے۔ تمام قلعوں پر قبضہ ہو گیا تو آخر میں وطیح اور سلالم کی طرف بڑھے۔ بعض روایت میں ایک مرتبہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس سے پیشتر تمام قلعے فتح ہو چکے تھے، صرف یہی دو قلعے باقی تھے۔ یہود کا تمام زور انہی پر تھا۔ یہود ہر طرف سے سمٹ کر انہی قلعوں میں آکر محفوظ ہو گئے تھے۔ بالآخر چودہ دن کے محاصرے کے بعد صلح کی درخواست کی، اور ابن ابی الحقیق کو صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس شرط پر جان بخشی کی کہ خیبر کی سرزمین خالی کر دیں۔ یعنی سب جلاوطن ہو جائیں اور سونا، چاندی اور سامان حرب سب یہاں چھوڑ جائیں اور کسی شے کو چھپا کر نہ لے جائیں۔ اگر اس کے خلاف ہوا تو اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہیں۔

مگر یہود باوجود اس عہد کے اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور حی بن اخطب کا ایک چرمی تھیلا جس میں سب کا زر وزیور محفوظ رہتا تھا، اس کو غائب کر دیا۔ آپ ﷺ نے کنانہ بن الربیع کو بلا کر دریافت کیا کہ وہ تھیلا کہاں گیا؟ کنانہ نے کہا کہ لڑائیوں میں خرچ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، زمانہ تو کچھ زیادہ نہیں گزرا اور مال بہت زیادہ تھا۔ اگر وہ تھیلا برآمد ہو گیا تو تمہاری خیر نہیں۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ جاؤ، فلاں جگہ ایک درخت کی جڑ میں دبا ہوا ہے۔ نشانی یہ بتائی کہ فلاں میدان میں جاکر کھجور کے درخت دیکھو۔ ایک درخت دائیں طرف ملے گا اور دوسرا بائیں طرف۔ دونوں درختوں کے بیچ میں زمین کے اندر سے جو کچھ ملے، وہ لے آؤ۔ انصاری جاکر ایک برتن اور کچھ مال لے آئے جس کی قیمت کا اندازہ دس ہزار لگایا گیا۔ چونکہ اس نے عہد شکنی کی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا۔

علاوہ ازیں کنانہ کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ کنانہ نے محمد بن مسلمہ کے بھائی محمود بن مسلمہؓ کو اسی معرکے میں قتل کیا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے کنانہ کو محمد بن مسلم کے حوالے کیا کہ اپنے بھائی کے بدلے میں اس کو قتل کریں۔

مخابرہ

بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا اور ساری زمین اللہ اور اس کے رسول اور اہل اسلام کی ہو گئی تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ یہود (حسب معاہدہ) یہاں سے جلاوطن ہو جائیں، لیکن یہود نے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمین پر ہم کو رہنے دیں، ہم زراعت کریں گے اور جو پیداوار ہو گی اس کا نصف حصہ آپ کو ادا کریں گے۔ آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جب تک ہم چاہیں گے تمہیں برقرار رکھیں گے۔

چونکہ اس طرح کا معاملہ سب سے پہلے خیبر میں ہوا، اس لئے ایسے معاملے کا نام ہی مخابرہ ہو گیا۔ (بخاری شریف ج ا ص ۳۱۵)

پیداوار کی تقسیم

ابو داؤد شریف میں ہے کہ جب بٹائی کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ پیداوار کا اندازہ کرنے کے لئے عبداللہ ؓ بن رواحہ کو بھیجتے تھے۔ حضرت عبداللہ ؓ پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کہتے کہ جس حصے کو چاہو لے لو۔ یہود اس عدل و انصاف کو دیکھ کر کہتے کہ ایسے ہی عدل و انصاف سے دنیا قائم ہے۔ جب کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ؓ یہ فرماتے:

"اے گروہ یہود! تمام مخلوق میں تم میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ اور تم ہی نے اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیا اور تم ہی نے اللہ پر جھوٹ باندھا، لیکن تمہارا بغض مجھ کو کبھی اس پر آمادہ نہیں کر سکتا کہ میں تم پر کسی قسم کا ظلم کروں۔"

زہر دینے کا واقعہ

فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے چند روز خیبر میں قیام فرمایا۔ اگرچہ یہود کو کامل امن و امان دیا گیا اور ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئیں تاہم ان کا طرز عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا۔ مثلاً ایک دن زینب نامی عورت نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی، آپ ﷺ کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی۔ آپ ﷺ نے فرط کرم سے قبول فرمایا۔ زینب بنت حارث نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے چکھتے ہی ہاتھ کھینچ لیا، لیکن حضرت بشر بن براء بن معرور ؓ نے جو آپ ﷺ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے، انہوں نے کچھ کھا لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے زینب کو بلا کر پوچھا۔ اس نے اقرار جرم کیا اور کہا: "بے شک اس میں اس لئے زہر دیا کہ اگر آپ ﷺ پیغمبر ہیں تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور اگر پیغمبر نہیں ہیں تو ہم کو آپ ﷺ کے ہاتھوں سے نجات مل جائے گی۔"

آنحضرت ﷺ کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے زینب سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔ لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشر ؓ زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو پھر قصاص میں قتل کر دی گئی۔

مہاجرین حبشہ کی حبش سے واپسی

جو مہاجرین مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے، جب ان کو یہ علم ہوا کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے ہیں تو اکثر ان میں سے حبشہ سے مدینہ چلے آئے۔ عبداللہ بن مسعود ؓ اس وقت مدینہ پہنچے کہ جب آپ ﷺ غزوۂ بدر کی تیاری فرما رہے تھے۔

حضرت جعفر ؓ اور ان کے ساتھ جو چند آدمی رہ گئے تھے وہ اس روز پہنچے کہ جس روز خیبر فتح ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت جعفر ؓ کو گلے سے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر فرمایا: "میں نہیں سمجھتا کہ مجھ کو فتح خیبر کی مسرت زیادہ ہے یا جعفر ؓ کے آنے کی۔

ابو موسیٰ اشعری ؓ (جو حضرت جعفر ؓ کے ساتھ آئے تھے) راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچے کہ جب آپ ﷺ خیبر فتح فرما چکے تھے۔ مال غنیمت میں سے ہم کو بھی حصہ عطا فرمایا۔ ہمارے سوا جو فتح خیبر میں شریک نہ تھا، کسی کو حصہ نہیں دیا۔"

فتح فدک

جب اہل فدک کو خیبر والوں کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے صلح کے لئے اپنا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور گزارش کی کہ آپ ہمیں بھی یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں، ہم اپنا تمام مال و اسباب یہیں چھوڑ دیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرما لی اور ان سے کہا کہ تم یہیں ٹھہر کر اپنی زمینوں پر کام کرو، آئندہ جب ہم چاہیں گے تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ اہل فدک اس پر راضی ہو گئے۔ یہاں چونکہ بغیر جنگ کے قبضہ ہوا تھا اس لئے یہ رسول اللہ ﷺ کی ملکیت رہا جب کہ خیبر جنگ کے ذریعے فتح ہوا تھا اس لئے خیبر کا مال ان تمام مجاہدین میں تقسیم ہوا جو جنگ میں شریک تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم

وطیح اور سلالم کے قلعے جنگ کے بغیر فتح ہوئے، اس لئے ان

دونوں مقامات سے حاصل شدہ مال و اسباب مسلمانوں کو پیش آنے والے حوادث کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو جو حبشہ سے ہجرت کے بعد واپس آئے تھے اور قبیلہ دوس کے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے اسی مال میں سے حصّہ دیا تھا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ خیبر میں صرف شق، نطاۃ اور کثیر کے مال کی تقسیم ہوئی۔ کثیر کے مال کا پانچواں حصّہ آپ ﷺ کے اقرباء، یتامیٰ، مساکین، مسافر، ازواج مطہرات اور ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اہل فدک کے درمیان مراسلت اور پیغام رسانی کی خدمات انجام دی تھیں۔ نطاۃ اور شق کا مال صرف مجاہدین کے حصے میں آیا۔ آپ ﷺ نے نطاۃ کے مال کے پانچ سہام اور شق کے مال کے تیرہ سہام بنائے۔ اس طرح کل اٹھارہ سہام قائم ہوئے۔ یہ سارا مال ان لوگوں کو دیا گیا جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ ان کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ ان میں سے صرف حضرت جابر بن عبداللہؓ حدیبیہ میں ہونے کے باوجود خیبر سے غیر حاضر تھے۔ حضرت جابرؓ کو بھی اتنا ہی حصّہ دیا گیا جتنا کہ خیبر میں شریک ہونے والے کسی ایک آدمی کو دیا گیا۔

پیدل کو ایک حصّہ اور سوار کو دو حصے دیئے گئے۔ اس مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ کا حصّہ بھی ایک مجاہد کے برابر تھا۔

غزوۂ خیبر میں عورتوں کی شرکت

اس غزوہ میں چند عورتیں بھی فوج کے ساتھ شریک ہوگئیں۔ آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو بلا بھیجا اور غضب کے لہجے میں فرمایا: تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کے حکم سے آئیں؟

بولیں کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم اس لئے آئی ہیں کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں اور اس کام میں مدد دیں۔ ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوائیں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ہم تیر اٹھا کر لائیں گے۔

فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے خیبر کے حاصل شدہ سامان میں سے بہ طور اعانت ان کو کچھ عطا فرمایا، لیکن باقی زمینوں میں سے مردوں کی طرح ان کو کوئی حصّہ نہیں عطا کیا۔

شہدائے خیبر

خیبر کا محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔ اس میں دشمن کے تقریباً ۹۳ آدمی واصل جہنم ہوئے جن میں ان کے بڑے بڑے سردار جیسے سلام بن مشکم، مرحب، حارث، اسیر وغیرہ شامل ہیں۔ مدارج النبوۃ میں ان کی تعداد ایک سو تین لکھی ہے۔

مسلمان شہدا کی تعداد ۱۵ بتائی جاتی ہے۔ قسطلانی نے شامی کے حوالے سے ۳۴ لکھی ہے۔ ابن سعد نے ۱۷ شہدا کے نام تحریر کئے ہیں۔ سلمان منصور پوری نے ۱۹ لکھا ہے۔ ۱۵ شہدا میں سے چار قریش سے، ایک قبیلہ اشجع سے، ایک قبیلہ اسلم سے، ایک خیبر والوں میں کثیر سے، اور بقیہ کا تعلق انصار سے تھا۔

نتائج، مسائل و احکام

خیبر کی فتح مملکت مدینہ کے سیاسی استحکام اور ملکی سالمیت کا باعث بنی۔ اسلام کے سیاسی نقطۂ نظر سے دو دشمن خاموش ہوگئے۔ مکہ کے مشرکین حدیبیہ کے معاہدے میں جکڑے گئے۔ یہود کی جڑیں کٹ گئیں۔ اب صرف عیسائی باقی رہ گئے تھے۔ وہ زیادہ تر حجاز کے علاقے سے باہر شام میں آباد تھے۔ خیبر میں قیام کے دوران ہی شارع اسلام نے جدید ترفقہی احکام نافذ فرمادئے جو درج ذیل ہیں:

1. پنجہ دار پرند کا کھانا حرام کر دیا گیا۔
2. درندہ جانور بھی حرام کر دیئے گئے۔
3. گدھا اور خچر کا کھانا حرام کر دیا گیا۔
4. اب تک معمول تھا کہ لونڈیوں سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا، لیکن اب استبرا کی قید لگا دی گئی یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک، ورنہ ایک مہینے تک تمتع جائز نہیں۔
5. سونے، چاندی کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہوا۔
6. بعض روایتوں میں ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا۔

اشہر حرم میں قتال

اس قدر عموماً تسلیم شدہ ہے کہ غزوۂ خیبر کا واقعہ محرم میں پیش آیا۔ یعنی آپ ﷺ جب اس ارادے سے نکلے تو محرم کی آخری

تاریخیں تھیں۔ محرم میں چونکہ لڑائی شرعًا ممنوع ہے، اس لئے محدثین اور فقہا میں اس کی توجیہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہے کہ اوائل میں اگرچہ ان مہینوں میں لڑائی شرعًا ممنوع تھی، لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ابن قیم نے لکھا ہے کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اس آیت کی رو سے تھا:

"قل قتال فیه کبیر و صدعن سبیل الله" (کہہ دو اس مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا ہے)۔ (بقرہ، آیت ۲۷)

پھر سورہ مائدہ میں یہ آیت اتری:

"یا ایها الذین امنوا لا تحلوا شعائر الله و لا الشهر الحرام" (اے ایمان والو! اللہ کی حد بندیوں کی اور ماہ حرام کی بے حرمتی نہ کرو)۔

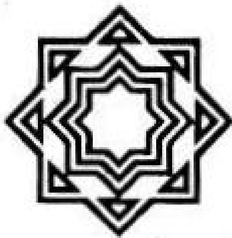
یہ آیت پہلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی۔ اس وسیع زمانے تک تو حرمت کا حکم باقی رہا۔ اب وہ کون سی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا:

"و لیس فی کتاب الله و لا سنة رسوله ناسخ لحکمها" اور خدا کی کتاب اور حدیث میں ان آیتوں کے حکم کا کوئی ناسخ نہیں۔

مجوزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتح حرم، طائف کا محاصرہ، بیعت رضوان یہ سب ماہ حرام میں ہوئے تھے، اس لئے اگر ماہ حرام میں لڑائی جائز نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان کو کیونکر جائز رکھتے؟

حافظ ابن قیمؒ نے جواب دیا کہ ماہ حرام میں ابتدا جنگ کرنا حرام ہے لیکن اگر دشمن سے مدافعت مقصود ہو تو بالاتفاق جائز ہے، یہ سب واقعات دفاعی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے پیش دستی نہیں کی تھی بلکہ دفاع کیا تھا۔ بیعت رضوان اس لئے لی گئی کہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمان غنیؓ سفیر رسول ﷺ کو شہید کر دیا ہے۔ فتح حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا قریش نے کی تھی۔

اسی طرح اگر ہم غور کریں تو غزوۂ خیبر بھی جو اشہر حرام میں لڑی گئی، دفاعی جنگ تھی کیونکہ یہود خیبر و غطفان مدینہ پر حملے کی تیاری کر چکے تھے۔



د

دا

*** دارالاسلام:** ایک اسلامی اصطلاح، اسلام کا گھر۔ علما کے مطابق دارالاسلام سے مراد ایک ایسی ریاست ہے جس کا سربراہ مسلمان ہو اور جہاں اسلامی شریعت مکمّل طور پر نافذ ہو۔ ایسی ریاست میں اگر غیر مسلم ہوں اور انہوں نے بہ رضا و رغبت اسلامی حکومت کے قیام میں حصہ لیا تو ان کو مکمل شہری آزادی حاصل ہوتی ہے۔

دارالاسلام کے برحق سربراہ کے خلاف اگر کوئی فرد یا جماعت خروج یا بغاوت کرے تو اسے کا قتل واجب ہے۔ دارالاسلام کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ امر بالمروف و نہی عن المنکر کرے۔ نیز اگر کہیں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو ان کے لئے ظالم کے خلاف جہاد کرے۔ اسی طرح دارالاسلام میں کوئی فرد یا جماعت کسی اسلامی رکن سے انکار کرے تو اس کے خلاف بھی جہاد کیا جائے گا۔

*** دارالحدیث:** حدیث شریف پڑھانے کی جگہ۔ آج کل مدارس میں دورۂ حدیث کے طلبہ کو جہاں درس دیا جاتا ہے، اسے "دارالحدیث" کہتے ہیں۔ اوائل اسلام میں دارالحدیث کے نام سے حدیث کی تعلیم نہ ہوا کرتی تھی بلکہ بڑے بڑے علما اپنے علاقوں کے مساجد اور مکانوں پر درس حدیث دیا کرتے تھے۔ لیکن پھر درس حدیث کے باقاعدہ اداروں کی بنیاد پڑنا شروع ہوئی تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلا ادارہ جو خاص طور پر دارالحدیث کہلایا اس کی بنیاد اتابک نورالدین (متوفی ۵۶۹ھ بمطابق ۱۱۷۴ء) نے رکھی۔ عبداللہ بن عساکر اس دارالحدیث کے صدر مقرر کئے گئے۔ اس کے بعد دارالحدیث کا رواج چل پڑا۔ ابتدا میں یہ دارالحدیث دمشق میں قائم ہوئے، لیکن بعد میں پوری دنیا میں پھیل گئے۔

⇦ حدیث

*** دارالحرب:** ایک اسلامی اصطلاح، لڑائی کا گھر۔ علما کے مطابق، دشمنان اسلام کا وہ علاقہ جس کے باشندے اسلام کو مسترد کر کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرکشی اور دشمنی کا مظاہرہ کریں۔ دارالاسلام کا کوئی علاقہ کفار کے قبضے میں چلا جائے تو وہ بھی دارالحرب بن جاتا ہے۔ کفار کی اپنی سرزمین اس وقت تک دارالحرب نہیں بنتی جب تک کہ کفار اسلام کو مسترد کر کے اسلام کے خلاف برسرپیکار نہ ہو جائیں۔ امام ابن قیم نے لکھا ہے کہ دارالحرب پر بلاوجہ حملہ جائز نہیں بلکہ پہلے اسلامی دعوت واجب ہے اور یہ دعوت مسترد ہو جانے پر جہاد فرض ہو گا۔ اگر دارالحرب پر بہ زور شمشیر اسلام کو قبضہ ہو جائے تو دارالحرب کے کفار پر جزیہ لاگو ہو گا۔ اور اگر دارالحرب کا کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو اس کی جائداد مال غنیمت میں شامل نہیں ہو گی۔

⇦ جزیہ + غزوہ۔

*** دارقطنی:** ایک مشہور محدث۔ ان کا پورا نام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی تھا۔ انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کا خطاب بھی دیا جاتا ہے۔ ذوالقعدہ ۳۰۶ھ (۹۱۸ء) میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ امام دارقطنی چونکہ بغداد کے محلّہ دارقطن میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے دارقطنی کہلائے۔

دارقطنی نے حدیث کے تنقیدی مطالعے کو بہت آگے بڑھایا۔ ان کی اکثر تصانیف علم حدیث سے معلق ہیں۔ ۸ ذوالقعدہ ۳۸۵ھ (بمطابق ۹۹۵ء) میں ان کا انتقال ہوا۔

امام دارقطنی کی کتب کی فہرست کچھ اس طرح ہے:

● کتاب الرؤیۃ
● کتاب المستجاد
● کتاب معرفۃ مذاہب الفقہا
● غریب الفقہ محمد بن طاہر
● اختلاف الموطات
● الاربعین
● اسئلۃ الحاکم
● رسالہ قرات
● کتاب مجتبیٰ من السنن الماثورہ
● کتاب الافراد
● کتاب المستجاد
● غریب الفقہ محمد بن ظاہر
● غرائب مالک
● کتاب الضعفا
● کتاب الجہر
● الرباعیات
● کتاب الاخوہ
● کتاب العلل
● کتاب الاسخیا
● کتاب الالزامات والتتبع
● سنن دارقطنی

⇦ حدیث

*** دارقطنی، سنن:** امام دارقطنی کی سب سے مشہور اور اہم تصنیف۔ صحاح ستہ کے بعد جو کتابیں شہرت وقبول اور وثوق واعتبار کے لحاظ سے ممتاز اور اہم مانی جاتی ہیں، ان میں سنن دارقطنی بھی شامل ہیں۔ بعض اہل علم نے اس کو صحاح ستہ کے مساوی قرار دیا ہے بلکہ صحاح ستہ کے علاوہ جو کتابیں صحیح اور مستند شمار کی جاتی ہیں ان میں سنن دارقطنی سرفہرست ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سنن دارقطنی کو تیسرے طبقے کی کتابوں میں شمار کیا ہے۔

*** دارمی، امام:** ایک نامور محدث۔ پورا نام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام بن عبدالصمد تمیمی سمرقندی تھا۔ کنیت ابو محمد تھی۔ امام دارمی ۱۸۱ھ (۷۹۷ء) میں خراسان کے مشہور شہر سمرقند میں پیدا ہوئے۔ نسبی تعلق قبیلہ تمیم کی ایک شاخ دارم سے تھا، اس نسبت سے "دارمی" کہلائے۔ ۲۲۵ھ (۸۶۹ء) میں انتقال ہوا۔

امام دارمی نے طلب حدیث کے لئے شام، بغداد، مصر، عراق، خراسان، مکہ اور مدینہ کا سفر کیا۔ خطیب نے ان کا سفر ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو حدیث کے لئے بہت زیادہ سفر کیا کرتے تھے۔ علمائے رجال نے لکھا کہ امام دارمی نے طلب حدیث کے لئے سفر کیا اور مختلف ممالک کی خاک چھانی۔

امام دارمی ان خوش نصیبوں میں سے ایک تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حفظ وضبط کا غیر معمولی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اس کا اعتراف آئمہ فن نے کیا۔ امام دارمی کی ثقاہت وعدالت کے بھی علمائے حدیث معترف ہیں۔

ابن حجر عسقلانی ان کو باکمال مفسر اور صاحب علم فقیہ قرار دیتے تھے۔ ان فنون پر امام صاحب کی کتب اس کا ثبوت ہیں خصوصاً فقہ میں ان کے مجتہدانہ کمالات کا ثبوت ان کی سنن سے بھی ملتا ہے۔

وفات

امام درامی کا انتقال ۸ ذوالحجہ ۲۵۵ھ جمعرات کے دن سمرقند میں ہوا اور عرفہ کے دن تجہیز وتکفین ہوئی۔ امام بخاری کو جب آپؒ کی وفات کی خبر ملی تو فرط سے سر جھکا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

امام دارمی سے منسوب مندرجہ ذیل کتب ہیں:

● کتاب التفسیر
● کتاب الجامع
● سنن درامی (⇦ درامی، سنن)

*** دارمی، سنن:** یہ امام دارمی کی سب سے مشہور اور اہم

کتاب ہے۔ صحاح ستہ کے بعد جو کتب زیادہ اہم سمجھی جاتی ہیں ان میں ایک سنن دارمی بھی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے کتب حدیث کے تیسرے طبقے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بعض محدثین اس کی صحت واسناد کی بنا پر اس کو صحاح ستہ میں ابن ماجہ کی جگہ شمار کرتے ہیں۔

خصوصیات

سنن دارمی کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

● اس میں پندرہ ثلاثی حدیثیں ہیں اور رباعیات بہ کثرت ہیں۔

● اس کی اہم خصوصیت صحت کا التزام اور علو اسناد ہے۔ علمائے رجال کہتے ہیں کہ سنن دارمی کی سندیں عالی اور بلند پایہ ہیں۔ علامہ ابن حجر نے اسی وجہ سے اس کو سنن ابن ماجہ سے بھی زیادہ اہم اور فائق بتایا ہے۔

● اس کتاب میں فقہی مسائل و مباحث اور ان کے متعلق فقہا کے اختلافات ودلائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔

● احادیث کی طرح صحابہ وتابعین کے آثار وفتاویٰ بھی نقل کیے گئے ہیں۔

سنن دارمی کو "سنن" اور "مسند" دونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مسند میں صحابہ کے ناموں کی ترتیب کے مطابق احادیث درج ہوتی ہیں، سنن میں ترتیب فقہی الواب پر ہوتی ہے جس میں ایمانیات سے لے کر وصایا تک احادیث ہوتی ہیں۔

⇦ حدیث + سنن + مسند۔

دح

*** دحیہ کلبی:** صحابی رسول ﷺ۔ پورا نام دحیہ بن خلیفہ بن فردہ کلبی تھا۔ حضرت دحیہ مدینہ منورہ کے ایک مال دار تاجر تھے۔ چونکہ بڑے حسین تھے، اس لئے حضرت جبریل علیہ السلام ان کی شکل اختیار کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے۔ غزوۂ یرموک میں ایک دستے کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ ۵ھ میں روم کے بادشاہ ہرقل کو نبی کریم ﷺ کا مکتوب انہوں نے پہنچایا تھا۔ حضرت دحیہؓ جب یہ خط لے کر ہرقل کے دربار میں پہنچے تو ہرقل نے حسب دستور ایک پادری کو طلب کر کے اسے یہ خط سنایا۔ اس پادری نے خط سن کر کہا کہ بخدا یہ وہی اللہ کا رسول ﷺ ہے جس کے بارے میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے پیش گوئی کی تھی، لیکن ہرقل نے نبی کریم ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کر دیا۔

⇦ جبرئیلؑ + مکتوبات نبویؐ۔

در

*** درود:** رسول ﷺ کے لئے دعائے برکت ورحمت۔

"درود شریف" فارسی کا لفظ ہے۔ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو تو رحمت، فرشتوں کی طرف سے ہو تو استغفار، مؤمنوں کی طرف سے ہو تو دعا، پرندوں چرندوں کی طرف سے ہو تو تسبیح مراد ہوتی ہے۔

کلمہ طیبہ دو اجزا پر مشتمل ہے جس کو ہم توحید ورسالت کے عنوان سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ کسی بھی ایک جز کا انکار یا اس میں کوتاہی ونقص عملاً کفر ہے اور باہم خلط سے شرک وجود پا سکتا ہے لہٰذا دونوں اجزا کی حقیقت خوب اچھی طرح سمجھنی چاہئے تاکہ کفر وشرک اور ایمان اور سلام کے مابین فرق و امتیاز باقی رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی کلمہ گو درود وسلام کا منکر نہیں ہو سکتا۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہے تو درود وسلام کے انکار کی کیا وجہ؟ لہٰذا مختلف مکاتب فکر اور مسالک کی یہ متفقہ سوچ اور نیت ہے کہ درود وسلام صرف اظہار محبت و تعلق ہی نہیں ہے بلکہ عین عبادت ہے۔

قرآن پاک کی آیت مبارکہ کے مقتضا پر عمل کے سلسلے میں کوئی فرقہ درود وسلام کا منکر نہیں البتہ مسنون اور ثابت درود وسلام پڑھنا زیادہ واجب اور مستحسن ہے۔ درود وسلام کے ان الفاظ کا استعمال بھی جائز ہے جس سے توحید ورسالت میں خلط واقع نہ ہو اور جہاں اس کا امکان ہو ان الفاظ سے احتراز کرنا چاہئے۔

علما کی آرا

بعض علما درود و سلام کے عمل کو امر کی بنیاد پر فرض قرار دیتے ہیں گویا زندگی میں درود ایک بار فرض ہے۔ بعض علما ہر مرتبہ اسم مبارک پر درود و سلام کو واجب کہتے ہیں جب کہ بعض ایک مجلس میں ایک مرتبہ واجب اور ہر مرتبہ مستحب سمجھتے ہیں۔ بہر حال درود و سلام کا منکر کوئی نہیں ہے۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ عمر میں ایک بار، درود و سلام فرض ہے خواہ نماز میں پڑھا جائے یا غیر نماز، اور یہ کلمہ توحید کی طرح ہے۔ یہی مذہب امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے۔ امام ابو بکر رازی نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

امام مالک، سفیان ثوری، امام اوزاعی سے منقول ہے کہ زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے۔

امام قرطبی اور ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ جب بھی اسم مبارک آئے تو ہر مرتبہ درود واجب ولازم ہے، سنن موکدہ کی طرح کہ ان کے چھوڑنے کی اجازت نہیں اور خیر کا طالب اس کو نہیں چھوڑ سکتا ہے۔

امام طحاوی اور حنفیہ شافعیہ کی ایک جماعت بھی اس کی قائل ہے کہ آدمی چاہے سنے یا خود اسم مبارک زبان سے ادا کرے، ہر مرتبہ درود واجب ہے۔

امام طبری ہر مرتبہ ذکر مبارک پر درود کو مستحب کہتے ہیں اور اسی پر اجماع کا دعویٰ فرماتے ہیں۔

صحیح قول یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک مرتبہ واجب اور مکرر تذکرے پر مستحب ہے۔ یہی ہدایہ کی شروحات میں ہے اور ملا علی قاری نے اس کی تصریح کی ہے۔

دنیاوی و اخروی برکات و فوائد

احادیث رسول ﷺ میں صلاۃ وسلام پڑھنے پر دنیاوی، اخروی، ظاہری و باطنی برکتیں نازل ہونے کی خوش خبری وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ (مسلم ترمذی)

امام نسائی و ابن حبان نے حضرت انسؓ کی حدیث روایت کی جس میں تھوڑا سا اضافہ بھی ہے کہ اس کی دس خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور دس درجے بلند کئے جائیں گے۔

امام طبرانی نے اوسط میں حضرت انسؓ ہی کے حوالے سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے مجھ پر سو بار درود بھیجا اللہ اس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر نفاق اور جہنم سے برات لکھ دیتے ہیں اور قیامت کے روز اس کو شہدا کے ساتھ ٹھہرائیں گے۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے، اللہ کریم ﷻ اس کو ایک قیراط ثواب عطا فرماتے ہیں اور قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے۔“

(عبد الرزاق رواہ فی مصنفہ)

حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص مجھ پر درود بھیجے، قیامت کے روز میں اس کا شفیع (سفارشی) ہوں گا۔“

حضرت جابرؓ مرفوعاً نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر روزانہ سو مرتبہ درود بھیجے، اللہ اس کی حاجتیں پوری فرماتے ہیں تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی۔ اگرچہ یہ حدیث بہ اعتبار سند غریب حسن ہے۔

حضرت ابن عباسؓ رسول ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں جس شخص نے جزی اللّٰہ عنا محمدا (ﷺ) ماھو اھلہ کہا، اس نے ستر فرشتوں کو ہزار دنوں تک ثواب لکھنے کی وجہ سے تھکا دیا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، جس شخص کو نسیان کا خوف ہو اس کو چاہئے کہ وہ بہ کثرت رسول ﷺ پر درود پڑھا کرے۔ خود رسول ﷺ کا یہ ارشاد حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب تم کوئی چیز بھول جاؤ تو درود شریف پڑھنے سے وہ چیز انشاء اللہ یاد آجائے گی۔

(القول البدیع)

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ درود شریف نسیان کو زائل کرتا ہے اور قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے۔ یہ نفع عظیم اہل دانش کے لئے

قابل قدر تحفہ ہے خصوصاً وہ لوگ جو بھولنے کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ علما اور طلبہ جو مختلف علوم وفنون کی مشغولیات میں جہد مسلسل کرتے رہتے ہیں۔

درود کے بعد سلام کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ سلام کا ترک کرنا بے ادبی ہے، اجر عظیم اور برکت سے محرومی کا سبب ہے۔ امام سخاویؒ نے القول البدیع میں ابو سلیمان محمد بن الحسن الحرانی کی حکایت بیان کی ہے کہ انہوں نے سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دوران ذکر جب تم مجھ پر درود پڑھتے ہو تو سلم کیوں نہیں کہتے؟ "وسلم" میں چار حرف ہیں۔ ہر حرف کی بدلے دس نیکیاں ہیں۔ تم چالیس نیکیاں چھوڑ دیتے ہو۔

جو شخص کسی جگہ درود لکھے تو اس کو سلام بھی لکھنا چاہئے اور اس سے عظیم فائدہ حاصل ہوتا ہے جس کی ہر فرد کو ضرورت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ رسول ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے، فرشتے اس وقت تک اس کے لئے مسلسل مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں باقی رہے۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

درود شریف کے بعض فوائد وثمرات

درود سلام کے فوائد وثمرات بے شمار ہیں جن کو مختصراً یہاں ذکر کیا جارہا ہے:

① سب سے پہلے فائدہ رب کائنات خالق کل کے حکم کی تعمیل ہے جو سب سے بڑی سعادت ہے۔

② اللہ رب العزت اور اس کے ملائکہ کی موافقت ومتابعت کا حصول ہے، اس لئے کہ اللہ اور اس کی فرشتے یہ عمل فرماتے ہیں۔

③ درود سلام پڑھنے والا اگر حرم مکہ اور مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ کہیں اور ہے تو دس رحمتیں حاصل کرتا ہے اور مسجد نبوی ﷺ میں پچاس ہزار، اور حرم مکہ میں ایک لاکھ رحمتیں حاصل کرتا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ دس درجے بلند فرمادیتے ہیں۔

⑤ دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔

⑥ اللہ پاک اس کی دس خطاؤں کو درگزر فرمادیتے ہیں۔

⑦ گناہوں کی معافی کا سبب ہے جیسا کہ بعض آثار سے ثابت ہے۔

⑧ درود وسلام کے بعد دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔ درود سلام دعا کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے جب کہ وہ آسمان وزمین کے درمیان معلق ہو۔ دعا کی مقبولیت کا مسنون طریقہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے کہ اولاً اللہ رب العزت کی خوب ثنا کی جائے، اسمائے حسنہ کو بار بار دہرایا جائے پھر درود شریف پڑھا جائے پھر خوب انہماک کے ساتھ دعا مانگی جائے۔ دوران دعا توبہ الی اللہ کا اہتمام کیا جائے۔ گریہ وزاری اگر ہوسکے تو ٹھیک ورنہ رونے کی شکل ہی بنائے۔ اسمائے حسنیٰ خصوصاً رحم وکرم وعطا پر مشتمل اسما کو بار بار پڑھنے سے قوی امید ہے کہ اللہ پاک دعا ضرور قبول فرمالیں گے۔

یہ بھی جان لینا چاہئے کہ قبولیت کے تین درجے ہیں:

(الف) — جو کچھ مانگا گیا وہی یا اس سے بہتر دے دیا جائے۔

(ب) — دعاؤں کے بدلے مصائب، آفات، رنج وغم کو دور کر دیا جائے۔

(ج) — اس کا اجر آخرت کے لئے جمع کر دیا جائے جس کی کثرت واہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی کثرت کو دیکھ کر صاحب دعا یہ حسرت کرے گا کہ کاش دنیا میں کوئی بھی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی اور سب دعائیں آخرت کے لئے جمع ہوتی رہتیں۔

⑨ بندہ محتاج کے ہر اہم کام کی کفایت اللہ تعالیٰ فرمادیتے ہیں۔

⑩ درود بہ روز قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کا سبب ہوگا۔

⑪ درود انسان کی جانب سے صدقہ کرنے کے قائم مقام ہے اس شخص کے لئے جو تنگ دست ہو یا صدقہ دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

⑫ تمام حاجات کے پورا ہونے میں مددگار ہے۔

⑬ موت سے قبل جنت میں بشارت کے حصول کا ذریعہ ہے جیسا کہ حافظ ابوموسیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کر کے حدیث سے ثابت کیا ہے۔

⑭ درود طہارت قلب وپاکیزگی باطن کا سبب ہے۔

⑮ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے نجات کا سبب ہے۔ اس کو بھی ابوموسیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کرکے حدیث سے ثابت کیا ہے۔

⑯ جو شخص درود بھیجتا ہے، رسول ﷺ اس کے جواب میں دعا اور رحمت بھیجتے ہیں۔

⑰ آدمی جو چیز بھول جائے اس کے یاد آنے میں معین ومددگار ہے جیسا کہ بعض آثار میں وارد ہوا ہے۔

⑲ جس مجلس میں اللہ اور اس کے رسول کا تذکرہ نہ ہو وہ مجلس بدبودار ہوتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ درود شریف اس مجلس کی بدبو کو زائل کر دیتا ہے اور وہ مجلس باعث خیر بن جاتی ہے۔

⑳ قیامت کے روز درود کی برکت سے پل صراط پر ایک نور پڑھنے والے کو حاصل ہوگا۔ تیز نور میں اضافہ وزیادتی کے لئے درود شریف کی کثرت مفید وموثر ہے۔

㉑ اللہ کی رحمت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے خواہ صلوٰۃ کے معنی مراد لے جائیں جیسا کہ بعض علما کا قول ہے اور چاہے درود شریف کے لوازم اور ثمرات کے طور پر حاصل ہو جیسا کہ بعض علما اس کے قائل ہیں۔

㉒ نبی کریم ﷺ سے محبت وتعلق میں اضافہ اور زیادتی کے لئے بہت مفید اور اہم سبب ہے جو سنتوں اور اعمال اسلامی پر عمل کا داعی اور محرک ثابت ہو سکتا ہے۔

㉓ بندوں کی ہدایت اور حیات قلب کا ذریعہ ہے۔

㉔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تذکرے کا سبب وذریعہ ہے۔ حدیث رسول ﷺ ہے کہ "تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔" دوسری حدیث نبوی ﷺ میں ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ نے میری قبر کے پاس ایسے فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔" اور بندوں کے لئے یہ شرف ایک عظیم نعمت ہے کہ بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا تذکرہ ہو۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ فرشتے نام لے کر درود وسلام خدمت اقدس میں پہنچاتے ہیں۔

دس

* دسترخوانِ نبوی ﷺ: نبی کریم ﷺ کا دسترخوان۔

عمرو بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ میں لڑکپن میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں زیر تربیت تھا۔ کھانے کے وقت میرا ہاتھ پوری پلیٹ میں چکر کھایا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور قریب سے کھاؤ۔ یعنی پلیٹ کا جو کنارا تمہارے سامنے ہے وہیں سے کھاؤ ساری پلیٹ میں ہاتھ کو نہ گھماؤ۔

عمرو بن ابی سلمہ کی یہ حرکت بہ ظاہر ایک معمولی بات تھی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کو نصیحت کی اور کھانے کے ضروری آداب بتائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کھانے پر نکتہ چینی نہیں کی۔ اگر خواہش ہوئی تو کھالیا اور اگر ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا۔ یعنی اصل چیز زندگی کے لئے کھانا ہے نہ کہ کھانے کے لئے زندگی۔ اسی لئے جس کے سامنے زندگی کا اعلیٰ نصب العین ہو وہ نہ کھانے پینے کی چیزوں میں مین میخ نکالتا ہے اور نہ بات بات پر گھر والوں کو ٹوکنے اور ان سے الجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کھاتے ہیں مگر سیری نہیں ہوتی۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو۔

صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: مل کر کھانا کھایا کرو، اللہ کے نام کا بھی ذکر کرو۔ تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپس میں محبت بڑھانے کا عملی طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے انتہائی حکیمانہ اور بلیغ مشورہ دیا کہ مل جل کر کھایا کرو۔ ایک ہی دسترخوان پر مل جل کر کھانا محبت بڑھانے کا واقعی بہترین طریقہ ہے۔ بڑے سے بڑا دشمن بھی

اگر ایک وقت کا کھانا مشترکہ دسترخوان پر بیٹھ کر کھالے تو دشمنی کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "جس کے ہاتھ میں چکنائی ہوگی وہ اسے دھوئے بغیر سو گیا اور اسے کوئی نقصان پہنچا تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ یعنی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ دھولینا ضروری ہے خصوصاً جب ہاتھ کو چکنائی لگی ہوئی ہے۔

آداب طعام کی ان نفاستوں کے علاوہ آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ہاں کھانے کا کوئی ایسا اہتمام نہ تھا کہ روزانہ معمولاً کوئی غذا آپ ﷺ کے دسترخوان پر ہوتی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں جس طرح آپ ﷺ نے سادگی کو اپنا شعار بنایا ان کا دسترخوان بھی سادگی کی مثال تھا۔ لذیذ مرغن اور پر تکلف کھانوں سے ہمیشہ اجتناب فرمایا اور ہمیشہ سادہ غذائیں استعمال کیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تمام عمر چپاتی نہیں کھائی۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چپاتی نہ کھانا حرمت کی بنا پر تھا، کیونکہ باریک اور پتلی روٹی عموماً عیش پرستوں کی غذا ہوتی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے عمر بھر اس سے اجتناب کیا۔

آپ ﷺ اکثر زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا کرتے۔ بالعموم گھٹنوں کے بل یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ سہارا یا ٹیک لگا کر کھانا نہ کھاتے۔ کھانے میں عجلت سے کام لیتے اور فرماتے، اس طریقے سے کھانا کھاتا ہوں جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے۔ کھانا تین انگلیوں سے کھاتے۔ بسم اللہ سے شروع کرتے اور خدا کی حمد و ثنا پر ختم فرماتے۔

کھانے کے معاملے میں حضور ﷺ کی عادت یہ تھی کہ جو حلال غذا سامنے رکھ دی جاتی، آپ ﷺ اسے تناول فرما لیتے اور اسے رد نہ فرماتے اور نہ کبھی غیر موجود چیز کے طلب میں تکلف فرماتے۔ البتہ اگر طبعاً کوئی چیز غیر مرغوب ہوتی اسے نہ کھاتے، نہ کسی کھانے کے مزید نہ ہونے کی شکایت فرماتے۔

دسترخوان پر آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جو چیز سامنے رکھی ہوتی اسے کھانا شروع کرتے۔ ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ آپ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ دوسروں کے سامنے رکھے ہوئے کھانوں پر ہاتھ چلایا جائے۔

عموماً بھوک رکھ کر کھانا کھاتے۔ فرمایا کرتے، مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ غذا کم کھایا کرے۔

بعض چیزوں سے آپ ﷺ کو زیادہ رغبت تھی۔ ان میں سے چند درج ذیل ہے:

گوشت: احادیث سے پتا چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھیڑ، بکری، دنبہ، اونٹ، گائے، خرگوش، مرغی، بٹیر اور مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت آپ ﷺ کو بہت پسند اور مرغوب تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو دست کا گوشت فی نفسہ چنداں مرغوب نہ تھا بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ چونکہ کئی روز تک گوشت آپ ﷺ کے دسترخوان پر نہ ہوتا تھا، اس لئے جب کبھی مہیا ہو جاتا تو آپ ﷺ کی یہ خواہش ہوتی کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ چونکہ دست کا گوشت جلد گل جاتا ہے، اس لئے آپ ﷺ اسی کو پسند فرماتے تھے لیکن دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ اس خوبی کے دست کا گوشت آپ ﷺ کو دوسرے حصوں سے زیادہ مرغوب تھا۔

ثرید: نبی کریم ﷺ کو ثرید بہت مرغوب تھا۔ آپ ﷺ اسے نہایت شوق سے تناول فرماتے اور اس کی تعریف کرتے۔ ثرید بنانے کی ترکیب یہ تھی کہ روٹی کے ٹکڑے گوشت کے شوربے میں توڑ دئے جاتے۔ آپ ﷺ دوسرے کھانوں پر اس کو فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مرد تو بہت مکمل انسان بنے۔ عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی مکمل انسان ہوئیں اور عائشہؓ کو عورتوں پر ایسی فضیلت و فوقیت ہے جیسے ثرید کو دوسرے کھانوں پر۔

پنیر: حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری خالہ نے

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ضب (گوہ) کا گوشت اور پنیر بھیجا۔ آپ ﷺ نے گوشت دسترخوان پر رکھ دیا اور تناول نہ فرمایا اور پنیر نوش جان فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضور ﷺ کی خدمت میں پنیر پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے چھری طلب کی اور بسم اللہ پڑھ کر اس سے پنیر کاٹا۔

حلوا اور شہد: حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو حلوا اور شہد بہت مرغوب تھا۔

چھوارا: چھوارا بھی نبی کریم ﷺ کو بہت پسند تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں چھوارا نہ ہو، اس کے رہنے والے بھوکے ہیں۔ یزیدؓ بن الدعود فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر چھوارا رکھا اور فرمایا، یہ اس کا سالن ہے۔

دودھ: رسول اللہ ﷺ کو دودھ بھی بہت پسند تھا۔ کبھی دودھ خالص نوش فرماتے اور کبھی اس میں پانی ملاتے۔

دل

*** دلدل:** ایک خچر جو عزیز مصر مقوقس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا تھا۔ غزوۂ حنین میں آپ ﷺ اسی پر سوار تھے۔ اس خچر کا رنگ خاکستری تھا۔ مقوقس نے عفیر نامی ایک گھوڑا بھی اس کے ساتھ بھیجا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد تک زندہ رہا اور اتنا ضعیف ہوگیا تھا کہ دانہ بھی اس کے منہ میں ڈالنا پڑتا تھا۔

دو

*** دومتہ الجندل:** عرب میں ایک نخلستان۔ یہیں غزوۂ دومتہ الجندل کا معرکہ ہوا۔ دومتہ الجندل کا طول تین میل اور عرض نصف میل ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک لڑکے کا نام رومہ تھا جو ہجرت کر کے یہاں چلے آئے تھے۔ چنانچہ ان کے نام پر اس علاقے کا یہ نام پڑ گیا۔

دومۃ الجندل نخلستان جنوب مشرق سے شمال مغرب تک وادی مرجان ہے۔ اس کے سرے پر وسطی عرب اور دوسرے سرے پر خوران اور شام کا کوہستان ہے۔ دومۃ الجندل مدینہ منورہ سے پندرہ دن کی پیدل مسافت پر ہے۔ ⇐ دومۃ الجندل، غزوہ۔

*** دومۃ الجندل، غزوہ:** غزوۂ دومۃ الجندل۔ یہ غزوہ ربیع الاول ۵ ھ میں ہوا۔ اس غزوے کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل میں ایک بہت بڑا گروہ ہے ادھر سے گزرنے والوں کو لوٹ لیتا ہے۔ ان لوگوں کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا بھی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ۲۵ ربیع الاول ۵ ھ (۲۴ اگست ۶۲۶ء) کو ایک ہزار مسلمانوں کے ہمراہ دومۃ الجندل روانہ ہوئے۔ جب اسلامی لشکر دومۃ الجندل پہنچا تو یہاں موجود شریر لوگ ادھر ادھر چھپ گئے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ ۲۰ ربیع الثانی (۱۸ ستمبر) کو مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

⇐ دومۃ الجندل + مدینہ۔

*** دین:** وہ نظام زندگی یا طریق زندگی جس کے قائم کرنے والے کو سند اور مطاع تسلیم کر کے اس کا اتباع کیا جائے۔ عربی میں دین کا مطلب ہے غلبہ واقتدار، مالکانہ وحاکمانہ تصرف، سیاست وفرمانروائی اور دوسروں پر فیصلہ نافذ کرنا۔ دوسرا مطلب ہے، اطاعت وفرمانبرداری اور غلامی۔ تیسرا مطلب ہے، وہ طریقے جس کی انسان پیروی کرے۔



ذ

ذ ا

*** ذات الرقاع، غزوہ:** غزوۂ ذات الرقاع جو پانچ ہجری میں واقع ہوا۔ ہوا یوں کہ مدینہ آنے والے ایک تاجر نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ غطفان میں قریش و یہود کی متفقہ سازش سے مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل نے مدینہ پر حملے کی تیاری کر لی ہے۔ "انماز" اور "ثعلبہ" نے اس کا سب سے پہلے ارادہ کیا تھا۔ یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ ﷺ دس محرم پانچ ہجری (۱۱ جون ۶۲۶ء) کو چار سو صحابہ کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے، لیکن اسلامی لشکر کی خبر پا کر کفار منتشر ہو گئے۔ لہٰذا آپ ﷺ ۲۵ محرم کو واپس تشریف لے آئے۔

غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ دومۃ الجندل سے پہلے ہوا۔

ذ ر

*** ذریعۃ الوصول:** نبی کریم ﷺ پر درود و سلام کی ایک کتاب۔ اس کتاب کا پورا نام "ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول" ہے۔ اس کے مصنف علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی تھے۔ وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم عصر اور سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول نامی کتاب میں بہت سے چھوٹے بڑے درود شریف یکجا کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے کیا ہے۔

ذ ک

*** ذکوانؓ بن عبد قیس:** صحابی رسول ﷺ۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے انصاری۔ حضرت ذکوان اور حضرت اسعد بن زرارہ ایک ساتھ مکہ جا رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے متعلق سنا۔ چنانچہ مکہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے مدینہ واپس آ گئے۔ انہوں نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شرکت کی۔ ابوالحکم بن اخنس ثقفی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

⇦ صحابی + انصار + بدر، غزوہ + احد، غزوہ۔

ذ و

*** ذوالحلیفہ:** وہ مقام جہاں سے حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام نے حج کا احرام باندھا تھا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔

*** ذوالخلصہ:** زمانہ جاہلیت کا عربوں کا ایک بت جس کی پوجا دوس، خثعم، بجیلہ، ازدالسرات اور تبادلہ نامی قبائل کے لوگ کیا کرتے تھے۔ یہ بت ایک سفید پتھر پر رکھا ہوا تھا۔ یہ مقام مکہ سے ۱۱۹ میل دور یمن کی جانب تھا۔ جب اس علاقے میں اسلام آیا تو حضرت جریر بن عبداللہ نے اس بت کو اکھاڑ پھینکا۔

*** ذوالعشیرہ:** مدینہ سے ۹ منزل کے فاصلے پر ایک مقام۔

یہاں قبیلہ بنومدلج آباد تھا۔ جمادی الثانیہ ۲ہجری میں نبی کریم ﷺ نے اس قبیلے سے معاہدہ کیا تھا۔ ⇦ مدینہ

*** ذوالفقار:** نبی کریم ﷺ کی ایک تلوار کا نام جو نبی کریم ﷺ کو غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں ملی تھی۔ یہ اصل میں ایک مشرک عاص بن منبہ کی تلوار تھی جو غزوۂ بدر میں مارا گیا۔ اس تلوار کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس تلوار میں دندانے یا کھدی ہوئی لکیریں تھیں۔ ایک بار نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ کی تلوار ذوالفقار کی دھار ٹوٹ گئی ہے تو اس سے آپ ﷺ نے یہ تعبیر نکالی کہ آپ ﷺ پر کوئی تکلیف آنے والی ہے۔ چنانچہ اس تکلیف سے غزوۂ احد کی تکلیف مراد تھی۔ بعد میں یہ تلوار حضرت علی کے پاس آئی اور پھر عباسی خلفا کے ہاتھ لگی۔ ⇦ بدر، غزوہ+احد، غزوہ۔

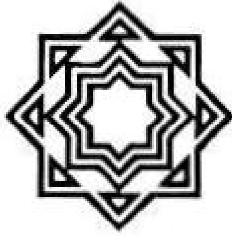
*** ذوالمجاز:** مکہ کے ایک بازار کا نام جہاں جا کر رسول اللہ ﷺ لوگوں کو کلمہ توحید کی دعوت دیا کرتے تھے۔

⇦ تبلیغ+مکہ

ذہ

*** ذہبی، امام:** عرب عالم دین، محدث اور مورخ۔ پورا نام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز بن عبداللہ الترکمانی الفاروقی الدمشقی تھا۔ انہوں نے حصول علم دین کے لئے سب سے قاہرہ کے اساتذہ کے پاس وقت گزارا۔ تحصیل علم کے بعد دمشق میں حدیث کے استاد مقرر ہوئے۔ ۷۴۱ھ سے ۷۴۳ھ کے درمیان ان کی بینائی جاتی رہی۔ حدیث کے شعبے میں ان کی تصانیف یہ ہیں: ① تذہیب الکمال فی اسماء الرجال ② المشتبہ فی اسماء الرجال۔

حضرت امام ذہبی ۶۷۳ھ (بمطابق ۱۲۷۴ء) کو پیدا ہوئے اور ۷۴۸ء (بمطابق ۱۳۴۸ء) میں ان کا انتقال ہوا۔ ⇦ حدیث



س

س ب

*** سالم بن عبداللہ:** صحابی رسول ﷺ، حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر کے فرزند۔ سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہا میں محسوب ہیں جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھے فقہا کے یہ نام ہیں: خارجہ بن زید، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار، عبیداللہ بن عبداللہ، سعید بن مسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو زنجیرِ زر کہتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک نافع، عبداللہ بن عمرؓ ہوں، دوسری وہ حدیث جس سلسلے میں زہری، سالم اور عبداللہ بن عمرؓ واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہیں، عبداللہ اور ان کے بیٹے سالم اور نافع غلام تھے۔

*** سباع بن عرفطہ غفاری:** صحابی رسول ﷺ۔ حضرت سباع کو محرم ۷ ھ میں نبی کریم ﷺ مدینہ کا افسر مقرر فرمایا اور خود ۱۶۰۰ جاں بازوں کے ہمراہ غزوۂ خیبر کے لئے روانہ ہوئے۔

س ر

*** سراقہ بن جعشم:** وہ شخص جس نے مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت نبی کریم ﷺ کا تعاقب کیا تھا اور قریش کی طرف سے اعلان کردہ انعام حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ⇦ ہجرت مدینہ۔

*** سراقہؓ بن عمرو:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کا سلسلۂ نسب کچھ یوں ہے: سراقہ بن عمرو بن عطیہ بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مالک بن النجار الانصاری۔ بیشتر غزوات میں شریک ہوئے۔ جنگ موتہ میں شہادت پائی۔

*** سریہ:** ایسی مہم یا لڑائی جس میں نبی کریم ﷺ نے خود براہ راست شرکت نہیں کی بلکہ کسی صحابی کی قیادت میں ایک لشکر کفار سے مقابلے کے لئے بھیجا۔ سرایا کی تعداد ۶۰ سے کچھ زائد ہے۔

سریہ حمزہ بن عبدالمطلب

حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے آرہا ہے۔ چونکہ آپ ﷺ یہ طے کر چکے تھے کہ قریش کی اقتصادی قوت کو توڑنا مسلمانوں کے مفاد میں ہے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے عم محترم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب (۳ھ) کو تیس مہاجرین کا ایک دستہ دے کر ساحل کی طرف بھیجا۔ اس مہم کا علم سفید تھا جو حضرت حمزہؓ کے ایک حلیف ابو مرثد کنانہ بن الحصین الغنوی کے ہاتھ میں تھا۔ وہاں پہنچے تو ایک آدھ دن کے بعد قافلہ بھی آگیا۔ ابو جہل اور تین سو دیگر نوجوان اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ جنگ کے لئے صفیں آراستہ ہو گئیں۔ لیکن فریقین کے ایک حلیف مجدی بن عمرو کی کوششوں سے یہ تصادم ٹل گیا اور حضرت حمزہؓ واپس آگئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے سات ماہ بعد کا ہے۔

عبیدہ بن حارث کی مہم

اس مہم کا مقصد بھی قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنا تھا۔ یہ مہم

ہجرت سے آٹھ ماہ بعد شوال میں بھیجی گئی تھی۔ اس میں ساٹھ مہاجر صحابہ شامل تھے اور اس کی سیادت حضرت ابوالحارث عبیدہؓ بن حارث بن المطلب کے سپرد تھی۔ جب یہ لوگ احیا پر پہنچے تو سامنے سے کارواں نمودار ہوا جس کے قائد ابوسفیان بن حرب تھے۔ ان کے ہمراہ دو سو محافظ بھی تھے۔ طرفین نے ایک دوسرے پر تیر تو چلائے لیکن تلوار کا استعمال نہ کیا۔ اس مہم کا علم حضرت مسطح بن اثاثہ بن المطلب بن عبد مناف کے پاس تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کی مہم

یہ مہم ہجرت سے نو ماہ بعد ذو القعدہ میں بھیجی گئی تھی۔ اس میں صرف بیس مہاجر تھے۔ علم حضرت مقدادؓ بن عمرو البہرانی کے پاس تھا۔ یہ لوگ حجاز کی ایک وادی خرار تک گئے لیکن کارواں نظر نہ آیا اور واپس آگئے۔

عبداللہؓ بن جحش کی مہم

رجب ۲ھ میں حضور ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو آٹھ مہاجر صحابہ کے ہمراہ نخلہ کی طرف بھیجا۔ ساتھ ہی ایک خط لکھ کر دیا اور ہدایت فرمائی کہ اس خط کو دو دن بعد کھولنا اور کسی ہمراہی کو ساتھ جانے پر مجبور نہ کرنا۔ جب دو دن کے بعد حضرت عبداللہؓ نے وہ خط کھولا تو اس میں تحریر تھا: "تم برابر چلتے جاؤ اور مکہ و طائف کے مابین نخلہ میں جا کر قیام کرو۔ وہاں قافلے کا انتظار کرو اور حالات سے ہمیں اطلاع دیتے رہو۔"

خط پڑھ کر حضرت عبداللہؓ نے ساتھیوں کو کہا کہ تم میں سے جو چاہے، واپس چلا جائے۔ سب نے آگے جانے پر اصرار کیا۔ جب وہاں پہنچ کر مقیم ہو گئے تو انہیں قریش کا ایک چھوٹا سا کارواں نظر آیا۔ چونکہ رجب میں جنگ ممنوع تھی، اس لئے سب سوچنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ بالآخر انہوں نے حملے کا فیصلہ کیا اور لڑائی چھڑ گئی۔ چنانچہ واقد بن عبداللہ کے تیر سے قافلے کا ایک اہم رکن عمرو بن حضرمی مارا گیا اور دیگر ارکان عثمان بن عبداللہ بن المغیرہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ جب یہ مہم مدینہ واپس آئی اور نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے حرمت والے مہینے میں جنگ کی ہے تو آزردہ خاطر ہو گئے اور وحی کے آنے تک مال غنیمت کی تقسیم روک دی۔ بالآخر یہ آیت نازل ہوئی: یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه۔ قل قتال فيه كبير و صد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عندالله والفتنة اكبر من القتل۔ (بقرہ:۲۱۷)

"اے رسول! یہ لوگ آپ سے شہر حرام (حرمت والا مہینہ) میں جنگ کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہئے کہ اس میں لڑنا ایک بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہوں سے روکنا، اس کا انکار کرنا، مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنا اور اس سے وہاں رہنے والوں کو نکال دینا اس سے بڑا گناہ ہے۔ یاد رکھئے کہ فتنہ (شرارت، ایذا، سازش) قتل سے بدتر جرم ہے۔"

چند روز بعد اہل مکہ نے عثمان و حکم کا فدیہ بھیجا، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ مہم کے دو آدمی یعنی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عتبہؓ بن غزوان ابھی تک واپس نہیں آئے۔ مجھے خطرہ ہے کہ یہ کہیں تمہارے ہاتھ نہ لگ گئے ہوں۔ میں ان کے آنے پر قیدیوں کا فیصلہ کروں گا۔ چنانچہ ایک آدھ دن کے بعد یہ دونوں پہنچ گئے تو حضور ﷺ نے قیدیوں کو زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔

جو لوگ قتل یا گرفتار ہوئے وہ بڑے خاندانوں کے تھے۔ مقتول عمرو عبداللہ الحضرمی کا بیٹا تھا جو امیر معاویہ کے دادا حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ عثمان بن مغیرہ (حضرت خالد کا دادا اور ولید کا باپ) کا پوتا تھا جو حرب بن امیہ کے بعد دوسرے درجے کا رئیس شمار ہوتا تھا۔ حکم بن کیسان، خالد بن ولید کے بھائی ہشام بن ولید بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام یا پناہ جو تھا۔

اس واقع نے قریش کو سخت مشتعل کر دیا اور وہ انتقام لینے پر تل گئے۔ بدر، احد اور احزاب کے حملے اسی واقعے کا نتیجہ تھے۔ کہتے ہیں کہ عمرو بن الحضرمی پہلا مقتول ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا، اور یہ پہلا مال غنیمت تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ کی مہم

جب قریش کی قدیم تجارتی شاہراہ (جو ساحل قلزم کے ساتھ ساتھ شام تک جاتی تھی) مسلمانوں کے پیہم حملوں سے غیر محفوظ ہوگئی تو قریش کی اکثریت نے اس کا استعمال ترک کر دیا۔ البتہ ایک گروہ، جس کا سردار صفوان بن امیہ تھا (یہ اپنے آپ کو ابوسفیان کا رقیب سمجھتا تھا) شام سے تجارت کرنے پر مصر تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک قافلہ بہ ایں ہدایت شام کو بھیجا کہ وہ آتے جاتے مدینے کے مشرق سے گزرے اور رہبری کے لئے بنو عجل کے ایک آدمی فرات بن حیان کو اجرت پر ساتھ بھیج دیا۔ قافلے کی قیادت صفوان بن امیہ کے سپرد تھی۔ جب یہ قافلہ مال تجارت لے کر لوٹا تو حضور ﷺ کو اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو سو سواروں کے ساتھ جمادی الثانیہ ۳ھ میں اس قافلے سے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ تمام مال و متاع کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔

مہم قطن

کوفہ اور مکہ کی راہ پر دونوں کے وسط میں ایک قصبہ فید کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے قریب ایک پہاڑ "قطن" کہلاتا تھا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں وہاں بنو خزیمہ کی ایک شاخ اسد بھی آباد تھی۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلۂ اسد کے ایک سردار خویلد کے دو بیٹے سلمہ و طلیحہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر ترتیب دے رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوسلمہ کو ۱۵۰ صحابہ کے ہمراہ اس طرف بھیجا۔ یہ مہم یکم محرم ۴ھ کو روانہ ہوئی اور وہ لوگ مسلمانوں کی روانگی کی خبر سن کر منتشر ہو گئے۔

وادی عرنہ کی مہم

وادیٔ عرنہ مکہ کے مشرق میں عرفات کے قریب واقع تھی۔ یہ بنو لحیان کی ملکیت تھی۔ اس قبیلے کے سردار کا نام سفیان بن خالد الہذلی تھا۔ حضور ﷺ کو خبر ملی کہ سفیان مدینے پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر ترتیب دے رہا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس کو اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ یہ ۵ محرم ۴ھ کو تنہا چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر اسے تلاش کیا۔ موقع پا کر مار ڈالا اور سر کاٹ کر ساتھ لے گئے۔ جب حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور سارا واقعہ بتایا تو حضور ﷺ نے خوش ہو کر اپنا عصا عطا کیا اور فرمایا: **تخصر بهذه في الجنة** (جنّت میں اس کے سہارے سے چلنا)۔ جب یہ فوت ہوئے تو عصا ان کے کفن میں رکھا گیا۔

بئیر معونہ کی مہم

صفر ۴ھ میں حضور ﷺ نے نجد کے ایک قبیلے عامر بن صعصعہ کے ایک رئیس ابوالبراء عامر بن مالک کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ قبیلے کی حمایت حاصل کرنے نیز اسے اسلام سے متعارف کرانے کے لئے چند صحابہ میرے ساتھ بھیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد پر اعتبار نہیں۔ کہنے لگا کہ میں ضامن ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چند صحابہ اس کے ساتھ کر دیئے۔ ان کی تعداد بعض روایات کے مطابق ستّر اور بعض کے مطابق چالیس تھی۔ یہ لوگ ارض بنوسلیم کے ایک کنوئیں بئیر معونہ پر پہنچے تو وہاں سے اپنی جماعت کے ایک آدمی حرام بن ملحان کو حضور ﷺ کا خط دے کر قبیلے کے سردار عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔ اس نے قاصد کو قتل کر دیا اور بنو سلیم کے چند آدمیوں کے ہمراہ بئیر معونہ کی طرف چل پڑا۔ راہ میں سامنے سے صحابہ آ گئے جو قاصد کو ڈھونڈنے کے لئے نکل پڑے تھے۔ عامر نے ان کو گھیر کر قتل کر دیا اور عمرو بن امیہ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام کو آزاد کرنے کی منت مانی تھی اس لئے تو آزاد ہے اور ساتھ ہی اس کی چوٹی کاٹ لی۔ اس جماعت کے سردار حضرت منذر تھے اور اس میں حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت نافعؓ بن بدیل جیسے جلیل القدر لوگ شامل تھے۔

رجیع کی مہم

صفر ۴ھ میں قبائل عضل وقارہ کے چند آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہماری قوم اسلام لا چکی ہے لیکن احکام شرعیہ سے ناآشنا ہے اس لئے ہمارے ساتھ چند عالم و مبلغ بھیجئے۔ حضور ﷺ

نے سات صحابہ کا انتخاب فرمایا اور حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد کو ان کا امیر مقرر کر کے بھیج دیا۔ جب یہ لوگ مقام رجیع پر پہنچے تو انہوں نے غداری کی اور بنو لحیان کے چند آدمیوں کو بلا کر پانچ کو شہید کر ڈالا اور باقی دو یعنی حضرت خبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دثنہ کو مکہ میں قریش کے ہاں فروخت کر دیا اور قریش نے انہیں شہید کر ڈالا۔ خبیبؓ کو ابوسروعہ نے (جس کے والد حارث بن عامر کو خبیبؓ نے احد میں قتل کیا تھا) اور زید کو صفوان بن امیہ خلف نے شہید کیا، کیونکہ اس کا باپ امیہ بن خلف بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تھا اور صفوان اس کے بدلے میں کسی مسلمان کا سر لینا چاہتا تھا۔

مہم قرطاء

قرطاء نجد کے ایک قبیلے عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ تھی جو حرمین کے مشرق میں آباد تھی۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ نے محرم ۶ھ میں حضرت محمد بن مسلمہ کو تیس صحابہ کے ہمراہ ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ وہ لوگ پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے اور صحابہ کچھ مال غنیمت لے کر واپس آ گئے۔

عکاشہؓ کی مہم

حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ نجد کا ایک قبیلہ اسد، شرارت پر آمادہ ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی کو ربیع الاول ۶ھ میں چالیس صحابہ کا ایک دستہ دے کر اس کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ جب یہ دستہ ارض اسد کے ایک چشمے غمر پر پہنچا تو وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ (تلقیح ص۲۸)

مہم ذوالقصہ

مدینہ سے چوبیس میل دور نجد میں بنو ثعلبہ کا ایک موضع ذوالقصہ کہلاتا تھا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ وہاں ثعلبہ کے آدمی حملے کے لئے جمع ہو رہے ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے ربیع الاول ۶ھ میں محمد بن مسلمہ کو صرف دس صحابہ کے ہمراہ مقابلے کے لئے بھیجا وہاں ایک سو آدمی اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے سب کو مار ڈالا۔ صرف محمد بن مسلمہ بچ کر نکل سکے۔ حضور ﷺ نے فوراً چالیس صحابہ کا ایک اور دستہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی قیادت میں روانہ کیا لیکن وہ لوگ منتشر ہو گئے۔

دو تین ہفتے بعد ثعلبہ کے چند آدمی اپنے اونٹوں کو چرانے کے لئے مدینہ کے قریب ایک چراگاہ میں آ گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو دوبارہ چالیس صحابہ کے ساتھ بھیجا۔ وہ خود تو بھاگ گئے لیکن ان کے بیشتر مویشی پیچھے رہ گئے جنہیں یہ ہانک لائے۔

مہم جموح (یا جموم)

آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو سلیم کسی شرارت کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ربیع الآخر ۶ھ میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ان کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا۔ یہ لوگ ارض بنو سلیم کے ایک چشمے جموح (یا جموم) پر پہنچے تو وہاں ایک عورت نے بنو سلیم کے محلے تک ان کی رہنمائی کی۔ چنانچہ یہ کچھ قیدی اور مال غنیمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مہم عیص

مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ سے کوئی پچاس میل مشرق میں ارض بنو سلیم سے گزرنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۶ھ میں زیدؓ بن حارثہ کو ۱۰۰ اسواروں کے ہمراہ اس کی طرف بھیجا۔ ارض سلیم کے ایک مقام عیص پر قافلہ والوں سے مقابلہ ہوا اور حضرت زیدؓ کامیاب ہوئے۔ مال تجارت میں چاندی کی بھی خاصی مقدار تھی جو بیت المال میں داخل کرا دی گئی۔

مہم طرف

طرف ایک چشمہ ہے، مدینہ سے ۳۶ میل بصرہ (مشرق) کی طرف۔ خبر ملی کہ اس مقام پر کچھ اعراب (دیہاتی جنگلی) حملے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے جمادی الثانیہ ۶ھ میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ۱۵ صحابہ کے ساتھ بھیجا۔ یہ طرف تک گئے، لیکن مقابلے میں کوئی نہ آیا۔

مہم حسمیٰ

مدینہ میں خبر آئی کہ بنو جزام، جو مدینہ سے کوئی تین سو میل شمال میں تیما کے قریب آباد تھے، مدینہ کے قافلوں اور مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے جمادی الثانیہ ۶ ھ میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو پانچ سو کا ایک لشکر دے کر اس طرف بھیجا۔ وادی القریٰ سے ذرا شمال میں بمقام حسمیٰ جزامیوں سے مقابلہ ہوا۔ انہیں سخت شکست ہوئی۔ حضرت زید کو غنیمت میں ایک سو اسیر، ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ملیں۔

سریہ دومۃ الجندل

دومۃ الجندل شمالی عرب کا ایک سرحدی شہر ہے جس میں بنو کلب آباد تھے۔ جب انہوں نے مدینہ کے قافلوں اور مسافروں کو تنگ کرنا شروع کیا تو آنحضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کو شعبان ۶ ھ میں سات سو صحابہ کے ہمراہ ان کی طرف بھیجا۔ وہاں پہنچے تو ان کا امیر اصبع بن عمرو الکلبی بہت سے آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور اپنی بیٹی حضرت عبدالرحمانؓ کے نکاح میں دے دی۔

مہم فدک

مدینہ سے تقریباً ایک سو بیس میل شمال میں خیبر اور وادی القریٰ کے درمیان یہود کی ایک بستی فدک کہلاتی تھی۔ اس میں بنو سعد بن بکر کا قبیلہ بھی آباد تھا۔ اطلاع ملی کہ اس قبیلے کے لوگ یہودیان خیبر کی امداد کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے شعبان ۶ ھ میں حضرت علیؓ کو ایک سو صحابہ کے ہمراہ اس طرف بھیجا۔ یہ لوگ خیبر و فدک کے درمیان ہمج نامی ایک چشمے پر جا رکے۔ وہاں اس قبیلے سے جنگ ہوئی۔ وہ خود تو فوراً بھاگ گئے لیکن ان کے مویشی پیچھے رہ گئے جن میں سے حضرت علیؓ پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں ہانک لائے۔

مہم ابن عتیک

حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ خیبر میں یہود کا ایک سردار ابورافع سلام بن ابی الحقیق النضری مدینہ پر حملے کے ارادے سے ایک لشکر جمع کر رہا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن عتیک کو چار دیگر صحابہ کے ہمراہ اس کی طرف بھیجا۔ ان لوگوں نے رات کے وقت ابورافع کو اس کے گھر میں داخل ہو کر قتل کر دیا اور بخیریت لوٹ آئے۔ یہ مہم رمضان ۶ ھ میں بھیجی گئی تھی۔

مہم عبداللہؓ بن رواحہ

جب ابورافع قتل ہو گیا تو یہودیان خیبر نے اسیر بن زارم کو اپنا قائد بنا لیا۔ یہ قبائل غطفان کے ہاں امداد کے لئے گیا۔ جب حضور ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے شوال ۶ ھ میں حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو ۳۰ صحابہ کے ساتھ اس کی طرف بھیجا۔ عبداللہؓ نے وہاں پہنچ کر اسیر اور اس کے تیس آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔

مہم کرز بن جابر

شوال ۶ ھ میں قبیلۂ عرینہ کے آٹھ آدمی حضور ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں رہنے لگے۔ انہیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو آنحضور ﷺ نے انہیں مدینہ سے چھ میل دور قبا کی جانب ذوالجدر نامی ایک چراگاہ میں بھیج دیا جہاں حضور ﷺ کی اونٹنیاں بھی چرتی تھیں۔ چرواہے کا نام یسار تھا۔ یہ حضور ﷺ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ جب وہ لوگ تندرست ہو گئے تو یسار کی آنکھیں پھوڑنے اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد اسے قتل کر دیا اور پندرہ اونٹنیاں ہانک کر لے گئے۔ حضور ﷺ تک یہ المناک اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے حضرت کرز بن جابر الفہری کو ۲۰ صحابہ کے ہمراہ ان کے تعاقب میں بھیجا۔ انہوں نے چوروں کو جا لیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کو سخت سزا دی۔

عمروؓ بن امیہ کی مہم

مکہ میں نبی کریم ﷺ اور اسلام کا بدترین دشمن ابوسفیان تھا۔ یہ مسلمانوں کی تخریب و تباہی کے لئے مسلسل سازشوں میں مصروف رہتا تھا تنگ آ کر آنحضور ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ اور سلمہؓ بن اسلم کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کو ختم کر آئیں۔ یہ دونوں مکہ پہنچے عمروؓ کعبہ کا

طواف کر رہے تھے کہ ابوسفیان نے انہیں دیکھ لیا اور قریش کو خبر کر دی۔ قریش انہیں پکڑنے کے لئے جمع ہوئے تو یہ دونوں بھاگ نکلے اور نواح مکہ میں قریش کے تین آدمیوں کو قتل اور ایک کو گرفتار کرنے کے بعد واپس آ گئے۔

مہم فدک

فدک وادی القریٰ کی ایک بستی تھی۔ یہ وادی خیبر اور تیما کے درمیان واقع تھی اور بہت سرسبز و شاداب تھی۔ اس بستی میں یہود آباد تھے۔ جب حضور ﷺ فتح خیبر کے معًا بعد فدک کی طرف بڑھے تو ان لوگوں نے لڑے بغیر نصف زرعی پیداوار سالانہ پر صلح کر لی۔

مہم تربہ

آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ مکہ سے چار رات کے فاصلے پر نجران کی طرف ایک مقام تربہ میں بنوہوازن کے کچھ شوریدہ سر آمادۂ شر ہیں۔ آپ ﷺ نے شعبان ۷ ھ میں حضرت عمرؓ کو تیس صحابہ کے ہمراہ اس طرف بھیجا، لیکن وہ لوگ بھاگ گئے۔

مہم بنی کلاب

شعبان ۷ ھ میں حضرت ابوبکرؓ کو نجد کے ایک قبیلے بنو کلاب کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ حضرت صدیق اکبر نے ان کے شریروں کو سزا دی اور چند قیدی پکڑ لائے۔

مہم بشیرؓ بن سعد

شعبان ۷ ھ میں حضور ﷺ نے حضرت بشیرؓ بن سعد کو تیس صحابہ کے ہمراہ فدک کے ایک قبیلے بنو مرہ کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ چونکہ وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لئے انہوں نے اس دستے کو بہت نقصان پہنچایا۔ حضرت بشیرؓ بن سعد کو سخت زخمی کر دیا اور انہیں ان کے ساتھ اٹھا کر واپس لائے۔

مہم میفعہ

میفعہ مدینے سے ۹۶ میل دور نجد میں ایک مقام تھا جہاں رمضان ۷ ھ میں دو قبائل بنو عوال اور بنو عبد بن ثعلبہ کے چند شوریدہ سر شرارت کے لئے جمع ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت غالبؓ بن عبداللہ کو ایک سو تیس آدمی دے کر اس طرف بھیجا۔ وہاں جنگ ہوئی اور قبائل کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ کے دوران جب حضرت اسامہؓ بن زید ایک کافر اسامہ بن نہیک بن مرداس کی طرف تلوار لے کر بڑھے تو اس نے بلند آواز سے کہا: لا الہ الا اللہ لیکن حضرت اسامہؓ نے اسے مار ڈالا۔ جب یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: هل شققت قلبه (کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟) اس پر حضرت اسامہ نے توبہ کی اور آئندہ محتاط رہنے کا عہد کیا۔

مہم الجناب

خیبر کی وادی القریٰ کے درمیان الجناب ایک مقام ہے شوال ۷ ھ میں حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ عیینہ بن حصن، قبیلۂ غطفان کی ایک جمعیت کے ساتھ الجناب میں مقیم ہے اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری کو تین سو آدمی دے کر اس طرف بھیجا۔ وہ لوگ انہیں دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ مسلمانوں کو صرف دو آدمی اور چند اونٹ ملے جنہیں یہ پکڑ لائے۔

مہم ابن ابی العوجا

ذوالحجہ ۷ ھ میں بنوسلیم کی ایک جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے حضور ﷺ نے حضرت ابن ابی العوجاؓ کو پچاس آدمیوں کے ہمراہ بھیجا۔ وہاں پہنچے تو قبائلیوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان میں سے اکثر قتل ہو گئے اور ابن ابی العوجا سخت زخمی ہوئے۔

مہم کدید

کدید حجاز میں ایک مقام ہے جہاں صفر ۸ ھ میں بنوملوح کے چند آدمی جمع ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت غالبؓ بن عبداللہ لیثی کو دس صحابہ کے ساتھ بھیجا۔ ان لوگوں نے رات کے وقت ان پر حملہ کیا اور ان کے مویشی ہانک لائے۔

مہم سی

سی ایک کنویں یا چشمے کا نام ہے جو مدینہ سے پانچ منزل دور، مکہ و بصرہ کی راہ پر نجد میں واقع تھا۔ وہاں قبیلۂ ہوازن کے چند آدمی فتنہ کاری کے لئے جمع ہوگئے۔ حضور ﷺ نے حضرت شجاع بن ابی وہب الاسدی کو چوبیس آدمی دے کر بھیجا۔ وہ لوگ مقابلے میں نہ آئے اور یہ غنیمت لے کر لوٹ آئے۔

مہم کعبؓ بن عمیر

حضور ﷺ نے ربیع الاول ۸ ھ میں حضرت کعبؓ بن عمیر غفاری کو پندرہ صحابہ کے ہمراہ ذات اطلاح میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔ یہاں کے لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا اور سب کو مار ڈالا۔ صرف ایک زخمی کسی طرح مدینے میں واپس پہنچا۔

مہم موتہ

موتہ جنوبی اردن کا ایک سرحدی شہر ہے۔ بات یوں ہوئی کہ نبی کریم ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ ھ میں حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کو ایک تبلیغی خط دے کر بصریٰ (شام) کے والی کی طرف بھیجا۔ جب قاصد موتہ میں پہنچا تو اسے قبیلہ غسان کے سردار شرحبیل بن عمرو نے قتل کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ایک مہم ترتیب دی جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو امیر مقرر کیا اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ امیر ہوں۔ اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان خود ہی اپنا امیر منتخب کر لیں۔ جب یہ مہم وہاں پہنچی تو بہت سے صحابہ اور تینوں امیر شہید ہو گئے اور باقی مدینہ میں واپس آئے تو لوگوں نے ان پر مٹی اچھالی۔

مہم ذات السلاسل

مدینہ میں یہ خبر آئی کہ وادی القریٰ، (جو مدینہ سے دس یوم کی مسافت پر واقع تھی) میں بنو قضاعہ کے کچھ لوگ فتنہ پردازی کے لئے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے جمادی الثانیہ ۸ ھ میں حضرت عمرو بن عاص کو تین سو صحابہ کے ہمراہ اس سمت بھیجا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اطلاع دی کہ قبائلیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے کمک بھیجی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو دو سو آدمی دے کر ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ جم کر لڑ سکیں اور بھاگنے کی راہیں بند ہو جائیں۔ اسی بنا پر اس مہم کو ذات السلاسل (زنجیروں والی) کہتے ہیں۔ ان تمام انتظامات کے باوجود قبائل کو شکست ہوئی۔

مہم خبط

خبط کے دو مفہوم ہیں: اول درختوں کے سوکھے پتے، دوم مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر شمال مغرب کی طرف ساحل کے قریب قبیلۂ جہینہ کا ایک موضع۔

رجب ۸ ھ میں آنحضور ﷺ نے حضرت عبیدہؓ بن جراح کو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر ساحل کی طرف بھیجا جہاں سے جہینہ کی شرارتوں کی اطلاعات آ رہی تھیں۔ اتفاقاً سفر میں ان کا راشن ختم ہو گیا اور انہیں سوکھے پتوں پر گزارہ کرنا پڑا۔ جب یہ ساحل پر پہنچے تو سمندر کی لہر میں لپٹی ہوئی ایک بڑی مچھلی خشکی پر آ گئی اور انہوں نے اسے گھیر کر پکڑ لیا۔ پھر جہینہ کا رخ کیا۔ کفار بھاگ گئے اور صحابہ واپس آ گئے۔

مہم خضرہ

نجد میں قبیلۂ بنو محارب کے ایک موضع کا نام خضرہ ہے۔ شعبان ۸ ھ میں حضور ﷺ نے بنو محارب کی گوشمالی کے لئے حضرت ابوقتادہؓ بن ربعی انصاری کو خضرہ کی طرف بھیجا۔ کفار کو شکست ہوئی۔ صحابہ اتنا مال غنیمت ساتھ لائے کہ خمس نکالنے کے بعد بھی ہر ایک کو بارہ بارہ اونٹ ملے۔

عزّیٰ کی تباہی

عزیٰ دراصل نخلہ میں ایک درخت کا نام تھا جس کے نیچے ایک بت رکھا ہوا تھا جو لات و منات کے بعد تراشا گیا تھا۔ اس درخت کی مناسبت سے یہ بھی عزیٰ کہلانے لگا تھا۔ فتح مکہ کے پانچ دن بعد

حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تیس سوار دے کر ہدایت فرمائی کہ وہ اس بت کو توڑ آئیں اور انہوں نے تعمیل کی۔

سواع کی تباہی

سواع، قبیلہ ہذیل کا بت تھا جو مکہ سے تین میل دور ایک مقام رہاط میں نصب تھا۔ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت عمروؓ بن عاص کو حکم دیا کہ وہ اس بت کو گرادیں۔

منات کی تباہی

منات اوس، خزرج اور غسان کا صنم تھا جو مکہ کے شمال میں ایک مقام مشلل میں نصب تھا۔ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد حضرت سعدؓ بن زید اشہلی کو حکم دیا کہ وہ اسے جا کر توڑ آئیں۔ حضرت سعد نے تعمیل کی۔ سعد کے ہمراہ بیس سوار تھے۔

مہم بنو تمیم

تمیم عرب کا ایک اہم قبیلہ تھا جو خلیج ایران کے مغربی ساحل کویت کے قریب آباد تھا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہ قبیلہ حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عیینہؓ بن حصن الفزاری کو پچاس سواروں کے ہمراہ جو خالص اعراب تھے اور ان میں کوئی مہاجر یا انصاری شامل نہ تھا، اس سمت روانہ کیا۔ وہاں سے یہ گیارہ مرد، گیارہ عورتیں اور تین بچے گرفتار کر لائے۔ پیچھے پیچھے رؤسائے تمیم کا ایک وفد بھی آن پہنچا۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرما کر تمام قیدی چھوڑ دیے۔ یہ واقعہ ۹ ھ میں پیش آیا تھا۔

مہم قطبہ بن عامر

مدینہ میں اطلاع آئی کہ بنو خثعم (جو مکہ کے شمال میں دو یوم کی مسافت پر وادی بیشہ کے قریب رہتے تھے) آمادۂ فساد ہیں۔ حضور ﷺ نے صفر ۹ ھ میں حضرت قطبہؓ بن عامر کو بیس آدمی دے کر اس طرف روانہ کیا۔ وہاں شدید مقابلہ ہوا اور حضرت قطبہؓ کافی مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔

مہم بنی کلاب

بنو کلاب نجد میں رہتے تھے۔ ان کے متعلق خبر ملی کہ یہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے ربیع الاول ۹ ھ میں حضرت ضحاک بن سفیان کو ان کی طرف بھیجا اور انہیں شکست ہوئی۔

مہم علقمہ

ربیع الآخر ۹ ھ میں حبشہ کے کچھ آدمی جدہ میں آکر قانون شکنی کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے علقمہؓ بن مجزز المدلجی کو تین سو آدمیوں کا ایک دستہ دے کر اس سمت بھیجا لیکن وہ لوگ انہیں دیکھتے ہی بھاگ گئے۔

مہم الفلس

الفلس قبیلۂ طے کا بت تھا اور یہ قبیلہ مدینہ سے تقریباً سو میل شمال مشرق میں آباد تھا۔ حضور ﷺ نے ربیع الآخر ۹ ھ میں حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو سواروں کے ہمراہ اس طرف بھیجا۔ یہ بت مشہور حاتم (کریم و فیاض) کے محلے میں نسب تھا۔ ان لوگوں نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ غنیمت میں کچھ مویشی اور قیدی آئے۔ ان میں حاتم کی بیٹی بھی شامل تھیں ⇐ سفانہ بنت حاتم + عدی بن حاتم۔

مہم یمن

نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو تین سو سواروں کے ہمراہ یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا اور ہدایت کی کہ جب تک وہ لوگ تم پر حملہ آور نہ ہوں، تم ان سے جنگ نہ کرو۔ وہاں پہنچ کر جب حضرت علیؓ نے اسلام پیش کیا تو انہوں نے تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ اس پر جنگ چھڑ گئی اور بیس یمنی ہلاک ہو گئے لیکن اس واقعے کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

مہم اسامہؓ

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ شمالی سرحد پر رومی مصروف شرارت ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ بن زید کو بلایا اور تین

ہزار مجاہدین کے ہمراہ ۱۰ ربیع الاول ۱۱ھ کو روم کی طرف روانہ کیا۔ حضرت اسامہؓ مدینہ کے باہر جرف میں آخری جائزے کے لئے ٹھہرے۔ ۱۲ ربیع الاول کو آگے بڑھنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ حضور ﷺ کی وفات کی خبر ملی۔ لشکر واپس آگیا۔ لیکن جونہی حضرت ابوبکرؓ بیعت وغیرہ سے فارغ ہوچکے تو حضرت صدیق اکبر نے اسامہؓ کو اپنی مہم پر دوبارہ جانے کا حکم دے دیا۔ وہ یکم ربیع الآخر کو روانہ ہوئے۔ بیس دن کے بعد منزل (موتہ) پہنچے۔ دشمن سے مقابلہ ہوا۔ پھر واپس چل پڑے اور پندرہ دن کے بعد مدینہ پہنچ گئے۔

حضور ﷺ کی تمام مہمات کی تعداد کیا تھی؟ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔

س ع

*** سعد بن ابی وقاص:** صحابی رسول ﷺ اور نامور سپہ سالار۔ نام سعد اور کنیت ابواسحاق تھی۔ حضرت سعد کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ قبول اسلام کے وقت ان کی عمر صرف ۱۷ سال تھی۔ چنانچہ تمام غزوات میں بڑی شجاعت اور دلیری سے لڑے اور کفار کو خوب نقصان پہنچایا۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں اپنی سپاہیانہ زندگی کے جوہر دکھائے، مگر حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کچھ ایسے دل شکستہ ہوئے کہ سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہوگئے۔ ۵۰ھ (۶۷۱ء) میں تقریباً ستّر سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ وفات کے بعد انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

*** سعد بن جتنہ:** صحابی رسول۔ والدہ کے نام "جتنہ" سے ان کی نسبت مشہور ہوئی۔ صرف پندرہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اگلے ہی سال غزوۂ خندق میں بھرپور شرکت کی۔ امام ابویوسف حضرت سعد بن جتنہ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔

*** سعد بن جماز:** صحابی رسول ﷺ۔ نسب نامہ یہ ہے: سعد بن جماز بن ثعلبہ بن خرشہ بن عمرو بن سعد بن ذبیان بن رشدان بن قیس بن جہنہ۔ بعض نے ان کا نسب سعد بن مالک بن ثعلبہ بن جماز لکھا ہے۔ ان کے بھائی کعب بن جماز غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک تھے، لیکن حضرت سعد بن جماز کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تاہم غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

*** سعد بن ربیع:** صحابی رسول ﷺ۔ بنوخزرج سے تعلق تھا اور بیعت عقبہ اولیٰ ہیں اسلام قبول کیا۔ غزوۂ احد میں دوران لڑائی بارہ زخم آئے اور اسی وجہ سے شہید ہوگئے۔ اسلام کا جذبہ دل میں موجزن تھا اور مالی وجانی قربانی سے بالکل دریغ نہیں کرتے تھے۔

*** سعد بن زید:** صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ اوس کی شاخ بنی عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: سعد بن زید بن مالک بن عبد بن کعب بن عبدالاشہل۔ اہل بدر میں سے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن زید ہی کو اوس وخزرج کے بت منات کو توڑنے پر مامور فرمایا تھا۔

*** سعد بن زید زرقی:** صحابی رسول ﷺ۔ نسب نامہ یہ ہے: سعد (بعض روایتوں میں "اسعد" نام آیا ہے) بن زید بن فاکہ بن نزید بن خلدہ بن عامر بن زریق۔ خزرج کے خاندان زریق سے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر الکبریٰ میں شریک ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں۔

*** سعد بن عبادہ:** صحابی رسول ﷺ۔ نسب نامہ یہ ہے: سعد بن عبادہ بن ولیم بن حارثہ بن ابی حزیمہ بن ثعلبہ بن طریف۔ متمول مسلمانوں میں سے تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے، لیکن غزوۂ احد میں شرکت کی۔ آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد یہ خبر مدینہ میں پھیل گئی کہ حضرت سعد بن عبادہ آپ ﷺ کے جانشین ہوں گے۔ چنانچہ لوگ ان سے بیعت لینے کے لئے جمع بھی ہوگئے تھے کہ پھر حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ نے سیاسی زندگی ترک کردی۔ شام میں ۱۵ھ (۶۳۷ء) میں ان کا

انتقال ہوا۔

✽ سعد بن عثمان: صحابی رسول ﷺ۔ خزرج کے خاندان بنی زریق سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: سعد (بعض نے سعید لکھا ہے) بن عثمان بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق۔ غزوۂ بدر و غزوۂ احد میں شریک ہوئے، لیکن غزوۂ احد کے بعد ان کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔

✽ سعد بن مالک: صحابی رسول ﷺ۔ نسب نامہ یہ ہے: سعد بن مالک بن منان بن عبید بن ثعلبہ بن الابجر۔ بلند پایہ عالم اور مجاہد تھے۔ ان کو آنحضور ﷺ کی احادیث بھی یاد تھیں۔ ۴۷ھ میں انتقال ہوا۔

✽ سعد بن معاذ: صحابی رسول ﷺ۔ بنی اوس سے تعلق تھا۔ آنحضور ﷺ نے ان کا لقب "سید الانصار" رکھا تھا۔ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے۔ غزوۂ خندق کے دوران آنکھ میں تیر لگا جس سے ایک ماہ تک خون بہتا رہا۔ اسی زخم کے باعث ۵ھ میں صرف ۳۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

✽ سعید بن العاص: ایک نو عمر صحابی رسول ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ حضرت سعید بن العاص کا باپ غزوۂ بدر میں کفار کی طرف سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ قریش کے ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قرآن کی تلاوت میں نبی کریم ﷺ کے لہجے سے مشابہت تھی، اس لئے حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں قرآن نقل کرنے والی جماعت کا رکن بنایا۔ ۳۰ھ میں کوفہ کے والی مقرر کیے گئے۔ چونکہ کوفہ کے لوگ انہیں پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے مدینہ آ گئے۔ جب حضرت عثمانؓ پر باغیوں نے حملہ کیا تو اس لڑائی میں شرکت کی۔ اسی لڑائی میں شدید زخمی ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مکہ آ گئے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں مدینہ کے والی مقرر کیے گئے۔ مدینہ سے ۳۰ میل دور عرصہ العقیق کے مقام پر حضرت سعیدؓ نے اپنے لئے رہائش گاہ بنا لی تھی۔ یہیں ان کا انتقال ہوا۔

✽ سعید بن زید: صحابی رسول ﷺ۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب کے بہنوئی تھے۔ حضرت عمر کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب ان کے نکاح میں آئی تھیں اور ان دونوں کا نکاح اسلام قبول کرنے سے کافی پہلے ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا محرک حضرت فاطمہ اور حضرت سعید بن زید ہی کا اسلام بنا۔ حضرت سعید بن زید ایک شریف النفس انسان تھے اور ان کے والد بھی ایک موحد تھے (اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل ان کا انتقال ہو چکا تھا۔) اسلام قبول کرنے والوں میں سعید بن زید کا اٹھائیسواں نمبر ہے۔

حضرت سعید بن زید نے ۵۰ھ (یا ۵۱ھ) میں ۷۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

✽ سعید بن جبیر: صحابی رسول ﷺ۔ کنیت ابوعبداللہ تھی۔ علم فقہ وحدیث پر خوب دسترس تھی اس لئے صحابہ کرام ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف کے مقابلے میں انہوں نے ابن اشعث کی حمایت کی، مگر ابن اشعث کو شکست ہوئی تو حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر کو قید کر کے قتل کرا دیا۔

✽ سعید بن حارث: صحابی رسول ﷺ۔ قریش کے خاندان بنی سہم سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: سعید بن حارث قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی بن غالب قرشی سہمی۔ حضرت سعیدؓ کے چھ سات بھائی مزید تھے۔ ان میں سے ایک کے سوا سب کو سابقون الاولون کا اعزاز حاصل ہے۔ زندگی کے بارے میں تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

✽ سعید بن سعید: صحابی رسول ﷺ۔ قریش کے خاندان سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: سعید بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القریش۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکہ کا نگراں مقرر فرمایا تھا۔ حضرت سعید بن

سعید نے غزوۂ طائف میں جام شہادت نوش کیا۔

*** سعید بن سہیل:** صحابی رسول ﷺ۔ خزرج کے خاندان بنی دینار بن نجار سے تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے: سعید بن سہیل بن مالک بن کعب بن عبد الاشہل بن حارثہ بن دینار بن نجار۔

س ف

*** سفارت و منافرت:** کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی عہدوں میں ایک عہدہ۔ سفارت کا ذمہ اس عہدے کے تحت تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حضرت عمر اس عہدے پر فائز تھے۔

*** سفانہ:** صحابیہؓ اور عدی بن حاتم طائی کی بہن۔ عیسائی تھیں اور حاتم اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ جب مسلمانوں کا لشکر ان کے علاقے کی طرف بڑھا تو عدی بن حاتم تو علاقہ چھوڑ کر چلے گئے، لیکن ان کی بہن سفانہ وہیں رہ گئیں۔ سفانہ کو دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سفانہ نے ان سے رہائی کی درخواست کی جسے نبی کریم ﷺ نے قبول کیا اور ان کے شایان شان لباس اور سواری وغیرہ کا بھی انتظام کیا۔ جب سفانہ اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچیں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بہت تعریف کی جس پر عدی اپنی بہن کے کہنے پر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ بعد میں سفانہ بھی مسلمان ہو گئیں۔

⇦ طے، بنو+عدی بن حاتم

س ق

*** سقایہ:** کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی منصبوں میں سے ایک منصب اس کا مقصد حجاج کے لئے پانی کا انتظام کرنا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حضرت عباسؓ اس منصب پر فائز تھے۔

*** سقیفہ بنی ساعدہ:** ایک سائبان۔ بنو خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ کے مکان کے قریب ایک سائبان تھا۔ اس سائبان کو سقیفہ بنی سعدہ کہا جاتا ہے۔ حیات نبوی ﷺ سے اس کا تعلق کچھ اس طرح سے ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو بہت سے انصاری سردار اس سائبان کے گرد جمع ہو گئے۔

ان تمام انصاری سرداروں کی خواہش تھی کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کو نبی کریم ﷺ کا جانشین مقرر کیا جائے۔ اس موقع پر حضرت سعد نے بھی ایک تقریر اس امارت کے حق میں کی۔ اس موقع پر انصاری سرداروں نے مہاجرین میں سے بھی ایک امیر لینے کی تجویز پیش کی۔

جب اس واقعے کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو ہوئی تو وہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کو لے کر فوراً سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے اور تمام انصاری سرداروں سے بڑے تحمل سے خطاب کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے اس خطاب میں انصار کی قربانیوں کو سراہا، لیکن ساتھ ہی اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ نو مسلم بدو قبائل قریش کے علاوہ کسی اور قبیلے کے سردار کو ماننے سے انکار کر دیں گے اس لئے بہتر ہے کہ قریش ہی میں سے کسی ایک کو امیر اور سردار منتخب کیا جائے۔ اس تقریر پر انصاری سرداروں میں تذبذب کے آثار دیکھ کر حضرت ابوعبیدہؓ نے ان سے کہا کہ سب سے پہلے انصار ہی نے اسلام کی حمایت کی اور اب اسلام کی تباہی میں انہیں پہل نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے اپنی قوم کے سرداروں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ ہم نے خدا کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے قربانیاں دی ہیں اس لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم اپنی قربانیوں کے بدلے دنیا کے طلب گار ہوں۔ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قوم آپ ﷺ کی جانشینی کی زیادہ مستحق ہے۔

حضرت سعد انصاری کے اس خطاب کے بعد انصاری سرداروں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ

دونوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بعد میں تمام انصاری سرداروں نے بھی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد پیدا ہونے والا جانشینی کا اختلافی مسئلہ بحسن وخوبی حل ہوگیا۔

⇐ ابوبکر صدیق + صدیق اکبر + وفات محمد ﷺ۔

س ل

✽ سلام بن ابی الحقیق، ابورافع: رؤسائے بنو نضیر میں سے ایک رئیس۔ یہ شخص جنگ قریظہ میں حیّ بن اخطب کے قتل کے بعد اس کا جانشین مقرر ہوا تھا۔ سلام بہت بڑا تاجر تھا۔ اس نے قبیلہ غطفان اور اس کے آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں پر حملے کے لئے آمادہ کیا، لیکن ۶ ھ میں ایک خزرجی انصاری کے ہاتھوں اپنے قلعۂ خیبر میں سوتا ہوا مارا گیا۔ اس کے بعد یہودیوں نے اسیر بن رزام کو مسند ریاست پر بٹھایا۔

✽ سلطان الحدیث: معروف صحابی حضرت ابوہریرہؓ کا لقب۔ ⇐ ابوہریرہ۔

✽ سلع، جبل: ایک پہاڑی۔ مؤرخین کے مطابق غزوۂ خندق کے دوران جبل سلع ہی کے دامن میں نبی کریم ﷺ کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ خندق اس طرح سے نصف دائرے کی شکل میں کھودی گئی تھی کہ حرۃ واقم کے قریب سے شروع ہو کر جبل سلع کے شمالی اور مغربی دامن کے ساتھ ہوتی ہوئی مغرب کو چلی گئی تھی۔

✽ سلکان بن سلامہ: صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام سعد یا اسعد تھا۔ "سلکان" لقب تھا اور کنیت "ابونائلہ"۔ نسب نامہ یہ ہے: سلکان بن سلامہ بن وقش بن زغبہ بن زعورا ابن عبدالاشہل۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی اور اپنے رضاعی بھائی دشمن اسلام کعب بن اشرف یہودی کو خاص طور پر قتل کیا۔ اس کے بعد غزوات میں شریک ہوئے۔ ۱۴ھ میں معرکۂ جسر (جسر ابی عبید) میں لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

✽ سلمان فارسی: صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام "مابہ" تھا۔ کنیت ابوعبداللہ تھی۔ حضرت سلمان فارسی کے والد آتش پرست اور ایک آتش کدے کے منتظم تھے۔ ابتدا ہی سے حق کے متمنی تھے۔ اس لئے پہلے عیسائی مذہب قبول کیا، مگر عیسائی تعلیمات حاصل کرنے کے دوران ہی پتا چلا کہ ارض حجاز میں ایک رسول ﷺ تشریف لائیں گے تو رسول (ﷺ) کی تلاش میں حجاز آگئے۔ حجاز پہنچ کر ہر شخص کو غور سے دیکھتے کہ شاید ان میں کوئی نبی ہو۔ آخر کار ایک دن رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر ملی تو کچھ صدقے کی کھجوریں لے کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے یہ کھجوریں کھانے سے احتراز فرمایا تو حضرت سلمان فارسیؓ کو نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ایک نشانی مل گئی۔ دوسرے دن پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضور ﷺ کی خدمت میں کھجوریں پیش کیں۔ جب نبی کریم ﷺ کو اطمینان ہوا کہ یہ کھجوریں صدقے کی نہیں ہیں تو یہ کھجوریں آپ ﷺ نے تناول فرمالیں۔ پھر یکے بعد دیگرے حضرت سلمان نے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی میں نبوت کی دیگر علامات بھی تلاش کیں اور اطمینان ہونے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔

غزوۂ خندق میں حضرت سلمان فارسی کے مشورے پر مسلمانوں نے اپنے دفاع کے لئے خندق کھودی تھی۔ تقسیم کار کے وقت مہاجرین اور انصار صحابہ میں ایک دلچسپ بحث چھڑ گئی کہ حضرت سلمان فارسی انصار میں سے ہیں یا مہاجرین میں سے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بحث کا حال سنا تو فرمایا:

"سلمان من اهل بیت" (یعنی سلمانؓ میرے اہل بیت سے ہیں) غزوۂ خندق کے علاوہ حضرت سلمان فارسی ہر غزوہ میں نبی کریم ﷺ کے شریک رہے۔ ان کا عشق رسول ﷺ اور شوق جہاد دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جنت تین آدمیوں کا اشتیاق رکھتی ہے، علیؓ، عمارؓ، اور سلمانؓ کا۔" نبی کریم ﷺ نے ان کو "سلمان الخیر" کا لقب بھی عنایت فرمایا

تھا۔

رسول مقبول ﷺ کی رحلت کے بعد کافی عرصہ مدینہ میں رہے اور حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں عراق چلے گئے۔

حضرت سلمان فارسی نہایت متقی اور باعمل انسان تھے۔ قبیلہ کندہ میں شادی ہوئی تو دیکھا کہ بیوی کے ہاں دیواروں پر پردے لگے ہیں۔ فرمایا، کیا اس گھر کو بخار ہے کہ اسے ہوا سے بچنے کے لئے اس پر غلاف چڑھا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دروازے کے سوا تمام پردے انہوں نے اتار دیئے۔

حضرت سلمان فارسی سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔

٭ سلمہ بن اکوع: صحابی رسول ﷺ۔ نام سنان اور کنیت ابوایاس تھی۔ ۶ھ میں بیعت رضوان کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ نہایت ہی تیز تیر انداز تھے۔ ان کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ کے اونٹوں کو کفار چراہ گاہ سے لے کر فرار ہوگئے تو حضرت سلمہ بن اکوع نے اپنی مہارت سے تنہا ان کا مقابلہ کیا اور انہیں اونٹ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

۷۴ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا۔ ان سے ۸۰ کے لگ بھگ احادیث مروی ہیں۔

٭ سلمہ بن ہشام: صحابی رسول ﷺ۔ اگرچہ رشتے میں ابوجہل کے بھائی تھے، مگر ابتدا ہی میں اسلام لائے تھے۔ مکہ سے پہلے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ جب واپس آئے تو ابوجہل نے انہیں قید کر لیا اور طرح طرح کی تکالیف دیں۔ مدینہ طیبہ آکر نبی کریم ﷺ نے چند گرفتار کافر قیدیوں کے بدلے ان کو رہا کرایا۔ مدینہ آکر حضرت سلمہ بن ہشام کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ۱۴ھ میں مرج روم کے معرکے میں شہادت پائی۔

٭ سلیط بن عمرو: صحابی رسول ﷺ۔ اسلام کے ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ پہلے مکہ سے حبشہ اور پھر حبشہ سے مدینہ ہجرت کی۔ حضرت سلیط بن عمرو نے حضرت عمر کے دور میں جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔

٭ سلیمان ندوی، علامہ: مورخ، مصنف، عالم، علامہ شبلی نعمانی کے شاگرد خاص جنہوں نے علامہ شبلی کی عظیم اور معرکہ آرا تصنیف "سیرت النبی ﷺ" کے کام کو تکمیل تک پہنچایا۔

سید سلیمان ندوی ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو صوبہ بہار کے گاؤں دیسنہ (ضلع پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق علم دوست گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور مزید تعلیم کے لئے پھلواری شریف اور پھر بھنگہ تشریف لے گئے۔ ابتدا ہی سے اللہ نے زور قلم سے نوازا تھا۔ ۱۹۰۰ء میں ندوۃ العلما میں داخلہ لیا تو ندوہ کے مخصوص ماحول نے ان کی اس کی صلاحیت میں مزید نکھار پیدا کیا۔

۱۹۰۴ء میں جب شبلی نعمانی ندوۃ العلما کے معتمد بن کر آئے تو سید سلیمان ندوی نے ان کی شان میں عربی میں قصیدہ لکھا۔ علامہ شبلی یہ قصیدہ سن کر سلیمان ندوی کی قابلیت و اہلیت سے بہت محظوظ ہوئے۔ چنانچہ شبلی نعمانی نے ان پر خاص توجہ دی۔ جب شبلی نعمانی نے عربی میں رسالہ نکالا تو اس کی ذمے داری بھی سید سلیمان ندوی کے سپرد کی۔

۱۹۰۸ء میں سید سلیمان ندوی ندوۃ میں علم کلام اور عربی ادب کے استاد مقرر ہوئے۔

جون ۱۹۵۰ء میں پاکستان بھی تشریف لائے اور جامعہ کراچی کی سینٹ اور پاکستان ہسٹاریکل کانفرنس کے رکن رہے۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ادارۂ تعلیمات اسلام کا جو بورڈ قائم کیا تھا، اس کے صدر بھی رہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کا سب سے بڑا اور ناقابل فراموش کارنامہ اپنے استاد کی چھ جلدوں پر مشتمل "سیرت النبی ﷺ" کی تکمیل ہے۔ اپنے استاد کے کام کو جس عقیدت اور توجہ سے انہوں نے مکمل کیا وہ سلیمان ندوی جیسے شاگرد ہی کا خاصا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے بارے میں وہ "سیرت النبی ﷺ" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"نومبر ۱۹۱۴ء میں مصنف (علامہ شبلی نعمانی) کی وفات کے بعد جب سیرت کا مسودہ مصنف کی وصیت کے مطابق اس ہیچمدان کے ہاتھ آیا تو اس عقیدت کی بنا پر جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہونی

چاہئے، استاد کے مسودہ پر انگلی رکھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا۔ اگر کبھی بہ ضرورت ایسی گستاخی کرنی پڑتی تھی تو خواب میں بھی ڈر جاتا تھا۔ مسودہ کا مبیضہ مصنف کے سامنے ہو چکا تھا اس لئے اس مبیضہ کا مقابلہ مسودہ سے اور نہ مسودہ کا مقابلہ اصل ماخذوں سے میں نے کیا بلکہ مصنف کی امانت جوں کی توں ناظرین کے سپرد کردی۔ بجز اس کے کہ بعض مقامات پر مصنف کے اشاروں کے مطابق بعض چیزوں کا اضافہ ہلالین میں کردیا، جس کی تصریح دیباچہ میں موجود ہے۔

اس کے بعد اس نسخہ کی نقل در نقل چھپتی رہی اور مقابلہ اور تصحیح ماخذ کی ضرورت نہیں سمجھی، لیکن اس اثنا میں کبھی کبھی مراجعت کے وقت بعض مقاموں پر تصحیح اور اضافہ کی نئی ضرورت محسوس ہوتی رہی اور اس کے مطابق ایک نسخہ پر یہ تصحیحات اور اضافے وقتاً فوقتاً کرتا رہا۔

اس دفعہ جب نئے نسخے کے چھاپنے کی ضرورت ہوئی تو خیال آیا کہ اس کتاب کے مسودے کو اصل ماخذوں سے ملا کر دیکھا جائے اور مقابلہ اور مطابقت کی جائے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ بیسیوں کتابوں کو پھر سے دیکھنا اور ہزاروں صفحوں کو الٹنا، متعدد مختلف روایتوں کو پرکھنا اور ضرورت کے مقام پر حاشیے لکھنا خود ایک مستقل تصنیف کے برابر محنت تھی۔

کچھ مقامات ایسے بھی تھے جہاں اس ہیچمدان جامع کو مصنف کے نظریے سے اختلاف تھا۔ اس دفعہ وہاں حاشیئے بڑھا کر اختلاف کو ظاہر کردیا۔ کہیں کسی واقعے کے اجمال کی تفصیل یا دفع شبہ کی ضرورت تھی وہاں اس ضرورت کو پورا کیا گیا۔ بعض مسامحات پر تنبیہ مناسب تھی وہ کی گئی۔ کہیں فروتر ماخذ کا حوالہ تھا اور اثنائے مطالعے میں اس سے بالاتر ماخذ ملا تو اس کا حوالہ دے دیا گیا۔

یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ دو چار مقام میں عدد کی غلطی جو اردو ہندسوں میں اکثر ہوجاتی ہے اصل مبیضہ میں بھی موجود تھی۔ مراجعت کے وقت ان کی غلطی معلوم ہوئی اور اب ان کی تصحیح کردی گئی۔ مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سوا روپیہ چھپ گئی تھی حال آنکہ وہ سوا سو ہے۔ اسی طرح غزوۂ احزاب میں کفار کے لشکر کی تعداد ۲۴ ہزار درج ہوئی تھی، حال آنکہ وہ بعض روایت میں ۱۴ ہزار لیکن صحیح روایات میں دس ہزار ہے۔

مولانا کی زندگی میں اس کی تصنیف کے وقت ان کو بعض کتابیں قلمی ملی تھیں جیسے روز الانف جس سے پورا استفادہ وقت طلب تھا، اب وہ چھپ گئی ہے۔ بعض کتابوں کی ان کو تلاش ہی رہی مگر ان کو مل نہ سکیں جیسے کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ مصنف رحمہ اللہ سے اکثر حسرت کے ساتھ سنا کہ افسوس تاریخ ابن کثیر نہیں ملتی، وہ مل جاتی تو ساری مشکلیں حل ہوجاتیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب وہ چھپ کر عام ہوگئی۔ مستدرک حاکم اس وقت ناپید تھی اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی۔ غرض ان کتابوں کے ہاتھ آجانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے۔ چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ میں ان سے کام لیا گیا۔

اس نسخے کی تیاری میں جن خاص باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں:

❶ پوری کتاب کے واقعات کو از سرِ نو حدیث و سیر کی کتابوں سے ملا کر دیکھا گیا ہے اور اس میں جہاں نقص نظر آیا دور کیا گیا ہے۔

❷ تصحیح بیان، دفع شبہ، رفع ابہام اور تشریح کے لئے بہت سے توضیحی حواشی بڑھائے گئے ہیں۔

❸ مصنف کا کوئی بیان اگر نقد اور تنبیہ کے قابل معلوم ہوا تو اس پر نقد اور تنبیہ کی گئی ہے۔

❹ کہیں کہیں حوالے چھوٹ گئے تھے اس نسخہ میں ان کو بڑھا دیا گیا ہے۔ کہیں صرف کتابوں کے نام تھے اس دفعہ ان کے صفحے یا باب بھی لکھ دئے گئے ہیں۔

❺ جہاں صرف صفحوں کے حوالے تھے، ابواب اور فصول کے حوالے بھی دے دئے گئے تاکہ جس کے پاس ماخذ کی کتاب کا جو اڈیشن ہو اس میں نکال کر دیکھ لیا جاسکے۔

❻ طبع اول کے بعد سے سیرت یا حدیث کی جو نئی کتابیں چھپی تھیں ان سے استفادہ کر کے اگر کوئی نئی بات ان میں ملی ہے تو اس کا اضافہ کیا گیا۔

❼ اگر کوئی حوالہ پہلے کسی نیچے درجے کا تھا اور بعد کو اس سے اعلیٰ درجے کا حوالہ ملا تو اس کو بڑھایا گیا۔

۸ حضور انور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ صلعم کے اختصار کے بجائے پورا "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے کا اہتمام کیا گیا تاکہ اس تساہل سے درود پڑھنے کی برکت سے ناظرین کو محرومی نہ ہو۔

"سیرت النبی ﷺ" کے علاوہ "تاریخ ارض القرآن"، "سیرت عائشہ صدیقہ"، "خطبات مدراس" وغیرہ ان کی معروف تحقیقی کتب میں شمار ہوتی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی کا انتقال ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو ہوا۔ ان کا علمی سرمایہ امت مسلمہ کے لئے صدیوں رہ نمائی کا کام انجام دے گا۔

⇐ سیرت النبی ﷺ + شبلی نعمانی۔

س م

*** سمرہ بن جندب:** صحابی رسول ﷺ۔ والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ والدہ کے ساتھ ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے تاہم اپنی کم عمری کی وجہ سے ابتدائی غزوات میں شریک نہ ہو سکے۔ بعد میں تمام غزوات میں حصہ لیا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کر لی۔ ۵۰ھ میں کوفہ کے حاکم زیاد بن سمیہ نے انہیں اپنا نائب مقرر کر لیا۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں خوارج کے فتنے کو دبانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بعد میں بصرہ کے حاکم بنائے گئے۔ حضرت سمرہ بن جندب کے متعلق نبی کریم ﷺ نے آگ میں گر کر مرنے کی پیشین گوئی کی تھی۔ ایک دفعہ انہیں سخت سردی لگی تو ایک دیگ کھولتے ہوئے پانی کی بھروائی اور اس پر بیٹھ گئے کہ کچھ افاقہ ہو۔ لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ اس دیگ میں گر گئے اور وفات پائی۔

*** سمیہ رضؓ:** صحابیہ، اسلام کی پہلی شہید۔ حضرت عمارؓ بن یاسر کی والدہ تھیں۔ ابتدائے اسلام ہی میں اسلام لے آئی تھیں اس لئے بے انتہا ظلم سہے۔ حضرت سمیہ، ابو حذیفہ بن مغیرہ مخذومی کی کنیز تھیں۔ ان کا نکاح ابو حذیفہ کے حلیف یاسر سے ہوا۔ جب حضرت عمار پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے انہیں آزاد کر دیا۔ ابو جہل نے ایک بار غصے میں آکر ایسا برچھا مارا کہ شرم گاہ میں لگا جس کی وجہ سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔

س ن

*** سُنّت:** طریقہ، چلن۔ اسلامی اصطلاح میں وہ طریقہ جس پر نبی کریم ﷺ عمل پیرا رہے۔ ویسے اللہ تبارک و تعالیٰ کے طریقے کے لئے "سنۃ اللہ" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ حدیث کو سُنّت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے نبی کریم ﷺ کے طریقے کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ ⇐ حدیث + بدعت + سیرت نبوی ﷺ۔

*** سنجاق شریف:** نبی کریم ﷺ کا علم مبارک۔ اس علم کی لمبائی ۱۲ فیٹ ہے جس پر ایک مکعب شکل کا چاندی کا خول ہے جس میں قرآن مجید کا ایک نسخہ رکھا ہوا ہے۔ اس قرآن مجید کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے حضرت عثمان نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔ اس علم (جھنڈے) پر ایک اور "رایت" (جھنڈا) لپٹا ہوا ہے۔ اس رایت کو حضرت عمر فاروق کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس علم پر تافتے کے بنے ہوئے چالیس غلاف چڑھائے گئے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک سبز رنگ کے غلاف میں لپٹا ہوا ہے۔ ان تمام غلافوں کے اندر حضرت عمر کا ایک چھوٹا سا قرآن مجید بھی ہے۔ اس علم میں خانۂ کعبہ کی ایک نقرئی کنجی بھی لپٹی ہوئی ہے۔ یہ کنجی شریف مکہ نے سلطان سلیم اول کو ہدیہ کی تھی۔ آج کل یہ علم مبارک استنبول (قسطنطنیہ) میں رکھا ہوا ہے۔

*** سند:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ اس فن کے ذریعے کسی حدیث کے مستند ہونے کا معیار قائم کیا جاتا ہے اور اس کے مطابق ماہرین علم حدیث کسی حدیث کی درجہ بندی کرتے ہیں۔ سند کے اعتبار سے احادیث کی کم از کم دو قسمیں ہوتی ہیں: متواتر اور آحاد۔ پھر ان دو بنیادی قسموں کی بھی مزید ذیلی قسمیں ہیں۔ ⇐ آحاد + اسناد + حدیث + اسماء الرجال۔

سند متصل: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ علم حدیث میں سند متصل وہ ہے کہ کسی حدیث سے متعلق تمام راوی شروع سے نبی کریم ﷺ تک معلوم ہوں۔ اسماء الرجال + اسناد + حدیث۔

سند منقطع: علم حدیث کی اصطلاح۔ علم حدیث میں سند منقطع وہ ہے کہ کسی حدیث میں شروع سے نبی کریم ﷺ تک کہیں بھی اس حدیث کے راویوں میں سے کسی راوی کے بارے میں معلوم نہ ہو۔ اور راویوں کا سلسلہ بیچ میں منقطع ہو کر ٹوٹ گیا ہو۔ ⇦ اسماء الرجال + اسناد + حدیث۔

سنن: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ یہ اصطلاح آپ نے حدیث کے مجموعوں کے ساتھ دیکھی ہوگی جیسے سنن ابوداؤد اور سنن نسائی وغیرہ۔ سنن کی وضاحت کے لئے یہ بھی جان لیجئے کہ سب سے پہلے حدیث کے جو مجموعے مرتب ہوئے ان کی ترتیب فقہ کے مطابق رکھی گئی تھی مثلاً "کتاب الطہارۃ" لکھ کر ایک عنوان مقرر کر دیا گیا۔ پھر طہارت سے متعلق جتنی احادیث تھیں، انہیں جمع کر دیا گیا۔ اس کے برخلاف بعض علما نے احادیث کی تدوین، احادیث کے راویوں کے ناموں کے تحت کی مثلاً ابوہریرہؓ سے منقول جتنی روایتیں ہیں خواہ وہ کسی بھی موضوع سے متعلق ہوں، ایک جگہ جمع کر دیا۔

پہلی قسم (موضوع کے لحاظ سے) کی کتب حدیث کو علمائے فن کی اصطلاح میں "کتاب السنن" کہتے ہیں۔ جب کہ دوسری قسم (راویوں کی ترتیب کے لحاظ سے) کی کتب حدیث کو "مسند" کہتے ہیں۔

اس نوع کو بالکل ابتدا میں "ابواب" کہتے تھے، بعد میں اس کا نام تبدیل ہو کر "مصنف" ہو گیا اور آخر میں اس کو "سنن" کہا جانے لگا۔ اس نوع کی سب سے پہلی کتاب امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت عامر بن شراحیل الشعبیؒ نے لکھی جو "ابواب الشعبی" کے نام سے مشہور ہے۔

صحاح ستہ میں نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ سنن ہیں۔ چنانچہ "سنن اربعہ" کا لفظ بول کر یہی چار کتب مراد لی جاتی ہیں۔ سنن اربعہ کے علاوہ سنن بیہقی، سنن دارمی، سنن دارقطنی اور سنن سعید بن منصور اس نوع کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ سنن ابن جریج اور سنن وکیع بن الجراح اس نوع کی قدیم کتابیں ہیں۔ نیز مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ بھی اسی نوع میں شامل ہیں۔ بعض حضرات مکحول کی کتاب السنن کو بھی اسی میں شمار کرتے ہیں۔
⇦ حدیث۔

سنی: اہل سُنّت والجماعت سے تعلق رکھنے والا۔

س و

سواع: عرب کا ایک مشہور بت جس کی پرستش قبیلہ ہذیل کے لوگ کرتے تھے۔

سودہ بنت زمعہ: ام المؤمنین، نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا، لیکن جب حضرت خدیجہ کا انتقال ۶۵ برس کی عمر ہو گیا تو آپ ﷺ تنہائی اور گھریلو کام کاج کی ذمے داریوں کی وجہ سے پریشان اور فکر مند رہنے لگے۔ چنانچہ آپ ﷺ تن تنہا گھر کا تمام کام کرتے، برتن مانجھتے، کپڑے دھوتے، بچوں کو سنبھالتے۔

ایک دفعہ عثمان بن مظعون کی اہلیہ خولہ بنت حکیم نے نبی کریم ﷺ کو اس طرح دیکھا تو انہیں نبی کریم ﷺ کے عقد ثانی کی فکر ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس سلسلے میں آپ ﷺ کی رائے مانگی۔ نبی کریم ﷺ نے جب ہامی بھری تو خولہ بنت حکیم نے سودہ بنت زمعہ کی طرف اشارہ کیا جو خود بھی بیوہ تھیں۔ آپ ﷺ نے اس رشتے کو پسند فرمایا۔ چنانچہ خولہ بنت حکیم، حضرت سودہ کے والد زمعہ بن قیس کے پاس گئیں اور ان سے یہ معاملہ بیان کیا۔ حضرت سودہ کے والد کو یہ جان کر خوشی ہوئی۔ حضرت سودہ نے بھی اس سلسلے میں اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اس وقت حضرت سودہ کی عمر ۵۵ سال

تھی۔ یہ رمضان المبارک دس نبوی کا واقعہ ہے۔

حضرت عائشہ سے نکاح بھی قریب قریب ہوا، اس لئے بعض مورخین کے درمیان اختلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ کا نکاح پہلے حضرت عائشہؓ سے ہوا یا حضرت سودہؓ سے!

حضرت سودہ کا قد ذرا نکلتا ہوا اور جسم بھاری تھا۔ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم ازواج میں سے پہلے کس کی وفات ہوگی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حضرت سودہ نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا تو جو نسبتاً لمبے تھے تو گمان ہوا کہ شاید انہی کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن جب حضرت زینب کی وفات ہوئی تو یہ جملہ سمجھ میں آیا کہ لمبے ہاتھ سے آنحضور ﷺ کی مراد سخاوت تھی۔

علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ میں حضرت سودہ کا سن وفات لکھا ہے۔

حضرت سودہ کے آنحضور ﷺ سے نکاح کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی البتہ پہلے شوہر سے ایک بیٹا عبدالرحمٰن ہوا۔

حضرت سودہ سے پانچ احادیث روایت کی جاتی ہیں۔

حضرت سودہ مزاجاً ہنس مکھ تھیں، مگر انہیں غصہ بھی جلد آجاتا تھا۔ پردے کے حکم کے حوالے سے بھی حضرت سودہ کا حوالہ ملتا ہے۔ دراصل قدیم عرب میں عورتیں حوائج ضروریہ کے لئے آبادی سے باہر جایا کرتی تھیں (جیسا کہ پاکستان کے دور دراز کے گاؤں دیہات میں آج بھی رواج ہے) اور یہ طریقہ حضرت عمر کو پسند نہیں تھا۔ ابھی تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ ایک روز حضرت عمر نے حضرت سودہ کو باہر جاتے دیکھا اور پہچان لیا اور آواز دی، کیا یہ تم ہو سودہ؟ یہ بات حضرت سودہ کو بری لگی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا۔ اس کے بعد عورتوں کے لئے پردے کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

٭سوید بن صامت: سوید بن صامت مدینہ کے امراء میں سے تھے۔ شجاعت اور ہمت کی وجہ سے ''کامل'' کا لقب مل گیا تھا۔ ایک مرتبہ مکہ کی زیارت کے لئے تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ سوید بن صامت نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ جو چیز آپ ﷺ کے پاس ہے، شاید میرے پاس بھی ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ سوید نے جواب دیا کہ حکمت لقمان! سوید نے جب حضرت لقمان کے چند قول سنائے تو نبی کریم ﷺ نے تعریف کی اور فرمایا کہ جو چیز میرے پاس ہے وہ اس سے بھی بہتر ہے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے سوید کو قرآن پاک کی چند آیات سنائیں۔ سوید نے اس کلام پاک کی تعریف تو کی، لیکن اسلام قبول نہ کیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ جب خزرجیوں نے اسے قتل کیا تو وہ مسلمان ہو چکے تھے۔

٭سویق، غزوہ: غزوہ جو غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہوا۔ غزوۂ سویق کا پس منظر یہ ہے کہ جب غزوۂ بدر میں کفار قریش کو شکست ہوئی تو ابوسفیان نے منت مانی تھی کہ جب تک وہ مقتولان بدر کا بدلہ نہیں لے گا، اس وقت تک نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ ابوسفیان یہ منت پوری کرنے کے لئے دو ہجری میں دو سو اونٹ سواروں کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے آیا۔ راستے میں وہ اس امید سے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں یہودی اس کا ساتھ دیں گے، یہودی سردار حیی بن اخطب کے پاس گیا۔ حیی بن اخطب سے مایوس ہو کر اس نے سلام بن مشکم سے ملاقات کی۔ سلام نے اس کی خاطر تواضع کی اور اہم راز بتائے۔ یہاں سے ابوسفیان مدینہ سے تین میل دور ''عریض'' پر حملہ آور ہوا، ایک انصاری صحابی سعد بن عمرو کو شہید کیا، چند مکانات اور گھاس پھوس جلائی۔

نبی کریم ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کا تعاقب کیا۔ ابوسفیان کا لشکر پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ کفار کے پاس ستو تھا جو راستے میں پھینکتا ہوا بھاگا جسے مسلمانوں نے حاصل کر لیا۔ ستو کو عربی میں سویق کہتے ہیں، اس لئے اس لڑائی کو ''غزوۂ سویق'' کہتے ہیں۔

س ہ

٭سہیل بن حنیف: صحابی رسول ﷺ۔ مدینہ کے رہنے

والے تھے، لیکن ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ نہایت خوب صورت تھے۔ کنیت ابوسعد تھی۔ حضرت سہیل ان چند صحابہ میں سے تھے جو غزوۂ احد میں آنحضور ﷺ کی حفاظت کے لئے جمے رہے۔

*** سہیل بن عمرو:** صحابیِ رسول ﷺ۔ ابتدا میں ابوجہل، ابولہب، عتبہ و امیہ بن خلف کی طرح اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ نہایت پر اثر تقریر کیا کرتے تھے، اس لئے "خطیب قریش" کے لقب سے معروف تھے۔ اپنی اس صلاحیت کو اسلام کے خلاف خوب استعمال کیا۔

لیکن خدا کی قدرت کہ اسلام کے اس قدر شدید دشمن ہونے کے باوجود ان کے دو بیٹے ابوجندلؓ اور عبداللہؓ نے ابتدائے اسلام ہی میں دعوت حق کو قبول کر لیا اور سہیل بن عمرو کی دو بیٹیوں نے بھی اپنے شوہروں حضرت ابوحذیفہؓ اور ابوسبرہ بن ابی رہم کے ساتھ آنحضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ لکھتے ہوئے لفظ "رسول" پر بھی سہیل بن عمرو ہی نے اعتراض کیا تھا۔

رمضان ۸ھ میں نبی کریم ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ اس موقع پر صرف ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا، جس میں سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل، اور صفوان بن امیہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے بنی بکر، بنی حارث اور ہذیل وغیرہ کے بہت سے متعصب مشرکین کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے اس دستۂ فوج کی مزاحمت کی جو حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں مکہ میں داخل ہو رہا تھا۔ مسلمانوں نے آناً فاناً مشرکین کے پرخچے اڑا کر رکھ دئے اور وہ اپنے بہت سے آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔ سہیل بھاگ کر اپنے گھر کے اندر جا چھپے۔ اس وقت ان کی جو کیفیت تھی اس کو بعد میں انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا:

"رسول اللہ ﷺ کے مکہ میں داخل ہوتے وقت مجھ پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ میں گھر میں دبک گیا اور اپنے فرزند ابوجندل کو بلا کر کہا کہ اے لخت جگر جس طرح بن پڑے محمد (ﷺ) سے سفارش کر کے میری جاں بخشی کراؤ۔"

حضرت ابوجندلؓ نے باپ کے ہاتھوں بڑی سختیاں جھیلی تھیں لیکن اس موقعے پر وہ سب کچھ بھول گئے اور انہوں نے باپ کو بچانے کی ہامی بھرلی۔ وہاں سے سیدھے رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ یارسول اللہ میرے والد کو امان مرحمت فرمائیے۔ حضور ﷺ ابوجندلؓ کی قربانیوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ بلا تامل ان کی سفارش مان لی اور فرمایا:

"سہیل خدا کی امان میں ہے۔ وہ کسی خوف و خطر کے بغیر گھر سے نکلے۔ کسی مسلمان کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کو گزند پہنچائے۔ میری عمر کی قسم، سہیل صاحب عقل و شرف ہے۔ ایسا شخص نعمت اسلام سے محروم نہیں رہ سکتا۔"

ابوجندلؓ خوش خوش والد کے پاس واپس گئے اور انہیں حضور ﷺ کے ارشاد سے آگاہ کیا۔ وہ بے اختیار پکار اٹھے:

"خدا کی قسم! محمد ﷺ بچپن میں بھی نیک تھے اور بڑی عمر میں بھی نیک ہیں۔"

یہ مستدرک حاکم کی روایت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دن جب تمام اہل مکہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو حضور ﷺ نے خطبے کے بعد ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے ارباب قریش! آج تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟"

اس موقع پر سہیلؓ قریش کی ترجمانی کے لئے آگے بڑھے اور یوں عرض پیرا ہوئے:

"آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادر زادے ہیں، ہمیں آپ سے بھلائی ہی کی امید ہے۔"

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

"اے برادران قریش! میں آپ لوگوں سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: لا تثریب علیکم الیوم (آج تم لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے) جائیے آپ سب آزاد ہیں۔"

سہیل بن عمرو رحمت عالم ﷺ کی شان کرم دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ چند دن بعد جب حضور ﷺ غزوۂ حنین سے واپس تشریف لا

رہے تھے تو وہ جعرانہ کے مقام پر دربار رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ رحمت عالم ﷺ نے انہیں تالیف قلب کے طور پر اموال ہوازن میں سے سو اونٹ مرحمت فرمائے۔ بس اسی دن سے وہ اپنے دل و جان رسول عربی ﷺ پر نثار کر بیٹھے اور زندگی کی آخری سانس تک سابقہ لغزشوں کی تلافی میں مصروف رہے۔

قبول اسلام کے بعد حضرت سہیلؓ بن عمرو کی زندگی میں یکسر انقلاب آگیا۔ وہ نہایت کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور اپنا مال بے دریغ راہ حق میں لٹاتے تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ رؤسائے قریش جو سب سے آخر میں اسلام لائے ان میں سہیلؓ بن عمرو سب سے زیادہ نمازیں پڑھنے والے تھے کہ کثرت ریاضت سے ان کا بدن سوکھ گیا تھا اور رنگ سنولا گیا تھا۔ اپنے گزشتہ اعمال کو یاد کر کے بہت رویا کرتے تھے بالخصوص جب قرآن سنتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ غرض اسلام لانے کے بعد وہ ایک مثالی مرد مؤمن بن گئے تھے۔ سرور کونین رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کے مہیب فتنے نے سارے عرب میں قیامت برپا کر دی، سہیلؓ کے قدم ایک لحہ کے لئے بھی نہیں ڈگمگائے بلکہ انہوں نے اس پر آشوب زمانے میں ایسی استقامت اور جرأت کا مظاہرہ کیا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ قریش مکہ کو راہ راست پر رکھنا ان کا ایسا عظیم کارنامہ ہے کہ ان کو بلا تامل محسنین اسلام کی صف میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ فتنۂ ارتداد کے فرو کرنے میں نہ صرف حضرت سہیلؓ بلکہ ان کے سارے گھرانے نے جانبازانہ کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں سب سے خون ریز جنگ مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے مقام پر لڑی گئی۔ حضرت سہیلؓ کے بڑے صاحبزادے عبداللہؓ جنگ یمامہ میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حج کے لئے مکہ گئے تو تعزیت کے لئے حضرت سہیلؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضرت سہیلؓ نے فرمایا:

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ شہید قیامت کے دن اپنے خاندان کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔ مجھ کو امید ہے کہ عبداللہ سب سے پہلے میری شفاعت کرے گا۔"

⇐ صحابی + مسیلمہ کذاب + ابوبکر صدیق + فتح مکہ۔

س ی

❊ سید: سردار، حاکم۔ نبی کریم ﷺ کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں آنحضور ﷺ کی اولاد کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

❊ سیرت نبوی ﷺ: نبی کریم ﷺ کے حالات زندگی۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں کتابوں کی یہ ایک قسم ہے۔ نبی کریم کی سوانح آپ ﷺ کے وصال کے بعد تحریر کی گئیں۔ سب سے پہلے عروہ بن زبیر وغیرہ نے اس قسم کی کتب لکھیں۔

اس موضوع پر مولانا سید محبوب حسن واسطی نے ایک مفصل مضمون تحریر کیا ہے۔ یہ مضمون اپنی جگہ پر مکمل اور جامع ہے۔

لغوی تحقیق

لفظ سیرت اسم ہے اور فعل سار یسیر (باب ضرب یضرب) بہ معنی، چلنا، جانا، سفر کرنا سے نکلا ہے۔ قرآن مجید میں فعل ماضی سار کا استعمال سورۂ قصص میں اس طرح آیا ہے: **فلما قضی موسی الاجل و سار باھلہ انس من جانب الطور نارا** (سورۂ قصص، ۲۹)

"غرض جب موسیٰ اس مدت کو پوری کر چکے اور (بہ اجازت شعیب علیہ السلام کے) اپنی بی بی کو لے کر (مصر یا شام کو) روانہ ہوئے تو ان کو کوہ طور کی طرف سے ایک (روشنی بہ شکل) آگ دکھائی دی۔"

فعل مضارع یسیروا کا استعمال قرآن مجید میں سورۂ روم میں اس طرح آیا ہے: **اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوة** ۝ (سورۂ روم، ۹)

"کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں، جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ وہ ان سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے۔"

ساریسیر کا مصدر عربی میں پانچ طرح آیا ہے: سیرا، تسیارا، مسیرا مسیرۃ اور سیرورۃ

مصدر کے سیرا کا استعمال سورۂ طور میں قیامت کے سلسلے میں اس طرح آیا ہے:

و تسیر الجبال سیرا ۞ (سورۂ طور، ۱۰)

"اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔"

فعل "سار" کو جب لفظ "السنة" کے ساتھ استعمال کریں مثلاً کہیں "سار السنة" تو اس کے معنی ہوتے ہیں سلکھا و عمل بھا (وہ اس کے طریقے پر چلا اور عمل کیا) مثلاً عربوں کا یہ قول اول راضی سنة من یسیرھا (کسی طریقے پر راضی ہونے والا پہلا وہ شخص ہے جو اس پر عمل کرے)۔ اسی طرح جب عربی محاورے میں کہتے ہیں سیر عنک جو در حقیقت مخفف ہے سر ودع عنک الشک و المراء کا جس کے معنی ہوتے ہیں "چل! شک اور جھگڑا چھوڑ اور درگزر کر!" اسی طرح کہتے ہیں استار استیارا بسیرۃ فلان جس کے معنی ہیں مشٰی علی خطتہ و استن بسنة یعنی وہ اس کے نقش قدم پر چلا اور اس نے اس کا طریقہ اپنایا۔

تو جب فعل "ساریسیر" کے معنی ہوئے چلنا تو جو اسم (یعنی لفظ سیرت) اس سے نکلا اس کے معنی ہوئے چال چلن، طرز زندگی، کردار، طریقہ، عادت، ہیبت، حالت، سوانح حیات، کسی شخص کے لوگوں کے ساتھ سلوک کی کیفیت۔

چنانچہ کسی شخص کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: ھو حسن السیرۃ (وہ اچھی عادات و کردار کا حامل ہے) یعنی لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا ہے۔ اسی سے عربی کی یہ مثل چلی من طابت سریرتہ، حمدت سیرتہ (جس کا باطن اچھا اور نیت اچھی۔ اس کا سلوک اچھا اس کی سیرت اچھی)۔ قرآن مجید میں لفظ "سیرت"، بمعنی ہیبت سورۂ طٰہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اس طرح آیا ہے کہ جب ان کا عصا معجزہ کے طور پر دوڑتا ہوا سانپ بن گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسے ہاتھ میں لیتے ہوئے قدرے خوف محسوس ہوا تو ان سے ارشاد ربانی ہوا: خذھا و لا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولی ۞۔ (سورۂ طٰہ، ۲۱)

"اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں۔ ہم اس کو بھی اس کی پہلی سیرت (ہیبت و حالت) پر کر دیں گے۔"

اصطلاحی و معروف معنی

مصدر "سیرا" اور اسم "سیرت" کے بالترتیب لغوی معنی چلنا اور چال چلن کے ہیں۔ اصطلاحی و معروف معنی طرز عمل، طریقہ، معاملہ، کردار، صلح و جنگ کے متعلق اسلام کا مخصوص طریقہ، غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کا بین الاقوامی قانون اور پھر سیرت بمعنی سوانح حیات کی طرف انتقال معنی مختلف مراحل میں ہوا۔

ابتدا میں "سیرا" سے مراد السیر الی الغزو (اسلامی فوج کا جنگ کے لئے جانا) ہوتا تھا۔ چنانچہ اسلامی غزوات اور جنگوں کے بیان کے لئے جو کتابیں لکھی جاتی تھیں انہیں کتاب المغازی یا کتاب السیر (س پر زیر اور ی پر زبر۔ سیرت کی جمع) کا نام دیا جاتا تھا۔ حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)، محمد بن اسحٰق (م ۱۵۱ھ) اور عمر بن راشد الازدی (م ۱۵۲ھ) کی کتاب المغازی اور بعد کے دور میں محمد بن عمر الواقدی کی کتاب التاریخ والمغازی، ابن عبدالبر کی الدرر فی اختصار المغازی والسیر اور سلیمان بن موسیٰ الکلاعی الاندلسی کی الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ، سیرت کی ایسی ہی چند کتابیں ہیں جن میں حضور ﷺ کے غزوات کا تفصیلی بیان ہے۔

بعد کے ادوار میں لفظ سیرت کے مفہوم میں قدرے توسیع ہوئی اور سیرت کی کتابوں میں امام وقت کا غازیوں، اسلامی فوج اور دشمن فوج کے ساتھ مختلف سلوک اور ان سے مختلف معاملات کا بیان کیا جانا شروع ہوا (سیر الامام و معاملاتہ مع الغزاۃ والانصار والکفار)۔ دوران جنگ دشمن کے مختلف طبقوں مثلاً کافر، باغی، طالب امن (مستامن)، مرتد، ذمی وغیرہ کے ساتھ مختلف نوعیت کے سلوک کے بیان کے لئے لفظ "سیرت" استعمال کیا جانے لگا۔ حافظ عبدالمومن الدمیاطی کی سیرت دمیاطی، شیخ ظہیر الدین گازرونی کی سیرت گازرونی، علامہ مغلطائی کی سیرت مغلطائی اور ابن عبدالبر

الاندلسی کی سیرت ابن عبدالبر اس کی چند مثالیں ہیں۔ اہل فقہ نے اس کے مفہوم میں کچھ تبدیلی کر کے لفظ سیرت بین الاقوامی قانون کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے کتاب السیر الکبیر اسی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھی۔ یعنی جنگ و صلح میں مسلمانوں کا دیگر اقوام و ملل کے ساتھ معاملہ وطریقہ۔ بعض محدثین نے مخصوص مضامین سیرت کو شمائل و خصائل کے نام سے ترتیب دیا اور حضور ﷺ کے سراپا، حالات و عادات اور کریمانہ اخلاق کی حد تک سیرت کے مضامین کو مخصوص کر دیا۔ محمد بن عیسی الترمذی (صاحب ترمذی شریف) کی الشمائل النبویہ والخصائل المصطفویہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔

"اخیرًا" سیرت کے مفہوم میں مزید توسیع ہوئی اور یہ کسی اہم تاریخ ہستی کے کارناموں اور اس کی سوانح حیات کے لئے استعمال ہونے لگا جس میں اس اہم ہستی کے ذاتی حالات اس کے عادات و خصائل، اس کا معاشرتی، معاشی، علمی یا سیاسی مقام، اس کی تعلیمات کے مثبت اثرات اور ان کے نتیجہ میں ظہور پذیر معاشی، معاشرتی یا سیاسی تبدیلیاں وغیرہ جملہ اُمور پر روشنی ڈالی جانے لگی۔ شبلی نعمانی کی "سیرت المصطفیٰ ﷺ" حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی سیرت ابوبکر صدیقؓ، قاضی سراج الدین احمد کی "سیرت فاروق" سید سلیمان ندوی کی "سیرت عائشہؓ"، عبدالسلام ندوی کی "سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ" شاہ معین الدین احمد ندوی کی "سیر الصحابہؓ"، سعید انصاری کی "سیر الصحابیاتؓ" قاضی اطہر مبارک پوری کی "سیرت ائمہ اربعہ" اور طالب ہاشمی کی "سیرت سعد بن ابی وقاصؓ" اس کی چند مثالیں ہیں۔

سیرت اور قرآن مجید

قرآن کریم محض سیرت کی کتاب نہیں ہے۔ اس میں سیرت کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے۔ محققین نے بطور نص بیان کردہ قرآنی مطالب و معانی کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں:

❶ علم احکام: عبادات، معاملات، خانگی نظم و نسق، ملکی و انتظامی امور میں جو چیزیں حلال، حرام، فرض، واجب، مندوب، مباح، یا مکروح ہیں ان کا بیان۔ حضرات فقہانے اسے اپنی علمی و تحقیقی کاوشوں کا محور بنایا ہے۔

❷ علم مخاصمہ: غیر مسلم گمراہ فرقوں میں خصوصًا یہود و نصاریٰ اور منافقین و مشرکین کے عقائد کا بطلان اور ان فرقوں سے مخاصمہ، حضرات متکلمین نے اسے اپنی علمی مساعی کی جولان گاہ بنایا ہے۔

❸ علم تذکیر بایام اللہ: حضرات انبیا علیہم السلام، اولیائے کرام اور نیک لوگوں کے قصے اور ان پر انعامات الٰہی کا ذکر۔ نیز نافرمان بندوں کے تذکرے، ان کی سزاؤں اور ان پر عذاب الٰہی کا ذکر۔ اہل سیر نے ایسی آیات کو خصوصیت سے اپنا موضوع بنایا ہے۔

❹ علم تذکیر بالموت: موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا علم، حشر نشر، جنّت و دوزخ، حساب کتاب اور میزان عدل وغیرہ کا ذکر۔ یہ ذاکرین کا خصوصی شعبہ ہے۔

❺ علم تذکیر بالاء اللہ: اللہ پاک کی نعمتوں، تخلیق ارض و سما اور عنایات باری تعالیٰ کا ذکر۔ یہ واعظین کی خصوصی دلچسپی کا شعبہ ہے۔

اس طرح سیرت منصوص قرآنی شعبہ ہے اور اس کا قرآنی تعلیم سے گہرا تعلّق ہے۔

مختلف قرآنی آیات میں نہ صرف حضور اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے متعدد واقعات کا ذکر ہے بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے متعلّق بھی ہمیں قرآنی سورتوں میں کافی مواد ملتا ہے۔ قرآن کریم میں جن ۲۵ پیغمبروں کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض کے نام پر تو مستقل قرآنی سورتیں ہیں مثلاً سورۂ یونس۔۱۰، سورۂ ہود۔۱۱، سورۂ یوسف۔۱۲، سورۂ ابراہیم ۱۴، سورۂ محمد۔ ۴۷۔ اسی طرح بعض صالحین کے نام پر بھی بعض قرآنی سورتوں کے نام رکھے گئے ہیں مثلاً سورۂ کہف، سورۂ مریم، سورۂ لقمان وغیرہ۔ اسی طرح بعض انبیا و صالحین کا مختلف قرآنی سورتوں میں نام لے کر یا بغیر نام لئے تفصیلی ذکر ہے۔ یہ در حقیقت ان بزرگوں کی سیرتیں ہی ہیں جن میں مؤمنین کے لئے زندگی کے پاکیزہ نمونے اور متعدد عبرتیں اور سبق ہیں۔ سورۂ ہود میں مؤمنین کے لئے ان سیرتوں کے بیان کی حکمت اور بعض فوائد اس طرح بتائے گئے ہیں:

مانثبت به فوادک وجاءک فی هذه الحق وموعظة وذکری للمؤمنین ○ (سورۂ ہود، ۱۲۰)

"اس کے ذریعے سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی راست (اور واقعی) ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے۔"

یعنی ہمارے اس بیانِ سیرت سے آپ کا فائدہ بھی مقصود ہے اور عام مؤمنین کا نفع بھی۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کے پاکیزہ حالات و واقعات سے متعلق قرآنی آیات میں کافی ذخیرہ موجود ہے اور یہ آپ ﷺ کی سیرت کا مستند ترین حصّہ ہے۔ مثلاً:

① آپ ﷺ کا نام مبارک محمد ﷺ یا نام مبارک احمد ﷺ۔

② آپ ﷺ کا پاکیزہ نسب نامہ: آپ ﷺ کے والد بزرگوار حضرت عبداللہ سے لے کر اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک، لقد جاء کم رسول من انفسکم میں لفظ انفسکم کو (بروایت حضرت انس ؓ) حضور ﷺ نے ف کے پیش کے بجائے ف کے زبر کے ساتھ پڑھا انفسکم بمعنی افضلکم و اشرفکم جس کے معنی ہیں بے شک آئے تمہارے پاس اللہ کے رسول جو تمہارے سب سے افضل و اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ خاندان سے ہیں اور اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انا انفسکم نسبا و صهرا و حسبا۔ لیس فی ابائی من لدن ادم سفاح کلنا نکاح" میں بہ عتبار حسب و نسب سسرالی رشتہ تم سب سے بہتر اور افضل ہوں۔ میرے آباواجداد میں حضرت آدم سے لے کر اب تک کہیں زنا نہیں، سب نکاح ہے۔

③ آپ ﷺ کے اجداد کی اعلیٰ سیاسی و معاشرتی خدمات کہ ان کی کامیاب مساعی سے امن و امان قائم ہوا۔ موسم سرما و گرما میں سفر ممکن ہوا، تجارتی راستے کھلے اور بین الاقوامی تجارت شروع ہوئی۔

④ آپ ﷺ کی یتیمی اور غیبی نصرت و مدد۔

⑤ آپ ﷺ کا عظیم اخلاق۔

⑥ آپ ﷺ کی تواضع، آپ ﷺ کا انکسار۔

⑦ آپ ﷺ کی للّٰہیت، شفقت و رحمت، مزاج کی نرمی۔

⑧ آپ ﷺ کا امی ہونا، کتابی علم اور لکھنے پڑھنے سے ناآشنا ہونا تاکہ کوئی گستاخ یہ وہم نہ کر سکے کہ گزشتہ آسمانی کتابیں پڑھ لی ہوں گی اور اب یہ قرآن اس کی نقل ہے۔

⑨ کتابی علم نہ ہونے کا باوجود آپ ﷺ کا زبردست علم لدنی، آپ ﷺ کی حکمت و دانائی اور آپ ﷺ پر خصوصی فضل ربانی کہ دنیا کے بڑے بڑے دانشور اب بھی آپ ﷺ کے کمالات پر کتابیں لکھتے لکھتے تھکے جاتے ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے تحقیقاتی علمی ادارے آپ ﷺ کے عظیم اصلاحی کارناموں کو قلم بند کرتے ہوئے محو حیرت ہیں۔

⑩ آپ ﷺ کی پاکیزہ جوانی جس کے معترف آپ ﷺ کے دشمن، اہل کتاب اور مکہ کے کافر بھی تھے۔

دیکھئے ابن ہشام کیسے پیارے الفاظ میں آپ ﷺ کی پاکیزہ جوانی کا نقشہ کھینچتے ہیں:

فشب رسول اللّٰه ﷺ واللّٰه یکلاه ویحفظه ویحوطه من اقذار الجاهلية لما يريد به من كرامة ورسالته حتى بلغ وكان رجلا وافضل قومه مروءة واحسنهم خلقا واكرمهم حسبا واحسنهم جوارا واعظمهم حلما واصدقهم حديثا الخ۔

(سیرت ابن ہشام)

"اللہ کے رسول ﷺ ایسی حالت میں دور جوانی میں داخل ہوئے کہ اللہ پاک آپ ﷺ کی حفاظت و نگرانی فرماتے اور دور جاہلیت کی تمام گندگیوں سے آپ ﷺ کو محفوظ رکھتے تھے اس لئے کہ نبوت و رسالت اور عزّت و کرامت سے آپ ﷺ کو سرفراز فرمانے کا اللہ کا ارادہ ہو چکا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ پورے جوان اور مرد بن گئے۔ مروت و حسن اخلاق میں قوم میں سب سے بہتر۔ حسب و نسب میں سب سے اعلیٰ۔ سب سے اچھے ہمسائے اور پڑوسی۔ حلم و بردباری اور امانت و دیانت میں سب پر فائق۔ بات کرنے میں سب سے زیادہ سچے۔ فحش و بداخلاقی سے بہت دور، یہاں تک کہ آپ ﷺ امین کے لقب سے مشہور ہوئے۔"

⑪ شعر و شاعری اور مبالغہ آمیزی سے آپ ﷺ کو دور رکھا گیا۔

⑫ یہاں تک کہ چالیس سال کی عمر میں جب آپ ﷺ کے قوی

خوب مضبوط ہوگئے۔

حتی اذا ابلغاشدہ وبلغ اربعین سنۃ۔

تو آپ ﷺ کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا گیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی اقراء کا پیغام ربانی لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور وحی کا نزول شروع ہوا۔ اور آپ ﷺ نے تبلیغ دین متین شروع کی۔

⑬ ابتدائی تین سال میں یہ تبلیغ خفیہ دعوت کی شکل میں رہی پھر آپ ﷺ کو ببانگ دہل اور اعلانیہ تبلیغ اور جہلا سے دور رہنے کا حکم ہوا۔

⑭ اعلانیہ تبلیغ پر مخالفت کا طوفان کھڑا ہوگیا۔ کچھ لوگوں نے مذاق اڑایا، کچھ نے جھٹلایا، تکذیب کی اور کچھ نے اس تحریک کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بنناشروع کئے۔

⑮ دشمنوں کی طرف سے جاہلانہ اور انتہائی غیر مناسب مطالبات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دکھاؤ تب تمہیں سچا جانیں یازمین جلدی جلدی طے کر کے دکھادو یا مردوں سے ہماری بات کرادو۔

⑯ اس قرآن کے علاوہ اور کوئی قرآن لاؤ یا اس قرآن میں کچھ ترمیم کر دو۔

⑰ بالفرض یہ سب کچھ کر دیا جاتا اور پھر بھی ان کی تکذیب و استہزا کا سلسلہ جاری رہتا تو قانون الٰہی حرکت میں آتا اور سب ہلاک کر دیئے جاتے اور رحمۃ للعالمین کی اُمت کے ساتھ ایسا ہو، یہ قدرت کو منظور نہ تھا۔

⑱ آپ ﷺ کا دشمن ولید بن مغیرہ آپ ﷺ کو ذہنی ایذا پہنچانے کے لئے کہتا: کیا عجیب بات میں قریش کا سردار اور ابو مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کا سردار، ہم دو بڑے لوگوں پر تو وحی نہ آئے اور محمد ﷺ پر وحی نازل ہوجائے۔

⑲ ایک اور ملعون ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ سے مسل کر اور اس کی خاک ہوا میں اڑا کر ہنستا اور کہتا، لو محمد ﷺ کا کہنا ہے کہ خدا اس ہڈی کو پھر زندہ کرے گا۔

⑳ بدبخت ابولہب عزیز و اقارب کے بھرے مجمع میں آپ ﷺ پر برس پڑا: تبالک سائر الیوم الھذا اجمعتنا سارا دن تجھ پر ہلاکت ہو۔ کیا تو نے اسی لئے ہمیں یہاں جمع کیا تھا۔ اور اس گستاخی کی پاداش میں عبرتناک موت سے دوچار ہوا۔ اس کی بدبخت بیوی اُمِ جمیل جو رات کے وقت آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی، تاریخ میں ہمیشہ کے لئے ذلیل ہوگئی۔

㉑ ایک اور بدبخت عقبہ بن ابی معیط آپ ﷺ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس زور سے آپ ﷺ کو کھینچنے لگا (جب آپ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے) کہ آپ ﷺ کا دم ہی گھٹ جائے اور مر جائیں کہ اچانک ادھر سے گزرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس ظالم کو روکا اور ڈانٹا اور یہ آیت پڑھی: اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللّٰہ وقد جاء کم بالبینت من ربکم (سورۂ مؤمن، ۲۸) "کیا تم ایسے شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ حال آنکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے اس دعوے پر دلیلیں بھی لے کر آیا ہے۔"

اپنی گستاخیوں کی بنا پر یہ ملعون عقبہ بن ابی معیط مقام صفرا (جنگ بدر) میں ذلت کے ساتھ مارا گیا۔

㉒ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو قید کر دینے، قتل کر دینے اور ملک بدر کر دینے کی سازشیں تیار ہوگئیں مگر آپ ﷺ صبر کرتے رہے اور عزم کا پہاڑ بنے رہے۔

㉓ اب آپ ﷺ کو ہجرت مدینہ کا حکم ہوا اور آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ عازم مدینہ ہوئے اور کچھ وقت دونوں غار ثور میں چھپے رہے تاکہ دشمن تعاقب میں ناکام رہے۔

㉔ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کو مخلص مہاجرین و انصار کے باہمی تعاون سے ایک نئی قوت ملی۔

㉕ ظالم و سفاک دشمن کے خلاف طاقت کے استعمال کی اجازت ملی۔ جہاد کا حکم نازل ہوا۔

㉖ اسلام و کفر کا پہلا معرکہ غزوۂ بدر برپا ہوا۔ اسلام کو عزت ملی۔ کفر کا زور ٹوٹا۔

(۲۷) مسلمانوں کے انتشار کے باعث غزوۂ احد میں خفت اٹھانا پڑی لیکن بڑا سبق مل گیا۔

(۲۸) غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) میں یہود، منافق اور عرب کے قبائل سب آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے مگر مسلمان غزوۂ احد کا سبق سیکھ چکے تھے۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹے رہے اور سرخرو ہوئے۔

(۲۹) واقعہ حدیبیہ وبیعت رضوان، مسلمانوں کا ولولہ وجذبہ ایثار، فدا کارانہ جوش وللّٰہیت کہ اب خود کفار صلح کی پیش قدمی پر آمادہ ہوگئے۔

(۳۰) اور اب مکہ مکرمہ کی عظیم فتح، توحید ورسالت کا بول بالا اور بت پرستی کے تابوت میں آخری کیل۔ مخلوق خدا کا جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا۔

(۳۱) ہوازن اور ثقیف کے کافر قبائل ابھی دل میں حسد لئے بیٹھے تھے۔ حسد بری بلا ہے۔

ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو عظیم کامیابی نصیب ہوئی۔

(۳۲) اسباب ووسائل کی پریشانیوں اور موسم کی سختی کے باوجود صحابہ کے زبردست اخلاص اور مخلص اہل ثروت کے مثالی مالی تعاون کے باعث غزوۂ تبوک میں بھی مسلمان سرخرو ہوئے، اگرچہ بعض خطا کاروں کو غفلت پر تنبیہ بھی ہوئی۔

(۳۳) یہود بنی نضیر کی جلاوطنی، غداری کے باعث ان کی تذلیل اور منافقین کی فتنہ پردازی،

ان کی اور ان کے حلیفوں کی ہلاکت وبربادی۔

(۳۴) واقعۂ افک، منافق عبداللہ بن ابی اور اس کے گروہ کی ذلت و رسوائی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور ان کی عفت وپاک دامنی کی قرآنی تصدیق۔

(۳۵) حضور ﷺ کا وصال: انسانی تاریخ کا ایک تاریک دن، مسلمانوں کے لئے مصیبت عظمیٰ۔

سیرت اور حدیث شریف

قرآن مجید کی طرح کتب احادیث بھی صرف سیرت کی کتابیں نہیں ہیں بلکہ ان میں واقعات سیرت کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے۔ چنانچہ علم حدیث کی تعریف کرتے ہوئے ماہرین علوم حدیث لکھتے ہیں:

هو علم يعرف به مانسب الى رسول الله ﷺ قولا او فعلا او صفة او تقريراً۔

حدیث ایسا علم ہے جس کے ذریعے حضور ﷺ کی طرف منسوب امور کا علم حاصل ہوتا ہے خواہ وہ اُمور آپ ﷺ کے اقوال ہوں یا آپ ﷺ کے افعال، آپ ﷺ کے شمائل وخصائل ہوں یا وہ امور جو آپ ﷺ کے علم میں آئے اور آپ ﷺ نے ان پر سکوت اختیار فرمایا اور منع نہ فرمایا۔

اس طرح علم حدیث کے چار شعبے ہوگئے:

(۱) اقوال و ارشاداتِ رسول ﷺ، (۲) افعال و اعمالِ رسول ﷺ، (۳) شمائل و خصائل رسول ﷺ اور (۴) تقریر رسول ﷺ (امور مسکوت عنہا)۔

بعض اہل علم نے حدیث کو حدیث (بمعنی حادث، نئی بات) بہ نسبت قرآن کریم کہا جو قدیم ہے۔ بعض نے فرمایا کہ واما بنعمت ربک فحدث ۞ (سورہ والضحیٰ ۱۱)

"اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے" کی نسبت سے اسے حدیث کہا گیا کہ یہ تحدیث نعمت ہے۔ قرآن وحدیث کے باہمی رشتے کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی قرآن نہ سمجھ پاتا۔"

یعنی حدیث تشریح وتفسیر قرآن ہے۔ قرآن وحدیث وفقہ کے باہمی رشتے کے متعلق حضرت امام شافعیؒ نے ارشاد فرمایا:

جميع ما تقوله الائمة شرح للسنة وجميع ما تقوله السنة شرح للقران۔

"جو کچھ آئمہ فقہ نے فرمایا وہ حدیث کی شرح ہے جیسا کہ کچھ حدیث میں ہے وہ قرآن کی شرح ہے۔"

سیرت اور حدیث کے باہمی رشتے کے متعلق اہل علم نے فرمایا کہ یہ جزو اور کل کا رشتہ ہے کہ احادیث میں آٹھ طرح کے مضامین بیان کئے گئے ہیں جسے انہوں نے اس شعر میں جمع کیا ہے ؎

سیر آداب و تفسیر و عقائد
فتن اشراط و احکام و مناقب

❶ سیرت نبوی: حضور ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے تبلیغی، اصلاحی، انتظامی، عسکری حالات و واقعات، آپ ﷺ کے شمائل، معمولات خصائل و معجزات وغیرہ۔

❷ آداب معاشرت: کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، باہم گفتگو و باہم ملاقات کے آداب، سفر و حضر اور خوشی غمی کے مواقع کے آداب، مجلسی آداب وغیرہ۔

❸ تفسیر: مختلف قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر۔

❹ عقائد: ایمان باللہ، ایمان بالرسل، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتاب وغیرہ، ایمانیات کا تفصیلی بیان۔

❺ فتن: مختلف فتنے جن سے مستقبل میں اُمت مسلمہ دوچار ہوگی اور آزمائشیں جو اُمت میں افتراق کا باعث ہوں گی۔

❻ اشراط الساعۃ: علامات قیامت، وہ نشانیاں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گی۔

❼ احکام: مختلف شرعی احکام، حلال و حرام، طہارت، عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ)، معاملات (وراثت، وقف، وصیت، نکاح، طلاق، حدود و تعزیرات وغیرہ)، حقوق و فرائض و اخلاق وغیرہ امور کی تشریح۔

❽ مناقب: خلفائے راشدینؓ، اہل بیتؓ، صحابہ کرامؓ، صحابیاتؓ، مجاہدین، شہدا کرام وغیرہ کے فضائل۔

حدیث ان آٹھ علوم کے مجموعے کا نام ہے جس میں ایک علم سیرت النبی ﷺ بھی ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کے مآخذ

سیرت نبوی ﷺ کا سب سے پہلا ماخذ اور سب سے زیادہ معتبر تحریری ذخیرہ وہ ہے جو متعلقہ قرآنی آیات کی شکل میں اُمت مسلمہ کے پاس محفوظ ہے اور جس پر مختصراً پہلے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس کا دوسرا ماخذ اور معتبر تحریری ذخیرہ وہ ہے جو کتب احادیث میں شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کے آباو اجداد کی عظمت، ان کے سیاسی و انتظامی کارنامے، آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اور پاکیزہ نسب نامہ، آپ ﷺ کا عقیقہ، تسمیہ، حضانت و رضاعت، شق صدر، کفالت ابوطالب، سفر تجارت اور امین کا لقب، آپ ﷺ کی پاکیزہ جوانی، شام کے سفر میں نسطورا راہب سے ملاقات، حضرت خدیجہؓ سے نکاح، نزول وحی، تبلیغ کا حکم، سابقین اولین کا سلام، دشمنوں کی مزاحمت و ایذا رسانی، سرداران قریش کی سازشیں، مال و دولت اور حکومت و ریاست کا لالچ، مسلمانوں پر مظالم، معجزۂ شق القمر، ہجرت بجانب حبشہ، مقاطعہ بنی ہاشم، غم کا سال، ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال، تبلیغ کے لئے طائف کا سفر، دشمنوں کا آپ ﷺ پر پتھر برسانا، آپ ﷺ کا زخمی ہونا اور پاؤں سے خون بہنا، واقعہ اسرا و معراج، حضرت سودہؓ و حضرت عائشہؓ صدیقہ سے نکاح، مدینہ میں اسلام کی ابتدا، بیعت انصار، ہجرت مدینہ منورہ، تعمیر مسجد نبوی، مواخات مہاجرین و انصار، یہود مدینہ سے معاہدہ، تحویل قبلہ، صفہ، پہلی اسلامی درسگاہ، حکم جہاد، غزوات و سرایا (غزوہ بدر و احد وغیرہ)، صلح حدیبیہ اس وقت کے حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط، غزوۂ خیبر، واقعۂ فدک، آپ ﷺ کو زہر دینے کا واقعہ، تحریم متعہ، واقعہ لیلۃ التعریس، عمرۃ القضا، نکاح حضرت میمونہ، غزوۂ موتہ، فتح مکہ مکرمہ، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک، واقعہ مسجد ضرار، وفود کی آمد، مباہلہ، حجۃ الوداع، سفر آخرت کی تیاری اور علالت، حضور ﷺ کا وصال، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ، تجہیز و تکفین نبوی، آپ ﷺ کی نماز جنازہ، مسلمانوں کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت، حضور ﷺ کے شمائل و خصائل، آپ ﷺ کے احوال و معمولات و معجزات وغیرہ۔ کتب احادیث میں سیرت کے مذکورہ واقعات و دیگر متعلقہ واقعات کا تفصیلی تحریری سرمایہ موجود ہے۔

معلوم ہوا کہ سیرت نبوی کا پہلا تحریری سرمایہ خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ یہ حصہ گو عموماً مختصر اشاروں پر مشتمل ہے مگر اس میں آپ ﷺ کی سیرت و کردار کے تقریباً تمام اہم پہلو آگئے ہیں پھر کتب احادیث میں نہ صرف سیرت سے متعلق ان قرآنی آیات کی تفصیل و

تشریح موجود ہے، سیرت نبوی کے دیگر متعدد واقعات معتبر سندوں کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور یہ سیرت کا دوسرا معتبر تحریری سرمایہ ہے۔

بلاذری کی فتوح البلدان اور دیگر تاریخی کتب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج دیگر متمدن اقوام کی طرح گو بہت زیادہ نہ تھا تاہم متعدد افراد لکھنا جانتے تھے۔ مثلاً مکہ مکرمہ میں یہ حضرات لکھنا جانتے تھے:

① حضرت عمرؓ، ② حضرت عثمانؓ، ③ حضرت علیؓ، ④ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، ⑤ حضرت معاویہؓ، ⑥ ابوسفیان بن حرب، ⑦ حضرت العلاابن الحضرمیؓ، ⑧ حضرت طلحہؓ، ⑨ حضرت جہیم بن الصلتؓ، ⑩ حضرت یزید بن ابی سفیان، ⑪ حضرت ابان بن سعیدؓ، ⑫ ان کے بھائی حضرت خالد بن سعیدؓ، ⑬ ابوحذیفہ بن عتبہ، ⑭ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، ⑮ حضرت حاطب بن عمرو، ⑯ حویطب بن عبدالعزیٰ، ⑰ عبداللہ بن سعد، ⑱ عامر بن فہیرہ، ⑲ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد ورقہ بن نوفل۔

مدینہ منورہ میں بھی اسی طرح متعدد افراد لکھنا جانتے تھے مثلاً ① حضرت کعب بن مالک انصاریؓ، ② حضرت انسؓ، ③ حضرت ابی بن کعب، ④ حضرت زید بن ثابت، ⑤ سعد بن عبادہ، ⑥ منذر بن عمرو، ⑦ اسید بن حضیر، ⑧ رافع بن مالک، ⑨ سعد بن ربیع، ⑩ بشیر بن سعد، ⑪ معن بن عدی، ⑫ عبداللہ بن ابی، ⑬ اوس بن خولی، ⑭ سوید بن الصامت، ⑮ حضیر الکتائب، ⑯ علاقہ جواثا کا بچہ جس نے حضور ﷺ کا تبلیغی خط پڑھ کر سنایا۔

اسلامی تعلیمات میں لکھنے پڑھنے کی جو اہمیت ہے اور جس کے نتیجے میں بعد کے ادوار میں مختلف علوم و فنون کی اشاعت ہوئی اور وسیع پیمانے پر سیرت نبوی ﷺ پر بھی تحقیقات کا آغاز ہوا، اس کا کچھ اندازہ درج ذیل باتوں سے ہو سکتا ہے۔

❶ حضور ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں آپ ﷺ کو پڑھنے کا حکم فرمایا گیا۔ اقرا باسم ربک الذی خلق ۞ (سورۃ علق،۱)

"(اے پیغمبر ﷺ) آپ پر جو قرآن (نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے۔) جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا۔"

اور اس میں قلم (علمی حقائق کو تحریری طور پر منضبط کرنے) کو تعلیم اور لامتناہی علوم کی تحصیل کا ذریعہ بتایا گیا۔ الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم ۞ ۔(سورۃ علق،۵)

"(آپ کا رب ایسا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو) قلم سے تعلیم دی (اور عموماً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔"

❷ قلم کی عظمت کے پیش نظر قرآن مجید میں اس کی قسم کھائی گئی۔ ن والقلم و مایسطرون ۞ (سورۃ القلم،۱)

"قسم ہے قلم کی اور (قسم ہے) ان (فرشتوں) کے لکھنے کی" (جو کہ کاتب اعمال ہیں)

اور اس کی عظمت مزید واضح کرنے کے لئے ایک قرآنی سورۃ کا نام القلم رکھا گیا ہے۔

❸ نقد لین دین کے مقابل قرض لین دین میں چونکہ باہمی تنازعات کا امکان تھا، قرآن مجید نے اسے قید تحریر میں لانے کی تاکید فرمائی: اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ ۞ (سورۃ البقرہ،۲۸۲)

"جب تم ادھار کا معاملہ کرنے لگو ایک معین میعاد تک (کے لئے) تو اس کو لکھ لیا کرو۔" اور فرمایا قرض و ادھار کی بنیاد پر یہ لین دین خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کا یہی حکم ہے: ولا تسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الی اجلہ ۞ (سورۃ البقرہ،۲۸۲) "اور تم اس (دین) کے (بار بار) لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ (معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔"

❹ میت کے ورثا کے ممکنہ تنازعات کے پیش نظر تحریری وصیت نامہ کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما حق امرء مسلم لہ شی یوصی فیہ یبیت لیلیتین الا وصیتہ مکتوبۃ عندہ ۞ ۔(بخاری، کتاب الوصایا)

"جس مسلمان کے پاس وصیت کے لائق کچھ مال ہو اسے حق نہیں کہ وہ دو راتیں ایسی گزارے کہ اس کا وصیت نامہ اس کے پاس لکھا ہوا نہ رکھا ہو۔" یعنی کسی مسلمان کو اپنے مال کی وصیت کے بارے میں بلاوجہ تاخیر اور سستی نہ کرنا چاہئے۔

❺ ہجرت مدینہ کے وقت قریش مکہ نے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو زندہ گرفتار کرنے یا قتل کر دینے کے عوض علیحدہ علیحدہ سو سو اونٹ کے انعام کا اعلان کیا۔ سراقہ بن مالک بن جعشم اس انعام کے لالچ میں آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا اور آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ گھبرائے تو سراقہ کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: اللھم اصرعہ (اے اللہ اسے پچھاڑ دے) اللھم اکفنا بما شئت (اے اللہ تو جس طرح چاہے اس سے ہماری کفایت فرمایا)

آپ ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ اب سراقہ بڑا پریشان ہوا اور اس نے حضور ﷺ سے التجا کی کہ وہ دعا فرمائیں تاکہ اسے اس مصیبت سے نجات مل سکے کیونکہ سراقہ کو یقین ہوگیا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ خدائی نصرت و مدد شامل ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور اسے اس مصیبت سے نجات ملی۔ اس کی درخواست پر آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر سراقہ کے لئے معافی اور امن نامہ لکھ دیں اور اب سراقہ کو مکمل اطمینان حاصل ہوا کہ مستقبل میں اگر آپ ﷺ غالب ہوئے تو اسے امان ہے۔ یہ امان نامہ لے کر سراقہ واپس ہوا اور دوسرے تعاقب کرنے والوں کو یہ کہہ کر واپس کرتا رہا کہ تمہارے تعاقب کی ضرورت نہیں، میں آگے تک دیکھ آیا ہوں۔

❻ ابتدا میں حضور ﷺ نے قرآنی آیات کے علاوہ کچھ اور لکھنے سے بعض حضرات کو منع فرما دیا تھا تاکہ قرآن و حدیث باہم خلط ملط نہ ہو جائیں مگر بعد میں آپ ﷺ نے یہ حکم منسوخ فرما دیا اور اجازت دے دی،

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

"علم کو قید کرو" میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ اس کے قید کرنے کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا، علمی حقائق کو قلم بند کر لینا۔"

❼ آپ ﷺ کی اس اجازت کا نتیجہ تھا کہ بعض صحابہؓ نے اپنے فائدے اور دوسروں کے افادے کے لئے احادیث پر مشتمل چھوٹے بڑے تحریری مجموعے مرتب کئے تھے مثلاً حضرت رافع بن خدیجؓ نے خولانی چمڑے پر لکھ کر یہ حدیث محفوظ کر لی تھی کہ مدینہ ایک حرم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا تحریری مجموعہ جس کا نام انہوں نے الصحیفۃ الصادقۃ (سچے ارشادات پر مشتمل مجموعہ) رکھا تھا، خاصا ضخیم تھا اور محققین کے مطابق ۵۳۶۴ سے زیادہ احادیث پر مشتمل تھا۔ ایک موقع پر انہوں نے اس کے بارے میں حضرت مجاہدؒ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

"اس مجموعے الصادقہ میں وہ احادیث ہیں جو میں نے حضور ﷺ سے اس حالت میں سنیں کہ میرے اور آپ ﷺ کے علاوہ درمیان میں اور کوئی نہ تھا۔"

یہ مجموعہ بعد میں ان کا خاندانی ورثہ بن گیا اور دیگر محدثین کی طرف منتقل ہوا۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہ نے بھی ایک مجموعہ حدیث مرتب فرمایا تھا جس میں قصاص، دیت، فدیہ وغیرہ مسائل سے متعلق احادیث جمع فرمائی تھیں۔ حضرت انسؓ نے بھی احادیث میں ایسے ہی متعدد مجموعے مرتب فرمائے تھے۔ احادیث کے بعض ایسے ہی مجموعے وہ بھی تھے جن میں حضور ﷺ کی سیرت کے بعض پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی تھی۔ یہ سب کچھ پہلی صدی ہجری میں ہوا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری اور بعد کے ادوار میں تو سیرت پر باقاعدہ کتابیں مرتب ہوئیں جو بعد کے سیرت نگار محققین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔

سیرت اسماء الرجال، طبقات

سیرت نبوی ﷺ سے متعلق قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں چونکہ کافی معتبر تحریری ذخیرہ موجود ہے اس لئے گزشتہ اوراق میں کسی قدر تفصیل سے اس کا بیان ہوا۔ بعد میں سیرت نگاروں نے واقعات کے بیان میں اتنی احتیاط روا نہ رکھی۔ ابتدا میں بلاشبہ سیرت نگار محتاط تھے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے اور حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے حضرت عروہ بن زبیرؒ (م ۹۴ھ) جو بقول علامہ ذہبی کان عالما بالسیرۃ (سیرت کے بڑے عالم تھے) اور بعض کے نزدیک مغازی پر کتاب کے سب سے پہلے مدون تھے، روایات کے بیان میں

کافی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اسی طرح مشہور محدث امام شعبی (م ۱۰۹ھ)، حضرت ابوہریرہؓ کے مشہور شاگرد حضرت وہب بن منبہؒ (م ۱۱۴ھ)، حضرت انسؓ کے شاگرد حضرت عاصم بن عمر انصاری (م ۱۲۱ھ)، امام بخاری کے شیخ الشیوخ تابعی و مشہور محدث حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہریؒ (م ۱۲۴ھ) جنہوں نے متعدد صحابہؓ کو دیکھا اور بعض کے نزدیک جن کی "کتاب المغازی" اس فن کی سب سے پہلی تصنیف ہے اور جن کے دو عظیم شاگردوں موسیٰ بن عقبہؒ (م ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) نے مضامین مغازی کو انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ امام زہریؒ کے یہ دونوں لائق شاگرد ان کی طرح تابعی ہیں،

موسیٰ بن عقبہؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب کہ محمد بن اسحاقؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے، عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۸ھ) جن کی "سیرت ابن ہشام" غالباً پہلی سیرت کی کتاب ہے جس میں مضامین سیرت نبوی ﷺ کو "مغازی" کے بجائے لفظ "سیرت" سے تعبیر کیا گیا، محمد بن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) جو مشہور مورخ بلاذری کے استاد اور جن کی بارہ جلدوں پر مشتمل مشہور عالم کتاب "طبقات ابن سعد" ہے (جس کی دو جلدیں خاص حضور ﷺ کی سیرت اور باقی دس جلدیں صحابہؓ و تابعینؒ کے حالات سے متعلق ہیں)

محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) جن کی کتاب کتاب الشمائل النبویۃ والخصائل المصطفویہ (یا شمائل ترمذی) حضور ﷺ کے سراپا و خصائل و عادات سے متعلق غالباً سب سے زیادہ خوبصورت اور معتبر کتاب ہے اور امام طبریؒ (م ۳۱۰ھ) بھی روایت میں احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

لیکن ساتھ ہی اس دور میں سیرت پر ایسی کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں من گھڑت دلچسپ قصے اور غیر معتبر روایتیں بھی شامل کر لی گئیں مثلاً محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ) کی "کتاب السیرۃ" اور "کتاب التاریخ و المغازی والمبعث" جسے امام شافعیؒ نے جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔

سیرت نگاری میں اسی بے احتیاطی کے سدباب کے لئے مسلمانوں کا عظیم الشان "فن اسماء الرجال" ایجاد ہوا۔ محققین فن نے راویوں کے حالات معلوم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سیرت و حدیث سے متعلق راویوں کے گھروں پر جاتے، ان کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کے بارے میں چھان بین کرتے۔ اس طرح راویان حدیث و سیرت کے بارے میں معلومات کا عظیم ذخیرہ جمع ہو گیا جو فن اسماء الرجال کی کتابوں مثلاً علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی "تہذیب الکمال"، علامہ ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" اور "میزان الاعتدال"، علامہ ابن حجرؒ کی "لسان المیزان" اور "تہذیب التہذیب" (بارہ جلدیں)، امام بخاریؒ کی "تاریخ کبیر" اور "تاریخ صغیر"، ابن حبان کی "ثقات" اور سمعانی کی "انساب" وغیرہ میں موجود ہے۔

اس شعبے میں ایسی عظیم تحقیق تاریخ انسانی میں اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ اسی سے متاثر ہو کر جرمنی کے مشہور فاضل ڈاکٹر اسپرنگر (جو عرصے) تک ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ سے وابستہ رہے اور جن کی تصحیح سے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی مشہور عالم کتاب الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ کلکتہ سے شائع ہوئی) لکھتے ہیں:

"نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

سیرت، فن اسماء الرجال اور طبقات تینوں ہی اسلامی سوانحی ادب کی اصناف ہیں تاہم تینوں کا اپنا علیحدہ علیحدہ مقام اور اپنی علیحدہ علیحدہ خصوصیات ہیں۔ سیرت اور فن اسماء الرجال کے متعلق تو اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔

طبقات کے متعلق ہمیں اس طرح سمجھنا چاہئے کہ کسی مخصوص نقطۂ نظر سے وابستہ افراد یا کسی مخصوص دور کے لوگوں یا کسی مخصوص طبقہ و گروہ کو پیش نظر رکھ کر جب لوگوں کے حالات قلم بند کئے جائیں تو ایسی تالیفات کو "طبقات" کا نام دیا جاتا ہے مثلاً محمد بن سعدؒ کی "طبقات ابن سعد" جس کی آخری دس جلدوں میں صحابہ و تابعین کے مختلف طبقات کے حالات و واقعات جمع کئے گئے ہیں یا مثلاً عبدالرحمٰن السلمی کی "طبقات الصوفیۃ" جس میں حضرات صوفیائے کرام کے مختلف طبقات کے بارے میں معلومات جمع کی گئی ہیں۔

سیرت سے متعلق مباحث و عنوانات

اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں صرف مغازی کے بیان کو ہی سیرت سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ کیا امام زہریؒ، موسیٰ بن عقبہؒ، محمد ابن اسحاق، اور کیا ابن ہشامؒ، اور واقدی سب کے یہاں غزوات و سرایا کے بیان ہی کا نام سیرت ہے۔ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ نے پہلی بار حضور ﷺ کے سراپا کے بیان کو اور آپ ﷺ کے اخلاق، عادات، معمولات، خصائل و شمائل کو سیرت کرکے پیش کیا۔ بعد کے ادوار میں سیرت کی ایسی کتابیں شائع ہوئیں جن میں دوستوں، دشمنوں کے ساتھ دوران جنگ مختلف سلوک و معاملات اور صلح و جنگ کے مختلف قوانین کو سیرت کا نام دیا گیا۔ اس طرح آہستہ آہستہ سیرت سے متعلق مباحث و عنوانات میں وسعت اور تبدیلی آتی گئی، یہاں تک کہ موجودہ دور میں لفظ سیرت اپنے وسیع ترین مفہوم میں استعمال ہونے لگا۔ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی کی سات جلدوں پر مشتمل سیرۃ النبی ﷺ میں لفظ سیرت اپنے وسیع ترین مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے حالات و واقعات کے علاوہ اعتقادات (ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل، ایمان بالیوم الآخر، ایمان بالقدر اور ایمان بالبعث)، جسمانی و مالی عبادات (نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد) قلبی و باطنی عبادات (تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر، شکر)، معاملات (وراثت، وصیت، وقف وغیرہ)، جنایات یا عقوبات (قصاص، حدود، تعزیرات)، مناکحات (نکاح، طلاق وغیرہ)، معاوضات (خرید و فروخت وغیرہ)، مخاصمات (باہمی جھگڑوں کے فیصلے)، امانات (امانتیں، رہن وغیرہ)، مزاجر (قتل نفس، کسی کی آبروریزی و پردہ دری، زبردستی بھتہ لینے یا قطع بیضہ و اسلام سے انحراف پر زجر)، عادات (ماکولات، مشروبات، مسکونات، ملبوسات وغیرہ)، حقوق و فرائض، فضائل و رذائل اخلاق، آداب معاشرت، اسلامی اقتصادیات و سیاسیات وغیرہ کے مباحث بھی متعلقات سیرت نبوی ﷺ کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کی "سیرۃ الرسول" میں اسلام کا دیگر ادیان سے تقابل، خصوصاً اسلام و عیسائیت کی آویزش، اسلامی معاشرت و مغربی معاشرت پر بحث، قبل از اسلام سرزمین عرب پر نصرانیت، یہودیت، بت پرستی و مجوسیت کے اثرات، عرب کا جغرافیہ، اجتماعی نظام و عرب کی قدیم حکومتیں، بحیرۂ روم و بحیرۂ قلزم کے ساحل پر ابھرتا ہوا تمدن۔ مسیحیت و دین زرتشت، قسطنطنیہ و روم، عیسائیوں کے مختلف فرقے، دین زرتشت میں اختلافات، یمن کا تمدن، وہاں کے یہود و نصاریٰ اور ان پر ایرانی تسلط، مآرب کے بند کی شکست و ریخت، حضرت ابراہیم و حضرت سارہ کے مصر کے حالات سے لے کر عبداللہ بن عبدالمطلب تک کے حالات کا سلسلہ، حضور ﷺ کا شجرۂ طیبہ، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف واقعات، حضرت فاطمہ کی میراث طلبی اور حضور ﷺ کی روحانی وراثت تک کے مباحث ہیں۔

قاضی سلیمان منصور پوری کی "رحمۃ للعلمین" میں کتاب کا آغاز ہی دو ہزار قبل مسیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے ہوتا ہے۔ پھر آپ کا مصر جانا، شہزادی مصر، حضرت ہاجرہ سے آپ کا نکاح، حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے، چار بیویوں سے حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے۔ قبل نبوت عرب کے مذاہب پھر واقعات سیرت نبوی ﷺ اور خلق محمدی ﷺ، آپ ﷺ کا پاکیزہ نسب نامہ، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کے والد بزرگوار حضرت عبداللہ اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ تک مشاہیر کے حالات، اولاد ابوطالب میں حضرت عقیلؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ اور ان کی اولاد کے شجرے، آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ اور ابولہب کی اولاد کا بیان، حضرت آمنہ کا شجرۂ نسب، حضور ﷺ کے صاحبزادگان حضرت قاسم، عبداللہ (طیب و طاہر)، ابراہیم، آپ کی صاحبزادیوں حضرت زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم اور سیدہ فاطمہؓ کے حالات، اولاد امجاد حضرت حسن و حسین، زین العابدین کے پانچ فرزندگان کے شجرے، امہات المؤمنین، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، سودہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، زینبؓ، بنت خزیمہ، اُمّ سلمہؓ، زینبؓ بنت جحش، جویریہؓ، اُمّ حبیبہؓ، صفیہؓ اور حضرت میمونہؓ کے حالات اور تعدد ازواج کی بحث، امہات المؤمنین کے فضائل اور ان کے کارنامے، بیان غزوات و سرایا، دیگر انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ کی

فضیلت، آپ ﷺ کا رحمۃ للعٰلمین ہونا، آپ ﷺ کی شان محبوبیت دنیا کے مشہور سن اور تاریخیں اور ان کا سن ہجری سے تطابق، خصائص نبوی، خصائص قرآن اور خصائص اسلام۔

محمد ادریس کاندھلویؒ کی سیرۃ المصطفیٰ میں واقعات سیرت کے علاوہ افضیلت ابوبکر صدیقؓ، بیعت خاصہ و بیعت عامہ، حیات نبوی، تعدد ازواج، فوائد حجاب اور بے حجابی کے مفاسد، تشبہ بالکفار کی ممانعت اور تشبہ بالاغیار کے نقصانات، حضور ﷺ کے معجزات عقلیہ، علمیہ و عملیہ، انبیاء علیہم السلام کی آپ ﷺ کے لئے بشارتیں اور آئندہ واقعات کے بارے میں حضور ﷺ کی پیش گوئیوں وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے۔

اس طرح ہم درج ذیل دو اہم نتیجے اخذ کر سکتے ہیں کہ:

❶ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں سیرت نبوی ﷺ سے متعلق واقعات و حقائق سن وار اور ترتیب وار نہ تھے۔ فن سیرت نے ہماری یہ ضرورت پوری کی کہ سیرت نبوی ﷺ کے واقعات ترتیب کے ساتھ ہمارے سامنے آگئے۔

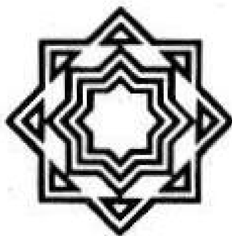
❷ دوسرے یہ کہ سیرت نگاروں کی واقعات کے بیان میں ترجیحات بدلتی رہیں اور لفظ "سیرت" وسیع سے وسیع تر مفاہیم اختیار کرتا گیا کہ بعض حضرات کے نزدیک شریعت کا ایک بہت بڑا حصہ سیرت نبوی کے ضمن میں آگیا۔

✽ سیرین: کنیز جو عزیز مصر (مقوقس) نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجی تھی۔ سیرین حضرت حسان کے ملک میں آئیں۔ ماریہ قبطیہ بھی انہی کے ساتھ بھیجی گئی تھیں۔ یہ دونوں سگی بہنیں تھیں۔ یہ دونوں بہنیں نصرانی تھیں لیکن مدینہ آکر اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کا بھائی مابور بھی مصر سے ان کے ساتھ آیا تھا۔ بعد میں اس نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

✽ سیس خراسانی: مدعی نبوت۔ جن ایام میں اسلامی سیاسیات کی باگ ڈور خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے ہاتھ میں تھی، استاد سیس نامی ایک مدعی نبوت اطراف خراسان میں ظاہر ہوا۔ دعوائے نبوت کے بعد عامۃ الناس اس کثرت سے اس کے دام تزویر میں پھنسے کہ چند ہی سال میں اس کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی۔ اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر اس کے دل میں استعمار اور ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور وہ خراسان کے اکثر علاقے دبا بیٹھا۔

عساکر خلافت نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے پرخچے اڑا دئے اور اتنی تلوار چلائی کہ میدان جنگ میں ہر طرف مرتدین کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ ان محاربات میں سیس کے قریباً سترہ ہزار آدمی کام آئے اور چودہ ہزار قید کر لئے گئے۔ سیس بقیۃ السیف تیس ہزار فوج کو پہاڑ کی طرف لے بھاگا اور وہاں اس طرح جا چھپا جس طرح خرگوش شکاریوں کے خوف سے کھیتوں میں جا چھپتا ہے۔ خازم نے جا کر پہاڑ کا محاصرہ کر لیا۔ اتنے میں شہزادہ مہدی نے ابوعون کی قیادت میں بہت سی کمک بھیج دی۔ ابوعون اپنی فوج لے کر اس وقت پہنچا جب استاد سیس محصور ہو چکا تھا۔

سیس نے محاصرے کی شدت سے تنگ آکر ہتھیار ڈال دئے اور خود کو بلا شرط خازم کے سپرد کر دیا۔ استاد سیس اپنے بیٹوں سمیت گرفتار ہو گیا۔ سیس تو موت کے گھاٹ اتار اگیا، معلوم نہیں اس کے بیٹوں کا کیا حشر ہوا۔ خازم نے فی الفور مہدی کے پاس مژدۂ فتح لکھ کر بھیجا۔ جوں ہی یہ خبر مہدی کے پاس پہنچی اس نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے پاس فتح و نصرت کا تہنیت نامہ لکھا۔ یاد رہے کہ یہی مہدی خلیفہ ہارون رشید کا باپ تھا جو منصور کی رحلت پر خلیفۃ المسلمین ہوا۔ کہتے ہیں کہ استاد سیس خلیفہ مامون کا نانا یعنی مراجل مادر مامون کا باپ تھا اور اس کا بیٹا غالب جس نے فضل بن سہل برمکی کو قتل کیا تھا، خلیفہ مامون (بن ہارون رشید) کا ماموں تھا۔



ش

ش ا

٭ شافعی، امام: اہل سنت کے مشہور امام، ائمہ اربعہ میں سے ایک۔ امام شافعی غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کا سلسلہ نسب رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔ حافظ ابونعیم نے امام صاحب کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے: ابوعبداللہ محمد بن ادریس ابن العباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف۔

تعلیم وتربیت

جب امام شافعی کی عمر دو سال ہوئی تو ان کی والدہ انہیں مکہ مکرمہ لے کر آگئیں۔ اور وہیں پرورش پائی۔ ابتداء میں شعر، لغت، تاریخ عرب، تجوید وقرات اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع کی۔ بارہ برس کی عمر میں موطاء کو حفظ کر لیا اور اس کے بعد امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے موطاء کی قرات کا شرف حاصل کیا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی دوسری صدی ہجری کے عظیم امام اور مجتہد تھے۔ امام شافعی کا زمانہ علم وعرفان کے عروج کا زمانہ تھا۔ ہر طرف علم و حکمت کے چشمے رواں تھے۔ علم نبوت صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین کے ذریعے ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین کے سینوں میں منتقل ہو چکا تھا۔ امام شافعی کو امام مالک اور امام محمد بن حسن شیبانی جیسے یکتائے روزگار حضرات سے استفادے کا فخر حاصل ہوا۔ امام ابوحنیفہ کی تصانیف کا مطالعہ کیا اور اخیار تابعین سے روایت کا شرف حاصل کیا۔

امام شافعی نے کتاب وسُنّت کے مسائل کے استخراج کے لئے اصول وضع کئے، فقہ میں بڑا کمال حاصل کیا اور فقہ شافعی کی بنیاد رکھی۔ فن حدیث میں نام پیدا کیا۔ شرق و غرب میں ان کی فقہ کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ محدثین اور مفسرین کی ایک بڑی تعداد فقہ شافعی سے تعلق رکھتی ہے۔

امام شافعی کو اپنے زمانے کے نامور اور جید علما سے استفادے کا شرف حاصل ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام شافعی کے مندرجہ ذیل اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ مالک بن انس، مسلم بن خالد، ابراہیم بن سعد، سعید بن سالم القداح، عبدالوہاب ثقفی ابن عیینہ ابی نمرہ، حاتم بن اسماعیل، ابراہیم بن محمد ابی یحیٰی، اسماعیل بن جعفر، محمد بن خالد، عطاف بن خالد المخزومی، عمر بن محمد بن علی بن شافع، ہشام بن یوسف محمد بن علی، عبدالعزیز بن ماجشون۔

حمیدی روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی جب صنعا سے مکہ مکرمہ میں آئے تو ان کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ انہوں نے ایک جگہ خیمہ نصب کر کے قیام فرمایا۔ لوگوں نے ملاقات کے لئے حاضری دی جن میں سے بہت سے لوگ ضرورت مند بھی تھے۔ جب وہ لوگوں کی ملاقات سے فارغ ہوئے تو ان کے پاس ایک دینار بھی باقی نہیں رہا تھا۔

زہد وتقویٰ

امام شافعی علمی وجاہت اور فقہی مہارت کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعی رمضان میں نوافل میں ساٹھ مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ عام ایام میں وہ رات کے تین حصے کرتے، پہلے حصے میں تصنیف وتالیف کا کام کرتے، دوسرے حصے میں نوافل پڑھتے اور

تیسرے حصے میں سویا کرتے تھے۔

تصنیف وتالیف

امام شافعی کی زندگی کا اکثر حصہ درس و تدریس، علمی مباحث، مسائل کے استنباط اور افتا وغیرہ کی مصروفیات میں گزرا لیکن اس کے باوجود انہوں نے مختلف موضوعات پر تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

کتاب الرسالہ امام شافعی کی ایک بہترین کتاب ہے جس میں قرآن کے معنی معتبر احادیث سے بیان کئے ہیں۔فن حدیث میں امام شافعی کی روایت کو کتاب الام اور کتاب المبسوط میں ان کے تلامذہ نے جمع کیا ہے۔

حدیث کی اہم کتاب "مسند شافعی" ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مسند امام شافعی ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنہیں خود امام شافعی اپنے شاگردوں کے سامنے مع سند بیان کرتے تھے۔ مسند شافعی اگرچہ مسند کے نام سے مشہور ہے لیکن اس کی ترتیب نہ مسانید کے اعتبار سے ہے اور نہ ابوب کے لحاظ سے بلکہ اس میں کیف ما اتفق احادیث کو جمع کردیا گیا ہے۔اسی وجہ سے اس مجموعے میں احادیث کی تکرار بہت زیادہ ہے۔

وصال

امام شافعی ۵۴ برس کی عمر میں رجب ۲۰۴ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ان کا مزار مصر کے شہر قرافتہ میں ہے۔(۱۵۱)

*** شاہ عبدالعزیز:** شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے۔ ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) کو پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں قرآن حفظ کر لیا پھر ۱۷ برس کی عمر تک تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، عقائد، منطق، کلام، ہندسہ، ہیئت، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ والد کے انتقال پر مسند درس سنبھالی اور اپنے انتقال تک اس ذمے داری کو ادا کرتے رہے۔ حافظہ خوب قوی تھا۔ نیز عقلی و نقلی دلائل سے خوب مستند بات فرماتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کی کتب اور کارنامے آج اُمت اسلامیہ کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ۸۰ برس کی عمر میں ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء) میں وفات پائی۔

*** شاہ عبدالغنی:** شاہ ولی اللہ کے چھوٹے صاحبزادے۔ تفسیر حدیث اور فقہ وغیرہ جیسے علوم میں مہارت حاصل کی اور اپنی زندگی کو دین کی خدمت میں لگایا۔

*** شاہ عبدالقادر:** شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے۔ انہیں بھی تفسیر، حدیث اور فقہ کے علوم وراثت میں ملے تھے۔ دہلی کی اکبر آبادی مسجد میں ساری عمر گزار دی۔ حضرت شاہ عبدالقادر نے پہلی بار اردو کا بامحاورہ ترجمہ (موضح القرآن) کیا۔

*** شاہ محمد مخصوص اللہ:** مغلیہ عہد کے آخری دور کے مشہور عالم اور محدث۔ دہلی کے متقی اور باعمل بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ حضرت شاہ محمد مخصوص، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے چچا زاد بھائی تھے، لیکن دونوں کے درمیان اختلاف کافی تھا۔

ش ب

*** شبلی نعمانی:** سیرت نگار، عالم، مورخ، مشہور عالم "سیرت النبی ﷺ" کے مصنف۔ پورا نام محمد شبلی تھا، لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ سے عقیدت کی وجہ سے شبلی نعمانی مشہور ہوئے، کیونکہ امام ابوحنیفہ کا نام نعمان بن ثابت تھا۔

علامہ شبلی نعمانی بندوں (اعظم گڑھ) میں ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا جو ایک متمول تاجر تھے۔ اگرچہ تجارت و وکالت کی طرف گئے، لیکن علمی میلان دینی تعلیم کی طرف تھا، اس لئے ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ کالج میں عربی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہوگئے۔ بعد میں حیدر آباد میں انجمن ترقی اردو کی نظامت کی اور اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلما تشریف لے گئے۔ وہیں ان کے اپنے قابل شاگرد سید سلیمان ندوی سے ملاقات ہوئی۔ ۱۹۰۴ء میں ندوہ کے

رسالے ''الندوہ'' کی ادارت سنبھالی اور ۱۹۱۲ء تک یہ خدمات سر انجام دیں۔ ۱۹۱۳ء میں دارالعلوم ندوۃ کی ذمے داری سے بھی سبکدوش ہوگئے اور ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

علامہ شبلی نعمانی کا نام ایک تاریخ نگار اور قلم کار کی حیثیت سے زندہ ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ تو سیرت النبی ﷺ ہی ہے جس کی ایک جلد ہی وہ پوری کرپائے کہ فرشتۂ اجل کے سامنے لبیک کہنا پڑا اور باقی جلدوں کا کام ان کے لائق شاگرد علامہ سید سلیمان ندوی نے انجام دیا۔

علامہ شبلی نعمانی کی دیگر کتب میں ''الفاروق''، ''المامون''، ''سیرت النعمان''، ''سفرنامہ شام وروس'' وغیرہ کافی مشہور ہیں۔

⇦ سیرت النبی ﷺ + سلیمان ندوی۔

ش ج

✽ شجاع بن وہب: صحابی رسول ﷺ۔ حضرت شجاع بن وہب کو نبی کریم ﷺ نے والی بصرہ شرجیل بن عمر کے پاس دعوت اسلام کا مکتوب دے کر بھیجا، لیکن شرجیل نے حضرت شجاع کو شہید کرا دیا۔

ش ر

✽ شرح حدیث: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ حدیث کی وہ کتب جن میں کسی حدیث کی یا حدیث کی کسی کتاب کی شرح کی گئی ہو مثلاً فتح الباری یا عمدۃ القاری۔ ⇦ حدیث + اسماء الرجال + سنن۔

ش ع

✽ شعب ابی طالب: ابی طالب یا ابوطالب نام کی گھاٹی جس میں نبی کریم ﷺ اور ان کے اہل خانہ کو محض تبلیغ اسلام دعوت اسلامی کے ''جرم'' میں تین سال تک محصور ہوکر رہنا پڑا۔ ⇦ حصار شعب۔

✽ شعبی، امام: مشہور محدث۔ نام ابوعمرو بن شراحیل بن عمرو الشعبی تھا۔ امام شعبیؒ ابتدائے اسلام کے مشاہیر میں سے ہیں۔ والد بھی ایک ممتاز قاری تھے۔ شعبی دبلے پتلے تھے اور اس کی وجہ اپنی جڑواں پیدائش بتاتے تھے۔ ان میں ظرافت بھی تھی۔ امام شعبی کے بقول انہوں نے پانچ سو صحابہ سے احادیث سنیں۔ امام ابوحنیفہ بھی ان کے شاگرد تھے۔ اگرچہ خود کو فقیہ نہیں کہتے تھے، لیکن کوفہ کے فقہا ان سے مشورے کے لئے آتے تھے۔

ش ف

✽ شفاعت: سفارش، مقام محمود، وہ مقام کہ جب قیامت کے روز رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ درجہ بدرجہ لوگوں کی سفارش (شفاعت) اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کریں گے۔

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے عہد الست کے وقت ''بلیٰ'' فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ تمام نبیوں پر مقدم ہوگئے حال آنکہ تمام انبیا کے آخر میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ سب سے پہلے میرے لئے زمین شق ہوگی یعنی سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا۔ پس جنہیں (میدان حشر میں) سب سے پہلے پکارا جائے گا (کہ مقام محمود میں آجائیں اور حمد وثنا کریں) وہ محمد ﷺ ہوں گے۔ یہی معنی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے کہ ''قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک ایسے مقام پر فائز کرے جو نہایت پسندیدہ اور تعریف کا مقام (مقام محمود) ہے۔''

عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں سب سے پہلا ہوں جسے قیامت کے دن سجدے کی اجازت دی جائے گی۔ میں سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے سامنے نظر کروں گا (جب کہ سب کی نظریں

نیچی ہوں گی)۔ کہا جائے گا کہ محمدؐ! سر اٹھاؤ، جو مانگو دیا جائے گا، جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی۔ میں سب سے پہلا شافع اور سب سے پہلا مشفع ہوں گا (جس کی شفاعت قبول کی جائے گی)۔

شفاعت کے سلسلے میں اس طویل حدیث میں ہے کہ جب اولین و آخرین کی سرگردانی اور طلب شفاعت پر سارے انبیا جواب دے دیں گے کہ ہم اس میدان میں نہیں بڑھ سکتے، لوگ آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیا و رسل تک سلسلہ وار شفاعت سے عذر سنتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچیں گے اور طالب شفاعت ہوں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ جاؤ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ تو آدم علیہ السلام کی ساری اولاد آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوگی اور عرض کرے گی کہ اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیا ہیں (گویا آج سارے عالم کو رسالت محمدی اور ختم نبوت کا اقرار کرنا پڑے گا)، آپ ﷺ کی اگلی پچھلی لغزشیں سب پہلے ہی معاف کر دی گئی ہیں اس لئے آپ ﷺ پروردگار سے ہماری شفاعت فرمائیں تو آپ ﷺ بلا جھجک و بلا معذرت یہ درخواست قبول فرمائیں گے اور شفاعت کبریٰ کریں گے۔ ⇦ مقام محمود

ش ق

*** شق صدر:** سینہ چاک ہونا، نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ۔ شق صدر کا واقعہ آنحضور ﷺ کی زندگی میں چار بار ہوا۔

پہلی بار شق صدر (یعنی آپ کا سینہ مبارک چاک کرنا) کے متعلق حضور پر نور ﷺ نے فرمایا کہ ان دو سفید پوش شخصوں، (فرشتوں) میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کو ان کی اُمت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ وزن کیا تو میں بھاری نکلا پھر اسی طرح سو کے ساتھ، پھر ہزار کے ساتھ وزن کیا۔ پھر کہا بس کرو، واللہ اگر ان کو ان کی تمام اُمت سے وزن کرو گے تب بھی یہی وزنی نکلیں گے۔ اس جملے میں آپ ﷺ کو بشارت سنا دی گئی کہ آپ ﷺ نبی ہونے والے ہیں۔

شق صدر اور قلب اطہر کا دھلنا چار بار ہوا ایک تو یہی جو مذکور ہوا۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کے دل سے لہو ولعب کی محبت جو لڑکوں کے دلوں میں ہوتی ہے نکال دی جائے۔

دوسری بار دس سال کی عمر میں صحرا میں ہوا کہ جوانی میں آپ ﷺ کے دل میں رغبت ایسے کاموں کی جو بہ تقاضائے جوانی خلاف مرضی الٰہی سرزد ہوتی ہیں، نہ رہے۔

تیسری بار نبوت ملنے کے وقت ماہ رمضان میں غار حرا میں ہوا کہ آپ ﷺ کے دل کو وحی کو برداشت کرنے کی قوت ہو اور چوتھی بار معراج پر تشریف لے جانے کے وقت ہوا۔ اول آپ ﷺ کا سینہ اوپر سے پیٹ تک چاک کیا گیا اور آپ ﷺ کا قلب مبارک نکالا گیا اور ایک سونے کے طشت میں زم زم شریف تھا اس سے آپ ﷺ کا قلب مبارک دھویا گیا۔ پھر ایک اور طشت آیا جس میں ایمان اور حکمت تھا

وہ آپ ﷺ کے قلب مبارک میں بھر دیا گیا اور آپ ﷺ کے قلب کو اصلی مقام پر رکھ کر درست کر دیا گیا تاکہ آپ ﷺ کے دل کو طاقت مشاہدۂ عالم ملکوت اور لاہوت ہو جائے۔

*** شق قمر:** آنحضور ﷺ کا ایک معجزہ۔ جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ کفار مکہ کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے تو کفار مکہ نے نبوت کے ثبوت کے طور پر آپ ﷺ سے کوئی معجزہ مانگا۔ اس پر آپ ﷺ نے چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اس زمانے کے راجا جے سنگھ نے اپنے بالا خانے سے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے نجومیوں سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں نبی آخر الزمان (ﷺ) پیدا ہوگئے ہیں۔

*** شقران صالح:** صحابی رسول ﷺ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حبشی نژاد غلام۔ نام ان کا صالح تھا، لیکن اپنے لقب شقران سے مشہور ہوئے۔ انہیں بعد میں نبی کریم ﷺ نے خرید لیا تھا۔

شقران صالح ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوگئے تھے۔ مکہ سے مدینہ ہجرت بھی کی۔ عموماً جنگی قیدیوں کی حفاظت کا کام ان کے ذمے لگایا جاتا۔ دیانت داری اور محنت سے خوش ہو کر نبی کریم ﷺ نے انہیں بعد میں آزاد کر دیا تھا۔

ش ک

٭شکل بن حمید عبسی: صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ بنو عبس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں تفصیل نہیں ملتی۔

ش م

٭شماس بن عثمان: صحابی رسول ﷺ۔ ابن عثمان کے نام سے پکارے جاتے تھے، لیکن نہایت خوبصورت ہونے کی وجہ سے شماس نام پڑ گیا۔ ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔ پہلے مکہ سے حبشہ اور پھر حبشہ سے مدینہ ہجرت کی۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ غزوۂ احد میں زخمی ہوئے، اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۴ سال تھی۔

٭شمائل نبوی ﷺ: نبی کریم ﷺ کے عادات و اطوار، حلیہ وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کا قد موزوں تھا۔ رنگ سفید سرخ، پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے۔ چہرہ گوشت سے پُر نہ تھا بلکہ ہلکا تھا جب کہ دہانہ کشادہ تھا۔ دانت بہت پیوستہ نہ تھے۔ گردن اونچی، سر بڑا اور سینہ کشادہ تھا۔ سر کے بال (موئے مبارک) نہ بہت پیچیدہ (گھنگریالے) تھے اور نہ بالکل سیدھے۔ آپ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی۔ چہرہ کھڑا کھڑا تھا۔ آنکھیں سیاہ و سرمگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں اور شانے بھی گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ سینۂ مبارک سے ناف تک بالوں کی ہلکی سے لکیر تھی۔ کندھوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں چوڑی اور گوشت سے پُر تھیں۔ کلائیاں لمبی تھیں۔ پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے خمیدہ تھے کہ ان کے نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا چہرہ اتنا پُر اثر تھا کہ کافر بھی اس بات کو مانے بغیر نہ رہتے تھے کہ یہ کسی نبی کا چہرہ ہی ہو سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے پسینے میں بدبو نہ تھی بلکہ خوشبو تھی۔ پسینا موتی معلوم ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ کا قول ہے کہ میں نے دیبا اور حریر بھی آپ ﷺ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مشک و عنبر میں بھی آپ ﷺ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی۔

عام طور پر مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا، لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ شانوں کے بیچ میں مہرِ نبوت تھی جو نبی کریم ﷺ کے نبی ہونے کی قدرتی سند تھی۔ یہ مہر دراصل ایک سرخ گوشت سا ابھرا ہوا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق بائیں شانے کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے ایک خاص شکل بن گئی تھی، یہی مہر نبوت تھی۔

نبی کریم ﷺ کی رفتار تیز نہ تھی۔ چلتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے ڈھلوان زمین پر اتر رہے ہوں۔ نبی کریم ﷺ کے بال (موئے مبارک) اکثر شانوں تک لٹکے رہتے تھے۔ ابتدا میں اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے چھوٹے رکھتے تھے۔ بعد میں مانگ نکالنے لگے۔ بالوں میں اکثر تیل ڈالتے اور ایک دن چھوڑ کر کنگھی کیا کرتے تھے۔

عام لباس چادر، قمیص اور تہ بند تھی۔ کوئی مخصوص لباس کا اہتمام نہ تھا۔ پاجاما کبھی نہیں پہنا لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے منیٰ کے بازار سے پاجاما خریدا تھا۔ موزے عام طور پر نہیں پہنتے تھے، لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے، نبی کریم ﷺ نے استعمال فرمائے۔ عمامہ (پگڑی) باندھا کرتے تھے اور اس کا شملہ کبھی دوش مبارک پر اور کبھی دونوں کندھوں کے بیچ میں پیٹھ پر پڑا ہوتا تھا۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے چپکی ہوئی ایک ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

یمن کی دھاری دار چادر لباس میں سب سے زیادہ پسند تھی۔ اس کے علاوہ ایک سرخ دھاری دار چادر کی روایت بھی ہے، لیکن ابن قیم

نے کافی زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی سرخ لباس نہیں پہنا اور نہ مردوں کے لئے اس کو جائز رکھتے تھے۔ اس سرخ چادر کو حلۂ حمراء کہا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے جوتے کھلے ہوئے تھے جیسے آج کل پاکستانی عام طور پر سوفٹی چپل پہنتے ہیں۔ تاہم اس جوتے کے نیچے ایک تلا تھا اور اوپر پیر پھنسانے کے لئے ایک تسمہ۔

نبی کریم ﷺ کا بستر چمڑے کا گدا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے۔ چارپائی بان کی بنی ہوئی تھی جس پر لیٹنے سے اکثر جسم اطہر پر نشان پڑ جاتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک انگوٹھی بھی بنوائی تھی جو خطوط لکھتے وقت مہر کا کام دیتی تھی۔ اس انگوٹھی میں اوپر تلے تین سطروں میں "محمد رسول اللہ" کندا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ اس انگوٹھی کو دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے اور صرف مہر لگانے کے وقت اسے استعمال کرتے تھے۔

کئی قسم کی تلواریں نبی کریم ﷺ کے پاس مختلف وقتوں میں رہی ہیں۔ سب سے پہلی تلوار ماثور تھی جو وراثت میں والد سے ملی تھی۔ باقی تلواریں قصیب، قلعی، کاتبار، ذوالفقار وغیرہ تھیں۔ سات زرہیں نبی کریم ﷺ کے پاس تھیں۔ ذات الفضول، ذات الحواشی، ذات الوشاح، فضہ، سغدیہ، تبراء، خرنق۔

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک خود (لوہے کی ٹوپی) بھی تھی جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن پہنی ہوئی تھی۔

⇦ عادات نبوی ﷺ

✽ شمائل ترمذی: حافظ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی کی تصنیف جس کا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے ترجمہ و اضافہ کیا اور پھر اس کتاب نے اردو داں طبقے میں بڑی شہرت پائی۔ یہ کتاب نبی کریم ﷺ کے عادات و خصائل سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کرتی ہے۔

✽ شمعونؓ بن زید القرظی: صحابی رسول ﷺ۔ زوجہ مطہرہ حضرت ریحانہ کے والد۔ مدینہ کے یہود کے خاندان بنی قریظہ سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: شمعون بن زید بن خناقۃ القرظی۔ بعض روایتوں میں والد کا نام زید کے بجائے یزید بیان کیا گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد متقی اور فضلا صحابہ میں شمار ہوئے۔ غالباً حضرت عمر فاروق کے دور تک حیات رہے، لیکن ان کی وفات کا اصل زمانہ معلوم نہیں۔

ش ی

✽ شیبہ، بنو: قریش مکہ کا ایک خاندان جو حضرت شیبہ بن عثمان بن ابی طلعہ عبداللہ کی اولاد میں سے تھے۔ اس خاندان کو حاجب کعبہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ کعبۃ اللہ کی کلید برداری اور پاسبانی اسی خاندان کے سپرد تھی۔

⇦ بنو شیبہ۔

✽ شیبہ: نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا اصل نام۔

⇦ عبدالمطلب۔

✽ شیبہ بن عثمان عبدری: صحابی رسول ﷺ۔ نام شیبہ اور کنیت ابو عثمان تھی۔ سلسلہ نسب یہ ہے: شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبددار بن قصی۔ خانۂ کعبہ کی چابی انہی کے خاندان کے پاس تھی۔ حضرت شیبہ کا باپ عثمان بن ابی طلحہ اسلام کا سخت دشمن تھا۔ وہ غزوۂ احد میں حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضرت شیبہ بھی اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے کہ ایک ایمان افروز واقعہ پیش آیا۔

غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں کے قدم ڈگمگائے تو شیبہ نے جو اس وقت تک کفار کے لشکر میں شامل تھے اور مسلمانوں سے برسرپیکار تھے، دل میں کہا کہ آج میں اپنے باپ کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ چنانچہ وہ آنحضور ﷺ کو شہید کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ آنحضور ﷺ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے

دائیں جانب حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور بائیں جانب حضرت ابوسفیانؓ بن حارث موجود ہیں۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی پشت سے وار کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت شیبہ بن عثمان کا کہنا ہے کہ اسی وقت آگ کا ایک شعلہ میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ظاہر ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ شعلہ مجھے جلا کر راکھ کر دے گا، لہٰذا میں نے خوف زدہ ہو کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا، شیبہ! میرے نزدیک آؤ! میں آپ ﷺ کے نزدیک گیا تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھ کر فرمایا: الٰہی! شیبہ کو شیطان کے شر سے بچا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دل کو برے خیالات سے پاک کر دیا۔ خدا کی قسم، اس وقت رسول اللہ ﷺ مجھ کو میری آنکھ اور کان سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔ اس کے بعد میں کافروں کے خلاف تلوار چلانے لگا اور اپنی جان کو رسول اللہ ﷺ کی ڈھال بنالیا۔ اس وقت میری یہ کیفیت تھی کہ میرا باپ بھی حالت کفر میں میرے سامنے آتا تو اسے بھی اپنی تلوار سے قتل کر دیتا۔

حضرت شیبہ نے حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں ۵۹ھ میں وفات پائی۔ ان کے دو بیٹے تھے، مصعب اور عبداللہ۔

✽ شیرویہ: شاہ ایران خسرو پرویز کا بیٹا جس نے اپنے باپ کو قتل کر ڈالا تھا۔

✽ شیماء: نبی کریم ﷺ کی ایک رضاعی بہن۔ حلیمہ سعدیہ کی ایک بیٹی کا نام۔ آپ ﷺ اکثر شیما کی گود میں کھیلا کرتے۔ اوطاس کی لڑائی میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو ہزاروں کی تعداد میں کفار گرفتار ہوئے۔ ان اسیران جنگ میں حضرت شیما بھی تھیں۔ لوگوں نے جب انہیں گرفتار کیا تو انہوں نے کہا: ''میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔'' لوگ انہیں تصدیق کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس لائے۔ انہوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ ﷺ نے دانت سے کاٹا تھا) یہ اس کا نشان ہے۔ نبی کریم ﷺ کی آنکھوں سے فرط جذبات سے آنسو نکل پڑے۔ چنانچہ ان کے لئے خود اپنی چادر مبارک بچھائی، باتیں کیں اور پھر چند اونٹ اور بکریاں عنایت کیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ جی چاہے تو میرے گھر چلو، اور اپنے گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ حضرت شیماؓ نے واپس اپنے خاندان میں جانے کی خواہش کی اور انہیں عزت و احترام کے ساتھ وہاں پہنچا دیا گیا۔



ص

ص ا

*** صابی:** رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے لیے کفار کی طرز سے استعمال ہونے والی ایک اصطلاح۔ نبی کریم ﷺ اور مسلمان ہونے والے افراد کو مکہ کے کفار (صابی) کہہ کر پکارتے تھے۔ مشرکین کا کہنا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ کر نیا مذہب بنا لیا ہے، اس لئے محمد ﷺ اور اس کے پیروکار سب صابی (مرتد) ہوگئے ہیں۔

صائبین (صابی کی جمع) ایک ستارہ پرست قوم تھی اور بابل کے باشندے تھے۔ صائبین ایک سبعہ کو معبود مانتے تھے اور تمام حوادث عالم کو انہی کی تاثیرات کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ ہر ہر ستارے کے نام سے ان لوگوں نے علیحدہ علیحدہ بت بنا رکھے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔

*** صادقہ:** وہ بیاض جس میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ ان احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے جو نبی کریم ﷺ سے سنتے۔ عموماً صحابہ کرام آپ ﷺ کی احادیث کو نہیں لکھا کرتے تھے، مگر عبداللہ بن عمروؓ ان احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی عادت تھی کہ نبی کریم ﷺ سے جو سنتے تھے، لکھ لیا کرتے تھے۔ قریش نے ان کو منع کیا کہ آنحضرت ﷺ کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوشی میں اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو۔ عبداللہ بن عمروؓ نے اس لئے لکھنا چھوڑ دیا اور نبی کریم ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، تم لکھ لیا کرو! اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لا چکے ہیں ان کے نام قلم بند کئے جائیں۔ چنانچہ ۱۵۰۰ صحابہ کے نام دفتر میں درج کئے گئے۔

ص ب

*** صبر:** ایک جنگی طریقہ جس میں دشمن کو گرفتار کرنے کے بعد اس کو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیروں کا نشانہ بناتے یا تلوار سے کام لیتے۔ عرب میں یہ ایک عام طریقہ تھا، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو "صبر" کا بے رحمانہ طریقہ اختیار کرنے سے منع فرمادیا۔

ص ح

*** صحابی:** وہ مسلمان جس نے رسول اللہ ﷺ کو ایمان کی حالت میں ظاہری آنکھ سے دیکھا۔ ان تمام صحابہ کرام کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ تمام مسلمانوں کے ذمے ہے کہ تمام صحابہ کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور کسی قسم کی بدگمانی نہ کریں۔

فضائل صحابہ

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہوں گے اور پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہوں گے۔ عمران بن حصین (روایت بیان کرنے والے) فرماتے ہیں کہ یہ ٹھیک یاد نہیں رہا کہ دو زمانے فرمائے یا تین۔ اس کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو گواہیاں دیں گے حال آنکہ ان سے گواہی طلب نہ کی

جائے گی اور خیانت کریں گے اور امین قرار نہ دیئے جائیں گے۔ اور منتیں مانیں گے، مگر پوری نہ کریں گے۔ اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

جس مدت میں اہل زمانہ ختم ہوجائیں وہ قرن کہلاتا ہے۔ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے بھی قرن سطح زمین پر ہوئے ہیں ان میں بہترین قرن (زمانہ) حضرات صحابہ کا ہے کہ سرور عالم ﷺ کا وجود سطح زمین پر جلوہ فرما ہوا اور یہ مبارک قرن ۱۰۰ھ میں ختم ہوا جب کہ آخری صحابی حضرت ابو طفیلؓ نے اٹھانوے سال کی عمر میں وفات پائی اور چونکہ مجموعہ قرن (زمانہ) کا کہ اس میں سید الانبیاء بھی شامل ہیں، تمام قرون سے افضل ہونا مراد ہے نہ کہ ہر ہر فرد کا افضل ہونا، لہٰذا حضرات صحابہ کی گزشتہ انبیاء پر فضیلت لازم نہ آئی۔

قرن صحابہ کے بعد افضل ترین قرن تابعین کا ہے، اور پھر تبع تابعین کا کہ افضیلت محمدیہ کی وجہ سے آپ کی اُمت کو دیگر امم پر افضیلت کلیہ حاصل ہے اور جتنا قرب کسی کو نور آفتاب سے ہوگا، اسی قدر اس میں روشنی زیادہ ہوگی۔ پھر چوتھے قرن میں وہ نورانیت نہ رہی،

اسی وجہ سے گواہی میں بے باکی اور جرات پیدا ہوگئی۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "آگ نہ چھوئے گی اس مسلمان کو جس نے مجھ کو دیکھا یا اس کو جس نے میرے صحابہ کو دیکھا"

اس میں صحابہ اور تابعین کے مغفور اور جنتی ہونے کی بشارت ہے، کہ حسن خاتمہ کے ساتھ سید الانبیا کے چہرۂ انور پر ایک نظر ڈالنے سے ایمان میں جو حلاوت اور مشاہدے کی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی وہ دوسروں کو برسوں کے مجاہدے سے بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلامی لشکر جہاد میں جائے گا۔ پس کہا جائے گا کیا تم میں سے کوئی ہے جس کو صحبت رسول اللہ ﷺ نصیب ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے ہاں ہے۔ پس ان کو (صحابی کی برکت سے) فتح نصیب ہوگی۔ پھر دوسرا زمانہ آئے گا کہ لشکر جہاد میں جائیں گے۔ پس کہا جائے گا کہ تم میں کوئی ہے جس کو حضور ﷺ کے اصحاب کی صحبت حاصل ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے، ہاں ہے۔ پس ان کو (تابعی کی برکت سے) فتح نصیب ہوگی پھر تیسرا زمانہ آئے گا کہ اسلامی لشکر جہاد میں جائے گا۔ پس کہا جائے کہ کیا تم میں کوئی ہے جس کو صحابہ کے اصحاب (تابعی) کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے ہاں ہے۔ پس ان کو (تبع تابعی کی برکت سے) فتح نصیب ہوگی۔ ایک روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ پھر چوتھا لشکر روانہ ہوگا اور کہا جائے گا، دیکھو ان میں کوئی ہے جس نے دیکھا ہو کسی (تبع تابعی) کو پس اس کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے درمیان کچھ معاملہ ہوا۔ جس میں حضرت خالدؓ نے ان کو سخت سُست کہا تو رسول اللہ ﷺ نے مطلع ہو کر (خالدؓ سے) فرمایا کہ میرے صحابہ کو سب وشتم نہ کرو کہ تم میں کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (راہ خدا میں) صرف کرے گا تو ان کے ایک مد بلکہ آدھے کو بھی نہ پہنچ سکے گا۔

تمام صحابہ میں چار صحابی افضل ہیں:

1. حضرت ابوبکر صدیقؓ۔
2. حضرت عمرؓ۔
3. حضرت عثمانؓ۔
4. حضرت علیؓ۔

صحابہؓ کی خوبیاں

حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے سارا مال دین کے کاموں میں میری مرضی کے موافق خرچ کرڈالا اس لئے جس قدر ان کے مال سے مجھے فائدہ پہنچا کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔ خلت اس محبّت کو کہا جاتا ہے جس کی جڑیں دل کے رگ و ریشے میں پھیلی ہوئی ہوں۔ فرمایا ایسی محبّت مجھے اللہ ہی سے ہے جس میں کسی اور کی محبت کی گنجائش نہیں۔ اگر کچھ بھی گنجائش ہوتی تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے بعد آپ ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ سے جس قدر محبّت تھی کسی اور سے نہ تھی۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں، ہم سب میں بہتر ہیں اور سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو پیارے ہیں۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جن کو اللہ کی طرف سے الہام ہوتا تھا۔ اگر میری اُمت میں ایسا کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ (متفق علیہ)

یعنی حضرت عمرؓ کا یہ مرتبہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کی طرف سے نیک اور صحیح بات پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو خطاب کا بیٹا عمر ہوتا۔ (ترمذی)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنی آستین میں ڈال کر آپ ﷺ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں لائے جب کہ آپ ﷺ غزوۂ تبوک کے لشکر کا سامان درست کر رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے وہ اشرفیاں آپ ﷺ کی گود میں لا ڈالیں۔ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ مارے مسرت کے ان اشرفیوں کو الٹ پلٹ کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ آج کے بعد عثمان جو عمل کریں، معاف ہے۔ آپ ﷺ نے دو دفعہ یہ جملہ فرمایا۔ (مسند احمد)

حضرت مرہ بن کعب کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، جب آپ ﷺ فتنہ کا ذکر فرما رہے تھے اور انہیں نزدیک ہی بتا رہے تھے کہ اتنے میں کپڑا اوڑھے ہوئے ایک شخص گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ شخص اس دن حق پر ہوگا۔ میں نے اٹھ کر معلوم کیا تو وہ حضرت عثمانؓ تھے۔ میں نے ان کے سامنے آ کر نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یہ شخص حق پر ہوگا۔ فرمایا، ہاں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ احد پہاڑ پر چڑھے۔ وہ ہلنے لگا آپ ﷺ نے اپنا پاؤں مار کر اس سے فرمایا، احد ٹھہر جا حرکت بند کر دے۔ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آج کی رات خواب میں ایک نیک شخص کو دکھلایا گیا۔ گویا ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کو لپٹے ہیں اور عمرؓ ابوبکرؓ کو اور عثمانؓ عمرؓ کو۔ جابر کا بیان ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ گئے تو ہم نے کہا، وہ نیک شخص خود رسول اللہ ﷺ ہیں اور جن لوگوں کو ایک دوسرے سے لپٹا ہوا دیکھا وہ یکے بعد دیگرے خلفا ہیں۔ (ابوداؤد)

حضرت اُمّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے علیؓ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہاری کچھ عیسیٰ علیہ السلام کی سی مثال ہے۔ ان سے یہودیوں نے دشمنی کی یہاں تک کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھا اور عیسائیوں نے محبت کی تو ایسی کہ ان کے مقام سے اتار کر دوسرا مقام دے دیا پھر فرمایا کہ میرے بارے میں دو شخص برباد ہوں گے۔ ایک تو مجھ سے حد سے زیاد محبت رکھنے والا جو میری ایسی مدح کرے گا جس کے میں لائق نہیں اور دوسرا مجھ سے عداوت رکھنے والا جو اسے اس بات پر آمادہ کرے گی کہ مجھ پر بہتان باندھے۔

(مسند احمد)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ابوبکرؓ جنت میں ہیں۔ عمرؓ جنّت میں ہیں۔ عثمانؓ جنّت میں ہیں۔ علیؓ جنّت میں ہیں۔ طلحہؓ جنّت میں ہیں۔ زبیرؓ جنّت میں ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف جنّت میں ہیں۔ سعدؓ بن ابی وقاص جنّت میں ہیں۔ سعیدؓ بن زید جنّت میں ہیں۔ اور ابوعبیدہؓ بن جراح جنّت میں ہیں۔

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حق تعالیٰ نے مجھے چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم فرمایا اور مجھے خبر دی کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ ﷺ ان کا نام کیا ہے؟ فرمایا ان میں علیؓ بھی ہیں (تین دفعہ یہی جملہ فرمایا)، ابوذرؓ، مقدادؓ، اور سلمانؓ بھی ہیں۔ ان کی دوستی کا مجھ کو حکم دیا اور خبر دی کہ وہ ان کو دوست رکھتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کے ساتھ شرفاً نگہبان ہوتے ہیں لیکن میرے نگہبان چودہ ہیں۔ ہم نے پوچھا، وہ کون ہیں؟ فرمایا: ① علیؓ ② حسنؓ ③ حسینؓ ④ جعفرؓ ⑤ حمزہؓ ⑥ ابوبکرؓ ⑦ عمرؓ ⑧ مصعب بن عمیرؓ ⑨ بلالؓ ⑩ سلمانؓ ⑪ عمارؓ ⑫ ابن مسعودؓ ⑬ مقدادؓ ⑭ ابوذرؓ۔ (ترمذی)

حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ انصار سے محبّت مؤمن ہی رکھے گا اور ان سے عداوت منافق ہی رکھے گا۔ پھر جس نے ان سے محبّت رکھی اللہ بھی اس سے محبّت رکھے گا اور جس نے ان سے بغض رکھا اللہ پاک بھی اس سے بغض رکھے گا۔ (بخاری مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصاری ہوتا۔ اگر تمام لوگ ایک راہ پر یا ایک گھاٹی پر چلیں اور انصار دوسری راہ یا گھاٹی پر تو میں انصار ہی کی راہ اور گھاٹی پر چلوں گا۔ انصار بدن سے لگا ہوا کپڑا ہیں اور دیگر مسلمان بالائی کپڑا ہیں۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ کی اور تمہاری طرف ہجرت کی۔ اب میری زندگی تمہاری زندگی اور میری موت تمہاری موت ہے۔ (مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ اس وقت چادر کا ایک حصّہ سر سے باندھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ منبر پر چڑھ گئے پھر آپ ﷺ کو منبر پر چڑھنے کا موقع نہ مل سکا۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ میں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، ان کا خیال رکھنا کیوں کہ یہ میرے پیٹ اور پوٹلی ہیں (میرے راز دار اور بھیدی ہیں)۔ ان پر جو حق تھا، ادا کر چکے اور ان کا حق ہنوز ادا نہ ہو سکا لہٰذا ان کے نیکوں کی نیکیوں کی قدر کرو اور بروں کی برائی سے درگزر کرو۔ (بخاری)

حضرت زیدؓ بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ انصار کو ان کے بیٹوں اور ان کے پوتوں کو بخش دے۔ (مسلم)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بدر والوں کو اللہ پاک نے جھانک فرمایا، جو چاہو کرو تمہارے لئے بہشت واجب ہو ہی چکی۔ (بخاری مسلم)

حضرت رفاعہؓ کا بیان ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے آکر پوچھا کہ آپ بدریوں کو کیا سمجھتے ہیں؟ فرمایا، سب مسلمانوں سے افضل یا اسی جیسا کوئی کلمہ فرمایا۔ حضرت جبرئیل نے کہا، اسی طرح وہ فرشتے تمام فرشتوں سے افضل شمار کئے جاتے ہیں جو بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ (بخاری)

حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے امید ہے کہ بدر و حدیبیہ والوں میں سے کوئی بھی انشاء اللہ دوزخ میں نہ ہو۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ والے دن چودہ سو اصحاب تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آج تم تمام انسانوں سے بہتر ہو۔ (بخاری مسلم)

٭ صحاح ستہ: احادیث کی مستند ترین کتب یعنی چھے اماموں کی "صحیح"۔ "صحاح ستہ میں درج ذیل چھے کتب شامل ہیں:

1. الجامع الصحیح ⇦ بخاری شریف + بخاری، امام۔
2. صحیح مسلم ⇦ مسلم شریف + مسلم، امام۔
3. سنن ابن ماجہ ⇦ ابن ماجہ، سنن + ابن ماجہ، امام۔
4. سنن ابوداؤد ⇦ ابوداؤد، سنن + ابوداؤد، امام۔
5. جامع ترمذی ⇦ ترمذی شریف + ترمذی، امام۔
6. سنن نسائی ⇦ نسائی، سنن + نسائی، امام۔

مذکورہ بالا مجموعہ ہائے احادیث دنیا میں سب سے زیادہ مستند مانے جاتے ہیں اور انہیں "صحاح ستہ" کہتے ہیں۔

٭ صحیح بخاری: مجموعہ احادیث، صحاح ستہ میں سب سے معتبر کتاب حدیث جو حضرت امام بخاری نے مرتب کی۔ ⇦ بخاری، امام + بخاری شریف + حدیث + صحاح ستہ۔

٭ صحیح حدیث: اصطلاح علم الحدیث۔ نہایت مستند حدیث جس کی ابتدا سے انتہا تک راویوں میں کسی قسم کی شذوذ اور علت نہ پائی جاتی ہو۔ صحیح حدیث پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ⇦ حدیث۔

٭ صحیح مسلم: احادیث کا مجموعہ جو صحاح ستہ میں سے ہے۔ اس کے مرتب امام مسلم ہیں۔ ⇦ مسلم، امام + مسلم شریف + صحاح ستہ۔

ص د

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: خلیفہ اول، یار غار، رسول اللہ ﷺ وسلم کے سب سے قریبی ساتھی اور انسانوں میں انبیا کے بعد سب انسانوں سے افضل۔

حضرت ابوبکر صدیق کا اصل نام عبداللہ تھا اور کنیت ابوبکر تھی۔ اواہ، عتیق صدیق القاب تھے۔ "اواہ" کالقب اہل مکہ نے ان کی نرم دلی کی وجہ سے انہیں دیا تھا جب کہ "عتیق" کالقب نبی کریم ﷺ نے ان کو عطا کیا تھا جس کا مطلب ہے آتش دوزخ سے آزاد۔ اس کے علاوہ ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق کو ان کے حسن وجمال کی وجہ سے عتیق کہا جاتا تھا۔ "صدیق" کالقب انہیں اس وقت ملا جب نبی کریم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے اور واپسی حضرت ابوبکر صدیق نے بلاچون وچرا آپ ﷺ کے اس معجزے کی تصدیق کی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے شب معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میری قوم (معراج کی) تصدیق نہ کرے گی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی، ابوبکر آپ کی تصدیق کریں گے۔ وہ صدیق ہیں۔ گویا یہ لقب حضرت جبرئیل علیہ السلام کا عطا کردہ ہے۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ اسلام میں حضرت ابوبکر صدیق کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ پہلے تو شب معراج کے موقع پر اس معجزے کی جس طرح سے تصدیق کی وہ مثالی ہے پھر اہل وعیال کو چھوڑ کر رسالت ماب ﷺ کے ساتھ ہجرت، غار ثور میں قیام اور تمام راستے آنحضور ﷺ کی خدمت، جنگ بدر میں گفتگو، مقام حدیبیہ میں لوگوں کے شکوک کا ارتفاع، اور مکہ میں داخلے میں تاخیر ہوئی اور رسول ﷺ کا فرمان سن کر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا میں رہنے یا آخرت قبول کر لینے کا اختیار دیا ہے، پھر رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کی تسکین کی خاطر ان سے کلام وغیرہ تمام کی تمام باتیں حضرت صدیق اکبر کو دیگر صحابہ کرام سے ممتاز کرتی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق کا نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن عب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ والدہ کی طرف سے نصب نامہ یہ ہے: سلمٰی بنت صخر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ صدیق اکبر کی والدہ سلمٰی، ان کے والد کی چچازاد تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق ولادت نبوی سے دو سال اور چند ماہ پہلے پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ میں پرورش پائی اور چونکہ والد تجارت کیا کرتے تھے، اس لیے مکہ سے باہر بغرض تجارت کئی بار جانا ہوا۔ پورے خاندان میں سب سے مال دار تھے۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کی شرافت وحکومت دس خاندانوں میں منقسم تھی اور انھی پر کاروبار زندگی کا انحصار تھا: ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔ ان خاندانوں میں سے سب کے ذمے کوئی نہ کوئی اہم ذمہ داری تھی۔ چنانچہ بنو تیم میں خون بہا اور تاوان کے فیصلے حضرت ابوبکر صدیق فرمایا کرتے تھے۔

قبول اسلام

جب آنحضور ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم پر اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تو سب سے پہلے آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ ﷺ کی دعوت اسلامی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بلاپس وپیش فوراً اسلام قبول کر لیا اور اسلام کی ہر طرح سے خدمت کا عہد کیا۔ ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کی دعوت کو لے کر دوسروں کے پاس بھی گئے۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق اسلام لائے۔ ابن ابی خثیمہ نے زید بن ارقم کی زبانی لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے صدیق اکبر نے نماز پڑھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک نیک طینت، شریف النفس اور بہادر انسان تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، ایک بار مشرکین نے نبی

کریم ﷺ کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ حالت یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کو گھسیٹ رہے تھے۔ اس موقع پر بخدا ہم میں سے کسی نے بھی اقدام نہیں کیا البتہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے، مشرکین کو مارتے، گھسیٹتے، دھکے دیتے ہوئے آگے بڑھے اور کہا: افسوس ہے کہ تم اس شخص کو مارتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف ایک اللہ ہے۔ پھر میں اور ابوبکر اتنا روئے کہ ان کی ریش تر ہوگئی۔ عروہ بن زبیر مروی ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر بن عاصی سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکوں نے سب سے زیادہ سخت کیا برائی کی؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے بچشم خود دیکھا کہ عقبہ بن ابومعیط اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جب آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے اپنی چادر آپ ﷺ کی گردن میں ڈال کر آپ ﷺ کا گلا گھونٹنا چاہا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ تماشائیوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور عقبہ بن ابومعیط کو دھکا دے کر پرے گرا دیا۔

جنگ احد میں تمام لوگ تتر بتر ہوگئے لیکن واحد صدیق اکبر تھے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے۔ حضرت صدیق اکبر کی زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کو مصیبت اور تکلیف میں دیکھا تو فوراً بلا کسی تردد اور خوف کے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آپ ﷺ کو اس مصیبت سے نکالنے کی کوشش کی۔

سخاوت

حضرت ابوبکر صدیق نہایت سخی انسان تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد تو اس سخاوت میں کہیں اضافہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ جس وقت انھوں نے اسلام قبول کیا ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ یہ دینار حضرت ابوبکر نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لاکر پیش کر دیے۔ ابوسعید نے ابن عمر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اس وقت ان کے پاس ان چالیس ہزار دینار میں سے صرف پانچ ہزار باقی تھے۔ یہ ساری رقم حضرت ابوبکر صدیق نے غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دی۔

حضرت عمر مروی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں راہ خدا میں اپنا اپنا مال لانے کا حکم دیا۔ میں صدیق اکبر پر سبقت لے جانے کے خیال سے اپنی نصف دولت لے آیا اور بارگاہ نبوی میں پیش کر دی۔ سرور دوعالم ﷺ نے دریافت کیا: اے عمر! اپنے اہل وعیال کے لیے کتنا چھوڑ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا، اتنا ہی ان کے لیے رکھ دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق سے پوچھا تو وہ کہنے لگے: یارسول اللہ، جو کچھ میرے پاس تھا سب لے آیا ہوں۔ ارشاد ہوا: کیا اہل وعیال کے لیے کچھ نہیں چھوڑا؟ حضرت صدیق اکبر بولے، ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ میں ابوبکر سے ہرگز سبقت نہیں لے جاسکتا۔

ہجرت

حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی کا غالباً سب سے اہم واقعہ وہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ والوں سے مایوس ہوگئے اور یثرب کو جانے کا ارادہ کیا تو اپنے ساتھ کے لیے نگاہ انتخاب حضرت ابوبکر صدیق ہی پر پڑی۔ چنانچہ جب ہجرت کی رات آئی تو حضرت علیؓ کو اپنے بستر مبارک پر لٹا کر حضرت ابوبکر صدیق کے ہمراہ یثرب (مدینہ) کی طرف چل پڑے۔ ⇦ ہجرت مدینہ۔

خلافت

آنحضور ﷺ نے وفات سے قبل ہی اپنے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی طرف اشارہ فرمادیا تھا۔ چنانچہ عمر کے آخری دور میں کہ جب نبی کریم ﷺ کی طبیعت بہت ناساز رہنے لگی تھی، ایک دن عشا کی نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے عشا کی نماز کی تیاری شروع کی۔ جب غسل فرما کر اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہوگئے۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ لہٰذا کئی دن تک حضرت ابوبکر صدیق نماز پڑھاتے رہے۔

وفات سے چار روز پیشتر آنحضور ﷺ کی طبیعت ذرا سنبھلی تو آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ غسل کے بعد نبی کریم ﷺ حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت

حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹنا چاہا تو آپ ﷺ نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد نبی کریم ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا: میں تمہارا امیر کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ تم سے ملاقات کا وعدہ حوض کوثر پر ہے۔ میں اس وقت حوض پر کھڑا ہوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ سنو، اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ دنیا اور دنیا کی مسرتوں سے جتنا چاہے لے لو یا جوار خداوندی کی سعادتوں کو قبول کر لو۔ اس بندے نے جوار خداوندی کی سعادتوں کو قبول کر لیا۔

یہ بات خاص اشارہ تھی حضرت ابوبکرؓ کی طرف۔

بارہ ربیع الاول گیارہ ہجری کو نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ آپ ﷺ کی وفات سے اکثر صحابہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ منافق خوش ہوئے اور صحابہ کرام رنجور۔ حضرت عمر نے یہ خبر سنی تو اتنے بے حال ہوئے کہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: جو کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی ہے، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق تشریف لائے اور سالم بن عبداللہ الاشجعی سے پوچھا: کیا واقعی رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے ہیں؟ جب اس خبر کی صداقت کا پتا چلا تو شدت غم سے ہچکیاں بندھ گئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق سیدھے حجرۂ نبوی کی طرف گئے اور اجازت چاہی۔ اندر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز آئی، آج کے دن اجازت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ خاتم الانبیا ﷺ چار پائی پر ہیں۔ آپ ﷺ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر واپس ہو کر لوگوں کی طرف آئے اور مجمع سے خطاب کر کے فرمایا:

"لوگو! اگر کوئی محمد کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ وہ اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور اگر کوئی محمد کے رب کی عبادت کرتا ہے تو جان لے کہ وہ زندہ ہے، اس کو موت نہیں۔ محمد خدا کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے نبی گزر چکے ہیں۔ کیا ان کا انتقال ہو جائے یا وہ راہ خدا میں مارے جائیں تو تم اسلام سے پلٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی پلٹ جائے تو وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ شکر گزار بندوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔"

یہ آیت سنتے ہی حضرت عمر چلا کر بولے: "کیا یہ آیت قرآن میں موجود ہے؟"

حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: "اللہ نے کہا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو اس کی وفات کی خبر اس وقت دی تھی کہ جب وہ زندہ تھے۔ موت اٹل ہے، سب مر جائیں گے بجز خدا کے۔"

اس حکیمانہ خطبے کا اثر یہ ہوا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے بڑا مسئلہ خلافت کا تھا۔ اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منافقوں نے فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کی لہٰذا انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق بروقت آ موجود نہ ہوتے تو شاید لڑائی کی صورت پیدا ہو جاتی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے انصار اور مہاجرین دونوں کو سمجھایا اور ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عمر کے نام خلافت کے لئے تجویز کئے، لیکن حضرت عمر نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور فرمایا کہ نہیں، بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی آپ کو سب سے عزیز رکھتے تھے۔

یہ بات واضح تھی کہ اس وقت حضرت صدیق اکبر سے بڑھ کر بزرگ اور بااثر مسلمان کوئی نہ تھا، اس لیے حضرت عمر کی بات کو سب نے دل سے قبول کیا اور اس طرح منافقین کی ایک سازش ناکام ہوگئی اور آنے والا طوفان ٹل گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بنا دیئے گئے۔

فتنہ ہائے ارتداد

حضرت ابوبکر صدیق کو جن مسائل سے سابقہ پڑا ان میں سب سے بڑا مسئلہ مرتدین کا فتنہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد (اور بعض جگہوں پر آپ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام ہی میں) ناپختہ ایمان لوگوں

اور ایمان فروشوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے اسلام سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ بعض نے صاف صاف اسلام کا انکار تو نہ کیا، لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ بعض جگہوں پر جھوٹے مدعیان نبوت بھی اٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے اپنی نبوت کے دعوے کیے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید کو نبی کریم ﷺ اپنی حیات ہی میں شام پر حملے کا حکم دے چکے تھے۔ لیکن موجودہ حالات کی وجہ سے بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ فی الحال یہ لشکر نہ بھیجا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس تجویز کے جواب میں فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر مدینہ اس طرح کے آدمیوں سے خالی ہوجائے کہ درندے میری ٹانگ کھینچنے لگیں، تب بھی میں اس مہم کو نہیں روک سکتا۔"

چنانچہ حضرت اسامہ کو روانگی کا حکم دیا اور خود دور تک اس لشکر کو چھوڑنے کے لیے پاپیادہ تشریف لے گئے۔ اللہ کے فضل و کرم سے چالیس دن بعد یہ مہم کامیاب و کامران لوٹی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں مسیلمہ کذاب کا قتل اہمیت رکھتا ہے۔ ویسے تو اور بہت سے گمراہ لوگوں نے اسلام کے خلاف سازشیں کیں اور نبوت کے دعوے کئے، لیکن تاریخ میں مسیلمہ کذاب سب سے مشہور ہے۔ ⇦ مسیلمہ کذاب۔

اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں ایک عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا (اس کا ذکر تاریخ میں کم ہی ملتا ہے اور اس کا نام زیادہ معروف بھی نہیں ہے) جس کا نام سجاح تھا اور اس نے مسیلمہ کذاب سے بہ ظاہر نکاح کرلیا تھا۔ ⇦ سجاح۔

حضرت ابوبکر صدیق کی وفات

نبی کریم ﷺ کی رحلت کا صدمہ حضرت ابوبکر صدیق کو بہت زیادہ تھا جس کا گہرا اثر ان کے دل پر ہوا تھا۔ عبداللہ بن عمر کے مطابق یہی غم تھا جس نے حضرت ابوبکر پر بہت اثر کیا۔ ابن شہاب نے جو روایت بیان کی ہے اس کے مطابق انہیں کسی نے کھانے میں زہر ملا کر دے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر اور حارث بن کلاہ کھانا کھا رہے تھے کہ حارث کو زہر معلوم ہوا۔ انہوں نے فوراً صدیق اکبر کو کھانے سے روک دیا اور عرض کی کہ یہ زہر ایک سال میں اپنا اثر کرتا ہے، اس لیے ہم دونوں کا انتقال ایک ہی دن ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دونوں کا انتقال ایک ہی دن ہوا۔ اس کے برخلاف واقدی اور حاکم نے حضرت عائشہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوبکر کو سات جمادی الثانیہ کو غسل کے بعد سردی کے باعث بخار ہوگیا۔ یہ بخار اس قدر شدید تھا کہ نماز پڑھانے کے لئے پندرہ دن تک مسجد بھی نہ جاسکے۔ آخرکار اسی بخار کے باعث ۶۳ برس کی عمر میں ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ ہجری کو رحلت فرماگئے۔

اپنی وفات سے قبل حضرت عمر فاروق کو خلیفہ ثانی مقرر فرمایا اور لوگوں سے اس کے بارے میں رائے بھی لی۔ تمام افراد نے حضرت ابوبکر کے اس انتخاب سے اتفاق کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا زمانہ دو سال سات ماہ رہا۔

ازواج و اولاد

حضرت ابوبکر کے خاندان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ابوقحافہ (حضرت ابوبکر کے والد)، ان کے بیٹے حضرت ابوبکر، ان کے بیٹے عبدالرحمان اور ان کے بیٹے ابوعتیق نے دیکھا۔ ان کے سوا کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا کہ کسی صحابی کی چار پشتوں نے آنحضور ﷺ کی زیارت کی ہو۔

خلیفہ ثانی حضرت ابوبکر صدیق کی پہلی بیوی قتیلہ بنت عبدالعزیٰ تھیں جس سے عبداللہ بن ابی بکر اور ان کے بعد اسما بنت ابی بکر (عبداللہ بن ابی بکر کی والدہ) پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی اُمّ رومان تھیں۔ ان کے بطن سے عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عائشہ پیدا ہوئیں۔ جب حضرت ابوبکر مسلمان ہوئے تو قتیلہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے اس کو طلاق دے دی۔ اس کے برعکس اُمّ رومان نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق نے دو نکاح اور کیے۔ ایک اسما بنت عمیس کے ساتھ جو جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں، دوسری حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ سے جو قبیلہ خزرج سے تھیں۔ اسما بنت عمیس سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے اور حبیبہ کے بطن سے ایک بیٹی اُمّ کلثوم ان کی وفات کے

بعد پیدا ہوئیں۔

ص ف

❊ **صفا:** مکہ مکرمہ کی معروف دو پہاڑیوں میں سے ایک کا نام جن کے درمیان "سعی" کی جاتی ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے۔

⇦ آباو اجداد نبوی ﷺ + ابراہیم علیہ السلام + اسماعیل علیہ السلام۔

❊ **صفوان بن امیہ:** صحابی رسول، دشمن اسلام امیہ بن خلف کے بیٹے۔

ابتدا میں اپنے باپ امیہ بن خلف (⇦ امیہ بن خلف) کے ساتھ مل کر خود بھی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے اور اسلام لانے والے مظلوموں پر ظلم کرنے میں کسی قسم کی نرمی سے کام نہ لیتے تھے۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ امیہ بن خلف اور ایک بھائی علی بن امیہ مسلمانوں کے ہاتھ ہلاک ہوگئے۔ جب یہ دونوں ہلاک ہوگئے تو صفوان بن امیہ نے مکہ میں ایک مقام حجر میں اپنے چچازاد بھائی عمیر بن وہب سے کہا کہ اگر تم محمد (ﷺ) کو قتل کردو تو میں تمہارا تمام قرضہ ادا کردوں گا اور تمہارے اہل و عیال کی پرورش اسی طرح کروں گا جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتا ہوں۔ دراصل عمیر بن وہب کا بیٹا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا تھا اور وہ بھی مسلمانوں سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ جب عمیر بن وہب کو صفوان بن امیہ کی طرف سے یہ اطمینان ہوا تو انہوں نے سامان سفر ساتھ لیا اور مدینہ کا رخ کیا۔ امیہ کی طرف سے یہ اطمینان ہوا تو انہوں نے سامان سفر ساتھ لیا اور مدینے کا رخ کیا۔

عمیرؓ مدینہ منورہ پہنچے اور اپنی سواری کا اونٹ باندھ کر مسجد نبوی میں داخل ہونے کا ارادہ کیا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی نظر ان پر پڑی۔ انہوں نے لپک کر ان کو دبوچ لیا اور پوچھا، "او دشمن خدا، تو یہاں کس غرض سے آیا ہے؟۔"

عمیرؓ نے جواب دیا: میں اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لئے آیا ہوں۔

حضرت عمرؓ کو ان کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ ان کو گھسیٹتے ہوئے رسول کریم ﷺ کے پاس لے گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

"عمر! اس کو چھوڑ دو۔" انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔

اثنائے گفتگو میں حضور ﷺ نے معًا ان سے پوچھا:

"اے عمیر! سچ کہو یہاں کس ارادے سے آئے ہو۔ مکہ میں صفوان بن امیہ سے حجرے میں کیا طے ہوا تھا؟۔"

یہ سن کر عمیرؓ سکتے میں آگئے اور گھبرا کر کہا: "آپ ہی فرمائیے۔ صفوان سے کیا طے ہوا تھا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "صفوان اور تمہارے درمیان یہ قول و قرار ہوا تھا کہ اگر تم مجھے قتل کردو تو صفوان تمہارا قرض بھی ادا کرے گا اور تمہارے بال بچوں کی کفالت بھی کرے گا۔ اے عمیر! تم کب ٹلنے والے تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہارے شر سے مجھے محفوظ رکھا۔"

یہ سن کر عمیرؓ بے اختیار پکار اٹھے: "اے محمد ﷺ! میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یا رسول اللہ! یہ ہماری حماقت تھی کہ ہم آسمانی خبروں (وحی) پر یقین نہیں کرتے تھے۔ صفوان اور میرے سوا کسی کو اس معاملے کی خبر نہ تھی۔ اگر آپ ﷺ پر وحی نہ آتی تو آپ ﷺ اس راز سے کیسے آگاہ ہوسکتے تھے۔"

حضرت عمیرؓ بن وہب کے قبول اسلام پر رسول کریم ﷺ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور اس کے بیٹے کو (بغیر فدیہ لئے) چھوڑ دو۔"

اس کے بعد حضرت عمیرؓ نے کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کیا اور اس دوران میں قرآن کریم اور احکام شریعت کی تعلیم حاصل کرتے

رہے۔ ادھر مکہ میں صفوانؓ بن امیہ بڑی بے تابی سے حضرت عمیرؓ کی مہم کے نتیجے کے منتظر تھے اور مشرکین قریش سے کہتے پھرتے تھے کہ جلد ہی تم ایک ایسی خوشخبری سنو گے کہ بدر کی ہزیمت کا صدمہ بھی بھول جاؤ گے۔ وہ مدینہ کی طرف سے آنے والے ہر شخص سے پوچھتے تھے کہ یثرب میں کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا۔ ایک دن خلاف توقع یہ خبر سنی کہ عمیرؓ نے اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کا طوق غلامی پہن لیا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور عہد کر لیا کہ اب عمر بھر عمیر سے کلام نہ کروں گا اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا۔

غزوۂ خیبر سے کچھ پہلے نبی کریم ﷺ نے صفوان بن امیہ سے عاریتاً چند زرہیں بھی لیں۔ ان میں سے چند غزوۂ خیبر میں ضائع ہو گئیں۔ جب آپ ﷺ نے تاوان دینا چاہا تو صفوان نے یہ تاوان نہ لیا اور کہا کہ آج اسلام کی جانب میرا میلان ہو رہا ہے۔ بعض روایات میں یہ واقعہ غزوۂ خیبر کا نہیں غزوۂ حنین کا بیان کیا جاتا ہے۔

رمضان المبارک آٹھ ہجری میں جب مکہ فتح ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے جن دس افراد کو واجب القتل قرار دیا ان میں صفوان بھی شامل تھے۔ اگرچہ ان کی اہلیہ ناجیہ بنت ولید نے اسلام قبول کر لیا، لیکن صفوان جان بچانے کے لئے جدے کی طرف بھاگ نکلے۔

اس موقع پر عمیر بن وہب نے رسول کریم ﷺ سے صفوان کے لئے امان کی خاص درخواست کی جسے آپ ﷺ نے قبول فرما لیا اور دو ماہ کی مہلت دی۔ عمیرؓ نبی کریم ﷺ کا عمامہ بہ طور نشانی صفوان کے لئے لے گئے۔

حضرت عمیر جدہ سے صفوان بن امیہ کو لے آئے، لیکن اب تک صفوان نے اسلام قبول نہ کیا بلکہ خاموشی سے مکہ میں رہنے لگے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے غزوۂ حنین پر روانہ ہونے سے پہلے حضرت صفوانؓ سے جنگی ضروریات کے لئے چالیس ہزار درہم بہ طور قرض اور کچھ زرہیں اور ہتھیار عاریتاً مانگے جو انہوں نے پیش کر دئے اور خود بھی لشکر اسلام کی معیت میں مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ مکہ سے تقریباً پچیس میل کے فاصلے پر حنین کے میدان میں اسلامی لشکر اور بنو ہوازن کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی۔ بنو ہوازن نے اپنی کمین گاہوں سے اس شدت سے تیر برسائے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان جنگ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار کھڑے رہ گئے۔ اس موقع پر کلدہ بن حنبل نے حضرت صفوانؓ سے کہا، دیکھو! محمد (ﷺ) کا سحر آج زائل ہو گیا•

یہ سن کر حضرت صفوانؓ نے غضب ناک ہو کر ان سے کہا:

"خدا تیرے منہ کو چاک کرے، مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ قریش کا کوئی آدمی میری تربیت کرے بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی شخص میرا مربی ہو۔"

(مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت بنو ہوازن کے کسی شخص کی اطاعت سے بہتر ہے)

جلد ہی مسلمان سنبھل گئے اور عم رسول ﷺ حضرت عباسؓ کی پکار پر سب میدان جنگ میں واپس آ گئے۔

اب انہوں نے ہوازن پر اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ ان کے لئے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ غزوۂ حنین کے بعد حضرت صفوانؓ (اپنے آبائی مذہب پر قائم رہتے ہوئے) غزوۂ طائف میں بھی شریک ہوئے۔ طائف سے واپسی پر الجعرانہ کے مقام پر حضور ﷺ نے حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت صفوانؓ کو سو اونٹ عنایت فرمائے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت صفوانؓ کو ایک گھاٹی کی طرف لے گئے جہاں مال غنیمت کے بہت سے مویشی چر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت صفوانؓ کی خواہش پر یہ سب مویشی ان کو عنایت فرما دیئے۔ یہ بے مثال فیاضی دیکھ کر حضرت صفوانؓ نے دل میں کہا کہ ایسی فیاضی اللہ کا نبی ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

یہ واقعہ غزوۂ طائف سے چند دن بعد کا ہے۔

صفوان بن امیہ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ اونچے درجے کے خطیب تھے۔ زندگی کا زیادہ تر حصہ اسلام کی مخالفت میں گزارا، لیکن اسلام کے بعد کی زندگی اسلام کے جاں نثار سپاہی کی حیثیت سے بسر کی۔

حضرت صفوانؓ اگرچہ بہت تاخیر سے اسلام لائے مگر انہوں نے فیضان نبوی سے بہرہ یاب ہونے کی مقدور بھر کوشش کی اور اپنے اخلاص عمل سے گزشتہ زندگی کی تلافی کرنے کی سعی بھی کی۔

٭ صفہ: مسجد نبوی ﷺ کا وہ حصّہ جس میں اکثر صحابہؓ کرام دینی مشاغل کیا کرتے تھے۔ "صفہ" عربی میں سائبان کو کہتے ہیں۔ جو صحابہ کرام اس سائبان پر ڈیرہ جماتے تھے، وہ اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں موجود رہتے اور رات کو اسی چبوترے یا صفہ پر سو رہتے۔ ان میں سے اکثر صحابہ کرامؓ غریب تھے، کیونکہ ان لوگوں کا ذریعہ آمدن تو تھا نہیں بلکہ ان لوگوں نے اپنی زندگیاں حصول علم دین کے لئے وقف کر دی تھیں۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔ یہ کھجوریں ٹپک ٹپک کر گرتیں اور اصحاب صفہ انہیں کھا لیتے۔ کبھی دو دن تک کھانا نہ ملتا۔ نبی کریم ﷺ کے پاس جب کوئی صدقہ آتا تو پورا پورا ان کے پاس بھیج دیتے۔ اگر دعوت کا کھانا آتا تو ان کو اپنے پاس بلا لیتے اور سب مل کر کھاتے۔ اکثر نبی کریم ﷺ راتوں میں مہاجرین اور انصار پر ان حضرات کو تقسیم کر دیتے کہ انہیں کھانا کھلائیں۔

راتوں کو اصحاب صفہ عبادت کرتے اور قرآن پاک پڑھتے۔ ان کے لئے ایک معلّم مقرر تھا جس سے یہ لوگ پڑھتے۔ اس وجہ سے ان میں سے اکثر "قاری" کہلائے۔ اسلامی دعوت کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے۔ ان لوگوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی تاہم مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی ہے۔ (ص۱۷۵)

٭ صفیہ، اُمّ المؤمنین: ام المؤمنین، نبی کریم ﷺ کی زوجۂ محترمہ۔ اسلام سے قبل نام زینب تھا، مگر غزوۂ خیبر میں جب انہیں جنگی قیدی کی حیثیت سے آنحضور ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کا نام بدل کر صفیہ کر دیا۔

حضرت صفیہ کے والد کا تعلق یہودیوں کے ایک ممتاز قبیلے بنو نظیر سے تھا اور ان کا نام حوائی بن اخطاب تھا۔

غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہ کے شوہر، والد، بھائی اور کئی اہل خانہ مارے گئے اور حضرت صفیہ قیدی کی حیثیت سے گرفتار ہو کر مسلمانوں کے پاس آئیں۔ غزوۂ خیبر میں یہودیوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا اور یہودی سنبھل نہ سکے۔ (← خیبر، غزوہ)

غزوۂ خیبر کے بعد جب مال غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کا معاملہ اٹھا تو حضرت دحیہ کلبی نے نبی کریم ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ نبی کریم ﷺ کی اجازت سے دحیہ کلبی نے حضرت صفیہ کو منتخب کیا، لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو یہ پتا چلا کہ دحیہ کلبیؓ نے جن خاتون کو منتخب کیا ہے وہ اپنے قبیلے کے سردار کی بیٹی ہیں اور اصولاً آنحضرت ﷺ کے حصے میں آنی چاہئیں تو حضرت دحیہ کلبی نے انہیں آزاد کر دیا۔ بخاری کی روایت کے مطابق حضرت دحیہ کے حصے میں آنے کے بعد آنحضور ﷺ ایک دن گشت کر رہے تھے کہ راستے میں حضرت صفیہ نے اپنے مقام اور موجودہ بے کسی کا ذکر کیا تو نبی کریم ﷺ نے سات جانور دے کر انہیں آزاد کرا لیا۔ اس دوران حضرت صفیہ کا دل بھی اسلام کے لئے نرم ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے اسلام بھی قبول کر لیا اور پھر سات ہجری میں نبی کریم ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت صفیہ میں ہمدردی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ کسی کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر حتی الامکان اس کی مصیبت کو دور کرنے کی پوری کوشش کرتی تھیں۔ جب ۳۵ھ میں باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور انہیں خورونوش کا سامان پہنچانے پر پابندی عائد کر رکھی تھی اس وقت حضرت صفیہؓ نے کچھ کھانے پینے کا سامان ساتھ لیا اور حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا رخ کیا تاکہ انہیں یہ چیزیں پہنچا دیں لیکن باغیوں کے سردار نے انہیں روکا اور یہ سامان ان کے گھر لے جانے سے منع کیا۔ اس پر آپ واپس آ گئیں اور حضرت حسنؓ کو اس پر مامور کیا کہ وہ اسے لے کر حضرت عثمانؓ کے مکان پر پہنچا دیں۔

حضرت صفیہ کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ انہوں نے انتقال سے پیشتر وصیت فرمائی تھی کہ آپؓ کی چھوڑی ہوئی باقیات میں سے ایک تہائی آپؓ کے بھانجے کو دے دی

جائیں جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اس بات سے ان کی اعزا پروری پر روشنی پڑتی ہے۔ ابن سعد کے قول کے مطابق حضرت صفیہ نے ایک لاکھ درہم کا اثاثہ چھوڑا تھا۔ چونکہ ان کے بھانجے ابھی یہودی تھے لہٰذا لوگوں کو ان کی اس وصیت پر عمل کرنے سے تامل تھا۔ حضرت عائشہ نے اس معاملے میں مداخلت فرمائی اور حکم دیا کہ ان کی وصیت پر عملدرآمد کیا جائے۔

حضرت صفیہؓ بہترین دل و دماغ کی مالک تھیں۔ علامہ عبداللہ کا قول ہے کہ حضرت صفیہؓ بہترین علم و دانش اور شائستگی کا بے مثال نمونہ تھیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ نہایت دانش مند اور زیرک خاتون تھیں۔ وہ لوگ جو حصول علم و دانش کے متوالے تھے ان کے پاس اپنے علم و حکمت کی تلاش میں اپنی پیاس بجھانے آیا کرتے تھے۔

حضرت صفیہؓ سے متعدد احادیث منقول ہیں۔

*** صفیہ بنت عبدالمطلب:** نبی کریم ﷺ کی پھوپھی عبدالمطلب کی بیٹی۔ والدہ کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو نبی کریم کی والدہ حضرت آمنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ حضرت حمزہؓ بھی حضرت صفیہ کے سگے بھائی تھے۔ حضرت صفیہ کی شادی ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے ہوئی جس سے ایک لڑکا ہوا۔ حارث کے انتقال کے بعد ان کا نکاح حضرت خدیجہ کے بھائی عوام بن خویلد سے ہوا جس سے حضرت زبیرؓ پیدا ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی یہ واحد پھوپھی ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ ۲۰ھ میں ۷۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ص ل

*** صلح حدیبیہ:** اسلامی تاریخ کا یادگار معاہدہ جو نبی کریم ﷺ اور کفار قریش کے درمیان ہوا۔ صلح حدیبیہ کو "غزوۂ حدیبیہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ⇦ حدیبیہ، صلح۔

ص ہ

*** صہیبؓ بن سنان:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کی کنیت ابویحییٰ تھی۔ والد کا نام سنان اور والدہ کا سہی بنت متقید تھا۔ الجزیرہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد اور چچا شہنشاہ ایران کسریٰ کی طرف سے ایلہ کے عامل تھے۔ رومی فوجی ایلہ پر حملہ کر کے انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت حضرت صہیب کم سن تھے۔ بڑے ہوئے تو بنو کلب خرید کر مکہ لے گئے۔ اس وقت مکہ میں خاموشی سے اسلام کی تبلیغ ہو رہی تھی۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ حضرت صہیبؓ اس طرح رومیوں میں سب سے پہلے مسلمان تھے، لیکن مکہ سے مدینہ ہجرت سب سے آخر میں کی۔ تمام غزوات میں بھی شرکت کی۔ حضرت عمر کی وصیت کے مطابق حضرت عمر کی خلافت کے بعد تین روز تک خلیفہ رہے۔ ۳۸ھ ۷۲ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔



ض

ض ر

✽ **ضرار، مسجد:** وہ مسجد جو منافقوں نے اسلام کے خلاف سازشیں اور تفرقات پیدا کرنے کے لئے تعمیر کی تھی۔ قرآن پاک میں سورۂ توبہ میں اس مسجد کا ذکر ہے۔

ابوعامر نامی ایک شخص تھا جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور ابوعامر راہب کے نام سے مشہور تھا۔ مشہور صحابی حضرت حنظلہؓ جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا، اسی کے بیٹے تھے۔ ابوعامر جب تک زندہ رہا، اسلام کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔ اس نے قیصر روم کو آمادہ کیا کہ اپنے لشکر سے مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔ اس نے مدینہ کے منافقوں کو یہ خط لکھا کہ میں اس بات کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر روم آکر مدینہ پر چڑھائی کر دے۔ لیکن اس مقصد کے لئے تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہئے جو اس وقت قیصر کی مدد کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ میں ایک مکان بناؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو۔ پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو، کرو۔ اس مکان میں مسلمانوں کے خلاف آپس کے مشورے سے معاملات طے کیا کرو۔

اس مشورے کے بعد مدینہ کے ۱۲ منافقوں نے مدینہ کے محلے قبا میں ایک مسجد بنائی۔ مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ خود نبی کریم ﷺ ایک نماز اس جگہ پڑھا دیں تو سب مسلمان اس مسجد کے بارے میں مطمئن ہو جائیں۔ چنانچہ ان منافقین کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ قبا کی پرانی مسجد (جو نبی کریم ﷺ نے اول ہجرت میں یہاں بنائی تھی) بہت سے لوگوں سے دور ہے۔ ضعیف اور بیمار آدمیوں کا وہاں تک پہنچنا مشکل ہے اور خود مسجد قبا اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں، اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس مقصد کے لئے بنائی تاکہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ اس وقت غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے لہٰذا یہ وعدہ کر لیا کہ اس سفر سے واپسی کے بعد آپ ﷺ اس مسجد میں نماز پڑھیں گے۔ لیکن غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب نبی کریم ﷺ مدینہ کے قریب ایک مقام پر قیام پذیر ہوئے تو سورۂ توبہ کا تیرہواں (۱۳) رکوع آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ ان آیات میں مسجد ضرار کی صورت میں منافقوں کی سازش کو کھول دیا گیا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے چند اصحاب کو حکم دیا کہ ابھی جا کر اس مسجد کو ڈھا دو اور اس میں آگ لگا دو۔ یہ سب حضرات اس وقت گئے، عمارت کو ڈھا کر زمین برابر کر دی۔ ⇦ قبا، مسجد

✽ **ضرارؓ بن ازوار:** صحابی رسول ﷺ۔ اپنے قبیلے کے امرا میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت ضرار اپنی بہن خولہ بنت ازوار کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ امیر ہونے کے باوجود بہادر اور شہسوار تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لئے بڑی جاں فروشی سے لڑائیوں میں حصہ لیا۔ حضرت ضرار کی بہن بھی اکثر جنگوں میں اپنے بھائی کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ یہ دونوں بہن بھائی عرصے تک دین اسلام کی خدمت کرتے رہے۔

ض م

✽ضمارؓ بن ثعلبہ: صحابیِ رسول ﷺ۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔ ایک بار حضرت ضمارؓ زمانۂ نبوت میں مکہ آئے۔ نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ راستے میں جارہے ہیں اور چند لڑکوں کا غول آپ ﷺ کے پیچھے ہے۔ مکہ کے کفار چونکہ آپ ﷺ کو "مجنوں" کہتے تھے اس لئے لونڈوں کا غول دیکھ کر ضمارؓ بھی یہی سمجھے۔ چنانچہ حضرت ضمارؓ بن ثعلبہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: "میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں۔" لیکن نبی کریم ﷺ نے ان سے اپنی نبوت کی وضاحت کی، اللہ کی بڑائی بیان کی اور اسلام کی دعوت دی جس پر ضمارؓ بن ثعلبہ مسلمان ہوگئے۔ ازد کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور دورِ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔



ط

ط ا

* **طائف:** مکہ کے قریب ایک آبادی۔ جب نبی کریم ﷺ اہل مکہ سے کسی قدر دل برداشتہ ہوگئے تو اس امید پر کہ شاید طائف والے اسلام کی دعوت کو قبول کرلیں، آپ ﷺ نے طائف کے سفر کا ارادہ کیا۔ طائف مکہ سے ۱۲۰ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ نبی اکرم ﷺ جس راستے سے یہاں تشریف لائے تھے وہ راستہ طائف سے وادی ہدا، کرا، شداد اور عرفات سے ہوتا ہوا مکہ جاتا ہے۔

⇦ طائف، سفر+ طائف، غزوہ۔

* **طائف، سفر:** طائف کا سفر، وہ دعوتی سفر جو رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ سے مایوس ہو کر اہل طائف کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے کیا۔

جب مکہ کے کفار کی طرف سے نبی کریم ﷺ پر ایذا رسانیوں کی انتہا ہوگئی تو نبی کریم ﷺ نے مکہ کی قریبی آبادی طائف کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دینے کی ٹھانی کہ شاید یہاں کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور وہ اسلام کی ابدی راحتوں کو حاصل کرنے والے بن جائیں کہ جن سے اب تک اہل مکہ محروم تھے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ طائف کے بڑے قبیلے عمیر کے ہاں گئے اور وہاں تین بھائیوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب سے ملے۔ نبی کریم ﷺ نے جب ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو ان تینوں بھائیوں میں سے ایک نے کہا:

"اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔"

دوسرا بولا:

"کیا خدا کو تیرے سوا کوئی اور نہیں ملتا تھا؟"

تیسرے نے کہا:

"میں بہرحال تجھ سے بات نہیں کر سکتا۔ تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے، اور اگر جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں۔"

ان بدبختوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ طائف کے بازار میں اوباشوں کو نبی کریم ﷺ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ ﷺ کا مذاق اڑائیں۔ اوباشوں، بدمعاشوں کا ایک ہجوم آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑا جو آپ ﷺ پر آوازے کستا، پتھر مارتا۔ نبی کریم ﷺ کو ان لوگوں نے اس قدر پتھر مارے کہ آپ ﷺ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

نبی کریم ﷺ طائف شہر سے نکلے تو راستے میں انگور کے ایک باغ میں قیام کیا۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو اگرچہ کافر تھا، مگر شریف انسان تھا۔ عتبہ بن ربیعہ نے اپنے غلام عداس کے ہاتھوں نبی کریم ﷺ کے لئے انگور کا خوشہ پیش کیا۔

حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ اپنی کتاب "حکایات صحابہ" میں سفر طائف کے حوالے سے اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

جب راستے میں ایک جگہ ان شریروں سے اطمینان ہوا تو حضور ﷺ نے یہ دعا مانگی:

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی اُم الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا

والاخرة من ان تنزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک کذانی سیرۃ ابن ہشام قلت اختلفت الروایات فی الفاظ الدعاء کما فی قرۃ العیون۔

"اے اللہ تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفا کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے۔ کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہوگئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت!"

مالک الملک کی شان قہاری کو اس پر جوش آنا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر سلام کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قوم کی وہ گفتگو جو آپ ﷺ سے ہوئی، سنی اور ان کے جوابات سنے۔ اور ایک فرشتے کو جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ﷺ جو چاہیں اس کو حکم دیں۔ اس کے بعد اس فرشتے نے سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد ہو، میں اس کی تعمیل کروں اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں یا اور جو سزا آپ ﷺ تجویز فرمائیں۔ حضور ﷺ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا کہ میں اللہ سے اس کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے تو ان کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی پرستش کریں اور اس کی عبادت کریں۔

*** طائف، غزوہ:** غزوۂ طائف۔ وہ لڑائی جو مکہ کے قریب واقع علاقہ طائف میں ہوئی۔

غزوۂ حنین میں کفار کو شکست ہوئی تھی۔ کفار کے سردار مالک بن عوف نضری نے اس شکست کے بعد طائف کا رخ کیا اور وہاں جا کر مسلمانوں کے خلاف زور وشور سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ دراصل طائف کا شہر کچھ اس طرح سے بنا تھا کہ مضبوط دفاعی قلعے کا کام دیتا تھا۔ پھر وہاں کے دیگر کفار نے بھی مل کر اس کی مرمت کر کے اور منجنیقیں وغیرہ لگا کر اسے مزید مضبوط بنا دیا تھا۔ حضرت ابوسفیان کا داماد عروہ بن مسعود بھی جو قبیلہ ثقیف کا سردار تھا، طائف میں اہم مقام رکھتا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے اسلامی لشکر تیار کیا اور طائف کا محاصرہ کر لیا۔ اس لڑائی میں پہلی بار مسلمانوں نے دبابہ کا استعمال کیا۔ محاصرہ جاری تھا کہ اہل طائف نے قلعے کے اندر سے مسلمانوں پر لوہے کی گرم سلاخیں، پتھر، تیر اس قدر شدت سے برسائے کہ اسلامی لشکر کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ کئی مسلمان سپاہی زخمی ہوئے اور تیرہ شہید۔ ان زخمیوں میں حضرت عبداللہ بن ابی بکر بھی تھے اور اسی زخم کی وجہ سے بعد میں ان کی شہادت واقع ہوئی۔

طائف کا محاصرہ اٹھارہ بیس روز جاری رہا۔ جب یہ محاصرہ طول کھینچنے لگا اور بہ ظاہر کوئی نتیجہ برآمد ہوتا نظر نہیں آیا تو نبی کریم ﷺ نے نوفل بن معاویہ دیلمی کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ نوفل بن معاویہ نے عرض کی کہ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہے تو پکڑ لی جائے گی اور اگر چھوڑ دی جائے تو کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کی ہدایت کی دعا کے ساتھ یہ محاصرہ ختم کرنے کا حکم دیا۔

نبی کریم ﷺ کی یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ کچھ ہی عرصے بعد قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔

طب

*** طبقہ:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ محدثین کی اصطلاح میں

"طبقہ" اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جس میں درس حدیث کے شرکائے جماعت کے نام لکھے ہوں۔ محدثین میں یہ رواج تھا کہ ہر ایک طالب علم اپنے ہم جماعت ساتھیوں کے نام لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا کرتا تھا تاکہ یہ ایک شہادت اور ثبوت کا کام دے کہ میں نے ان ساتھیوں کے ساتھ فلاں شیخ سے پڑھا۔

✽ طب نبوی ﷺ: نبی کریم ﷺ کی احادیث و سنن سے ماخوذ طبی نسخے، چٹکلے۔ وہ طب جس کا تعلق نبی کریم ﷺ سے رہا ہے، "طب نبوی ﷺ" کہلاتی ہے۔ دراصل اس ذیل میں ایسی معلومات ہائے طب کو جمع کیا گیا ہے کہ جن کا تذکرہ آپ ﷺ کی احادیث و روایات میں ملتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "جب تم کسی کوڑھی سے بات کرو تو اپنے اور اس کے درمیان ایک سے ۲۰ تیر کے برابر کا فاصلہ رکھو۔" (ابن السنی، ابونعیم)

اگرچہ طب نبوی ﷺ دنیائے اسلام کا ایک مقدس موضوع فکر و مطالعہ ہے، لیکن اس وقت پوری دنیا میں یہ علم مقبول ہو رہا ہے خاص طور پر جب سے جدید تحقیقات جڑی بوٹیوں سے علاج کو ترجیح دے رہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے تن درستی اور صحت کی بقا کے لئے بڑی اہم اور لازوال ہدایات ہمارے لئے چھوڑی ہیں۔ محدثین نے "کتاب الطب" کے عنوان سے حدیث کی کتابوں میں الگ الگ ابواب مرتب کئے ہیں۔ عبدالملک بن حبیب اندلسیؒ نے امراض کے متعلق ارشادات نبوی ﷺ کو "الطب النبوی ﷺ" کے نام سے دوسری صدی ہجری میں مرتب کیا۔ ان کے بعد امام شافعی کے شاگرد محمد بن ابوبکر ابن السنی اور ان کے ہم عصر محدث ابونعیم اصفہانی نے تیسری صدی کے اواخر میں طب نبوی کے ایسے مجموعے مرتب کئے جن کی اکثر روایات انہوں نے راویوں سے خود حاصل کیں۔ آئمہ اہل بیت میں علی بن موسیٰ رضا اور امام کاظم بن جعفر صادق نے اس موضوع پر رسائل لکھ کر شہرت حاصل کی۔ چوتھی صدی ہجری میں محمد بن عبداللہ فتوح الحمیدی، عبدالحق الاشبیلی، حافظ السخاوی اور حبیب نیشاپوری نے طب نبوی ﷺ کے اچھے مجموعے مرتب کئے۔ ساتویں صدی سے نویں صدی ہجری کے دوران میں ابی جعفر المستغفری، ضیاء الدین المقدسی، السید مصطفیٰ للتیفاشی، شمس الدین البعلی، کحال ابن طرخان، محمد بن احمد ذہبی، محمد بن ابوبکر ابن القیم، جلال الدین سیوطی اور عبدالرزاق بن مصطفیٰ الانطاکی نے ارشادات نبوی ﷺ کو مرتب کیا۔ ان میں ابن القیم کا مجموعہ سب سے ضخیم اور مقبول ہے۔

محمد بن ابوبکر ابن القیم لکھتے ہیں:

"علم طب ایک قیافہ ہے۔ معالج گمان کرتا ہے کہ مریض کو فلاں بیماری ہے اور اس کے لئے فلاں دوائی مناسب ہوگی۔ وہ ان میں سے کسی چیز کے بارے میں بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ اس کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ کا علم طب اور ان کے معالجات قطعی اور یقینی ہیں کیونکہ ان کے علم کا دارومدار وحی الٰہی پر مبنی ہے جس میں کسی غلطی اور ناکامی کا کوئی امکان نہیں۔" (زاد المعاد)

آپ ﷺ نے علم الشفا کے بارے میں سب سے پہلا اصول جو مرحمت فرمایا اسے حضرت ابی رمثہؓ ان کی زبانی گرامی سے یوں ارشاد فرماتے ہیں: انت الرفیق واللّٰہ الطبیب۔ (مسند احمد) (تمہارا کام مریض کو اطمینان دلانا ہے۔ طبیب اللہ خود ہے)۔ یہ ارشاد قرآن مجید کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے: واذامرضت فھو یشفین۔ (الشعراء)

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے علم العلاج کا اہم ترین اصول عطا کیا جسے حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ بیان کرتے ہیں: واذا اصیب الدواء الداء برا باذن اللّٰہ۔ (مسلم) (جب دوائی کے اثرات بیماری کی ماہیت سے مطابقت رکھیں تو اس وقت اللہ کے حکم سے شفا ہوتی ہے)۔

یہ اہم انکشاف ہے کہ علم الامراض اور علم الادویہ کو باقاعدہ جانے بغیر نسخہ نہ لکھا جائے کیونکہ مرض کی نوعیت سمجھے بغیر دوائی کے اثرات کی مطابقت ممکن نہ ہو سکے گی۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ طب کا علم جانے بغیر علاج کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

حضرت عمرو بن شعبؒ اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من تطبب ولم یعلم منہ طب قبل ذلک فھو ضامن۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

جب کہ انہی سے یہ روایت دوسرے الفاظ میں اس طرح سے

ہے: من تطبب ولم یکن بالطب معروفا فاذا اصاب نفسا فما دونھا فھو ضامن۔ (ابن السنی، ابونعیم) (جس کسی نے مطب کیا وہ علم طب میں اس سے پہلے مستند نہ تھا اور اس سے کسی کو تکلیف ہوئی یا اس سے کم تو وہ اپنے ہر فعل کا ذمے دار ہوگا)۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ مریض کو اگر کسی اتائی معالج سے نقصان ہو تو یہ قابل مواخذہ ضرور ہے مگر اس کے ساتھ کسی مریض کی مدت علالت یا اذیت میں اپنے علاج کی وجہ سے اضافہ کرنے یا مستند معالج کے پاس جانے سے روکنے پر بھی اتائی کو سزا ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کے لئے اسلامی طرز معاشرت کے مطابق زندگی گزارنے کے اصول جاری کیے گئے تو ان میں سے ہر ایک صحت مند زندگی گزارنے کی سمت ایک قدم تھا۔ ہاتھوں پیروں اور منہ کو دن میں کم از کم پندرہ مرتبہ وضو کی صورت میں اچھی طرح صاف کرنے والا متعدی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جب کسی شخص کے پیٹ میں کیڑے ہوں یا تپ محرقہ کا پرانا مریض ہو تو بیت الخلا سے واپسی پر اس کے ہاتھوں کو یہ کیڑے اور جراثیم چپک جاتے ہیں۔ جب وہ اپنا ہاتھ کھانے پینے کی چیزوں کو لگاتا ہے تو بیماری کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔ اسے علم طب میں carrier کہتے ہیں۔ حال ہی میں نیویارک میں پرانے تپ محرقہ کے ایک مریض کی دکان سے آئس کریم کھانے والے ۳۹ بچے اس بیماری میں مبتلا ہوئے۔ انہوں نے اس کا حل یوں کیا کہ لوگوں کو طہارت سکھائی پھر ہدایت کی کہ استنجا میں دایاں ہاتھ ہرگز استعمال نہ ہو اور کھانے میں بایاں ہاتھ استعمال میں نہ آئے۔ ناخن کاٹ کر رکھے جائیں۔ پانی کے ذخیروں کے قریب اور سایہ دار مقامات پر رفع حاجت نہ کی جائے۔ صبح کا ناشتا جلدی کیا جائے۔ رات کا کھانا ضرور اور جلد کھایا جائے اور اس کے بعد چہل قدمی ہو۔ بسیار خوری کی ممانعت کی گئی اور ان اصولوں کو تن درستی کی بقا کے لئے اہم ترین بتایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کلم المجذوم بینک وبینہ قدر مح او محین۔ (ابن السنی، ابونعیم) (جب تم کسی کوڑھی سے بات کرو تو اپنے اور اس کے درمیان ایک سے دو تیر کے برابر فاصلہ رکھا کرو)۔

یہ ایک جدید سائنسی انکشاف ہے کہ مریض جب بات کرتا ہے تو اس کے منہ سے نکلنے والی سانس میں بیماری کے جراثیم ہوتے ہیں جو مخاطب کی ناک یا منہ کے راستے داخل ہو کر اسے بیمار کر سکتے ہیں۔ تپ دق، خسرہ، کالی کھانسی، سعال، چیچک، کن پیڑے اور کوڑھ اسی صورت میں پھیلتے ہیں۔ اس عمل کو droplet infection کہتے ہیں۔ کوڑھ والا یہ ارشاد نبوی ﷺ اگر توجہ میں رہے تو کتنی بیماریوں سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بیماریوں کے اسباب متعیّن کئے۔ حضرت ابوہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں: المعدۃ حوض البدن والعروق الیھا واردۃ فاذا صحت المعدۃ صدرت العروق بالصحۃ واذافسدت المعدۃ صدرت العروق بالسقم۔ (بیہقی)

(معدے کی مثال ایک حوض کی طرح ہے جس میں سے نالیاں چاروں طرف جاتی ہوں۔ اگر معدہ تندرست ہو تو رگیں تندرستی لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہو تو (رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں)۔

ایک دوسری روایت میں ہے: ان المعدۃ بیت الداء

اگر غذا ٹھیک سے ہضم نہ ہو یا آنتوں سے جذب ہو کر جزو بدن نہ بنے تو جسم کی مدافعت ماند پڑ جاتی ہے۔ جب کہ بسیار خوری نالیوں پر چربی کی تہوں، موٹاپے، دل کی بیماریوں، گٹھیا، گردوں کی خرابی اور ذیابیطس کا باعث بنتی ہے۔ حضرت ابو الدرداؓ، انسؓ بن مالکؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی رہیلؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اصل کل داء البرد (دارقطنی، ابن عساکر، ابن السنی، عقیلی، ابونعیم) (ہر بیماری کی اصل وجہ جسم کی ٹھنڈک ہے)۔

گردوں کی بیماریاں ہمارے آج کل کے معالجین کے لئے مصیبت کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ اس ضمن میں ساری کوششیں اب تک بے کار جا چکی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ان الحاضرۃ عرق الکلیۃ اذا تحرک اذی صاحبھا فداوھا بالماء المحرق والعسل۔ (ابوداؤد) (گردے کی جان اس کی پیڑو میں ہے۔ اگر اس میں سوزش ہو جائے تو یہ گردے والے کے لئے بڑی

اذیت کا باعث ہوتی ہے۔اس کا علاج ابلے پانی اور شہد سے کرو)۔

بیسویں صدی کے وسط تک دل اور گردے کی بیماریوں، نفخ، کھانسی اور زکام کے علاوہ نمونیے کی بہترین دوائی برانڈی سمجھی جاتی رہی ہے۔ جب طارقؓ بن سوید نے سرکار دوعالم ﷺ سے انگوروں کی شراب سے علاج کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ دوائی تو نہیں بیماری ہے۔"

اب علم الامراض کے ماہرین کہتے ہیں کہ برانڈی جسم کے دفاعی نظام کو مفلوج کرتی ہے۔ اسے پینے کے بعد پھیپھڑوں میں حفاظتی افعال مفلوج ہوجاتے ہیں۔ دماغ سے خلیے مستقل طور پر ضائع ہوجاتے ہیں اور جگر تباہ ہوجاتا ہے۔ اسی اصول کے تحت حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں: نھی عن الدواء الخبیث۔ (ترمذی، ابوداؤد، احمد) (نبی کریم ﷺ نے مضرت رساں ادویہ کے استعمال سے منع فرمایا)۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ لوزتین کی سوزش میں مبتلا ایک بچے کو دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس کا گلا دبا کر ملنے والی تھیں۔ آپ ﷺ اس غیر سائنسی علاج سے کبیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا: لا تعذب الصبیان بالغمز و علیکم بالقسط۔ (ابن ماجہ) (بچوں کو ایسے طریقوں سے عذاب نہ دو، جب کہ تمہارے لئے قسط موجود ہے)۔

حضرت اُمِ قیس بنت محصنؓ روایت فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے بچے کو قسط پانی میں گھس کر پلائی تو وہ تن درست ہو گیا۔ آپ ﷺ نے قرار دیا کہ پلورسی تپ دق کی قسم ہے اور اس کا علاج کیا جائے۔

محمد رسول اللہ ﷺ دنیا کے پہلے طبیب ہیں جنہوں نے دل کے دورے کی نہ صرف کہ تشخیص کی بلکہ علاج بھی کیا جب کہ ایسا موثر علاج آج بھی ممکن نہیں۔ آلات تناسل کے سرطان سے بچاؤ کے لئے ختنہ جاری کیا۔ دل اور گردوں کی بیماری سے پیدا ہونے والی سارے جسم کی سوجن کا علاج کیا۔ بواسیر کا ادویہ سے علاج کیا۔ پیٹ سے پانی نکالنے کا آپریشن ایجاد کیا۔ دنیائے طب کو اثمد سے لے کر درس تک بانوے ایسی ادویہ مرحمت فرمائیں جن کے ذیلی اثرات نہیں۔ جس کسی نے آپ ﷺ سے طب کا علم سیکھ لیا اس کو کسی بھی علاج میں کبھی ناکامی نہ ہوگی۔

یہ درست ہے کہ مسلم اطبا کی کتابوں میں طب نبوی ﷺ اور اصطلاحی طب کے درمیان اشتراک کی کوششوں کی مثال بہت کم ملتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ طب نبوی ﷺ اپنے مزاج کے اعتبار سے نباتی اور غذائی طرز علاج کی شفا بخش خصوصیات کی حامل ہے اور اصطلاحی طب بھی نباتی علاج کی تحقیق و حکمت پر مبنی ہے۔

ط ح

*** طحاوی، امام:** محدث، معانی الآثار کے مرتب۔ پورا نام احمد بن محمد تھا اور کنیت ابوجعفر تھی لیکن "امام طحاوی" کے نام سے شہرت پائی۔ سلسلہ نسب یہ ہے: ابوجعفر بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبدالملک۔ سن پیدائش ۲۲۹ھ اور سال وفات ۳۲۱ھ ہے۔

ان کی وفات کے بارے میں یہ واقعہ دل خراش ہے کہ ایک روز امام طحاوی اپنی لڑکی کو املا کرا رہے تھے کہ املا کراتے ہوئے کہا: جامعناھم (یعنی ہم نے ان سے اجماع کر لیا) لڑکی کا ذہن "جماع" کی طرف گیا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے پھر املا کرایا: جامعونا (یعنی انہوں نے ہم سے اجماع کر لیا) یہ سن کر بیٹی کے چہرے پر پھر مسکراہٹ پھیل گئی۔ امام صاحب کو اس بات کا نہایت افسوس ہوا کہ حالات کیسے خراب ہوگئے ہیں، ماحول کا کیسا اثر ہے کہ ان الفاظ سے ذہن کسی اور طرف بھی جاتا ہے۔ اسی غم میں امام صاحب کا انتقال ہوا۔

فن حدیث اور فقہ و اجتہاد پر امام صاحب کو کافی عبور تھا اور اس کا ثبوت ان کی کتب سے بہ خوبی ملتا ہے۔ کتب کی طویل فہرست ہے۔ ان کی کتب میں سے چند کے نام یہ ہیں:

○ مشکل الآثار (مشکل الحدیث) ○ اختلاف العلما ○ مختصر الطحاوی فی الفقہ ○ سنن الشافعی ○ نقض کتاب المدلسین ○ عقیدۃ الطحاوی ○ التاریخ الکبیر ○ شرح المغنی وغیرہ۔ ان میں سب

سے مشہور "معانی الآثار" ہے۔

⇦ معانی الآثار + حدیث + سنن + اسماء الرجال

*** طحاوی شریف:** حدیث نبوی ﷺ کا ایک مجموعہ جسے امام طحاویؒ نے ترتیب دیا۔ اس کا اصل نام "معانی الآثار" ہے۔

⇦ معانی الآثار۔ طحاوی، امام۔

ط ل

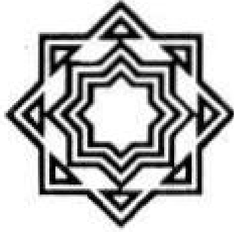
*** طلحہ بن عبیداللہ:** صحابیِ رسول ﷺ۔ ابتدائی مسلمانوں میں شامل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت زبیر بن عوام کے بھائی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے اہل خانہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور اسلام کی تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں دیدہ دلیری سے لڑے کہ جسم پر ستر سے زیادہ زخم آئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مال و دولت سے بھی نوازا تھا۔ حضرت طلحہ نے قیصر روم پر حملے کے لئے تیار ہونے والے لشکر کو بہت بڑی رقم دی تھی جس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں "فیاض" کے لقب سے نوازا۔

حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ۶۴ برس کی عمر میں شہادت پائی۔

ط ے

*** طے، بنو:** ⇦ بنو طے۔



ع

ع ا

*** عاتکہ رضؓ:** صحابیہ رسول ﷺ۔ مکہ مکرمہ میں رہتی تھیں۔ قبیلہ عدی بن کعب سے تعلق تھا۔ باپ کا نام زید (حنیف) بن عمرو تھا۔ حضرت عاتکہؓ حضرت سعید بن زید کی بہن تھیں۔ سابقین اسلام میں سے تھیں۔ مکہ سے مدینہ ہجرت بھی کی۔ پہلا نکاح عبداللہ بن ابوبکر سے ہوا۔ ان کی وفات پر حضرت عمر بن خطاب کے نکاح میں آئیں جن سے عیاض نام کا لڑکا ہوا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عاتکہ کی شادی حضرت زبیر بن عوام سے ہوئی۔ حضرت زبیر کی موت پر حضرت عاتکہ نے ایک مرثیہ بھی لکھا جو کافی مشہور ہوا۔

*** عادات نبوی ﷺ:** نبی کریم ﷺ کا مزاج اور زندگی میں کام کرنے کی عادات اور طریقے۔ اس مضمون میں ہم مختصر طور پر نبی کریم ﷺ کے زندگی کے مختلف عادات و اطوار کے بارے میں معلومات پیش کریں گے۔

نبی کریم ﷺ اپنے سر پر کنگھا بھی کرتے اور تیل بھی اکثر لگایا کرتے تھے۔ سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے تاکہ سر پر لگے تیل سے کپڑے وغیرہ خراب نہ ہوں۔ جب کنگھا کرتے تو دائیں جانب سے ابتدا کرتے۔ سر پر خضاب لگانے کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن اکثریت کی رائے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خضاب استعمال نہیں کیا۔ تاہم علمائے حنفیہ کے نزدیک بعض احادیث کی بنا پر خضاب لگانا مستحب ہے، لیکن سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ جب کہ شافعی کے نزدیک خضاب سُنّت ہے، لیکن سیاہ خضاب حرام ہے۔

نبی کریم ﷺ ہر رات کو تین سلائی سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو، اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ کسی ڈھلوان سطح سے نیچے اتر رہے ہیں یعنی تیز تیز چلتے اور ہمت اور قوت سے قدم اٹھاتے۔ راستے کے دائیں جانب چلتے۔

عام طور پر گوٹ مار کر بیٹھا کرتے تھے۔ یعنی دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے اور سرین کے بل بیٹھ کر ہاتھوں سے گھٹنوں کے گرد ایک حلقہ بنا لیا کرتے تھے۔ تاہم صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک مسجد میں چار زانو تشریف رکھتے تھے۔ اسی طرح کئی دوسرے طریقوں سے بھی بیٹھتے تھے۔ تکیے سے ٹیک لگا کر بھی بیٹھا کرتے تھے۔

لذیذ و پُر تکلف کھانے نہیں کھائے بلکہ آپ ﷺ نے تمام عمر چپاتی کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ تاہم بعض کھانے بہت پسند تھے جیسے سرکہ، شہد، حلوا، روغن زیتون اور کدو۔ سالن میں کدو ہوتا تو اس کی قاشیں پیالے میں انگلیوں سے ڈھونڈتے۔ حسیس (گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے) بھی بہت پسند تھا۔ دست کا گوشت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ دسترخوان پر اگر پسند کی کوئی چیز نہ آتی تو برائی نہ کرتے، جو سالن سامنے ہوتا اسے نوش فرماتے میز پر یا خوان پر کبھی نہیں کھایا۔ کھانا صرف انگلیوں سے کھایا کرتے اور گوشت کو چھری سے کاٹنے کو منع فرماتے۔ عام طور پر تین انگلیوں سے کھاتے البتہ ضرورت کے وقت پانچوں انگلیوں سے کھانا بھی معلوم ہے۔ کھانا کھانے کے بعد پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے، اس کے بعد شہادت کی انگلی، اس کے بعد انگوٹھا۔ اکثر نبی کریم ﷺ کی غذا جو روٹی ہوا کرتی تھی۔ کبھی گیہوں کی روٹی بھی مل جایا کرتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات

تک آپ ﷺ کے اہل و عیال نے مسلسل دو دن تک جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ جب کھانا شروع کرتے تو بسم اللہ پڑھتے اور کھانا کھانے کے بعد الحمد للّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین (تمام تعریف اس پاک ذات کے لئے جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا) پڑھتے۔ حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے: الحمد للّٰہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ غیر مودع و لا مستغنی عنہ ربنا (تمام تعریف اللہ کے لئے مخصوص ہے ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ایسی تعریف جو پاک ہے ریا وغیرہ اوصاف رذیلہ سے، جو مبارک ہے ایسی حمد جو نہ چھوڑی جا سکتی ہے اور نہ اس سے استغنا کیا جاسکتا ہے۔ اے اللہ! (ہمارے شکر کو قبول فرما))۔ کبھی تو نبی کریم ﷺ ککڑی اور تازہ کھجور ایک ساتھ نوش فرماتے، کھجور اور تربوز اور خربوزہ بھی ایک ساتھ کھاتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پینے کی سب چیزوں میں نبی کریم ﷺ کو میٹھی اور ٹھنڈی چیز سب سے مرغوب تھی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے لئے ٹھنڈا پانی مدینہ سے کچھ فاصلے پر سقیا نامی مقام سے لایا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ تین سانس میں بیٹھ کر پانی پیا کرتے تھے، تاہم زم زم کا پانی کھڑے ہو کر نوش فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی۔ کوئی خوشبو ہدیہ کرتا تو اس کو رد نہ فرماتے۔ خود نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عطردان (سکہ) تھا۔ اسی ضمن میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلتی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو (گلاب، کیوڑا وغیرہ) اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب (حنا، زعفران وغیرہ۔)

گفتگو صاف ہوا کرتی تھی کہ سننے والے کو اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، بلکہ بعض مرتبہ تو کوئی جملہ تین تین بار بھی دہراتے تھے تاکہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں۔ گفتگو کے دوران ہاتھوں کو حرکت بھی دیتے تھے۔ کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کے اندرونی حصے پر مارتے۔ نبی کریم ﷺ کا ہنسنا صرف مسکرانا (تبسم) تھا۔ اور اکثر آپ ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ ہی رہتی تھی۔ نبی کریم ﷺ مذاق بھی فرمایا کرتے تھے لیکن اس میں جھوٹ شامل نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک بار صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہاں! مگر میں کبھی غلط بات نہیں کرتا۔

سوتے تو دائیں جانب کروٹ لے لیتے اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیتے اور دعا پڑھتے اللھم باسمک اموت و احیا۔

⇦ شمائل نبوی ﷺ۔

✽ عاشورہ: عربی زبان کا ایک لفظ جو عشر سے بنا ہے۔ اس کا مطلب ہے، دس۔ اصطلاح میں پہلے اسلامی مہینے محرم کی دس تاریخ کو عاشورہ کہتے ہیں۔

✽ عاص بن وائل: مکہ کا رہائشی باشندہ جس نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے پر ان کو پناہ دینے کا کہا۔ دراصل جب حضرت عمر فاروق نے اسلام قبول کیا اور اعلانیہ اس کا اظہار کیا تو مکہ میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اتفاق سے عاص بن وائل بھی ادھر آنکلا۔ اس نے اس ہنگامے کا سبب دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا، عمر مرتد ہو گئے! عاص بن وائل نے کہا، "اچھا تو کیا ہوا؟ میں نے عمر کو پناہ دی۔"

✽ عاصمؓ بن ثابت: صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت ابوسلمان تھی۔ ہجرت سے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ صفر ۳ھ میں نبی کریم ﷺ نے انہیں دس افراد کے ہمراہ کفار کی جاسوسی کے لئے بھیجا، لیکن بنولحیان نے انہیں گھیر لیا۔ سات آدمیوں کو شہید کر دیا جن میں حضرت عاصم بھی شامل تھے۔ شہادت کے بعد قریش نے سوچا کہ حضرت عاصم کا سر عقبہ بن معیط نامی کافر کی ماں کو فروخت کر دیں، لیکن اللہ کی قدرت کہ ان کے سر کے پاس مکھیاں بھنبھناتی رہیں جس کے خوف سے کوئی بھی کافر حضرت عاصم کی لاش کے قریب نہ گیا۔ دوسرے دن، بہت تیز بارش ہوئی جس کے پانی سے حضرت عاصم کی لاش بہہ گئی۔ یوں کفار کو اپنے مذموم ارادے کی تکمیل کا موقع نہ ملا۔ دراصل عقبہ بن معیط نامی کافر کو حضرت عاصم نے غزوۂ بدر کے موقع پر قتل کیا تھا۔ اس کافر کی ماں نے عہد کیا تھا کہ عاصمؓ

کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔

عاصمؓ بن عدی: صحابی رسول ﷺ۔ ان کی کنیت ابو عمر تھی اور قبیلہ قضاعہ کے سردار تھے۔ ہجرت کے وقت مسلمان ہوئے۔ غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے، لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں قبا کا والی بنا کر واپس کر دیا۔ اس کے بعد دیگر تمام غزوات میں شرکت کی۔ ۴۵ھ میں ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت عاصم بن عدی، علم حدیث کے ایک ماہر آدمی تھے لہٰذا ان سے بکثرت احادیث روایت کی جاتی ہیں۔ ان کی صاحبزادی سہلہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں تھیں۔

عالی یا عوالی: مدینہ کی بستیاں۔ عالی کی بستیاں حروں اور پہاڑوں کے اوپر جوف کے گرد دائرے کی شکل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ جنوب میں قبا، نضیر اور انتہائی جنوب میں جبل عیر پر الجدر۔ جب کہ مشرق میں حرہ واقم پر قریظہ، الجرف، عبدالاشہل شمال میں خطمہ، وائل، جارتہ، مغرب میں حرہ الوبرہ کے اوپر سخ بنو امیہ اور بنی سلمہ رہتے تھے۔

عام الحزن: غم کا سال۔ ۱۰ نبوی میں نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ اور آپ ﷺ کے مددگار چچا ابوطالب کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ اور ابوطالب میں سے پہلے کس کا انتقال ہوا۔ چونکہ یہ دونوں نبی کریم ﷺ کے لئے بہت بڑا سہارا اور معاون تھے، اس لئے ان دونوں کی جدائی سے جہاں نبی کریم ﷺ کو دلی صدمہ ہوا وہاں قریش کی جانب سے اذیتوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اسی نسبت سے اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔

عام الوفود: وہ سال جب فتح مکہ کے بعد (۹ھ میں) بڑے بڑے گروہوں کی صورت میں مختلف قبیلوں والے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا، البتہ بعض ایسے تھے جنہوں نے فقط اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کی۔ سب سے پہلے بنو ثقیف حاضر ہوئے۔ پھر ایک بند تھا کہ ٹوٹ گیا اور وفود کا تانتا بندھ گیا۔ ہجرت کے نویں برس کو عام الوفود یا سنۃ الوفود (وفدوں کا سال) کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ دسویں برس بھی جاری رہا۔ ذیل میں دونوں برس کے وفدوں کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

ثقیف

آنحضور ﷺ جب طائف کے محاصرے سے واپس ہوئے تو بنو ثقیف کا ایک رئیس عروہؓ بن مسعود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا۔ ابھی نبی کریم ﷺ مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ عروہؓ نے ملاقات کی۔ عروہ اسلام لایا اور تبلیغ کے لئے اپنے شہر کو لوٹا۔ لوگوں نے عروہ پر چاروں طرف سے تیر برسائے۔ اس نے شہادت پائی۔ ایک ماہ بعد ثقیف نے مشورہ کیا کہ ہم میں اسلام کے مقابلے کی تاب نہیں، اطاعت کر لیں۔ ان کا ایک وفد مدینہ آیا۔ صحابۂ کرامؓ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور بیعت کی۔ آنحضور ﷺ نے ان کے بت کدے کو مسمار کرنے کے لئے چند صحابی بھیجے۔

بنو اسد

ان کا وفد نہایت گھمنڈ کی ادا سے آیا۔ یہ لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کو احسان جتانے لگے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے ہماری طرف کسی کو نہیں بھیجا لیکن ہم خود ہی اسلام لانے حاضر ہو گئے ہیں۔ ان کے جواب میں قرآن حکیم کی آیت نازل ہوئی جس میں انہیں بتایا گیا کہ اسلام لانے کا احسان نہ دھرو بلکہ اللہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں یہ سعادت بخشی۔ اس وفد میں طلیحہ بن خویلد بھی تھا جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

بنو طے

یہ عیسائی قبیلہ تھا۔ حاتم طائی جس کی سخاوت ضرب المثل ہے، اسی قبیلے سے تھا۔ اس کے بیٹے کا نام عدی تھا۔ ایک معرکے میں حاتم کی بیٹی گرفتار ہو کر مدینہ لائی گئی۔ عدی بھاگ کر شام چلا گیا۔ حاتم کی بیٹی کو

عزّت کے ساتھ آزاد کر دیا گیا۔ وہ شام گئی اور اپنے بھائی کو اسلامی اخلاق کی تعریف کر کے مدینہ روانہ کیا۔ عدی مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد بنو طے کا ایک وفد زید الخیر کے زیر قیادت حاضر ہوا اور اسلام لایا۔

بنو تمیم

ان کا وفد غرور میں بھرا ہوا آیا اور کہا کہ پہلے ہمارے ساتھ خطاب اور شاعری میں مقابلہ کیا جائے۔ آنحضور ﷺ نے مان گئے۔ بنو تمیم نے اسلامی شاعر حسان بن ثابت اور خطیب ثابت بن قیس کی برتری کا اعتراف کیا اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔

بنو حنیفہ

بنو حنیفہ کا ایک رئیس ثمامہ بن اثال فتح مکہ سے قبل ہی اسلام سے مشرف ہو چکا تھا، جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ بنو حنیفہ کے وفد نے بیعت لیکن مسیلمہ کذاب اپنی منافقت نہ چھپا سکا اور بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

عبدالقیس

اس کے وفد میں جارود بن المعلی بھی شامل تھے۔ عبدالقیس بحرین میں آباد تھے۔

اہل نجران

نجران کے پادریوں کا ایک وفد آیا۔ انہوں نے مباحث اور مباہلہ کرنا چاہا لیکن پھر ہمت ہار گئے۔ جزیہ پر صلح نامہ طے کر کے واپس ہوئے۔

بنو زبید

اس وفد کا سردار عمرو بن معدیکرب تھا۔

کندہ

اس وفد کا رئیس اشعث بن قیس تھا۔ اہل وفد کے گلوں میں ریشمی کپڑے تھے۔ آنحضور ﷺ کے اشارے پر چاک کر کے پھینک دئے۔ انہوں نے آنحضور ﷺ سے ہم نسب ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہم اپنے باپ دادا سے انکار نہیں کرتے۔

بنو عامر

اس وفد میں بنو عامر کا سنگدل رئیس عامر بن طفیل بھی تھا۔ یہ شخص بیئر معونہ کے حادثے کا ذمے دار تھا۔ آنحضور ﷺ نے اس سے درگزر کیا لیکن یہ بد بخت غداری سے باز نہ آیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ آخر یہ دھمکی دے کر روانہ ہوا کہ میں سوار اور پیادہ لشکروں کے ساتھ حملہ کروں گا۔ ابھی راستے میں تھا کہ اس پر طاعون کا حملہ ہوا اور مر گیا۔ اس کی قوم اسلام سے مشرف ہوئی۔

بنو فزارہ

اس وفد نے خشک سالی اور قحط کا شکوہ کیا۔ جناب محبوب خدا ﷺ نے دعا فرمائی۔ بارش برسی اور ملک سیراب و شاداب ہو گیا۔

ان قبائل کے علاوہ ازد، سعد بن بکر، اشجع، بنو سعد، بنو کلاب، بنو مرہ، بنو عبس اور سلامان وغیرہ کے متعدد قبائل کے وفد حاضر ہو کر اسلام لائے۔ جنوبی عرب کے علاقوں میں کئی ملوک اور سلاطین تھے۔ ان کے قاصد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ کئی شہزادے خود بارگاہ نبوت کی حاضری سے سعادت اندوز ہوئے۔ یمن کے علاقے میں حضرت خالدؓ اور حضرت علیؓ کی کوششیں بار آور ہوئیں اور لوگ رشتہ اسلام میں منسلک ہو گئے۔

اصحاب وفود اسلام کی بنیادی تعلیمات اور ضروری مسائل سیکھ کر اپنے علاقوں میں گئے۔ بعض قبائل میں جناب رسالت مآب ﷺ نے معلّم روانہ فرمائے جو لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے تھے۔ ان علاقوں پر آپ ﷺ نے اسلامی عمال بھی مقرر فرمائے جنہوں نے نظم و نسق سنبھالا۔

✽ عامر بن امیہ: صحابی رسول ﷺ۔ خزرج کے خاندان عدی بن نجار سے تعلق تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عامر بن امیہ بن زید بن حسحاس بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ غزوۂ

بدر سے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے۔ نہایت مخلص اور متقی مسلمان تھے۔ غزوۂ احد میں لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

٭عامر بن فہیرہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غلام جو سفر ہجرت میں آپؐ کے ساتھ تھا۔ اس سفر میں سراقہ کو اَمن کی تحریر انہوں نے ہی لکھ کر دی تھی۔ ← ہجرت مدینہ۔

٭عامر حضرمی: ایک کافر جو غزوۂ بدر کے دوران سب سے پہلے میدان میں آیا۔ اس کے بھائی حضرمی کا اتفاقیہ قتل غزوۂ بدر کا باعث ہوا۔ ← بدر، غزوہ۔

٭عائذ بن ماعص: صحابی رسول ﷺ۔ خزرج کے خاندان بنی زریق سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عائذ بن ماعص (یا ماعض) بن قیس (یا میسرہ) بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق۔ انصار صحابہ میں سابقون الاولون میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ شہادت کے بارے میں اختلاف ہے کہ بیرٔ معونہ (۴ھ) میں شہید ہوئے یا جنگ یمامہ (حضرت ابوبکر صدیق کا دور خلافت) میں شہید ہوئے۔

٭عائشہ صدیقہؓ: رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ محترمہ، ام المؤمنین، خلیفہ اول، یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاجزادی تھیں۔ اصل نام عائشہ جب کہ حمیرا اور صدیقہ لقب تھے۔ کنیت اُم عبداللہ تھی۔ والدہ کا نام اُم رومان تھا۔ حضرت عائشہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (← عبدالرحمٰن بن ابی بکر) اُم رومان ہی سے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ بعثت نبوی ﷺ کے چار سال بعد پیدا ہوئیں۔ جب نبی کریم ﷺ سے نکاح ہوا تو اس وقت آپؓ کی عمر چھے سال تھی۔ نبی کریم ﷺ سے نکاح سے پہلے جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب تھیں۔ لیکن مطعم نے اس رشتے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اس طرح اسلام اس کے گھر میں داخل ہو جائے گا۔

آنحضرت ﷺ سے جب حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا تو ان کی عمر چھے سال تھی، لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ہجرت کے پہلے سال رخصتی عمل میں آئی۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، لیکن جب حضرت خدیجہ (← خدیجہ) انتقال فرما گئیں تو حضرت خولہ بنت حکیم نے نبی کریم ﷺ کی افسردگی کو دیکھ کر آپ ﷺ کو حضرت عائشہ یا حضرت سودہ میں سے کسی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بھی یہ خواہش ظاہر کی اور جبیر بن مطعم کے ہاں سے رشتہ بھی ختم ہو گیا تو آپ ﷺ کا نکاح حضرت عائشہ سے ہو گیا۔

حضرت عائشہ سے نکاح کے بعد نبی کریم ﷺ مکہ میں تین سال تک رہے۔ نبوت کے تیرہویں سال نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ جب مدینہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق نے عبداللہ بن اریقط کو مکہ بھیجا کہ جا کر اُم رومان وغیرہ کو مکہ سے مدینہ لے آئیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ابورافع کو مکہ بھیجا تاکہ وہ حضرت فاطمہ، اُم کلثوم اور حضرت سودہ وغیرہ کو مدینہ لے آئیں۔

جب حضرت عائشہ صدیقہ مدینہ تشریف لائیں تو شدید بیمار ہو گئیں یہاں تک کہ ان کے سر کے بال تک جھڑ گئے۔ جب حضرت عائشہؓ صحت یاب ہوئیں تو ان کی والدہ حضرت اُم رومان کو اپنی بیٹی کی رخصتی کا خیال آیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ کو آواز دی۔ حضرت عائشہ اس وقت سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ جب وہ اُم رومان کے پاس آئیں تو حضرت اُم رومان نے ان کا منہ دھویا، بال سنوارے اور ان کو تیار کیا۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر مبارک ۹ سال تھی۔

چاشت کے وقت آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو رسم عروسی ادا ہوئی۔ یہ شوال کا مہینہ تھا۔ حضرت عائشہ کا نکاح بھی شوال ہی کے مہینے میں ہوا تھا۔

غزوات میں شرکت

حضرت عائشہ کو تیمّم کی فضیلت حاصل ہوئی۔ غزوۂ مصطلق سے واپسی پر (کہ جب حضرت عائشہ بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ تھیں)

حضرت عائشہ کا ہار کہیں گر گیا اور اس کی تلاش میں اسلامی قافلے کو راستے میں رکنا پڑا۔ اسی اثنا میں نماز کا وقت آگیا تو پانی کی تلاش ہوئی، مگر پانی نہ مل سکا۔ تمام صحابہ نماز کے لئے وضو کے پانی کی تلاش میں تھے اور پریشان تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بات رکھی گئی تو آپ ﷺ پر تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

افک کا واقعہ

اسی سفر میں افک کا ابتلا انگیز واقعہ بھی پیش آیا۔ (⇐ افک) افک کے واقعے سے اگرچہ نبی کریم ﷺ کو شدید ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس واقعے سے مؤمن اور منافق بھی سامنے آئے اور خود رب العالمین نے حضرت عائشہ صدیقہ کی پاک بازی کی تصدیق فرمادی۔

آنحضور ﷺ کا وصال

حضرت عائشہ صدیقہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ فخر دوعالم رحمت مجسم حضرت محمد ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری آٹھ دن حضرت عائشہ کے حجرے میں بسر فرمائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی آخری ساعتوں کے دوران آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہ کی گود میں تھا اور اسی حالت میں آنحضور ﷺ نے وصال فرمایا۔

حضرت عائشہ ہی کا حجرہ نبی کریم ﷺ کی آخری قیام گاہ کے طور پر منتخب ہوا۔

حضرت عائشہ کا انتقال

حضرت عائشہ آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد ۴۸ سال حیات رہیں اور ۵۷ ھ میں انتقال ہوا۔ ان کی وصیت کے مطابق انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ حاکم مدینہ حضرت ابوہریرہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبد الرحمٰن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر نے انہیں قبر میں اتارا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے اپنے بھتیجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے کنیت اُمّ عبداللہ رکھی۔

علمی قابلیت

حضرت عائشہ صدیقہ کے علمی مرتبے اور مقام کی بلندی میں کسی قسم کے شبے کی گنجائش نہیں۔ بڑے بڑے جید صحابہ کرام حضرت عائشہ سے آکر مسائل معلوم کیا کرتے تھے۔ اور یہ مقام اس لئے بھی تھا کہ حضرت عائشہ کو نبی کریم ﷺ کا فیض براہ راست ملاتھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان کے دور میں باقاعدہ فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں جن میں سے ۱۷۴ پر شیخین کا اتفاق ہے۔ بخاری نے ان سے منفرداً ۵۴ حدیثیں لی ہیں جبکہ امام مسلم نے منفرداً ۶۸ حدیثیں لی ہیں۔

حضرت عائشہ کی علمی قابلیت اس قدر زیادہ تھی کہ صرف خواتین ہی نہیں بلکہ اس دور کے مرد حضرات سے بھی آپ کا علمی مقام بلند ہے۔

ع ب

✽ عبادؓ بن بشر: صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ عبدالاشہل سے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ تمام ہی غزوات میں بھرپور شرکت کی۔ ۹ ھ میں مزینہ میں صدقات کے عامل بنا کر بھیجے گئے جہاں تبلیغ اسلام کا کام بھی کرتے۔ ۱۱ھ میں جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔ اس وقت حضرت عباد بن بشر کی عمر ۴۵ برس تھی۔ انصار میں اکابر صحابہ میں شامل کئے جاتے تھے۔

✽ عبادہؓ بن صامت: صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ خزرج کے خاندان سالم سے تھے۔ ان کی کنیت ابوالولید تھی۔ انصار کے پہلے وفد کے ساتھ مکہ آکر اسلام قبول کیا اور خاندان نوافل کے نقیب مقرر کئے گئے۔ غزوات میں بھرپور شرکت کی۔ فتح مصر میں دیر ہونے لگی تو حضرت عمرؓ نے ایک ہزار فوجیوں کا افسر بنا کر انہیں مصر بھیجا۔ وہاں پہنچ کر وہاں پہلے سے موجود حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عبادہ کے ہاتھ سے ان کا نیزہ لے کر اپنا عمامہ اس پر لگا کر واپس ان کے حوالے کر دیا اور کہا کہ آج سے آپ سپہ سالار ہیں۔ چنانچہ پہلے ہی حملے مصر فتح ہوگیا۔

حضرت عمر کے زمانے میں فلسطین کے قاضی رہے۔ جب حضرت عبیدہ شام کے گورنر تھے تو انہوں نے حضرت عبادہ کو حمص کا نائب بنایا۔ حضرت عبادہ نے وہاں لاذقیہ کو فتح کیا۔ وہاں انہوں نے ایک نئی جنگی چال ایجاد کی کہ بڑے بڑے گڑھے کھدوائے جس میں ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر بخوبی چھپ سکتا تھا۔ ۳۴ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اصحاب صفہ کو اکثر درس دیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ سے ۱۸۱ احادیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔

*** عباس بن عبدالمطلب:** نبی کریم ﷺ کے چچا، اور آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے بیٹے۔ کنیت ابوالفضل تھی۔ آپ ﷺ کے والد عبداللہ اور حضرت عباس کی والدہ جدا جدا تھیں۔

حضرت عباس پیشے کے اعتبار سے تاجر تھے اور اپنے بھائی ابوطالب سے خوش حال تھے۔ ایک دفعہ ابوطالب نے ان سے قرض لیا، لیکن معاشی حالات کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکے تو بہ طور قرض حاجیوں کو پانی پلانے اور کھانا کھلانے کا منصب (سقایہ) ان کو دے دیا۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے ابتدا میں اسلام قبول نہ کیا، لیکن ایک شریف النفس انسان تھے اور بے کسوں محتاجوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔ غزوۂ بدر میں کفار کی طرف سے لڑتے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے، لیکن رہا کر دیئے گئے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ نے سقایہ کا موروثی منصب انہی کے پاس رہنے دیا۔

بعد میں غزوات میں بڑی جواں مردی اور بہادری سے حصہ لیا اور مالی طور پر بھی اسلامی لشکر کو مضبوط کیا۔ ۳۲ھ (۶۵۳ء) میں ۸۸ برس کی عمر میں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا انتقال ہوا۔

*** عبدالحق محدث دہلوی:** مشہور عالم دین اور بزرگ۔ دہلی میں ۹۵۶ھ (۱۵۵۱ء) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سیف الدین تھا جو ایک متقی بزرگ تھے۔ ابتدائی عمر میں ہندوستان ہی میں علم دین حاصل کیا اور پھر ۹۹۶ھ میں حرمین کا سفر کیا جہاں تین چار سال تک حدیث کا علم حاصل کیا۔ "اشعۃ اللمعات" ان کی حدیث پر ایک مشہور اور اہم تصنیف ہے۔

حضرت عبدالحقؒ محدث دہلوی شاعر بھی تھے اور ان کا تخلص "حنفی" تھا۔ شہنشاہ جہانگیر ان کا بڑا معتقد تھا۔ ۹۶ برس کی عمر میں ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) انتقال ہوا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔

*** عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر:** خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سب سے بڑے صاحبزادے۔ کہا جاتا ہے کہ قبل از اسلام ان کا نام عبدالکعبہ یا عبدالعزیٰ تھا، لیکن اسلام کے بعد اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا۔ ان کی والدہ ام رومان تھیں۔ اس طرح حضرت عائشہ اور یہ دونوں ایک بطن سے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا اور اس سے پہلے کئی جنگوں میں مسلمانوں سے برسرپیکار رہے۔ جنگ جمل میں اپنی بہن حضرت عائشہ کی معیت میں تھے۔ جب کہ عہد بنو امیہ میں حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن زبیر کا ساتھ دیا۔ بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن نے ۵۸ھ (۶۷۸ء) میں مکہ کے نواح میں واقع جیشی نامی پہاڑی میں وفات پائی اور مکہ میں دفن ہوئے۔

*** عبدالرحمٰن بن عوف:** صحابی رسول ﷺ۔ اسلام لانے سے پہلے نام عبد عمرو تھا۔ کنیت ابومحمد تھی۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت صدیق اکبر کی دعوت پر ابتدائے اسلام ہی اسلام قبول کیا۔ وہ اسلام قبول کرنے والے تیرہویں فرد تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نہایت متمول تھے۔ چنانچہ دل کھول کر اسلام کی اعانت کرتے تھے۔ ۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

عبدالقیس: مشرقی عرب کا ایک قبیلہ۔ قبیلہ عبد قیس کے لوگ بنیادی طور پر خانہ بدوش تھے۔ اس قبیلے کا بانی عبد قیس چھٹی صدی عیسوی میں بحرین اور قطیف میں چلا گیا اور یہاں سکونت اختیار کرلی۔

عبد قیس والوں کو جب دعوت اسلام پہنچائی گئی تو انہوں نے اسلامی سفیروں کا پرجوش استقبال کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منذر بن عائذ، الجارود بن عمرو نے اسلام قبول کیا۔

عبداللہ بن اُبی: رئیس المنافقین۔ مدینہ کا ایک سردار جو مصلحتاً بہ ظاہر مسلمان ہو گیا تھا، مگر اسلام میں خالص نہیں تھا۔ عبداللہ بن ابی کا تعلّق بنو خزرج کی ایک شاخ عوف کے ایک حصے بنوالحُبلیٰ سے تھا اور وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا۔

چونکہ وہ شخص دل سے مسلمان نہ ہوا تھا اور دل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ اور بغض رکھتا تھا، اس لئے ہر دم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا۔

لیکن اسے قدرت کا کرشمہ کہئے کہ اتنے بڑے منافق کا بیٹا سچا اور ایمان دار مسلمان تھا۔ انہوں نے ایک بار اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت بھی نبی کریم ﷺ سے مانگی تھی۔ ان کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن ابی تھا۔

عبداللہ بن ابی کا انتقال نو ہجری میں ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور اس کے کفن کے لئے اپنا کرتا بھی عنایت فرمایا۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے آئندہ کے لئے منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرما دیا۔

عبداللہ بن اریقط: ایک غیر مسلم جس نے ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق کی مدد کی کہ جب آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبر غار میں پوشیدہ تھے اور کفار نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا، اسے سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ ایسے میں نبی کریم ﷺ نے اطمینان سے عبداللہ بن اریقط (جسے دلیل راہ کے طور پر دو اونٹنیاں تیار رکھنے کا حکم دیا تھا) کو اطلاع دی کہ اونٹنیاں لے کر دامن ثور میں پہنچ جاؤ۔ چنانچہ حکم کے مطابق عبداللہ بن اریقط وہاں پہنچ گیا اور آپ ﷺ اپنے رفقا سمیت ایک غیر معروف راستے سے مدینہ کی طرف چل پڑے۔ ⇦ ہجرت مدینہ + مدینہ + صدیق اکبر۔

عبداللہ بن الحارث: نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ کے بیٹے۔ ⇦ حلیمہ سعدیہ + آمنہ + بچپن محمد۔

عبداللہ بن عبدالمطلب: نبی کریم ﷺ کے والد ماجد۔ نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف بن قصی۔ حضرت عبداللہ کا انتقال جوانی ہی میں آنحضرت ﷺ کی ولادت سے قبل ہی ہو گیا تھا۔ ⇦ آباو اجداد نبوی ﷺ + آمنہ۔

عبداللہ بن عمر: صحابی رسول ﷺ۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا نام علوم اسلامی میں بہت نمایاں ہے، خاص طور پر ان کا شمار حدیث کے ممتاز اور بڑے راویوں میں ہوتا ہے۔ ان سے ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر ہجرت سے تقریباً دس برس پہلے پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں بڑی گرم جوشی سے لڑنے کے لئے حاضر ہوئے، مگر عمر کم ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔ پندرہ برس کے تھے کہ غزوۂ خندق کی نوبت آئی تو حضرت عبداللہ بن عمر کو جہاد کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد تمام اہم غزوات میں شریک ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا انتقال ۸۰ سال کی عمر میں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی شخصیت اگرچہ سیاسی کردار کی حامل رہی، لیکن انہوں نے کبھی ذاتی حیثیت میں سیاست میں حصہ نہیں لیا بلکہ اپنی عمر اسلامی علوم کی تحصیل اور ترویج میں گزار دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر کو حدیث میں سند تسلیم کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو ان کے تقوے کی

وجہ سے خلیفہ کی جانشینی کی اہم ذمے داری اس طرح سونپی کہ انہیں مجلس شوریٰ کا مشیر مقرر کیا۔ انہیں ووٹ دینے کا حق اس وقت تھا کہ جب دونوں طرف کے ارکان برابر برابر ہوں۔

٭ عبداللہ بن قمیہ: قریش کا ایک بہادر۔ غزوۂ احد کے موقع پر اس شخص کے حملے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو زخم آئے۔ غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلا تو عبداللہ بن قمیہ صفوں کو چیرتا ہوا نبی کریم ﷺ کے قریب آگیا اور چہرۂ انور پر تلوار ماری۔ اس تلوار کی ضرب سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ گئیں۔

ع ت

٭ عتبہ بن ابی لہب: صحابی رسول، مشہور دشمن اسلام ابولہب کے بیٹے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عتبہ بن ابی لہب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ اس لحاظ سے وہ نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔

ابتدا میں اپنے باپ ابولہب کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف افترا پردازیوں میں مصروف رہے۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ، عتبہ کے نکاح میں تھیں لیکن اپنے باپ کے کہنے پر حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔

آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو بہت سے کفار کی طرح عتبہؓ بھی روپوش ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس کو انہیں ڈھونڈ کر لانے کو کہا۔ جب عتبہؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے بلا تامل قبول کرلی۔

قبول اسلام کے بعد حضرت عتبہ اسلام کی خدمت میں لگ گئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں انتقال ہوا۔

٭ عتبہؓ بن اسید (ابوبصیر): ایک صحابی رسول ﷺ۔ جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے، حضرت عتبہ ان میں پہلے شخص تھے جو بھاگ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ صلح حدیبیہ ہو چکی تھی، اس کی رو سے حضرت عتبہ بن اسید کو واپس مکہ بھیج دیا گیا اور آپ ﷺ نے عتبہؓ سے فرمایا کہ اللہ اس کی کوئی تدبیر نکالے گا۔ جب قریش کے دو افراد حضرت عتبہ کو لے کر مقام ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت عتبہ نے ایک کو قتل کر ڈالا اور دوسرا جان بچا کر بھاگ نکلا۔ حضرت عتبہ اب عیص نامی مقام پر جا کر رہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اسی طرح کے بے کس اور ستم رسیدہ کئی مسلمان یہاں جمع ہو گئے اور ان کی اچھی خاصی جمعیت ہو گئی۔ اب ان لوگوں نے انتقاماً قریش کے قافلوں پر حملے شروع کر دیئے ان حملوں سے عاجز آکر قریش نے معاہدے کی اس شرط سے ہاتھ اٹھالیا۔ اس طرح عتبہ بن اسید اور ان کے دیگر ساتھی مدینہ آکر بس گئے۔

٭ عتبہ بن ربیعہ: حضرت امیر معاویہؓ کا نانا۔ یہ شخص اگرچہ شریف طبع تھا، لیکن اسلام کا مخالف تھا۔ ایک دفعہ آنحضور ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو اس شرط پر دولت کی پیش کش کی کہ آپ ﷺ تبلیغ اسلام چھوڑ دیں۔ آنحضور ﷺ نے ظاہر ہے کہ یہ بات قبول نہ کی بلکہ اسے بھی قرآن کی آیات سنا کر اسلام کی دعوت دی۔ عتبہ بن ربیعہ نے اپنے قبیلے میں واپس جا کر اپنے ہاں کے لوگوں سے کہا کہ میں جو کچھ سن کر آیا ہوں وہ شاعری نہیں، کچھ اور ہے۔ اس نے اگرچہ کفار کو نبی کریم ﷺ کی مزاحمت سے باز رہنے کو کہا تھا، لیکن غزوۂ بدر میں ایک لشکر کا سردار تھا اور دوران لڑائی حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔

٭ عتبہ بن ربیعہ: کافر، جس کے باغ میں طائف سے واپسی پر نبی کریم ﷺ نے آرام فرمایا۔ عتبہ بن ربیعہ کا یہ باغ انگور کے درختوں پر مشتمل تھا۔ جب آپ ﷺ نے اس باغ میں پناہ لی تو عتبہ نے اپنے غلام عداس کے ہاتھوں نبی کریم ﷺ اور حضرت زید بن حارثہ (جو اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے) کے لئے انگور کا خوشہ بھجوایا۔

⇦طائف، سفر۔

٭عتبہؓ بن مسعود: صحابیِ رسول ﷺ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

کنیت ابوعبداللہ تھی۔ حضرت عتبہ بن مسعود اپنے بھائی عبداللہ بن مسعود کے ہمراہ نوجوانی میں ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوئے اور سابقون الاولون میں شامل ہوئے۔ حبش کی جانب دوسری ہجرت میں شریک تھے۔ غزوۂ احد کے موقع پر حبشہ ہی سے مدینہ آئے اور غزوۂ احد میں شرکت کی اور اس کے بعد تمام غزوات میں جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔

اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت عتبہ بن مسعود اپنے بھائی عبداللہ بن مسعود سے زیادہ فقیہ اور قابل تھے، لیکن جلد انتقال کی وجہ سے ان کی خدمات سامنے نہ آسکیں۔ حضرت عتبہ بن مسعود کا انتقال حضرت عمرفاروق کے دور میں (۱۳ھ سے ۲۴ھ کے درمیان) ہوا۔

ع ث

٭عثمان بن عفان: صحابیِ رسول ﷺ، خلیفۂ سوم۔ رسول اللہ ﷺ کے داماد۔ پورا نام عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدِشمس بن عبدِمناف تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی کنیت ابوعبداللہ اور ایک قول کے مطابق ابوعمر ہے۔ لقب ذوالنورین اور امیر المؤمنین جبکہ خطاب جامع القرآن ہے۔

حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کی ولادت سرورِ کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کے چھے سال بعد ہوئی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے بچپن میں ہی پڑھنا لکھنا سیکھ لیا اور عہدِ شباب میں کاروبار شروع کر دیا تھا۔ اپنی فطری صداقت و دیانت کے باعث غیر معمولی شہرت حاصل کرلی تھی۔

سیدنا عثمان غنیؓ ابتدائے اسلام ہی میں صدیق اکبرؓ کی دعوت پر مسلمان ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں کہ "میں اسلام قبول کرنے والا چوتھا شخص تھا۔" (شرح صحیح مسلم)

جب حضرت عثمان اسلام لے آئے تو نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحب زادی سیدہ رقیہؓ کا نکاح آپؓ کے ساتھ کر دیا۔ حضرت رقیہؓ کے وصال کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنی دوسری صاحب زادی حضرت سیدہ اُمِّ کلثومؓ کو حضرت عثمان غنیؓ کے عقد میں دے دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ ان عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں جن کو حضور نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی۔ سیدنا عثمان غنیؓ نے دو ہجرتیں کیں، ایک مکے سے حبشہ کی طرف اور دوسری مکے سے مدینے کی طرف آپ مہاجر اول ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ تمام غزوات میں بجز غزوۂ بدر آنحضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیہؓ بیمار تھیں، حضور ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو ان کی تیمارداری کے لئے مقرر فرمایا تھا، لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے آپؓ کا شمار بدری صحابہ میں فرمایا اور آپؓ کو مالِ غنیمت میں سے حصّہ بھی عطا فرمایا۔

حضرت عثمان غنیؓ کا شمار مال دار اور فیاض ترین صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کی دولت کا اکثر حصّہ اسلام کی سربلندی اور ملت کی فلاح و بہبود کے کام آیا۔ انہوں نے جان و مال سے اشاعتِ اسلام، تحفظِ دین اور ملتِ اسلامیہ کی ترقی و خوش حالی کے لئے سعیِ بلیغ فرمائی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد جب مدینۂ منورہ میں مسلمانوں کو پانی کی تکلیف ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بئرِ رومہ کو جو شخص خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کردے وہ جنتی ہے۔" حضرت عثمان غنیؓ نے چالیس ہزار درہم میں بئرِ رومہ کو خریدا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر بے سروسامانی تھی، اس لئے اس غزوے کا نام "جیش العسرۃ" رکھا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ترغیب پر حضرت عثمان غنیؓ نے مجاہدینِ اسلام کے لئے سو اونٹ مع ساز و سامان، پھر دو سو، پھر تین سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کئے۔ چوتھی بار نبی کریم ﷺ

کی ترغیب پر انہوں نے ایک ہزار دینار پیش کئے تو راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ انتہائی خوشی سے دیناروں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے اور یہ فرمارہے تھے کہ آج کے بعد عثمان جو چاہیں کریں، ان کا کوئی عمل انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" (مسند امام احمد)

بیعت رضوان

ذوالعقدہ ٦ھ میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابۂ کرامؓ کی معیت میں مدینے سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر سب نے عمرے کے لئے احرام باندھے، قربانی کے جانور ساتھ لئے، پرتلوں میں ایک تلوار رکھ لی اور لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتا ہوا جب یہ قافلہ مقام عسفان پہنچا تو بنی کعب کے ایک شخص نے جسے آپ ﷺ نے پہلے ہی قریش کے ارادوں اور نقل و حرکت کا پتا لگانے کے لئے بھیجا تھا، اطلاع دی کہ قریش پوری تیاری کے ساتھ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور آمادۂ پیکار ہیں۔ وہ مسلمانوں کو مکے میں داخلے سے روکنے کے لئے لڑائی کریں گے۔

کفاران قریش نے قاصدوں اور ایلچیوں کے ذریعے دھمکیاں دیں اور عسکری حملوں بھی گریز نہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ اور ان کے صحابۂ کرامؓ نے اس نازک صورت حال میں پورے وقار، صبر و ضبط اور حکمت و فراست سے کفاران قریش کی ہر تدبیر کو ناکام بنادیا۔

حدیبیہ میں مسلمانوں اور کافروں کی جانب سے سفارتی سرگرمیاں اور ایلچیوں کی آمد و رفت جاری ہوئی، ہر لمحے بدلتی ہوئی نازک صورت حال میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے معتمد علیہ قاصد اور سفیر کو بھی بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ براہ راست قریش کو اپنی آمد کے مقاصد سے مطلع کرنے اور انہیں جنگ سے روکنے پر آمادہ کیا جاسکے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو بلا کر حکم دیا کہ مکہ جا کر قریش کو صاف صاف بتادیں کہ ہم تو صرف عمرے کے ارادے سے آئے ہیں، جنگ ہمارا مقصد نہیں ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ مکہ میں جو مؤمن مرد اور خواتین ہیں، ان سے بھی ملنا اور ان کو بھی بتادینا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے دین کو مکہ میں غالب کرنے والا ہے، وہ گھبرائیں نہیں، اطمینان رکھیں۔

حضرت عثمان غنیؓ حضور اکرم ﷺ کا پیغام لے کر ابوسفیان اور سرداران عرب سے مذاکرات کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ مکہ میں حضرت عثمانؓ کی سب سے پہلی ملاقات ابان بن سعید سے ہوئی اور وہ اپنی امان میں لے کر حضرت عثمانؓ کو سرداران قریش کے پاس گئے اور ملاقات کی اور آنحضرت ﷺ کا پیغام ان تک پہنچایا تو انہوں نے کہا کہ عثمان، اگر آپ چاہتے ہوں تو بیت اللہ کا طواف کرلیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ جب تک رسول اللہؐ طواف نہ کرلیں، میں طواف نہیں کروں گا۔ بعد میں لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ حدیبیہ میں فروکش ہوں اور میں یہاں طواف کر لوں، یہ کیوں کر ممکن ہے۔ اگر اس حالت میں، میں سال بھر بھی مکہ میں قیام کروں، جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پہلے طواف نہ کرلیں، میں طواف نہیں کروں گا"

حضرت عثمانؓ نے سرداران قریش سے کہا "اے قریش! ہم لوگ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں، جس کی تعظیم ہمارے دین میں داخل ہے۔" عمرہ کے معمولات ادا کرنا مقصود ہے اور قربانی کے جانور ہمارے ہمراہ ہیں۔ یہ رسوم ادا کرکے ہم واپس چلے جائیں گے۔"

مکہ میں حضرت عثمانؓ اور سرداران قریش کے ساتھ مذاکرات اور گفت و شنید کا سلسلہ وسیع اور حضرت عثمان کا قیام طویل ہوگیا، جس کی وجہ سے واپسی میں تاخیر ہوگئی۔ اس تاخیر سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ کفاران قریش نے حضرت عثمانؓ کو مکہ میں روک لیا ہے اور انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے آنحضرت ﷺ فکر مند ہوگئے۔ مسلمانوں کو بھی سخت صدمہ اور رنج پہنچا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ اب یہاں سے مرتے دم تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔ بعض روایات کی رو سے یہ بیعت علی الموت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک دوسرے دست مبارک پر رکھا اور فرمایا: "یہ ایک ہاتھ عثمان کا ہے اور میں ان کی طرف سے خود بیعت لیتا ہوں۔"

بیعت کا یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے اور اسی بیعت کی جانب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں فرمایا: "اے نبی، جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے، وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔"

"بیعت رضوان" کے واقعے کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے فوراً انتقام لینے کی تیاری شروع کر دی۔ یہ حضور ﷺ کی حضرت عثمان غنیؓ سے محبت کے اظہار کی ایک جھلک ہے، لیکن بیعت کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان غنیؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے جو حضرت عثمان غنیؓ کے علاوہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ بیعت رضوان کے واقعے میں ایک اور پیغام بھی ملت اسلامیہ کے لئے مضمر ہے کہ کسی ایک مسلمان کے قتل ناحق پر رسول ﷺ نے پوری جماعت سے بیعت علی الموت لی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہو، اپنی استعداد کے مطابق اپنا فرض ادا کرتے ہوئے مسلمانوں کو مسلمانوں کی حمایت کرنی چاہئے۔

فضیلت

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضور ﷺ اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی مبارک پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں کہ اس دوران حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے مگر آپ ﷺ ویسے ہی لیٹے رہے، پھر حضرت عمرؓ نے اندر آنے کی اجازت مانگی، حضور ﷺ ویسے ہی لیٹے رہے، پھر حضرت عثمان غنیؓ نے اجازت مانگی تو حضور ﷺ بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرما لئے۔ پھر جب سب چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ جب حضرت ابوبکر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جنبش نہ فرمائی جب حضرت عمرؓ آئے تو بھی کوئی پرواہ نہیں فرمائی، لیکن جب حضرت عثمان غنیؓ آئے تو آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لئے۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اے عائشہ، کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں، جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔" (صحیح مسلم، جامع ترمذی)

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ امیر المؤمنین، حضرت عثمانؓ کے متعلق ہمیں کچھ بتائیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:

"وہ ایسے شخص ہیں جن کو ملائے اعلیٰ میں ذوالنورین کہہ کر پکارا جاتا ہے اور حضور ﷺ نے ان کے لئے جنت میں گھر کی ضمانت دے دی ہے۔" (شرح صحیح مسلم)

خلافت

حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو مجلس شوریٰ کے انتخاب سے خلیفہ اور امیر المؤمنین منتخب ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ رسول اللہ ﷺ اور شیخین کی سنّت کے مطابق کار خلافت انجام دیتے تھے۔ حضرت عثمان آپ کے بارہ سالہ دور خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔ ۲۴ھ میں آپؓ نے آذربائیجان اور آرمینیا پر فوج کشی کر کے وہاں کے باشندوں کو مطیع کیا۔ ۲۵ھ میں طرابلس فتح ہوا۔ ۲۶ھ میں الجزائر اور مراکش کے علاقے فتح ہوئے۔ ۲۸ھ میں بحیرۂ روم میں شام کے قریب قبرص کو بحری جنگ سے فتح کیا گیا۔ ۳۰ھ میں طبرستان فتح ہوا۔ ۳۳ھ میں قسطنطنیہ سے متصل علاقوں میں مرو، طالستان اور جوزجان کے علاقے فتح ہوئے۔

۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ نے مسجد حرام کی توسیع فرمائی اور ۲۹ھ میں مسجد نبوی کی توسیع کی۔ حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کا اہم ترین دینی و علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرأتوں کے اختلاف کو ختم کرنے کی غرض سے عہد صدیقی و فاروقی میں مدون قرآن مجید کو اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ سے حاصل کیا اور زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ، اور عبدالرحمٰن بن الحارثؓ سے قرآن مجید کے صحیح نسخوں کی نقول کرائیں، تمام بلاد اسلامیہ میں قرآن مجید ارسال فرمائے اور حکم دیا کہ آئندہ اسی نسخے کے مطابق قرآن کریم لکھا اور پڑھا جائے۔

فتنہ کاروں کی فتنہ کاریاں

حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت کے ابتدائی چھے برس اگرچہ مکمل امن و امان کے ایام تھے، مگر رفتہ رفتہ نبوی تعلیمات و اثرات کم

ہونا شروع ہو گئے تھے اور لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبّت گھر کرتی جا رہی تھی۔ چنانچہ اونچے اور بڑے مکانات تعمیر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ معاشرت و معاملت کا سلسلہ بھی وہ باقی نہیں رہا تھا۔

جب کسی قوم میں زوال آتا ہے تو ہر شعبۂ زندگی زوال پذیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہی معاملہ دورِ عثمانی میں بھی ہوا اور سیاست کا شعبہ بھی اس زوال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یوں بھی اسلامی سلطنت کافی پھیل چکی تھی اور نئے نئے فتنے بھی سر اٹھا رہے تھے۔ ان میں سب سے نمایاں ابن سبا کی تحریک تھی جس نے اپنی عیاری، مکاری اور حرص و حسد کو چھپانے کے لئے اپنی تحریک کو مذہبی رنگ دے دیا تھا۔ بہرکیف اس وقت کئی عوامل یکجا ہوئے تو حضرت عثمانؓ کے خلاف طاقت ور شورش برپا ہوئی۔ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حضرت عثمان کی حکومت کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کا انجام حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔ دراصل مفسدین پہلے سے حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین کی جان کے درپے ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان ان حالات میں مقید و محصور ہو کر رہ گئے اور تقریباً ایک ماہ اسی محاصرے کی حالت میں نماز کے لئے تشریف لے جاتے رہے۔

اس وقت تک بلوائی حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، لیکن اس کے بعد انہوں نے نماز پڑھنا بھی بند کر دی اور دوسرے نمازیوں کو بھی حضرت عثمانؓ کی امامت میں نماز پڑھنے سے منع کیا۔ جو لوگ ان کا کہا نہ مانتے، باغی انہیں سرزنش کرتے تاکہ صورت حال زیادہ سے زیادہ خراب ہو اور امن عامہ کا مسئلہ پیدا کر کے حضرت عثمان کو خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جا سکے۔ ۳۵ھ میں مفسدین نے عبداللہ بن سبا کی خفیہ تحریک کے حامیوں کی اعانت سے اپنی سرگرمی کا مکمل ثبوت فراہم کر دیا اور اس قدر بے باک ہو گئے کہ خود امیر المؤمنین پر بھی دست ستم دراز کرنے سے نہیں جھجکتے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر رسول پر بیٹھے خطبہ دے رہے تھے۔ ابھی حمد و ثنا ہی شروع کی ہی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: "عثمان! کتاب اللہ کے مطابق اپنا طرز عمل بناؤ۔"

لیکن صبر و تحمل کے اس پیکر نے نرمی سے کہا، بیٹھ جاؤ!

دوسری مرتبہ پھر کھڑے ہو کر اس نے اسی جملے کا اعادہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا۔ غرض تین دفعہ اس نے اس طرح اس خطبے کے دوران برہمی پیدا کرنے کی کوشش کی اور ہر بار اس کے جواب میں خلیفہ سوم نے اسے نرمی سے بیٹھنے کی ہدایت کی لیکن اندرونِ خانہ سازش تیار ہو چکی تھی چنانچہ حضرت عثمان پر حملہ ہوا اور مفسدین نے اس قدر سنگ ریزوں اور پتھروں کی بارش کی کہ نائب رسول زخموں سے چور چور ہو کر منبر سے فرش پر گر پڑے۔ صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ اس بے ادبی اور توہین پر بھی حضرت عثمان قطعاً غیظ و غضب میں نہ آئے۔ اس کے بعد بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کا گھر سے نکلنا بھی بند کر دیا۔

جس باغی نے منبر رسول ﷺ پر حضرت عثمانؓ پر حملہ کیا، اس کا نام غالباً ابن عدیس بلوی تھا، جو باغیوں کا ایک سرگرم کارکن تھا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ تم عینی شاہد پیش کرو اور ثابت کرو کہ میں نے وہ خط لکھا ہے، جس کا بہانہ بنا کر تم سب لوگوں نے کاشانہ خلافت اور مسجد کا گھیراؤ کر رکھا ہے یا مجھ سے قسم لے لو کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ باغیوں نے حضرت عثمان کی ہر معقول بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان گویا ہوئے:

"ابن عدیس، تمہیں معلوم نہیں کہ میں اسلام میں چوتھا مسلمان ہوں۔ مجھ سے پہلے صرف تین ایمان لائے تھے اور میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی کی۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے آج تک زنا کیا ہے نہ کبھی چوری۔ جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں کی اور نہ کبھی کسی بات پر فخر کیا ہے اور جب سے میں نے رسول اللہ سے بیعت کی، اپنے داہنے ہاتھ کو کبھی زیر ناف چھوا تک نہیں۔ میں وہ شخص ہوں کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی قرآن کو حفظ کیا تھا اور مجھ پر کوئی جمعہ ایسا نہیں آیا کہ جب میں نے کوئی غلام آزاد نہ کیا ہو۔"

حضرت عثمانؓ کو حضور سرور کونین ﷺ کی پیش گوئیوں کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے۔ آنحضرت ﷺ

نے متعدد بار حضرت عثمانؓ کو اس سانحے سے باخبر کیا تھا اور صبرو استقامت کی تاکید کی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری طرح قائم تھے اور ہر لمحہ ہونے والے واقعات کے منتظر تھے۔ جس دن شہادت ہونے والی تھی، آپؓ روزہ سے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمان جلدی کرو، تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں۔ بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آگیا ہے۔ باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے کہا، امیر المؤمنین ایسا نہیں ہوسکتا۔ فرمایا: ”میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں۔“ ایک روایت میں ہے کہ خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ فرمارہے ہیں کہ عثمانؓ آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔ پھر پائجاما، جس کو کبھی نہیں پہنا تھا، اس کو منگوا کر پہنا۔ بیس غلاموں کو آزاد کیا اور قرآن مجید کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہوگئے۔

آتش زنی اور مروان کا دفاع

۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ مفسدین نے کاشانہ خلافت کے دروازے کو آگ لگادی۔ کچھ دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے اور باقی اندر کمروں اور صحن میں گھس آئے۔ دروازے کو جونہی آگ لگی مکان کا ایک حصہ شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: ”عنقریب دروازوں کے جلنے سے کہیں بڑا حادثہ رونما ہونے والا ہے، لیکن تم میں سے کوئی شخص اپنے ہاتھ کو حرکت نہ دے۔ یہ امر یقینی ہے کہ میں اگر تم سے دور ہوں گا تو دشمن تم سب کو چھوڑ کر میرے ہی پاس پہنچیں گے اور مجھے بے جان کردیں گے اور اگر تم لوگوں سے زیادہ قریب ہوں گا تو بھی مجھے چھوڑ کر تمہاری جانب کوئی نہیں جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ثابت قدم رہنے کا جو عہد لیا تھا، میں اس پر قائم اور صابر ہوں اور نوشتہ تقدیر نے میرے حق میں جو کچھ لکھ دیا ہے، میں اس کے ظہور میں کسی تعویق و التوا کو پسند نہیں کرتا۔“

یہ سن کر مروان بن حکم بولا: ”واللہ! جہاں تک میرے امکان میں ہوگا، دشمنوں کو آپؓ کے قریب نہ آنے دوں گا۔“ پھر شمشیر بہ کف دروازے پر پہنچا اور یہ شعر پڑھنے لگا ؎

قد علمت ذات القرون المیل
والکف والا نامل الطفول
انی اروع اول الرعیل
بغارة مثل قطا الشلیل

اس کے بعد چند دوسرے رجزیہ اشعار پڑھ کر بہ آواز بلند پکارا، کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔ اس وقت اس نے اپنی زرہ کا نچلا حصہ ٹپکے میں رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر ابن النباع چپ چاپ اس کی طرف بڑھا اور پیچھے کی طرف سے آکر گردن پر ایک ضرب لگائی۔ مروان نے پہلے تو ضبط و تحمل کا ثبوت دیا لیکن پھر بے ہوش ہوگر پڑا۔ اسے ابراہیم بن عدی کی دادی فاطمہ بنت اوس کے گھر میں پہنچادیا گیا۔ فاطمہ بنت اوس نے مروان اور ابن النباع دونوں کو دودھ پلایا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ابن النباع کی ضرب کے بعد عبید بن رفاع نے مروان پر حملہ آور ہونا چاہا تو فاطمہ نے سختی سے روک دیا اور کہا کہ اگر تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو تو یہ مارا جاچکا ہے اور اگر تم اس کے گوشت پوست سے کھیلنا چاہتے ہو تو یہ بری بات ہے۔ پس عبید حملہ کرنے سے باز آگیا اور مروان ایک ساعت کے بعد ہوش میں آکر اٹھ کھڑا ہوا۔ مروان اور خاندان بنو امیہ فاطمہ بنت اوس کے ہمیشہ ممنون احسان رہے یہاں تک کہ اس کے بعد مروان نے اپنے عہد حکومت میں اس کے بیٹے ابراہیم کو اس احسان کے صلے میں باقاعدہ حکومت میں شامل کیا۔

حضرت عثمان کی شہادت

حضرت حسن جو دروازے پر متعیّن تھے، مدافعت میں زخمی ہو چکے تھے۔ اس دوران چار باغی دیوار پھاند کر فوراً چھت پر چڑھ دوڑے۔ محمد بن ابی بکر ان کے آگے آگے تھے، جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چھوٹے صاحبزادے تھے اور حضرت علی کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ وہ کسی بڑے عہدے کے طلب گار تھے۔ حضرت عثمان نے یہ عہدہ نہ دیا تو ان کے دشمن بن گئے اور عبداللہ بن سبا اور باغیوں سے

جا ملے تھے۔ اللہ اللہ، کیا تفاوت تھا شخصیات کا۔ حضرت علیؓ کی گود میں پلنے والے ایک لخت جگر حضرت حسن تو حضرت عثمانؓ کا پہرہ دے رہے تھے اور اپنے اسی فرض کی بجا آوری میں شدید زخمی ہو گئے اور دوسری طرف حضرت علیؓ ہی کی آغوش میں پرورش پانے والے صدیق اکبرؓ کے فرزند اصغر محمد بن ابی بکر تھے کہ جن کے ہاتھوں میں ضعیف العمر خلیفہ حضرت عثمان کی ریش مبارک تھی۔ محمد بن ابی بکر نے اس زور سے ریش مبارک کو کھینچا کہ حضرت عثمانؓ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ وہ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔ محمد بن ابی بکر سے مخاطب ہوئے: "بھتیجے اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو ان کو تمہاری یہ حرکت پسند نہ آتی۔"

یہ سن کر محمد بن ابی بکر پیچھے ہٹ گئے۔ کنانہ بن بشر نے اندازہ لگایا کہ کہیں صورت حال بدل نہ جائے۔ اس نے آگے بڑھ کر فوراً لوہے کی ایک لاٹ اٹھائی اور حضرت عثمانؓ کی پیشانی مبارک پر دے ماری۔ حضرت عثمان جو تلاوت قرآن مجید فرما رہے تھے، قرآن سامنے تھا۔ اس ضرب کی تاب نہ لا سکے اور پہلو کے بل گر پڑے۔ زبان سے بسم اللہ توکلت علی اللہ کے الفاظ جاری تھے۔ کنانہ بن بشر کے پیچھے سودان بن عمران مرادی کھڑا تھا۔ اس نے دوسری کاری ضرب لگائی، جس سے حضرت عثمان بالکل نیم مردہ ہو گئے اور خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ عمرو بن الحمق گستاخی کر کے سینہ مبارک پر کودنے لگا اور جسم کے مختلف حصوں پر نیزوں کے نو زخم لگائے۔ پھر ایک باغی نے آگے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہ نے جو قریب ہی بیٹھی رو رہی تھیں، اس وار کو روکنے کی کوشش کی، جس سے ان کے ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ گئیں مگر حضرت عثمان جاں بر نہ ہو سکے اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

باغیوں کی لوٹ مار

شہادت کے حادثہ عظیم کے بعد کسی قسم کی حفاظت و مدافعت باقی نہ رہی تھی۔ اس بنا پر باغی چاروں طرف سے امنڈ آئے اور قصر خلافت میں گھس کر لوٹ مار شروع کر دی۔ حضرت عثمانؓ کے جسم اطہر کے کپڑے اور اہل بیت کے تمام ملبوسات اور زیور تک چھین لئے۔ اس کے بعد بیت المال بھی لوٹ لیا گیا۔ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ کے خازن کے پاس تین کروڑ ۵ لاکھ درہم اور ایک لاکھ طلائی دینار جمع تھے۔ باغی اس تمام خزانے کو بھی لوٹ کر لے گئے۔

نعش کی بے حرمتی

حضرت عثمان غنیؓ کو ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو عصر کے وقت شہید کیا گیا۔ اس دن جمعۃ المبارک تھا۔ حرم رسول میں قیامت برپا تھی اور مدینہ میں ہر طرف باغی دندنا رہے تھے۔ ان کے خوف سے کسی کو امیر المؤمنین کی نعش مبارک کے قریب آنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا، لیکن ہر سچا مسلمان اشک بار تھا ہر کوئی اپنے حال میں گرفتار تھا اس لئے حضرت زبیرؓ بن عوام، حکیم بن حزام، مسورؓ بن مخرمہ، جبیرؓ بن مطعم، ابو جہمؓ بن حذیفہ، یسارؓ بن مکرم، حسنؓ بن علیؓ اور عمرو بن عثمانؓ نے اگلے روز شنبہ اور یک شنبہ کی درمیانی رات کو نصف شب کے وقت جب باغی محو خواب تھے، امیر المؤمنین کا جنازہ غسل دیئے بغیر اسی طرح خون آلود کپڑوں میں جیسا کہ شہدا کے لئے حکم شریعت ہے، نہایت خاموشی کے ساتھ اٹھایا۔ بعض تابعین عظام بھی ہمراہ تھے، جن میں حسن بصریؒ اور امام مالکؒ کے جد اعلیٰ مالک بھی شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ باغی حضرت عثمانؓ کی نعش مبارک کی مزید بے حرمتی کا ناپاک ارادہ رکھتے تھے، لیکن مدینہ میں کہرام مچا ہوا تھا اور اس یوم آشوب میں حادثہ شہادت کے فوراً بعد جنازہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ مرقد نبوی میں دفن کرنے کی کوشش بھی مد نظر تھی، اس لئے معاملہ تدفین اگلے دن پر ملتوی کرنا ناگزیر تھا۔ جب دن کے وقت یہ بات شہرت پذیر ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کو حجرہ عائشہ میں حضور سرور کائنات ﷺ کے روضہ اطہر میں دفن کیا جا رہا ہے تو باغیوں نے سختی سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ حجرہ عائشہ کیسا؟ ہم تو نعش کو کسی جگہ بھی دفن نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ باغیوں کی سفاکی کے پیش نظر اس انتظار میں خاموشی اختیار کی گئی۔ آخر جب رات ہو گئی اور فسادی اور شرارتی لوگ محو خواب ہو گئے تو پرستاران حق و صدق نے ہجوم مشکلات کے باوجود جنازہ اٹھایا۔

خون میں لتھڑے ہوئے کپڑوں میں حضرت عثمان غنیؓ کا جنازہ

چار آدمیوں نے مل کر اٹھایا۔ کابل سے مراکش تک حکومت کرنے والے فرماں روا کی نماز جنازہ میں صرف سترہ آدمی شریک ہو سکے۔ مسند ابن حنبل میں ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اور ابن سعد کے مطابق حضرت جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن اثیر کے مطابق نماز جنازہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ، طلحہؓ، زیدؓ بن ثابت اور کعب بن مالک بھی شریک ہوئے۔ دوسری روایت میں محمد بن یوسف کا بیان ہے کہ جبیرؓ بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حکیم بن حزام، ابو جہمؓ بن حذیفہ اور یسار بن مکرم اسلمیؓ نے اقتدا کی۔ امام شہید کی دونوں بیویاں حضرت نائلہ بنت فرافصہ اور اُمّ البنین بنت عینیہ بھی مقتدیوں میں تھیں۔ یسار بن مکرم، ابو جہمؓ بن حذیفہ اور جبیرؓ بن مطعم نے قبر میں اتر کر امیر المؤمنین کو سپرد لحد کیا۔ (ابن سعد) دوسری روایت میں ہے کہ جن نفوس نے نماز جنازہ پڑھی، وہ حضرت جبیرؓ بن مطعم سمیت سترہ آدمی تھے۔ لیکن ابن سعد کے بقول پہلی روایت جس میں جبیرؓ سمیت چار آدمیوں کا نماز جنازہ پڑھنا منقول ہے، زیادہ قابل وثوق ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کو جنت البقیع کے پیچھے حش کوکب میں سپرد خاک کیا گیا۔ بعد میں اس مقام کی دیوار کو توڑ کر اسے جنت البقیع ہی میں شامل کر دیا گیا۔

٭ عثمان بن مظعون: صحابی رسول ﷺ۔ ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے بلکہ ان سے پہلے صرف تیرہ افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ کنیت ابوالسائب تھی۔ ہجرت حبشہ اور پھر ہجرت مدینہ میں شریک رہے۔ انتہائی متقی اور دین دار صحابی تھے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ ۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

ع د

٭ عداس مسیحی: عتبہ بن ربیعہ کا غلام۔ عتبہ وہی شخص تھا جس کے انگور کے باغ میں نبی کریم ﷺ نے طائف سے واپسی پر پناہ لی اور آرام فرمایا تھا۔ عداس ہی انگور کا خوشہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا تھا← طائف، سفر۔

٭ عدی، بنو: عرب کا ایک مشہور قبیلہ۔ اہل عرب زیادہ تر عدنان کی اولاد میں سے ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کی گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ اہل قریش انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ قریش میں سے دس افراد نے اپنی لیاقت کا لوہا منوایا، اور ان دسوں کے الگ الگ قبیلے بنے۔ عدی ان دس میں سے ایک ہے۔

٭ عدی بن حاتم: صحابی رسول ﷺ اور مشہور سخی سردار حاتم طائی کے فرزند۔ حاتم طائی کی سخاوت نہ صرف اسلامی تاریخ میں بلکہ کہانیوں اور افسانوں تک کا پوری دنیا میں حصہ بن چکی ہے۔ حضرت عدی انہی حاتم طائی کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت عدی بن حاتم کا تعلّق قبیلہ طے سے تھا۔ ابتدا میں دین عیسوی کے فرقہ "رکوی" سے تعلّق تھا اور جب اسلام کی دعوت پھیلتی چلی گئی تو دوسرے لوگوں کی طرح انہوں نے بھی اسلام سے بچنے کی کوشش کی۔ ۹ھ میں حضرت علی کی قیادت میں ایک لشکر نے ان کے قبیلے پر حملہ کیا تو حضرت عدی اپنے علاقے سے فرار ہو کر شام آ گئے، لیکن ان کی بہن سفانہ بنت حاتم مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئیں۔

جب سفانہؓ کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو انہوں نے عرض کیا:

"اے صاحب قریش! مجھ بے کس پر رحم کیجئے۔ باپ کا سایہ میرے سر سے اٹھ چکا ہے اور بھائی مجھے بے یار و مدد گار چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ میرے والد سردار قبیلہ تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، یتیموں کی سرپرستی کرتے تھے، حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے تھے، پڑوسیوں کے حقوق ادا کرتے تھے، اسیروں کو رہائی دلاتے تھے، زیر دستوں کی دست گیری کرتے تھے، مظلوموں کی حمایت کرتے تھے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچاتے تھے۔ میں اس حاتم طائی کی بیٹی ہوں جس کے در سے کبھی کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں گیا تھا۔ اگر حضور مناسب سمجھیں تو مجھے آزاد کر دیں تاکہ میری وجہ سے عربوں کی قومی

روایات پر حرف نہ آئے۔"

حضور ﷺ نے سفانہؓ کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا:

"اے خاتون! جو صفات تونے اپنے والد کی بیان کی ہیں یہ تو مسلمانوں سے مخصوص ہیں۔ اگر تیرے والد زندہ ہوتے تو ہم ان سے اچھا سلوک کرتے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اس عورت کو چھوڑ دو، یہ ایک نیک خصلت باپ کی بیٹی ہے۔ کوئی معزز شخص ذلیل ہو جائے اور کوئی مالدار محتاج ہو جائے یا کوئی عالم جاہلوں میں پھنس جائے تو اس کے حال پر ترس کھایا کرو۔"

حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق سفانہؓ کو رہا کر دیا گیا لیکن وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا: "کیوں اب کیا بات ہے۔"

سفانہؓ نے عرض کیا: "اے محمد ﷺ میں جس باپ کی بیٹی ہوں اس کا یہ دستور نہ تھا کہ قوم مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ سکھ کی نیند سوئے۔ جہاں آپ ﷺ نے مجھ پر کرم فرمایا ہے وہاں میرے ساتھیوں پر رحم فرمایئے۔ اللہ آپ کو جزا دے گا۔"

حضور ﷺ سفانہؓ کی استدعا سے بڑے متاثر ہوئے اور حکم دیا کہ سارے اسیران طے کو رہا کر دیا جائے۔ اس پر سفانہؓ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ جاری ہو گئے:

"اللہ آپ ﷺ کی نیکی کو اس شخص تک پہنچائے جو اس کا مستحق ہو۔ اللہ آپ ﷺ کو کسی بدکیش اور بد طینت کا محتاج نہ کرے اور جس فیاض قوم سے کوئی نعمت چھن جائے اسے آپ ﷺ کے ذریعے واپس دلا دے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سفانہ نے جب پہلی مرتبہ حضور ﷺ سے اپنی رہائی کے لئے درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: "تمہارا نگران کون تھا؟"

سفانہؓ نے جواب دیا:

"عدی بن حاتم، میں اس کی بہن ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"وہی عدی جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کیا۔" سفانہؓ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور ﷺ کوئی فیصلہ کئے بغیر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن بھی حضور ﷺ اور سفانہؓ کے درمیان ایسا ہی مکالمہ ہوا لیکن حضور ﷺ نے کوئی فیصلہ صادر نہ فرمایا۔ تیسرے دن سفانہؓ نے پھر وہی درخواست کی۔ اس مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ان کی سفارش کی۔ رسول اکرم ﷺ نے اب یہ درخواست قبول فرمالی اور سفانہؓ کو رہا کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ ابھی وطن جانے میں جلدی نہ کرو، جب یمن جانے والا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے اطلاع دو۔

چند دن بعد یمن کے قبیلہ بلی یا قضاعہ کا ایک وفد مدینے آیا۔ سفانہؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اس وفد کی واپسی کے وقت مجھے اس کے ہمراہ بھیج دیجئے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے سفانہؓ کے مرتبے کے مطابق سواری، لباس اور زاد راہ کا انتظام کر کے انہیں قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا۔

سفانہؓ کو عدیؓ کی اقامت گاہ کا علم تھا۔ مدینہ منورہ سے وہ سیدھی "جوشیہ" پہنچیں۔ بہن اور بھائی کی ملاقات ہوئی۔ عدی بن حاتم نے پوچھا: "صاحب قریش کیسا آدمی ہے؟۔"

بہن نے جواب دیا:

"جس قدر جلد ہو سکے تم ان سے ملو۔ اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا تمہارے لئے سرخ روئی کا باعث ہوگا اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی یہ سبقت تمہاری قدر و منزلت کا وسیلہ ہوگی۔"

انہوں نے بہن کی زبان سے یہ الفاظ سنتے ہی گھوڑے پر زین کسی اور سیدھا مدینے کا رخ کیا۔ مسجد نبوی میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں جا حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کا نام پوچھا اور ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر شانہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک بوڑھی عورت اور پھر ایک نو عمر لڑکے نے آپ ﷺ کو روک لیا اور دیر تک آپ ﷺ سے باتیں کرتے رہے۔ جب انہوں نے از خود گفتگو ختم کی تو حضور ﷺ آگے روانہ ہوئے۔ حضرت عدیؓ یہ واقعہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور دل میں خیال کیا کہ یہ طرز عمل کسی دنیاوی بادشاہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ گھر پہنچ کر

حضور ﷺ نے عدیؓ کو بہ اصرار چمڑے کے گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کا اخلاق کریمانہ دیکھ کر حضرت عدیؓ کو پختہ یقین ہوگیا کہ یہ دنیاوی بادشاہ نہیں ہیں۔ اب سرور عالم ﷺ اور حضرت عدیؓ کے درمیان گفتگو شروع ہوئی۔ اس گفتگو کی تفصیل خود حضرت عدیؓ نے بعد میں اس طرح بیان کی:

رسول خدا ﷺ: "اے عدیؓ! تم آج تک دین اسلام سے بھاگتے رہے حال آنکہ یہ دین ہر قدم پر سلامتی کا ضامن ہے۔"

عدیؓ: "میں دین عیسوی کا پیرو ہوں اور میرا دین بھی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے۔"

رسول خدا ﷺ: "میں تمہارے دین کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔"

عدیؓ: (حیرت سے) "کیا آپ ﷺ میرے دین کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں؟۔"

رسول خدا ﷺ: "بے شک۔ کیا تم رکوی نہیں ہو اور اپنی قوم کے سربراہ کی حیثیت سے ان سے پیداوار کا چوتھائی حصہ نہیں لیتے؟۔"

عدیؓ: "جی ہاں، میں رکوی ہوں اور اپنے علاقے کی پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کرتا ہوں۔"

رسول خدا ﷺ: "کیا چوتھ "دن عیسوی میں جائز ہے؟۔"

حضور ﷺ کے اس سوال کا مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑا کیونکہ چوتھ دن عیسوی میں واقعی ناجائز تھی۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے عدی! تمہارا یہ خیال تمہیں دین حق قبول کرنے سے روک رہا ہے کہ مسلمان ایک فلاکت زدہ قوم ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں لیکن عنقریب تم دیکھو گے کہ یہی مسلمان کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر قابض ہو جائیں گے۔"

میں: (حیرت زدہ ہو کر) "کسریٰ بن ہرمز؟"

رسول خدا ﷺ: "ہاں کسریٰ بن ہرمز۔ اور مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے اور کسریٰ کے قصر ابیض پر بھی مسلمانوں کا تصرف ہوگا۔"

(عدیؓ کہتے ہیں کہ چند سال بعد یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوا اور جس لشکر نے کسریٰ کے دارالحکومت مدائن اور اس کے قصر ابیض پر قبضہ کیا، میں خود اس میں شامل تھا)

پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے سوال کیا: "اے عدی! تم نے حیرہ بھی دیکھا ہے؟"

میں: "میں کبھی حیرہ گیا تو نہیں البتہ اس کا نام ضرور سنا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ: "اے عدی، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے جب (اسلام کی برکت سے) ایک محمل نشین عورت تنہا (کسی محافظ کے بغیر) حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔"

(عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے چند سال بعد بعینہٖ یہی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک محمل نشین خاتون نے تنہا حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کیا اور پھر اسی طرح وطن کو مراجعت کی)

اس گفتگو کے بعد حضرت عدیؓ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ حضور ﷺ ان کے قبول اسلام پر بڑے مسرور ہوئے اور انہیں اپنی طرف سے قبیلہ طے کی امارت پر ممتاز فرمایا۔

حضرت عدی بن حاتم اسلام قبول کرنے کے بعد ثابت قدمی سے اسلام کی خدمت میں لگے رہے اور اسلامی معرکوں میں حصہ لیا۔ حضرت عثمان سے اختلاف کی وجہ سے ان کے زمانے میں خانہ نشینی اختیار کر لی۔ حضرت علی کے دور میں حضرت علی کی طرف سے لڑے۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کر لی اور کوفہ ہی میں ۶۷ ھ میں ۱۲۰ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ حضرت عدی بن حاتم سے ۶۶ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔

ع ر

✽ عرب: رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش اور مذہب اسلام کا مرکز۔ یہیں پر نبی اکرم ﷺ نے چالیس برس کی عمر میں نبوت کا اعلان

کیا۔ آج کل اس علاقے کو ہم "سعودی عرب" کے نام سے جانتے ہیں۔

اہل لغت کا کہنا ہے کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں۔ چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو "عرب" اور باقی قوموں کو "عجم" کہنا شروع کر دیا۔ بعض کا بیان ہے کہ عرب اصل میں "عربتہ" تھا۔ عربتہ کے معنی سامی زبان میں دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے، اس لئے تمام ملک کو عرب کہنے لگے۔

عرب کے مغرب میں بحیرۂ قلزم، مشرق میں خلیج فارس اور بحیرۂ عمان، جنوب میں بحر ہند شمال کے حدود مختلف فیہ ہیں۔ علامہ شبلی کے مطابق عرب کا طول تقریباً پندرہ سو اور عرض چھ سو میل ہے۔ مجموعی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے۔ ملک کا بڑا حصہ ریگستان پر مشتمل ہے۔ پہاڑوں کا سلسلہ ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ سب سے طویل سلسلہ "جبل السراۃ" ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں۔

مورخین نے عرب کے اقوام و قبائل کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: عرب بائدہ یعنی عرب کے قدیم ترین لوگ جو اسلام سے پہلے ہی فنا ہو چکے تھے۔ عرب عاربہ یعنی بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصل باشندے تھے لیکن اصل مسکن ملک یمن تھا۔ عرب مستعربہ یعنی بنو اسماعیل (حضرت اسماعیلؑ کی اولاد) جو حجاز میں آباد تھی۔

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل ملک کے اصل باشندے تھے۔ انہیں عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں۔ تھوڑی بہت یہودیوں کی آبادی تھی۔ مانسیو لیبان فرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے کسی زمانے میں عرب کا تمدن درجہ کمال کو پہنچ چکا تھا۔ تاہم عرب نے جو ترقی کی تھی وہ آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی۔ اس لئے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے، اس حالت پر رہ گئے۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک یہاں عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔

⇦ آباؤ اجداد نبویؐ + ابراہیمؑ + اسماعیلؑ + مکہ + مدینہ + یثرب۔

*** عربی زبان:** رسول اللہ ﷺ کی مادری زبان، اہل عرب کی زبان۔ اس زبان میں قرآن پاک نازل ہوا۔

عربی زبان دنیا کی دیگر زبانوں سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تمام انبیا پر وحی عربی زبان میں اتاری گئی اور پھر انبیاء نے اس کا اپنی قوم کی زبانوں میں ترجمہ کیا۔ اس زبان کی شرافت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن اللہ نے عربی زبان میں اتارا اور عربی زبان کو "لسان مبین" کے خطاب سے نوازا۔

احادیث نبویہ اس بات پر دال ہیں کہ اہل آسمان کی زبان بھی عربی ہے اور اسی زبان میں آسمانی صحیفے لکھے گئے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ عربی زبان سے محبّت رکھو تین چیزوں کی وجہ سے: میں عربی ہوں اور قرآن عربی زبان میں ہے۔ اور اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک ج ۴ ص ۸۷)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کی زبان جنّت میں عربی تھی۔ جب ان سے غلطی ہوئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عربی زبان سلب کر لی۔ اور آدم علیہ السلام سریانی میں بات کرنے لگے اور جب توبہ کی اور اللہ نے معاف کیا تو اللہ تعالی نے دوبارہ عربی زبان عطا کی۔

عربی زبان علوم شرعیہ کے لئے چابی کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے بعض علمانے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ عربی زبان کا سیکھنا فرض کفایہ ہے جس کی تصریح امام رازیؒ نے کی ہے۔ فرمایا کہ کوئی شک نہیں کہ عربی لغت کا علم، دین میں سے ہے اس لئے اس کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور اسی کے ذریعے سے قرآن کریم کے الفاظ کے معانی کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ عربی زبان جیسی فضیلت دنیا میں کسی اور زبان کو حاصل نہیں۔ انسان اگر عربی میں بات کرے تو یہ اس کی خوش قسمتی ہے اس لئے کہ وہ آنحضرت ﷺ، ملائکہ اور اہل جنّت کی زبان میں بات کر رہا ہے۔

*** عربی مہینے:** اسلامی مہینے، قمری مہینے۔ ان کی ترتیب یہ ہے:

محرم الحرام، صفر المظفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ، رجب المرجب، شعبان المعظم، رمضان المبارک، شوال المکرم، ذوالقعدہ، ذوالحجہ۔ اسلامی سال محرم الحرام سے شروع ہو کر ذوالحجہ پر ختم ہوجاتا ہے۔

اسلامی سال، ہجری سال بھی کہلاتا ہے۔ اس کا آغاز نبی کریم ﷺ کی مدینہ کو ہجرت سے ہوتا ہے۔ ⇦ ہجرت مدینہ، ہجری سال۔

✽ عروہ بن مسعود: صحابی رسول ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ جب طائف سے واپس ہوئے تو یہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ آگئے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اپنے قبیلے میں تبلیغ اسلام کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں کہا کہ وہ تمہارے دشمن ہوجائیں گے۔ تاہم شدت جذبات اور دین کی تڑپ میں بے قرار ہوکر قبیلے والوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے حضرت عروہؓ بن مسعود پر تیر برسانے شروع کردئے جس سے وہ شہید ہوگئے۔

✽ عروہ بن مسعود ثقفی: وہ شخص جس نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اہم کردار ادا کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قریش کی جانب سے گفتگو کے لئے آیا۔ ⇦ حدیبیہ، صلح۔

ع ز

✽ عزیٰ: عرب کے مشہور بتوں میں سے ایک۔ یہ بت مکہ میں نصب تھا اور قبیلہ قریش اور کنانہ کے لوگ اسے پوجتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے خالدؓ بن ولید کو بھیجا کہ اس بت کو تباہ کر دیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کی اور اسے تباہ کردیا۔

ع ش

✽ عشرۂ مبشرہ: وہ دس صحابہؓ کرام جن کو جنت کی بشارت ان کی زندگی میں دنیا ہی میں دے دی گئی۔ ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

1. حضرت ابوبکر صدیق۔ ⇦ ابوبکر صدیق + صدیق اکبر۔
2. حضرت عمر فاروق۔ ⇦ عمر فاروق۔
3. حضرت عثمان غنی۔ ⇦ عثمان بن عفان۔
4. حضرت علی۔ ⇦ علی بن ابی طالب۔
5. حضرت طلحہ۔ ⇦ طلحہ۔
6. حضرت زبیر۔ ⇦ زبیر۔
7. حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ ⇦ عبدالرحمٰن بن عوف۔
8. حضرت سعد بن ابی وقاص۔ ⇦ سعد بن ابی وقاص
9. حضرت سعید بن زید۔ ⇦ سعد بن زید۔
10. حضرت ابوعبید بن جراح۔ ⇦ ابوعبیدہ بن جراح۔

ع ق

✽ عقاب: کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی عہدوں میں سے ایک عہدہ۔ اس کا مقصد علم برداری تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ابوسفیان اس عہدے پر فائز تھے۔

✽ عقبہ بن ابی محیط: سخت ترین دشمنان اسلام میں سے ایک۔ بنو امیہ میں سے تھا۔ آنحضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد سب سے زیادہ اسلام دشمنی اس شخص نے کی۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ ﷺ کے کندھوں پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر ڈال دی۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ کے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ ﷺ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔

✽ عقبہ بن ابی معیطان: کفار قریش کے اکابرین میں سے ایک شخص۔

✽ عقبہ بن کدیم: صحابی رسول ﷺ۔ بنی خزرج کی شاخ

بنی بخار سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عقبہ بن کدیم بن عدی بن حارثہ بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار۔ غزوۂ احد سے پہلے اسلام قبول کیا اور غزوۂ احد سمیت تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ مصر فتح ہونے کے بعد وہیں مستقل رہائش اختیار کر لی اور وہیں انتقال ہوا۔

*** عقبہ بن وہب غطفانی:** صحابیِ رسول۔ ان صحابی کو مہاجر اور انصاری دونوں اعزازات حاصل ہیں۔ دراصل بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مکہ میں مقیم ہوگئے تھے اور کچھ عرصے بعد ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ غزوۂ بدر میں بھی حصّہ لیا۔ حضرت عقبہ آنحضور ﷺ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے، لیکن ان کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ ان کا نسب نامہ یہ تھا: عقبہ بن وہب بن کلدہ بن جعدہ بن ہلال بن حارث بن عمرو بن عدی بن جشم بن عوف بن عبداللہ بن غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان۔

*** عقربا:** وہ مقام جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں حضرت خالد بن ولید اور مسیلمہ کذاب کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ یہ مقام ریاض سے تقریباً ۴۵ میل دور ہے۔ اس علاقے میں اب تک اس معرکے میں شہید ہونے والے صحابہ کی قبریں موجود ہیں۔

*** عقیل بن ابی طالب:** حضرت علی اور حضرت جعفر طیار کے بڑے بھائی۔ کنیت ابویزید تھی۔ ابتدا میں اسلام دشمن سرگرمیوں میں شامل رہے بلکہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار بھی ہوئے اور حضرت عباس نے انہیں فدیہ دے کر آزاد کرایا۔ اس کے بعد حضرت عقیل نے مسلمانوں کے خلاف کسی لڑائی میں حصّہ نہیں لیا۔

حضرت عقیل بن ابی طالب نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ آٹھ ہجری میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ غزوۂ موتہ میں شرکت کی۔ ایک روایت کے مطابق اس غزوے کے بعد بیمار ہوگئے اور پھر کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت عقیل غزوۂ حنین میں شریک تھے۔

نبی کریم ﷺ کو حضرت عقیل سے بہت محبت تھی۔ آپ ﷺ فرماتے کہ "مجھے تم سے دہری محبت ہے۔ ایک تو قرابت کی وجہ سے اور دوسرے اس لئے کہ میرے چچا ابوطالب تم کو محبوب رکھتے تھے۔"

حضرت امیر معاویہ کے ساتھ خاص تعلق تھا، لیکن یزید بن معاویہ سے اختلاف کی وجہ سے کئی بیٹے اس اختلاف کی نذر ہوگئے۔

حضرت عقیل بن ابی طالب کا انتقال ۵۰ھ یا ۶۰ھ میں ہوا اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

ع ک

*** عکاشہ بن محصن:** صحابیِ رسول ﷺ۔ پورا نام عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس الاسدی تھا۔ فضلائے صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں شریک ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے ایک سال بعد بارہ ہجری میں مرتدین کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ انہی کے نام سے ایک سریہ "عکاشہ کی مہم" معروف ہے ⇦ سریہ۔

*** عکاظ:** اہل عرب کا ایک علمی اور قومی میلہ۔ نبی کریم ﷺ یہاں پر تشریف لے جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔

*** عکرمہ بن ابی جہل:** صحابیِ رسول ﷺ۔ دشمن اسلام ابوجہل کے فرزند۔ ابتدا میں اپنے باپ کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرتے تھے۔ غزوۂ بدر میں اپنے باپ ابوجہل کے قتل کے بعد غزوۂ احد میں سرگرمی سے حصّہ لیا تاکہ اپنے باپ کا بدلہ لے سکیں، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کی اہلیہ اسلام لے آئیں اور عکرمہ جان بچانے کے لئے روپوش ہوگئے۔ بڑے اصرار اور گفت و شنید کے بعد جب نبی کریم ﷺ نے عام معافی کا اعلان کیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد تن من دھن کے ساتھ اس طرح اسلام کی خدمت میں جُت گئے کہ اسلام سے پہلے کی

کسر پوری کر دی۔

ع ل

*** علل:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ وہ کتب حدیث جن میں ایسی احادیث ذکر کی گئی ہوں جن کی سند پر کلام ہو جیسے کتاب العلل للبخاریؒ اور کتاب العلل الصغیر والکبیر للترمذی۔ اسی طرح امام دار قطنیؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ کی "کتاب العلل" بھی معروف ہیں۔

*** علم حدیث:** حدیث کا علم۔ ہر پیغمبر کو اللہ کی طرف سے پیغام دیا جاتا تھا۔ اس پیغام کو وحی کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ پر بھی وحی نازل ہوتی تھی۔ یہ وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ اس کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے تھے۔ اس وحی کو "وحی متلو" اور قرآن کریم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کبھی اس کے معانی تو اللہ کی طرف سے ہوتے لیکن نبی اکرم ﷺ اپنے الفاظ میں ان کی تعبیر فرماتے۔ اس کو "وحی غیر متلو" حدیث یا حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وحی کی یہ دونوں اقسام اُمت کے لئے واجب العمل ہیں لہٰذا قرآن کریم کا بیان، تفسیر اور تشریعی احکام کے بارے میں آپ ﷺ کے اقول و افعال، سب "حدیث" کہلاتے ہیں اور ان کا حکم وحی کا ہے۔ ⇦ حدیث۔

*** علم طب:** علاج معالجہ اور طب و صحت سے متعلق علم۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اس علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ⇦ طب نبوی ﷺ۔

*** علی بن ابی طالب:** صحابی رسول ﷺ۔ خلفیہ چہارم، داماد رسول ﷺ۔ حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور آپ ﷺ کی سب سے لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ حضرت علی سے بیاہی گئی تھیں۔

حضرت علی کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب، لقب حیدر تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔

قبول اسلام

رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ اگرچہ چچا زاد بھائی تھے، مگر دونوں کی عمروں میں کافی فرق تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو حضرت علیؓ کی عمر صرف دس برس تھی۔ ایک روز انہوں نے حضرت خدیجہ اور نبی کریم ﷺ کو مخصوص عبادت کرتے دیکھا تو اس کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اسلام کے بارے میں انہیں بتایا اور انہیں اسلام قبول کرنے کو کہا۔ حضرت علی بچے تھے، انہوں نے عرض کی کہ میں اس بارے میں اپنے والد ابوطالب سے پوچھوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا، کیونکہ آپ ﷺ اس ابتدائی مرحلے پر نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی دعوت کا کسی کو پتا چلے۔ تاہم آنحضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم خود اس پر غور کرو اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے سوچ بچار کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے کوہ صفا پر چڑھ کر اسلام کی دعوت کا اعلان کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہ ہی تھے جنہوں نے آپ ﷺ کی بات پر لبیک کہا۔

حضرت علی نبی کریم ﷺ کے خاص جاں نثاروں میں سے تھے۔ ہجرت مدینہ کی رات جب اندھیرے میں آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی طرف نکلے تو اپنے بستر پر حضرت علی ہی کو لٹایا اور حکم دیا کہ آپ ﷺ کے پاس جن جن لوگوں کی امانتیں ہیں، وہ واپس کر کے مدینہ آئیں۔

حضرت فاطمہ سے نکاح

دو ہجری میں نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ سے حضرت علی کا نکاح کر دیا۔ حضرت علی کے پانچ اولادیں ہوئیں: حسن، حسین، محسن، زینب، اُم کلثوم۔ ان میں سے محسن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا۔ (⇦ فاطمہ بنت محمدؐ)

حضرت علی کی تمام زندگی اسلام کی خدمت میں گزری۔ وہ چونکہ

ایک ماہر فن پہلوان اور سپاہی بھی تھے، اس لئے اسلام کی لڑائیوں میں بھرپور داد شجاعت دی۔ خاص طور پر یہودیوں کے خلاف غزوۂ خیبر میں جس طرح لڑے، اس کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ (دیکھیے خیبر، غزوہ)

خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ اس دوران نئے خلیفہ کا معاملہ طے کیا گیا۔ حضرت علیؓ سے خلافت کی ذمے داریاں سنبھالنے کے لئے اصرار کیا گیا، مگر انہوں نے یہ بار گراں اٹھانے سے بار بار انکار کیا۔ تاہم انصار و مہاجرین کا اصرار زیادہ بڑھا تو انہوں نے یہ ذمے داری قبول کر لی۔ چنانچہ مسجد نبوی میں ۳۵ ھ میں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔

حضرت علیؓ کا دور نہایت کش مکش کا دور تھا۔ اس زمانے میں چاروں طرف سے نئے نئے فتنے اور طرح طرح کی سازشیں اسلامی مملکت کے خلاف جاری تھیں۔ حضرت علی کے دور میں ان سازشوں کو اور ہوا ملی اور مسلمان انتشار کا شکار ہوئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ اور حضرت علی کی سپاہ کے درمیان جمل کا واقعہ رونما ہوا۔

بہر کیف حضرت علی کا دور نہایت فتنہ انگیزیوں کا دور رہا اور منافقوں اور کافروں کی سلگائی ہوئی آگ تیزی سے تمام عالم اسلام میں پھیلتی چلی گئی۔ حضرت علی کے پانچ سالہ دور خلافت میں انہیں کوئی لمحہ اطمینان و سکون کا نصیب نہ ہو سکا۔ اس پر بھی جب حضرت علیؓ نے حوصلہ نہ ہارا اور اصلاح احوال کے لئے کوشاں رہے تو واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو کی اور بحث و مباحثہ کے دوران بالاتفاق یہ طے کیا کہ جب تک حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاص صفحہ ہستی پر موجود ہیں، دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات حاصل نہ ہو سکے گی۔ بہتر ہے کہ ان تینوں کو قتل کر دیا جائے۔ ایک حوالے کے مطابق جنگ نہروان میں خوارج کے صرف نو آدمی بچے تھے۔ ان نو ادمیوں نے جو خوارج میں امامت و سرداری کی حیثیت رکھتے تھے، اول فارس کے مختلف مقامات میں حضرت علیؓ کے خلاف بغاوتوں اور سازشوں کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں حصہ لیا، مگر جب کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی تو عراق و حجاز میں ادھر ادھر آوارہ پھرنے لگے۔ آخر مکہ معظمہ میں عبدالرحمان بن ملجم مراوی، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکیر تمیمی تین شخص جمع ہوئے اور آپس میں مقتولین نہروان کا ذکر کر کے دیر تک افسوس کرتے رہے۔ پھر تینوں اس رائے سے متفق ہوئے کہ ایک دن ایک ہی وقت پر حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، اور عمرو بن العاص کو قتل کر دیا جائے۔

خوارج کا خطرناک منصوبہ

طبری کے بقول، موسیٰ بن عبدالرحمان المسروقی نے عبدالرحمٰن الحرانی کے ذریعے اسماعیل بن راشد کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ ابن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکیر التمیمی نے ایک جگہ جمع ہو کر معاملات پر غور و فکر کیا اور ان تینوں نے حکام کے طرز عمل پر نکتہ چینی کی۔ اس کے بعد نہروان کے لوگوں (خارجی) کا ذکر کیا اور ان کے لئے انہوں نے رحمت و مغفرت کی دعا کی اور بولے کہ ہم ان لوگوں کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ لوگ ایسے بھائی تھے کہ جو لوگوں کو پروردگار کی طرف دعوت دیتے تھے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کیا کرتے تھے۔ کیوں نہ ہم اپنی جانوں کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیں اور ان گمراہ اماموں کے پاس جائیں اور ان کے قتل کی کوشش کریں (گمراہ اماموں سے ان کی مراد حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، اور حضرت عمروؓ بن العاص تھے)۔ اس طرح تمام علاقے کے لوگوں کو ان سے چھٹکارا مل جائے گا اور ہم اپنے بھائیوں کے قتل کا انتقام بھی لے لیں گے۔ اس پر ابن ملجم نے کہا:

علی بن ابی طالب سے میں تمہیں چھٹکارا دلاؤں گا۔

برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کے قتل کا ذمہ لیا اور عمرو بن بکر نے عمروؓ بن العاص کے قتل کا۔ ان تینوں نے خدا کو حاضر ناضر جان کر باہم وعدہ کیا کہ ہم میں سے ہر ایک نے جس شخص کے قتل کا ذمہ لیا ہے، وہ اپنے عہد سے منہ نہیں موڑے گا یا تو اس شخص کو قتل کر دے گا یا خود قتل ہو جائے گا۔ ان لوگوں نے اپنی تلواروں کو زہر میں بجھایا اور ان تینوں صحابہ کے قتل کے لئے سترہ رمضان کی تاریخ متعیّن

کی گئی۔ اس کے بعد یہ تینوں ان جلیل القدر صحابہ کے قتل کے لئے روانہ ہو گئے۔

ابن ملجم اور اس کی محبوبہ

حضرت علیؓ کا قاتل ابن ملجم مصر کا باشندہ تھا۔ اس کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا اور اس کا شمار بنو کندہ میں ہوتا تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس واقعے کے پیش آنے سے قبل ابن ملجم المراوی بنو بکر بن وائل میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے سامنے ایک جنازہ گزرا۔ یہ جنازہ ابو حجار الجبر بن العجلی کا تھا اور یہ شخص نصرانی تھا۔ عیسائی اس جنازے کے اردگرد تھے۔ مرنے والے کی لوگوں کے دلوں میں بہت عزت تھی، اس لئے سب لوگ اس جنازے کے ساتھ ساتھ جارہے تھے انہی میں شفیق بن ثور بھی تھا۔ ابن ملجم نے سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیا بات ہے۔ لوگوں نے اس سے تمام واقعہ بیان کیا۔ اس پر ابن ملجم نے چند اشعار پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اگر حجار بن الجبر مسلمان ہوتا تو اس کا جنازہ لوگوں سے دور رہتا، اگر یہ حجار بن الجبر کافر ہے تو اس سے بڑا کوئی کافر و منکر نہیں۔ کیا یہ پسند کرتے ہو کہ قیس اور دیگر مسلمان اس کی لاش کے گرد جمع ہوں۔ یہ کتنا برا منظر ہے۔ اگر میں نے ایک ارادہ نہ کر لیا ہوتا تو میں ان کے مجمع کو ایک چمکتی اور کاٹنے والی تلوار سے متفرق کر دیتا۔ اگر میں نے اس ارادہ کو اللہ کی قربت کا وسیلہ نہ بنایا ہوتا تو پھر میں اسے اختیار کر کے چھوڑ دیتا۔"

ان شعار سے ابن ملجم کے خیالات کا بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس قسم کے ذہن کا مالک تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ابن ملجم کوفہ پہنچا اور وہاں اپنے ہم قوم دوست و احباب سے ملا، لیکن حضرت علیؓ کو قتل کرنے کے راز کو سینے میں چھپائے رکھا اور کسی سے اس کا ذکر نہ کیا۔ طبری اور بعض روایتوں کے مطابق ایک روز اس نے بنو تیم الرباب کے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے اپنے مقتولوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے جنگ نہروان میں ان کے دس افراد قتل کئے تھے۔ اسی روز ابن ملجم کی ملاقات تیم الرباب کی ایک عورت سے ہوئی جس کا نام قطامہ ابنتہ الشجنہ تھا۔ حضرت علیؓ نے نہروان کی جنگ میں اس کے باپ اور بھائی کو قتل کیا تھا۔ یہ عورت حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھی۔ ابن ملجم نے جب اسے دیکھا تو اپنی عقل کھو بیٹھا اور جس کام کے لئے آیا تھا، وہ بھی بھول گیا اور اسے نکاح کا پیغام بھیجا۔ قطامہ نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک تم سے شادی نہیں کر سکتی جب تک تم میرے کلیجے کی آگ ٹھنڈی نہ کرو گے۔ ابن ملجم نے پوچھا، وہ کس طرح۔ قطامہ نے جواب دیا: تین ہزار درہم، ایک غلام اور علیؓ بن ابی طالب کا سر۔ ابن ملجم نے پوچھا: کیا یہ تیرا مہر ہوگا، کیوں کہ تو نے علیؓ کے قتل کا بلاوجہ ذکر نہیں کیا۔ قطامہ نے جواب دیا: ہاں یہ مہر ہوگا۔ میں علیؓ کا سر چاہتی ہوں۔ اگر تو نے ایسا کیا تو اپنا اور میرا دونوں کا کلیجا ٹھنڈا کرے گا اور عیش سے زندگی گزارے گا اور اگر تو قتل ہو گیا تو اللہ کے پاس جو اجر ہے، وہ دنیا اور دنیا کی زینت سے بہتر ہے۔ ابن ملجم نے کہا: خدا کی قسم میں اس شہر میں علیؓ کے قتل ہی کے لئے آیا ہوں اور تیری خواہش پوری ہو کر رہے گی۔ یہ سن کر قطامہ نے اپنی قوم کے ایک شخص وردان کو ابن ملجم کی معاونت کے لئے کہا اور تاکید کی کہ یہ منصوبہ آخری وقت تک خفیہ رہے۔

تینوں قاتل مدینہ منورہ پہنچے تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ محمد بن حنفیہ کا بیان ہے کہ جس صبح حضرت علی کو شدید زخمی کیا گیا، میں ساری رات جامع مسجد میں نماز میں مشغول رہا۔ باہر سے آنے والے باشندے بھی چوکھٹ کے قریب نمازوں میں مشغول رہے۔ ان لوگوں نے تمام رات رکوع و سجود میں گزاری۔ جب صبح کو حضرت علی نماز کے لئے نکلے تو ان لوگوں کو آواز دی کہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے ایک چمک دیکھی اور میں نے یہ الفاظ سنے کہ اللہ کے سوا کسی کو حکم نہیں، اور اے علی! حکم کا تمہیں اختیار ہے نہ تمہارے ساتھیوں کو۔ پھر میں نے تلوار دیکھی، پھر دوسری تلوار دیکھی۔ پھر حضرت علی کو یہ کہتے سنا کہ تم سے یہ شخص بچ کر نہ نکل پائے۔ لوگ اس کی طرف ٹوٹ پڑے۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ابن ملجم کو پکڑ لیا گیا اور حضرت علی کے روبرو پیش کیا گیا۔ میں بھی اندر داخل ہوا۔ حضرت علیؓ فرمارہے تھے کہ جان کے بدلے جان ہے۔ اگر میں مرجاؤں تو تم بھی اس طرح کر دینا جیسے اس نے مجھے قتل کیا ہے۔ اور اگر میں زندہ رہا تو اس کے

بارے میں خود فیصلہ کروں گا۔

اس کے دو تین روز بعد تک حضرت علی زندہ رہے، لیکن تلوار کا زخم کافی گہرا تھا، اس لئے جاں بر نہ ہو سکے۔ حضرت حسن، حضرت حسین، اور حضرت عبداللہ بن جعفر نے غسل دیا۔ حضرت حسن نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ع م

*** عمار بن یاسر:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کے والد اپنے ایک بھائی کی تلاش میں مکہ آئے اور پھر یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے ایک لونڈی سمیہ سے شادی کی جن سے عمارؓ پیدا ہوئے۔ حضرت عمار ابھی کم عمر ہی تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ چونکہ والدہ کنیزہ تھیں، اس لئے حضرت عمار اور ان کی والدہ کو قریش طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت سمیعہ کی شرم گاہ پر نیزہ مار کر ابوجہل نے شہید کر دیا۔ وہ اسلام کی پہلی شہید خاتون تھیں۔ حضرت عمار بن یاسر نے آنحضور ﷺ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ وہ متقی اور مخلص ترین صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ جنگ صفین میں حضرت علی کی حمایت میں لڑتے ہوئے ۹۱ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔

*** عمامہ:** پگڑی یا پگڑی۔ عمامہ باندھنا سُنّت مستمرہ ہے نبی کریم ﷺ کا عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا لیکن سبز اور سفید عمامہ بھی ثابت ہے۔ عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر اور کبھی دونوں کندھوں کے درمیان میں لٹکا ہوتا۔ عمامہ کے نیچے ایک ٹوپی سر سے بندھی ہوئی پہنا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان یہی فرق ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ اکثر عمامہ باندھے رہنے کی عادت تھی، لیکن جمعہ اور عیدین وغیرہ میں اس کا خاص اہتمام کرتے اور بڑا عمامہ باندھتے۔ چھوٹا عمامہ چھ یا سات ہاتھ کا تھا جب کہ بڑا عمامہ بارہ ہاتھ کا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔ (فتح الباری) ایک حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ باندھا کرو، عمامہ اسلام کا نشان ہے اور مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔

*** عمر بن خطاب:** صحابی رسول، خلیفہ دوم۔ ⇦ عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

*** عمران حصین:** صحابی رسول ﷺ۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اپنی والدہ اور بہن کے ہمراہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ نہ مکہ نہ مدینہ کے رہائشی تھے، اس لئے جہاد کے موقع پر مدینہ آکر لڑائی میں شریک ہوتے اور لڑائی کے بعد واپس چلے جاتے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ آنا چھوڑ دیا۔

جید اور عالم صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام حضرت عمرانؓ حصین سے نبی کریم ﷺ کی احادیث کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ حضرت عمران سے ۱۳۰ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔

*** عمر فاروق:** خلیفہ ثانی، داماد رسول۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ ہجرت نبوی سے چالیس برس پہلے اور عام الفیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ حضرت عمر کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت پر جا کر نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے۔

مشاغل

عنفوان شباب کے جھمیلوں میں پڑنے کے بجائے حضرت عمر نے بچپن کے مراحل طے کرنے کے بعد ان مشاغل کو اختیار کیا جن کی حیثیت عربوں میں فنون کی تھی اور یہ فنون لازمہ شرافت گردانے جاتے تھے۔ ان فنون میں نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور مقرری سر فہرست تھے۔ خاندان عدی کو فن انساب وراثت میں ملا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے باپ خطاب اور خطاب کے والد نفیل تینوں بہت بڑے ماہر انساب تھے۔ چنانچہ ان

کا خاندان اسی وجہ سے سفارت و فیصلہ منافرہ کے مناصب کا حقدار قرار پایا تھا۔ دراصل یہ وہ مناصب تھے جن کے لئے انساب کا جاننا بہت ضروری تھا۔

انساب کے فن کے علاوہ حضرت عمر نے شہ زوری اور ریاض میں کمال حاصل کیا۔ انہوں نے عکاظ کے دنگل میں کئی معرکہ آرا کشتیاں لڑیں۔ جبل عرفات کے قریب ہر سال بڑا زبردست میلہ لگتا تھا جہاں تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔

شہ سواری کے نسب میں بھی حضرت عمر کا کمال تسلیم شدہ تھا۔ حضرت عمر گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور خوب جم کر بیٹھتے تھے۔ اسی زمانے میں انہوں نے پڑھنا لکھنا بھی سیکھ لیا تھا اور جب نبی کریم ﷺ کا دور آیا تو حضرت عمر کا شمار سترہ پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا تھا۔

لیکن حضرت عمر نے ان مشاغل ہی کو اپنی زندگی کا سب کچھ نہیں بنا لیا تھا بلکہ وہ فکر معاش میں بھی پیش پیش تھے اور اس غرض سے انہوں نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا تھا۔

جب آنحضور ﷺ اسلام کی دعوت لے کر اٹھے تو بہت سے دشمنان اسلام کی طرح حضرت عمر بھی اسلام کے شدید مخالف تھے اور اسلام کی مخالفت میں بھرپور کوشش کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی ایک کنیز لبینہ کو مسلمان ہونے کی پاداش میں بے تحاشا مارتے، اور مارتے مارتے جب تھک جاتے تو کہتے تھے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے علاوہ جس جس پر بھی بس چلتا، وہ اسلام لانے کے جرم میں اسے اذیت پہنچاتے۔ لیکن اسلام کا اثر ایسا نہ تھا کہ آسانی سے اتر جائے بلکہ اسلام لانے والے مرد و زن جتنی سختی میں ڈالے جاتے، ان کا ایمان اتنا ہی مضبوط تر ہوتا چلا جاتا۔ اس چیز نے حضرت عمر کو اسلام کا مزید مخالف بنا دیا اور انہوں نے طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر کے (نعوذ باللہ) اسلام کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیں۔

چنانچہ ایک دن حضرت عمر اس خطرناک ارادے سے نکلے کہ راستے میں حضرت نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ وہ بولے:

"اے عمر! اس شان سے آج کہاں کے ارادے ہیں؟"

حضرت عمر نے فرمایا: "آج محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔"

حضرت نعیم نے کہا: "عمر! پھر تم اپنے آپ کو بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچاؤ گے؟"

حضرت عمر نے کہا: "میرا خیال ہے کہ تو بھی اپنے آباواجداد کے دین سے منحرف ہو گیا ہے۔"

یہ سن کر وہ بولے: "اے عمر، میں کیا تمہیں اس سے بھی تعجب خیز بات نہ بتاؤں۔"

عمر بولے: "بتاؤ کیا بات ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی محمد پر ایمان لا چکے ہیں۔"

اتنا سنتے ہی حضرت عمر آگ بگولہ ہو گئے اور سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں اس وقت مہاجرین میں سے ایک شخص حضرت خباب موجود تھے۔ انہوں نے حضرت عمر کو آتے دیکھا تو چھپ گئے۔ حضرت عمر گھر کے دروازے کے نزدیک دستک دینے ہی والے تھے کہ ان کے کانوں میں اللہ کے مقدس کلام کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز حضرت عمر کی بہن کی تھی جو اس وقت سورہ طٰہٰ کی تلاوت کر رہی تھیں۔ حضرت عمر نے دستک دی۔ بہن نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ آپؓ نے سوال کیا: "تم ابھی کیا پڑھ رہی تھیں؟" بہن نے کہا، کچھ نہیں۔ بولے، نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں اپنے آبائی دین کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی حضرت عمر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے۔ بہن نے شوہر کو بچانے کی کوشش کی، مگر حضرت عمر نے اس کی ایک نہ سنی۔ اسی دست و گریبان میں حضرت عمر کے بہنوئی کا بدن لہولہان ہو گیا اور حضرت عمر کی بہن نے ببانگ دہل کہا: "عمر جو جی آئے کرو، اسلام اب ہمارے دلوں سے نہیں نکل سکتا۔"

ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری کر دی اور وہ آبدیدہ ہو گئے۔ قدرے توقف کے بعد فرمایا: تم جو کچھ پڑھ رہی تھیں مجھے سناؤ۔ بہن نے کہا، پہلے آپ باوضو ہو جائیے۔ حضرت عمر نے وضو کیا، تب بہن نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے رکھ

دیئے اور پڑھنا شروع کر دیا "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" کلام الٰہی کا ایک ایک لفظ حضرت عمر کے دل میں اترتا چلا گیا، یہاں تک کہ جب ان کی بہن اس آیت پر پہنچی: اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو حضرت عمر بے اختیار پکار اٹھے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ بعد ازاں سوال کیا کہ مجھے بتاؤ حضور ﷺ اس وقت کہاں ہیں؟

یہ وہ زمانہ تھا، جب حضور سرور کائنات ﷺ کوہ صفا کے دامن میں واقع حضرت ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر بہن کے گھر سے سیدھے یہاں تشریف لائے اور آستانہ مبارک پر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لئے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن امیر حمزہؓ بولے: "آنے دو، اگر نیک نیتی سے آیا ہے تو بہتر، ورنہ اسی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔"

حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر پوچھا: عمر کس ارادے سے آئے ہو؟ حضور ﷺ کی آواز سنتے ہی حضرت عمر پر کپکپی طاری ہو گئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عرض کی "یا رسول اللہ، ایمان لانے کے لئے۔" حضور ﷺ بے ساختہ پکار اٹھے "اللہ اکبر" طبقات ابن سعد اور انساب الاشراف کے مطابق حضور ﷺ کی آواز کے ساتھ ہی سب نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمر فاروق کے چھٹے نبوی میں اسلام لانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو خوب تقویت ملی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ہمارا یہ حال تھا کہ ہم کعبہ کے پاس جا کر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ جب عمر فاروق اسلام لائے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

"کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "یقیناً ہم حق پر ہیں!"

پھر حضرت عمرؓ نے علی الاعلان کعبۃ اللہ میں نماز ادا کی۔

اسی طرح جب ہجرت کا وقت آیا تو بڑی شان سے ایک ہاتھ میں برہنہ تلوار لی، دوسرے میں تیر، جبکہ پشت پر کمان لگائی اور خانہ کعبہ میں آئے۔ سات مرتبہ طواف کیا، نماز ادا کی، پھر سرداران قریش کے حلقے میں آئے اور بہ آواز بلند فرمایا:

"تمہارے منہ کالے ہوں۔ جو شخص اپنی ماں کو بے فرزند، اپنی بیوی کو بیوہ اور اولاد کو یتیم کرنا چاہتا ہو وہ میرے مقابلے پر آئے۔"

لیکن کفار میں سے کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ موت کی یہ دعوت قبول کرے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے بیس افراد کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کا بھائی عتبان بن مالک کو قرار دیا جو بنو سالم کے سردار تھے۔

حضرت عمرؓ کے نکاح

حضرت عمر فاروق نے متعدد نکاح کئے۔ ان میں بعض نکاح تو قبول اسلام سے پہلے کئے اور بعض قبول اسلام کے بعد۔ پہلا نکاح حضرت عثمان بن مظعون کی بہن زینب سے ہوا۔ ان سے حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ تولد ہوئے۔ ☜ عثمان بن مظعونؓ + حفصہؓ۔

دوسرا نکاح قریبہ بنت ابی امیۃ مخزومی سے ہوا۔ وہ اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ کی بہن تھیں، مگر اسلام قبول نہ کیا اور حضرت عمرؓ نے کافر شریک حیات کی ممانعت کے حکم کے بعد قریبہ کو طلاق دے دی۔ تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تو حضرت عمر نے انہیں طلاق دے دی۔

سات ہجری کو حضرت عمرؓ نے حضرت ثابت بن ابی الاجلح انصاری کی بیٹی سے نکاح کیا۔ آخری عمر میں حضرت عمر نے حضرت امیر کی صاحبزادی اُمّ کلثوم سے نکاح کیا۔ یہ سترہ ہجری کی بات ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" میں مزید بیویوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

حضرت عمر کی شہادت

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابولولو تھی۔ اس نے ایک دن حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بھاری محصول مقرر کیا ہے، آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی۔ اس نے کہا روزانہ دو درہم۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے؟ بولا کہ "نجاری نقاشی آہنگری" فرمایا کہ "ان صنعتوں کے مقابلے میں رقم کچھ بہت نہیں ہے۔" فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لئے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھے وار کئے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً عبد الرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمے سے گر پڑے۔

عبد الرحمٰن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ لیکن بالآخر پکڑا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا؟" لوگوں نے کہا، "فیروز" فرمایا کہ "الحمد للہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو۔" لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں غالباً شفا ہو جائے۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا۔ اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے۔"

حضرت عمرؓ نے عبد اللہ (اپنے فرزند) کو بلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو عمر آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔" حضرت عبد اللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ "اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن آج میں عمر کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی۔" حضرت عبد اللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا "یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔"

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملے پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا ان کے منہ سے بے ساختہ یہ آہ نکلی کہ "افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔" تمام صحابہ میں اس وقت چھے اشخاص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی: علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبد الرحمٰن بن عوف۔ لیکن حضرت عمرؓ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ "ان چھے شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔"

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاوری کی اسی دھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو، اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے: مہاجرین، انصار، اعراب، وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں، اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے)۔ پھر ہر ایک کے

حقوق کی تشریح کی۔ چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے "میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمے داری کالحاظ رکھے یعنی اہل ذمے سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ حضرت عبداللہ کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا، اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن عمر بن شیبہ نے کتاب المدینہ میں بہ سند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے، کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا۔ حال آنکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصۂ وراثت کو ایک لاکھ میں بیچا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا، لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جس کو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمت کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دارالقضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفائی اخبار دار المصطفیٰ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔

حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتے کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمنؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب خاک میں چھپ گیا۔

حضرت فاروق اعظم کی اسلام کے بعد تمام زندگی خدمت اسلام سے عبارت ہے۔ خلافت کے بعد انہوں نے جو تاریخ ساز کارنامے انجام دیے وہ تاریخ کبھی نہیں بھلا سکتی۔ ان کے کارناموں کو نہ صرف مسلمان دانش وروں بلکہ غیر مسلم دانش وروں اور تاریخ دانوں نے ان کارناموں کو سنہری حروف سے لکھا ہے۔

موافقات قرآنی

حضرت عمر فاروقؓ کا ذکر ہو تو ان کی فراست و تدبر اور قرآنی احکام سے ان کا تعلّق بھی سامنے آتا ہے۔ جسے موافقات قرآنی کا نام دیا جاتا ہے۔ گویا موافقات قرآنی حضرت عمر کی زندگی کا لازمہ ہے۔

فاروق اعظم سیدنا حضرت عمرؓ کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"تحقیق تم سے پہلی امتوں میں محدث یعنی ایسے لوگ ہوا کرتے تھے جن کے دلوں پر حق بات کا الہام ہوتا ہے۔ اگر میری اُمّت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمر ہے۔" (متفق علیہ)

ایک اور حدیث میں ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان پر رکھا ہے، اسی حق کے ساتھ وہ بولتے ہیں۔" (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۵)

خلیفہ ثانی امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقؓ کی ذات بیک وقت عدالت و صداقت، شجاعت و متانت، امانت و دیانت، حق گوئی اور سادگی جیسی عظیم صفات کا ایک ایسا حسین امتزاج اور دل کش مجموعہ تھی کہ اس کی نظیر رہتی دنیا تک پیش کرنا محال ہے۔ ان خصائل و شمائل کے علاوہ ان کی ایک نمایاں اور منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ مرشد عالم اور معلّم کائنات ﷺ کی سچی محبّت اور آپ کی صحبت اور فیض نظر کی برکت سے فاروق اعظمؓ کا پاکیزہ دل ایسے الہامی علوم کا مرکز بن چکا تھا کہ جس کی مثال عام مسلمانوں میں تو در کنار دیگر صحابہ کرام میں بھی نظر نہیں آتی۔

قرآن حکیم اللہ جلّ شانہ کی طرف سے نازل کردہ مقدس کتاب ہے جو نہ صرف اپنے اندر ابدیت اور ہمیشہ باقی رہنے کا پیغام رکھتی ہے بلکہ اس کا ہر ہر جملہ حق و صداقت اور زبان و ادب کا بے نظیر شہ پارہ بھی ہے۔ اس کا لاریب ہونا ایک ایسی مسلم حقیقت ہے کہ خود کفار بھی اس کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے۔ حضرت عمر فاروقؓ قسمت کے وہ سکندر ہیں کہ جن کے قلب صادق میں اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن سے پہلے ہی بہت سی ایسی باتیں ودیعت فرما دی تھیں اور زبان عمرؓ سے ان کا اظہار بھی کرا دیا تھا، جو بعد میں دنیا کی سب سے مستند کتاب قرآن حکیم کا جز

بن کر قیامت تک کے لئے محفوظ کر دی گئیں۔ چنانچہ کتاب مبین کی کتنی ہی آیات ایسی ہیں جو حضرت عمرؓ کے قلب منور کے پاکیزہ جذبات کی ترجمان بن کر نازل ہوئیں۔

❶ بیت اللہ شریف کے گرد طواف کرتے ہوئے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں یعنی طواف کے بعد یہاں دو رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس اظہار خواہش کے تھوڑی ہی دیر بعد قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

"اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیمؑ کھڑے ہوئے اس کو نماز کی جگہ بنالو۔" (سورۃ بقرۃ: ۱۲۵)

مقام ابراہیم بیت اللہ کے قریب وہ جگہ جہاں خوب صورت جالی کے اندر ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان کام کو اس قدر شرف قبولیت سے نوازا کہ آپ کے پاؤں مبارک کا نقش اس پتھر پر منتقل ہو گیا (جو آج تک قائم ہے)۔

اس مقام پر پہنچ کر سیدنا عمر فاروقؓ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہی ادا یاد آئی تو اپنے جذبات کا اظہار ایسے حسین پیرائے میں کیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اسے پسند فرمایا اور اُمت محمدیہ صاحبہا السلام کو یہ حکم دے دیا کہ جب بھی اہل ایمان طواف سے فارغ ہوں تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھا کریں۔

❷ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے رائے طلب کی تو مختلف حضرات نے مختلف آرا پیش فرمائیں۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے آپ کی اس رائے کی تائید میں آیت نازل فرمائی:

"اور پیغمبر کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہادے۔"

(انفال: ۶۷)

❸ ایک یہودی کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ آپ کے نبی جس جبرئیلؑ کا نام لیتے ہیں، وہ تو ہمارے دشمن ہیں۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

"جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو، تو ایسے کافروں کا خدا دشمن ہے۔"

اللہ رب العزت نے بالکل انہی الفاظ کے ساتھ قرآنی آیت نازل فرمائی۔ گویا نزول سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو حضرت عمر فاروقؓ کی لسان صدق پر جاری فرما دیا۔

❹ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جب بعض بد طنیت منافقین نے تہمت لگائی اور اس موقع پر جب حضرت عمرؓ سے رائے طلب کی گئی تو انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کے معاملے میں (معاذ اللہ) آپ سے دھوکا کیا ہے؟۔"

اور پھر فرمایا:

"(اے پروردگار) تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔"

(نور: ۱۶)

یہاں بھی آپؓ کی زبان مبارک سے جاری ہونے والے الفاظ، قرآنی آیت بن کر نازل ہوئے۔

❺ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ گھر میں آرام فرما رہے تھے کہ ایک لڑکا بلا اجازت کمرے میں داخل ہوا۔ آپؓ کو اس سے بہت ناگواری ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ جلّ شانہٗ سے دعا کی کہ "اے اللہ اس طرح بغیر اجازت داخل ہونے کو حرام فرما دیجئے۔" آپؓ کی اس دعا کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبول حاصل ہوا اور تھوڑے ہی دن بعد آیت استیذان (کسی کے گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنے کے احکام سے متعلق آیت) نازل ہوئی:

"اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت حاصل کرنی چاہیے جس طرح ان کے اگلے (یعنی بڑے آدمی) اجازت حاصل کرتے رہے ہیں۔" (نور: ۵۵)

❻ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ کفار کے لشکر کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے باہر نکلنا مناسب ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں مختلف آرا سامنے آئیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی رائے یہ تھی کہ اس موقع پر باہر جانا چاہیے۔ قرآن حکیم نے آپؓ کے اس مشورے کی تائید کی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

"(اور ان لوگوں کو اپنے گھروں سے اسی طرح نکلنا چاہیے تھا) جس طرح تمہارے رب نے تم کو تدبیر کے ساتھ اپنے گھر سے نکالا اور اس وقت مؤمنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی۔"

❼ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے جنازے کے وقت حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف نہ لے جائیں تاہم رسول اکرم ﷺ اس کے جنازے میں تشریف لے گئے، لیکن جب آپ ﷺ جنازے کی نماز سے فارغ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

"اور (اے پیغمبر) ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اس جنازے کی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر جاکر کھڑے ہونا۔" (توبہ: ۸۴)

❽ جب سورۂ مؤمنون کی یہ آیات نازل ہوئیں:

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ نطفہ بنا کر رکھا، پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا، پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔" (نور: ۱۲، ۱۳، ۱۴)

ان آیات مبارکہ میں انسانی تخلیق کے مراحل کو انتہائی دل کش اور معجزانہ انداز بیان میں ذکر فرمایا گیا تھا۔ فاروق اعظمؓ نے جب یہ آیات سنیں تو بے ساختہ ان کی زبان پر جاری ہوا:

"تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے، بڑا بابرکت ہے۔"

حضرت فاروق اعظمؓ کے بعینہٖ یہی الفاظ، مذکورہ آیات کے آخری حصے کے طور پر نازل ہوئے۔

❾ ابھی تک پردے کے متعلق احکام نازل نہیں ہوئے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کی شدید خواہش تھی کہ پردے کا حکم آنا چاہیے اور اس خیال کا بعض مرتبہ اظہار بھی فرمایا تھا۔ اس پر آیات حجاب نازل ہوئیں جن میں پردے کے احکام بیان کیے گئے۔

❿ جناب رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اپنے اہل خانہ سے کسی بات پر رنجیدہ ہوئے، حضرت عمرؓ کو اس سے بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپؓ نے ازواج مطہرات سے اپنے جذبات کا اظہار فرماتے ہوئے عرض کیا:

"اگر پیغمبر تمہیں طلاق دے دے تو عجیب نہیں کہ ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے۔" (تحریم: ۵)

⓫ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دو آدمی کسی مقدمے کے فیصلے کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان میں سے ایک کے حق میں فیصلہ فرمایا جو عدل و انصاف پر مبنی تھا۔ دوسرے شخص کو اس سے ناگواری ہوئی۔ اس نے اپنے فریق مخالف سے کہا کہ چلو عمر فاروق کے پاس جاکر اس جھگڑے کا فیصلہ کراتے ہیں۔ چنانچہ دونوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچے اور ساری صورت حال بیان کی، یہاں تک کہ یہ بھی بیان کر دیا کہ آنحضرتؐ اس مقدمے کا فیصلہ فلاں کے حق میں فرما چکے ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے انہیں وہیں کھڑے ہونے کا حکم دیا اور خود گھر تشریف لے گئے، تلوار اٹھا کر باہر آئے اور اس شخص کا سر تن سے جدا کر دیا جس نے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد بھی حضرت عمرؓ کے پاس آنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ جب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اس واقعے کی اطلاع پہنچی تو اسی وقت آپ ﷺ پر وحی کے آثار نمایاں ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی:

"تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ ﷺ کو منصف نہ بنائیں اور تمہارے فیصلے پر دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ خوشی سے اس کو مان لیں، اس وقت تک مؤمن نہ ہوں گے۔" (النساء: ۶۵)

اس واقعے سے واضح ہوا کہ حضرت عمرؓ نے جو جرأت مندانہ فیصلہ فرمایا تھا، اس کی تائید خود مالک الملک نے بھی فرما دی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ سے مقتول کے خون کو ہدر فرما دیا (یعنی اس کے وراثوں کے لیے قصاص یا دیت کا حق ختم فرما دیا)۔

⓬ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے اپنے طبعی جذبۂ شفقت و محبت کے تحت

بعض منافقین کے لیے بھی استغفار کیا۔ جب اس کا علم حضرت عمر فاروقؓ کو ہوا تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں مودبانہ انداز میں عرض کیا:

"آپ ﷺ ان کے لیے مغفرت مانگیں یا نہ مانگیں (ان کے حق میں برابر ہے) اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔" (منافقون: ۴)

آپ کے اس جملے کو بھی دیگر بعض جملوں کی طرح بارگاہ الٰہی میں وہ محبوبیت حاصل ہوئی کہ اللہ جلّ شانہ نے ان ہی الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب حکیم کی آیت نازل فرمائی۔

مذکورہ واقعات میں حضرت عمرؓ کی قرآن کے ساتھ حیرت انگیز موافقت کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپؓ کو اللہ جلّ شانہ کی کیسی خصوصی تائید حاصل تھی اور حق وہدایت کو کس طرح آپؓ کی طبیعت و فطرت میں ودیعت فرمادیا گیا تھا۔ فاروق اعظمؓ کی سیرت طیبہ کے بہت سے تابناک پہلو ہیں، لیکن صرف قرآن کریم کے ساتھ موافقت کے اس ایک پہلو کا اگر مطالعہ کیا جائے تو آپؓ کی عظمت و محبّت لوح دل پر نقش ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

٭ عمرو بن الحضرمی: ایک کافر جو عبداللہ بن جحش کے لشکر کے ہاتھوں نخلہ کے مقام پر اتفاقاً ہلاک ہوا۔ مورخین کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں ان سب کا سبب حضرمی کا قتل ہے۔ یہ شخص قریش کے معزز خاندان سے تعلّق رکھتا تھا۔ عبداللہ حضرمی کا بیٹا جو حرب بن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف تھا۔

٭ عمرو بن جحش: مدینہ میں مقیم ایک یہودی۔ یہ وہی شخص ہے جو نبی کریم ﷺ کے بنو نضیر کے دورے کے موقع پر چھت پر چڑھا اور اس نے چھت پر سے نبی کریم ﷺ پر ایک بڑا پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو اس کے ناپاک ارادے کا علم ہوگیا۔ بعد میں اسی واقعے کی وجہ سے غزوۂ بنو نضیر واقع ہوا۔ ⇐ بنو نضیر، غزوہ۔

٭ عمرو بن لحئی: عرب میں بت پرستی کا بانی۔ اس کا اصل نام ربیعہ بن حارثہ تھا۔ عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی نسل سے ہے۔ عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے۔ عمرو نے جنگ وجدال کے بعد جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی بن بیٹھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک بار شام کے کسی شہر گیا۔ وہاں کے لوگوں کو اس نے بتوں کو پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ حاجت روا ہیں، لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں، قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں۔ عمرو نے چند بت ان سے لے لئے اور کعبہ میں لاکر کعبہ کے آس پاس کھڑے کر دئیے۔ کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا، اس لئے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہوگیا۔

ع و

٭ عوالی: ⇐ عالی۔

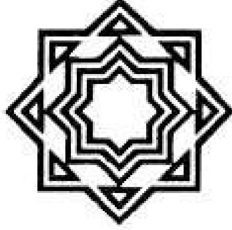
٭ عویم بن ساعدہ: صحابی رسولؐ۔ کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ قبیلہ اوس سے تعلّق تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا اور پھر تمام غزوات میں شرکت کی۔ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ حضرت عویم بن ساعدہ نہایت صفائی اور پاکیزگی پسند تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی استنجے کے لئے پانی کا استعمال کیا۔

٭ عیاش بن ابی ربیعہ: صحابی رسولؐ۔ کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ ابوجہل کے بھائی تھے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اسلام کی دولت سے مالامال فرمایا تھا۔ اپنی بیوی اسما کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی لیکن کسی بہانے سے ابوجہل نے انہیں پکڑ کر قید کرلیا اور طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کردیں۔ آنحضور ﷺ نے انہیں آزاد کرایا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں فتوحات شام سے واپسی پر وفات پائی۔

٭ عیص: ایک مقام جو مکہ کے ستم رسیدہ اور بے کس مسلمانوں کا ٹھکانہ بن گیا تھا۔ پہلے تو یہاں حضرت عتبہ بن اسید (ابوبصیر) نے پناہ لی۔ رفتہ رفتہ مکہ سے کئی مسلمان آکر یہاں چوری چھپے رہنے لگے تاکہ مکہ

والوں کے مظالم سے خود کو بچا سکیں۔ بعد میں ان لوگوں کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی کہ قریش کا کوئی کاروان تجارت شام کو جایا کرتا، اسے روک لیتے اور اس طرح اپنا گزر بسر کرتے۔ یہ مقام سمندر کے کنارے ذو مروۃ کے پاس تھا۔⇦ عتبہ بن اسید + حدیبیہ، صلح۔

✽ عینہ : مسیلمہ کذاب کا جائے پیدائش۔ یہ علاقہ عقربا اور حیلیہ کے قریب واقع ہے۔⇦ مسیلمہ کذاب۔



غ

غ ا

٭ غابہ، غزوہ: مسلمانوں کی ایک لڑائی۔ مدینہ سے لگ بھگ بارہ میل کے فاصلے پر غابہ نام کی ایک چراگاہ تھی جس میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ ایک رات بنو غطفان کی ایک شاخ فزارہ کے سردار عینیہ بن حصن نے چالیس افراد کے ہمراہ غابہ پر حملہ کیا اور بیس اونٹنیاں ہانک کر لے گیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری کے بیٹے کو جو اسی چراگاہ میں تھا، قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ پانچ سو یا سات سو افراد کے ساتھ نکلے اور ان لٹیروں کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ انہیں جالیا۔ دونوں گروہوں میں لڑائی ہوئی۔ چار لٹیرے مارے گئے اور ایک مسلمان شہید ہوا۔ تاہم بیس میں سے صرف دس اونٹنیاں مسلمانوں کا لشکر واپس حاصل کر سکا۔

٭ غار ثور: مکہ سے دائیں سمت تین میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ جس کا نام "ثور" ہے۔ اس پہاڑ میں جو غار ہے "غار ثور" کہلاتا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی لگ بھگ ایک میل بلند ہے۔ یہی وہ غار ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے وقت چھپے تھے۔

⇦ ابوبکر صدیق + صدیق اکبر + ہجرت مدینہ۔

٭ غار حرا: وہ مقام، وہ غار جہاں جا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے عبادت کیا کرتے تھے۔ ⇦ حرا، غار + خدیجہ، اُمّ المؤمنین۔

غ ر

٭ غریب الحدیث: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ وہ کتابیں جن میں احادیث میں وارد ہونے والے کلمات کی لغوی و اصطلاحی تحقیق و تشریح کی گئی ہو۔ اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب امام نضر بن شمیل اور ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ کی ہے۔ بعد میں امام اصمعیؒ اور علامہ ابن قتیبہ دینوریؒ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اس کے بعد علامہ خطابیؒ نے ان سب کو جمع کر دیا، لیکن اس موضوع پر سب سے پہلی جامع اور مفصّل کتاب امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ کی "غریب الحدیث" ہے جو حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے، البتہ اس سے کسی لفظ کے معنی تلاش کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ اس میں حروف تہجی کی ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ اس کے بعد علامہ زمخشریؒ نے "الفائق" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو حسن ترتیب کے لحاظ سے سابقہ تمام کتابوں پر فائق ہے، لیکن اس نوع کا سب سے زیادہ جامع کام علامہ مجد الدین ابن اثیر الجزریؒ نے کیا، جن کی کتاب "النہایہ فی غریب الحدیث والاثر" نہایت جامع بھی ہے اور مرتب بھی۔ اس کو انہوں نے حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، اسی لئے اس موضوع پر اس کا فائدہ عام ہوا اور وہ ماخذ میں شمار ہوئی۔ اس موضوع پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جیسے عبدالغافرؒ فارسی کی "مجمع الغرائب" اور قاسم سرقسطیؒ کی "غریب الحدیث" وغیرہم۔

آخری دور میں علامہ طاہر پٹنی نے "مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار" تالیف فرمائی جو اس نوع کی مقبول، مستند اور متداول کتاب ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس کتاب کو غریب الحدیث کی تمام کتابوں پر فوقیت دیا کرتے تھے جس کی

وجہ یہ تھی کہ اس کتاب میں صرف الفاظ ہی کی تشریح نہیں کی گئی، بلکہ ہر لفظ جن احادیث میں آیا ہے، ان احادیث کی بھی مختصر اور ملخص تشریح اس میں موجود ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کے مولف نے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے کتب لغت کے علاوہ تمام شروع حدیث کو بھی سامنے رکھا ہے۔

غ ز

✽ **غزوہ:** اسلامی اصطلاح، اسلامی لڑائی، اسلامی جنگ جس میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت کی ہو۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اسلام کے غلبے اور اپنے دفاع کے لیے جو لڑائیاں لڑی گئیں، اہل سیر نے انہیں دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: ایک وہ جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود شرکت کی۔ ایسی لڑائیوں کو "غزوہ" کہتے ہیں۔ دوسرے وہ لڑائیاں جن میں نبی کریم ﷺ نے بذات خود تو عملی شرکت نہیں کی، لیکن کسی صحابی کو امیر لشکر بنا کر انہیں کفار سے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ایسی لڑائی کو "سریہ" کا نام دیا گیا۔

اسلام سے پہلے جنگ وقتال میں بڑے عبرت ناک مظالم مفتوح قوموں پر ڈھائے جاتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان غیر انسانی طریقوں کو بند فرما دیا۔ ان کی تفصیل غزوات سے متعلق کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

غزوات کی تعداد کتنی ہے، اس میں کچھ اختلاف ہے البتہ زیادہ تر نے غزوات کی کل تعداد ۲۷ بتائی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا سیرت النبی ﷺ میں ان غزوات کا ذکر ردیف وار ترتیب میں ان کے مقام پر آیا ہے۔

ان غزوات کے نام اور ترتیب یہ ہیں:

- ○ غزوۂ بواط یا غزوۂ ودان ⇦ ابوا، غزوہ
- ○ غزوۂ بواط ⇦ بواط، غزوہ
- ○ غزوۂ سفوان ⇦ سفوان، غزوہ
- ○ غزوۂ ذی العشیرہ ⇦ ذی العشیرہ، غزوہ
- ○ غزوۂ بدر ⇦ بدر، غزوہ
- ○ غزوۂ بنو قینقاع ⇦ بنو قینقاع، غزوہ
- ○ غزوۂ سویق ⇦ سویق، غزوہ
- ○ غزوۂ قرقرۃ الکدر ⇦ قرقرۃ الکدر، غزوہ
- ○ غزوۂ بنو غطفان ⇦ بنو غطفان، غزوہ
- ○ غزوۂ بنو سلیم ⇦ بنو سلیم، غزوہ
- ○ غزوۂ احد ⇦ احد، غزوہ
- ○ غزوۂ حمرا الاسد ⇦ حمرا الاسد، غزوہ
- ○ غزوۂ بنو نضیر ⇦ بنو نضیر، غزوہ
- ○ غزوۂ بدر الموعد ⇦ بدر الموعد، غزوہ
- ○ غزوۂ ذات الرقاع ⇦ ذات الرقاع، غزوہ
- ○ غزوۂ دومۃ الجندل ⇦ دومۃ الجندل، غزوہ
- ○ غزوۂ بنو مصطلق ⇦ بنو مصطلق، غزوہ
- ○ غزوۂ خندق ⇦ خندق، غزوہ
- ○ غزوۂ بنو قریظہ ⇦ بنو قریظہ، غزوہ
- ○ غزوۂ بنو لحیان ⇦ بنو لعیان، غزوہ
- ○ غزوۂ ذی قرد ⇦ ذی قرد، غزوہ
- ○ غزوۂ حدیبیہ ⇦ حدیبیہ، غزوہ
- ○ غزوۂ خیبر ⇦ خیبر، غزوہ
- ○ غزوۂ مکہ ⇦ مکہ، غزوہ
- ○ غزوۂ حنین ⇦ حنین، غزوہ
- ○ غزوۂ طائف ⇦ طائف، غزوہ
- ○ غزوۂ تبوک ⇦ تبوک، غزوہ

غ س

✽ **غسان:** ایک قبیلے کا نام۔ دور نبوی میں یہ قبیلہ شام تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ عیسائی تھے اور ہرقل روم کے باج گزار تھے۔ آٹھ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ایک وفد اسلام کی تبلیغ کے لئے اس قبیلے کی طرف بھیجا جس کو انہوں نے شہید کر ڈالا۔ اس پر آنحضور ﷺ

نے تین ہزار افراد کا لشکر تیار کر کے بنی غسان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ دوسری جانب ایک لاکھ کا لشکر موجود تھا۔ موتہ کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اسلامی لشکر کو سخت جانی و مالی نقصان ہوا، لیکن دوسرے دن جب لشکر کی کمان حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ آئی تو انہوں نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اس فتح سے خوش ہو کر آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو "سیف اللہ" کا لقب دیا۔

*** غسیل الملائکہ:** حضرت حنظلہ بن ابی عامر کا لقب۔ دراصل غزوۂ احد میں شہادت کے بعد انہیں ملائکہ نے غسل دیا تھا۔ اس لئے ان کا لقب "غسیل الملائکہ" پڑ گیا۔

غ ط

*** غطفان، غزوہ:**

غ ف

*** غفار:** قبیلہ غفار کا جد امجد۔ بنو کنانہ میں غفار بن ملیک بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ ایک شخص تھا۔ اس کی اولاد قبیلہ بنی غفار کے نام سے مشہور ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کا اسی قبیلے سے تعلق تھا۔

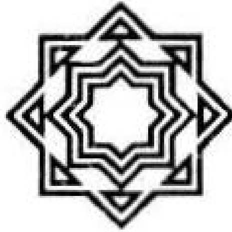
غ م

*** غم کا سال:** ⇐ عام الحزن۔

غ ن

*** غنیمت:** مال غنیمت۔ وہ مال جو مسلمان مجاہدین کافروں سے جنگ کر کے حاصل کریں، "غنیمت" کہلاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل کسی نبی کی اُمت کے لئے یہ مال حلال نہ تھا۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے:

"اموال غنیمت صرف میرے لئے ہی حلال کیے گئے ہیں، اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا۔"



ف

ف ا

٭ فاران: اسلامی تاریخ کا ایک خاص مقام۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو لے کر گھر سے نکلے تو (تورات کے مطابق) ایک زمانے تک حضرت اسماعیل فاران میں رہے اور تیر اندازی کرتے رہے۔ فاران کہاں ہے؟ اس کا جواب دینا مشکل ہے۔ سیرت النبی جلد اول میں ایک مختصر سی رہنمائی ان الفاظ میں درج ہے:

"توراۃ کی عبارت مذکورہ میں تصریح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ فاران میں رہے اور تیر اندازی کرتے رہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ فاران اس صحرا کا نام ہے جو فلسطین کے جنوب میں واقع ہے اس لئے حضرت اسماعیلؑ کا عرب میں آنا خلاف واقعہ ہے۔ جغرافیہ دانان عرب عموماً متفق ہیں کہ فاران، حجاز کے پہاڑ کا نام ہے۔ چنانچہ معجم البلدان میں صاف تصریح ہے لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ اس کا فیصلہ ایک بڑی طویل بحث پر مبنی ہے جو مباحثہ اور مناظرہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔ البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے کہ عرب کی حد شمالی کسی زمانے میں کس حد تک وسیع تھی۔ موسیلو لیبان تمدن عرب میں لکھتے ہیں: "اس جزیرے کی حد شمال اس قدر صاف اور آسان نہیں ہے یعنی یہ حد اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ غزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحر متوسط پر واقع ہے، ایک خط جنوب بحر لوط تک کھینچا جائے اور وہاں سے دمشق اور دمشق سے دریائے فرات تک اور دریائے فرات کے کنارے کنارے لا کر خلیج فارس میں ملا دیا جائے۔ اس خط کو عربستان کی حد شمالی کہہ سکتے ہیں۔"

اس بنا پر عرب کے حجازی حصے کا فاران میں محسوب ہونا خلاف قیاس نہیں۔ توراۃ (سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۱۸) میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جائے سکونت کا بیان ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں:

"اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راہ میں ہے جس سے سور کو جاتے ہیں، آبستے تھے۔"

اس تحدید میں مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے وہ عرب ہی ہو سکتا ہے۔ نصاریٰ کی مقدس کتابوں میں جس قدر اعتنا ہے، بنو اسرائیل کے ساتھ ہے۔ بنی اسماعیل کا ذکر محض ضمنی طور پر آجاتا ہے اور اس وجہ سے حضرت اسماعیلؑ کا عرب ہی میں آباد ہونا بہ تصریح نہیں ملتا لیکن مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کا عرب میں آباد ہونا ایک مسلمہ امر تھا۔

٭ فاروق اعظم: ⇦ عمر فاروقؓ

٭ فاطمہ بنت قیس: صحابیہ۔ قبیلہ بنو کنانہ سے تھیں۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ پہلا نکاح ابو عمرو حفص بن مغیرہ سے ہوا۔ دس ہجری میں طلاق ہوگئی۔ بعد میں نبی کریم ﷺ کی ایما پر حضرت اسامہ بن زید سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمر کے انتقال کے بعد مجلس شوریٰ کا اجلاس حضرت فاطمہ بنت قیس کے مکان ہی پر ہوتا تھا۔

٭ فاطمہ بنت محمد ﷺ: نبی کریم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی، فاطمۃ الزہرا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے ہیں۔ حضرت فاطمہ آپ ﷺ کو صاحبزادیوں میں سب سے محبوب تھیں۔ جنت میں حضرت فاطمۃ الزہرا ہی تمام خواتین کی سردار ہوں گی۔

حضرت فاطمہ کی پیدائش نبی کریم ﷺ کی عمر کے اکتالیسویں برس (غالباً) میں ہوئی۔

حضرت فاطمہ کا لقب "سیدۃ النساء العالمین" ہے۔ ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہرا بیمار ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے ان سے ان کا حال دریافت کیا۔ حضرت فاطمہ نے اپنی تکلیف بتائی اور یہ بھی عرض کیا کہ کچھ کھانے کو نہیں ہے۔ آنحضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"اے بیٹی! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم دنیا کی عورتوں کی سردار ہو؟"

حضرت فاطمہ نے عرض کیا:

"بابا جان! مریم علیہ السلام کدھر گئیں؟"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو۔ اور تمہارا شوہر دنیا اور آخرت میں سید ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

"فاطمہ سے بڑھ کر کوئی رسول ﷺ کی بات چیت میں مشابہ نہ تھا۔ وہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا کرتیں تو آپ ﷺ آگے بڑھتے، پیشانی پر بوسہ دیتے، مرحبا فرمایا کرتے۔ اور جب آپ ﷺ بیٹی سے ملنے جاتے تو وہ بھی اسی طرح سے ملا کرتیں۔"

حضرت عائشہ ہی کا ارشاد ہے:

"میں نے فاطمہ سے بڑھ کر سچ بولنے والا نہیں دیکھا۔ ہاں، وہی ایسا ہو سکتا ہے جو نبی ﷺ کا جایا ہو۔"

حضرت علیؓ سے نکاح

حضرت علیؓ نے اپنا کچھ اثاثہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کر کے ۴۸۰ درہم شادی کے اخراجات کے لئے فراہم کئے اور ساری رقم حضور ﷺ کے سامنے رکھ دی جس پر آپ ﷺ نے انہیں ایک تہائی رقم شادی کے متفرق اخراجات پر اور دو تہائی کو دلہن کے جوڑے پر صرف کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اپنی شادی کے سلسلے میں خود حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک لونڈی تھی جسے میں نے کچھ عرصہ پیشتر آزاد کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے ایک مرتبہ ذکر کیا تھا کہ میں حضور ﷺ سے حضرت فاطمہؓ کے رشتے کی درخواست کروں۔ میں نے اسے جواب دیا کہ میرے پاس تو شادی کرنے کو کوئی پیسہ کوڑی نہیں پھر اخراجات کہاں سے پورے کروں گا تاہم اس کے اصرار پر میں حضور ﷺ کی خدمت میں اس نیت سے گیا لیکن ان کی شخصیت سے مرعوب ہو کر میں اپنا مدعا بیان کرنے کی ہمت نہ کر سکا اور خاموش ہو گیا۔ لیکن حضور ﷺ نے مجھ سے جب سوال کیا کہ کیا تم مجھ سے حضرت فاطمہؓ کے رشتے کی بابت درخواست کرنے آئے ہو تو میں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا آیا تمہارے پاس مہر کی ادائیگی کے لئے کچھ رقم ہے میں نے کہا، کچھ نہیں۔ حضور ﷺ نے پھر مجھے مشورہ دیا کہ تم وہ زرہ فروخت کر دو جو غزوۂ بدر کے موقع پر تمہیں ملی ہے اور اس سے اپنا مہر ادا کر دینا۔ اس طرح میرا نکاح ہو گیا اور میری زرہ سے مہر کی رقم کی ادائیگی ہوئی۔

ایک اور روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے انصاریوں نے حضرت علیؓ سے رشتہ طلب کرنے کو کہا اور جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں اپنی درخواست لے کر پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا، اہلاً و سہلاً۔ حضرت علیؓ جب واپس انصاریوں کے پاس آئے تو ان کے استفسار پر انہوں نے یہی الفاظ دہرا دئے جس پر انہوں نے کہا کہ ان الفاظ سے رضامندی کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت علی کے نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شادی کی رسومات میں ولیمہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے اپنی جانب سے بکرا پیش کیا اور دیگر انصاری صحابہ نے بقیہ اخراجات دے کر دعوت ولیمہ کا اہتمام کرایا۔

حضرت فاطمہ کی رخصتی

حضرت علی کا مکان آنحضور ﷺ کے مکان سے تھوڑا آگے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی خادمہ اُمّ ایمن کے ہمراہ اپنی لخت جگر حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے یہاں بھجوا دیا اور ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ بھی وہاں تشریف لے گئے اور وضو کے لئے پانی طلب کیا جس سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے بقیہ پانی حضرت علیؓ پر چھڑکا پھر یہ دعا فرمائی: اے اللہ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل فرما اور ان پر اپنے رحم و کرم کی بارش فرما اور ان کی اولادوں پر اپنا فضل و کرم فرمایا۔

حضرت علیؓ کے پاس مہر کی ادائیگی کے لئے کچھ رقم نہ تھی اور

انہوں نے اپنی زرہ بطور مہر دے دی تھی جس کی قیمت فروخت چار سو درہم کے مساوی بنتی تھی۔ اگرچہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس زرہ کی قیمت فروخت کتنی تھی لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی مہر کی رقم چار سو درہم سے کم نہ تھی۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ کو مندرجہ ذیل اشیا بوقت نکاح عطا فرمائی تھیں:

❶ لکڑی کا ایک پلنگ جس پر کھدائی کا کام کیا ہوا تھا۔

❷ چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

❸ ایک پیالہ۔

❹ ایک چمڑے کا مشکیزہ پانی بھرنے کے لئے۔

❺ ایک چکی۔

❻ دو عدد مٹی کے برتن۔

تمام عمر ان کے گھریلو سامان میں صرف یہی چیزیں زیر استعمال تھیں۔

آنحضور ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے وقت حضرت فاطمہ کی عمر ۲۹ سال تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ اس وقت حضرت فاطمہؓ انہیں دیکھنے آئیں۔ ان کی چال کا انداز ہو بہو اپنے والد جیسا تھا۔ حضور ﷺ فوراً بول اٹھے، آؤ میری بیٹی اہلاً و سہلاً۔ اور پھر انہیں اپنے برابر بٹھالیا اور ان کے کانوں میں کچھ کہا جس کو سن کر وہ رو پڑیں۔ پھر دوبارہ ان کے کان میں کچھ کہا جس پر وہ ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے اس پر سخت تعجب ہوا کہ وہ کیا بات تھی جسے سن کر پہلے وہ رو پڑیں اور پھر ہنس دیں۔ پہلے پہل تو حضرت فاطمہؓ نے مجھے وہ راز کی بات بتانے میں تامل کیا لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد میں نے دوبارہ ان سے اس بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے میرے کان میں یہ بتایا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ قرآن شریف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے لیکن اس سال انہوں نے اس کی دو مرتبہ تلاوت فرمائی اس سے انہوں نے یہ مراد لی کہ آپ ﷺ کا انتقال قریب ہے اور یہ تمام اہل بیت میں مجھے (حضرت فاطمہؓ) کو سب سے پہلے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگا۔ اس پر مجھے رونا آیا تھا۔ پھر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں پوری دنیا بھر کی عورتوں کی سرداری حاصل کرنا پسند ہے تو مجھے اس پر خوشی ہوئی اور میں نے اظہار مسرت کیا تھا۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کی تکلیف برداشت نہ کر سکیں اور بے اختیار بول پڑیں کہ مجھ سے آپ ﷺ کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ حضور ﷺ نے جواب دیا، بیٹی تمہارے باپ کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

آنحضور ﷺ کے انتقال کے وقت آپ ﷺ کی صاحبزادیوں میں صرف حضرت فاطمہؓ حیات تھیں اور آپ کی وفات سے انہیں بے حد صدمہ پہنچا۔ آپ کے انتقال پر مسلسل روتی رہیں اور آپ ﷺ کے انتقال کے صرف چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ کی رحلت ہوئی۔

اپنی تینوں بہنوں کی طرح حضرت فاطمہ کی وفات بھی عالم شباب میں ہوئی۔ اس وقت تک حضور ﷺ کی وفات کو صرف چھ ماہ گزرے تھے۔ کچھ حضرات کے خیال میں وہ آپ ﷺ کی وفات کے صرف ستّر روز بعد تک حیات تھیں اور بعضے اس میعاد کو دو ماہ سے چار ماہ تک بتاتے ہیں۔ لیکن زیادہ مستند روایت کے مطابق حضرت فاطمہ کی وفات رمضان المبارک ۱۱ھ میں ہوئی۔ اس وقت حضرت فاطمہ کی عمر ۲۹ سال تھی۔ اس طرح حضور ﷺ کی پیش گوئی پوری اتری جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حضرت فاطمہؓ اہل بیت میں سب سے پہلے ان سے ملیں گی۔

حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ اپنی وفات سے کچھ پیشتر انہوں نے غسل کے لئے پانی طلب فرمایا اور صاف کپڑے پہننے کو مانگے۔ اس وقت حضرت علیؓ گھر میں موجود نہ تھے۔ غسل فرمایا اور کپڑے پہننے کے بعد بستر بچھانے کو کہا جس پر قبلہ رو ہو کر دراز ہو گئیں۔ حضرت اُم سلمہؓ سے فرمایا کہ میرا آخری وقت اب قریب ہے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ جب حضرت علیؓ واپس آئے تو اُم سلمہؓ نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا اور انہوں نے ان کے فرمانے کے مطابق سپرد خاک کیا۔ حضرت عباس نے حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور

حضرت علی اور حضرت فضل کے ہمراہ مل کر لحد میں اتارا۔

ف ت

*** فتح مبین:** صلح حدیبیہ۔ دراصل قرآن پاک نے صلح حدیبیہ کے واقع کو "فتح مبین" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اس لئے صلح حدیبیہ کو فتح مبین یعنی کھلی فتح کہتے ہیں۔ ⇦ حدیبیہ، صلح۔

*** فتح مکہ:** غزوۂ فتح مکہ مکرمہ۔ ۸ھ رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اور یہ بہت بڑی باعزت فتح ہے۔ اسلام کی شان بڑھی، اسلام کو اعزاز ملا اور کفر ذلیل و خوار ہو کر جزیرۂ عرب سے نیست و نابود ہوا۔ صلح حدیبیہ میں بنی خزاعہ آپ ﷺ کے ہم عہد ہوئے اور بنی بکر قریش کے ہم عہد ہوئے۔ یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑے۔ زیادتی بنی بکر کی تھی کہ رات میں بنی خزاعہ پر شب خون مارا اور قریش نے بھی ان کی خفیہ مدد کی۔ بنی خزاعہ نے رجز (لڑائی کے جوشیلے اشعار) پڑھے اور مکہ مکرمہ سے ہی آپ ﷺ کو رات میں مدد کے لئے پکارا۔ رات میں رجز پڑھنے والے کی آواز اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ میں پہنچا دی۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا لبیک لبیک (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں)۔ اس وقت آپ ﷺ زنان خانے میں وضو فرما رہے تھے۔ حضرت میمونہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا، آپ کس کے جواب میں یہ فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، بنی خزاعہ کا رجز پڑھنے والا مجھے پکارتا ہے اور مجھ سے فریاد کرتا ہے کہ قریش نے بنی بکر کی مدد کی اور وہ ہم پر شب خون لائے۔ صبح کو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ مکہ مکرمہ میں قریش نے بنی خزاعہ پر شب خون مارا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ آپ ﷺ کا گمان ہے کہ قریش یہ جرات کریں گے حال آنکہ تلوار نے ان کو فنا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریش نے عہد توڑا ہے۔ پھر تین دن بعد بنی خزاعہ کے قاصد عمرو بن سالم خزاعی نے مدینہ منورہ پہنچ کر صحابہؓ کے رو برو آپ ﷺ کو سب حال سنایا اور آپ ﷺ کی مدد چاہی۔ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی تیاری فرمائی اور خبریں بند کر دیں کہ قریش کو آپ ﷺ کے ارادے کی خبر نہ ہو تاکہ اچانک ایک دم سے ان کے سروں پر جا پہنچیں۔

آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار اور دیگر عرب قبائل میں سے بارہ ہزار صحابہ کرام کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ کوچ فرمایا۔ آپ ﷺ کا لشکر ظفر پیکر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جب تک تم سے کوئی نہ لڑے تم قتال شروع نہ کرنا مگر کفار کی طرف سے عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ ایک جماعت لے کر مقابل ہوئے۔ مسلمانوں میں سے حضرت خالدؓ بن ولید اپنا لشکر لے کر بڑھے اور قتال شروع کیا۔ لڑائی نے شدت اختیار کی مگر مسلمانوں نے کفار کو مارتے مارتے مسجد الحرام کے دروازے تک پہنچا دیا اور چوبیس کفار بیس بنی بکر میں سے اور چار آدمی ہذیل کے مارے گئے اور صرف دو مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت خالدؓ قتال میں مصروف تھے اور ستّر کفار قتل ہو چکے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے لڑائی بند کرا دی۔ اس روز تھوڑی دیر کے لئے حرم میں قتال کی اجازت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہو گئی تھی۔

غزوۂ احد میں آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اس روز عہد کیا تھا کہ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ مجھے قریش پر قابو عطا فرمائیں گے، میں قریش کے ستّر آدمی قتل کروں گا۔ اس طرح قریش کے ستّر آدمیوں کے قتل ہو جانے سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بات کو سچ کر دیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور جو حاضر ہوئے ان کی جاں بخشی فرمائی گئی۔ آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرما دیا کہ جو شرم سے اپنا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے، جو ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت اُمّ ہانی سے فرمایا کہ جسے تم نے امان دی اسے میں نے بھی امان دی، جو مسجد الحرام میں داخل ہوا اسے امان ہے۔

آپ ﷺ نے قریش سے کہا کہ آج میں تمہارے حق میں وہ کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لا تثریب

علیکم الیوم ط یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الراحمین ط یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے وہ زیادہ رحم کرنے والا ہے سب رحم کرنے والوں سے۔

مشرکین نے خانہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت رکھے تھے اور پاؤں ان کے سیسے سے جما دیئے تھے۔ حضور پر نور ﷺ ان بتوں کے قریب تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ یہ آیت پڑھ رہے تھے: جاء الحق و زھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا○ یعنی آیا حق اور مٹا باطل، بے شک باطل مٹنے والا ہی تھا۔

آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ اس لکڑی سے آپ ﷺ بتوں کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ جس بت کے منہ کی طرف اشارہ فرماتے وہ بت چت گر پڑتا اور جس کی پیٹھ کی طرف اشارہ فرماتے وہ بت اوندھا گر پڑتا تھا۔ اسی طرح سب بت اکھڑ اکھڑ کر زمین پر گر پڑے۔

جو تصاویر کعبہ کی دیوار پر کھینچی تھیں ان کو زم زم سے دھلوا ڈالا۔ کعبہ شریف کے اندر اونچائی پر جو بت تھے ان کو آپ ﷺ نے لکڑی کے اشارے سے نہیں گرایا، بلکہ ان بتوں کو بیت اللہ شریف کے اندر ہونے کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی تعظیم کے مدنظر آپ ﷺ نے حضرت علی کو اپنے کندھوں پر چڑھایا۔ حضرت علیؓ نے خدمت اقدس میں عرض کیا، یا رسول اللہ آپ ﷺ میرے کندھوں پر سوار ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بار نبوت نہ اٹھا سکو گے اور میں بار ولایت اٹھا لوں گا۔ پھر حضرت علیؓ نے اونچے بتوں کو اتار پھینکا (ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے کندھوں پر حضور پر نور ﷺ کو سوار کر کے غار ثور تک لے گئے تھے۔ پس اس سے حضرت صدیق اکبر کی فضیلت ثابت ہوئی کہ جو بار حضرت علیؓ نہ اٹھا سکے وہ حضرت ابوبکر صدیق نے اٹھا لیا کہ اس جگہ یہی مناسب تھا)۔

اسی زمانے میں عکرمہ بن ابی جہل مکہ مکرمہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے پہنچا کہ جہاز پر چڑھ کر فرار ہو جائے۔ عکرمہ کی بیوی مسلمان ہو گئی تھی۔ اس نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ عکرمہ کو امان ملے۔ حضور اکرم ﷺ کی زبان پر لا (نہیں) تھا ہی نہیں۔

آپ ﷺ نے عکرمہ کو جو حضور پر نور ﷺ کا جانی دشمن تھا اور اس نے طرح طرح سے اذیتیں پہنچائی تھیں، امان دے دی۔ عکرمہ کی زوجہ اُمّ جمیل نے جہاز پر جا کر اس سے امان ملنے کا حال بیان کیا۔ عکرمہ کو بڑا تعجب ہوا کہ مجھ جیسے بے رحم، سفاک، موذی اور آپ ﷺ سے عداوت رکھنے والے کو امان دے دی گئی۔ اُمّ جمیل نے کہا کہ آپ ﷺ ایسے ہی رحیم و کریم ہیں۔ عکرمہ مکہ مکرمہ آکر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا واقعی آپ سچے رسول ہیں، سوائے رسول کے اور کوئی مجھ جیسے پلید کو معاف نہ کرتا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ حضرت عکرمہؓ جب قرآن پاک کی تلاوت فرماتے، قرآن مجید دیکھ کر ان پر وجد طاری ہو جاتا اور کہنے لگتے ہذا کتابی ربی، ہذا کتاب ربی، ہذا کتاب ربی۔ جب امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ خلیفۃ الرسول ﷺ نے اپنی خلافت کے زمانے میں بارہ لشکر فتنہ مرتدین کو دفع کرنے کے اور کفار کو قتل کرنے کے لئے روانہ کئے ان میں سے ایک لشکر کے سردار حضرت عکرمہؓ بھی تھے۔ جنگ اجنادین میں حضرت عکرمہ شہید ہوئے۔

آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو فتح مکہ کے زمانے میں اسلام لانے کے لئے مہلت دے رکھی تھی کہ صفوان سے آپ ﷺ نے کچھ زرہیں بطور عاریت لی تھیں۔ غزوۂ حنین میں ایک پہاڑ سا مال غنیمت آیا تھا۔ صفوان نے بڑے تعجب سے کہا اس قدر بہت سے مویشی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب کے سب میں نے تمہیں ہبہ کئے۔ صفوان بن امیہ نے کہا، اتنی بڑی سخاوت سوائے نبی کے دوسرے سے نہیں ہو سکتی اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

وحشی جو حضرت حمزہ کو شہید کرنے والا تھا، جب یہ آیت نازل ہوئی قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ط ان اللّٰہ یغفرو الذنوب جمیعا ط انہ ھو الغفور الرحیم یعنی آپ کہہ دیں میرے بندوں سے کہ جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بخشتا ہے تمام گناہوں کو، وہی ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان۔

وحشی اسی وقت مسلمان ہوگئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان کے ہاتھوں ہی مسیلمہ کذاب مارا گیا۔

کعب بن زبیر بھی اسی زمانے میں مسلمان ہوگئے۔ انہیں حضور ﷺ نے اپنی چادر مرحمت فرمائی تھی جو ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد سے حضرت امیر معاویہ نے بیس ہزار دینار میں خرید لی۔

انہی ایام میں آپ ﷺ نے بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونے کا قصد کیا۔ عثمانؓ بن طلحہ سے کنجی طلب فرمائی اور تالا کھول کر آپ ﷺ اندر داخل ہوئے اور جب کعبہ سے باہر تشریف لائے تو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے کنجی کے لئے درخواست کی۔ اسی وقت یہ آیت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نازل فرمادی ان اللّٰہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ حکم کرتا ہے کہ ادا کرو امانتیں امانت والوں کو۔ آپ ﷺ نے کنجی عثمانؓ بن طلحہ کو دے دی اور فرمایا کہ یہ کنجی لو ہمیشہ کے لئے۔ عثمانؓ بن طلحہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی لہٰذا انہوں نے کنجی اپنے بھائی شیبہؓ کو اپنی وفات کے وقت دے دی اور کعبہ شریف کے تالے کی کنجی اب تک اسی خاندان میں چلی آرہی ہے۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے خانہ کعبہ کے بتوں کو آپ ﷺ نے خود نیست و نابود کیا اور بعض بت جو نواح مکہ مکرمہ میں تھے ان کو توڑنے کے لئے سرایا روانہ فرمائے۔ حضرت خالدؓ کو عزیٰ کو مٹانے کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت عمرو بن العاص کو سواع کی طرف، حضرت سعد بن زید اشہلی کو منات کی طرف روانہ فرمایا۔

حضرت خالدؓ کو بنی جزیمہ کی طرف دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔

*** فترۂ وحی:** وہ مدت جس میں نبی کریم ﷺ پر وحی موقوف رہی۔ یہ مدت تین سال ہے۔ وحی کے اس وقفے پر آنحضور ﷺ اس قدر غم سے نڈھال ہوگئے اور اس قدر اضطراب کا شکار ہوگئے کہ بعض اوقات خود کو کسی پہاڑ کی چوٹی سے گرانے کا ارادہ کیا، لیکن ہر بار حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر ان کی ہمت بندھائی۔

ف ج

*** فجار، جنگ:** زمانۂ جاہلیت کی ایک لڑائی۔ یہ لڑائی ۱۵ عام الفیل میں قریش اور بنی قیس کے درمیان لڑی گئی۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ جنگ ممنوعہ دنوں (محترم دنوں) میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں اگرچہ نبی کریم ﷺ شریک تھے، لیکن آپ ﷺ نے کشت و خون میں حصہ نہ لیا۔ آپ ﷺ صرف تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچا کو دیتے رہے۔ یہ لڑائی صلح کے بعد ختم ہوگئی۔ اس صلح نامے کے مطابق ملک میں ہر طرح کا امن و امان قائم کیا جائے اور مسافروں، غریبوں اور مظلوموں کی خواہ کسی بھی قبیلے سے ہو، مدد کی جائے۔ نبی کریم ﷺ عہد رسالت میں بھی اس معاہدے پر فخر فرماتے تھے۔ اس معاہدے کو حلف الفضول بھی کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس معاہدے پر آمادہ کرنے والے تین سرداروں کے نام میں لفظ "فضل" مشترک تھا۔

ف د

*** فدک کی مہم:** ⇦ سریہ۔

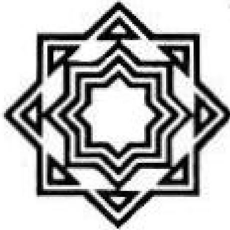
ف ض

*** فضل بن عباس، ابو محمد:** صحابی رسول ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی۔ غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے بعد اپنے والد کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ حجۃ الوداع کے دن نبی کریم ﷺ اور حضرت فضل بن عباس ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔ شام میں طاعون کے باعث ان کی وفات ہوئی۔

⇦ بدر، غزوہ + ہجرت مدینہ۔

ف ہ

*** فہارس:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ وہ کتب حدیث جن میں ایک یا زائد کتابوں کی احادیث کی فہرست جمع کر دی گئی ہو، تاکہ حدیث کا نکالنا آسان ہو مثلاً علامہ زاہد الکوثریؒ کے ایک شاگرد نے "فہارس البخاری" کے نام سے ایک بڑی مفید کتاب لکھی ہے، جس کے ذریعے بخاری شریف سے حدیث نکالنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس سلسلے کا ایک جامع اور مفید کام اللہ تعالیٰ نے مستشرقین کی ایک جماعت سے لیا، جس نے ڈاکٹر وینسنک کی سربراہی میں سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک مفصل کتاب مرتب کی ہے جس کا نام ہے "المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوی ﷺ" جس میں انہوں نے صحاح ستہ، موطا امام مالکؒ، سنن دارمی اور مسند احمد کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے انہوں نے ہر لفظ کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ کون کون سی حدیث میں آیا ہے، اور وہ حدیث کہاں کہاں مذکور ہے، البتہ اس کتاب میں یہ لوگ احادیث کے استیعاب پر قادر نہیں ہو سکے، بلکہ اس میں بہت سی احادیث چھوٹ گئی ہیں۔ پھر اسی کتاب کی ایک تلخیص وینسنک ہی نے "مفتاح کنوز السنہ" کے نام سے شائع کی جو مختصر ہونے کی وجہ سے انتہائی مفید ہے۔



ق

ق ا

٭قاسمرضؓ: رسول اللہ ﷺ کے فرزند۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی اولاد حضرت قاسمؓ تھے جو آپ ﷺ کی پہلی زوجہ حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت نبی اکرم ﷺ کے نبوت پانے سے گیارہ برس قبل ہوئی۔ طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے اسلامی دور میں ایک اور صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام عبداللہ رکھا گیا، لیکن انہیں طاہر اور طیب کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ ان دونوں میں سے حضرت قاسم عالم طفلی میں مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بھی ان کے کچھ عرصے بعد مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے تھے۔ ان دونوں لڑکوں کی وفات پر عاص بن وائل السہمی جو حضور ﷺ کے دشمنوں میں سے تھا، ان کے متعلق ہرزہ گوئی کیا کرتا تھا کہ آپ ﷺ کے دونوں صاحبزادگان چل بسے اب تو آپ ﷺ کا برا انجام ہوگا۔ اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ بے شک آپ ﷺ کے دشمنوں کا انجام ہی برا ہوگا اور ان کی نسلیں ختم ہوجائیں گی۔ محمد بن جبیر مطعم کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت حضرت قاسم کی عمر ۲ سال تھی لیکن مجاہد کے بقول وہ صرف سات روز بہ حیات رہے جب کہ ابن فارس کے مطابق وہ عالم جوانی تک پہنچے۔ حضرت قاسم ہی کی نسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت "ابوالقاسم"، مشہور ہوئی۔

٭قبا: مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام۔ یہ علاقہ تھوڑا سا اونچائی پر ہے۔ ہجرت مدینہ کے وقت راستے میں نبی کریم ﷺ نے یہاں بھی قیام فرمایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ۴ دن اور صحیح بخاری کے مطابق ۱۴ دن آپ ﷺ نے یہاں قیام فرمایا۔ اس علاقے میں انصار کے کئی خاندان آباد تھے جن میں عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس جگہ نبی کریم ﷺ نے مسجد قبا بھی تعمیر فرمائی تھی۔

⇐قبا، مسجد + ہجرت مدینہ + مدینہ۔

٭قبا، مسجد: وہ مسجد جو نبی کریم ﷺ نے قبا میں قیام کے دوران تعمیر فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں صرف چار دن قیام فرمایا لیکن صحیح بخاری میں چودہ دن ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔ یہاں آپ ﷺ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا۔ حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہی مسجد ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے:
"وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے رہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (توبہ، ۱۳)

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہوجاتا تھا۔ عقیدت مند آتے اور عرض کرتے، "ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ ﷺ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے۔" آپ ﷺ یہ درخواست قبول فرماتے، لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھالیتے۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ شاعر تھے وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو

گاتے جاتے ہیں، وہ بھی اشعار پڑھتے جاتے تھے ؂

افلح من یعالج المساجدا
ویقرء القرآن قائما وقاعدا
ولا یبیت اللیل منه اقدا

"وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے، اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔

مسجد قباء روئے زمین کی پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد نبی کریم ﷺ نے رکھی۔ یہاں پر پہلی بار آزاد و روح پرور فضا میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے رکوع و سجود کا حق ادا کیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کے قبا میں قیام کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ چار دن یعنی، پیر، منگل، بدھ اور جمعرات قیام فرمایا اور جمعہ کو یثرب روانہ ہوئے۔ محدثین میں امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ بن مالک کی روایت کی بنا پر چودہ دن لکھا ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلا کام جو یہاں کیا وہ خدائے واحد کی عبادت کے لئے ایک مسجد کی تعمیر کی تھی۔

حضرت کلثومؓ بن ہدم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ یہ جگہ انہوں نے مسجد کے لئے پیش کی۔ اہل قبا نے درخواست کی کہ ہمارے لئے ایک مسجد بنوا دیجئے۔ فرمایا تم میں سے ایک شخص ہمارے ناقہ پر سوار ہو کر اسے پھرائے۔ "اس کی نکیل چھوڑ دو، یہ حکم کی گئی ہے۔ جس طرف بھی چاہے گھومنے دو۔"

اس طرح اونٹنی کے قدموں کے مطابق زمین پر حد بندی کر دی گئی۔ کہتے ہیں کہ مسجد کے صحن میں جو چبوترا ہے وہاں جا کر اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اہل قبا سے ارشاد ہوا، حرہ سے پتھر لے آؤ۔ نبی کریم ﷺ نے نیزہ نما لاٹھی سے قبلے کے تعین کے لئے ایک لکیر کھینچی اور اپنے دست مبارک سے ایک پتھر رکھا پھر حضرت ابوبکرؓ کو حکم ہوا کہ اس کے دائیں جانب پتھر رکھیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے پتھر رکھے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک جہاں چاہے اس نشان پر پتھر لگائے۔

اس مسجد کی تعمیر میں سُنت ابراہیم علیہ السلام کو دہراتے ہوئے آپ ﷺ نے مکمل حصہ لیا۔ حضرت شموسؓ بنت نعمان فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو پتھر اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ پتھروں کے وزن سے نبی کریم ﷺ کا جسد مبارک خم ہو جاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ عرض کرتے، "ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ اسے چھوڑ دیں، ہم اٹھا لیں گے۔" تو آپ ﷺ صحابہؓ کے اصرار پر وہ پتھر ان کے حوالے کر دیتے اور اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔ کبھی انکار کرتے ہوئے فرماتے، دوسرا پتھر اس جیسا اٹھا کر لے جاؤ۔ یہ بھی فرماتے کہ جبرئیلؑ روبہ قبلہ ہو کر امامت کروا رہے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کسی بھاری پتھر کو اٹھا لاتے تو راستے میں کچھ دیر آرام کے لئے رکھ دیتے۔ کوئی اٹھانے کے لئے آتا تو فرماتے، اس کو چھوڑ دو دوسرا اٹھا کر لاؤ۔

مسجد قبا کا طول اور عرض ۶۶ گز بیان کیا جاتا ہے۔ اس مسجد میں چاروں طرف عمارت تھی اور اس کے درمیان میں صحن، وسط میں ایک قبہ تھا جو "مبرک الناقہ" کہلاتا تھا۔ کہتے ہیں اونٹنی پہلے اسی مقام پر بیٹھی تھی۔ مسجد کی عمارت میں کعبہ کی جانب وسط میں ایک محراب تھی اور اس کے بازو میں منبر۔ مسجد قبا کے مصلے کی بائیں جانب کے کونے میں ایک محراب تھی جس کا نام "طاقۃ الکشف" تھا۔ مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اس محراب کے مقابل کھڑے ہوتے تو کعبہ نظر آتا تھا۔ اب یہ مسجد نئے سرے سے تعمیر ہوگئی ہے۔ پرانے آثار میں کسی چیز کا پتا نہیں ملتا۔ یہی وہ پہلی مسجد ہے جس میں مشرکوں کے کسی خوف کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہؓ نے نمازیں پڑھیں۔ یہی وہ پہلی مسجد ہے جو آپ ﷺ نے عام مسلمانوں کے لئے تعمیر فرمائی۔ ابن کثیرؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب پہلے دن عمرو بن عوف کے قبیلے میں آئے اور مسجد کی بنیاد رکھی تو قبلہ کی جہت کا تعین جبرئیل علیہ السلام نے کیا۔

تحویل قبلہ کے بعد جب حضور اکرم ﷺ مسجد قبا تشریف لائے تو

اس کی دیوار کو کعبہ کی جانب کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ ہر شنبہ قبا تشریف لے جاتے تھے۔ کبھی پیدل اور کبھی سواری پر۔ اور اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جو کوئی پورا وضو کر کے مسجد قبا میں داخل ہو اور وہاں نماز پڑھے تو اس کو عمرے کا ثواب ملے گا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، مسجد قبا میں دو رکعت ادا کرنا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ دو مرتبہ بیت المقدس کی زیارت کروں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، جس نے چار مسجدوں میں نماز پڑھی اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے۔ ان سے مراد مسجد حرام (بیت اللہ)، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور مسجد قبا ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مسجد قبا کو ہم سے قریب کر دیا۔ اگر یہ دنیا کے دور دراز گوشے میں بھی ہوتی تو ہم اونٹوں کے کلیجے اس کی طلب میں فنا کرتے۔

حضرت عمرؓ اس مسجد میں آئے تو دیکھا کہ کوئی نہیں۔ آپؓ نے کوڑا کرکٹ صاف کیا، جھاڑو دی اور فرمایا، میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کو اس مسجد کے لئے پتھر ڈھوتے دیکھا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد تقویٰ کی طرف جاؤ۔ ان کے پیچھے آپ ﷺ بھی اس کی طرف تشریف لے گئے، اس طرح کہ اپنے دست مبارک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے،

رسول اللہ ﷺ کی بنائی ہوئی یہ مسجد بالکل سادہ تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں عمارت کی تجدید اور توسیع ہوئی۔ ولید بن عبدالملک اموی کے عہد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر ہوئے تو انہوں نے نئی عمارت تعمیر کی اور اس کے ایک کونے میں "ماذنہ" بنوایا۔ ترک عثمانی سلطان محمود خاں نے ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) میں اس کی تعمیر پر بھرپور توجہ دی۔

جدید توسیع جو خادم حرمین شریفین کے احکام سے کی گئی ہے، کھلے صحن کو شامل کر کے ۱۳۰۶۵ مربع میٹر ہے جس میں دس ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ ساری مسجد مرکزی طور پر ایئرکنڈیشنڈ ہے۔ رات میں میناروں پر روشنیاں قابل دید ہوتی ہیں۔

پہلی نماز جمعہ

قبا میں جمعہ کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع ہونے کا حکم دیا اور کوچ کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ ان کے سرداروں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم سے کوئی خطا ہوئی ہے؟ فرمایا، نہیں بلکہ مجھے ایک بستی میں جانے کا حکم ہے جو سب بستیوں پر غالب رہے گی۔ اپنی اونٹنی قصوا کو طلب فرمایا۔ آپ ﷺ کے داہنے بائیں آگے پیچھے مہاجرین اور انصار کا ہجوم تھا۔ ارشاد ہوا "اونٹنی اللہ کی جانب سے مامور ہے۔"

جب یہ قافلہ بنی سالم بن عوف کے محلے میں پہنچا تو نماز جمعہ کا وقت ہو چکا تھا۔ قافلہ رک گیا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو وادی رانونا کے بطن میں وادی ذی صلب میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ یہاں پہلے سے ایک چھوٹی سی مسجد نصف قد آدم تک پتھروں سے بنی موجود تھی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ شرکا کی تعداد سو تھی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے جمعہ کا پہلا خطبہ ارشاد فرمایا جسے منشور حیات کہنا چاہئے۔ امام الانبیاء ﷺ کی امامت میں پہلی نماز جمعہ کے بعد یہ مسجد "مسجد جمعہ" کے نام سے مشہور ہوگئی۔

✽ قبلتین، مسجد: وہ مسجد جہاں دوران نماز اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے اپنا رخ قبلۂ اول سے موڑ کر کعبۃ اللہ کی طرف کر لیا۔ روایات کے مطابق مسلمان اس مسجد میں عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر انہیں اطلاع کی کہ نبی کریم ﷺ پر تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ نمازیوں نے نماز کے دوران ہی اپنا رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ اسی وجہ سے اس مسجد کو "مسجد قبلتین" یعنی "دو قبلوں والی مسجد" کہتے ہیں۔ ⇦ مسجد قبلتین۔

✽ قبلہ: خانۂ کعبہ، کعبۃ اللہ۔ قفالؒ کے بقول وہ جہت جس کی طرف آدمی رخ کرے۔ چونکہ مسلمان کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اس لئے خانۂ کعبہ کو "قبلہ" کہتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس لئے اسے "قبلۂ اول" کہتے ہیں۔

⇦ کعبہ + مکہ۔

✽ قبلۂ اول: مسلمانوں کا پہلا قبلہ، بیت المقدس۔

بیت المقدس کا پرانا نام ایلیا ہے۔ اس کے معنی خدا کا گھر ہے۔ اس شہر اور اس کے آس پاس کے علاقے نہایت سرسبز اور شاداب ہیں۔ اس مبارک شہر میں کئی پیغمبر پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ یہیں مدفون ہیں۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے علاوہ عیسائی بھی اس سرزمین کو مقدس سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰؑ اسی سرزمین پر پیدا ہوئے۔ انہوں نے اسی سرزمین سے اپنی تبلیغ کا آغاز کیا اور اپنی زندگی گزاری۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہیں دفن ہوئے لہٰذا زمانہ قدیم سے تمام مذاہب اور فرقے کے ماننے والے یورپ اور ایشیا کے مختلف علاقوں سے فلسطین آتے رہے ہیں۔ یہ سرزمین بوسہ گاہ پیغمبراں ہے۔ اسی سرزمین پر داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے عشق الٰہی کے گن گائے۔ نبی کریم ﷺ شب معراج کو حطیم کعبہ سے براق پر سوار ہو کر قبلہ اول تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر حضرت جبرئیلؑ امین کے ساتھ براق پر سوار ہو کر آسمان کی بلندیوں کی جانب تشریف لے گئے جہاں پروردگار عالم اپنے حبیب سے ملاقات کے لئے منتظر تھا۔

خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں ایک لشکر سپہ سالار عمرو بن العاص اور پھر ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں بیت المقدس روانہ کیا۔ فلسطینی عوام مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی فوجی قوت سے خوف زدہ تھے لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے لشکر سے نبرد آزمائی نہ کی بلکہ ایک شرط یہ رکھی کہ خلیفۂ وقت خود تشریف لائیں تو ہم بیت المقدس کی کنجی ان کے سپرد کر دیں گے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ دمشق کے قریب ہوتے ہوئے بیت المقدس پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے ان کا زبردست استقبال کیا اور بیت المقدس کی کنجی حضرت عمر کے سپرد کر دی۔ اس طرح بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

اسلامی حکومتیں عیسائیوں اور دوسری قوموں کے ساتھ برابری کا برتاؤ روا رکھتی تھیں اور انہیں اپنے مذہبی فرائض بجالانے کی پوری آزادی تھی۔ چونکہ مسلمانوں نے یورپ اور ایشیا کے وسیع علاقے فتح کر لئے تھے، اس لئے یہ بات یورپ کی عیسائی حکومتوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی لہٰذا انہوں نے بیت المقدس کی زیارت کر کے اپنے وطن پہنچ کر عیسائی عوام کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اپنے مذہبی پیشواؤں اور حکومت پر دباؤ ڈالا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں نے اعلان جنگ کر دیا۔ زبردست قتل عام ہوا۔ تقریباً ستّر (۷۰) ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ عیسائیوں کی فتح ہوئی۔ انہوں نے تقریباً ۹۱ برس فلسطین پر حکومت کی اور بیت المقدس پر قابض رہے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کی مسجد، کتب خانے اور عالی شان عمارتوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ صلیبی جنگیں گیارہویں صدی کے آخر میں شروع ہوئیں اور تقریباً دو سو برس جاری رہیں۔

۵۸۷ھ میں صلاح الدین ایوبی نے انگریزوں کو زبردست شکست دی اور بیت المقدس انگریزوں سے آزاد کرا لیا گیا اور ایک بار پھر بیت المقدس میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ سلطنت عثمانیہ کے دور میں مسلمانوں نے دور دراز کے علاقوں کو بھی فتح کر کے مسلم مملکت میں شامل کیا جو تین براعظموں پر مشتمل تھی یعنی مشرقی یورپ، مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ یہ مضبوط اور وسیع و عریض حکومت عیسائی ریاستوں کے لئے ایک بڑا خطرہ تھی۔

یورپ میں صنعتی انقلاب کے باعث ان کے وفود منڈیوں اور نو آبادیات کی تلاش میں دور دراز علاقوں میں جانا شروع ہوئے۔ یہ وفد ایک طرف تو اپنی تجارت کو وسعت دینے کے لئے منڈیاں تلاش کر رہے تھے تاکہ دور دراز علاقوں سے رابطہ قائم کر کے تجارت کے دائرۂ کار کو بڑھایا جائے اور دوسرا اہم کام یہ تھا کہ وفد اپنے حکمرانوں کے

لئے جاسوسی کا کام انجام دیتے تھے۔ یہ وفد دوسرے ملکوں میں جا کر وہاں کے حالات کا جائزہ لیتے اور اپنے آقاؤں یعنی بادشاہ وقت کو اس ملک کے تمام اہم رازوں سے آگاہ کرتے تھے۔ اس طرح وہ ایک طرف تجارت کر کے فائدہ اٹھاتے اور دوسری جانب اپنے بادشاہ سے جاسوسی کے سلسلے میں انعام و اکرام اور خطابات حاصل کرتے تھے۔ عیسائیوں نے اپنی عیاری اور مکاری سے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر سلطنت عثمانیہ کے بہت سے علاقے اپنے قبضے میں لے لئے اور اپنے نظریات اور افکار کا پرچار شروع کر دیا۔ نپولین نے اپنے زمانے میں مصر پر ایک بڑا حملہ کر کے مصر کو خلافت عثمانیہ سے الگ کر دیا۔ اس طرح مسلمان روز بہ روز کمزور ہوتے گئے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ نے ایک سازش کے تحت مسلمانوں کے قبلۂ اول بیت المقدس کو صیہونیوں کے قبضے میں دے دیا اور ایک یہودی حکومت قائم کر کے یورپ اور امریکہ کے یہودیوں کو فلسطین میں آباد کر دیا اور اس چھوٹی سی حکومت کو اتنا مضبوط کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی بڑی سے بڑی حکومت سے ٹکرانے کی اہلیت و طاقت رکھتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہودی اور عیسائی بلاک نے ایک مکارانہ چال کے ذریعے مسلمانوں کی تمام بڑی حکومتوں سے روابط بڑھا کر اپنے آپ کو ان کا ہمدرد ظاہر کر کے اپنے اسلحے کے لئے منڈیاں تلاش کیں۔ ساتھ ہی ساتھ ترقی کا نام دے کر فحاشی اور عریانی کا بازار گرم کیا اور ترقیاتی منصوبوں کے بہانے بھاری رقوم دے کر انہیں اپنا دست نگر بنا لیا۔ ⇐ تحویل قبلہ + کعبہ + مکہ + مدینہ۔

✽ **قبۃ:** کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی عہدوں میں سے ایک عہدہ۔ اس کا مقصد خیمہ و خرگاہ کا انتظام کرنا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ولید بن مغیرہ اس عہدے پر فائز تھا۔

ق ت

✽ **قتادہ بن نعمان:** صحابی رسول ﷺ۔ کنیت ابو عمر تھی۔ قبیلہ اوس کے خاندان بنو ظفر سے تعلق تھا۔ بیت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ غزوۂ احد میں ان کی ایک آنکھ بھی چلی گئی تھی۔ فتح مکہ کے دن بنو ظفر کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ کبار صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کئی احادیث بھی مروی ہیں۔ ۶۵ سال کی عمر میں حضرت عمر کے دور خلافت میں انتقال ہوا۔

⇐ بیعت عقبہ ثانیہ + احد، غزوہ۔

ق د

✽ **قدامہ بن مظعون:** صحابی رسول ﷺ۔ ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی۔ تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ۶۸ سال کی عمر میں ۳۶ھ میں وصال ہوا۔

⇐ ہجرت حبشہ + ہجرت مدینہ + علی بن ابی طالب۔

ق ر

✽ **قریش:** خاندان قریش۔ نبی کریم ﷺ کا خاندان۔ یہ خاندان مکہ کے چند معزز خاندانوں میں سے ایک تھا۔ یوں تو نبی کریم ﷺ خاندان ابراہیمؑ سے تھے، لیکن جس شخص نے اس خاندان کو سب سے پہلے "قریش" کے لقب سے سرفراز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لفظ سب سے پہلے فرکو ملا اور انہی کی اولاد قریشی ہے۔ بعض کے خیال میں یہ لقب قصی بن کلاب کو ملا۔

تاہم قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ چونکہ قصی نے لوگوں کو ایک رشتے میں منسلک کیا، اس لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی۔ عام خیال یہ ہے کہ قریش

قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے، لیکن امام سہل کے مطابق یہ ایک قبیلے کا نام ہے۔

⇦ قصی بن کلاب + آباواجداد نبوی ﷺ + ابراہیم علیہ السلام۔

*** قریظہ، بنو:** بنو قریظہ۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ جس نے مدینہ کے اطراف قلعے بنائے ہوئے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ میں ریاستی نظام قائم کر کے یہودیوں سے صلح وامن کے معاہدے کئے تھے، ان میں بنو قریظہ بھی شامل تھا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جب کفار نے مسلمانوں پر زور دار حملہ کیا تو بنو قریظہ نے بھی مسلمان بچوں عورتوں پر حملہ کر دیا۔ غزوۂ خندق کے بعد آنحضور ﷺ تین ہزار کا لشکر لے کر نکلے اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی اپنے قلعے میں محصور ہوگئے، لیکن طویل محاصرے سے مجبور ہو کر انہوں نے صلح کی پیش کش کی۔ اس طرح بنو قریظہ نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔

⇦ مدینہ + میثاق مدینہ + خندق، غزوہ۔

ق ص

*** قصواء:** نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کا نام جس پر نبی کریم ﷺ سواری کرتے تھے۔ اسی پر نبی کریم ﷺ نے ہجرت کا سفر فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسی مقصد کے لئے اسے پالا تھا۔ مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ نے قیام کے لئے کسی جگہ کا خود انتخاب نہیں کیا بلکہ قصواء کے بیٹھنے پر یہ فیصلہ رکھا۔ چنانچہ قصواء ایک ایسی جگہ بیٹھی جو دو یتیموں کی ملکیت تھی، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے وہ زمین خرید لی اور یہاں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔

⇦ ابوبکر صدیق + صدیق اکبر + مسجد نبوی + ہجرت مدینہ۔

*** قصی بن کلاب:** خاندان قریش کا ایک باعزت اور کامیاب فرمانروا۔

⇦ قریش + آباواجداد نبویؐ + ابراہیمؑ + آب زم زم۔

*** قصیدۂ بردہ:** امام صالح شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن حسن البوصیریؒ (متوفی ۶۹۴ھ) کا تحریر کردہ نبی کریم ﷺ کی شان میں قصیدہ۔ روایت کے مطابق جب امام صاحب فالج میں مبتلا ہوئے اور معالجین سے مایوس ہوگئے تو یہ قصیدہ تحریر کیا۔ اسے جمعرات کو ایک تنہا مکان میں خالص عقیدے کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ رات کو سوتے میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ سے امام صاحب نے بیماری کا مسئلہ بیان کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ امام صاحب کے جسم پر پھیرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرمائی۔ علما اس قصیدے کے بہت سے خواص بیان کرتے ہیں۔ یہ قصیدہ عربی میں ہے اور ۱۶۲۵ ابیات اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

ق ن

*** قناۃ، وادی:** وادی قناۃ جو جبل الرماۃ اور جبل احد کے درمیان واقع ہے۔ اس وادی میں غزوۂ احد لڑا گیا۔ اس وادی سے اگر جبل احد کی طرف چلا جائے تو وہ مقام آتا ہے جہاں (ایک اندازے کے مطابق) نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔

⇦ احد، غزوہ۔

ق ی

*** قیس بن سعد بن عبادہ:** صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوۂ تبوک میں مجاہدین کے لئے حضرت قیس بن سعد نے ایک سو اونٹ قرض لے کر ذبح کئے۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں ۶۱ھ میں وفات پائی۔

⇦ ہجرت مدینہ + تبوک، غزوہ۔

✽ قیصر: شاہان روم کالقب۔ نبی کریم ﷺ کے حوالے سے اس زمانے میں روم کا بادشاہ جس کو آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لئے تبلیغی خط لکھا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے دحیہ بن خلیفہ الکلبی کو قیصر روم کے پاس خط دے کر بھیجا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قیصر روم نے ایک منت مانی تھی کہ اگر روم کو ایران پر غلبہ حاصل ہوگیا تو وہ قسطنطنیہ سے ایلیا تک پا پیادہ زیارت کے لئے جائے گا۔ چنانچہ اس زمانے میں وہ اپنی یہ نذر پوری کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس خط میں لکھا تھا:

"اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہرقل بادشاہ روم کی طرف۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد، میں تمہیں اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ تو سلامت رہوگے، اللہ تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور اگر روگردانی کروگے تو اریسیوں کا گناہ بھی تمہارے سر ہوگا۔ اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، کسی چیز کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور ہم میں سے کچھ لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو اختیار نہیں کریں گے۔ اگر وہ پلٹ جائیں تو تم کہہ دینا کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔"

قیصر نے آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھا اور روم کے بڑے بڑے امرا کو جو اس کے ہمرکاب تھے، حمص میں اپنی بارگاہ میں بازیاب کیا اور کہا: "اے اہل روم! کیا تم رشد و فلاح چاہتے ہو تاکہ تمہارا ملک تمہارے لئے باقی رہے اور تم اس کی پیروی کرتے ہو جو عیسیٰ بن مریم نے کہا؟"

رومیوں نے کہا: جہاں پناہ! وہ کیا ہے؟

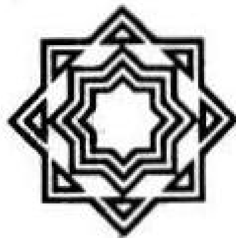
بادشاہ نے کہا: کیا تم اس نبی عربی کی پیروی کروگے؟

اس پر وہ سب وحشی گدھوں کی طرح بدک گئے اور رینگنے لگے۔ انہوں نے صلیبیں بلند کرلیں۔ جب ہرقل نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کے اسلام لانے سے مایوس ہوگیا اور اسے ان کے سامنے اپنی جان اور اپنی سلطنت خطرے میں دکھائی دینے لگی۔ اس نے ان امرا کو اطمینان دلایا اور کہا:

"میں نے جو کچھ تم سے کہا وہ صرف تمہاری آزمائش کے لئے تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں کتنے پکے ہو۔ چنانچہ میں نے تمہیں ویسا ہی پایا جیسا میں چاہتا تھا۔" یہ سن وہ سب امرا سجدے میں گر پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے دحیہ بن خلیفہ الکلبی کو (جو ان چھے قاصدوں میں ایک تھے) قیصر روم کی طرف اپنے نامۂ مبارک کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ یہ خط بصریٰ کے دے دیں تاکہ وہ اسے قیصر روم کے پاس بھجوا دے۔ اس زمانے میں قیصر شہر حمص میں تھا۔ والی بصریٰ نے وہ خط وہاں بھیجا۔

✽ قینقاع، بنو، غزوہ: ⇦ بنو قینقاع، غزوہ۔



ک

ک د

*** کدا:** وہ راستہ جہاں سے فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے۔ معلی کے قبرستان کے گرد پہاڑیوں کے درمیان سے شمال مغرب کو جو راستہ جاتا ہے، وہی "کدا" کہلاتا ہے۔

ک ر

*** کرز بن جابر فہری:** ایک صحابی جو ابتدا میں مسلمانوں کو ستانے کے درپے رہتے تھے، لیکن بعد میں مسلمان ہوگئے۔ فتح مکہ میں تنہا راہ چلتے ہوئے شہید ہوگئے۔

ک ع

*** کعب بن اشرف:** یہودیوں کا ایک شاعر۔

*** کعب بن جماز:** صحابی رسول ﷺ۔ انصار تھے اور ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ غزوۂ بدر میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ⇦ انصار + بدر، غزوہ۔

*** کعب بن زہیر:** صحابی رسول ﷺ۔ شاعر رسول ﷺ کی حیثیت سے شہرت ہے، لیکن ابتدا میں اسلام کے خلاف ہجو کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضور ﷺ نے کعب بن زہیر کو قتل کرنے کے احکام بھی جاری فرمائے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے اس حکم کے خوف سے کعب بن زہیر اور ان کے بھائی جان بچانے کے لئے مکہ سے نکل گئے۔ جب دونوں بھائی مقام البرق الغراف پہنچے تو بجیر نے کعب سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو، میں سن کر آتا ہوں کہ محمد ﷺ کا کلام کیسا ہے اور لوگ کیوں یہ کلام سن کر ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بجیر مدینہ گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا کلام سنا تو فوراً مسلمان ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے کعب کے قتل کا حکم بھی دے رکھا تھا۔ بجیر نے اپنے بھائی کو لکھا کہ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو اسلام لے آؤ۔ چنانچہ ۹ھ میں کعب بن زہیر چھپتے چھپاتے بڑی مشکل سے آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں وہ قصیدہ پڑھا جو قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔ پس آنحضور ﷺ نے اپنی چادر مبارک حضرت کعب بن زہیر کو دے دی۔ وہی چادر حضرت امیر معاویہ نے حضرت کعب کی وفات کے بعد ان کے وارثوں سے بیس ہزار درہم کے عوض خرید لی۔ یہ چادر خلفائے بنامیہ عید کے موقع پر اوڑھا کرتے تھے۔

*** کعب بن عجرہ:** صحابی رسول ﷺ۔ ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کافی عرصہ رہے، اس لئے ان سے تقریباً پچاس احادیث روایت کی جاتی ہیں۔ ۵۱ھ میں پچھتر سال کی عمر میں مدینہ میں انتقال ہوا۔

*** کعبہ:** وہ مقام جہاں پر حج کیا جاتا ہے۔ خانۂ کعبہ۔ بیت اللہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو عرب میں لائے اور انہیں یہیں آباد کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مل کر یہاں پر اس مقدس گھر کی بنیاد رکھی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت

و اسمعیل (اور جب کہ ابراہیم اور اسماعیل خانۂ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے: بقرہ،۱۵۱)۔ گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی۔

اللہ تعالیٰ کا گھر، خانۂ کعبہ۔ یہی وہ مقام ہے جو اسلامی شریعت کی رو سے زمین پر سب سے متبرک اور مقدس جگہ ہے اور جہاں آج سے صدیوں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم پر اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لاکر چھوڑا تھا۔

بیت اللہ کا مشہور نام "کعبہ" قرآن مجید میں ہے: "اللہ نے معزز بیت کعبہ کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا۔" (المائدہ ۹۷)

"کعبہ" کا معنی شرف اور بلندی ہے اور بیت اللہ بھی مشرف اور بلند ہے، اس لئے اس کو کعبہ کہتے ہیں۔ بیت اللہ کو "بیت العتیق" بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے، "اور وہ البیت العتیق کا طواف کریں۔" (الحج۔۲۹) خانۂ خدا کو عتیق اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے قدیم ہے۔ اور عتیق کا معنی قدیم ہے۔ عتیق کا دوسرا معنی ہے آزاد، اور بعض روایات کے مطابق اللہ نے بیت اللہ کو طوفان نوح میں غرق ہونے سے آزاد (محفوظ) رکھا اور طوفان کے وقت اس کو اوپر اٹھا لیا گیا۔ عتیق کا معنی قوی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اتنا قوی بنایا ہے کہ جو شخص اس کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کو خود تباہ کر دیا جاتا ہے اور جو شخص اس کی زیارت کے لئے آئے، اللہ اس کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ بیت اللہ کو مسجد الحرام بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندے کو رات کے قلیل حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔" (بنی اسرائیل۔۱)

⇦ معراج۔

بیت اللہ کو مسجد حرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے اس شہر میں قتال کو حرام کر دیا ہے اور یہ دائمی حرمت ہے۔ نیز اس شہر میں شکار کو حرام کر دیا گیا ہے۔ اس شہر کے جانوروں کو ستانا اور پریشان کرنا حرام ہے۔ اس میں حدود کو جاری کرنا حرام ہے اور اس شہر کے یہ تمام احکام اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے ہیں۔

کعبۃ اللہ دنیا کے مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔ اہل ایمان کے لئے دنیا میں کعبہ عرض الٰہی کا پرتو ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا مرکز اور معدن ہے۔ ابتدائے آفرینش عالم سے "کعبہ" اللہ تعالیٰ کا معبد اور خدا پرستی کا مرکز ہے۔ تمام نبیوں اور رسولوں نے کعبۃ اللہ کی زیارت کی اور بیت المقدس سے اپنی عبادتوں کی سمت، کعبہ کو قرار دیا۔ ساری روئے زمین پر سب سے پہلے اللہ کی عبادت کے لئے جو گھر بنایا گیا وہ کعبہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بے شک، سب سے پہلا گھر جو اللہ کی عبادت کے واسطے لوگوں کے لئے بنایا گیا، وہ مکے میں ہے جو تمام جہانوں کے لئے برکت اور ہدایت ہے۔" (آل عمران ۹۶)

جب حضرت آدم علیہ السلام جنّت سے زمین پر تشریف لائے تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: اے آدم، میں نے ایک بیت (کعبۃ اللہ) کو زمین پر اتارا ہے، اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ آپ اس بیت کی طرف چلے جائیں، پھر آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر میں کچھ اضافہ کیا اور آپ بھی اسی کا طواف اور اسی کی سمت نماز پڑھتے رہے۔ پھر تیسری بار حضرت آدم کے بیٹے شیث علیہ السلام نے مٹی اور پتھروں سے اس کی مرمت کی پھر حضرت نوح علیہ السلام تک یہ تعمیر قائم رہی اور طوفان نوح کے وقت وہ عمارت تو آسمان پر اٹھالی گئی اور یہ کعبۃ اللہ کی جگہ اونچے ٹیلے کی طرح رہ گئی، مگر لوگ برابر برکت کے لئے یہاں آتے تھے اور آکر دعائیں مانگتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک کعبہ اسی حال پر رہا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ کی عمارت کی از سر نو تعمیر کریں۔

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی (علامہ ارزقی کے مطابق) تو اس کی بلندی (زمین سے چھت تک) ۹ گز تھی۔ طول (حجراسود سے رکن شامی تک) ۳۲ گز تھا۔ عرض (رکن شامی سے غربی تک) ۲۲ گز تھا۔ خدا کا یہ گھر اس قدر سادہ تھا کہ اس کی نہ چھت تھی، نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ بازو تھے۔ جب قصی کلاب کو کعبہ کی تولیت

حاصل ہوئی تو انہوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے اس کی تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت پاٹی۔

عمارت کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ اسے ایسے مقام پر لگادوں جہاں سے طواف شروع کیا جائے۔ کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ اس کے اردگرد آباد ہونے لگے۔ سب سے پہلے قبیلہ جرہم یہاں آکر آباد ہوا۔ چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی لہٰذا ان سے جو لڑکا نابت پیدا ہوا وہ آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد کعبہ کا متولی بنا۔ اس کے بعد اس کے نانا مضاض کے حصے میں یہ شرف آیا۔ اس طرح یہ اعزاز خاندان اسماعیل علیہ السلام سے نکل کر خاندان جرہم کو منتقل ہوگیا۔ اس کے بعد قبیلہ خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک عرصے کے بعد قصی بن کلاب نے یہ حق دوبارہ حاصل کرلیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کسی نے یہاں عمارت نہ بنائی تھی، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس سے افضل کوئی عمارت نہیں ہے، کیوں کہ بنانے کا حکم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، حکم لانے والے اور انجینئر حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، تعمیر کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور مددگار حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کئی مرتبہ اس کی تعمیر و مرمت ہوتی رہی۔ چنانچہ پانچویں بار کعبۃ اللہ کو عمالقہ نے تعمیر کیا، چھٹی بار جرہم نے بنایا، ساتویں بار اس کو نبی کریم ﷺ کے جد امجد قصی بن کلاب نے بنایا، آٹھویں بار اس کو قریش نے بنایا اور یہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو ہزار سات سو پچھتر سال بعد ہوئی۔ اس تعمیر میں حضور نبی اکرم ﷺ بھی شریک تھے۔ جب قریش نے اس کی تعمیر جدید کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں تبدیلی کرتے ہوئے بلندی میں اس کا طول اٹھارہ ہاتھ رکھا اور زمین میں اس کے طول کو چھے ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا اور اسے حطیم قرار دیا، جس میں اب بھی کعبے کا پرنالہ گرتا ہے۔ دو کے بجائے ایک دروازہ رکھا اور وہ بھی زمین سے اونچا تاکہ جسے چاہیں، جانے دیں اور جسے چاہیں نہ جانے دیں۔ کعبے کے اندر لکڑی کے ستونوں کی صفیں بنائیں اور ہر صف میں تین تین ستون رکھے۔ اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا جس سے چھت پر چڑھا جا سکے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اے عائشہ، اگر تمہاری قوم زمانۂ جاہلیت سے نئی نئی نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں اس حصۂ حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا، جو اس سے خارج کر دیا گیا ہے اور اس کو زمین سے ملا دیتا اور اس میں دو دروازے بناتا، ایک مشرقی دروازہ، ایک مغربی دروازہ اور اس کو میں اساس ابراہیم کے مطابق کر دیتا۔" (صحیح بخاری)

یہی وہ حدیث ہے جس کی بنیاد پر ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے نویں بار کعبے کو منہدم کر کے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق تعمیر کیا اور حطیم کو کعبے میں شامل کر دیا۔ پھر ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کردہ بنیادوں پر کعبے کو تعمیر کیا اور آج تک کعبہ انہی بنیادوں پر قائم ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ اس تعمیر کعبہ کو منہدم کر کے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کردہ بنیادوں پر بنا دیا جائے کیوں کہ اس سلسلے میں بہت سی احادیث ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا امیر المؤمنین، میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ ایسا نہ کریں، پھر لوگ بیت اللہ کو کھلونا بنالیں گے اور ہر شخص اس کو توڑ کر اپنی مرضی کی تعمیر کرے گا اور لوگوں کے دلوں سے بیت اللہ کی وقعت کم ہو جائے گی اور اس کی ہیبت نہیں رہے گی۔" (شرح صحیح مسلم، جلد سوم)

کعبہ کا پردہ

حرم کعبہ پر سب سے پہلے یمن کے حمیری بادشاہ اسعد تبع نے پردہ چڑھایا۔ یہ پردہ "بردیمانی" (ایک خاص قسم کی چادر) سے تیار کیا گیا تھا۔ قصی بن کلاب نے اس مقصد کے لئے ایک محصول بھی لگایا تھا۔ اسلام آنے کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کعبہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھائے۔ اس کام کے

لئے عبدالملک بن مروان نے ۳۶ ہزار اشرفیاں بھیجیں۔

کعبۃ اللہ کی جدید دور میں توسیع

خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے حرم مکی شریف میں کئی ایک سہولتوں اور منصوبوں کی تکمیل کے لئے احکام جاری فرمائے جن کی لاگت ستانوے (۹۷) ملین ریال سے بھی زیادہ ہے۔ ان منصوبوں میں سعی کی جگہ پر چھے عدد پلوں کی تنصیب کا کام بھی شامل تھا تاکہ طواف کے لئے داخل ہونے والوں اور سعی کرنے والوں کو سہولت فراہم ہو سکے۔

مسجد حرام میں پچپن ہزار قمقے اور قندیلیں روشنی مہیا کر رہے ہیں۔ جب کہ آٹھ ہزار پنکھے مسجد کی اندرونی فضا کو خوش گوار بنانے کے لئے لگائے گئے ہیں۔

اسی طرح سعی کرنے والی جگہ کو ۲۸ عدد بڑے بڑے ایئر کنڈیشننگ یونٹوں کے ذریعے ایئر کنڈیشنڈ بنا دیا گیا ہے اور اس کام پر دس ملین ریال کی لاگت آئی ہے۔ حرم شریف کے صحن میں جہاں طواف کیا جاتا ہے اس میں پہلی وسعت کے مقابلے میں تین سو فی صد (۳۰۰ فی صد) زیادہ توسیع کر دی گئی ہے۔ اس میں سفید رنگ کا سنگ مرمر لگا دیا گیا ہے جو طواف کرنے کی جگہ پر لگائے جانے والے ٹائلوں میں حرارت کو جذب نہیں ہونے دیتا۔ اب دن رات آسانی سے طواف کیا جا سکتا ہے۔

آب زم زم

آب زم زم کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک پلانٹ نصب کیا گیا ہے جس کی لاگت ۳۲ ملین ریال سے بھی زیادہ ہے۔

آب زم زم کے کنویں کو ہٹا دیا گیا ہے اور حاجیوں اور زائرین کرام کی سہولت کے لئے نئی جگہیں بنا دی گئی ہیں۔ نئے مقام پر پینے کے پانی کے تین سو پچاس نلکے لگا دئے گئے ہیں اور ٹھنڈی ہوا سے اس جگہ کو ایئر کنڈیشنڈ بنا دیا گیا ہے۔ حفظ صحت کے لئے بھی تمام ضروری انتظامات کئے گئے ہیں۔

آب زم زم کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک پلانٹ لگا دیا گیا ہے جس میں ایسے تمام ضروری آلات نصب ہیں جو آب زم زم کو چاہ زم زم سے اس پلانٹ میں لانے اور وہاں سے پانی ٹھنڈا کرنے کے بعد اس کو واپس ان مقامات پر بھیجنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس پلانٹ کو ۲۵۰۰ کلو واٹ کی بجلی سے ملا دیا گیا ہے۔ یہ پمپنگ اسٹیشن ایک گھنٹے میں تقریباً ساٹھ (۶۰) کیوبک میٹر آب زم زم مردوں کے لئے اور تقریباً چھیالیس (۴۶) کیوبک میٹر عورتوں کے پینے کے لئے مہیا کرتا ہے۔ اس منصوبے پر بتیس ملین ریال سے زیادہ خرچ ہوئے ہیں۔ اب تمام حجاج کرام اور زائرین کے لئے آب زم زم حاصل کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

حرم شریف اور ضیوف الرحمٰن کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے حرم شریف میں آگ بجھانے کا مکمل نظام نصب کر دیا گیا ہے۔ ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت حرم شریف کے قالینوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ اور جب بھی ضرورت ہو تو ان کی جگہ دوسرے قالین بھی ڈال دیئے جاتے ہیں۔

کعبہ شریف کے دروازے کو بھی ۹۹۹۹۹ قیراط خالص سونے سے بنے ہوئے ایک نئے دروازے سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس پر مجموعی طور پر تیرہ ملین ریال کی لاگت آئی ہے۔ اس کی تیاری اور تنصیب بھی سعودی ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ اس کی تیاری میں ۲۸۶ کلوگرام خالص سونا استعمال کیا گیا ہے۔

اس طرح صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے والی جگہ میں بھی توسیع کر دی گئی ہے اور اس کی بھی دو منزلیں بنا دی گئی ہیں۔ اس سعودی توسیع میں سات مینار بھی بنائے گئے ہیں جن میں سے ہر ایک مینار کی بلندی ۹۰ میٹر تھی۔ اس توسیع پر مجموعی طور پر سات سو ملین سے کچھ زیادہ ریال خرچ کئے گئے۔

سعی کرنے کی جگہ پر دو عدد سیڑھیاں لگا دی گئی ہیں تاکہ بوڑھے اور کمزور افراد سعی کرنے کے لئے پہلی منزل پر منتقل ہو سکیں۔

سعودی عرب کی حکومت نے چوتھے ترقیاتی منصوبے میں حرم شریف میں آئندہ کے منصوبوں کے لئے دس بلین ریال کی خطیر رقم مختص کی ہے۔ ان منصوبوں کا مقصد عمارات اور حرم شریف کے صحن

میں اضافہ کرنا ہے تاکہ اس میں نصف ملین نمازیوں کی گنجائش پیدا ہو سکے۔ اس کے لئے سوق الذہب، الشامیہ، اجیاد اور الشبیکہ نامی محلوں کی طرف سے نئے رقبے کو ساتھ ملایا جائے گا۔ اور حرم شریف کے گرد و نواح کے رقبے کی ملکیت حاصل کرنے کے بعد اس میں سنگ مرمر کا فرش لگا دیا جائے گا جو حرارت کی شدت اور دوسرے طبعی عوامل کو ختم کر دے گا۔ اس سے مسجد حرام میں پندرہ لاکھ نمازیوں کی گنجائش پیدا ہو جائے گی۔

کعبہ کی سمت کا تعین

فلکیات میں مسلمانوں کی دلچسپی محض سائنسی تجسس یا ترقی کی بنا پر نہیں تھی بلکہ اس میں ایک بہت اہم پہلو ایمان کے ایک بنیادی رکن نماز کی ادائیگی سے متعلق تھا کیونکہ نماز کی ادائیگی کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ انسان قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرے قبلہ یعنی خانہ کعبہ کے قریب رہنے والوں کے لئے تو یہ ایک آسان سی بات ہے مگر مکہ مکرمہ سے ہزاروں میل دور بسنے والوں کے لئے قبلہ کی سمت کا تعین آسان بات نہیں ہے۔ چنانچہ علم فلکیات بنیادی اہمیت کا حامل بن گیا۔

روایات میں آتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے مدینہ شریف میں حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں اسلام قبول کیا انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو جنوب کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے دیکھا کیونکہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی سمت تقریباً جنوب کی طرف ہے۔ جب یہ مسلمان دور دراز علاقوں میں اپنے ملکوں میں پہنچے تو نہ صرف وہ بلکہ ان کی کئی نسلیں جنوب کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتی رہیں۔ چاہے وہ مصر میں تھے چاہے ایران میں چاہے ہندوستان میں۔

یہ مسلمان ماہرین فلکیات کا اُمت پر احسان ہے کہ انہوں نے دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں سے مکہ مکرمہ کی سمت معلوم کرنے کے طریقے وضع کئے۔ آج ہم صدیوں سے ان پر عمل پیرا ہیں مگر ان کے علم یعنی فلکیات کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے۔ اسی سلسلے میں مشہور مسلمان فلکیاں داں البیرونی نے دسویں صدی عیسوی میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام تحدید الاماکن تھا اور جس کا انگریزی ترجمہ بیروت یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کو آرڈینیٹس آف سٹیز کے نام سے کر چکے ہیں۔ یہ کتاب جامعہ کراچی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کتاب میں البیرونی نے اپنے ہم عصر دوسرے مسلمان فلکیات دانوں کا کام بھی پیش کیا ہے۔ یہ بات دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ بغیر جدید ریاضی اور کروی علم المثلث (اسفریکل ٹرگنومیٹری) کے اس دور کے مسلمان فلکیات دانوں نے شہروں کے آرڈینیٹس یعنی عرض البلد اور طول البلد کس قدر صحت کے ساتھ معلوم کر لئے تھے اور ان کی مدد سے سمت کعبہ کا تعین کر لیتے تھے۔

اس دور میں مسلمان فلکیات داں اچھی طرح سے واقف تھے کہ زمین ایک مستوی سطح نہیں ہے بلکہ ایک کرہ کی مانند ہے۔ چنانچہ دور دراز کے دو مقامات کو ملانے والا فرضی خط سیدھی لکیر نہیں ہے بلکہ دائرے کا ایک حصہ ہے۔ انہیں شمالی اور جنوبی قطبین کا ادراک بھی تھا اور خط استوا کا بھی علم تھا جس کی مدد سے وہ شہروں کے عرض البلد سورج کی حرکات کی مدد سے معلوم کر لیتے تھے۔ گو کہ ان کے حساب و کتاب کا طریقہ بہت پیچیدہ تھا کیونکہ ان کے پاس جدید ریاضی کی تکنیک موجود نہیں تھی، مگر ان کے نتائج حیرت انگیز طور پر درست تھے۔

آج کے دور میں کسی بھی اچھے جغرافیائی اٹلس میں دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں کے آرڈینیٹس یعنی طول البلد درج ہوتے ہیں۔ ان کی مدد سے کسی بھی شہر سے کسی بھی دوسرے شہر کی سمت معلوم کرنا بہت آسان سا عمل ہے جس میں کروی فلکیات کے صرف دو عدد فارمولے استعمال ہوتے ہیں۔

فرض کیجئے کراچی کا عرض البلد L2 اور طول البلد T2 ہے جب کہ مکہ مکرمہ کا عرض البلد L1 اور طول البلد T1 ہے۔ ان کے ذریعے کراچی اور مکہ کے درمیان زاویائی فاصلہ D معلوم کرنے کے لئے مساوات:

$$COS\ D - SIN\ L1\ SIN\ L2 + COS\ L1\ COS\ L2\ COS\ (T1 - T2)$$

کے ذریعے معلوم کیا جائے گا جس کے بعد مساوات:

$$SINE = COS\ \ L1\ \ SIN\ (T1 - T2)$$

$$SIN = D$$

کے ذریعے زاویہ معلوم کیا جائے گا یہ زاویہ شمال سے مکہ مکرمہ کی سمت کو ظاہر کرے گا۔

اسی طرح ہم دنیا کے کسی بھی شہر سے مکہ مکرمہ کی سمت معلوم کر سکتے ہیں۔ سال کے دو مخصوص دنوں کے مخصوص اوقات میں سایوں کی مدد سے بھی سمت کعبہ کا تعین کیا جاتا ہے، مگر اس میں زیادہ پیچیدہ ریاضیاتی مرحلے درکار ہوتے ہیں۔

✻ کلثوم بن ہدم: نبی کریم ﷺ کا میزبان جس کے ہاں آپ ﷺ نے قبا میں قیام کیا۔ کلثوم بن ہدم اپنے قبیلے کا سردار تھا، مگر نابینا تھا۔ قبا میں مسجد بھی کلثوم بن ہدم کی عطا کردہ زمین پر تعمیر کی گئی تھی۔

✻ کلثوم بنت علیؓ: خلیفہ سوم حضرت علی بن ابی طالب کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے بطن سے ہوئیں۔ حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ان سے نکاح کیا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد چچازاد عون بن جعفر اور پھر محمد بن جعفر اور آخر میں عبداللہ بن جعفر سے نکاح ہوئے۔

ک ن

✻ کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال: شیخ علی متقی برہانپوری کا احادیث نبوی ﷺ کا مجموعہ۔ یہ کتاب علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب "جمع الجوامع" کی کتاب کی ترتیب نو ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب میں حروف تہجی کے اعتبار سے احادیث مرتب کیں جب کہ شیخ متقی نے یہی احادیث فقہی الواب کی ترتیب سے مرتب کیں۔ ← علی متقی برہانپوری۔

ک ہ

✻ کہف بنی حرام: وہ مقام جہاں غزوۂ احزاب کے موقع پر رات کے وقت نبی کریم ﷺ قیام فرمایا کرتے تھے۔ یہ مقام سلع کے جنوب مغرب میں دراصل ایک غار ہے۔



ل

ل ا

*** لات:** عرب کا ایک مشہور بت جو طائف میں نصب تھا اور قبیلہ بنی ثقیف کے لوگ اسے پوجتے تھے۔

⇦ طائف، سفر+طائف، غزوہ۔

ل ب

*** لباس نبوی ﷺ:** وہ لباس جو نبی کریم ﷺ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں ہمیں زندگی کے دیگر شعبوں میں سادگی اور قناعت کی طرح لباس کی سادگی بھی نظر آتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

انما انا عبد البس کما یلبس العبد کہ "میں تو بس خدا کا ایک بندہ ہوں اور بندوں کی طرح لباس پہنتا ہوں۔"

یہی وہ طرز فکر ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے لباس کے معاملے میں بھی اختیار فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پُر تعیش اور مہنگے لباس کو پسند نہیں فرمایا بلکہ خاص طور پر مردوں کے لئے آپ ﷺ نے ریشمی کپڑے اور سونے کو حرام قرار دیا۔ ایک دفعہ تحفے میں آئی ہوئی ریشمی قبا پہنی اور پھر فوراً اتار ڈالی۔ (مشکوۃ)

رسول اللہ ﷺ کو کُرتا (قمیص) بہت پسند تھا۔ کرتے کی آستینیں نہ تنگ رکھتے تھے، نہ زیادہ کھلی۔ درمیانی ساخت پسند تھی۔ آستین کلائی اور ہاتھ کے جوڑ تک پہنچتی۔ سفر (خصوصاً جہاد) کے لئے جو کرتا پہنتے اس کے دامن اور آستین کا طول ذرا کم ہوتا۔ قمیص کا گریبان سینے پر ہوتا جسے کبھی کبھار (موسمی تقاضے سے) کھلا بھی رکھتے، اور اسی حالت میں نماز پڑھتے۔ کرتا پہنتے ہوئے پہلے سیدھا ہاتھ ڈالتے پھر الٹا۔ صحابہ کو اسی کی تعلیم دیتے۔

عمر بھر تہ بند (لنگی) استعمال فرمایا جسے ناف سے ذرا نیچے باندھتے، اور نصف ساق تک (ٹخنوں سے ذرا اونچا) رکھتے۔ سامنے کا حصہ قدرے زیادہ جھکا رہتا۔

پجاما (سراویل) دیکھا تو پسند کیا۔ آپ ﷺ کے صحابیؓ پہنتے تھے۔ ایک بار خود خرید فرمایا (اختلاف ہے کہ پہنا یا نہیں) اور وہ آپ ﷺ کے ترکے میں موجود تھا۔ اس کی خریداری کا قصہ دلچسپ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کو ساتھ لئے ہوئے حضور ﷺ بازار گئے، اور بزازوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ چار درہم پر پجاما خریدا۔ بازار میں اجناس کو تولنے کے لئے ایک خاص وزن مقرر تھا۔ وزن کرانے گئے اور اس سے کہا اسے جھکتا ہوا تولو! وزان کہنے لگا کہ یہ الفاظ میں نے کسی اور سے نہیں سنے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے توجہ دلائی۔ (لا تعرف نبیک؟) (تم اپنے نبی پاک ﷺ کو پہچانتے نہیں؟) وہ ہاتھ چومنے کو بڑھا تو آپ ﷺ نے روکا کہ یہ عجمیوں کا (یعنی غیر اسلامی) طریقہ ہے۔ بہر حال وزن کرایا اور پجاما خرید کر لے چلے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بڑے تعجب سے پوچھا، آپ اسے پہنیں گے؟ تعجب غالباً اس بنا پر ہوا ہو گا کہ ایک تو دیرینہ معمول میں ایسی نمایاں تبدیلی عجیب لگی دوسرے پجاما اہل فارس کا لباس تھا اور تشبہ سے حضور ﷺ کا اجتناب۔ آپ ﷺ نے جواب دیا: "ہاں پہنوں گا۔ سفر میں بھی حضر میں بھی، دن کو بھی، رات کو بھی، کیوں کہ مجھے حفظ ستر کا حکم دیا گیا ہے، اور اس سے زیادہ ستر پوش لباس اور کوئی نہیں۔"

سر پر عمامہ باندھنا بہت پسند تھا۔ عمامہ نہ بہت بھاری ہوتا نہ

چھوٹا۔ ایک روایت کے لحاظ سے ۷ گز لمبائی ہوتی تھی۔ عمامہ کا شملہ بالشت بھر ضرور چھوڑتے، جو پیچھے کی جانب دونوں شانوں کے درمیان اڑس لیتے۔ تمازت آفتاب سے بچنے کے لئے شملہ کو پھیلا کر سر پر ڈال لیتے۔ اسی طرح موسمی حالات تقاضا کرتے تو آخری بل ٹھوڑی کے نیچے سے لے کر گردن کے گرد بھی لپیٹ لیتے تھے۔ کبھی عمامہ نہ ہوتا تو کپڑے کا ایک ٹکڑا (رومال) پٹی کی طرح سر پر باندھ لیتے۔ بربنائے نظافت عمامہ کو تیل کی چکنائی سے بچانے کے لئے ایک خاص کپڑا (عربی نام قناع) بالوں پر استعمال کرتے جیسے کہ آجکل بھی بعض لوگ ٹوپیوں کے اندر کاغذ یا سلولائیڈ کا ٹکڑا رکھ لیتے ہیں۔ یہ کپڑا چکنا تو ہو جاتا، مگر نظافت کا یہ حال تھا کہ (روایات میں تصریح ہے) اسے کبھی میلا اور گندا نہیں دیکھا گیا۔ سفید کے علاوہ زرد (غالباً مٹیالا، خاکستری مائل یا شتری) رنگ کا عمامہ بھی باندھا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر سیاہ بھی استعمال فرمایا۔ عمامہ کے نیچے کپڑے کی ٹوپی بھی استعمال میں رہی اور اسے پسند فرمایا۔ نیز روایات کے بہ موجب، عمامہ کے ساتھ ٹوپی کا یہ استعمال گویا اسلامی ثقافت کا ایک مخصوص طرز تھا اور اسے آپ ﷺ نے مشرکین کے مقابلے پر امتیاز قرار دیا۔

عمامے کے علاوہ کبھی خالی سفید ٹوپی بھی اوڑھتے۔ گھر میں اوڑھنے کی ٹوپی سر سے چپکی ہوئی ہوتی۔ سفر پر نکلتے تو اٹھی ہوئی باڑ دار ٹوپی استعمال فرماتے۔ سوزنی نما سلے ہوئے کپڑے کی دبیز ٹوپی بھی پہنی ہے۔

اوڑھنے کی چادر ۴ گز لمبی سوا دو گز چوڑی ہوتی تھی۔ کبھی لپیٹتے کبھی ایک پلو سیدھے بغل سے نکال کر الٹے کندھے پر ڈال لیتے۔ یہی چادر کبھی کبھار بیٹھے ہوئے ٹانگوں کے گرد لپیٹ لیتے، اور بعض مواقع پر اسے تہ کر کے تکیہ بھی بنا لیتے۔ معزز ملاقاتیوں کی تواضع کے لئے چادر اتار کر بچھا بھی دیتے۔ یمن کی چادر جسے جبرہ کہا جاتا تھا، بہت پسند تھی۔ اس میں سرخ یا سبز دھاریاں ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے لئے سیاہ چادر بھی بنوائی گئی۔ اسے اوڑھا تو پسینے کی وجہ سے بو دینے لگی۔ چنانچہ نظافت کی وجہ سے اسے پھر نہیں اوڑھا۔

نیا کپڑا خدا کی حمد اور شکر کے ساتھ بالعموم جمعہ کے روز پہنتے۔ فاضل جوڑا بنوا کر نہیں رکھتے تھے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے۔ ان کی مرمت کرتے۔ احتیاطاً گھر میں دیکھ لیتے کہ مجمع میں بیٹھنے کی وجہ سے (مجالس اور نمازیوں میں میلے کچیلے لوگ بھی آتے تھے اور صفائی کا عام معیار بھی آپ ﷺ ہی نے مسلسل تربیت کر کر کے برسوں میں بلند کیا) کوئی جوں وغیرہ نہ آگھسی ہو۔

جہاں ایک طرف فقر و سادگی کی وہ شان تھی وہاں دوسری طرف آپ ﷺ کو رہبانیت کا سد باب بھی کرنا تھا، اور اس اصول کا مظاہرہ بھی مطلوب تھا کہ "اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمت (رزق) کا اثر اس کے بندے سے عیاں ہوں۔" سو حضور ﷺ نے کبھی کبھار اچھا لباس بھی زیب تن فرمایا۔ آپ ﷺ کا مسلک اعتدال تھا، اور انتہاپسندی سے اُمت کو بچانا مطلوب تھا۔ چنانچہ تنگ آستین کا رومی جبہ بھی پہنا۔ (بخاری و مسلم) سرخ دھاری کا اچھا جوڑا بھی زیب تن کیا۔ طیلسانی قسم کا کسروانی جبہ بھی کبھی کبھی پہنا، جس کے گریبان کے ساتھ ریشمی گوٹ لگی تھی۔ ایک بار ۲۷ اونٹنیوں کے بدلے میں ایک قیمتی جوڑا خرید فرمایا، پہنا، اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی۔ یہ تفسیر تھی اس قول قرآن کی کہ "پوچھو کون ہے اللہ کی عطا کردہ زینت کو حرام کرنے والا۔" تاہم عام معمول سادگی تھا۔

کپڑوں کے لئے سب سے بڑھ کر سفید رنگ مرغوب خاطر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "حق یہ ہے کہ تمہارے لئے مسجدوں میں بھی اللہ کے سامنے جانے کا بہترین لباس سفید لباس ہے۔" فرمایا: "سفید کپڑے پہنا کرو اور سفید ہی کپڑے سے اپنے مردوں کو کفن دو، کیوں کہ یہ زیادہ پاکیزہ اور پسندیدہ ہیں۔"

سفید کے بعد سبز رنگ بھی پسندیدہ تھا، لیکن بالعموم اس شکل میں کہ ہلکی سبز دھاریاں ہوں۔ اسی طرح خالص شوخ سرخ رنگ بہت ہی ناپسند تھا (لباس کے علاوہ بھی اس کے استعمال کو بعض صورتوں میں ممنوع فرمایا)، لیکن ہلکے سرخ رنگ کی دھاریوں والے کپڑے آپ ﷺ نے پہنے۔ ہلکا زرد (مٹیالا یا اشتری) رنگ بھی لباس میں دیکھا گیا۔

حضور اکرم ﷺ کا جوتا مروجہ عربی تمدن کے مطابق چپل یا کھڑاؤں

کی سی شکل کا تھا، جس کے دو تسمے تھے۔ ایک انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان رہتا، دوسرا چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کے بیچ میں۔ جوتے پر بال نہ ہوتے تھے، جیسے کہ معمولی ذوق کے لوگوں کے جوتے پر ہوتے۔ یہ ایک بالشت دو انگل لمبا تھا۔ تلوے کے پاس سات انگل چوڑا، اور دونوں تسموں کے درمیان پنجے پر سے دو انگل کا فاصلہ تھا۔ جوتا کبھی کھڑے ہو کر پہنتے کبھی بیٹھ کر بھی۔ پہنتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں ڈالتے پھر بایاں، اور اتارتے ہوئے پہلے بایاں پاؤں نکالتے اور پھر دایاں۔

جرابیں اور موزے بھی استعمال میں رہے۔ سادہ اور معمولی بھی اور اعلیٰ قسم کے بھی۔ شاہ نجاشی نے سیاہ رنگ کے سادہ موزے بہ طور تحفہ بھیجے تھے۔ انہیں پہنا اور ان پر مسح فرمایا۔ اسی طرح حضرت دحیہ کلبیؓ نے بھی موزے تحفے میں پیش کئے تھے۔ ان کو آپ ﷺ نے پھٹنے تک استعمال فرمایا۔

چاندی کی انگوٹھی بھی استعمال فرمائی، جس میں کبھی چاندی کا نگینہ ہوتا تھا، کبھی حبشی پتھر کا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پر چاندی کا پتر یا پالش چڑھا ہوا تھا۔ دوسری طرف یہ واضح ہے کہ لوہے کی انگوٹھی اور زیور سے آپ ﷺ نے کراہت فرمائی ہے۔ انگوٹھی عموماً دائیں ہاتھ ہی میں پہنی۔ کبھی کبھار بائیں میں بھی۔ درمیانی اور شہادت کی انگلی میں نہ پہنتے۔ چھنگلیا میں پہننا پسند تھا۔ نگینہ اوپر رکھنے کی بجائے، ہتھیلی کی طرف رکھتے۔ انگوٹھی پر "محمد رسول اللہ ﷺ" کے الفاظ ترتیب وار نیچے سے اوپر کو تین سطروں میں کندہ تھے۔ اس سے حضور ﷺ خطوں پر مہر لگاتے تھے۔ محققین کی یہ رائے قرین صحت ہے کہ انگوٹھی مہر کی ضرورت سے بنوائی تھی، اور سیاسی منصب کی وجہ سے اس کا استعمال ضروری تھا۔

نبی کریم ﷺ اپنے بال بہت سلیقے سے رکھتے۔ ان میں کثرت سے تیل کا استعمال فرماتے۔ کنگھا کرتے، مانگ نکالتے۔ لبوں کے زائد بال تراشنے کا اہتمام تھا۔ ڈاڑھی کو بھی طول و عرض میں قینچی سے ہموار کرتے۔ اس معاملے میں صحابہ کو تربیت دیتے۔ مثلاً ایک صحابی کو پراگندہ مو دیکھا تو گرفت فرمائی۔ ایک صحابی کی ڈاڑھی کے زائد بال بہ نفس نفیس تراشے۔ فرمایا، جو شخص سر یا داڑھی کے بال رکھتا ہو اسے چاہئے کہ ان کو سلیقے اور شائستگی سے رکھے۔ مثلاً ابوقتادہؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اکرمھا" یعنی ان کو سنوار کر رکھو۔

سفر و حضر میں سات چیزیں ہمیشہ ساتھ رہیں ① تیل کی شیشی ② کنگھا (ہاتھی دانت کا بھی) ③ سرمہ دانی (سیاہ رنگ کی) ④ قینچی ⑤ مسواک ⑥ آئینہ ⑦ لکڑی کی ایک پتلی کھپچی۔

سرمہ رات کو سوتے ہوئے (تاکہ زیادہ نمایاں نہ ہو) تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگاتے۔ آخر رات میں حاجات سے فارغ ہو کر وضو کرتے، لباس طلب کرتے اور خوشبو لگاتے۔

ریحان کی خوشبو پسند تھی۔ مہندی کے پھول بھی بھینی بھینی خوشبو کی وجہ سے مرغوب تھے۔ مشک اور عود کی خوشبو سب سے بڑھ کر پسندیدہ رہی۔ گھر میں خوشبودار دھونی دیا کرتے تھے۔ ایک عطردان تھا، جس میں بہترین خوشبو موجود رہتی اور استعمال میں آتی۔ مشہور بات تھی کہ آپ ﷺ جس کوچے سے گزر جاتے تھے دیر تک اس میں مہک رہتی تھی اور فضائیں بتا دیتی تھیں کہ "گزر گیا ہے ادھر سے وہ کاروان بہار!" خوشبو ہدیہ کی جاتی تو اسے ضرور قبول فرماتے، اور اگر کوئی خوشبو کا ہدیہ لینے میں تامل کرتا تو ناپسند فرماتے۔ اسلامی ثقافت کے مخصوص ذوق کے ماتحت آپ ﷺ نے مردوں کے لئے ایسی خوشبو پسند فرمائی جس کا رنگ مخفی رہے اور مہک پھیلے، جبکہ عورتوں کے لئے وہ جس کا رنگ نمایاں ہو، مہک مخفی رہے۔

✽ لبید بن ربیعہ : مشہور شاعر جس کے قصائد کعبہ پر لٹکائے جاتے تھے۔ کعبہ پر سات بڑے شاعروں کے قصائد لٹکانے کا رواج تھا۔ لبید بن ربیعہ ان میں سے ایک تھا۔ قبیلہ بنی عامر سے تعلق تھا۔ اسلام لانے کے بعد شعر کہنا چھوڑ دیئے تو کسی نے اس کی وجہ پوچھی۔ لبیدؓ نے جواب دیا: "کیا قرآن کے بعد بھی!"

✽ لبینہ رضؓ : حضرت عمرؓ کی کنیز۔ یہ کنیز اسلام قبول کر چکی تھی، لیکن اس وقت تک حضرت عمر نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اس کے اسلام لانے کا پتا چلا تو روزانہ اس کو مارتے اور

مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لیکن اللہ کی اس بندی نے اس مار پیٹ کے باوجود اسلام نہ چھوڑا۔

⇐ عمر فاروق + فاطمہ بنت خطاب۔

ل ع

٭ لعوق: عرب کا ایک مشہور بت۔ قبیلہ ہمدان کے لوگ اس بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔



م

م ا

*** ماریہ قبطیہ:** رسول اللہ ﷺ کی کنیز۔ حضرت ماریہ قبطیہ کو ان کی بہن شیریں کے ساتھ مصری بادشاہ مقوقس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں بہ طور تحفہ بھیجا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت کی غرض سے مختلف حکمرانوں کو خطوط ارسال فرمائے تو ایک خط حضرت حبیب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ مصر کے بادشاہ مقوقس کو بھی بھیجا۔ مقوقس نے اگرچہ اسلام قبول نہ کیا، مگر مسلمان سفیر سے احترام سے پیش آیا اور چند تحائف دے کر انہیں واپس کیا۔ ان میں حضرت ماریہ قبطیہ اور ان کی بہن شیریں بھی شامل تھیں۔

ان دونوں بہنوں نے اسلام کی معاشرت اور تعلیم سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھ لیا اور ان کی بہن کو حضرت حسان بن ثابت کو عطا کر دیا۔

حضرت ماریہ اگرچہ باندی کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی گئی تھیں، مگر اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت ماریہ قبطیہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کے بطن سے نبی کریم ﷺ کے دوسرے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ اس سے قبل حضرت خدیجہ کے بطن سے حضرت قاسم ہوئے تھے۔ ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؓ کی پیدائش کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت ماریہؓ کو آزاد کر دیا تھا اور ساتویں روز آپ ﷺ نے حضرت ابراہیمؓ کا عقیقہ بھی کیا تھا۔ ⇦ ابراہیمؓ بن محمد ﷺ + خدیجہ، ام المؤمنین۔

*** مال غنیمت:** ⇦ غنیمت

*** مالک، امام:** ائمہ اربعہ میں سے ایک۔ امام مالک، نام مالک، کنیت ابوعبداللہ اور لقب امام الہجرۃ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمر بن حارث بن غیمان بن جیثل بن عمرو بن حارث ذی اصبح۔ ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ خالص عرب خاندان سے تھے جو جاہلیت اور اسلام دونوں میں معزز تھا۔ امام مالک کے اجداد کا اصل وطن یمن تھا، مگر اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ امام مالک کے مورث اعلیٰ یمن کے شاہی خاندان حمیر کی شاخ "اصبح" سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے پردادا ابوعامر جلیل القدر صحابی تھے جب کہ دادا مالک بن ابی عامر جلیل القدر تابعی تھے۔ فن حدیث میں ان کو کبار صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

امام مالک نے جب مدینہ میں آنکھ کھولی تو مدینۃ النبی علم و فضل کا مرکز تھا۔ خود ان کا گھر اور گھر سے باہر پورا شہر علما فضلا کا مخزن تھا۔ اس طرح علم نبوی جو متفرق سینوں میں منتشر تھا وہ ایک سینے میں مجتمع ہو گیا، اسی لئے ان کا لقب امام الہجرۃ ہے۔

علم حدیث کی تعلیم بھی بچپن ہی سے حاصل کرنا شروع کی۔ علم حدیث میں امام مالک کے سب سے پہلے شیخ نافع ہیں۔ نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور حدیث و روایت میں ابن عمر کے جانشین تھے۔ نافع نے تیس برس تک ابن عمرؓ سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ متعدد اکابر صحابہ حضرت عائشہؓ، اُمّ سلمہؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ سے بھی روایت کی ہے۔ امام اوزاعی، امام زہری، ایوب سختیانی، ابن جریج اور امام مالک جیسے ائمہ حدیث ان کے شاگرد تھے۔ امام القرا حضرت نافع جب تک زندہ رہے، امام مالک ان سے استفادہ کرتے رہے۔ امام مالک مالک نے فقہ کی تعلیم ابوعثمان ربیعۃ

الرائے سے حاصل کی جو مدینہ کے کبار تابعین میں سے تھے۔ ربیعہ اجتہاد و استنباط میں اس قدر معروف تھے کہ "رائے" ان کا لقب ہو گیا۔ ربیعہ خاص مسجد نبوی میں درس دیتے تھے۔ قرن اول کا مدینہ جو سینکڑوں محدثین و فقہا کا مخزن تھا، اس شہر میں فتویٰ دینا ایک خاص لیاقت کا کام تھا۔ ربیعہ کو مدینۃ الرسول کے مفتی ہونے کی سعادت حاصل تھی۔

امام مالک حصول علم کے لئے کبھی مدینہ سے باہر نہیں گئے بلکہ مدینہ میں رہ کر علم حاصل کیا، اسی لئے زیادہ تر مدنی اساتذہ سے استفادہ کیا۔

مجلس درس

امام مالک مدینہ میں حضرت نافع و ربیعہ کے جانشین تھے اور ان کے بعد حدیث و فقہ کے امام تسلیم کئے گئے۔ امام مالک نے ۱۱۷ھ میں اپنی مجلس درس قائم کی۔

طریقہ درس

جب حدیث کا درس ہوتا تو عود اور لوبان کی خوشبو دے مجلس کو مہکایا جاتا۔ جب حدیث نبوی کے املا کا وقت آتا تو امام مالک وضو یا غسل کر کے عمدہ اور بیش قیمت لباس زیب تن کرتے خوشبو لگاتے اور بڑے احترام و ادب کے ساتھ مسند درس پر تشریف فرما ہوتے۔ امام مالک کا طریقہ تھا کہ طلبہ ان کی روایت کردہ حدیث پڑھتے اور وہ خود سماعت کرتے اور ان کی اصلاح فرماتے۔ امام مالک اس طریقے پر شدت سے عمل فرماتے تھے۔ یہ مدینہ کے مشائخ کا طریقہ تھا۔ اس طریقے کی خوبی یہ تھی کہ محدث اپنی لکھی ہوئی احادیث کو سن کر اپنے مسودے پر تصحیح کر سکتا تھا۔ اس طرح روایت کے غلط ہونے کا امکان نہ رہتا تھا۔

امام مالک فقہ و حدیث کے امام ہیں۔ محدثین و فقہا میں نمایاں مقام رکھتے ہیں جس کی گواہی خود ان کے معاصرین اہل علم نے دی ہے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے: "امام مالک علما کے نزدیک ایک درخشندہ ستارہ ہیں۔"

ابن معین فرماتے تھے: "امام مالک مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔"

امام اوزاعی فرماتے تھے کہ "امام مالک استاذ العلما، عالم حجاز اور مفتی حرمین ہیں۔"

امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ابن شہاب زہری کے شاگردوں میں امام مالک سب سے زیادہ فائق تھے۔

حب رسول

امام مالک رسول اللہ ﷺ کی محبّت میں حد درجہ سرشار رہتے تھے۔ جب حضور ﷺ کا نام مبارک زبان پر آتا تو چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ حب رسول کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا کہ ساری زندگی مدینہ میں مقیم رہے اور بجز سفر حج کے کبھی مدینہ سے باہر نہ نکلے۔ خلفائے وقت نے چاہا کہ امام مالک مدینہ چھوڑ کر بغداد تشریف لے آئیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا۔ مسجد نبوی میں انتہائی ادب کے ساتھ حاضری دیتے۔ ادب نبوی کی وجہ سے کبھی مدینے کی گلیوں میں سوار ہو کر نہیں نکلے۔

فیاضی و مہمان نوازی

امام مالک طبعًا فیاض تھے۔ ایک بار امام شافعی کے ہمراہ اصطبل کا معائنہ کر رہے تھے۔ امام شافعی نے بعض گھوڑوں کی تعریف کی تو امام مالک نے پورا اصطبل ان کی نذر کر دیا۔

مہمان نوازی عربوں کا خاصہ ہے، لیکن امام مالک کی مہمان نوازی کا انداز یہ تھا کہ جو طالب علم امام مالک کے گھر مقیم تھے، امام مالک ان کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے خوان اٹھا کر لاتے۔ وضو کے لئے اپنے ہاتھ سے پانی لا کر رکھتے۔ مہمان کو رخصت کرتے وقت خود سواری تک جاتے اور روپے کی ایک تھیلی زاد راہ کے لئے عنایت کرتے۔

حق گوئی اور خودداری

امام مالک خلفا کے دربار میں آمد و رفت رکھتے تھے لیکن پوری خودداری کے ساتھ۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ اگر میں نہ جاؤں تو حق گوئی کا موقع کہاں ملے۔ اسی حق گوئی کی بنا پر امام

صاحب کو کوڑے بھی مارے گئے لیکن آپ نے پروانہ کی۔ ایک بار خلیفہ منصور نے مسجد نبوی میں زور وشور سے مناظرہ شروع کیا تو امام مالک نے اسے ڈانٹ دیا اور فرمایا: لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔

خلیفہ مجلس میں آتا تو اس کو نیچے عام لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پڑتا اور اس کو کوئی عزت نہ دی جاتی، لیکن اگر اہل علم تشریف لاتے تو ان کی پذیرائی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ تشریف لائے تو ان کی اس قدر تعظیم کی کہ ان کے لئے اپنی چادر بچھائی۔ اسی طرح دیگر اہل علم کی تعظیم فرماتے تھے۔

مالکی مسلک کا رواج

امام مالک فقہ مالکی کے بانی و امام ہیں۔ مغربی ممالک خصوصاً اندلس میں امام مالک کے مسلک کا بہت زیادہ چرچا تھا اور اندلس میں عموماً لوگ امام مالک کے فتاویٰ کی پیروی کرتے تھے۔ یحییٰ بن یحییٰ قرطبہ سے امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک سال تک امام صاحب سے استفادہ کیا اور واپس گئے۔ اندلس کے ایک اور عالم عیسیٰ بن دینار نے بھی امام مالک کے مسلک کی بہت خدمت کی۔

وفات

امام مالک آخر عمر میں بہت ضعیف ہوگئے تھے۔ مسجد نبوی میں با جماعت نماز کی ادائیگی ممکن نہ رہی تھی البتہ درس و افتا کا کام جاری تھا۔ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو مدینہ کے تمام علما، فضلا، فقہا امام مالک کے مکان پر جمع ہوگئے۔ یحییٰ اندلسی کہتے ہیں کہ اس وقت امام مالک کی عیادت کرنے والے ایک سو تیس علما حاضر تھے۔

اس طرح باسٹھ برس تک علم دین کی خدمت انجام دینے کے بعد ۱۷۹ھ میں امام مالک کا وصال ہوا۔

تصانیف

امام مالک نے جو کتب تصنیف و تالیف کیں یا جو ان کی طرف منسوب ہوئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں: موطا امام مالک، رسالۃ المالک الی الرشید، احکام القرآن، المدونۃ الکبریٰ، رسالۃ مالک الیٰ ابن مطرف، کتاب الاقضیہ، کتاب المناسک، تفسیر غریب القرآن، کتاب المسائل وغیرہ۔

٭ متروکات نبوی ﷺ: رسول اللہ ﷺ کا ترکہ۔ صحیح روایت کے مطابق کتب حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ چھوڑا وہ برائے نام تھا اور اس کا بھی حیات میں فیصلہ فرما دیا تھا کہ "انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو چھوڑا وہ صدقہ ہے۔" (صحیح بخاری)

اس صدقے سے مراد عام مسلمانوں کا حق ہے۔

صحیح بخاری کی دوسری حدیث (بہ روایت عمر بن الحارث برادر اُمّ المؤمنین حضرت جویریہؓ) یہ ہے: رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے وقت کچھ نہیں چھوڑا۔ درہم نہ دینار، غلام نہ لونڈی، نہ کچھ اور صرف اپنا ایک سفید خچر، اسلحہ، زمین، اور اس کو بھی صدقہ کر گئے تھے۔

یہ وہ خچر ہے جس کو مقوقس شاہ مصر نے ہدیۃً پیش کیا تھا۔ اس کا نام تیہ تھا اور اسی کو دلدل بھی کہتے ہیں۔ ارباب سیر کی روایت کے مطابق وفات سے پہلے مختلف اوقات میں سات گھوڑے رہے ہیں جن کے نام یہ ہیں: ① سکب ② سجہ ③ مرتجز ④ لزاز ⑤ ظرب ⑥ لحیف ⑦ درد۔

گھوڑوں کے علاوہ ایک تیز رفتار اونٹنی بھی تھی جو صفات کے لحاظ سے عضبا یا قصوا یا جدعار کہلاتی تھی اور ایک گدھا تھا جس کا نام عفر تھا۔

اراضیات

مدینہ کی زمین سے بنو نضیر کے نخلستان (کھجور کے باغ) مراد ہیں جو ان کی جلا وطنی کے بعد آنحضرت ﷺ کے قبضے میں آگئے تھے۔ ان باغات کی آمدنی اتفاقیہ مصارف کے لئے وقف تھی اور امانت رہتی تھی۔ باقی رہی خیبر کی زمین وہ فتح کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ اس میں سے کوئی قطعہ نبی کریم ﷺ کے لئے مخصوص نہ تھا، البتہ لگان کی مجموعی آمدنی سے خمس (پانچواں حصہ) آنحضرت ﷺ کا تھا۔ چنانچہ اس رقم سے ایک حصہ ازواج مطہرات کے مصارف میں دیا جاتا

تھا اور اگر کچھ باقی رہ جاتا تو وہ مہاجرین کا حق تھا۔

اس کے علاوہ دو حصے عام مسلمانوں کے لئے وقف تھے اور فدک کی آمدنی مسافروں کے لئے مخصوص تھی۔ تاریخ قبضہ سے رحلت تک ان اراضیات کی آمدنی کا یہی مصرف رہا اور اسی اصول پر خلفائے راشدین عمل کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ کے انتقال پر جب بنی ہاشم اور سیدہ فاطمہ زہرہؓ نے فدک کی تقسیم کا دعویٰ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسی اصول کی بنیاد پر دعویٰ خارج کر دیا، کیونکہ آنحضرت فدک کی اراضی کے بطور ملکیت ذاتی مالک نہ تھے بلکہ بحیثیت وقف آپ ﷺ اس کے متولی تھے۔ (فتح البلدان بلاذری)

اسلحہ

جہاد کی ضرورت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلحہ موجود رہتا تھا اور ذاتی مصارف سے جس قدر پس انداز ہوتا تھا، اس سے بھی اسلحہ خرید فرماتے تھے جو مجاہدین کے کام آتا تھا۔ البتہ ذاتی طور پر گیارہ تلواریں تھیں اور صفات کے لحاظ سے ہر تلوار کا نام جداگانہ تھا:

❶ **ماثور**: ترکہ پدری کی یادگار تھی۔

❷ **عضب**: غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن عبادہؓ نے نذر کی تھی۔

❸ **ذوالفقار**: اس میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح گرہیں تھیں۔ بدر کے مال غنیمت میں آئی۔ یہ عاص بن منبہ سہمی کی ملکیت تھی۔ قبضہ چاندی کا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمائی تھی۔

❹ **قلعی**:

❺ **بتا**: بڑی تیز اور دھار دار تھی۔

❻ **حتف**: (موت)

❼ **مخزم**: زید الغیز نے نذر کی تھی۔ بہت تیز تھی۔

❽ **قضیب**: (شاخ درخت) نہایت نازک تھی۔

❾ **رلوب**: (زخم کے اندر پیوست ہونے والی) یہ تاریخی یادگار تھی۔ ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سات تلواریں نذر کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔

❿ **قبیعہ**: ہر غزوہ میں زیب کمر رہی۔

⓫ **صمصامہ**: عمر ابن معدی کرب کی مشہور تلوار ہے۔

تلواروں کے علاوہ دو ڈھالیں تھیں: ایک زرلوق اور دوسری عقاب۔ اس پر مینڈھے کے سر کی تصویر تھی۔ اس وجہ سے اس کا استعمال نہیں ہوا۔

زرہیں

سات زرہیں تھیں اور سب آہنی تھی (عرب میں چمڑے کی زرہیں بھی استعمال ہوتی تھیں): ① ذات الفضول ② ذات الرشاح ③ ذات العواشی ④ سفدیہ ⑤ فضہ ⑥ تبرا (دم بریدہ) ⑦ فرنق (بچہ خرگوش)۔

مغفر

آہنی مغفر دو تھے: ایک کا نام البسوع تھا اور دوسرے کا نام الموشح تھا۔ غزوات کے موقع پر زرہ اور مغفر دونوں کا استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں جسم اطہر پر دو زرہیں تھیں: ذات الفضول اور فضہ۔

نیزے

پانچ نیزے تھے جن میں ایک کا نام اشویٰ (قاتل) اور دوسرے کا نام ثنی تھا۔ ایک برچھی تھی جس کا نام عنزہ تھا۔ یہ نجاشی شاہ حبش نے نذر کی تھی۔

کمانیں

زدراز، روحا، بیضا، صغرا، سواد، شداد، کتوم۔ شداد غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی تھی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت قتادہؓ کو دے دی تھی۔

ترکش

جس کو عربی جعبہ اور کنانہ کہتے ہیں، ایک ہی تھا جس کا نام فور تھا۔

علم

سفید، سیاہ اور سبز متعدد تھے۔ مشہور سیاہ علم عقاب تھا۔ یہ غزوۂ خیبر میں تھا۔ ایک سفید علم تھا جس پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ اکثر علم

ازواج مطہرات کے دوپٹوں سے تیار کئے گئے تھے۔ ایک علم کا نام "زینۃ" تھا۔

عصا

دستی لکڑیاں متعدد تھیں۔ ایک الیمین تھی۔ عیدین کے موقع پر یہی دست مبارک میں ہوتی تھی۔ دوسری عرجون، یہ کھجور کی تھی اور بقدر نصف قد عصا بھی دو تھے: ایک کا نام ممشوق تھا اور دوسرے کا نام محجن (خمیدہ)۔ ان میں سے ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس رہا۔

خطاط

یہ بالوں کا ایک خیمہ تھا۔ اس کا نام الکن تھا۔

لباس

لباس میں تین جبے تھے جن کا غزوات میں استعمال ہوتا تھا۔ ایک سیاہ عمامہ تھا جس کا نام سحاب تھا۔ فتح مکہ کے دن یہی سر مبارک پر تھا۔ چاندی کی انگوٹھی تھی جس پر تین سطروں میں "محمد رسول اللہ" نقش تھا۔ استحقاق خلافت کی بنا پر انگوٹھی خلفا کے قبضے میں رہی اور عہد عثمانی میں ضائع ہوگئی۔

ظروف

ایک کوزہ "الصادرہ" تھا اور ایک قاب (رکابی) الحقبہ نام کی، اور ایک قدح (پیالہ) جس کا نام "البریان" اور ایک مغیث تھا اور دو پیالے لکڑی کے تھے۔ ایک کانچ کا تھا اور ایک پتھر کا طشت تھا جس سے آپ ﷺ وضو کرتے تھے۔ ایک آہنی ٹب تھا۔ اس کا نام "مخضب" تھا، اور ایک لکڑی کا بڑا وزنی کٹھیلا (قصعہ) تھا۔ اس میں اس قدر کھانا آجاتا تھا کہ دس آدمی سیر ہو کر کھاتے تھے۔ اس کا نام الغرار تھا۔

متفرقات

ایک تھیلی میں آسینہ (مدلولہ مدلہ)، کنگھی، کچھوے کی پشت کی ہڈی کی تھی۔ سرمہ دانی، سوئی ڈورا، قینچی (موسومہ الجامع)، تیل کی کپی اور مسواک رہا کرتی تھی۔ یہ تھیلی سفر اور حضر میں ساتھ رہتی تھی۔

تخت چوبی

اس تخت کے پائے ساج کے تھے۔ اسد بن زرارہ نے نذر کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا جسم اطہر نماز جنازہ کے وقت اس پر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا جنازہ بھی اسی پر اٹھایا گیا تھا۔ اس کے بعد عام مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال ہوا۔

مسکن

مکہ معظمہ کا موروثی مکان حضرت عقیل (برادر حضرت علیؓ) کے قبضے میں رہا۔ مدینہ منورہ میں سکونت کے لئے ازواج مطہرات کی نسبت سے نو حجرے تھے۔ سامان آرائش صرف ایک چادر تھی اور چارپائی تھی۔ بستر چمڑے کا ایک گدا تھا اور ایسا ہی ایک تکیہ تھا۔

✻ **متن حدیث:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ حدیث کا وہ حصہ کہ جہاں سے حدیث کا مضمون شروع ہوتا ہے "متن الحدیث" کہلاتا ہے۔ اس سے پہلے سند الحدیث ہوتا ہے۔ ⇦ حدیث + سند + سنن + اسماء الرجال۔

م ج

✻ **مجمع بن جاریہ:** صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ اوس کے خاندان عمر بن عوف سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت کے وقت اسلام قبول کیا۔ اس وقت کافی کم عمر تھے۔ ابتدا میں جن لوگوں نے قرآن پاک جمع کرنا شروع کیا، حضرت مجمع بن جاریہ ان میں سے ایک تھے۔ حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت کے آخری ایام میں انتقال ہوا۔

م ح

✻ **محدث:** علم حدیث کا ماہر۔ محدثین ہی کی چھان پھٹک اور عرق ریزی کی بدولت آج حدیث شریف بڑی حد تک محفوظ ہے۔ ⇦ اسماء الرجال + اسناد + حدیث + سند + سنن۔

٭ محرم، وادی: وادی محرم۔ طائف کے راستے میں وہ مقام جہاں فتح طائف کے بعد مکہ جاتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔

٭ محمد ﷺ: رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک۔ "محمد" نام عبدالمطلب نے رکھا تھا۔ اس لفظ کے معنی ہیں، ہر لحاظ سے قابل تعریف۔ وہ جسے سب پسند کریں، سب اچھا کہیں۔

٭ محمد بن ابوبکر صدیق: صحابی رسول ﷺ۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی کی طرف سے شریک ہوئے۔ عمرو بن العاص کے گروہ کے ایک فرد معاویہ بن حدیج کے ہاتھوں جاں بحق ہوئے۔

٭ محمد، سورہ: قرآن پاک کی ایک سورہ جس کی نسبت حضرت محمد ﷺ کی طرف ہے۔

٭ محمیہ بن جز: صحابی رسول ﷺ۔ نبی کریم ﷺ بعثت کے ابتدائی تین برس تک نہایت رازداری کے ساتھ تبلیغ حق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس دوران جو سلیم الفطرت افراد ایمان لائے ان میں سے ایک حضرت محمیہ بن جز بھی تھے۔ دوسری ہجرت حبشہ (٦ رسالت) میں آپؓ دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے۔ غزوۂ بنو مصطلق (۵ھ) سے کچھ پہلے مدینہ آئے اور اس غزوے میں شریک ہوئے۔ وہ حضرت عباس کی اہلیہ اور حضور ﷺ کی چچی اُم الفضل کے ماں جائے بھائی تھے۔ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت فضل بن عباس سے ان کی بیٹی بیاہی گئی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو خمس کا عامل بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ اکثر حضرت محمیہ کو نوازتے رہتے تھے۔

م خ

٭ مختار بن ابوعبید ثقفی: مدعی نبوت۔ مختار ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبید ابن مسعود ثقفیؓ کا فرزند تھا۔ لیکن خوارج کے ہتھے چڑھ کر خارجی ہو گیا۔ وہ اہل بیت سے سخت عناد رکھتا تھا، لیکن سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کے واقعہ ہائلہ کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مسلمان کربلا کے قیامت خیز واقعات سے سینہ ریش ہو رہے ہیں اور استمالت قلوب کا یہ بہترین موقع ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ اہل بیت کا بغض اس کے بام ترقی پر پہنچنے میں سخت حائل ہے تو اس نے خارجی مذہب چھوڑ کر حب اہل بیت کا دم بھرنا شروع کر دیا۔

۶۴ھ میں جب یزید بن معاویہ مرا تو اہل کوفہ نے یزید کے عامل عمرو بن حریث کو کوفہ کی حکومت سے برطرف کر کے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت کر لی۔ انہوں نے یزید کے بعد حجاز اور عراق کی عنان فرمان روائی اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ مرگ یزید کے چھے مہینے بعد مختار نے اہل کوفہ کو قاتلین حسینؓ سے جنگ آزما ہونے کی دعوت دینی شروع کی اور بولا، میں محمد بن حنیفہ (حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی) کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ مختار کوفہ کے گلی کوچوں اور مسجدوں میں جاتا اور حضرت حسینؓ اور دوسرے اہل بیت کا ذکر کر کر کے ٹسوے بہانے لگتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک جڑ پکڑنے لگی اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہونا شروع ہو گئے یہاں تک کہ ہزاروں آدمی اس کے جھنڈے تلے جان دینے پر تیار ہو گئے۔

جب مختار نے قاتلین اہل بیت کے تہس نہس کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اس قسم کی بہجت افزا خبریں فضائے عالم میں گونج رہی تھیں کہ مختار نے دشمنان اہل بیت کے گلے پر چھری رکھ کر محبان اہل بیت کے زخم ہائے دل پر ہمدردی و تسکین کا مرہم رکھا ہے تو پیروان ابن سبا اور غلاۃ شیعہ نے اطراف و اکناف ملک سے سمٹ کر کوفہ کا رخ کیا اور مختار کی حاشیہ نشینی اختیار کر کے تملق و چاپلوسی کے انبار لگا دیئے۔ ہر شخص مختار کو آسمان تعلّی پر چڑھاتا بعض خوشامدیوں نے تو اسے یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اتنا بڑا کار عظیم و خطیر جو اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات سے ظہور میں آیا ہے، نبی یا وصی کے بغیر کسی سے ممکن الوقع

نہیں۔

اس تملق و خوشامد کا لازمی نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ظاہر ہوا۔ مختار کے دل و دماغ پر انانیت و پندار کے جراثیم پیدا ہوئے جو روز بہ روز بڑھتے گئے اور انجام کار اس نے بساط جرأت پر قدم رکھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ (الفرق بین الفرق مطبوعہ مصر ص۳۴) اس دن سے اس نے مکاتبات و مراسلات میں اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھنا شروع کر دیا۔ دعوائے نبوت کے ساتھ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدائے برتر کی ذات نے مجھ میں حلول کیا ہے اور جبریل امین ہر وقت میرے پاس آتے ہیں۔ مختار نے احنف بن قیس نامی ایک رئیس کو یہ خط لکھا تھا:

السلام علیکم، بنو مضر اور بنو ربیعہ کا برا ہو۔ احنف! تم اپنی قوم کو اس طرح دوزخ کی طرف لے جا رہے ہو کہ وہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ ہاں تقدیر کو میں بدل نہیں سکتا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے کذاب کہتے ہو مجھ سے پہلے انبیا کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔ میں ان میں سے اکثر سے فائق و برتر نہیں ہوں اس لئے اگر مجھے کاذب سمجھا گیا تو کچھ مضائقہ نہیں۔

چنانچہ ترمذی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"فی ثقیف کذاب و مبیر" (قوم بنو ثقیف میں ایک کذاب ظاہر ہو گا اور ایک ہلاکو) اس حدیث میں کذاب سے مختار اور ہلاکو سے حجاج بن یوسف مراد ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضرت اسماذات النطاقینؓ نے حجاج بن یوسف سے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب ظاہر ہو گا اور ایک ہلاکو۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا یعنی مختار کو اور ہلاکو تو ہے۔

ابراہیم بن اشتر کوفی، مختار کا دست راست تھا۔ مختار کو جس قدر عروج نصیب ہوا وہ سب ابراہیم بن اشتر کی شجاعت، اولوالعزمی اور حسن تدبیر ہی کا رہین منت تھا۔ ابراہیم ہر میدان میں مختار کے دشمنوں سے لڑا اور اس کی شہرت و کامیابی کو عروج پر پہنچا دیا۔ لیکن جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ مختار نے اعلان نبوت اور نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے تو وہ نہ صرف اس کی اعانت سے دست کش ہو گیا بلکہ بلاد جزیرہ پر قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا بھی اعلان کر دیا۔ یہ دیکھ کر کوفہ کے ان اہل ایمان نے جو مختار کی مارقانہ حرکتوں سے نالاں تھے، بصرہ جا کر مصعب بن زبیرؓ کو مختار پر حملہ آور ہونے کی تحریک کی۔ مختار نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے کوفہ اور اس کے ملحقات کی حکومت چھین لی تھی۔ وہ اس کے علاوہ ابن زبیرؓ کی مخالفت میں بہت سی دوسری خون آشامیوں کا بھی مرتکب رہ چکا تھا اس لئے ان کے بھائی مصعب بن زبیرؓ بہت دنوں سے انتقام کے لئے دانت پیس رہے تھے۔

جب روسائے کوفہ نے حملہ آور ہونے کی تحریک کی تو مصعب بن زبیر ایک لشکر جرار لے کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ جب مختار کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے دو سپہ سالاروں کے ماتحت اپنی فوج روانہ کی۔ جب لشکروں کی مڈ بھیڑ ہوئی تو مختار کے دونوں سپہ سالار احمد بن شمیط اور عبداللہ بن کامل میدان میں جانستان کی نذر ہو گئے۔ بصریوں نے مختار کی فوج کو مار مار کر اس کے دھوئیں بکھیر دئے۔ جب مختار کو اپنے سپہ سالار کی ہلاکت اور اپنے لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ موت کا آنا لازمی امر ہے اور میں جس موت میں مرنا چاہتا ہوں وہ وہی موت ہے جس پر ابن شمیط کا خاتمہ ہوا۔

جب مصعبؓ کی فوج نے خشکی اور تری کے دونوں راستے عبور کر کے پیش قدمی شروع کی تو مختار نے بھی بہ نفس نفیس کوفہ سے جنبش کی۔ مختار نے سلحین کے سنگم پر ایک بند بندھوا کر دریائے فرات کا پانی روک دیا۔ اس طرح فرات کا تمام پانی معاون دریاؤں میں چڑھ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصری فوج جو کشتیوں پر سوار ہو کر چلی آ رہی تھی اس کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر بصریوں نے کشتیاں چھوڑ دیں اور پاپیادہ پیش قدمی شروع کر دی۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر حرورا کے مقام پر مورچہ بندی کی۔ اتنے میں مصعب بھی حرورا پہنچ گئے جو ولایت بصرہ و کوفہ کی حد فاصل ہے۔

اب آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ اس لڑائی میں مختار کی فوج کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور وہ مقابلے کی تاب نہ لا کر سخت بد حالی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جتنی دیر تک فوج بر سر مقابلہ رہی، مختار

نہایت بے جگری سے لڑتا رہا۔ آخر فوج کی ہزیمت پر وہ بھی پسپائی پر مجبور ہوا اور کوفہ پہنچ کر قصر امارت میں بند ہو گیا۔

مختار کی ہلاکت

جب محاصرے کی سختی ناقابل برداشت ہوگئی تو مختار اپنے دام افتادوں سے کہنے لگا کہ یاد رکھو کہ محاصرہ جس قدر طویل ہوگا تمہاری طاقت جواب دیتی جائے گی، اس لئے بہتر ہے کہ باہر میدان میں داد شجاعت دیں اور لڑتے لڑتے عزت سے جانیں دے دیں۔ اگر تم بہادری سے لڑو تو میں اب بھی فتح کی طرف سے مایوس نہیں ہوں، لیکن مختار کے آدمیوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ اٹھارہ آدمیوں نے رفاقت اور جاں بازی پر آمدگی ظاہر کی۔ اب مختار خوشبو اور عطر لگا کر باہر نکلا اور اٹھارہ آدمیوں کی رفاقت میں مقابلہ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تمام ساتھی لقمہ اجل ہوگئے۔ آخر مختار خود بھی ان مقتولوں کے ڈھیر پر ڈھیر ہو رہا۔

⇦ مسلیمہ کذاب + ختم نبوت۔

*** مخشی بن عمرو ضمری:** قبیلہ بنو ضمرہ کا سردار۔ نبی کریم ﷺ نے بنو ضمرہ سے بھی معاہدہ کیا تھا۔ یہ قبیلہ مدینہ کے اطراف آباد تھا۔ ⇦ مدینہ۔

م د

*** مدارج النبوت:** حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی حیات طیبہ کے موضوع پر ایک جامع کتاب۔

*** مدینہ منورہ:** کرۂ ارض پر مکہ کے بعد سب سے متبرک و مقدس مقام۔ یثرب۔ وہ شہر جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی۔ مدینہ، آرامی زبان کے لفظ madinta سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں عملداری میں شامل علاقہ۔ مگر عام طور پر یہ لفظ بستی یا قریہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

مدینہ کے کئی نام ہیں۔ بعض کے نزدیک ۲۹، بعض کے نزدیک ۳۰، اور بعض کے خیال میں مدینہ کے ۹۴ نام ہیں۔

مدینہ کے بارے میں تاریخی شواہد وافر دستیاب نہیں ہیں تاہم ایک رائے یہ ہے کہ جب عک نے شکست دے کر ازد کو وطن سے نکال دیا تو وہ گھومتے پھرتے مدینہ ہی میں آئے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ شہر بنی عمالقہ نے آباد کیا تھا اور حضرت موسیٰ نے اسے فتح کرنے کے لئے ایک لشکر فلسطین سے روانہ کیا تھا۔

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ اس شہر کے اصل بانی وہ خود ہیں۔

جوف مدینہ میں پانچ زرخیز وادیاں تھیں: مذینیب، مہزور، زانونا، بطحان، قناۃ۔ ان وادیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی بستیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ بستیوں کے اس مجموعے کو "یثرب" کہا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے الگ شہر بسایا۔ یہی "مدینۃ الرسول" کہلایا۔

چونکہ جوف مدینہ کا علاقہ جغرافیائی محل وقوع، سیاسی پوزیشن وافر پانی، خوشگوار آب و ہوا کی وجہ سے نہایت پُرکشش تھا، اس لئے مختلف قبائل یہاں آکر آباد ہوتے رہے۔ ایک حوالے کے مطابق (سید سلیمان ندوی، ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۱) مصر کے حکمراں عمالیق نے پہلے پہلے یہ شہر بسایا تھا۔ اندازاً یہ شہر ۱۶۰۰ قبل مسیح میں بسایا گیا ہوگا۔

تاریخی طور پر مدینہ کا قدیم ترین نام "سلع" ہے۔ سلع (یا صلع یا سلاع یا صلاع) عبرانی زبان کا لفظ جس کا مطلب ہے "پتھر" لیکن مجازاً بستی یا قریہ مراد لیا جاتا ہے۔

یہ نہایت قدیم شہر تھا۔ بنو اسرائیل کے پڑوس میں واقع ہونے کی وجہ سے اسرائیلیات میں اس شہر کا کافی ذکر موجود ہے۔ آل اسرائیل نے اس شہر پر کئی حملے کئے۔ پہلا حملہ بنی ادوم کے زمانے میں ہوا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے تک جاری رہا۔

مدینہ ایک زمانے میں یہود کا مضبوط گڑھ تھا، لیکن ان کی آمد کے بارے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم جب یہود اس علاقے میں آئے تو یہاں پر کوئی مستقل بستی آباد نہیں تھی۔ منتشر شکل میں مختلف آبادیاں تھیں جن کے گرد کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ یہودیوں نے کاشت

کاری کے پرانے طریقوں میں جدت پیدا کی۔

یہودیوں نے ہی نئے طرز کے مضبوط قلعے بنائے اور اپنا علیحدہ شہر بسایا۔ اس کا نام "یثرب" تھا۔ جب یہودیوں کی پوزیشن مستحکم ہوگئی تو انہوں نے پرانے باشندوں کو اپنا مطیع اور دست نگر بنانا شروع کر دیا اور پھر ان کے سیاسی اقتدار کا آغاز ہوا۔ پھر جوف کی ساری آبادیوں کو یثرب کہا جانے لگا۔

یہ مخصوص "یثرب" کہاں تھا اس کے بارے میں یقین سے ماہرین کچھ نہیں کہتے۔ تاہم بوہل کی رائے کے مطابق یثرب، شہر مدینہ کے موجودہ قصبے کے انتہائی شمال میں واقع تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں غزوۂ احد واقع ہوا۔ عنیین اور جبل احد کے درمیان اس جگہ پر نبی کریم ﷺ نے تیر انداز مقرر فرمائے تھے۔

یہود کافی عرصے تک یثرب میں آباد رہے، لیکن طغیانیوں کے باعث یہ علاقہ رہائش کے قابل نہ رہا تو وہاں سے یہود نقل مکانی کر کے جوف کے وسط میں آکر آباد ہوگئے۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ نقل مکانی سیاسی تسلط کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔

۳۰۰ء کے قریب یمن سے اوس اور خزرج کے قبائل بھی یثرب آئے۔ ایک عرصے تک تو یہ لوگ خاموش رہے، لیکن جلد ہی ان قبائل اور یہود کے درمیان کشمکش کا آغاز ہوگیا۔ یہود کے اقتدار کو سب سے پہلے خزرج کے فرد مالک بن عجلان نے چیلنج کیا۔ ۴۹۳ء میں یہود سے انہوں نے اقتدار چھین لیا۔ ابتدا میں تو اوس اور خزرج نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا، لیکن پھر وہی ہوا جو عام طور پر ایسے عام معاملات میں ہوا کرتا ہے...... یہودیوں کی سیاسی قوت ختم ہونے کے بعد خزرج کا قبیلہ بنی نجار ایک بڑی طاقت کے طور پر ابھرنا شروع ہوا تو اوس والوں کے دل میں حسد اور دشمنی کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اوس اور خزرج والوں میں اقتدار املاک کی خانہ جنگی چھڑ گئی۔ خانہ جنگی کا یہ سلسلہ ۴۹۷ء میں شروع ہوا اور ۶۱۵ء یا ۶۱۸ء تک وقفے وقفے سے جاری رہا۔ اس سلسلے کی پہلی لڑائی سمیر تھی اور آخری لڑائی بعاث کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد

تیرہ نبوی میں نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے اس تاریخی شہر میں آگئے۔ یہ شہر مکہ سے   کے فاصلے پر تھا۔ یثرب (مدینہ) میں نبی کریم ﷺ غیر معروف راستے سے داخل ہوئے اور عمرو بن عوف کے قریہ قبا میں اترے۔ ← قبا + قبا، مسجد + ہجرت نبوی ﷺ۔

مدینہ منورہ کا نام

علامہ سمہودی نے "وفاء الوفا" میں مدینہ منورہ کے ان اسما کو بیان کیا ہے جن کا ثبوت تاریخ یا کتاب اللہ اور سُنّت رسول ﷺ سے ہے۔ مدینہ منورہ کا ایک نام اترب (بروزن مسجد) ہے۔ یہ نام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ان کا ہے جو اس سرزمین میں آکر بسے اور انہی کے نام پر یہ جگہ موسوم ہوئی۔ اسی لغت کو امتداد زمانہ کے بعد یثرب کہا جانے لگا۔ اس کے علاوہ علامہ سمہودی نے مزید چورانوے نام بیان کئے ہیں جن میں چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

"ارض اللّٰہ" آیت ربانی "الم تکن ارض اللّٰہ واسعة" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

"البلدة" مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آیت "لا اقسم بهذا البلد" سے یہی سرزمین مراد ہے۔

"سلفه" تورات میں مدینہ منورہ کا یہی نام کہا گیا ہے

"سیدة البلد" اور "طیبه" حدیث شریف میں آیا ہے۔ "آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں" یعنی اس کو طابہ کہوں۔ توریت میں بھی مدینہ منورہ کا ذکر "طیبہ" کے نام سے کیا گیا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہ نے اس شہر مدینہ کا نام طابہ رکھا یعنی حق تعالیٰ جل شانہ نے وحی کے ذریعے اس کا نام طابہ رکھا۔

ایک اور روایت میں طیبہ بھی آیا ہے۔ طیبہ کے معنی پاک اور عمدگی کے ہیں۔ یہ شہر شرک کی گندگی سے پاک ہے۔ اس کی آب و ہوا معتدل مزاج والوں کے لئے موافق ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے

کہ اس کے رہنے والے پاکیزہ لوگ ہیں، ان کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے ایک ایسے قریہ میں رہنے کا حکم کیا گیا جو ساری بستیوں کو کھالے، لوگ اس قریہ کو یثرب کہتے ہیں۔ اس کا نام مدینہ ہے۔ وہ (برے) آدمیوں کو اس طرح دور کر دیتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ دین سے مشتق ہے جس کے معنی طاعت کے ہیں۔ اس شہر میں اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ صاحب اتحاف نے مدینہ طیبہ کے بہت سے نام نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اسما کی کثرت اس کی شرافت پر دال ہے۔ ان میں سب سے مشہور نام مدینہ ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے ہجرت کی جگہ دکھائی گئی، جس میں کھجور کے درخت ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ جگہ یمامہ ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ یثرب ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انہی ایام میں خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک چاند مکہ مکرمہ میں اترا، جس کی وجہ سے سارا مکہ روشن ہو گیا۔ پھر وہ چاند آسمان کی طرف چڑھا اور مدینہ طیبہ میں جا اترا۔ اس کی وجہ سے مدینہ کی ساری زمین روشن ہو گئی، پھر وہ چاند عائشہ کے گھر میں گیا اور گھر کی زمین شق ہوئی جس میں وہ چاند روپوش ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو فن تعبیر سے بہت مناسبت تھی۔ اس خواب سے انہوں نے مدینہ کی ہجرت اور حضور اکرم ﷺ کا حجرۂ عائشہ میں دفن ہونا سمجھ لیا تھا۔

مدینہ منورہ کے فضائل

قاضی عیاض اور قاضی ابوسید رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما نے بیان فرمایا کہ کعبۃ اللہ کے علاوہ روئے زمین میں مدینہ منورہ افضل ترین جگہ ہے۔ شیخ تاج الفاکہی نے بیان کیا کہ اس سرزمین سے افضل کون سی جگہ ہو سکتی ہے جہاں آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ اور وہ مبارک زمین آپ ﷺ کے جسد اطہر کا گہوارہ ہے حتیٰ کہ ملکوت سماوات کا وہ حصہ جو قدم مبارک پڑنے کی جگہ کی محاذات پر واقع ہے، انوار و برکات سے معمور ہے۔ بعض ائمہ نے زمین کی فضیلت آسمان پر اسی وجہ سے بیان کی ہے کہ اس میں رسول پاک ﷺ کی ذات گرامی آرام فرما ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ایمان سرزمین مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ کر آجائے گا جس طرح سانپ اپنے بلوں کی طرف سمٹ آتا ہے۔ (بخاری، ج اول، ص ۲۵۲)

علما نے فرمایا ہے کہ قرب قیامت دنیا سے دین سمٹ کر مدینہ طیبہ آجائے گا۔

آنحضرت ﷺ نے اہل مدینہ کے متعلق فرمایا کہ میں قیامت کے دن ان کا شفیع ہوں گا۔ جس طرح قرآن کریم نے سرزمین مکہ کو حرم فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ بھی حرم ہے۔ عیر اور ثور پہاڑوں کے درمیان کا حصہ حرم کے شرف سے نوازا گیا۔ (جمع الفوائد ج ا ص ۵۲۶)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر سے واپسی پر مدینہ کی دیواروں کو محبت کی نگاہوں سے دیکھتے اور اس کے شوق میں سواری کی رفتار تیز فرما دیتے۔ (بخاری شریف ج ا، ص ۲۵۳)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ کا پھل آپ ﷺ کو اس قدر پسند تھا کہ جب موسم کا پھل اول مرتبہ آپ ﷺ کے سامنے لایا جاتا تو اس کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے۔ (مسلم شریف)

حضرت بلالؓ جب مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے تو بار بار والہانہ انداز سے فرط محبت میں یہ شعر پڑھا کرتے ؎

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة
بواد حولی اذ خر و جلیل
وهل اردن یوما سیاه مجنة
وهل یبدون لی شامة وطفیل

(بخاری شریف، ج ا، ص ۲۵۳)

یعنی کاش! مجھے زندگی میں (پھر ایک بار) ایک ایسی رات نصیب ہو جائے کہ میں اس وادی میں گزروں کہ میرے ارد گرد اذخر اور

جلیل ہوں (اذخر اور جلیل مدینہ منورہ کی گھاس کے نام ہیں) اور کاش کوئی ایسا دن نصیب ہو کہ میں مقام مجنہ کے چشموں پر اتروں اس حال میں کہ شامہ اور طفیل پہاڑ میرے سامنے ہوں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! مدینہ میں مکہ سے زیادہ برکت عطا فرمایا۔

(صحیح بخاری و مسلم جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۲۸)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے ہے کہ جب کوئی شخص پہلا پھل دیکھتا تو اس پھل کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا۔ رسول اللہ ﷺ دست مبارک میں اسے لیتے اور دعا فرماتے: الٰہی! ہمارے پھل میں، ہمارے مدینہ میں، ہمارے صع (وزن کا ایک پیمانہ) میں اور مد (صاع کا ایک چوتھائی) میں برکت دے۔ خداوند! بے شک ابراہیمؑ تیرا بندہ، دوست اور پیغمبر تھا اور یقیناً میں بھی تیرا بندہ و پیغمبر ہوں، ابراہیمؑ نے تجھ سے مکہ کے واسطے دعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے واسطے دعا کرتا ہوں۔ اس کے مثل اور برابر جو ابراہیمؑ نے مکہ کے واسطے کی تھی اس کے ساتھ ہی اس سے زیادہ کی یعنی مکہ سے دونی برکت چاہتا ہوں۔ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۲۸)

حدیث شریف میں ہے: "مدینہ کی مٹی ہر مرض کے لئے شفا ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مدینہ کی گرد جذام کو اچھا کر دیتی ہے۔

مدینہ کی گلیوں کے سروں پر فرشتے نگہبانی کرتے ہیں تاکہ طاعون اور دجال اس میں داخل نہ ہوسکے۔

(جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۲۸ و بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۲)

حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مدینہ اس کے باشندوں کے واسطے دنیا و آخرت میں بہتر ہے۔ اگر لوگ اس کی فضیلت سے واقف ہو جائیں تو ہرگز چھوڑ کر کسی دوسری جگہ نہ جائیں۔ جو شخص مدینہ کو بے رغبتی سے ترک کرے گا تو حق تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے بہترین شخص کو بھیج دے گا۔"

(جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۲۷)

جو شخص اس کی کوشش کر سکتا ہو کہ مدینہ منورہ میں اس کی موت آئے تو اس کو کوشش کرنی چاہئے کہ مدینہ منورہ میں مرے کہ ان لوگوں کی ضرور شفاعت کروں گا۔ (ابن ماجہ)

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک یعنی اے اللہ! تو مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر (مدینہ) میں موت دے۔ (صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۵۳)

مکہ مکرمہ کے علاوہ جتنے شہر ہیں ان پر مدینہ منورہ کی فضیلت تو مسلم ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن علما کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ کی فضیلت مکہ مکرمہ پر بھی ہے یا نہیں؟

اکثر علما نے مکہ مکرمہ کو سب سے افضل شہر بتایا ہے اور یہی جمہور کی رائے ہے۔ بعض حضرات نے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے افضل فرمایا ہے جیسا کہ امام مالک اور دوسرے علما سے منقول ہے۔ اتنی بات یاد رہے کہ مدینہ طیبہ کی وہ زمین جو حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک سے متصل ہے وہ بہ اتفاق تمام علما سب جگہوں سے افضل ہے ابن عساکر، قاضی وغیرہ نے اس پر ساری امت کا اتفاق اور اجماع نقل کیا ہے کہ یہ حصہ زمین بیت اللہ شریف سے ابھی افضل ہے، بلکہ قاضی عیاض نے تو عرش معلیٰ سے بھی افضل قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ علمانے یہ لکھی ہے کہ آدمی جس جگہ دفن کیا جاتا ہے اسی جگہ کی مٹی سے پیدا کیا جاتا ہے۔ (شرح مناسک نووی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بستیوں میں سب سے آخر میں جو قریہ قیامت کے قریب ویران ہوگا وہ مدینہ طیبہ ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! جتنی برکتیں آپ نے مکہ میں نازل فرمائی ہیں ان سے دوگنی برکتیں مدینہ منورہ میں عطا فرمایا۔ اس حدیث شریف میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی طرف اشارہ ہے، وہ دعا یہ ہے: فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات۔ لوگوں کے دلوں کو اس شہر (مکہ مکرمہ) میں رہنے والوں کی طرف مائل اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمایا۔

علما نے لکھا ہے کہ اس دعا کا قبول ہونا مشاہدے میں آتا ہے جو مقدار کھانے کی مدینہ طیبہ میں کافی ہوجاتی ہے اتنی مقدار مدینہ منورہ سے باہر کافی نہیں ہوتی۔ وہاں رہنے میں اس کا تجربہ ہوتا ہے۔

جو حضرات مدینہ طیبہ کی افضلیت کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ برکت کے معنی خیر میں زیادتی کے ہیں جو دین اور دنیا دونوں قسم کی خیر کو شامل ہے، اس لئے ہر نوع کی چیز میں مکہ مکرمہ سے دو چند کی دعا ہے۔
(فتح الباری)

مدینہ کے یہود

یثرب یا مدینہ منورہ کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے۔ یہود کا اس علاقے میں بڑا گہرا کردار رہا اور نبی کریم ﷺ کی یہاں آمد کے بعد بھی ان کی سازشیں جاری رہیں اور بار بار اسلامی تاریخ میں مدینہ کے یہود نے اپنی عیاریوں اور مکاریوں کے ذریعے کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کیا۔ چنانچہ مدینہ کے ذیل میں یہ بہتر ہوگا کہ مدینہ کے یہود کا تفصیلی ذکر کیا جائے۔ یہ تذکرہ یقیناً انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کے قارئین کے لیے مفید ہوگا۔ اس ضمن میں مولوی بلال عبدالحئی حسنی ندوی صاحب کا ایک تحقیقی و تفصیلی مضمون انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کے مرتب کی نظر سے گزرا جو پیش ہے۔ یہ مضمون ماہ نامہ معارف، علی گڑھ کی مئی اور جون ۱۹۹۴ء کی اشاعتوں میں شامل ہوا۔

رسول اکرم ﷺ جس زمانے میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے اس وقت وہاں دو طرح کے یہودی پائے جاتے تھے: ایک وہ جو حضرت یعقوبؑ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے، دوسری قسم ان یہودیوں کی تھی جن کا نسلی تعلق حضرت یعقوبؑ سے نہیں تھا بلکہ انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ آگے معلوم ہوگا کہ اس قسم کے یہودیوں کی تعداد بہت کم تھی تاہم بعض قبائل بنو انیف و بنو مرید وغیرہ کے بارے میں تاریخی طور سے یہ ثابت ہے کہ وہ یہودی ہوگئے تھے۔

نسلی یہودیوں کی مدینہ آمد کا زمانہ اور اسباب

مدینہ میں یہود کے سکونت پذیر ہونے کے زمانے اور یہاں آکر ان کے آباد ہونے کے اسباب و محرکات کے بارے میں مورخین و محققین کا بڑا اختلاف ہے۔ علامہ سمہودیؒ تاریخ مدینہ کے مشہور عالم ہیں، ان کی مشہور تصنیف وفاء الوفاء اس موضوع پر ایک اہم مرجع خیال کی جاتی ہے۔ وہ کلبی کے حوالے سے حضرت عبداللہؓ بن عباس کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہود مدینہ منورہ میں حضرت موسیٰؑ کے عہد میں آباد ہو چکے تھے۔ انہوں نے یاقوت حموی کے حوالے سے بھی اسی طرح کا قول نقل کر کے اس رائے کو مرجح قرار دیا ہے۔ علامہ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ساتھ حج کیا۔ واپسی میں جب یہ لوگ مدینہ سے گزرے تو انہوں نے اس کو ان اوصاف کا حامل پایا جو نبی آخر الزماں ﷺ کے مسکن کے بارے میں تورات میں بیان کئے گئے تھے۔ اس کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہیں سکونت اختیار کر لی۔"
(وفاء الوفاء، باخبار دار المصطفیٰ ج ا ص ۱۵۷)

یہود کو تورات سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جو اس سرزمین میں قیام پذیر ہوگا جو حرّوں سے گھری ہوئی اور جس میں کھجور کے باغات ہیں۔ اس وقت مندرجہ ذیل چار جگہوں پر یہ خصوصیات منطبق ہوتی تھیں: تیماء، خیبر، فدک اور یثرب۔ ابن النجار نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے مگر ان کے یہاں فدک کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فلسطین میں آباد یہودیوں کو ان خصوصیات کی جامع سرزمین کی تلاش رہا کرتی تھی۔ اس سلسلے کی دو اور روایتیں ملاحظہ ہوں جن میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں یہودیوں کے مدینہ میں آباد ہونے کا تذکرہ موجود ہے۔

پہلی روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لوگوں کو جن مقامات پر غزوات کے لئے بھیجا، ان میں یثرب بھی تھا۔ اس وقت یہاں عمالقہ آباد تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے تاکید کی تھی کہ جس قبیلے پر بھی فتح حاصل ہو اس کے ہر ہر فرد کو قتل کر دیا جائے۔ غلبہ پانے کے بعد انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن ایک خوب رو اور قدر آور نوجوان کے بارے میں وہ متردد ہوگئے اور اس کے معاملے کو حضرت موسیٰؑ سے مشورے کے لئے موقوف رکھا لیکن جب یہ لوگ واپس آئے تو ان

کی وفات ہو چکی تھی۔ بنو اسرائیل کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا، اس کھلی نافرمانی کے بعد تم لوگ یہاں نہیں رہ سکتے۔ لشکر کے لوگوں نے ان کا بگڑا ہوا تیور دیکھا تو باہمی مشورے سے مفتوحہ علاقوں میں جانے اور وہیں بود و باش اختیار کر لینے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح یہ لوگ مدینہ منورہ میں آباد ہو گئے۔

گو یہ روایت قطعی الثبوت نہیں تاہم اس بارے میں صریح و صحیح روایت کی عدم موجودگی میں اس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔ دوسری روایت جو زبیر ابن بکار کی سند سے مورخین نے نقل کی ہے:

حضرت موسیٰ و ہارون (علیہم السلام) حج کرنے گئے اور مدینہ منورہ سے گزرے تو وہاں کے یہود سے ان کو خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ یہ دونوں راہ بچا کر احد تشریف لائے۔ وہاں حضرت ہارونؑ پر سکرات کا عالم طاری ہوا تو حضرت موسیٰؑ نے ان کے لئے لحد تیار کی اور حضرت ہارونؑ سے کہا کہ آپ کا وقت قریب ہے تو حضرت ہارونؑ اٹھے اور لحد میں داخل ہوئے اور ان کی روح قبض کر لی گئی اور حضرت موسیٰؑ نے قبر پر مٹی ڈالی۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہود حضرت موسیٰؑ کے ہی عہد میں آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ بعض مورخین کا رجحان اسی طرف ہے، لیکن بعض دوسرے مورخین کا رجحان اس کے برعکس ہے۔ مشہور مورخ علامہ طبری کا خیال ہے کہ یہود بخت نصر کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تھے۔ علامہ سہیلی کی بھی یہی رائے ہے۔ ڈاکٹر محمد طنطاوی ان مختلف روایات کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی جب رومیوں کے مظالم سے تنگ آگئے تو مدینہ منورہ آکر آباد ہوئے اور یہ پہلی صدی عیسوی کا واقعہ ہے۔ اسی موقف کو ڈاکٹر جواد علی نے اپنی کتاب تاریخ العرب قبل الاسلام میں اختیار کیا ہے۔ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ایک تاریخی حقیقت بتایا ہے:

"اس تاریخی حقیقت کو ترجیح حاصل ہے کہ یہود کی اکثریت جزیرۃ العرب میں عموماً اور شہر یثرب میں خصوصاً پہلی صدی مسیحی میں آئی۔ مشہور یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتا ہے: "۷۰ء میں جب رومی جنگ کے نتیجے میں فلسطین اور بیت المقدس برباد ہو گئے اور یہود دنیا کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے تو یہود کی بہت سی جماعتوں نے بلاد عرب کا رخ کیا جیسا کہ خود یہودی مورخ جوزیفس کہتا ہے جو خود بھی اس جنگ میں شریک تھا اور عربی ماخذ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔"

بعض کا خیال ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں یہود مدینہ آئے اور بعض نے حزقیال کے دور حکومت میں مدینہ میں ان کے اور یہود کے بود و باش اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ۷۱۰ قبل مسیح سے ۶۹۰ قبل مسیح تک حکومت کی۔

مذکورۂ بالا تفصیل سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

❶ مدینہ منورہ میں حضرت موسیٰؑ سے بہت پہلے عمالقہ آباد تھے جو بڑی قوت و شوکت کے مالک تھے۔

❷ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں کچھ یہودی بھی یہاں آئے۔

❸ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو تاراج کیا اور یہودیوں پر مظالم ڈھائے تو مدینہ میں یہودیوں کی آبادی میں مزید اضافہ ہوا اور ان کی قوت بھی بڑھی۔

❹ پہلی صدی مسیحی میں رومیوں کے دردناک مظالم سے تنگ آکر یہود یہاں بڑی تعداد میں آباد ہوئے اور انہوں نے یہاں کی آباد دوسری قوموں کو مغلوب کر کے بڑا اثر و اقتدار حاصل کیا۔ دور دور تک ان کی بستیاں پھیل گئیں اور یہاں کی معیشت پر ان کا پورا قبضہ ہو گیا اور تعلیمی و تمدنی حیثیت سے بھی ان کو بڑا عروج حاصل ہوا۔

عرب کے یہود

یہودیت ایک دعوتی مذہب تھا، لیکن اپنے ناخلف متبعین کی وجہ سے یہ نسلی مذہب بن گیا تھا اور اس کو تبلیغ و دعوت سے سرے سے کوئی واسطہ نہیں رہ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مدینہ میں یہود کے غیر معمولی اثر و رسوخ کے باوجود ان کے مذہب کو بڑی محدود تعداد میں عربوں نے اختیار کیا تھا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ صرف دو تین قبائل ہی نے من حیث القبیلہ یہودیت اختیار کی تھی۔ ان کے علاوہ بعض اشخاص نے انفرادی حیثیت سے بھی یہ مذہب اختیار کیا تھا جیسے کعب

بن اشرف جس کا تعلق قبیلہ طے سے تھا۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جن لوگوں نے یہودی مذہب اختیار کیا تھا انہوں نے یہود کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں اسے قبول نہیں کیا تھا بلکہ اس کے کچھ اور ہی اسباب تھے۔ ایک سبب تو یہودیوں کا علمی و تمدنی دباؤ تھا، دوسرے سبب کا ذکر سنن ابی داؤد کی اس روایت میں ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

"مدینہ میں دستور تھا کہ عورت کے بچہ نہ ہوتا تو وہ نذر مانتی کہ اگر اس کے بچہ پیدا ہوا اور وہ زندہ رہا تو وہ اس کو یہودی بنائے گی۔ چنانچہ جب بنو نضیر جلاوطن کیے گئے تو ان میں انصار کے بہت سے بچے موجود تھے اس لئے وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے بچوں کو نہیں جانے دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ لا اکراہ فی الدین (بقرہ،۲۵۶) "دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔"

(سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب الاسیر یکرہ علی السلام)

یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ایک طرف تو بعض مورخین کا خیال یہ ہے کہ کوئی بھی عرب قبیلہ من حیث القبیلہ یہودی نہیں ہوا جیسا کہ ابتدا میں گزرا، مگر دوسری طرف بعض مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں کوئی نسلی یہودی نہیں تھا بلکہ یہاں کے تمام باشندے عرب تھے۔ یعقوبی کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے، لیکن نہ اس کی کوئی واضح دلیل موجود ہے اور نہ قرآنی سیاق اور واقعات و شواہد سے اس کی تائید ہوتی ہے بلکہ قرآن مجید کا انداز تخاطب اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ وہ مدینہ کے یہود کو بھی بنی اسرائیل کہہ کر خطاب کرتا ہے جو اس کی واضح دلیل ہے کہ وہ نسلی یہود ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہوگا کہ وہ سب کے سب نسلی یہود تھے اور ان میں کوئی بھی عرب نہ تھا اس لئے کہ روایات اور واقعات اس کا ساتھ نہیں دیتے اور یہ بات قرآنی سیاق کے خلاف بھی نہیں ہے اس لئے کہ بنی اسرائیل کے خطاب میں یہود کی اکثریت کی رعایت مد نظر رکھی گئی ہے کیونکہ عرب کے یہودیوں کی تعداد تو بہت ہی کم تھی۔

مدینہ منورہ کے یہودی قبائل

علامہ سمہودیؒ کی تحقیق کے مطابق یہودی قبائل کی تعداد ۲۰ سے زیادہ تھی۔ جمہور مورخین بھی اسی کے قائل ہیں لیکن بعض نے بارہ اور بعض نے اس سے کچھ کم یا بیش تعداد لکھی ہے۔ جن مورخین نے کم تعداد بتائی ہے انہوں نے بطون کو اصل قبیلوں میں ضم کر دیا ہے اور جنہوں نے تعداد زیادہ بتائی ہے انہوں نے بطون کا الگ سے ذکر کیا ہے۔ راقم کو جن بطون کا نام مل سکا ان کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس طرح قبائل کی تعداد ۳۵ تک پہنچ گئی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

① بنو انیف: عربی قبیلہ ہے۔ قبا میں ان کا قیام تھا۔

② بنو القصیص: یہ بھی بنو انیف کے ساتھ قبا ہی میں مقیم تھا۔

③ بنو قریظہ: یہ یہود مدینہ کے تین بڑے قبیلوں میں سے ایک تھا۔ اس کا قیام حرہ قریظہ میں وادی مہزور کے سرے پر تھا جو مدینہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

④ بنو عمرو: یہ عربی قبیلہ ہے اور بنو قریظہ کے ساتھ ہی مقیم تھا۔

⑤ بنو ہدل: یہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی مقیم تھا۔ بعض مورخین نے اس کا نام بنو بہدل لکھا ہے۔

⑥ بنو نضیر: مدینہ کے یہود کے تین اہم قبیلوں میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اس کا مسکن نواعم میں ودی مذینیب کے انتہائی حصے پر زہرہ میں تھا جو مدینہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اسی وادی میں کعب بن اشرف کا مشہور قلعہ بھی تھا جو قبیلہ طے سے تھا اور جس کے والد نے یہودیت کو اختیار کر لیا تھا۔

⑦ بنو فرید۔

⑧ بنو ماسکہ: بعض مورخین نے اس کو بنو ماسلہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔

⑨ بنو محمم۔

⑩ بنو معاویہ: یہ مدینہ کے مشرق میں آباد تھے۔

⑪ بنو زعورا۔

⑫ بنو زید اللات۔

⑬ بنو قینقاع: یہ بھی یہود کے تین اہم قبیلوں میں سے ایک ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ علامہ ابن حجرؒ اور سمہودی نے اسے حضرت یوسفؑ کی اولاد بتایا ہے۔ یہ قبیلہ صنعت اور زرگری میں مشہور تھا۔ اس کا مسکن وادی بطحان میں تھا۔

⑭ بنو حجر: اس کا قیام زہرہ میں تھا جس کو اس وقت مدینہ کا سب سے بڑا علاقہ بتایا جاتا ہے۔

⑮ بنو ثعلبہ: اس کا مسکن بھی زہرہ تھا۔ عبداللہ بن صوریا جس کو تورات کا بڑا عالم بتایا جاتا ہے، اسی قبیلے کا تھا اور فطیون بھی اسی قبیلے سے ہوا کرتا تھا۔

⑯ یہود جواشیہ: شمالی مدینہ میں احد کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، یہیں اس قبیلے کا قیام تھا۔

⑰ بنو عکوہ۔

⑱ بنو مرابہ۔

⑲ یہود راتج: علامہ سمہودی کی رائے یہ ہے کہ یہ یہود بنو الجذما ہیں جو راتج منتقل ہو گئے تھے۔

⑳ یہود یثرب۔

㉑ بنو ناعصہ: ابن النجار نے اس کو ناعصہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ شعب حرام میں ان کا قیام تھا، جیسا کہ ڈاکٹر خطراوی کا خیال ہے لیکن علامہ سمہودیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بھی بنو انیف کے ساتھ قباہی میں مقیم تھے۔ شعب حرام والی روایت کو انہوں نے مرجوح قرار دیا ہے۔

㉒ یہود زبالہ۔ ㉓ یہود عنابس۔ ㉔ یہود واج۔ علامہ سمہودیؒ نے ان کا تذکرہ کیا ہے جو مختلف علاقوں میں مقیم تھے۔

㉕ یہود بنو لقمعہ۔ ㉖ بنو فرابہ۔ ان دونوں قبیلوں کا ذکر دسویں صدی کے شیخ احمد بن عبدالحمید عباسی نے اپنی کتاب عمدۃ الاخبار میں کیا ہے۔

㉗ بنو الحارث: ابن اسحاق نے بنو الحارثہ کے نام سے اپنی سیرت میں اس کو یہودی قبائل میں ذکر کیا ہے۔ یہ شمال مشرق میں وادی قناۃ کے جنوبی حصے میں مقیم تھے۔

㉘ بنو عوف۔ ㉙ بنو ساعدہ۔ ㉚ بنو النجار۔ ㉛ بنو جشم۔ ㉜ بنو اوس۔ ابن اسحاق نے رسول اللہ ﷺ کے جس عہد نامہ کا ذکر کیا ہے اور جس کو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد لکھوایا تھا اس میں ان قبائل کا ذکر بطور یہود کے موجود ہے۔

㉝ بنو جفنہ: یہ بنو ثعلبہ کے بطون میں سے تھا۔

㉞ بنو شطیبہ: سیرت و تاریخ کی کتابوں میں اس کو بھی یہودی قبائل میں درج کیا گیا ہے۔

㉟ بنو زریق: بدبخت لبید بن اعصم کا تعلق جس نے آنحضرت ﷺ پر جادو کیا تھا، اسی قبیلے سے تھا۔

سیل عرم کے بعد اوس و خزرج کی آمد اور یہود کا غلبہ

یہود مدینہ میں امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے اور ان کو وہاں پورا غلبہ حاصل تھا کہ ملک یمن میں سیل عرم کا مشہور واقعہ پیش آیا جو درحقیقت وہاں کے باشندوں پر ایک عذاب تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاعرضوا فارسلنا علیھم سیل العرم (سبا،۱۶) پھر دھیان میں نہ لائے پس چھوڑ دیا ہم نے ان پر نالہ زور کا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیوی نعمتوں سے مالا مال اور ان کے لئے ہر طرح کے عیش و تنعم کا سامان مہیا کیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے: وجعلنا بینھم وبین القری التی بارکنا فیھا قری ظاھرۃ۔ (سبا،۱۸) اور رکھی تھی ہم نے ان میں ان بستیوں میں جہاں ہم نے برکت رکھی ہے بستیاں راہ پر نظر آتیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: لقد کان لسباء فی مسکنھم ایۃ جنتان عن یمین وشمال کلوا من رزق ربکم واشکروا لہ بلدۃ طیبۃ ورب غفور۔ (سبا،۱۵) قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی، دو باغ داہنے اور بائیں، کھاؤ روزی اپنے رب کی اور اس کا شکر کرو، دیس ہے پاکیزہ اور رب ہے گناہ بخشتا۔

اہل سبا کے سلسلہ وار سر سبز و شاداب علاقے تھے۔ انہیں ہر طرح کی راحت کا سامان مہیا تھا اور وہ بالکل مامون تھے لیکن انہوں نے اللہ کی اس عظیم نعمت کی قدر نہ کی اور ان نعمتوں سے اکتا کر کہنے لگے: ربنا باعد بین اسفارنا۔ (سبا،۱۹) پھر کہنے لگے، اے رب فرق ڈال

ہمارے سفر میں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تاخت و تاراج کر دیا: ومزقناهم كل ممزق۔ (سبا:۱۹) اور چیر کر کر ڈالا ٹکڑے۔

اس سیلاب میں بے شمار لوگ ہلاک ہوئے اور قوم سبا کا شیرازہ بکھر گیا۔ جو باقی بچے ان میں سے کچھ حجاز کی طرف آئے یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ حجاز آنے والوں میں ایک شخص ثعلبہ بن عمرو تھا جس کے دو فرزند تھے۔ ایک کا نام اوس اور دوسرے کا خزرج تھا۔ ان کی اولاد مدینہ میں آباد ہوئی۔ یہ لوگ ایک مدت تک تو یہود سے علیحدہ زندگی بسر کرتے رہے پھر ان کا زور و اثر دیکھ کر بالآخر ان کے حلیف بن گئے۔ ایک عرصے تک یہ حالت باقی رہی لیکن اسی دوران اوس و خزرج کا قبیلہ پھیلتا گیا اور اس کو ایک طرح کی قوت حاصل ہوگئی۔ اس سے یہود کو خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ انہوں نے معاہدہ فسخ کر دیا اور یہودی امرا نے اوس و خزرج پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ ایک بدکار و ظالم یہودی امیر فطیون نے تو یہ حکم جاری کیا تھا کہ جو لڑکی بیاہی جائے پہلے وہ اس کے شبستان عیش میں آئے۔ یہودیوں نے تو اس حکم کو گوارا کر لیا لیکن انصار نے سرتابی کی۔ اس زمانے میں ان کا امیر مالک بن عجلان تھا۔ اپنی بہن کی شادی کے دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ وہ اس کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی اور گھر واپس آکر اس نے اپنی بہن کو سخت تنبیہ کی تو اس پر بہن نے کہا کہ جو کل ہونے والا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانے کپڑوں میں ملبوس سہیلیوں کے ساتھ ہو لیا اور موقع پر فطیون کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعے سے انصار کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے یہود کی قوت کو توڑنا چاہا لیکن یہ تنہا ان کے بس کا کام نہ تھا اس لئے انہوں نے ملک شام سے مدد چاہی۔ یہاں ابوجبیلہ حکمراں تھا اور بعض روایت میں ہے کہ انہوں نے تبع سے مدد چاہی تھی۔ ابوجبیلہ نے اوس و خزرج کا ساتھ دیا اور ایک بھاری فوج لے کر آیا۔ پہلے تو اوس و خزرج کے افراد کو بلا کر انعام سے نوازا پھر روسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح یہود کا زور ٹوٹ گیا اور اوس و خزرج نے از سر نو قوت حاصل کر لی۔ اس سے قبل ان کو اپنی کمزوری کی بنا پر یہود سے معاہدے کی ضرورت پیش آئی تھی اور اب انہی قبائل سے خود یہود معاہدہ کرنے کے لئے مجبور ہوئے۔ بنونضیر اور بنوقریظہ کو تو شہر چھوڑ کر جانا اور اوس کی پناہ لینی پڑی۔ بنوقینقاع شہر ہی میں خزرج کی پناہ میں رہے۔ اول الذکر دونوں قبیلوں سے ان کی ان بن تھی اور یہ قبیلہ ان سے قوت و سرمایہ داری میں بڑھا ہوا تھا۔

اوس و خزرج کا باہمی جدال و قتال

یہودیوں کی اس پسپائی کے بعد اوس و خزرج ایک مدت تک امن و چین سے زندگی گزارتے رہے لیکن مکر و سازش یہود کی سرشت میں داخل ہے۔ ان کو اوس و خزرج کا اتحاد و استحکام ایک نظر نہیں بھاتا تھا اس لئے وہ دن رات ان میں انتشار پیدا کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے گو خود ان کی صفوں میں بھی اتحاد نہ تھا تاہم وہ اپنی کوشش میں برابر لگے رہے۔ بالآخر ان کی کوششیں رنگ لائیں اور وہ اوس و خزرج کے درمیان تفرقہ ڈالنے میں کامیاب ہوگئے۔ چنانچہ ان میں جنگ و جدال شروع ہوگیا اور اس کا سلسلہ ایک سو بیس سال تک جاری رہا۔ جنگ بعاث اسی سلسلے کی کڑی ہے جس میں ان کی معیشت کی بربادی کے علاوہ ان کے اہم ترین افراد بھی کام آئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس عظیم نعمت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر الفت و محبت پیدا کر دیا۔ ارشاد ہے: واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا۔ (آل عمران، ۱۰۳) اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہوگئے اس کے فضل سے بھائی۔

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد بھی یہودیوں نے اپنی دسیسہ کاریوں میں کوئی کمی نہیں کی اور وہ برابر اوس و خزرج میں پھوٹ ڈالنے اور انہیں تباہ و برباد کرنے کی سعی و سازش کرتے رہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"یہ لوگ علوم انبیا و معارف اولیا کے حامل تھے، مالدار تھے، ساہوکار تھے، ساتھ ہی ساتھ سفلی عملیات سحر و کہانت کے بھی بڑے ماہر تھے۔ حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بنا پر اہمیت انہیں اس وقت اچھی خاصی حاصل تھی۔ مشرکین ایک طرف تو ان کے علم و فضل کے قائل اور ان کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے تو دوسری طرف اکثر ان کے قرض دار بھی رہا کرتے تھے گویا دینی و دنیوی اکثر حاجتوں میں انہی کو مشکل کشا جانتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم و قاہر قوموں کے تمدن سے کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب و متاثر ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی ان سے متاثر تھے۔" (تفسیر ماجدی ج۱، ص۸۶)

مولانا کے اس بیان سے یہود کی عظمت و برتری کا ایک اجمالی خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ اب ان کی معاشی، اقتصادی، تعلیمی، ثقافتی، سیاسی و اجتماعی حالت کا جائزہ تفصیل سے لیا جاتا ہے۔

معاشی و اقتصادی حالت

اوس و خزرج کی آمد سے پہلے زراعت و صناعت پر یہود کا پورا غلبہ تھا اور تجارت ہی ان کا خاص پیشہ تھا اور ان کے بعض افراد ممتاز تاجر کی حیثیت سے نہایت مشہور تھے۔ چنانچہ سلام بن ابی الحقیق تاجر اہل الحجاز کہلاتے تھے۔ گیہوں، جو، کھجور اور شراب کی منڈیوں پر یہودی قابض تھے۔ اس لئے اقتصادی حیثیت سے ان کی حالت بہتر تھی۔ انصار غالب ہوئے تو زراعت پر ان کا قبضہ ہو گیا لیکن صنعت و تجارت اب بھی یہود ہی کے ہاتھ میں رہی اور زراعت کی کمی پورا کرنے کے لئے انہوں نے سودی قرضے دینے شروع کر دیئے جس سے ان کو کافی آمدنی ہوئی۔

سیاسی استحکام کے باوجود اوس و خزرج کے معاشی عدم استحکام کے کئی اسباب تھے۔

پہلا سبب خود ان کی باہمی معرکہ آرائیاں تھیں جنہوں نے ان کو تباہ کر کے رکھ دیا اور جن کی وجہ سے یہودیوں کو پھر سر اٹھانے کا موقع ملا۔ دوسرا سبب یہود کی بد باطن فطرت ہے۔ ان کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ وہ نہایت حریص و طماع اور ذخیرہ اندوز واقع ہوئے تھے۔ اس کے مقابلے میں عرب اپنے بدوی مزاج کی وجہ سے مستقبل کی فکر سے آزاد اور مال جمع کرنے کے معاملے میں بے پروا تھے۔ ان کی مہمان نوازی اور فیاضی ضرب المثل تھی اس لئے وہ اکثر یہود سے قرض لینے کے لئے مجبور رہتے تھے۔

تیسری وجہ زراعت کا پیشہ ہے جس میں عام طور سے قرض لینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور انصار کا سارا دار و مدار اسی پر تھا۔ اس بنا پر یہود کو ان کے استحصال کا پورا موقع ملا اور سیاسی مغلوبیت کے باوجود ان کی معاشی برتری قائم رہی۔

اقتصادیات پر تسلط کی وجہ سے یہود منڈیوں میں من مانی کرتے۔ مصنوعی قلت پیدا کر کے چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی اور ان جیسی دوسری شرمناک حرکتوں کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگی تھی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ نفرت کا سبب ان کے یہ گھناؤنے افعال تھے ورنہ اہل مدینہ کے نزدیک ان کا علمی و دینی تفوق مسلم تھا۔

تعلیمی و ثقافتی حالت

بلاد عرب کے یہود کی زبان عربی تھی لیکن اس میں کسی حد تک عبرانی کی بھی آمیزش ہو گئی تھی، اس لئے کہ انہوں نے عبرانی زبان کا استعمال پوری طرح ترک نہیں کیا تھا بلکہ عبادات اور دینی اصطلاحات میں وہ عبرانی ہی کو استعمال کرتے تھے۔ عربوں کے نزدیک وہ علمی و تعلیمی حیثیت سے ممتاز تھے اور باوجودیکہ یہود سے اوس و خزرج کی مستقل کشمکش رہتی تھی تاہم انہیں بھی یہود کے علم و فضل اور دینی واقفیت کا اعتراف تھا۔

یہود کے مختلف تعلیمی مراکز بھی قائم تھے جہاں ان کے دینی و دنیوی امور اور شرعی احکام کی تعلیم کے علاوہ ان کے انبیا کے حالات و تاریخ پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ مراکز مدارس کے نام سے موسوم کئے جاتے تھے جو صرف درس و تعلیم ہی کے لئے مخصوص نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں اجتماعی و سیاسی امور و مسائل کے بارے میں بھی مشورے ہوتے تھے۔ یہ مراکز علمائے یہود کے زیر نگرانی اپنی خدمات انجام دیتے تھے جن میں اہم نام عبداللہ بن سلام کا تھا جن کو بعد میں

اللہ نے نعمت اسلام سے مشرف فرمایا۔ دوسرا نام عبداللہ بن صوریا کا لیا جاتا ہے جن سے زیادہ بڑا عالم اور تورات میں درک رکھنے والا ان کے زمانے میں کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ علامہ ابن اسحاق فرماتے ہیں لم یکن فی زمانہ اعلم بالتوراۃ منہ۔

بعض صحیح احادیث میں بھی ان مراکز کا ذکر اور اس کا ثبوت موجود ہے کہ حضور اقدس ﷺ ان میں تبلیغ و دعوت کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے رایت ہے:

اس اثنا میں کہ ہم لوگ مسجد میں تھے کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ یہود کے پاس چلو۔ چنانچہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ گئے یہاں تک کہ مدارس میں پہنچے۔ وہاں نبی ﷺ نے یہود کو پکار کر فرمایا کہ اے یہودی لوگو! اسلام لاؤ تو تم سلامت رہوگے۔ یہود نے کہا، ابوالقاسم آپ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں میرا یہی مقصد تھا۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا تو انہوں نے کہا، ابوالقاسم آپ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا کہ تم لوگ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں تم لوگوں کو جلاوطن کرنا چاہتا ہوں تو تم سے جس کا کوئی مال ہو اس کو اسے بیچ دینا چاہئے ورنہ یہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔

آپ ﷺ کی اقتدا میں بعض صحابہ کرام بھی ان مرکزوں میں دعوت دین کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ وہاں جا کر ان کو آنحضرت ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتے اور لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے۔

سیاسی واجتماعی صورت حال

اوس و خزرج سے شکست کے بعد یہود اپنی مخصوص بستیوں میں رہتے تھے جن میں قلعے اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے امرائے مدینہ سے معاہدے کئے اور روسائے عرب کو اپنا حلیف بنایا۔ ان کے تینوں بڑے مشہور قبائل بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر میں ان بن رہتی تھی جو بڑھ کر جنگ و جدال کی صورت بھی اختیار کر لیتی تھی۔ ڈاکٹر ولفنسن لکھتا ہے:

"بنی قینقاع اور دوسرے یہودیوں میں چلی آرہی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ وہ قبیلۂ خزرج کے ساتھ یوم بعاث میں شریک تھے۔ بنی نضیر و بنی قریظہ نے بڑی بے دردی سے کشت و خون کر کے ان کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا حال آنکہ انہوں نے گرفتار ہونے والے تمام یہود کا فدیہ بھی ادا کر دیا تھا۔ یوم بعاث کے بعد ہی سے یہودی قبائل میں نزاع کی بنا پر جب بنو قینقاع اور انصار کے درمیان جنگ ہوئی تو ان کا کسی یہودی نے ساتھ نہیں دیا۔"

قرآن مجید میں بھی یہود کی اس باہمی عداوت اور خانہ جنگی کا ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دماء کم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم ثم اقررتم وانتم تشھدون ثم انتم ھولاء تقتلون انفسکم وتخرجون فریقا منکم من دیارھم تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان وان یاتوکم اساریٰ تفادو ھم وھو محرم علیکم اخراجھم۔ (بقرہ ۸۴،۸۵)

"اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا نہ کروگے خون آپس میں اور نہ نکال دوگے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو، پھر تم ویسے ہی خون کرتے ہو اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ سے اور ظلم سے اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کی قید میں پڑے تو ان کی چھڑوائی دیتے ہو اور وہ بھی حرام ہے تم پر ان کا نکال دینا۔"

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب آنحضرت ﷺ کے معاصر علمائے یہود ہیں۔ آیات بالا سے قبل ثم تولیتم الا قلیلا منکم (بقرہ ۸۳) کہا گیا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہاں سے خطاب آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود سے ہو گیا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"یہود کے جو قبیلے عہد نبوی ﷺ میں مدینہ اور جوار مدینہ میں آباد تھے ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ باہمی خانہ جنگیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ مشرکین مدینہ دو بڑی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک اتحاد اوس کا تھا، دوسرا خزرج کا۔ اسرائیلیوں کے بھی بڑے قبیلہ بنی

نضیر و بنی قریظہ وغیرہ ایسا ہی کرتے کہ ان میں سے ایک مشرکین کے ایک جتھے کے ساتھ ہوجاتا اور دوسرا دوسری پارٹی کے ساتھ اور پھر جنگ جب شروع ہوجاتی تو ظاہر ہے کہ وہ سب کچھ ہوتا جو جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ جلاوطنی اسرائیلی کا قتل اسرائیلی کے ہاتھ سے وغیرہ۔ اس آیت میں عہد نبوی ﷺ کے معاصر اسرائیلیوں کی یہی خصوصیات بے نقاب کی جارہی ہیں۔"

یہ بات بھی واضح رہے کہ قبائل اوس و خزرج میں انتشار پیدا کرنے والے یہی یہود تھے جو خود ان کی باہمی خانہ جنگی کا سبب بن گیا تھا تاہم وہ یہ بات خوب جانتے تھے کہ ان قبائل کا اتحاد ان کے لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں اور اس سے ان کے معاشی استحکام کو بڑا خطرہ لاحق ہوگا اس لئے وہ اس فکر میں رہتے کہ ان میں اتحاد نہ ہوسکے لیکن جب رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اللہ نے ان کو ملادیا تو وہ ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کردینے کے لئے ہردم تگ ودو کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اسلام لانے کے بعد اوس و خزرج کے چند اشخاص آپس میں گفتگو کررہے تھے کہ ایک معمر یہودی وہاں سے گزرا۔ اس کو ان کا یہ میل ملاپ بالکل نہ بھایا اور اس نے ان کے درمیان بیٹھ کر ان کو برانگیختہ کرنے کے لئے جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا جس سے وہ لوگ برافروختہ ہوگئے لیکن اچانک آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لائے اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ اس طرح کے اور بھی متعدد واقعات ہیں جن سے یہود کے سازشی اور فتنہ پرور ذہن کا اندازہ ہوتا ہے کہ باہمی جنگ و جدال کے باوجود انہیں دوسروں کا اتحاد کسی طرح گوارا نہیں تھا۔

یہود کی شریعت ان کی عبادات و معاملات اور تورات میں ان کی تحریفات

یہود صاحب شریعت تھے اور عبادات و معاملات میں اسی کی پابندی کرتے تھے، لیکن ان کی شریعت کا بعض حصہ تو تورات سے ماخوذ تھا اور بعض احکام ان کے علما اور کاہنوں کے وضع کردہ تھے۔ ان کے بعض شرعی دینی احکام کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔ ان کے یہاں جشن کے خاص ایام مقرر تھے۔ سب سے مشہور عید الحصاد تھی جو سال کے ابتدا میں منائی جاتی تھی۔ اسی طرح وہ عید الفطر مناتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو لے کر ہجرت فرمائی تھی اور ان کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ سبت (ہفتہ) کو وہ سب سے مقدس دن مانتے تھے اس لئے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ ان کے یہاں نماز کے احکام و مسائل بھی تھے لیکن اس کی متعین شکل و ہیئت کا پتا لگانا مشکل ہے۔ اسلام کے برخلاف یہودیوں کے یہاں نماز کے احکام و قوانین زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے اور ان میں اصلاح و تجدید کا عمل بھی ہوتا رہا۔ ان کے یہاں صدقہ و زکوٰۃ کے بھی بعض احکام پائے جاتے تھے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر زمین کی پیداوار اور جانوروں میں ایک عشر یعنی دسواں حصہ نیز بیس برس یا اس سے زیادہ عمر والے پر خواہ امیر ہو یا غریب، آدھا مثقال و دینار واجب تھا۔ ساتھ ہی غلہ کاٹتے وقت گرا پڑا اناج، کھلیان کی منتشر بالیاں اور پھل والے درختوں میں کچھ پھل چھوڑ دیتے تھے جو مال کی زکوٰۃ تھی اور عملاً ہر تیسرے سال واجب الادا ہوتی تھی۔"

حضرت سید صاحبؒ نے ان کی زکوٰۃ کے بعض مصارف کی تفصیل بھی قلم بند کی ہے۔ کچھ خاص ایام میں وہ اجتماعی یا انفرادی طور سے روزہ بھی رکھتے تھے۔ عاشورا کے روزے کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہود عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بہت بڑا دن ہے جس میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق آب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے لئے روزہ رکھا ہم بھی اسی لئے روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ موسیٰ کے حق دار ہیں اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا اور صحابۂ کرام سے فرمایا کہ تم لوگ یہود سے زیادہ موسیٰ کے حق دار ہو اس لئے روزہ رکھو۔

ابتدا میں مسلمانوں پر عاشورا کے ہی روزے فرض تھے لیکن جب

رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کے روزے کی فرضیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ عاشورا کے علاوہ یہود دوسرے ایام میں بھی روزے رکھتے تھے لیکن یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

ان کی شریعت حج کے حکم سے بھی خالی نہیں تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی حج کیا تھا۔ اس کے علاوہ جو احکام و قوانین ان کے یہاں رائج تھے ان کی شکل و ہیئت انہوں نے مسخ کر ڈالی تھی۔ تورات میں ان کے علما و احبار کی آرا داخل ہوگئی تھیں۔ ان کا دعویٰ تو یہ تھا کہ وہ اپنی عبادات و معاملات وغیرہ میں تورات کے احکام کے پابند ہیں لیکن انہوں نے ان کو اپنی خواہشات کے مطابق کر لیا تھا۔ حدود اللہ کا نفاذ ان کے یہاں صرف پسماندہ طبقے کے لئے مخصوص تھا۔ قرآن مجید نے بھی تورات میں تحریف کا مجرم انہیں گردانا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللّٰہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون۔ (البقرہ:۷۵)

"اب کیا تم مسلمان توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ایک لوگ تھے ان میں کہ سنتے کلام اللہ کا اور پھر اس کو بدل ڈالتے بوجھ لے کر اور ان کو معلوم ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ۔ (مائدہ:۱۳)

"بدلتے ہیں کلام کو اپنے ٹھکانے سے اور بھول گئے ایک فائدہ لینا اس نصیحت سے جو ان کو کی تھی۔"

غرض شریعت الٰہی اور تورات میں قطع و برید یہود کے علما و احبار کا دل پسند مشغلہ ہوگیا تھا۔

ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں یہود کی تعداد

ہجرت کے وقت یہود کی کل تعداد کیا تھی اس کا پتا لگانا مشکل ہے تاہم بعض روایات میں ان کے مشہور اور بڑے قبائل کے افراد کی تعداد مذکور ہے جس کو بیان کیا جاتا ہے۔

بنو قینقاع کے بارے میں عام اتفاق ہے کہ ان کے مقاتلین کی تعداد ۷۰۰ تھی۔ ان میں سے تین سو زرہ میں ملبوس تھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ غیر مقاتلین اور عورتوں کو ملا کر یہ تعداد ایک ہزار سے متجاوز رہی ہوگی۔

بنو قریظہ کی تعداد کا تھوڑا بہت اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جس میں ان کی بد عہدی کے نتیجے میں حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلے کے مطابق ان کے بالغ مردوں کے قتل اور عورتوں اور بچوں کی قید کا ذکر ہے۔ اصحاب سیر نے ان کی تعداد ۶۰۰ سے ۹۰۰ تک لکھی ہے، لیکن محدثین ان کی تعداد صرف ۴۰۰ بتاتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر اور دوسرے مورخین نے اس اختلاف کو بیان کر کے اس میں کوئی تطبیق نہیں دی ہے۔ دار العلوم ندوۃ العلما کے شیخ الحدیث اور راقم کے استاذ مولانا ناصر علی صاحب کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے کم تعداد بتائی ہے انہوں نے صرف جنگجو جوانوں ہی کو محسوب کیا ہے اور جنہوں نے تعداد زیادہ لکھی ہے انہوں نے مقتولین کو بھی شمار کر لیا ہے۔ اب اگر ۴۰۰ کی تعداد کو مان لیا جائے تو عورتوں کو شامل کرنے کے بعد کل تعداد ۸۰۰ کے قریب ہوگی۔

بنو نضیر کی تعداد کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ ایک روایت میں ان کے اونٹوں کی تعداد ۶۰۰ بتائی گئی ہے جیسا کہ علی مقریزی نے لکھا ہے۔ اسی تعداد کا ذکر صاحب سیرۃ حلبیہ اور صاحب مواہب لدنیہ نے بھی کیا ہے۔

دوسری روایت حافظ ابن کثیر نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں اعطی کل ثلاثۃ بعیرا یعتقبونہ

ان دونوں روایتوں کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی کل تعداد ۱۸۰۰ کے قریب ہوگی، اس لئے کہ چھ سو اونٹ تھے اور ہر تین آدمیوں کو ایک اونٹ دیا گیا تھا۔

اس طرح تینوں قبائل کی کل تعداد کم و بیش ساڑھے تین ہزار کے قریب رہی ہوگی۔ رہے دوسرے قبائل تو ان کے افراد کی تعداد بہت کم تھی۔ ان سب کا تخمینہ ہزار ڈیڑھ ہزار ہوگا۔ ایسی صورت میں مدینہ کے یہود کی کل آبادی ساڑھے چار ہزار رہی ہوگی، لیکن یہ سب ظن و تخمین پر مبنی ہے ورنہ اس سلسلے میں کوئی قطعی اور صریح تاریخی ثبوت موجود

نہیں ہے۔

اسلام کے بارے میں یہودی موقف

علامہ سمہودیؒ نے یہودی قلعوں کی میزان ۵۹ لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔ قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود ایک نبی کے منتظر تھے اور اس کا تذکرہ وہ اوس و خزرج سے کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ماعرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللّٰہ علی الکافرین۔ (البقرہ:۸۹)

"اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جو پہچان رکھا تھا اس سے منکر ہوئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر۔"

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہود کا تذکرہ ہے۔ عوفیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت مشرکین عرب پر ان کے غلبہ کا پیش خیمہ ہوگی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ولا تلبسوا الحق بالباطل و تکتموا الحق و انتم تعلمون۔ (البقرہ:۴۲)

"اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور یہ کہ چھپاؤ سچ کو جان کر۔"

امام طبریؒ نے اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

"تم کو میرے رسول اور اس کے ساتھ آنے والی ہدایت کا جو علم ہے اسے نہ چھپاؤ درآنحالیکہ تم کو اپنی کتابوں کے ذریعے اس نبی کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔"

امام طبری مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں:

"اہل کتاب محمد ﷺ کے بارے میں کتمان سے کام لیتے تھے حال آنکہ وہ اپنی کتابوں تورات و انجیل میں ان کو لکھا ہوا پاتے تھے۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں واضح خبر دی جا چکی تھی اور یہود اس کو خوب اچھی طرح سے جانتے تھے اسی لئے اللہ کا ارشاد ہے: یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم (البقرہ:۱۴۶)

عاصم بن قتادہ انصاری اپنی قوم کے لوگوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ خدا کی رحمت کے بعد جو چیز ہمارے اسلام قبول کرنے کا سبب بنی وہ یہ کہ ہم تو مشرک و بت پرست تھے اور یہود صاحب علم و صاحب کتاب تھے۔ ہم میں اور ان میں جنگ و جدال ہوا ہی کرتی تھی تو جب بھی ان کو ہم سے کچھ زک اٹھانی پڑتی تو وہ کہتے کہ ایک نبی کا زمانہ قریب آگیا ہے، اس کے ساتھ مل کر ہم تم کو عاد و ثمود کی طرح قتل کر دیں گے۔ یہ بات ہم اکثر ان سے سنا کرتے تھے۔ چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ نے دعوت اسلام دی تو ہم نے یہ سمجھ کر اس پر لبیک کہا کہ یہ وہی نبی منتظر ہیں جن کا ذکر یہود کیا کرتے تھے اس لئے قبول اسلام میں ہم نے دیر نہیں کی لیکن یہود نے آپ ﷺ کو جھٹلا دیا۔

یہود اپنے کو اللہ کا مقرب و محبوب گردانتے تھے اس لئے ان کا خیال تھا کہ نبی انہی کے اندر سے مبعوث کیا جائے گا اور یہ فضل و امتیاز انہی کو حاصل ہوگا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ان کی اسی ذہنیت کی اس طرح عکاسی کی گئی ہے:

وقالت الیہود و النصاری نحن ابناء اللّٰہ و احباء (مائدہ:۱۸)

"اور کہتے ہیں یہود اور انصاری ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یدعون الی کتاب اللّٰہ لیحکم بینھم ثم یتولی فریق منھم وھم معرضون ذلک بانھم قالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودات و غرھم فی دینھم ما کانوا یفترون۔ (آل عمران:۲۳،۲۴)

"تونے نہ دیکھے وہ لوگ جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ کتاب کا ان کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب پر کہ ان میں حکم کریں پھر ہٹ رہتے ہیں بعض ان میں تغافل کر یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ مگر کئی دن گنتی کے اور بہکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر۔"

ان کی توقع کے برخلاف جب نبی کی بعثت بنی اسماعیل میں ہوئی تو ان کو بہت ناگوار ہوا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ان کی قیادت و سیادت کے خاتمے کا اعلان ہے اس لئے وہ آپ ﷺ کی عداوت اور مخالفت پر

کمربستہ ہوگئے اور پوری طرح اسلام کی بیخ کنی میں لگ گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے انکار پر بعض انصاریوں نے جب ان پر لعن طعن کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو، ہم تو بت پرست تھے اور تم ہی ہمیں محمد ﷺ کی بعثت کی اطلاع دیا کرتے تھے اور ہم سے آپ ﷺ کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے تو سلام بن مشکم نے کہا کہ یہ شخص وہ احکام لے کر مبعوث نہیں ہوا ہے جن کو ہم جانتے ہیں اور نہ یہ وہ نبی ہیں جن کا تذکرہ ہم تم سے کیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

فلما جاءھم کتاب من عند اللّٰہ مصدق لما معھم و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللّٰہ علی الکافرین بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللّٰہ بغیا ان ینزل اللّٰہ من فضلہ علی من یشاء من عبادہ فباء و ابغضب علی غضب و للکافرین عذاب مھین۔

(البقرہ: ۸۹، ۹۰)

"اور جب ان کو پہنچی کتاب اللہ کی طرف سے سچا بتاتی ان کے پاس والی کو اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جو پہچان رکھا تھا اس سے منکر ہوئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر، برے مول خریدا اپنی جان کو کہ منکر ہوئے اللہ کے اتارے کلام سے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سو کما لائے غصہ پر غصہ اور منکروں کو عذاب ہے ذلت کا۔"

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے آگاہ تھے اور آپ ﷺ کے منتظر بھی تھے، لیکن اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر انہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب و انکار کو اپنا شیوہ بنا لیا۔ جب اسلام نے یہود کی محرف تعلیمات کی نشان دہی کر کے ان کا استیصال کرنا چاہا تو وہ انکار و تکذیب کے علاوہ آپ ﷺ کے درپے آزار بھی ہوگئے اور دوسروں کو بھی اس کے لئے آمادہ کرتے تھے۔ اپنے اسی گھٹیا مقصد کی تکمیل کے لئے انہیں شرک و وثنیت سے سازباز کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ ہوا۔ ایک مرتبہ ایک یہودی سے مشرکوں نے کہا کہ تم علم والے اہل کتاب ہو یہ بتاؤ کہ ہم بہتر ہیں یا یہ نیا دین لانے والے؟ تو اس یہودی نے صاف کہہ دیا کہ تم ان سے بہتر ہو۔

یہودی مستشرق ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتے ہیں کہ یہود کی دشمنی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام نے یہود کے تحریف شدہ عقائد و احکام پر کاری ضرب لگائی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگر رسول اللہ (ﷺ) کی تعلیمات صرف بت پرستی کی بیخ کنی ہی کے لئے ہوتیں اور یہود کو آپ (ﷺ) کی رسالت کے اعتراف کا مکلّف نہ بنایا جاتا تو یہود اور مسلمانوں کے درمیان کوئی نزاع نہ ہوتا اور یہود آپ (ﷺ) کی تعلیمات کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے اور جان و مال دونوں سے آپ (ﷺ) کی مدد کرتے کہ صنم پرستی کی بیخ کنی ہوجاتی اور بت پرستی کے عقیدہ کا خاتمہ ہوجاتا بشرطے کہ آپ (ﷺ) یہود سے اور ان کے دین سے کوئی تعرض نہ کرتے اور انہیں اس نئی رسالت کے اعتراف کا مکلّف نہ قرار دیتے اس لئے کہ یہودی ذہنیت کسی بھی ایسی چیز کے سامنے جھک نہیں سکتی جو اس کو اس کے دین سے ہٹا دے۔ اس کے لئے تو اس کا تصور بھی مشکل تھا کہ بعثت بنی اسرائیل کے علاوہ کہیں اور ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ احکام الٰہی کی تحریف، انبیا کی تکذیب اور ان کی ایذا رسانی یہود کی عادت ثانیہ بن چکی تھی جس کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے ان کے لئے ذلت و نکبت اور مغضوبیت مقدر ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ضربت علیھم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللّٰہ و حبل من الناس و باء و بغضب من اللّٰہ و ضربت علیھم المسکنۃ ذلک بانھم کانوا یکفرون بایات اللّٰہ و یقتلون الانبیاء بغیر حق ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون۔ (آل عمران: ۱۲۱)

"ماری گئی ہے ان پر ذلت جہاں دیکھئے سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے اور کما لائے غصہ اللہ کا اور ماری ہے ان پر محتاجی، یہ اس واسطے کہ وہ رہے ہیں منکر اللہ کی آیتوں سے اور مارتے رہے نبیوں کو ناحق یہ اس لئے کہ وہ بے حکم ہیں اور حد سے بڑھتے ہیں۔"

م ر

مرثد غنوی: صحابی رسول ﷺ۔ ابتدائے اسلام ہی میں اسلام قبول کیا اور آنحضور ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ چلے گئے۔ نہایت بہادر تھے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے قیدیوں کو مدینہ لے جانے کا کام انہی کے ذمے لگایا تھا۔

م ز

مزاج نبوی ﷺ: ⇦ عادات نبوی ﷺ۔

م س

مسانید: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ وہ کتب احادیث جن میں احادیث کو صحابہ کرامؓ کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہو، یعنی ایک صحابی کی تمام مرویات ایک مرتبہ میں ذکر کر دی جائیں خواہ وہ کسی باب سے متعلق ہوں، پھر دوسرے صحابی کو وہلم جرا۔ پھر ان میں بعض اوقات حروف تہجی کی ترتیب کا اعتبار ہوتا ہے بعض اوقات سابقیت فی الاسلام کا اعتبار کر کے ایسے صحابی کی حدیث کو پہلے رکھا جاتا ہے اور بعض اوقات فضیلت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ نیز طبقات مہاجرین اور انصار کی ترتیب پر بھی مسانید کو مرتب کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے مسند حضرت نعیم بن حماد نے لکھی۔ اس کے بعد بے شمار کتابیں لکھی گئیں، یہاں تک کہ اس زمانے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ کوئی بڑا محدث ایسا نہیں کہ جس نے مسند نہ لکھی ہو۔ چنانچہ امام بخاریؒ کے بہت سے اساتذہ مسانید کے مولف ہیں۔ نیز عثمان بن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے بھی مسانید لکھی ہیں۔ ان مسانید میں مسند اسد بن موسیٰ، مسند عبد بن حمید، مسند البزار، اور مسند ابی یعلیٰ معروف ہیں۔

آج کل تین مسانید مطبوعہ شکل میں ملتی ہیں اور معروف ہیں: ایک مسند ابوداؤد طیالسیؒ جو دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ دوسری مسند حمیدی جو مجلس علمی نے شائع کی ہے۔ اس کے مصنف امام بخاریؒ کے استاد ہیں۔ تیسری مسند امام احمدؒ جو نہایت جامع مسند ہے، اور سب سے زیادہ مشہور و متداول ہے۔ حال ہی میں علامہ ابن الساعاتیؒ نے اس کو ابواب کی ترتیب پر مرتب کر کے شائع کیا ہے جو "الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ" کے نام سے معروف ہے۔

مستخرج: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کو اپنی ایسی سند سے روایت کیا گیا ہو، جس میں مصنف کا واسطہ نہ آتا ہو، جیسے "مستخرج ابی عوانہ علیٰ صحیح مسلم"، جس میں انہوں نے صحیح مسلم کی روایات ایسی سند سے روایت کی ہیں جس میں مصنف کا واسطہ نہیں آتا۔ اسی طرح "مستخرج ابی نعیم علیٰ صحیح مسلم۔"

مستدرک: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ ایسی کتب حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب حدیث کی چنیدہ ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جو مذکورہ کتاب کی شرائط کے مطابق ہوں۔ صحیحین پر متعدد علما نے مستدرک لکھی ہے، جن میں "کتاب الالزامات للدارقطنی" اور "المستدرک علی الصحیحین للحافظ ابی ذر عبد" مشہور ہیں۔ لیکن مشہور ترین کتاب امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری کی "المستدرک علی الصحیحین" ہے جو سب سے زیادہ رائج رہی ہے۔ اس میں انہوں نے وہ احادیث نقل کی ہیں جو صحیحین میں موجود نہیں، لیکن ان کے خیال میں بخاری یا مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں۔

لیکن امام حاکمؒ تصحیح احادیث کے معاملے میں بہت متساہل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بہت سی حسن، ضعیف، منکر، بلکہ موضوع احادیث کو بھی صحیح علیٰ شرط صحیحین قرار دے کر مستدرک میں داخل کر دیا ہے۔ اس لئے حافظ ذہبیؒ نے اس کی تلخیص کر کے امام حاکم کی غلطیوں پر تنبہ کیا ہے۔ یہ تلخیص حاکم کی مستدرک کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

جب تک حدیث کے بارے میں وہ صحت کی تصدیق نہ کر دیں اس وقت تک محض حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

✽ **مسجد:** اللہ کا گھر، مسلمانوں کی عبادت کی خاص جگہ۔ اسلام کی سب سے پہلی مسجد، مسجد قبا ہے۔ یہ مسجد رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے دوران قبا نامی مقام پر قیام کے دوران تعمیر فرمائی تھی۔ ⇦ قبا، مسجد۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر آنحضور ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ ⇦ مسجد نبوی

اسلام میں سب سے افضل مسجد حرام ہے۔ یہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اس کے بعد مسجد نبوی کا درجہ آتا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

✽ **مسجد ذباب:** وہ مقام جہاں غزوۂ احزاب کے دوران نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی اور اپنا خیمہ لگایا تھا۔ اس جگہ پر اب مسجد قائم ہے۔ یہ مقام جبل سلع کے شمال میں واقع ہے۔

✽ **مسجد رایہ:** وہ مقام جہاں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے زمین پر اپنا "رایہ" (جھنڈا) نصب فرمایا تھا۔

✽ **مسجد شمس:** وہ مقام جہاں نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کے محاصرے کے دوران چھ روز نماز ادا فرمائی تھی۔ اس جگہ پر اب ایک مسجد ہے۔ یہ مسجد، مسجد قبا کے مشرق میں صرف چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔

✽ **مسجد ضرار:** وہ مسجد جو منافقین نے اسلام کے خلاف سازشیں تیار کرنے کے لیے تعمیر کی تھی۔ ⇦ ضرار، مسجد۔

✽ **مسجد عقبہ:** عقبہ کے مقام پر مسجد جہاں ۱۰ نبوی میں نبی کریم ﷺ مکہ کے باہر سے آئے ہوئے کئی قبائل کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ عقبہ کے مقام پر قبیلہ خزرج کے چند لوگ نظر آئے، انہیں اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ یہ چھے افراد تھے۔ اس کے بعد سے یثرب کے قبائل نے آکر اسلام قبول کرنا شروع کیا اور آنحضرت ﷺ کے لیے مدینہ جانے کی راہ ہموار ہوئی۔

✽ **مسجد علی:** مسجد علی طائف کے قریب واقع ایک مقام، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ طائف سے واپسی پر زخمی ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے آرام فرمایا اور یہیں پر عقبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے نصرانی غلام سیدنا عداس نے آپ ﷺ کی خدمت میں انگور پیش کئے۔

مسجد علی کے قریب ہی ایک "مسجد حبشی" ہے جس کے متعلق بھی لوگوں کا یہی خیال ہے۔ تاہم مسجد علی یا مسجد حبشی دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں یہ بات درست ہے۔

✽ **مسجد فتح:** ⇦ فتح، مسجد۔

✽ **مسجد قبا:** ہجرت مدینہ کے سفر کے دوران قبا کے قیام کے وقت نبی کریم ﷺ نے جو مسجد تعمیر کرائی، "مسجد قبا" کہلاتی ہے۔ ⇦ قبا، مسجد۔

✽ **مسجد قبلتین:** مدینہ سے شمال مغرب میں ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ایک مسجد۔ روایات کے مطابق لوگ اس مسجد میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر انہیں اطلاع دی کہ نبی کریم ﷺ پر تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے نماز ہی میں بیت المقدس سے رخ پھیر کر بیت اللہ کی طرف کر لیا، اسی لئے اس کو مسجد قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) کہتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ جب تک مکہ میں مقیم رہے، مسجد حرام میں اس طرح نماز ادا فرماتے کہ دائیں طرف رکن اسود اور بائیں جانب رکن یمانی ہوتا۔ اس طرح ہر دو قبیلے آپ ﷺ کے روبہ رو ہوتے۔ ہجرت کے بعد یہ صورت ممکن نہ ہو سکی کہ دونوں قبیلوں کو جمع کر سکیں۔ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تو کعبۃ اللہ کی طرف پشت ہو جاتی۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جن باتوں میں وحی نہ آتی اس میں بنی اسرائیل کے انبیا کی موافقت فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تالیف قلوب کے لئے بیت المقدس ہی کو قبلہ رہنے دیا۔ یہود سمجھنے لگے کہ مسلمان بہت سی باتیں ان جیسی کرتے ہیں ہم انہیں آہستہ آہستہ جذب کرلیں گے لیکن تحویل قبلہ سے ان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔

بنی اسرائیل کے قبلہ کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھنے کی مدت حضرت قتادہؓ کی روایت کے مطابق سولہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیان کے بموجب سترہ مہینے کی ہے۔ مورخ طبری نے اٹھارہ مہینے بعد لکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ محسوس کیا کہ یہودی کسی طرح بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں اور اب تو یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ قبلہ کے معاملے میں تو ہماری موافقت اور دین میں مخالفت، یہ عجیب تضاد ہے تو یہ باتیں سن کر آپ ﷺ کا دل بھی چاہتا تھا کہ کعبہ قبلہ ہوجائے۔ پھر تو یہ عالم تھا کہ رخ بیت المقدس کی جانب اور ملتجیانہ نگاہیں آسمان کی طرف اور دل میں التجا کہ "اے اللہ! مسلمانوں کا قبلہ وہ مسجد بن جائے جو ابوالانبیاء ابراہیم (علیہم السلام) نے تعمیر فرمائی۔"

تحویل قبلہ کی تاریخ اور مہینے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن جوزی نے "الوفا" میں منگل ۱۵ شعبان ۲ھ لکھی ہے لیکن مورخین اور محدثین کا زیادہ رجحان ماہ رجب کی طرف ہے۔ اسی طرح نماز ظہر یا عصر، مسجد نبوی یا مسجد بنو سلمہ ہر دو کے بارے میں روایتیں ملتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ حضرت بشر بن براءؓ بن معرور کے پاس دعوت میں تشریف لے گئے تھے۔ ظہر کا وقت آیا۔ محلّہ بنی سلمہ کی مسجد میں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ یہ بنو سواد بن نضر بن کعب سلمہ کی مسجد تھی۔ دو رکعتیں پڑھا چکے تھے۔ ایک اور روایت ہے کہ آپ ﷺ دوسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ توجہ الی الکعبۃ کا حکم آیا۔ رسول اللہ ﷺ نماز کے دوران فی الفور کعبہ رخ پھر گئے۔ جماعت میں موجود لوگ یعنی پیچھے کی صفیں بھی اتباع رسول میں کعبہ رخ ہوگئیں۔ اس روز سے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین ہوگیا۔ حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ اول نماز مسجد بنو سلمہ میں ظہر ہے اور مسجد نبوی میں عصر ہے۔

* **مسجد کبش:** مسجد الکبش، منیٰ میں ایک مسجد کے متعلق لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں پر حضرت ابراہیمؑ نے مینڈھا ذبح کیا تھا۔

* **مسجد محصب:** لوگوں کا کہنا ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر نبی کریم ﷺ نے مسجد محصب کے مقام پر پانچ نمازیں ادا کی تھیں۔

* **مسجد نبوی ﷺ:** وہ مسجد جو آنحضور ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد یہاں تعمیر فرمائی۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر

حضرت ابوایوب انصاری کے پاس فروکش ہونے کے بعد جب تک مسجد نبوی تعمیر نہیں ہوئی تھی، نماز کا وقت آتا تو حضور اکرم ﷺ جہاں موجود ہوتے، وہیں نماز ادا فرما لیتے۔ اس زمانے میں آپ ﷺ نے صحنوں یا کھلے مقامات پر نمازیں ادا فرمائیں۔ چند روز بعد ایک مسجد تعمیر کرانے کا خیال پیدا ہوا۔

آپ ﷺ نے اس مربد کے بارے میں دریافت فرمایا جہاں اونٹنی قصویٰ بیٹھی تھی (مربد اس مقام کو کہتے ہیں جہاں خرما خشک کرکے تمر بنائے جاتے ہیں)۔ حضرت معاذؓ بن عفرا نے بتایا کہ یہ زمین بنی نجار کے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ہے جو رافع بن عمرو کی اولاد ہیں اور میری کفالت میں ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق یہ دونوں لڑکے حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے زیر کفالت تھے۔

یہ زمین انصار کے چھوارے پھیلانے کے لئے استعمال کی جاتی تھی جس میں کچھ کھجور کے درخت بھی تھے۔ اس میں ایک جانب چند مشرکوں کی قبریں بھی تھیں۔ کہیں ٹیلے اور مٹی کے ڈھیر تھے۔ بعض مقامات پر اس میں گڑھے بھی تھے۔

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے ایمان لانے کے بعد اس زمین پر نماز باجماعت ادا کرنے کا انتظام کیا تھا، اسی لئے جب مسجد کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا تو اسی زمین کو منتخب

کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور مسجد کی تعمیر کی غرض سے یہ زمین قیمتاً لینے کی بات کی تو ان بچوں اور ان کے قبیلے والوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ سے اس کی قیمت دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں اجر و ثواب کی صورت میں وصول کریں گے۔ آپ ﷺ نے قیمت پر اصرار فرمایا تو بالآخر دس دینار طے ہوئی۔ قیمت کس نے ادا کی؟ امام زہریؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام لکھا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے اس زمین کے معاوضے کے طور پر ان بچوں کو بنو بیاضہ میں ایک باغ دیا۔ فتح الباری میں ہے کہ اس کی قیمت حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ادا کی۔

تعمیر مسجد کا کام ربیع الاول سن ایک ہجری بمطابق اکتوبر ۶۲۲ء شروع ہوا۔ اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت ادا کرتے ہوئے دین حنیف کو مکمل کرنے والے نبی آخر الزماں ﷺ نے حرم مدینہ کی بنیاد رکھنا چاہی تو حضرت جبرئیلؑ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، اے حبیب اللہ! حکم الٰہی ہے کہ اس کا عریش موسیٰ کلیم اللہ کے عریش کے مطابق بنایا جائے۔ بلندی سات ذراع سے زیادہ نہ ہو، تزء ین و آرائش میں تکلف سے کام نہ لیا جائے۔

حرم مدینہ کے معمار نے حکم دیا کہ قبریں کھود کر ہڈیاں نکال دی جائیں، گڑھے بھر دیئے جائیں، ٹیلے زمین کے برابر کر دیئے جائیں۔ جب زمین ہموار ہوگئی تو کھجور کے درخت کٹوا کر قبلہ کی طرف باڑھ لگائی گئی جس سے ایک دیوار سی بن گئی۔ یہ وہ مبارک جگہ تھی جہاں ہجرت نبوی سے پہلے ہی حضرت اسعد بنؓ زرارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہاں ایک لمبی دیوار اسی غرض سے بنی ہوئی تھی۔ امام الانبیا ﷺ نے خود مسجد نبوی کا ایک خاکہ سوچا پھر اللہ کے نام سے اس کی ابتدا کی۔ یہ مستطیل خاکہ تھا اس کی لمبائی ستر ہاتھ اور چوڑائی ساٹھ ہاتھ رکھی گئی۔

اس وقت مسجد کی اونچائی تین گز رکھی گئی۔ ''جذب القلوب'' میں علامہ سمہودی کی ''وفاء الوفا'' کے حوالے سے طول، قبلہ سے حد شمال تک ۵۴ گز اور مشرق سے مغرب تک ۶۳ گز لکھا ہے۔ مسجد کا پایہ تین ہاتھ چوڑا اور پتھر کا رکھا گیا۔ مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں اور ان کی بلندی ۳ گز تھی۔ قبلہ کی دیوار بیت المقدس کی سمت اینٹ سے بنائی گئی۔

کھجور کے درخت کے تنوں سے مسجد کے ستون بنائے گئے۔ جب مسجد کی تعمیر یہاں تک ہوگئی تو صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! اب چھت ڈال لیں تو اچھا رہے گا۔ فرمایا، نہیں موسیٰ جیسا عریش ہی خوب ہے البتہ سائبان کے طور پر کھجور کے درخت کی شاخیں مع پتے شہتیر کی جگہ ڈالے گئے۔ چھت ایسی تھی کہ بارش ہوتی تو اوپر سے لوگوں کے سروں پر پانی ٹپکتا۔ اس سے بچنے کے لئے اسے اوپر سے گارے سے لیپ دیا گیا۔ پھر بھی پانی گرتا جس سے زمین گیلی ہو جاتی اور نماز ادا کرنے میں وقت پیش آتی۔ رمضان میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہؓ مسجد میں اعتکاف کر رہے تھے کہ بارش ہوگئی یہاں تک کہ کھجور کی ٹہنیوں والی چھت سے پانی ٹپکنے سے زمین بہت گیلی ہوگئی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ امام الانبیا پانی اور گارے میں سجدہ فرما رہے تھے جس کے نشانات پیشانی مبارک پر نمایاں تھے۔ یہ دیکھ کر انصار نے باہم مشورہ کیا اور کچھ درہم و دینار جمع کر کے خدمت اقدس میں چھت بنانے کے لئے پیش کئے۔ ارشاد ہوا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں موسیٰ کے طریقے سے ہٹ نہیں سکتا۔ یہ عریش ان کی جھونپڑی کی مانند ہوگا۔ ایسی صورت میں صحابہ کرامؓ نے اپنی مدد آپ کے اصول پر کنکریاں لا کر انہیں اپنی اپنی جگہ بچھالیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے بہت پسند فرمایا۔ اس طرح مسجد میں سنگریزوں کا فرش بن گیا۔

دھوپ تیز ہوتی تو زمین گرم ہو جایا کرتی۔ صحابہ کرامؓ سجدے کے مقام پر قمیص کا دامن بچھا لیا کرتے یا عمامہ پر سجدہ کر لیا کرتے۔ دروازے کے دونوں جانب پتھر کے ستون کھڑے کئے گئے تھے۔

حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ مسجد کی تعمیر کے لئے گارا بن رہا تھا۔ اس کی تیاری سے حضور ﷺ مطمئن نہ تھے۔ میں نے بڑھ کر پھاوڑا لیا اور گارے کو اچھی طرح تیار کیا۔ آپ ﷺ کو میرا کام پسند آیا۔ فرمایا، یہ کام اس کے حوالے کر دو، میں نے عرض کیا، کیا میں

اینٹیں بھی اٹھا کر لاؤں؟ فرمایا نہیں تم گارا گھولو کیونکہ اس کام سے تم خوب واقف ہو۔

بیئر ایوب (کنواں) کے قریب واقع خنجبہ کے بیلہ سے مٹی لے کر اینٹیں تیار کی گئی۔ کچی اینٹوں کو دھوپ میں سکھا کر عمارت کا مسالا تیار کیا جاتا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان اینٹوں کو چاہ فاطمہ پر پکا لیا جاتا تھا۔ علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ ان اینٹوں کا طول ایک گز سے زیادہ عرض آدھا گز اور اونچائی سو گز ہوتی تھی۔ یہ گز قریباً چھے انچ کا ہوتا تھا۔ صحابہ کرامؓ اینٹیں اور پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ اس کام میں برابر کے شریک تھے۔

ماہ ربیع الاول سے صفر تک مسجد نبوی کی تعمیر ہوتی رہی۔ رب کائنات کی عبادت کے لئے ایک سادہ سی عمارت تعمیر ہوگئی جس میں نہ کوئی محراب نہ منبر اور نہ مینار تھا، نہ کوئی فرش اور نہ کوئی سامان آرائش تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ان چیزوں کی کیا ضرورت، ان کے لئے تسلیم کی محراب، رضا کا منبر، اخلاص کا مینار، تواضع کا فرش اور صدق ویقین کی تزئین سامان آخرت تھا۔

جب تک بیت المقدس قبلہ رہا، مصلیٰ نبوی کا مقام اس طرح معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اسطوانہ عائشہ کو پشت کر کے شمال کی جانب چلیں تو باب جبرئیل کے مقابل اس طرح کھڑے ہو جائیں کہ باب عثمانؓ آپ کے دائیں کندھے پر ہو۔ یہی مقام رسول اللہ ﷺ کے مصلیٰ کا تھا۔ تحویل قبلہ کے حکم کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے مدینہ اور بیت اللہ کے درمیان پردے (مکان، درخت، دشت، پہاڑ وغیرہ) ہٹا دیئے اس طرح قبلہ کی سمت درست کی گئی۔ چودہ پندرہ دن تک حضور ﷺ کی نماز کا مقام موجودہ اسطوانہ عائشہ کے سامنے تھا پھر آپ ﷺ اسطوانہ حنانہ والی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھانے لگے۔ اس زمانے میں مصلیٰ کے لئے محراب جیسی کوئی علامت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کے مصلیٰ میں قدموں کی جگہ چھوڑ کر (جو ان کی سجدہ گاہ بنی) ایک دیوار بنادی تاکہ حضور ﷺ کی سجدہ گاہ محفوظ رہے۔ ولید بن عبدالملک کے حکم سے امیر مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وہاں پہلی بار محراب بنوائی۔ ترکوں نے اپنے دور میں اس محراب کو بہت خوب صورت بنا دیا۔ اب جو محراب نظر آتی ہے وہ سنگ مرمر کے نو فیٹ کے ایک ہی ٹکڑے سے بنائی گئی جس میں آب زر کی مینا کاری نمایاں ہے۔

حضرت عثمانؓ نے جب مسجد کی توسیع کی تو اپنے مصلیٰ کی جگہ دو فیٹ، اونچا چبوترہ تعمیر کیا تاکہ امام لوگوں کو نظر آئے۔ اس پر ساگوان کی لکڑی کی چھت بنوائی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی مسجد میں المناک شہادت کے بعد یہ ایک طرح کی احتیاطی تدبیر تھی۔ ولید بن عبدالملک نے اسے منقش پتھروں سے تعمیر کیا۔ آج کل یہ سنگ مرمر کی ہے جس پر سنگ موسیٰ سے مینا کاری کی گئی ہے۔

آٹھ یا نو ہجری میں منبر کے بنائے جانے تک آنحضور ﷺ مصلیٰ کے قریب مغربی جانب کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے۔ دوران خطبہ ایک خشک تنے سے جو وہاں پر نصب تھا، ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ ایک انصاری صحابہؓ کے نجار (بڑھئی) غلام نے اجازت لے کر ایک منبر بنایا۔ اس کے تین زینے تھے، دو کھڑا رہنے کے لئے اور تیسرا درجہ بیٹھنے کا تھا۔ اس کا مقام آج تک وہی ہے جہاں حضور ﷺ نے رکھوایا تھا۔

نیا منبر ایک گز لمبا تھا اور اس کے ہر زینے کی چوڑائی نصف گز تھی۔ پائے ایک بالشت تین انگشت تھے۔ ہاتھ کو ٹیک دینے والے بازو بھی اتنے ہی بلند تھے۔ اسی منبر کے بارے میں ارشاد تھا کہ یہ میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے اور جنت کے زینوں میں سے ایک زینہ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جو جگہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یعنی ریاض الجنہ۔

یہ منبر صحابہؓ کے زمانے تک محفوظ رہا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسے پہلی بار مصری کپڑے سے لپیٹا گیا۔ اس منبر پر حضرت ابوبکرؓ، حضور ﷺ سے ایک درجہ نیچے بیٹھتے تھے۔ حضرت عمرؓ اس سے ایک درجہ نیچے۔ حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو چھے سال تک وہ حضرت عمرؓ کے اپنائے ہوئے زینے پر بیٹھا کرتے۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی نشست پر بیٹھنے لگے۔ جس دن اس درجے پر بیٹھے فرمایا، دو زینوں پر بیٹھنے میں شیخین سے برابری کا خیال پیدا ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ سے برابری کا تصور تک نہیں آسکتا۔

۷ ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد امام الانبیا ﷺ نے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے توسیع فرمائی۔ طول سو ہاتھ اور عرض بھی اتنا ہی کر دیا گیا۔ اس بار بھی تعمیر میں آپ ﷺ نے عملی طور پر حصّہ لیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ پیٹ سے لے کر سینے تک اینٹیں اٹھائے ہوئے تھے۔ عرض کیا، یہ مجھے دے دیجئے، فرمایا، اینٹیں تو بہت ہیں تم بھی لے لو۔

مسجد کو وسیع کرنے کے لئے مسجد سے متصل زمین کی ضرورت پیش آئی۔ یہ زمین ایک غریب انصاری کی ملکیت تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جنّت کے ایک محل کے عوض یہ زمین دے دو

وہ عسرت اور کثیر العیالی کے باعث ایسا نہ کر سکے۔ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار درہم ادا کر کے یہ زمین مسجد کے لئے خرید لی اور مخبر صادقؐ سے عرض کیا کہ اسی شرط پر یہ قطعۂ زمین نذر کرتا ہوں۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس زمین پر پہلی اینٹ رکھی پھر حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ نے اینٹیں رکھیں۔

مسجد نبوی میں آٹھ اسطوانے (ستون) تعمیر کیے گئے۔ پہلا محراب کے متصل مصلّی کے داہنی جانب اسطوانہ حنانہ، دوسرا اسطوانہ عائشہؓ جو حجرے کی جانب سے تیسرا تھا۔ حضور اکرم ﷺ تحویل قبلہ تک اسی ستون کی جانب نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ چوتھا اسطوانہ سریرہ ہے جو مشرقی جالی سے ملا ہوا ہے۔ اعتکاف کے دوران حضور ﷺ کے لئے یہاں ایک چٹائی (سریر) رات کو بچھائی جاتی تھی۔ پانچواں اسطوانہ محرس ہے۔ اس جگہ حضرت علیؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ ستون اس دروازے کے مقابل ہے جس سے حضور ﷺ حجرۂ عائشہؓ سے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ چھٹا اسطوانہ الوفود کہلاتا تھا۔ اسی جگہ حضور ﷺ وفود، جماعتوں اور صحابہؓ سے ملاقات فرماتے۔ ساتواں اسطوانہ مربعۃ ہے۔ اس کو مقام جبرئیلؑ بھی کہتے ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ اکثر یہیں وحی لے کر حاضر خدمت ہوتے۔ آٹھواں اسطوانہ تہجد تھا۔ یہاں آنحضور ﷺ نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آثار رسول ﷺ کو اصل حال پر رکھا لیکن جب عہد فاروقی آیا اور مدینہ کی آبادی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تو مسجد نبوی کی جگہ ناکافی محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں حضرت عمرؓ کو مسجد کی توسیع کا خیال آیا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے صاف الفاظ میں کہا کہ اگر میں رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنتا کہ اس مسجد میں توسیع کرنا ہے تو اس کو وسعت دینے کا خیال تک دل میں نہ لاتا۔ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہؓ کے باہمی مشورے سے مسجد کے تین اطراف میں اضافہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کو سریر آرائے خلافت ہوئے پانچواں سال تھا کہ ایک بار پھر مسجد نبوی چھوٹی پڑ گئی۔ پچھلی تعمیر کو بارہ سال گزر چکے تھے۔ چنانچہ ربیع الاول ۲۹ھ (۶۹۵ء) میں یہ کام شروع ہوا۔ سُنّت نبوی ﷺ کی پیروی میں حضرت عثمانؓ نے خود کام کیا۔ یہ کام دس ماہ میں مکمل ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی تعمیر میں جنوب اور شمال مغرب میں اضافہ کیا۔ مسجد میں ایک برآمدہ بھی بنایا گیا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کا توسیع کا کام ۸۸ھ سے ۹۱ھ تک جاری رہا۔ اس وقت امہات المؤمنینؓ میں سے کوئی بھی حیات نہ تھیں، اس لئے ان کے حجروں کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم دیا۔ امیر مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی تاکید کی کہ قرب وجوار کے مکانات بھی خرید کر مسجد میں شامل کر لیں تاکہ مسجد بڑی ہو جائے۔ ولید نے شاہ روم کو لکھا ہے کہ بہترین معمار اس کام کے لئے بھیجے جائیں۔ اس نے ۴۰ ماہر تعمیر قبطی ۸۰ ہزار دینار اور چاندی کی کئی زنجیریں وغیرہ بھیج کر مسجد کی تعمیر میں تعاون کیا۔ یہ تعمیر منقش پتھروں سے کی گئی۔ سنگ مرمر کے ستون لگائے گئے۔ عمدہ مینار کاری کا کام ہوا۔

امیر مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی کے چاروں کونوں پر چار مینار بنوائے۔ سلیمان بن عبدالملک نے ایک مینار کو گرا دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مدت تک صرف تین مینار ہی مسجد کی زینت بنے رہے۔ چوتھا مینار جو گرا دیا گیا تھا، ۷۰۶ھ میں ملک الناصر محمد بن قلادون کے عہد میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

۶۷۵ھ میں ایک گنبد تعمیر کیا گیا تھا جس میں حضور اکرم ﷺ کے تبرکات اونی چادر، تہبند، جبہ، طیلسہ، غلاف کعبہ کے ٹکڑے، مصلّی،

جھنڈے اور ہتھیاروں کے دستے نیز مصحف عثمانی کو محفوظ کیا گیا۔

سلطان سلیم ثانی کے زمانے میں ۹۸۰ھ میں حجرے پر خوب صورت گنبد بنوایا گیا۔ اس گنبد میں طلائی گل کاری کروائی گئی اور چھوٹے چھوٹے پتھر لگا کر اس کی خوبصورتی میں اضافہ کیا گیا۔ سلطان محمود نے گنبد کو از سر نو مزار اقدس پر تعمیر کروایا اور پہلی بار اس پر سبز رنگ کیا گیا جس کی وجہ سے یہ "گنبد خضرا" کہلانے لگا۔

۱۲۶۲ھ میں مسجد کی خستہ حالی کی خبر جب سلطان ترکی عبد المجید کو پہنچی تو انہوں نے فوراً مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے احکامات جاری کئے۔ وادی عقیق سے سرخ رنگ کا پتھر نکلوایا اور مسجد کے سارے ستون اس پتھر سے تراشے گئے۔

مسجد نبوی میں باب مجیدی انہی کے نام سے موسوم ہے۔ انہی کے زمانے میں ۲۹۶ ستونوں کے نچلے حصے پر سونے کے پترے چڑھائے گئے۔ گنبدوں کے اندرونی حصوں میں قرآن مجید کی آیات خطاطی کے نادر انداز میں کندا کروائی گئیں۔ تزئین و آرائش پر خصوصی توجہ دی گئی۔ مسجد کے قد آور دروازوں کو اعلیٰ چوبی کام سے دیدہ زیب بنایا گیا۔ یہ خوبصورت ترین توسیع مانی جاتی ہے جس سے مسجد کے حسن و زیبائش میں دو چند اضافہ ہوا۔ یہ کام ۱۲۶۵ھ سے ۱۲۷۷ھ تک جاری رہا۔ مسجد میں توسیع کا کام شمالی جانب کیا گیا جس سے رقبے میں تقریباً بارہ ہزار مربع فیٹ کا اضافہ ہوا۔ فخری پاشا نے محراب نبوی پر کام کروایا۔ مسجد کے صحن میں واقع کنوئیں کو بند کروایا کیونکہ لوگ اس کے پانی کو آب کوثر کہنے لگے تھے۔

سعودی حکومت کے فرمانروا ملک عبد العزیز نے اپنے زمانے میں کڑے چڑھائے۔ ۱۳۶۸ھ (۱۹۴۹ء) میں مسجد نبوی کی توسیع اور تعمیر کا اعلان ہوا۔ ۹ جولائی ۱۹۵۱ء کو اس منصوبے کے ابتدائی مرحلے پر کام کا آغاز ہوا۔ سلطان عبد المجید عثمانی کی تعمیر ایک صدی گزر جانے کے باوجود بھی اس درجہ معیاری، فنی اعتبار سے مضبوط، دلکش اور دیدہ زیب تھی کہ پہلے سعودی فرمانروا ملک عبد العزیز نے اس کے بیشتر حصے کو جوں کا توں برقرار رکھا۔ مسجد نبوی کے اطراف و جوانب کی دیگر عمارتوں کو منہدم کیا گیا۔ بنیادوں کی کھدائی کا کام دو سال میں تکمیل پایا۔ ۱۹۵۴ء میں اسلامی ممالک کے نمائندوں کی موجودگی میں اس مقدس تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس توسیعی منصوبے میں مسجد کے شمال، مشرق اور مغرب کی سمت توجہ دی گئی۔ اس توسیعی منصوبے کا کل رقبہ ۱۶۳۲۶۶ مربع میٹر تھا۔ مسجد کی چہار دیواری کو مخروطی شکل سے مستطیل شکل میں تبدیل کیا گیا۔ یہ مسجد نبوی کی تاریخ کا اب تک سب سے بڑا منصوبہ تھا۔ یہ عظیم منصوبہ ان کے بیٹے اور جانشین شاہ سعود کے دور میں مکمل ہوا۔

شاہ فیصل کے دور میں مسجد کے مغربی سمت میں مزید توسیع کی گئی۔ نمازیوں کے لئے مسجد کے ساتھ سایہ دار عمارت کی تعمیر پر توجہ دی گئی۔ شاہ خالد کے عہد حکومت میں ۴۳ ہزار مربع میٹر رقبے پر مزید گنجائش کے لئے سایہ دار مربع شکل کے شیڈ بنائے گئے۔

زائرین کی کثرت نے اس گنجائش کو بھی ناکافی کر دیا۔ دوبارہ توسیعی منصوبہ بندی انتہائی غور و خوض سے کی گئی۔ صفر ۱۴۰۶ھ (۱۹۸۵ء) میں اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ یہ آل سعود کے توسیعی منصوبے کا پانچواں اور سب سے عظیم منصوبہ ہے۔ اس کی تکمیل کے بعد مسجد نبوی کے موجودہ رقبے میں مزید نو گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اس غرض سے مسجد کے شمال، مشرق اور مغرب میں واقع عمارتوں کو منہدم کر کے ۹۸۵۰۰ مربع میٹر رقبہ حاصل کیا گیا ہے اور اس میں ۸۲ ہزار مربع میٹر زمین مسجد میں شامل کی گئی ہے۔ اس منصوبے کی تکمیل کے بعد موجودہ ۲۸ ہزار نمازیوں کی گنجائش بڑھ کر ۲۵۷۰۰۰ ہو گئی۔ مسجد کا موجودہ رقبہ ۱۶۵۰۰ مربع میٹر سے بڑھ کر ۱۶۵۰۰۰ مربع میٹر ہو گیا ہے۔

مسجد نبوی ﷺ پر ایک نظر

نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد جب یثرب تشریف لائے تو جس جگہ آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی، اسی جگہ اب مسجد نبوی ﷺ واقع ہے۔ اس سے متصل حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کا مکان تھا۔ آپ ﷺ کی میزبانی کی سعادت ان کے حصے میں آئی۔

مدینہ آنے کے فوراً بعد اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر تنظیم مملکت کے نہایت اہم امور تھے، لیکن ان میں سب سے پہلا کام ایک

خانہ خدا کی تعمیر تھی۔ قبا میں بھی آپ ﷺ نے چار روزہ مختصر قیام کے دوران سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد ہی کا قیام تھا۔ اس سے مسجد کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسلام میں مسجد کے ادارے کو نہ صرف مذہبی اہمیت حاصل ہے بلکہ تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے بھی اس کا مقام متعین ہے، دراصل اولین ضرورت ہی ایک ایسے مرکزی مقام کی تھی، جہاں سے آپ ﷺ تمام تعلیمی، معاشرتی، اور سیاسی امور کی تدبیر انجام دیں۔ اسلام کی تعلیم و تبلیغ اور اس کا عملی سبق سکھانے اور ان بنیادوں کو واضح کرنے کے لئے کہ جن پر اسلامی ریاست کو چلانا تھا، مسجد کا قیام انتہائی ضروری تھا۔

جس جگہ حضور ﷺ کی اونٹنی جا کر بیٹھی تھی وہ قطعہ زمین سہل اور سہیل نامی دو یتیم بچوں کی ملکیت تھا۔ یہ بچے حضرت اسعد بن زرارہؓ کی آغوش تربیت میں تھے۔ حضور ﷺ نے اسی جگہ مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس جگہ انصار کھجوریں خشک کرنے کے لئے پھیلاتے تھے اور اس جگہ حضرت اسعد بن زرارہؓ نے مسلماں ہو کر نماز باجماعت کا انتظام کیا تھا۔ گویا آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی چند مقدس نفوس کے ہاتھوں ایک مسجد کی بنیاد پڑ گئی تھی۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے بنی نجار کے سارے لوگ اور یتیم بچے اس زمین کو بلا قیمت دینے پر تیار تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ مناسب نہیں سمجھا۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اس زمین کو دس دینار میں خرید لیا۔ قیمت ادا کرنے کا شرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حاصل ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسعد بن زرارہؓ نے اس زمین کے معاوضے میں ان کو بنو بیاضہ میں اپنا ایک باغ دے دیا تھا۔ مسجد کے لئے حاصل کردہ اس قطعۂ زمین میں کچھ قبریں اور کھجور کے درخت تھے۔ ابوداؤد نے اس بارے میں جو روایات بیان کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قبریں اکھڑوا دی گئیں اور کھجور کے درخت کٹوا دیئے گئے۔ جو درخت کٹے ان کے ستون بنے۔ کھجور ہی کے پتے چھت میں استعمال ہوئے۔ گیلی مٹی سے کچھ اینٹیں بنائی گئیں اور ان اینٹوں سے مسجد کی تعمیر ہوئی۔ اس کی بنیاد زمین کی سطح سے تین ذراع (ہاتھ) گہری پتھروں سے بھری گئی۔ اس سے اوپر کچی اینٹوں سے دیوار اٹھی۔ مسجد کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس ایک مزدور کی حیثیت سے شریک ہوئے اور اپنے دست مبارک سے اینٹیں اٹھا کر دیوار چنتے تھے۔ گو صحابہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ ہماری موجودگی میں یہ کام نہ کریں، لیکن آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول نہ کی۔ آپ ﷺ آخر وقت تک دوسروں کے ساتھ مل کر پوری مستعدی سے کام کرتے رہے اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ یہ رجز پڑھتے تھے:

اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ
فاغفر الانصار والمھاجرۃ

"اے اللہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے لہٰذا تو انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما۔"

تعمیر کے وقت اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا کیونکہ ابھی تک اہل اسلام کا قبلہ اسی جانب تھا۔ بیت المقدس مدینے کے شمال میں اور خانۂ کعبہ جنوب میں تھا۔ مدینہ آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تقریباً سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھائی۔ آخر نصف رجب ۲ھ میں تحویل قبلہ کا حکم آیا۔

اس مسجد کے تین دروازے بنائے گئے۔ ایک دروازہ مسجد کے عقب کی جانب یعنی جنوب کی جانب رکھا گیا۔ دوسرا دروازہ باب عاتکہ، جس کو آجکل باب الرحمۃ کہتے ہیں۔ تیسرا دروازہ باب عثمان، جو اب باب جبریل کے نام سے موسوم ہے۔ عام طور پر رسول اللہ ﷺ اسی دروازے سے داخل ہوتے تھے۔ باب عاتکہ و باب عثمان مسجد کے شرقاً غرباً واقع تھے۔ تحویل قبلہ کے بعد پہلے دروازے کو جو جنوب کی طرف تھا، بند کر دیا گیا اور اس کے مقابل شمال کی جانب دروازہ کھولا گیا۔

مسجد نبوی کے طول و عرض کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طول ستر ذراع اور عرض ساٹھ ذراع تھا۔ بعض روایات میں طول و عرض تقریباً ایک سو ذراع تھا یعنی مسجد مربع شکل کی تھی۔ ساٹھ ستر اور سو ذراع کے طول و عرض کی ان روایتوں میں فرق اس وجہ سے ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر

آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ فرمائی۔ پہلی مرتبہ مسجد کے احاطے کی لمبائی ۷۰ ذراع اور چوڑائی ۶۰ ذراع (ہاتھ) یا کچھ زائد تھی۔ دوسری مرتبہ تعمیر ۷ ھ میں غزوۂ خیبر سے لوٹنے کے بعد ہوئی۔ اس دفعہ طول و عرض سو ذراع ہوگیا۔ اس اعتبار سے مسجد کا رقبہ دس ہزار مربع ذراع ہوگیا۔ یہ اضافہ شمال مغرب کی جانب کیا گیا، کیونکہ مشرق کی طرف امہات المؤمنین کے گھر تھے۔ دیواروں کی اونچائی سات ذراع (ہاتھ) یعنی تقریباً دس فٹ تھی۔

یہ مسجد جب تیار ہوئی تو سادگی کا مکمل نمونہ تھی۔ اس میں کسی قسم کا کوئی تکلّف نہیں کیا گیا تھا حتیٰ کہ فرش تک پختہ نہ تھا۔ چھتیں چونکہ کھجور کے پتوں کی تھیں اس وجہ سے بارش میں چھت ٹپکنے سے ساری مسجد میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ چند دن بعد فرش پر سنگریزے بچھا دیئے گئے۔ یہ سنگریزے ناہموار اور نوکیلے تھے۔ اس مسجد کی تعمیر میں قریب چھے سات ماہ لگ گئے۔

حجرات نبوی

مسجد کی تعمیر کے بعد اس کے احاطے کے اندر ہی مشرقی جانب آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے حجرے بنوائے۔ اس وقت تک حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیق عقد نکاح میں آچکی تھیں، اس لئے ابتدا میں صرف دو حجرے بنے۔ باقی حجروں کی تعمیر بعد میں ہوئی۔ یہ دونوں حجرے بھی کچی اینٹوں کے تھے اور چھتیں کھجور کے پتوں کی۔ ان کمروں کی دیواریں کھجور کی چٹائیوں کی تھیں۔ یہ کاشانہ ہائے نبوت چھے سات ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھتوں کی اونچائی اتنی تھی کہ کھڑا ہونے والا اپنا ہاتھ اٹھا کر چھو لے۔ دروازوں پر کمبل لٹکائے گئے تھے، تاکہ پردہ رہے۔ ان دونوں حجروں کی تعمیر کے بعد ہجرت کے ساتویں مہینے آپ ﷺ حضرت ابوایوب انصاری کے مکان سے ان حجروں میں منتقل ہوگئے۔ حضرت عائشہ کے حجرے میں نبی کریم ﷺ آرام فرما ہیں۔ روایت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے پیش نظر ما قبض نبی الا دفن حیث یقبض (نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے) اس حجرے کے ایک گوشے میں آپ ﷺ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ کیونکہ یہی وہ حجرہ مبارکہ ہے جہاں سے روح اقدس نے جسد اطہر سے پرواز کی۔ یہی وہ حجرہ عالیہ ہے جہاں دس دس صحابہ کی جماعت نے اندر داخل ہو کر نماز جنازہ ادا کی۔ عمارت کا یہ حصّہ مسجد نبوی کے دائیں جانب یعنی مشرق ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی حضرت عائشہؓ اسی حجرے کے ایک حصے میں رہتی تھیں۔ تیرہ برس تک یعنی جب تک حضرت عمر فاروقؓ وہاں مدفون نہیں ہوئے تھے، حضرت عائشہؓ وہاں بے حجاب آتی تھیں کہ وہاں مدفون ایک شوہر دوسرا باپ تھا۔ حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد فرماتی تھیں کہ اب وہاں بے پردہ جاتے ہوئے حجاب آتا ہے۔

روضۃ الجنۃ

مقصورہ شریفہ کے دائیں جانب یعنی مغرب میں منبر مبارک سے مقصورہ شریف کی حد تک جگہ کو روضۃ الجنۃ کہا جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ (میرے منبر اور میرے حجرے کے درمیان کا حصّہ جنّت کے باغیچوں میں سے ایک ہے)۔ یہ حصّہ تقریباً پانچ ذراع ہے۔

صفہ اور اصحاب صفہ

مسجد نبوی کے شمالی جانب ایک مسقف چبوترہ تھا۔ صفہ عربی میں سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ جگہ ان لوگوں کے لئے مقرر تھی جو بے گھر تھے، جن کے رہنے کی کوئی جگہ نہ تھی، نہ ان کے عزیز و اقارب اور رشتہ دار تھے، اور نہ ان کا کوئی معاشی سہارا تھا۔ ان میں مقامی لوگ بھی تھے اور وہ لوگ بھی جو باہر سے تعلیم دین کے لئے آتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ دارالاقامۃ تھا۔ علم کے شائقین اسی چبوترے پر بیٹھتے تھے اور علم حاصل کرتے تھے۔ ان کی مجموعی تعداد چار سو تک تھی یا اس سے کچھ کم۔ یہ بتدریج آتے تھے اور وقتاً فوقتاً کم اور زیادہ ہوتے تھے۔ کبھی دس بیس یا اس سے کم ہوتے اور پچاس ساٹھ تک پہنچ جاتے تھے۔ حضرت بلال، صہیب رومی، عمار بن یاسر، سلمان فارسی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین انہی لوگوں میں سے تھے۔ ان سب نے اپنے آپ

کو خدمت دین کے لئے وقف کر دیا تھا۔ یہ لوگ دن بھر بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے، قرآن کی تعلیم حاصل کرتے اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے مستفید ہوتے۔ رات کو اس چبوترے پر پڑے رہتے۔ ان میں سے وہ لوگ جو قرآن کی تعلیم زیادہ سے زیادہ حاصل کر لیتے، قراء کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے۔ دعوت اسلام کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے۔ وہ ستر قرا بھی انہی میں سے تھے جن کو غزوۂ احد کے بعد سن تین ہجری میں بیئر معونہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا اور وہ شہید کر دیئے گئے تھے۔

یہ لوگ زیادہ تر روزے سے رہتے تھے۔ ہر غزوہ میں شریک ہوتے تھے۔ ان میں جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس حلقے سے نکل آتا تھا۔ ان میں ایک جماعت دن کو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کھانا مہیا کرتی تھی یا آنحضرت ﷺ کے پاس کسی جگہ سے صدقے کا کھانا آجاتا تو آپ ﷺ وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

منبر نبوی ﷺ

مسجد نبوی ﷺ میں ابتدا میں کوئی منبر نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ خطبہ کے وقت کھجور کے درخت یعنی تنے سے جو ستون کی طرح آپ ﷺ کے مصلے کے قریب تھا، سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ ایک جمعہ کو آنحضرت ﷺ اسی کھجور کے تنے سے سہارا لئے خطبہ دے رہے تھے کہ ایک انصاری صحابی تمیم داریؓ نے عرض کیا: "آپ ﷺ پسند فرمائیں تو میں آپ ﷺ کے لئے ایک منبر تیار کرا دوں جس پر کھڑے ہو کر آپ خطبہ دے سکیں اور لوگ آپ ﷺ کو دیکھ سکیں۔ اس سے آپ ﷺ کو بھی راحت و سہولت ہوگی۔" آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کر کے اس تجویز کو پسند فرمایا اور منبر بنانے کی اجازت دے دی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے کہا کہ میرا ایک غلام ہے جو اس کام کو اچھی طرح کر سکتا ہے۔ اس طرح سے ایک منبر تیار کرایا گیا جس کے تین درجے تھے۔ اس کے دو درجے نیچے تھے اور ایک درجہ اوپر کی طرف جس پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے۔ جس روز رسول اللہ ﷺ نے اس جذع نخل کو چھوڑ کر منبر پر قدم رکھا تو اس تنے سے آپ ﷺ کی جدائی کی وجہ سے گریہ و بکا کی آواز اس طرح سنی گئی جیسے کوئی ناقہ کرب و بے چینی سے گڑگڑاتی ہے۔ آپ ﷺ نے آواز سنی تو منبر سے اتر کر اس کے قریب آئے، اس پر دست مبارک رکھا اور تسلی دی جس کی وجہ سے اس کی آواز آہستہ آہستہ کم ہوئی۔ اسی وجہ سے اس کو اسطوانہ حنانہ کہتے ہیں۔ اسی ستون کے پاس وہ صندوق رکھا تھا جس میں کتابت شدہ مصحف رکھا رہتا تھا۔ اسی ستون کے پاس بیٹھ کر صحابہ کرام قرآن یاد کرتے تھے۔ اور اس مصحف سے نقل کر کے اپنے مصحف تیار کرتے تھے۔

مسجد نبوی کی اہمیت

سب سے پہلا خدا گھر ہونے کا شرف خانہ کعبہ کو حاصل ہے جس کی تعمیر ابوالانبیا حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ نے کی اس کے بعد دوسرا خانۂ خدا یہ مسجد نبوی ﷺ جس کے معمار حضرت ابراہیمؑ کے مصداق خاتم الانبیا ﷺ ہیں۔ اس اعتبار سے بیت عتیق کے بعد یہ دوسری قدیم عبادت گاہ ہے۔ اسی مسجد کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم مساجد الانبیاء وھو احق المساجد ان یزار وان یرکب الیہ الرواحل بعد المسجد الحرام۔

"میں خاتم الانبیا ہوں اور میری مسجد تمام انبیا کی مساجد کی خاتم ہے۔ یہ مسجد الحرام کے بعد تمام مساجد میں اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی زیارت کی جائے اور اس کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کیا جائے۔"

یہ ان تین مساجد میں سے دوسری مسجد ہے جن کی طرف تقرب الی اللہ یعنی ثواب کی نیت سے سفر کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد، مسجد الحرام

و مسجدی ھذاو المسجد الاقصٰی۔
"ثواب کی نیت سے سفرنہ کرو مگر تین مسجدوں کے لئے مسجد الحرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔"
اس کا مطلب یہ ہے کہ تقرب الی اللہ اور ثواب کی نیت سے سفر کرنے کی اجازت صرف ان تین مساجد کے لئے حاصل ہے، باقی مساجد اور متبرک مقامات کے لئے یہ اجازت نہیں ہے۔
اسی مسجد کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: صلٰوۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلٰوۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام۔
"میری اس مسجد میں نماز ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے، دوسری مساجد کے اعتبار سے بجز مسجد حرام کے۔"
یہ وہ محترم و مقدس مسجد ہے جو دس سال تک درس گاہ نبوت اور سجدہ گاہ رسول اللہ ﷺ رہ چکی ہے۔ اسی میں حضور ﷺ نے اور صحابہ نے سب سے زیادہ نمازیں پڑھیں۔ اسی سے متصل گوشہ کو مدفن رسول اللہ ﷺ اور دائمی قربت رسول کا شرف حاصل ہے۔ اسی میں وہ متبرک حصّہ ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ "میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغ کا ایک ٹکڑا ہے۔"
اسی مسجد نبوی کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کی تعمیر میں خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے حصّہ لیا۔ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے دراصل یہی مسجد قرآن کی اس آیت کی مصداق ہے کہ لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ۔ (التوبۃ: ۱۰۸)
"البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔"
اگرچہ اس آیت میں عمومیت ہے، کسی خاص مسجد سے تخصیص مناسب نہیں لیکن تخصیص کی صورت میں مسجد نبوی ہی اس کی زیادہ مصداق ٹھہرتی ہے، کیوں کہ اس کی تعمیر میں خود رسول اللہ ﷺ نے اور صحابہ کی مقدس جماعت السابقون الاولون نے حصّہ لیا۔ ان نفوس قدسیہ سے بڑھ کر کون متقی، پارسا اور پاک سیرت ہو سکتے ہیں جو دنیا ہی میں اللہ کے اس معزز اعزاز ؓ و رضو عنہ سے نوازے گئے۔ ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ ﷺ سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری یہ مسجد مدینہ ہے۔
اسلام زندگی کا ایک مکمل نظام رکھتا ہے۔ جہاں وہ دین کی رہنمائی کرتا ہے وہیں وہ دنیوی زندگی کے ہر شعبے میں ہدایت دیتا ہے۔ اس طرح سے سیاسی نظام بھی اس کا ایک جز ہے۔ یہ بات اسلام کے مزاج میں داخل ہے کہ مذہب و سیاست ساتھ ساتھ چلیں۔ یہاں مذہب و سیاست جدا نہیں بلکہ دونوں کی وحدت ہی اس کا طرۂ امتیاز ہے کہ اسلام اس معنی میں مذہب نہیں جس معنی میں دوسرے مذاہب کو مذہب سمجھا جاتا ہے یعنی اللہ کا دائرۂ حکومت اور ہے اور بادشاہ کا دائرۂ حکومت اور۔ خدا کے حکم کے مطابق اجتماعی زندگی سے متعلق سارے مسائل عبادت ہی ہیں۔ اسی وجہ سے ابتدائی زمانہ اسلام میں جب مذہب و سیاست میں تفریق نہیں تھی، ایک ہی شخص بیک وقت فرائض جہانبانی بھی ادا کرتا تھا اور مسجد کی امامت بھی اس کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ اور وہی مسجد کی ایک عمارت سیاست اور مذہب دونوں کا مرکز تھی۔ اس تعلّق کا اظہار اس واقعے سے بھی ہوتا ہے کہ مسجد ہر جگہ شہر کے وسط میں رہی اور فرماں روا کا مسکن ہمیشہ اس کے متصل رہا۔

اقامت صلٰوۃ

قرآن میں مسلمانوں کا ایک خاص وصف بیان کیا گیا: الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ط۔ (الحج: ۴۱)
"وہ لوگ ایسے ہیں اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت و اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے اور بدی سے روکتے ہیں۔"
گویا مسلمانوں کو اجتماعی طور پر اس نصب العین کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ نماز قائم کریں، لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ اسی وجہ

سے مسلمانوں سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ ایسی نظریاتی حکومت قائم کریں جو اخوت، مساوات، آزادی اور معاشرتی انصاف پر مبنی ہو۔ اس اعتقادی ریاست کی عملی تشکیل کے لئے مسجد کی تعمیر ایک بنیادی ضرورت ہے۔

نماز دین کا ستون ہے اور تمام عبادات میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ قرآنی حکم وارکعوا مع الراکعین کے مطابق فرض نماز اسی معین جگہ جسے مسجد کہتے ہیں، ادا کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو اجتماعی طور پر جماعت سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ جماعت سربراہ مملکت کی امامت میں اور دوسری مساجد کے اندر اس کے نمائندوں کی امامت میں ہونی چاہئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد اور بعد کے ادوار میں ادا کی جاتی رہی۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے مسلمانوں کے اندر اخوت، مساوات، ہمدردی اور روا داری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اونچ نیچ، امیر غریب، شاہ و گدا کا فرق و امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ انتشار، تشتت اور بدنظمی کا قلع قمع ہوتا ہے۔ ان ہی اعلیٰ مقاصد کے تحت مسلمان دن میں ایک مرتبہ نہیں پانچ مرتبہ نماز کے لئے یک جا ہوتے ہیں تاکہ ان کے درمیان اخلاقی بنیاد پر معاشرتی تعلقات قائم ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے مسجد کا وجود ناگزیر ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہماری عبادتوں کی تکمیل میں مسجد ایک اہم کردار ادا کرتی ہے، جس کو قائم رکھنا ملت اسلامیہ کے لئے بے حد ضروری ہے۔

مرکز ثقافت

مذہبی مرکز ہونے کے علاوہ مسجد نبوی مسلمانوں کا معاشرتی و ثقافتی مرکز بھی تھی۔ یہیں سے مسلمانوں کو ان تمام مسائل کی تعلیم دی جاتی تھی جو ان کی فلاح اور خوش حالی سے متعلق ہوتے تھے۔ جمعہ کا خطبہ اسی مقصد کے پیش نظر رکھا گیا ہے کہ ہفتہ بھر کے مسائل و حالات سے عوام کو باخبر کیا جاتا ہے۔ اس خطبے کو لازمی قرار دیا گیا اور اس میں شرکت پر بھی بہت زور دیا گیا۔ اس کے علاوہ جب بھی یہ ضرورت محسوس ہوتی کہ مسلمانوں کو کسی بات کی اطلاع دی جائے تو مسجد میں اس پر خطبہ دیا جاتا تھا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ اپنی آخری بیماری میں انتہائی ضعف کی حالت میں بھی سہارے سے مسجد میں تشریف لائے اور آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔ اس عوامی تعلیم کے علاوہ مسجد نبوی میں ان طالبان حق کے لئے بھی انتظام تھا جو خاص طور پر علم ہی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ جو ملک کے دور دراز حصوں میں اسلام کی روشنی پھیلانا چاہتے تھے اور جن کو تبلیغ کے لئے تعلیم دینا مقصود ہوتا تھا ان کی مسجد میں صرف تعلیم ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کے قیام کا بھی وہیں انتظام تھا۔ مسجد کا یہ حصہ صفہ کہلاتا تھا۔ اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مسجد نبوی میں اشعار بھی پڑھے جاتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت نبی کریم ﷺ کی شان میں اشعار کہتے تھے اور جب کبھی دوسرے شعراء کے کلام کا جواب دینا ہوتا تو حضرت حسانؓ بن ثابت کو مسجد نبوی میں طلب کیا جاتا تھا۔

غزوۂ خندق کے موقع پر جب حضرت سعدؓ بن معاذ سخت بیمار ہوئے تو ان کے لئے مسجد کے صحن میں خیمہ بھی نصب کیا گیا۔ نیز مال غنیمت، زکوٰۃ اور صدقات کی رقم مسجد میں آتی تھی اور تقسیم کی جاتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جب بحرین سے مال غنیمت آیا تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: فی المسجد (مسجد میں ڈال دو) پھر آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر اسے تقسیم کر ڈالا۔ مسلم اور غیر مسلم قبائل کے وفود سے ملاقات مسجد کی چاردیواری میں ہوتی تھی۔ نجران کا عیسائی وفد جب آپ ﷺ سے ملنے آیا تو اسے مسجد میں ٹھہرایا گیا۔ قبیلہ ثقیف کے وفد سے گفتگو مسجد میں ہوئی۔

عہد نبوی میں مسجد سے جیل خانہ کا بھی کام لیا گیا۔ آپ ﷺ ہی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر آئے تو ان کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ جب آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا، ثمامہ کو چھوڑ دو۔ وہ مسجد سے نکل کر قریب ہی ایک باغ میں گئے، انہوں نے وہاں غسل کیا اور واپس آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

مرکز سیاست

دین اسلام، مذہب و سیاست دونوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے

ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور ان کے بعد بھی مسجد مسلمانوں کے لئے ایک عبادت ہی کی جگہ نہیں تھی بلکہ اس کو ملی مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ تمام قومی و ملی معاملات وہیں طے ہوتے تھے۔ جب کبھی جہاد کا موقع آتا تو دفاع اور مہمات کی تدابیر پر مسجد ہی میں مشورے ہوتے تھے۔ جب کبھی اہم خبر آتی تو اس کے سنانے کے لئے مسلمانوں کو مسجد ہی میں بلایا جاتا تھا۔ گویا مسجد ہی مسلمانوں کا دارالشوریٰ یا کونسل ہال تھی۔

اُمت کا خلیفہ نماز کے لئے مقرر کیا ہوا امام اور قوم کا خطیب تھا۔ خلیفہ کا خلافت سے سرفراز ہونے پر منبر پر جلوہ افروز ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب نبی کریم ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی۔ بیعت عامہ کے بعد حضرت صدیق اکبر نے خطبہ دیا۔ اسی خطبہ میں فرمایا تھا:

"لوگو! میں تم پر حاکم ہوں اگرچہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔"

اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی بیعت خلافت مسجد میں واقع ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں خلیفہ کے تقرر کے لئے مشورہ کیا تو لوگوں کو مسجد ہی میں جمع کیا اور خلافت کے مسئلے کو چھ اشخاص پر چھوڑ دیا کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اسی منصب کی ادائیگی میں نماز پڑھاتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت عثمانؓ مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ جب ان پر پہلا حملہ ہوا اور اتنے پتھر برسائے گئے کہ منبر پر سے گر کر بے ہوش ہو گئے۔ حضرت علیؓ کا انتخاب بھی مسجد نبوی میں ہوا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تیسرے دن حضرت علیؓ مسجد نبوی میں آئے اور وہاں مہاجرین و انصار سے بیعت لی۔ خلفا خصوصیت کے ساتھ منبر سے تقریر کیا کرتے تھے۔ اور جب وہ حج کے لئے جاتے تھے تو مکہ و مدینہ کے منبروں سے خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس طرح سے مسجد کے منبر کو دستوری حکومت کے تخت کی حیثیت حاصل تھی۔

مسجد ہی وہ مرکزی جگہ تھی جہاں خلیفہ اور عوام کی ملاقات ہوتی تھی۔ یہیں پر مجلس شوریٰ کے جلسے ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے کا ذکر ہے کہ: مسجد نبوی میں مہاجرین کی ایک مجلس قائم تھی۔ اس میں حضرت عمرؓ ان معاملات کے بارے میں گفتگو کرتے تھے جو ان کی حکومت میں اطراف ملک سے پیش ہوتے تھے۔

یہی عدالت عالیہ بھی تھی جہاں مسلمانوں کے باہمی جھگڑے فیصلے کے لئے پیش ہوتے تھے۔ یہیں اپیلیں سنی جاتی تھیں اور یہیں پر جرائم پر تنبیہ کی جاتی تھی۔

مرکز اسلام کی یہ مسجد صرف رسمی مسجد نہ تھی بلکہ اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ تھی۔ یہاں دین و دنیا کے سارے احکام و قوانین رو بہ عمل لائے جاتے تھے۔ یہیں سے جہاد میں فوج روانہ کی جاتی تھی۔ وفود یہیں ٹھہرائے جاتے تھے۔ جنگ میں زخمی ہو جانے والوں کے لئے کیمپ قائم کئے جاتے تھے۔ گویا یہ مسجد دارالشریعت (پارلیمنٹ)، دارالعلوم (یونیورسٹی)، دارالقضاء (عدالت عالیہ)، دارالعسکر (فوجی چھاؤنی) سبھی کچھ تھی۔ غرض مسجد نبوی کی ہمہ گیر حیثیت نے مسلمانوں کی تربیت و تنظیم میں غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔

⇦ ہجرت مدینہ + یثرب + مدینہ + ابوایوب انصاری + اصحاب صفہ + ابوبکر صدیق + صدیق اکبر + عمر بن خطاب + عثمان بن عفان۔

❋ مسلسلات: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں ایسی احادیث ذکر کی جائیں جن کی روایت میں تمام راوی کسی ایک صفت یا خاص لفظ یا خاص فعل پر متفق ہو گئے ہوں، مثلاً کسی حدیث کے تمام راوی فقیہ ہوں یا محدث ہوں یا اس کے ہر راوی نے روایت حدیث کے وقت کوئی خاص کام کیا ہو، مثلاً ہر راوی نے روایت کے وقت مصافحہ کیا ہو وغیرہ۔

❋ مسلم، امام: محدث، حدیث کی معروف کتاب "صحیح مسلم" کے مرتب۔

امام مسلم کا پورا نام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن ورد بن کرشاذ تھا۔ کنیت ابوالحسین اور لقب عساکر الدین تھا۔ تعلق عرب کے مشہور خاندان بنو قشیر سے تھا۔

امام مسلم کی ولادت خراسان کے شہر نیشاپور میں ۲۰۶ھ میں ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز نے ان کا سن ولادت ۲۰۲ھ لکھا ہے جب کہ امام ذہبی نے ۲۰۴ھ بیان کیا ہے لیکن جمہور کے نزدیک امام صاحب کی ولادت ۲۰۶ھ میں ہوئی۔ ۵۵ برس کی عمر پائی اور ۲۶۱ھ بروز اتوار وفات پائی اور نیشاپور میں مدفون ہوئے۔

تیسری صدی ہجری کے جن محدثین اور علماء نے حدیث کی توضیح و تدوین کے لئے متعدد فنون ایجاد کئے اور اس علم کی توسیع و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں ان میں امام مسلم بن حجاج القشیری کا نام نمایاں ہے۔

امام مسلم جس زمانے میں پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں علم حدیث نے صحابہ اور تابعین کے مقدس سینوں سے نکل کر مستقل فن کا قالب اختیار کر لیا تھا اور ہزاروں مجتہد اور امام موجود تھے۔ امام مسلم نیشاپور جیسے شہر میں پیدا ہوئے جو اس زمانے میں محدثین کا مرکز تھا۔ امام مسلم نے اپنی تعلیم کا آغاز نیشاپور کے جلیل القدر علما کا شرف تلمذ حاصل کر کے کیا۔ غیر معمولی ذہانت اور بہترین قوت حافظہ کی وجہ سے بہت قلیل عرصے میں تمام مروجہ علوم پر دسترس حاصل کی اور پھر ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۸ برس کی عمر میں علم حدیث کی تعلیم شروع کی۔ ابتدا میں نیشاپور کے آئمہ حدیث سے استفادہ کیا اور اس کے بعد بلاد اسلامیہ کے مشہور محدثین سے کسب فیض کیا اور جلد ہی محدثین میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ امام مسلم نے طلب علم حدیث کے لئے حجاز، شام، مصر، رے، بغداد اور یمن کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے علم حاصل کیا۔

اس زمانے میں علم حدیث کے ہزاروں آئمہ موجود تھے جن کی شہرت اور فضیلت کا اعتراف کیا جاتا تھا اور جن میں اکثر بزرگوں کو امام مسلم کی استادی کا شرف بھی حاصل تھا لیکن امام مسلم کی فطری قابلیت اور قوت حافظہ نے ان تمام بزرگوں کو اپنے فضل و کمال کا معترف بنا لیا تھا یہاں تک کہ وہ محدثین جو امام صاحب کے ہم درجہ اور فن حدیث کے امام تھے وہ بھی امام صاحب سے روایت کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ ان بزرگوں میں ابوحاتم رازی، موسیٰ بن ہارون، احمد بن سلمہ، ابوعیسیٰ ترمذی اور یحییٰ بن مساعد وغیرہ شامل تھے۔ امام صاحب کی ذہانت نے خود ان کے اساتذہ کو اس قدر گرویدہ بنا لیا تھا کہ اسحاق بن راہویہ کہتے تھے: ای رجل یکون ھذا یعنی خدا جانے یہ کس بلا کا شخص ہے۔

تصانیف

امام مسلم کی عمر کا بیشتر حصہ احادیث کے حصول میں مختلف شہروں کا سفر کرتے ہوئے گزرا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ ان کی مندرجہ ذیل یادگار تصانیف ہیں:

① الجامع الصحیح ② المسند الکبیر ③ الاسماء والکنی ④ کتاب العلل ⑤ کتاب الوحدان ⑥ کتاب الافراد ⑦ کتاب الاقرآن ⑧ مسند الصحابہ ⑨ کتاب سوالات لاحمد بن حنبل ⑩ کتاب الانتفاع باہب السباع ⑪ کتاب حدیث عمرو بن شعیب ⑫ کتاب مشائخ مالک ⑬ کتاب مشائخ ثوری ⑭ کتاب مشائخ شعبہ ⑮ کتاب المحضرمین ⑯ کتاب من لیس لہ الا او واحد ⑰ کتاب ادہام المحدثین ⑧ کتاب الطبقات ⑨ کتاب الافراد الشامیین ⑳ کتاب التمیز ㉑ کتاب اولاد الصحابہ۔

وفات

امام مسلم کے واقعات زندگی میں ان کی وفات کا واقعہ جس قدر افسوس ناک ہے اس سے زیادہ حیرت انگیز اور قابل لحاظ ہے کیونکہ اس سے امام صاحب کی علمی شیفتگی کا علم ہوتا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ عین مجلس میں لوگوں نے امام صاحب سے ایک حدیث دریافت کی۔ سوء اتفاق کہ امام صاحب کو وہ حدیث یاد نہ تھی اس لئے مکان پر آکر اپنے مجموعہ حدیث میں اس کی تلاش شروع کی اور اس تلاش میں اس قدر محو ہوئے کہ سامنے خرما کا ایک ڈھیر رکھا ہوا تھا، امام صاحب اس سے خرما نکال کر کھاتے جاتے تھے، لیکن حدیث کی فکر میں ان کو اس کی بالکل خبر نہ ہوئی کہ اس بے خودی کی حالت میں کتنے خرمے کھا گئے یہاں تک کہ سارا ڈھیر ختم ہو گیا اور غیر ارادی طور پر کھجوروں کو زیادہ کھا لینا ہی امام صاحب کی موت کا سبب بنا۔

اس طرح ۲۵ رجب ۲۶۱ھ اتوار کے دن پچپن برس کی عمر میں امام مسلم نے وفات پائی۔ اگلے روز خراسان کے اس عظیم محدث کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

مسلم شریف: صحیح مسلم، امام مسلم کی جمع کردہ احادیث کا مجموعہ۔ یہ امام مسلم کی یادگار اور قابل قدر تالیف ہے۔

مسلم ممالک کے طویل سفر کے بعد امام مسلم نے چار لاکھ احادیث جمع کیں اور ان میں سے ایک لاکھ مکرر احادیث کو نکال کر تین لاکھ احادیث کی جانچ پڑتال کی انہیں اصول حدیث کی کسوٹی پر پرکھا اور ان میں جو احادیث ہر اعتبار سے مستند ثابت ہوئیں ان کو منتخب کر کے تقریباً ۱۲ ہزار احادیث پر مشتمل کتاب صحیح مسلم شریف کو ترتیب دیا۔

صحیح مسلم مستند احادیث کی مشہور و مقبول کتاب ہے۔ کتب حدیث میں اسے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

○ صحیح مسلم شریف صحت حدیث، جودت اسانید اور متون کے حسن سیاق کے لحاظ سے بہترین ہے۔ صحیح مسلم میں صرف وہ احادیث لی گئی ہیں جن کو کم از کم دو ثقہ تابعین نے دو صحابہ سے روایت کیا ہے۔ یہی شرط تمام طبقات تابعین و تبع تابعین میں ملحوظ رکھی گئی ہے یہاں تک کہ سلسلہ سند امام مسلم پر آکر ختم ہوتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ راویوں کے اوصاف میں صرف عدالت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ شرائط شہادت کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

○ ابن شہاب زہری، امام مالک، امام بخاری حدثنا اور اخبرنا کے درمیان فرق نہیں کرتے جب کہ ابن جریج، اوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن یحییٰ، عبداللہ بن مبارک اور دیگر محدثین نے حدثنا اور اخبرنا میں فرق قائم رکھا ہے۔ "حدثنا" کا استعمال اس وقت کرتے ہیں کہ جب استاد حدیث کی قرأت کرے اور شاگرد سنے اور "اخبرنا" کا استعمال اس وقت کرتے ہیں کہ جب شاگرد پڑھے اور استاد سنے اور اسی وجہ سے اکثر محدثین حدثنا اور اخبرنا میں ایک کا استعمال دوسری جگہ جائز نہیں سمجھتے۔ امام مسلم نے احتیاط کے پیش نظر یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور حدثنا اور اخبرنا کے درمیان فرق کو قائم رکھا ہے۔

○ امام مسلم نے سند حدیث میں راویوں کے اسما کے ضبط کا بڑا خیال رکھا ہے، جس راوی کا اصل سند میں صرف نام ذکر کیا گیا ہو اور نسب کا ذکر نہ ہو جس کے سبب ابہام پیدا ہو تو وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں، مگر احتیاط کے ساتھ کہ استاد کے بیان کئے ہوئے الفاظ میں خلل نہ آئے۔

○ اسی طرح راوی کے اسم، صفت، کنیت یا نسب میں اختلاف ہو تو امام مسلم اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ نیز جس اسناد میں کوئی علّت ہو اس کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ سند میں اگر اتصال یا ارسال ہو، اور متن میں زیادگی یا کمی کا اختلاف ہو تو اس کو بھی واضح کر دیتے ہیں۔

○ ایک متن حدیث جب متعدد اسانید سے مروی ہو تو امام مسلم ان تمام اسانید کو ان کی احادیث کے ساتھ ایک ہی جگہ ذکر کر دیتے ہیں۔ وہ نہ ان احادیث کو متعدد ابواب میں متفرق کرتے ہیں، نہ ایک حدیث کی مختلف ابواب میں تقطیع کرتے ہیں۔ حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے ساتھ وارد کرتے ہیں نہ روایت بالمعنی کرتے ہیں اور نہ اختصار کرتے ہیں۔ نیز باب کے تحت صرف احادیث لاتے ہیں۔ آثار صحابہ اور قول تابعین کے ساتھ احادیث کو مختلط نہیں کرتے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موازنہ

تمام علما کے نزدیک صحیح بخاری کا رتبہ تمام کتب حدیث میں سب سے بلند و بالا ہے البتہ بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے اور حافظ ابو علی نیشاپوری نے کہا کہ اس آسمان کے نیچے صحیح مسلم سے بڑھ کر کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موازنہ کر لیا جائے۔

اہل علم حضرات پر مخفی نہیں ہے کہ حدیث صحیح کا رجوع اتصال، اتقان، رجال اور عدم و شذوذ و عدم علل کی طرف ہوتا ہے۔ اتصال کے لحاظ سے دیکھیں تو صحیح بخاری کی احادیث کا اتصال زیادہ قوی ہے کیونکہ امام بخاری راوی اور مروی عنہ کی ملاقات کی شرط لگاتے ہیں

اور امام مسلم صرف معاصرت کو کافی سمجھتے ہیں۔

اتقان رجال کے لحاظ سے دیکھیں تب بھی صحیح بخاری کی احادیث زیادہ قوی ہیں، اولاً اس لئے کہ امام بخاری طبقے ثانیہ یعنی قلیل الملازمۃ مع الشیخ سے روایات کا صرف انتخاب کرتے ہیں اور امام مسلم اس طبقے سے تمام روایات کا استیعاب کرتے ہیں۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ جن لوگوں سے روایت میں امام بخاری منفرد ہیں وہ چار سو تیس راوی ہیں جن میں سے ۸۰ کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور امام مسلم جن لوگوں سے روایت میں منفرد ہیں وہ چھے سو بیس راوی ہیں جن میں سے ایک سو ساٹھ کو ضعیف شمار کیا گیا ہے۔ ثالثاً ان سبب سے کہ امام بخاری کے راویوں کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے کثیر امام بخاری کے بلاواسطہ استاد ہیں اور وہ ان کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی روایات کو جانچ اور پرکھ سکتے تھے۔ برخلاف امام مسلم کے کہ ان کے جن راویوں پر جرح کی گئی ہے ان میں سے اکثر امام مسلم کے بالواسطہ استاد ہیں اور ان کے لئے ان لوگوں کی روایات کو خود پرکھنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ رابعاً اس وجہ سے کہ امام بخاری نے ایسے راویوں سے بہت کم روایت کی ہے اور امام مسلم نے ان سے بہت زیادہ روایت کی ہے۔

عدم شذوذ اور عدم علل کے اعتبار سے ملاحظہ کریں تب بھی صحیح بخاری صحیح مسلم پر فوقیت رکھتی ہے۔

⇦ اسماء الرجال + حدیث + بخاری شریف۔

✽ مسلمان: امت مسلمہ کے افراد۔ یہ نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے ملة ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل (تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا) (سورۃ حج، آیت ا) اس تسمہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنا چاہا تو ان سے کہا، مجھ کو خدا کا حکم ہوا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ تو حضرت اسمٰعیلؑ نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکادی کہ یہ سر حاضر ہے۔ اس موقع پر خدا نے اسلما کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی تسلیم اور حوالہ کر دینے کے ہیں۔ فلما اسلما (پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو (ہمارے) حوالے کردیا)۔ (سورۂ صافات آیت ۳)

حضرت اسمٰعیل اور حضرت ابراہیم کا یہ وصف قبول ہوا، مذہبی شعار قرار پایا اور اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیروان ملت کا نام "مسلم" رکھا۔

✽ مسند: مرفوع حدیث کی وہ قسم جس کی اسناد رسول اللہ ﷺ تک بالا تصال مذکور ہوں۔ ⇦ اسماء الرجال + حدیث + سنن + مسانید۔

✽ مسند احمد: مجموعہ احادیث جو امام احمد بن حنبلؒ نے مرتب کیا۔ اس مجموعے میں امام صاحب نے اٹھائیس ہزار احادیث جمع کیں۔ ⇦ اسماء الرجال + مسند + سنن + حدیث۔

✽ مسیلمہ کذاب: اسلامی تاریخ کا سب سے مشہور مدعی نبوت۔ جب احمد مجتبیٰ ﷺ کی رسالت کا غلغلہ اقصائے عالم میں بلند ہوا تو قبیلہ بنوحنیفہ نے قبول اسلام کے بعد ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا۔ مسیلمہ بھی اس وفد میں شریک تھا۔ وفد کے دوسرے ارکان کی طرح مسیلمہ نے بھی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مسیلمہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے اپنے قبیلے میں ممتاز اور طاقت لسانی اور فصاحت و انشاپردازی میں ضرب المثل تھا اس لئے اس نے بیعت کرنے کے بعد بارگاہ نبوت میں درخواست کی کہ حضور ﷺ مجھے اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرمادیں۔ یہ درخواست نبی کریم ﷺ پر شاق گزری۔ اس وقت کھجور کی ایک ٹہنی آپ ﷺ کے سامنے پڑی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، دیکھو مسیلمہ اگر تم خلافت کے بارے میں یہ شاخ خرما بھی مجھ سے طلب کرو تو میں تمہاری خواہش پوری نہیں کروں گا۔ مسیلمہ متمنی تھا کہ آنحضرت ﷺ اسے اپنی نبوت میں شریک بنالیں لیکن آپ ﷺ کے اس جواب نے اس کے نخل امید کو بالکل خشک کردیا۔

جب مسیلمہ ادھر سے مایوس ہوا تو بہ وقت مراجعت اس کے دل میں خود نبی بننے کے خیالات موجزن ہوئے اور اپنے قبیلے میں پہنچ کر

لوگوں سے کہنے لگا کہ جناب محمد رسول اللہ (علیہ الصلاۃ والسلام) نے اپنی نبوت میں اسے شریک کر لیا ہے۔ وہ اپنی من گھڑت وحی و الہام کے افسانے سنا سنا کر لوگوں کو راہ حق سے منحرف کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض کمزور اعتقاد افراد سرور انبیاء ﷺ کی نبوت کے ساتھ مسیلمہ کی نبوت کے بھی قائل ہو گئے۔

جب مسیلمہ کی ان شرارتوں کی اطلاع آستان نبوت میں پہنچی تو حضور سید المرسلین ﷺ نے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک ممتاز رکن رحال بن عنضوہ اس غرض سے یمامہ روانہ فرمایا کہ مسیلمہ کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائیں۔ مسیلمہ بڑا لسان اور خوش بیان تھا۔ رحال نے مسیلمہ کو راہ رست پر لانے کی بجائے الٹا اثر قبول کر لیا اور سرور کائنات ﷺ کے ساتھ مسیلمہ کی بھی نبوت کا اقرار کر کے اپنی قوم سے بیان کیا کہ خود جناب محمد رسول اللہ (ﷺ) فرماتے تھے کہ مسیلمہ نبوت میں میرا شریک ہے۔ بنو حنیفہ نے اس کی شہادت پر وثوق کر کے مسیلمہ کی نبوت تسلیم کر لی اور سارا قبیلہ اس کے دام ارادت میں پھنس کر مرتد ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد بنو حنیفہ کا ایک اور وفد مدینۃ الرسول گیا۔ ان لوگوں کو مسیلمہ کی تقدیس و طہارت میں بڑا غلو تھا۔ یہ لوگ مسیلمہ کے شیطانی الہامات کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے سامنے بڑے فخر سے وحی الٰہی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔ جب حضرت خیر الانام محمد ﷺ کو ارکان وفد کی اس ماؤف ذہنیت کا علم ہوا اور آپ ﷺ نے یہ سنا کہ بنو حنیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلمہ کا نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے تو حضور ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں حمد اور ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ مسیلمہ ان تیس مشہور کذابوں میں سے ایک کذاب ہے جو دجال اعور سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں۔ اس دن سے اہل ایمان مسیلمہ کو مسیلمہ کذاب کہنے لگے۔

مسیلمہ نے کمال جسارت و بے باکی کے ساتھ حضرت فخر الانبیاء ﷺ کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں لکھا تھا: "مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ معلوم ہوا کہ امر نبوت میں آپ ﷺ کا شریک کار ہوں۔ عرب کی سرزمین نصف ہماری (یعنی بنو حنیفہ کی) اور نصف قریش کی ہے، لیکن قوم قریش زیادتی اور بے انصافی کر رہی ہے۔"

یہ مکتوب اپنی قوم کے دو شخصوں کے ہاتھ مسیلمہ نے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان دو قاصدوں سے پوچھا کہ مسیلمہ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر قاصد کا قتل جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مارنے کا حکم دیتا۔ اس روز سے دنیا میں یہ اصول مسلم اور زبان زد خاص و عام ہو گیا کہ قاصد کا قتل جائز نہیں۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح جھوٹے نبی واجب القتل ہیں اسی طرح ان کو سچا نبی ماننے والے بھی گردن زنی ہوتے ہیں۔ حضرت سید موجودات ﷺ نے اس خط کا یہ جواب لکھوایا:

منجانب محمد رسول اللہ، بنام مسیلمہ کذاب، سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور عاقبت کی کامرانی متقیوں کے لئے ہے۔"

اس کے چند ہی روز بعد آفتاب رسالت رحمت الٰہی کے شق میں مستور ہو گیا۔

اب امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبرؓ نے سیف اللہ خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر گراں کے ساتھ مسیلمہ کے مقابلے میں جانے کا حکم دیا اور وہ دار الخلافت سے باد و برق کی سی تیزی کے ساتھ یمامہ کو روانہ ہوئے۔ اس اثنا میں حضرت عکرمہؓ کی طرح شرجیل نے شتاب زدگی سے کام لے کر حضرت سیف اللہ کی آمد سے پہلے ہی مسیلمہ کی حربی قوت کا اندازہ کئے بغیر مرتدین بنو حنیفہ سے مقابلہ شروع کر دیا جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جب حضرت خالدؓ کو مسلمانوں کی ہزیمت کا علم ہوا تو شرجیل کو سخت ملامت کی اور فرمایا ہماری آمد کا انتظار کئے بغیر کیوں پیش دستی کی۔ تمہاری محبت پسندی کا نتیجہ یہ ہے کہ دشمن کی جمعیت پہلے سے بھی طاقتور ہو گئی ہے اور اس کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔

حضرت خالد اور رئیس المرتدین مسیلمہ میں معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ اس لڑائی میں مسیلمہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تھا۔ حضرت خالدؓ نے پہلے اتمام حجت کے لئے مسیلمہ اور اس کے پیروؤں کو از سرنو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی پند و موعظت کی تدبیریں چلائیں، لیکن مسیلمہ گم کردگان راہ کے یقین و اعتقاد کی گرم جوشی میں کچھ فرق نہ آیا۔

یہ لڑائی بڑی خوف ناک تھی۔ یہ اسلام اور کفر کی زبردست آویزش تھی کہ اس سے پہلے مسلمانوں کو ایسے شدید معرکے سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ کئی دن تک محاذ آرائی کے بعد فتح مسلمانوں کے نصیب میں آئی۔ مسیلمہ مارا گیا۔ اکیس ہزار مرتدین قصر ہلاکت میں پڑے اور حسب بیان ابن خلدون ایک ہزار اسی مسلمان شہید ہوئے۔

م ش

*** مشتہرہ احادیث / احادیث المشتہرہ:** علم حدیث کی اصطلاح۔ وہ کتابیں جن میں احادیث کی تحقیق کی گئی ہو جو عام طور سے مشہور اور زبان زد ہوتی ہیں، لیکن ان کی سند کا علم عام طور سے نہیں ہوتا۔ اس موضوع پر سب سے پہلے علامہ زرکشیؒ نے التذکرہ فی الاحادیث المشتھرہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ان کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے "اللالی المنثورۃ فی الاحادیث المشھورہ" لکھی۔ بعد میں علامہ ابن علامہ سیوطیؒ کی "الدر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ" اور علامہ ابن درویشؒ کی "اثنا المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب" بھی اپنے اختصار کے باوجود کافی مشہور ہوئیں، لیکن اس نوع کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور اور متداول کتاب حافظ شمس الدین سخاویؒ کی "المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ" ہے جسے انہوں نے حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے۔

*** مشکل الحدیث:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ اس نوع کو "شرح الآثار" اور "مختلف الحدیث" بھی کہتے ہیں، اور اس سے مراد وہ کتب حدیث ہیں جن میں متعارض احادیث کی تطبیق اور مشکل المراد احادیث کے محمل کی تعیین کی گئی ہو۔ ان میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہوتی، بلکہ مولف کیف ما اتفق احادیث کو ذکر کر کے ان کی تشریح کرتا ہے۔ اس نوع کی بھی بہت سی کتب لکھی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس نوع میں سب سے پہلے مصنف امام شافعیؒ ہیں، جنہوں نے اپنی "کتاب الام" کے بعض حصوں میں یہی کام کیا ہے، لیکن باقاعدہ طور پر اس موضوع پر سب سے پہلے امام ابن جریجؒ نے قلم اٹھایا۔ نیز ابو محمد بن قتیبہؒ اور امام ابن عبد البرؒ نے بھی کتابیں لکھیں، مگر یہ سب کتابیں نایاب ہیں۔ موجودہ دور میں اس موضوع پر دو کتابیں معروف و متداول ہیں، ایک امام ابو جعفر طحاویؒ کی "مشکل الآثار" جو چار جلدوں میں ہے، دوسری علامہ ابوبکر الفورک کی "مشکل الحدیث۔" یہ دونوں کتابیں حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہیں۔

*** مشکوٰۃ شریف:** احادیث کا مجموعہ جسے محمد بن عبداللہ الخطیب نے مرتب کیا۔ احادیث کا یہ مجموعہ چھ ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے اور اس میں بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر اہم کتب احادیث سے حدیثیں لی گئی ہیں۔ مشکوٰۃ شریف، دراصل کتاب المصابیح کا زیادہ مدون اڈیشن ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں احادیث کی اسناد کو بیان کیا گیا ہے جبکہ کتاب المصابیح میں یہ اسناد حذف کر دی گئی تھیں۔

*** مشورہ:** کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی منصبوں میں سے ایک منصب۔ اس کے تحت مشورے کئے جاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں یزید بن ربیعۃ الاسود اس عہدے پر فائز تھا۔

*** مشیخہ:** علم حدیث کی ایک اصطلاح، اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صرف ایک یا چند شیوخ کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں، جیسے "مشیخۃ ابن البخاری و علیھا ذیل للحافظ المذی، مشیخۃ ابن شاذان الکبریٰ، مشیخۃ ابن القاری۔

م ص

✽ مصابیح السنہ: رکن الدینؒ بغوی کی تصنیف جس میں انہوں نے مضامین کی ترتیب کے لحاظ سے احادیث جمع کی ہیں۔انہوں نے ہرباب میں پہلے صحیح احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی ہیں۔اس کے بعد "حسن" احادیث سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی سے لی ہیں۔ رکن الدین بغوی کا کہنا ہے کہ اس کتاب میں کوئی "منکر" یا "موضوع" حدیث نہیں ہے۔بعد میں اس کتاب کو ولی الدین نے مرتب کیا اور اس کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" رکھا۔ رکن الدین بغوی شافعی مذہب کے محدث و مفسر تھے۔جواہرات کے قریب ایک گاؤں بغ یا بغشور میں پیدا ہوئے۔جب کہ مروالروز میں وفات پائی۔ ⟸ مشکوٰۃ شریف۔

✽ مصاحف / کتاب المصاحف: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔کتب المصاحف ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں قرآن کریم کی جمع و ترتیب، اختلاف قرات اور اختلاف نسخ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے، مثلاً ابن عامر کی "کتاب المصاحف۔" اس کے علاوہ بہت سے لوگوں نے "کتاب المصاحف" کے نام سے کتابیں لکھی ہیں، جن میں "کتاب المصاحف لابن اشتہ"، "کتاب المصاحف لابن ابی داؤد"، "کتاب المصاحف لابن الانباری" زیادہ مشہور ہیں، لیکن آج ان میں سے صرف ایک کتاب موجود ہے، اور وہ ہے "کتاب المصاحف لابن ابی داؤد" جو امام ابوداؤد صاحب السنن کے صاحبزادے کی تالیف ہے، اور کچھ عرصہ پہلے اسے ایک انگریز مستشرق نے شائع کیا ہے۔

م ط

✽ مطعم بن عدی: وہ شخص جس نے نبی کریم ﷺ کو طائف سے واپسی پر پناہ دی۔نبی کریم ﷺ طائف سے تشریف لائے تو چند روز نخلہ میں قیام کیا۔پھر غار حرا تشریف لے گئے اور یہاں سے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ آیا وہ آپ ﷺ کو اپنی حمایت لے سکتا ہے؟ مطعم نے آپ ﷺ کی یہ درخواست قبول کرلی اور اپنے بیٹوں کو کہا کہ حرم میں ہتھیار لگا کر جاؤ۔مطعم خود اونٹ پر سوار حرم میں آیا اور اعلان کیا کہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی۔مطعم بن عدی نے غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں انتقال کیا۔ ⟸ طائف، سفر+بدر، غزوہ۔

م ع

✽ معاذ بن جبل: صحابی رسول ﷺ۔غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔نبی کریم ﷺ کو ان سے خاص انس تھا، اس لئے اپنے اونٹ پر آپ ﷺ اپنے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد شام منتقل ہوگئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

حضرت معاذ بن جبل کا انتقال جنگ عمواس میں ہوا۔وہ جید اور فاضل صحابہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

✽ معانی الآثار: امام طحاوی کا مرتب کردہ مجموعہ احادیث۔ دیگر مجموعہ ہائے حدیث سے معانی الآثار اس لحاظ سے مختلف ہے کہ جس زمانے میں امام طحاوی نے یہ مجموعہ مرتب کیا اس زمانے میں مستشرقین، ملحدین، منکرین حدیث اور غیر مقلدین کی طرف سے حدیث پر طرح طرح کے اعتراضات اٹھنا شروع ہوگئے تھے۔چنانچہ امام طحاوی اور دیگر علمانے یہ محسوس کیا کہ تقابلی انداز میں فن حدیث کی ایسی کوئی کتاب ہونی چاہئے جس میں ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہوں۔چنانچہ امام طحاوی نے یہ کتاب مرتب کی۔

✽ معجزہ: وہ غیر معمولی، خلاف معمول اور عقل کو عاجز کردینے والا واقعہ جو نبی سے سرزد ہو۔یہ خاص واقعہ نبی کے ہاتھوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا مقصد نبی کی شہادت کے طور پر لوگوں کے سامنے دلیل پیش کرنا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کا معراج کا واقعہ، شق قمر وغیرہ کے واقعات معجزہ ہیں۔اسی

طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے کو زندہ کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بن جانا جیسے واقعات معجزہ ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب نے اس موضوع پر "معجزہ کیا ہے" کے عنوان سے ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کتابچے میں وہ لکھتے ہیں:

انسان کی خوبی صرف صلاحیت کی ہے۔ اس صلاحیت کو اجاگر کرنے کے لئے انبیاء بھیجے گئے تو نبی آکر دنیا میں دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ ہم حق تعالیٰ کا قانون لے کر آئے ہیں۔ اس دعوے کے لئے ضرورت پڑتی ہے دلیل کی، اس لئے کہ آنکھوں سے کسی نے دیکھا نہیں کہ نبی کے اوپر قانون اتر رہا ہے، یا نبی صاحب علم بنے ہیں، نبی کسی مکتب میں نہیں پڑھتے، کسی مدرسے سے تعلیم نہیں پاتے، ایک دم بیک دم یہ دعویٰ کرتے ہیں اور وہ علم پیش کرتے ہیں کہ دنیا کے علما اور عرفا عاجز رہ جاتے ہیں۔

تو اول تو یہی خود ایک بڑی دلیل ہے کہ بغیر پڑھے لکھے اس درجہ کے علوم ظاہر کرنا کہ دنیا کے اہل علم عاجز ہو جائیں مگر بہر حال نبوت کے ثبوت کے لئے دلائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

کیونکہ نبوت ایک دعویٰ ہے کہ میں اللہ کی طرف سے آیا ہوں، میں قانون لے کر آیا ہوں اور ساتھ میں یہ دعویٰ کہ جو میں کہوں گا وہی حق ہو گا۔ اس کے سوا کوئی چیز حق نہیں ہو سکتی، اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کہ جو میں کہوں گا قطعی بات ہو گی اس میں تذبذب کی بھی گنجائش نہیں، اس پہ ایمان لانا پڑے گا اور اس درجہ کا ایمان کہ نہ اس میں شک کی گنجائش ہے، نہ تردد کی گنجائش ہے، نہ تذبذب کی۔ تو اتنا عظیم دعویٰ کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں، خدا کی طرف سے کتاب لایا ہوں، خدا کی طرف سے دعویٰ لے کر آیا ہوں۔ ان دعووں کے دلائل میں انبیا کو وہ عجیب چیزیں دی جاتی ہیں کہ دنیا میں تمام مخلوق انہیں کر کے نہیں دکھلا سکتی۔ وہ چیزیں نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہیں۔ نبی گویا تصرف کرتے ہیں آسمانی چیزوں میں بھی اور زمینی چیزوں میں بھی، علویات میں بھی ان کے اثرات پہنچتے ہیں اور سفلیات میں بھی ان کے اثرات پہنچتے ہیں۔

اسی کو معجزہ کہتے ہیں کہ خرق عادت کے طور پر وہ باتیں دکھلانا کہ دنیا ان کی مثال پیش کرنے اور ان جیسا کام کرنے سے عاجز رہ جائے۔ یہ اس کی دلیل ہوتی ہے کہ بے شک یہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔ خدا نے اس کے ہاتھ پر وہ قوتیں ظاہر کی ہیں کہ جن قوتوں کے ہوتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ یہ فرستادۂ خداوندی ہے۔ ذاتی طور پر کوئی دعویٰ لے کر نہیں آیا، خدا کی طرف سے آیا ہے۔ یہ بہ طور سند کے چیزیں پیش کی جا رہی ہیں۔

تو انبیا کو معجزات دئے جاتے ہیں۔ معجزہ خرق عادت ہوتا ہے۔ عادت کے طور پر جو افعال ہوتے ہیں ان سے بالاتر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ معجزہ در حقیقت خدا کا فعل ہوتا ہے جو ظاہر تو ہوتا ہے نبی کے ہاتھ پر مگر آتا ہے من اللہ۔ تو بشر اس سے عاجز ہوتا ہے۔ اس واسطے بشر کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ خدائی چیزیں ہیں اور یہ بھی خدا کا فرستادہ ہے۔ خدا نے اپنے افعال اس کے ساتھ کئے ہیں تو یقیناً خدا کے اقوال بھی اس کے ساتھ ہیں۔ جب افعال سے مدد کی جا رہی ہے تو اقوال بھی یہ ضرور خدا ہی کی طرف سے نقل کر رہا ہے۔

تو حق تعالیٰ اقوال دیتے ہیں اور نبی کے ساتھ اپنے افعال کرتے ہیں تاکہ وہ فعل قول کی حقانیت اور صداقت کی دلیل بن جائے۔ وہ نبی کی صداقت کے لئے ہوتے ہیں اس لئے معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی نار کو گلزار بنا دیا گیا، عادتاً یہ چیز مستبعد ہے اور ممکن نہیں ہے کہ آگ ٹھنڈک کا کام دے اور برد و سلام بن جائے۔ یقیناً خرق عادت ہے۔ جب یہ معجزہ ذات اقدس پر ظاہر ہوا تو یقیناً سمجھنے والوں نے یہ سمجھا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، بندوں کے ہاتھ میں قوت نہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر میں سے اونٹنی نکالی وہ چرتی بھی تھی اور کھاتی بھی تھی۔ اس کے بچہ بھی ہوا۔ یقیناً عادۃً یہ چیز مستبعد ہے کہ پتھر کے اندر سے جان دار پیدا ہوا اور جاندار بھی غیر معمولی کہ قد و قامت بھی اتنا طویل و عریض کہ عام اونٹنیوں کا قد و قامت اتنا نہیں ہوتا۔ کھانا بھی اس کا ایسا عجیب و غریب کہ چرنے پہ آئی تو ایک دم

سارے کھیت چر گئی، پینے میں آئی تو تالاب خشک کر دئے۔ یہ ساری چیزیں خوارق تھیں۔ عادت کے مطابق نہیں تھیں۔ ان افعال کو دیکھ کر دلوں نے یقین کیا کہ یہ بے شک فرستادۂ خدا ہے۔ کسی نے مانا اگر دل میں تسلیم ورضا آگئی۔ کسی نے نہ مانا اگر عناد اور جحود کا جذبہ پیدا ہو گیا مگر یہ ضرور تسلیم کیا کہ یقیناً یہ کوئی غیر معمولی چیز ہے جو خدا کی طرف سے ہے۔

تو نار خلیل ایک معجزہ ہے۔ ناقۂ صالح ایک معجزہ ہے۔ ید بیضا بھی ایک معجزہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہاتھ گریبان میں ڈالتے ہیں اور جب نکالتے ہیں تو سورج کی طرح روشنی پڑ رہی ہے۔ عادۃً یہ چیز بعید ہے کہ کوئی شخص گریبان میں ہاتھ ڈالے اور نکلے تو وہ سورج بن جائے۔

عصائے موسیٰ یقیناً معجزہ ہے کہ اس کو پتھر پہ مارتے ہیں تو بارہ چشمے بہہ پڑتے ہیں۔ بہتے ہوئے پانی پہ مارتے ہیں تو وہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے اور بارہ راستے بن جاتے ہیں۔ تو جامد کو سیال بنا دیا اور سیال کو جامد یعنی انقلاب ماہئیت پیدا کر دینا یقیناً خرق عادت ہے۔ عادۃً یہ چیز مستبعد ہے کہ دریا کا پانی خود بخود رک جائے، راستے بن جائیں۔ یا ایک لاٹھی مارنے سے پتھر سے چشمے بہہ پڑیں۔ خود لاٹھی معجزہ ہے کہ ہاتھ میں اسے رکھو تو لاٹھی ہے اور کسی چیز پر مار دیا، پھینک دو تو اژدہا بن کر لہرانے اور پھنانے لگے۔ یہ یقیناً معجزہ ہے۔ عادۃً یہ چیز نہیں ہوتی کہ لاٹھی ہاتھ میں لو تو لاٹھی اور پھینکو تو وہ اژدہا بن جائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیائے موتیٰ اور ابرائے اکمٰی و ابرص یہ معجزات دیئے گئے۔

تو تمام انبیاء علیہم السلام کو کچھ سندیں ایسی دی گئی کہ جن سندوں کے ذریعے سے لوگ باور کر سکیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے، اور جو کچھ یہ قول سے کہہ رہا ہے جب کہ یہ فعل اس کے ساتھ ہیں تو یقیناً یہ قول بھی خدا ہی کا ہے جس کو یہ نقل کر رہا ہے۔

تو جیسے افعال کے حق میں وہ مظہر ہے کہ کارفرمائیاں قدرت کی ظاہر ہو رہی ہیں اور جائے ظہور بنا ہوا ہے نبی کا بدن۔ (معجزہ کیا ہے؟ از مولانا قاری محمد طیبؒ)

*** معجم**: علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ ان کتب حدیث کو کہتے ہیں جن میں کسی محدث نے اپنے شیوخ اور اساتذہ کی ترتیب سے احادیث جمع کی ہوں، یعنی ایک شیخ کی احادیث ایک جگہ اور دوسرے کی دوسری جگہ وہلم جرا۔ لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے لکھا ہے کہ یہ تعریف درست نہیں۔ در حقیقت معجم حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں حروف تہجی کی ترتیب قائم کی گئی ہو، خواہ یہ ترتیب صحابہ کرامؓ میں ہو یا شیوخ میں۔ اس طرح "معجم" اور "مسند" میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہو گئی۔ اس نوع کی بھی متعدد کتابیں مشہور ہیں، مثلاً معجم اسماعیل، معجم ابن الغوطی وغیرہ لیکن سب سے زیادہ مشہور امام طبرانیؒ کی معاجم ہیں۔ انہوں نے تین معاجم لکھی ہیں:

❶ المعجم الکبیر، جس میں صحابہ کرامؓ کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔

❷ المعجم الاوسط، جس میں شیوخ کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔

❸ المعجم الصغیر، جس میں امام طبرانیؒ نے اپنے تمام شیوخ میں سے ہر ایک کی ایک ایک حدیث ذکر کی ہے۔

پہلی دو کتابیں نایاب ہیں، البتہ ان کی احادیث علامہ ہیثمیؒ کی "مجمع الزوائد" میں مل جاتی ہیں۔

*** معراج**: رسول اللہ ﷺ کا ایک رات میں بیت المقدس اور سات آسمانوں پر جانا۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: سبحن الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حوله لنریه من ایاتنا۔ انه هو السمیع البصیر (ترجمہ) وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گئی تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔ (بیان القرآن)

آیت کے شروع میں لفظ سبحان لے آئے ہیں، یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ اس آیت کی تشریح میں مفتی شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"اس آیت میں واقعہ معراج کا بیان ہے جو ہمارے رسول ﷺ کا ایک خصوصی اعزاز اور امتیازی معجزہ ہے۔ لفظ اسریٰ، اسرء سے مشتق ہے جس کے معنی رات کو لے جانے کے ہیں، اس کے بعد لیلا کے لفظ سے صراحتاً بھی اس مفہوم کو واضح کر دیا اور لفظ لیلا کے نکرہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اس تمام واقعہ میں پوری رات بھی صرف نہیں ہوئی بلکہ رات کا ایک حصہ صرف ہوا ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر جس کا ذکر اس آیت میں ہے اس کو اسراء کہتے ہیں اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے۔ اسراء اس آیت کی نص قطعی سے ثابت ہے اور معراج کا ذکر سورۂ نجم کی آیات میں ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ بعبدہ۔ اس مقام اعزاز و اکرام میں لفظ بعبدہ سے ایک خاص محبوبیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کسی کو خود فرما دیں کہ یہ میرا بندہ ہے، اس سے بڑھ کر کسی بشر کا بڑا اعزاز نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسن دہلوی نے خوب فرمایا ؎

بندہ حسن بصدر زبان گفت کہ بندہ توام
تو بزبان خود بگوید نواز کیستی

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج ۵، ص۴۲۶)

لفظ عبد کی تشریح

لفظ عبد کی تشریح کے لئے ہم علامہ محمود آلوسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"جب حضور ﷺ درجات عالیہ اور اونچے مراتب تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی کی، اے محمد ﷺ ہم تجھے کس چیز سے مشرف کریں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! آپ میری طرف عبودیت کی نسب کر دیں"

(تفسیر روح المعانی علامہ آلوسیؒ ج ۵ ص۳)

معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ مجھے عبد کہہ کر پکارا جائے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ لفظ عبد لانے میں نکتہ یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھا لیا تو نصاریٰ ان کے ابن اللہ (خدا کا بیٹا) ہونے کے مدعی بن گئے۔ خدائے برتر نے ہم گناہ گاروں پر شفقت فرمائی اور اس شرک سے بچانے کی غرض سے صاف طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے عبد کا لفظ استعمال فرمایا تاکہ ہم بھی آپ ﷺ کی نسبت وہ دعویٰ نہ کر دیں، کیونکہ جو عبد ہو گا وہ ہرگز خدا نہیں ہو سکتا۔

یہ معراج جسمانی ہوئی ہے صرف روحانی نہیں ہوئی بلکہ آنحضرت ﷺ خود زمین سے آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے اور یہ معراج بیداری کی حالت میں ہوئی ہے اور یہ کوئی خواب کا واقعہ نہیں ہے۔

جمہور اُمت کا مذہب یہی ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔ صرف چند افراد اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہیں اور وہ اس واقعے کو خواب سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ خواب تھا اور بیداری میں یہ سفر نہیں ہوا ہے، لیکن ظاہری بات ہے کہ جمہور مذہب کے ہوتے ہوئے چند افراد کی بات کی اہمیت باقی نہیں رہتی ہے۔ اکثر مفسرین کرام بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ واقعہ خواب کا واقعہ نہیں بلکہ حالت بیداری کا ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کے ارشادات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اسراو معراج کا سفر روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی تھا جیسے عام انسان سفر کرتے ہیں۔ سورۃ کے پہلے ہی لفظ سبحان میں اس طرف اشارہ موجود ہے، کیونکہ یہ لفظ تعجب اور کسی عظیم الشان امر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔" (معارف القرآن ج۵ ص۴۲۷)

بہرحال مفتی صاحب بھی جمہور کے مذہب کی تائید کرتے ہیں نیز مفتی صاحب نے آگے دیگر وجوہ بھی بیان کی ہیں جو اس واقعے کے عظیم الشان ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس سفر کے حالت بیداری میں

ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح سے آگے چل کر مفتی صاحب نے ایک نومسلم کی شہادت کے عنوان سے ایک واقعہ بیان کیا ہے، یہ واقعہ بھی اس سفر کے حالت بیداری میں ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (تفصیلات کے لئے معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج۵ ص۴۲۷ تا ص۴۳۰ کامطالعہ کیاجائے)۔

اسی طرح امام فخر الدین الرازیؒ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ سفر بیداری کی حالت میں جسم مع الروح کے ہوا ہے۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر، التفسیر الکبیر میں اس مسئلے پر مکمل بحث کی ہے اور انہوں نے اس مسئلے کو سات اسباب سے ثابت کیا ہے۔ یہاں صرف ایک سبب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"جیسا کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ بھاری جسم عالم دنیا سے عرش تک چلا جائے تو اسی طرح یہ بات بھی تو عقل میں نہیں آتی ہے کہ ایک پاکیزہ جسم اور روحانی جسم عرش سے عالم دنیا میں آجائے۔ تو اگر آنحضرت ﷺ کا ایک رات میں اوپر چڑھنا بعید از عقل ہو تو پھر جبرئیل علیہ السلام کا ایک لمحے میں عرش سے مکہ کی طرف اترنا اس بات کو بھی بعید از عقل سمجھنا پڑے گا۔ اور اگر ہم نے جبرئیل علیہ السلام کا آسمان سے مکہ کی طرف اترنا بعید از عقل سمجھ لیا تو پھر یہ تمام انبیاءؑ کی نبوت پر طعن ہوگا حال آنکہ یہ معراج شریف کا قول فرع اور نبوت کا ماننا اصل ہے اور جب ایک بات اصل کے لئے ثابت ہو تو وہی بات فرع کے لئے بھی ثابت مانی جائے گی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ معراج شریف کا سفر جسمانی تھا، روحانی نہیں تھا۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ خود حالت بیداری میں آسمان پر گئے ہیں۔ اگر اس بات سے انکار کیا جائے گا تو پھر تمام انبیا کی نبوت کا انکار لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے۔"

امام رازیؒ نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ بہت کم لوگوں نے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے اور اس بات کو محمد ابن جریر الطبری نے اپنی تفسیر (الطبری) میں بیان کیا ہے کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا جسم اس رات میں غائب نہیں ہوا۔ یہ بات حضرت عائشہ وحضرت معاویہؓ سے بھی مروی ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر (عثمانی) میں معراج کے جسمانی ہونے کو ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جمہور سلف وخلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ پر نور کی حالت بیداری میں بہ جسد الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ وہ واقعہ اسراو معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ (بنی اسرائیل) میں آگے چل کر جو لفظ وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الخ آتا ہے، اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔ سلف میں سے کسی کا قول نہیں کہ معراج حالت بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو جیسا کہ بعض حکماو صوفیہ کے اخلاق کو ان کے مزج پر تجویز کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال قرآن کریم نے جس قدر اہتمام اور ممتاز درخشاں عنوان سے واقع اسرا کو ذکر فرمایا اور جس قدر جدو مستعدی سے مخالفین اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں آنکلے حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ واقع کی نوعیت محض ایک عجیب خواب یا سیر روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر و انکشافات کے رنگ میں آپ کے جو اعدا (دشمن) ابتدائے بعثت سے رہے ہیں، دعوائے اسرا کفار کے لئے کچھ ان سے بڑھ کر تعجب خیز و حیرت انگیز نہ تھا جو مخصوص طور پر اس کو تکذیب و تردد اور استہزاو تمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو۔ نہ آپ ﷺ کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر قدر متفکر و متشوش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف صاف لفظ ہیں ثم اصبحت بمکۃ یا ثم اتیت مکہ (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا)۔ اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ ﷺ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے اور شداد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہؓ کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا۔

حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے تھے۔ ہمارے نزدیک اسرا بعبدہ کے یہ معنی لینا کہ خدا اپنے بندے کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا، اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص

فاسر بعبادی کے یہ معنی لینے لگے کہ اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لے کر مصر نکل جاؤ۔"

آگے شیخ الاسلام معراج انسانی پر ایک اعتراض اور اس کا جواب نقل کرتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے ہوگئی؟ یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے آسمان پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے، کیسے قابل تسلیم ہوگا؟ لیکن آج تک کوئی دلیل اس کی پیش نہیں کی گئی کہ آسمان واقعی میں کوئی شئے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگوں چیز جو ہم کو نظر آتی ہے، فی الحقیقت آسمان نہیں ہے تب بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس نیلگوں رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہو سکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا سفر طے کرنا تو تمام حکما تسلیم کرتے ہیں کہ سرعت کے لئے کوئی حد نہیں۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو بھی یہ یقین نہیں آسکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائے گی یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعے پرواز کر سکیں گے۔ اسٹیم اور قوت کہربائیہ کے کرشمے کس نے دیکھے تھے؟ کرہ نار تو آج کل ایک لفظ بے معنی ہے۔ ہاں اوپر جا کر ہوا کی برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیئے گئے ہیں جو اڑنے والوں کی زمین سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلاواسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ زمین یا سورج چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں، روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے، بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی ہے اور مغرب میں گرتی ہے اور اس سرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پرکاہ کے برابر حقیقت نہیں رکھتے۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں وہ قادر مطلق اپنے حبیب ﷺ کے براق میں برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا؟ جن سے آنحضرت ﷺ بڑی راحت و تکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہو سکیں۔ شاید اسی لئے واقعہ معراج و اسرا کا بیان لفظ سبحٰن الذی سے شروع فرمایا تاکہ جو لوگ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم و تخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں، کچھ اپنی گستاخیوں اور عقلی حماقتوں پر شرمائیں۔" (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر عثمانی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ص۳۶۰)

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرات مفسرین کی تشریحات سے یہ بات واضح اور ثابت ہوگئی کہ یہ معراج حالت بیداری میں جسم اور روح کے ساتھ ہوئی ہے، یہ کوئی خواب کا واقعہ نہیں ہے۔

اسراو معراج کی تاریخ

اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ علمائے کرام سے مختلف اقوال اس بارے میں منقول ہیں۔ تاریخ اور مہینہ دونوں میں اختلاف ہے البتہ ایک قول جو زبان زد عام ہو چکا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو وقوع پذیر ہوا ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ اپنی تفسیر میں معراج کی تاریخ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ معراج کی تاریخ میں روایات بہت مختلف ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے چھ ماہ قبل پیش آیا اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات نمازوں کی فرضیت نازل ہونے سے قبل ہو چکی تھی۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کا واقعہ بعثت نبوی کے سات سال بعد ہوا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ واقعہ معراج بعثت نبوی سے پانچ سال بعد میں ہوا۔ ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے کا ہے۔ حربیؒ فرماتے ہیں کہ واقعہ اسراو معراج ربیع الثانی کی ستائیسویں شب میں ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے۔ اور ابن قاسم ذہبیؒ کہتے ہیں بعثت سے اٹھارہ ماہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ حضرات محدثینؒ نے روایات مختلفہ ذکر کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کن بات نہیں لکھی۔ مشہور

عام طور پر یہ ہے کہ ماہ رجب کی ستائیسویں شب میں معراج کا واقعہ پیش آیا۔" (معارف القرآن ج ۵ ص ۴۳۰، ۴۳۱)

اسی طرح حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بھی واقعہ معراج کی تاریخ میں اختلاف کو بیان کیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"علما کے اس بارے میں دس اقوال ہیں: ① ہجرت سے چھے ماہ قبل ② ہجرت سے آٹھ ماہ قبل ③ ہجرت سے گیارہ ماہ قبل ④ ہجرت سے ایک سال قبل ⑤ ایک سال اور دو ماہ قبل ⑥ ایک سال اور تین ماہ قبل ⑦ ایک سال اور پانچ ماہ قبل ⑧ ایک سال اور چھے ماہ قبل ⑨ ہجرت سے تین سال قبل ⑩ پانچ سال قبل۔

راجح قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور بیعت عقبہ سے پہلے معراج ہوئی۔"

آگے چل کر مولانا لکھتے ہیں:

"رہا یہ کہ کس مہینے میں ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے اور اس میں پانچ اقوال ہیں: ① ربیع الاول ② ربیع الثانی ③ رجب ④ رمضان ⑤ شوال۔"

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ سیرت المصطفیٰ ﷺ ج ۱، ص ۲۸۷، ص ۲۸۸۔ شرح المواہب ج ۱ ص ۳۰۷۔

معراج شریف کے متعلق متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ یہاں صرف ایک حدیث پر اکتفا کیا جاتا ہے: صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ معراج والی رات میں جب کہ آپ ﷺ کو کعبۃ اللہ شریف سے بلایا گیا۔ آپ ﷺ کے پاس تین فرشتے آئے۔ اس وقت آپ ﷺ بیت اللہ شریف میں سوئے ہوئے تھے۔ ان میں سے اگلے نے پوچھا: یہ ان سب میں کون ہیں؟ درمیان والے نے جواب دیا کہ یہ ان سب میں بہترین ہیں۔ تو سب سے آخر والے نے کہا کہ پھر ان کو لے چلو۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں نہیں دیکھا۔ دوسری رات پھر یہ فرشتے آئے۔ اس وقت آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے، لیکن آپ کا سونا اس طرح کا تھا کہ آنکھیں سوئی ہوئی تھیں اور دل جاگ رہا تھا اور تمام انبیاؑ کی نیند اس طرح کی ہوتی ہے۔ اس رات انہوں نے کوئی بات نہ کی اور آپ ﷺ کو اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لٹا دیا اور آپ ﷺ کا سینہ گردن تک خود جبرئیلؑ نے اپنے ہاتھ سے چاک کیا اور جسم کی تمام چیزیں نکال کر اپنے ہاتھ سے زمزم سے دھوئیں۔ جب اچھی طرح دھو دیا تو سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں سونے کا ایک بڑا پیالا تھا جو حکمت سے پُر تھا۔ اس سے آپ ﷺ کے سینے کو پُر کر دیا پھر سینے کو سی دیا گیا اور آپ ﷺ کو لے کر آسمان کی طرف چڑھے۔ وہاں دروازہ کھٹکھٹایا تو فرشتوں نے پوچھا، کون؟ فرمایا کہ جبرئیلؑ۔ فرمایا، آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا، محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلوایا گیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا کہ ہاں۔ سب خوش ہوئے اور مرحبا کہتے ہوئے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ پہلے آسمان پر آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ کا تعارف کرایا گیا۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ حضرت آدم کو سلام کیجئے! آپ ﷺ نے سلام کیا۔ جواب ملا اور دعائیں دیں۔ پھر دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت عیسیٰؑ و حضرت یحییٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ ملاقات وغیرہ کے بعد تیسرے آسمان پر گئے۔ وہاں یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ سے ملاقات ہوئی۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پچاس نمازوں کا تحفہ ملا۔ واپسی میں موسیٰ علیہ السلام سے ملے انہوں نے پوچھا کہ اپنی اُمت کے لئے کیا تحفہ لائے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا پچاس نمازیں۔ موسیٰؑ نے آپ کو لوٹایا کہ یہ نمازیں کم کرائیے، آپ کی اُمت یہ فرض پورا نہ کر سکے گی۔ آپ واپس گئے۔ پانچ کم ہوئیں۔ موسیٰؑ نے پھر آپ کو لوٹایا۔ اس طرح کم ہوتے ہوتے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ نمازیں تو پانچ ہیں مگر اس کا ثواب پچاس نمازوں کا دیا جائے گا اور نیکی کا صرف ارادہ کرنے سے ایک نیکی اور نیکی کو پورا کرنے پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور گناہ کا صرف ارادہ کرنے سے کچھ بھی نہیں لکھا جائے گا اور گناہ کرنے پر صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۷۰۴، ص ۱۷۴)

آسمانوں سے واپسی

واپسی میں قریشیوں کے ایک قافلے کو دیکھا جو غلہ لادے جا رہے تھا۔ اس میں ایک اونٹ تھا جس پر ایک سفید اور ایک سیارہ بوری تھی۔ جب آپ ﷺ اس کے قریب سے گزرے تو وہ گھبرا گیا اور مڑ کر گر پڑا اور لنگڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ واپس اپنی جگہ پہنچا دیئے گئے، جہاں سے سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ صبح آپ ﷺ نے اپنی اس معراج کا ذکر لوگوں سے کیا۔ مشرکوں نے جب یہ سنا تو وہ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ تمہارے پیغمبر ﷺ تو ایسے کہتے ہیں کہ وہ آج کی ایک ہی رات میں مہینہ بھر کے فاصلے کے مقام تک ہو آئے ہیں۔ صدیق اکبر نے جواب دیا کہ اگر فی الواقع آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہو تو آپ سچے ہیں، ہم تو اس سے بھی بڑی بات میں آپ ﷺ کو سچا جانتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ آپ ﷺ کو آن کی آن میں آسمانوں سے خبریں پہنچتی ہیں۔

مشرکوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ سچائی کی کوئی علامت بھی پیش کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں نے راستے میں فلاں فلاں جگہ قریش کا قافلہ دیکھا ہے اور وہ ایک اونٹ جس پر سفید و سیاہ رنگ کے دو بڑے بورے ہیں وہ ہمیں دیکھ کر گھبرا گیا اور چکر کھا کر گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ جب وہ قافلہ آیا تو لوگوں نے ان سے جا کر پوچھا کہ راستے میں کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی؟ انہوں نے کہا، ہاں ہوئی۔ فلاں اونٹ فلاں جگہ اس طرح گرا وغیرہ وغیرہ۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کی تصدیق کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو "صدیق" کہا جاتا ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ واپس مکہ پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے ان عجائبات کا ذکر کیا کہ میں اس رات بیت المقدس پہنچا، آسمانوں کی سیر کی وغیرہ وغیرہ۔ اس پر ابوجہل (ابن ہشام) کہنے لگا لو! تعجب کی بات سنو اونٹوں کو مارتے پیٹتے ہم تو مہینہ بھر میں بیت المقدس پہنچتے ہیں اور کئی مہینے واپسی میں لگ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دو ماہ کی مسافت ایک ہی رات میں طے کر آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، سنو! جاتے وقت میں نے تمہارے قافلے کو فلاں جگہ دیکھا تھا اور آتے وقت وہ مجھے عقبہ میں ملا تھا۔ سنو! اس میں فلاں فلاں شخص ہے، فلاں اس رنگ کے اونٹ پر ہے اور اس کے پاس یہ سامان ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایک روایت میں آپ ﷺ سے لوگوں نے بیت المقدس کے بارے میں پوچھا کہ اس کے کتنے دروازے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ پس رسول اللہ ﷺ سے رکاوٹیں دور کر دی گئیں اور رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کو اس طرح دیکھتے تھے جس طرح کہ آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ہو۔ حال آنکہ مکہ اور بیت المقدس کے درمیان بہت زیادہ مسافت ہے۔

اس طرح آپ ﷺ نے ان لوگوں کے (بیت المقدس کے بارے میں) سوالات کے جوابات دیئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے صحیح البخاری ج۲ ص ۶۸۴۔

انبیا سے ملاقات کی ترتیب

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کی ترتیب سے متعلق ایک لفظ کہا ہے۔ وہ لفظ "اعیاہا" ہے۔ اس لفظ میں حروف کی ترتیب سے انبیا کی ترتیب آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، وہ اس طرح کہ اس لفظ میں پہلا حرف الف ہے جس سے اشارہ حضرت آدمؑ کی طرف ہوتا ہے کہ وہ پہلے آسمان پر ہیں۔

دوسرا حرف عین ہے، جس سے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ وہ دوسرے آسمان پر ہیں۔ چونکہ حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے خالہ زاد ہیں تو ان کا ذکر عیسیٰؑ کے ذکر کے ضمن میں آگیا۔

تیسرا حرف ی ہے جس سے مراد حضرت یوسفؑ ہیں جو تیسرے آسمان پر ہیں۔

چوتھا حرف الف ہے جس سے اشارہ ہے کہ حضرت ادریسؑ چوتھے آسمان پر ہیں۔

پانچواں حرف ھ ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت ہارونؑ پانچویں آسمان پر ہیں۔

چھٹا حرف میم ہے۔ اشارہ موسیٰؑ کی طرف ہے کہ وہ چھٹے آسمان پر ہیں۔

ساتواں حرف الف ہے، اشارہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہیں اور وہاں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

دو اشکالات اور ان کے جوابات

پہلا اشکال یہ ہے کہ اسرا کے سفر کا آسمانوں کی طرف ہونا اور وہاں پر حضور ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنا اور کلام کرنا یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مقام پر مقیم ہیں ورنہ اس کے حضور بندے کی پیشی کے لئے کیا ضرورت تھی کہ اسے سفر کرا کے ایک خاص مقام تک لے جایا جاتا؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ خالق اپنی ذات میں تو بلا شبہ اطلاقی شان رکھتا ہے، مگر مخلوق کے ساتھ معاملے میں اپنی کسی کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ مخلوق کی کمزوریوں کی بنا پر محدود وسائط اختیار کرتا ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا آسمان کی طرف چڑھنا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شرف حاصل کرنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مقام پر مقیم ہیں بلکہ یہ اس وجہ سے ہوا کہ محمد ﷺ کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہو جائے، اس وجہ سے آسمانوں پر ان کو بلوایا گیا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ سفر معراج میں آنحضرت ﷺ کو جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا، لوگوں کا عذاب میں ہونا بتایا گیا جب کہ ابھی بندوں کے مقدمات کا فیصلہ نہیں ہوا ہے اور جزا و سزا کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا، پھر یہ اتنی پہلے سزا کس طرح دے دی گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مشاہدات جو حضور ﷺ کو کرائے گئے تھے ان میں بعض حقیقتوں کو متمثل کر کے دکھایا گیا، مثلاً زنا کاروں کی یہ تمثیل کہ ان کے پاس تازہ گوشت موجود ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔ اسی طرح دیگر اعمال کی سزائیں آپ ﷺ کو دکھائی گئیں۔ یہ تمثیلی رنگ میں عالم آخرت کی سزاؤں کا پیشگی مشاہدہ تھیں۔

اس اشکال کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ امت محمدیہ کو پتا چل جائے اور معلوم ہو جائے کہ اگر یہ جرم کیا تو یہ سزا ملے گی، یہ غلطی کی تو اس کی سزا یہ دی جائے گی۔

٭ معیقیب بن ابی فاطمہ: صحابی رسول ﷺ۔ ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوۂ خیبر کے زمانے میں مدین چلے گئے اور بعد میں تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت معیقیبؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مہر انہی کے پاس رہتی تھی۔ نہایت متقی اور پرہیزگار صحابی تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور پھر حضرت عثمان اس بنا پر ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں انتقال ہوا۔

حضرت معیقیب سے کئی احادیث بھی مروی ہیں۔

م غ

٭ مغازی: نبی کریم ﷺ کے غزوات کے تذکرے کا فن۔ ابتدا میں یہی فن رائج تھا جو "مغازی آنحضرت ﷺ" کہلاتا تھا۔ بعد میں سیرت نبوی ﷺ کا آغاز ہوا۔ چنانچہ سیرت پر پہلے جو کتابیں لکھی گئیں وہ "مغازی" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ مثلاً مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی۔ لیکن آگے چل کر مغازی ایک علیحدہ فن بن گیا اور سیرت الگ فن بنا۔

ابتدا میں غزوات کا تذکرہ زیادہ کیا جاتا تھا۔ عوام کے مخصوص مزاج کی وجہ سے جو لوگ مغازی کو اپنا فن بنا چکے تھے، اور عوام میں خاصے مقبول تھے، لیکن خواص میں مستند نہ تھے۔ آہستہ آہستہ فن مغازی کو دلچسپ بنانے کے لئے جھوٹی روایات بھی شامل کی جانے لگیں حتیٰ کہ واقدی کو محدثین "کذاب" کہتے ہیں۔

اس ضمن میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خاص توجہ کی اور حکم دیا کہ غزوات نبوی ﷺ کا حلقۂ درس قائم کیا جائے۔ عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (متوفی ۱۲۱ھ) اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے ان کو کہا گیا کہ وہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا

درس دیں۔

اسی زمانے میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ فقہ و حدیث میں امام زہری کا ہمسر نہ تھا۔ وہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ وہ حدیث و روایت جمع کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے، جو ملتا اس سے نبی کریم ﷺ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے۔ امام زہری نے مغازی پر یہ کتاب غالباً عمر بن عبدالعزیز کے کہنے پر لکھی۔

امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مزاج پیدا ہوگیا۔ ان کی ان خدمات کی وجہ سے تہذیب التہذیب وغیرہ میں انہیں "صاحب مغازی" لکھا جاتا ہے۔

امام زہری کے شاگردوں میں سے موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی۔ امام مالک، موسیٰؒ کے مداح تھے جب کہ محمد بن اسحاق "امام فن مغازی" کے نام سے مشہور ہوئے۔ ⇦ سیرت + غزوہ۔

*** مغیرہ بن سعید بن عجلی:** مدعی نبوت۔ مغیرہ بن سعید عجلی پہلے امامت کا اور پھر نبوت کا مدعی ہوا۔ کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس کی مدد سے مردوں کو زندہ اور لشکروں کو منہزم کر سکتا ہوں۔ جب خالد بن عبداللہ قسری کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے حاکم عراق تھا، مغیرہ کے دعوائے نبوت کا علم ہوا تو ۱۱۹ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے چھے مرید بھی پکڑے گئے۔ خالد نے مغیرہ سے دریافت کیا کہ کیا تو نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا پھر اس کے مریدوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ اس کو نبی یقین کرتے ہو؟ انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔

خالد نے مغیرہ کو دعوائے نبوت کی وہ بڑی سے بڑی سزا دی جو اس کے مخیلہ دماغ میں نہ سما سکی۔ اس کے لئے سرکنڈوں کے گٹھے اور نفط منگوایا۔ خالد نے مغیرہ کو حکم دیا کہ ایک گٹھے کو اٹھالے۔ مغیرہ اس سے رکا اور ہچکچایا۔ خالد نے حکم دیا کہ اس کو مارو۔ چنانچہ اسے مار پڑنے لگی۔ مغیرہ نے گھبرا کر ایک گٹھا اٹھالیا۔ اب اس کو اس گٹھے سے باندھ دیا گیا۔ اب اس پر اور گٹھے پر روغن نفط ڈال کر اس کو آگ دکھا دی گئی اور مغیرہ تھوڑی دیر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا۔

م ف

*** مفتاح الجنت:** ایک اصطلاح جو نبی کریم ﷺ نے نماز کے لئے استعمال کی۔ اس کا ترجمہ ہے "جنت کی چابی۔" یہ اصطلاح دراصل نماز کی اہمیت و فضیلت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

م ق

*** مقام محمود:** نبی کریم ﷺ کا ایک خاص مقام محمود صرف آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے مفہوم میں وہ جملہ دنیوی، اخروی بے انتہا خیر و بھلائی اور بے شمار نعمتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائیں اور وہ عظیم نعمتیں بھی جو اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ ﷺ کو عطا کرے گا۔ ارشاد ہوتا ہے: "اور ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کا ذکر بلند کر دیا۔" (سورہ الم نشرح)

دیکھتے ہی دیکھتے آپ ﷺ کا رفع ذکر اس طرح ہوا کہ وہی مقام جہاں آپ ﷺ کو بدنام کرنے کے لئے مخالفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا اس کا چپا چپا آپ ﷺ کے نیک نام اور پیغام سے جگمگا اٹھا۔ رفتہ رفتہ تمام روئے زمین پر آپ ﷺ کا ذکر بلند ہونا شروع ہوگیا۔ یہ سلسلہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہی جا رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔ دنیا میں جہاں مسلمان آباد ہیں وہاں پنج وقتہ اذان، اقامت اور نماز میں آپ ﷺ کا ذکر خیر جاری و ساری ہے۔ کوئی پل، کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ بھیجا جاتا ہو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا، میرا رب اور آپ ﷺ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا؟ میں نے عرض کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ ﷺ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔"

رفع ذکر وہ نعمت عظمیٰ ہے جو اللہ نے آپ ﷺ سے بڑھ کر تو درکنار آپ ﷺ کے برابر بھی کسی کو نہیں دی۔ آپ ﷺ نے حامد و احمد بن کر اتنی کثرت سے حمد کی کہ اللہ نے اپنے محبوب کو محمد و محمود بنا دیا۔ اہل ایمان پر آپ ﷺ کی تحسین و تعریف میں رطب اللسان رہنا دل کی گہرائیوں سے آپ ﷺ سے محبت کرنا اور آپ کے لئے دعائے عطائے مقام محمود کرتے رہنا واجب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو اہل ایمان تم بھی اس پر صلوۃ و سلام بھیجتے رہا کرو۔" (سورہ احزاب)

یہ آیت مبارکہ آپ ﷺ کی رفعت و عظمت، قدر و منزلت اور اللہ سے آپ ﷺ کی قربت و محبت کی دلیل ہے۔ حکم صلوۃ و سلام آپ ﷺ کے انتہائی اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہونے کی دلیل ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ آخرت میں جو کچھ آپ ﷺ کو عطا کرے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ آخرت میں جو مرتبہ آپ ﷺ کو ملے گا وہ اس مرتبے سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپ ﷺ کو حاصل ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے: "آخرت تمہارے لئے دنیا سے بھی بہتر ہے اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔" (سورہ الضحیٰ)

"اور یقیناً تمہارے لئے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ ختم ہونے والا نہیں۔" (سورہ قلم)

"بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔" (سورہ بنی اسرائیل)

مقام محمود کیا ہے؟ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مقام محمود عرش الٰہی کی داہنی جانب ایک مخصوص مقام ہوگا جہاں قیامت کے روز آپ ﷺ رونق افروز ہوں گے۔ وحی غیر متلو میں آیا ہے:

"میں صف انبیاؑ کا امام ہوں گا اور خطیب بھی۔ ان کی شفاعت کرنے والا بھی۔ جو شخص روز بعثت سب سے پہلے اپنے کاشانۂ خلوت سے برآمد ہوگا وہ میں ہوں گا اور جب اہل محشر وفود بن کر کھڑے ہوں گے تو ان کا خطیب بھی میں ہی ہوں گا اور جب شان جلال حق دیکھ کر اور انبیاؑ سے نفسی نفسی کا جواب سن کر نجات کے باب میں اہل محشر مایوس ہو چکے ہوں گے تو میں ہی انہیں بشارت دوں گا۔ اس دن علم شفاعت میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں شفاعت کبریٰ یعنی مقام محمود پر متمکن ہوں گا۔"

شفاعت کبریٰ کا مقام، مقام محمود ہے جس کی وجہ سے تمام مخلوق آپ ﷺ کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہوگی۔ اس دن مقام محمود کی وجہ تسمیہ سب کو ظاہر ہوگی کہ یہی مقام اول و آخر ہے۔ مقام محمود وہ منفرد اور ممتاز اعزاز ہے جو اللہ ذوالجلال والاکرام کی طرف سے آپ ﷺ کے لئے راہ حق پر ثبات و دوام اور حسن کارکردگی کا انعام ہے۔

مقام محمود ایک اسلامی اصطلاح، محبوبیت کا وہ خاص مقام جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی محبوب ترین ہستی حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمایا۔ قرآن پاک میں اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کو فرمایا:

ومن اللیل فتھجد به نافلة لک عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا "اور بعض حصۂ شب میں بیدار ہوا کرو (اور تہجد کی نماز پڑھا کرو۔ یہ شب خیزی) تمہارے لئے (سبب) زیادت ہے۔ قریب ہے کہ خدا تم کو مقام محمود میں داخل کرے۔" (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۸)

مقام محمود کا ترجمہ ہے تعریف کیا ہوا مقام، سراہا ہوا مقام۔

عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا ط میں اللہ تعالیٰ نے جناب رسالت مآب ﷺ سے آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مقام محمود کیا چیز ہے؟ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مقام محمود عرش الٰہی کی دائیں جانب ایک مخصوص مقام ہوگا جہاں قیامت کے دن آپ ﷺ رونق افروز ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے، قیامت کے روز میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میرا جسم (مبارک) زمین سے برآمد ہوگا۔ سب سے

پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت جناب باری میں مقبول ہوگی۔ پھر جنّت کے حلوں میں سے ایک قیمتی حلہ میرے زیب تن کیا جائے گا۔ پھر میں عرش کے داہنی طرف کھڑا ہوں گا اور تمام مخلوق میں سے کسی کو بھی میرے سوا یہ مقام نصیب نہ ہوگا۔ (ترمذی شریف)

عبداللہ بن عمر سے ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے روز جب تمام لوگ پریشان ہوجائیں گے اور گرمی و تشنگی کی شدت تمہیں حواس باختہ کردے گی تو سب مل کر انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے درخواست کریں گے کہ جناب باری میں یہ عرض کیا جائے کہ ہم لوگوں کا حساب کتاب شروع کرکے فیصلہ کردیا جائے تاکہ یہ انتظار کی زحمت اور امید و بیم کی کوفت تو دور ہو۔ تمام بزرگ اس سے پہلو تہی کریں گے۔ آخر کار جناب رسول اللہ ﷺ شفاعت فرمائیں گے اور احکم الحاکمین کے دربار میں عدالتی کارروائی شروع ہوجائے گی۔ یہ شفاعت کبریٰ کا مقام محمود ہے جس کی وجہ سے تمام مخلوق آپ کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہوگی۔

اور اصح یہ ہے کہ "مقام محمود" صرف قیامت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ دنیا میں آنحضور علیہ الصلاۃ والسلام کا تمام انبیاء کرام سے افضل ہونا قیامت تک آپ کی نبوت و شریعت کا باقی اور غیر منسوخ رہنا، آپ ﷺ کے دین کا اکمل ادیان ہونا اپنے تو اپنے غیروں اور دشمنوں تک کا آپ ﷺ کی تعریف و ثناء کے لئے مجبور ہونا (وغیر ذلک من الفضائل) یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں میں آپ ﷺ کو اور صرف آپ ﷺ کو ہی مقام اعلیٰ پر فائز کیا اور جو منصب بلند آپ ﷺ کو تفویض فرمایا ہے وہ اور کسی کے نصیب میں نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نہ صرف یہ کہ آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام دنیا میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں بلکہ آخرت میں یہ امتیاز اور بھی نمایاں ہوگا۔ پس مقام محمود دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے یہی مقام ہے جو صرف آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ ⇐ شفاعت

✽ مقنع خراسانی: خدائی کا مدعی۔ حکیم مقنع کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر مورخین نے عطا لکھا ہے اور بعض نے ہشام یا ہاشم لکھا ہے۔ حکیم کے لقب سے مشہور تھا۔ مرو کے پاس ایک گاؤں میں جس کو "کازہ کیمن وات" کہتے ہیں، ایک غریب دھوبی کے گھر پیدا ہوا۔

مقنع نے اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود علوم نظریہ میں وہ درجہ حاصل کیا کہ نواح خراسان میں کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتا تھا۔ خصوصاً معلّم بلاغت حکمت و فلسفہ، شعبہ وحیل، طلسمات و سحر نیرنجات میں سرآمد روزگار تھا۔ اس نے اپنی جودت طبع سے عجیب و غریب ایجادات کیں اور صنائع و بدائع کے ذریعے بہت جلد آسمان شہرت پر چمکنے لگا لیکن اس کی خلقت میں ایک ایسا عیب تھا جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں گونہ فرق پڑتا تھا۔ وہ یہ کہ نہایت کریہ المنظر، پس قامت، حقیر اور کم رو شخص تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ واحد العین تھا یعنی اس کی ایک آنکھ کانی تھی جسے دیکھ کر دلوں میں اس کی طرف سے وحشت و نفرت پیدا ہوتی تھی۔

مقنع اس عیب کے چھپانے کے لئے ایک چمک دار مصنوعی چہرہ اپنے منہ پر چڑھائے رکھتا تھا اور بغیر نقاب کے کسی کو اپنی شکل نہیں دکھاتا تھا۔ اس تدبیر سے اس نے لوگوں کی نفرت کو گرویدگی سے بدلا اور اسی نقاب کی وجہ سے لوگوں میں مقنع (نقاب پوش) مشہور ہوگیا۔ چہرہ چھپائے رکھنے کی اصل وجہ تو یہ تھی، لیکن جب کوئی شخص اس سے نقاب پوشی کی وجہ دریافت کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے اپنی شکل و صورت اس لئے چھپا کر رکھی ہے کہ لوگ میری رویت ضیا پاش کی تاب نہ لائیں اور اگر میں اپنا چہرہ کھول دوں تو میرا نور دنیا و مافیہا کو کر خاکستر کردے۔

دعوائے خدائی

چونکہ دینی تعلیم سے بالکل بے بہرہ تھا اور علم نظری میں کمال حاصل تھا اس لئے اس کے ہفوات کی بنیادیں فلسفیوں کے خیالات پر مبنی تھیں۔ اس کا بدترین مذہبی اصول مسئلہ تناسخ تھا جس کی بنا پر الوہیت کا دعوی کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ میرے پیکر میں ظاہر ہوا ہے۔ لیکن مقنع نے خدائی مسند صرف اپنے لئے خالی نہ کر رکھی بلکہ تمام انبیا علیہم السلام کو مظہر خداوندی قرار دیا اور کہا کہ خدائے قدوس سب

سے پہلے آدم علیہ السلام کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور یہی وجہ تھی کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ ورنہ کیوں کر جائز اور ممکن تھا کہ ملائکہ غیر اللہ کے سجدے کے مامور ہوتے اور ابلیس انکار کی وجہ سے مستوجب عذاب اور مردود ابدی ہو جاتا۔

لیکن یہ زعم بالکل باطل ہے کیونکہ بنا بر تحقیق آدم علیہ السلام فی الحقیقت مسجود نہیں تھے بلکہ محض جہت جدہ تھے۔ مقنع کہتا تھا کہ آدم علیہ السلام کے بعد حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے جسد میں حلول کیا پھر یکے بعد دیگرے ذات خداوندی تمام انبیا کی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ انجام کار خدائے برتر صاحب الدولۃ ابو مسلم خراسانی کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور اب رب العزت اسی شان سے میرے پیکر میں جلوہ فرما ہے۔ میں اس زمانے کا اتار ہوں اس لئے ہر فرد بشر پر لازم ہے کہ مجھے سجدہ کرے اور میری پرستش کیا کرے تاکہ فلاح ابدی کا مستحق ہو۔ ہزارہا ضلالت پسند حرماں نصیب اس کے دعویٰ الوہیت کو صحیح جان کر اس کے سامنے سربہ سجود ہونے لگے۔

یہ تو اس کی زندقہ نوازی کا حال تھا۔ اب اس کی تعلیمات کا اخلاقی پہلو ملاحظہ ہو۔ اس نے تمام حرمات کو مباح کر دیا۔ اس کے پیرو بے تکلف پرائی عورتوں سے ناجائز تمتع حاصل کرتے تھے۔ اس کے مذہب میں مردار اور خنزیر حلال تھا۔ مقنع نے انجام کار صوم و صلوٰۃ اور تمام دوسری عبادتیں برطرف کر دیں۔ اس کے پیرو مسجدیں بنواتے اور ان میں مؤذن نوکر رکھتے لیکن کوئی شخص وہاں نماز نہ پڑھتا۔ یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا پردیسی مسلمان ان کی مسجد میں چلا جاتا تو مسجد کا مؤذن اور مقنع کے دوسرے سیاہ دل پیرو موقع ملنے پر اس مسلمان کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے اس کی نعش کو چھپا دیتے لیکن چونکہ مسلم حکمرانوں کی طرف سے ان پر بڑی بڑی سختیاں ہوئیں اس لئے پھر یہ لوگ ایسا کرنے میں احتیاط برتنے لگے۔

مقنع کی خدائی کا خاتمہ

جب سعید نے محاصرے میں زیادہ سختی کی تو مقنع نے اپنی ہلاکت کا یقین کر کے اپنے اہل و عیال کو جمع کیا اور بہ قول بعض مؤرخین جام زہر پلا پلا کر سب کو نذر اجل کر دیا اور انجام کار خود بھی جام زہر پی لیا۔ مرتے وقت اپنے عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ بعد از مرگ مجھے آگ میں جلا دینا تاکہ میری لاش دشمن کے ہاتھ نہ جائے۔ لشکر اسلام نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کا سر کاٹ لیا اور خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔

⇦ مسلم خراسانی

م ک

مکاتیب نبوی ﷺ: وہ خطوط جو رسول اکرم ﷺ نے تبلیغ اسلام کی غرض سے مختلف علاقوں کے حکمرانوں اور باشاہوں کو لکھے۔ ان خطوط کو لے جانے والے مختلف صحابہ کرام ہوا کرتے تھے۔ جب مختلف حکمرانوں کو یہ خط ملتے تھے تو وہ مختلف ردعمل کا اظہار کرتے۔

⇦ خارجہ پالیسی، عہد نبویؐ میں۔

مکاتیب النبی ﷺ: نبی کریم ﷺ کے خطوط کی کتاب۔ معلومات کے مطابق نبی کریم ﷺ کے مکاتیب جمع کرنے کا شرف سب سے پہلے ایک سندھی عالم ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی مکی کو حاصل ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے خطوط کو "مکاتیب النبی ﷺ" کے نام سے مرتب کیا۔

مکہ مکرمہ: مکہ کا پرانا نام "بکہ" تھا۔ بکہ جمع ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ ابتدا میں یہ نام صرف خانۂ کعبہ کے لئے مخصوص تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کے پیرو کار حج اور قربانی کے لئے یہاں جمع ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ نام اس شہری آبادی کے لئے بھی استعمال ہونے لگا جو مسجد سے الگ کچھ فاصلے پر قائم ہو گئی تھی۔

مکہ کے کئی صفاتی نام ہیں: بلد امین۔ باسہ۔ اُم رحم۔ اطاطمہ۔ معطشہ۔ عرس۔ صلاح۔ بطحا۔ اُم القریٰ۔ مقدسہ۔ قادسیہ۔ قریتہ النمل۔ معاد۔ ملیبہ۔ عروض۔

وہ علاقہ جہاں پر نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔ یہی علاقہ دین ابراہیمؑ کا مرکز ہوا اور آج پوری دنیا کے مسلمان اسی جگہ پر واقع مکہ مکرمہ میں

عبادات (حج وعمرہ وغیرہ) کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

تاریخ

مکہ دنیا کا واحد قدیم ترین شہر ہے جو آج تک آباد چلا آرہا ہے۔ کم از کم یہ بات متفقہ ہے کہ اس شہر کی بنیاد آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے ۲۲۰۰ قبل مسیح میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے رکھی تھی۔ تاہم کچھ مورخین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ قبیلہ بنی جرہم جس کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ کا ازدواجی رشتہ قائم ہوا، اس جگہ پر پہلے سے آباد تھا۔ پانی کی دریافت کے بعد چشمے (زم زم) کے گرد ایک جگہ پر جمع ہوکر اس قبیلے نے حضروی زندگی کا آغاز کیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ شہر مسلسل آباد چلا آرہا ہے اور اسے مذہبی، سیاسی حیثیت ہر زمانے میں حاصل رہی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق سامی نسل سے تھا۔ امم سامیہ کا پہلا مسکن جزیرہ نماعرب تھا۔ یہیں سے یہ لوگ نکل کر مختلف اوقات میں کنعان، بابل حبشہ اور مصر میں پہنچے اور ان جگہوں پر عظیم الشان تمدنوں کی بنیاد رکھی۔ ان کی آخری ہجرت نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ہوئی۔

حضرت ابراہیم نے عام طور پر سریا، فلسطین، مصر وغیرہ میں جن اقوام میں تبلیغ کی ان سب کا تعلق بھی سامی نسل سے تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بنی جرہم کی زبانیں الگ تھیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی زبان آرامی تھی جب کہ جرہم کی زبان عربی تھی۔ حضرت اسماعیل نے قبیلہ بنی جرہم ہی سے عربی زبان سیکھی۔

قبیلہ بنی جرہم کو اس علاقے میں اپنا قبضہ جمائے رکھنے کے لئے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جب یمن سے مختلف قبائل نکل کر مشرق اور شمال کی طرف آئے تو اس وقت یمن کا مشہور قبیلہ بن ازد (جسے بنی عک نے شکست دے کر نکال دیا تھا) مکہ کی ایک وادی بطن مہر میں آکر ٹھہرا۔ اس قبیلے کے سردار ثعلبہ بن عمرو نے بنی جرہم سے مطالبہ کیا کہ میدان ان کے سپرد کر دیا جائے۔ جرہم کے انکار پر خون ریز لڑائی شروع ہوگئی اور ثعلبہ نے میدان پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ لیکن بعد میں جب اس قبیلے والوں کو یہ احساس ہوا کہ یہاں وسائل کی تنگی ہے تو اس کو چھوڑ کر یثرب چلے گئے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، حضرت اسماعیلؑ کی یہاں آمد کے وقت صرف قبیلہ جرہم یہاں آباد تھا لیکن آہستہ آہستہ اس قبیلے کے افراد ختم ہوتے گئے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اس خاندان کا صرف ایک مرد عبید بن شریہ جرہمی یمن میں موجود تھا۔ اس کو حضرت امیر معاویہؓ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت اسماعیلؑ نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دی اور قبیلہ جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے بطن سے بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق آل اسماعیلؑ کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ وہاں کے محدود وسائل کے باعث ان کے لئے گزر بسر مشکل ہوگئی لہٰذا ان کی کثیر تعداد نقل مکانی کرکے وہاں سے چلی گئی۔

چونکہ خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے بھی دور دور سے لوگ یہاں آیا کرتے تھے اس لئے خانۂ خدا کی مجاورت اور خدمت بھی آل اولاد کے ذمے ہی رہی، مگر بعد میں تولیت کا یہ منصب بنی جرہم کو منتقل ہوگیا۔ اس منتقلی کے چند اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ اس منصب کے حصول کے لئے کئی دفعہ کئی قبیلوں میں لڑائیاں بھی ہوئیں۔ تاہم منصب تولیت سے محروم ہونے کے باوجود حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کی عزّت وتکریم میں کوئی فرق نہیں آیا اور عہد اسلام تک قریش عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ تاہم ایک وقت ایسا بھی تھا کہ قریش کا یہ وقار تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اس وقار کو قصی نے آکر دوبارہ بحال کیا۔

بہت کم معلومات کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تولیت کعبہ کا منصب جب قبیلہ بنی جرہم کو منتقل ہوا تو کچھ عرصے کے بعد اس قبیلے کے لوگ مظالم پر اتر آئے پھر یوں ہوا کہ بنی بکر اور بنی عیشان نے بنی جرہم کو یہاں سے یمن کی طرف بھگا دیا۔ بنی بکر اور بنی عیشان نے تولیت کعبہ دوبارہ آل اسماعیلؑ کے سپرد کر دی جو عدنان کے زمانے تک اس خاندان میں رہی۔

۵۶۲ ق م میں بخت نصر نے حملہ کیا۔ اس حملے میں عدنان مارا گیا اور اس کا لڑکا فرار ہوگیا۔ پورا خاندان منتشر ہوگیا۔ یہ مکہ کی تاریخ کا

پہلا دور ہے۔

خاندان قریش کو دوبارہ خانۂ کعبہ کی تولیت اور شہر مکہ کی حاکمیت پر بحال کرنے والا شخص قصی تھا جس نے بزور شمشیر مکہ کو فتح کر کے خانۂ کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا اور اپنے خاندان کے منتشر افراد کو مکہ اور اس کے گردونواح میں جمع کیا۔ چنانچہ اس کا نام "مجمع" پڑ گیا۔ یہ اندازاً ۲۲۰ عیسوی کا واقعہ ہے۔ اس واقعے سے مکہ کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔

"رولز آف مکہ" کے مصنف جیرالڈ ڈی گاری (gerald de gaury) کے مطابق مکہ میں شخصی حکمرانی ایک طویل عرصہ تک قائم رہی۔ یہ حکومت موروثی ہوتی تھی۔ ان حکمرانوں کی فہرست درج ذیل ہے:

1. جرہم بن جہلا — ۴۷ ق م سے ۴۴ ق م تک۔
2. ابو یلیل بن جرہم — ۴۴ ق م سے ۱۴ ق م تک۔
3. جرہم بن ابو یلیل — ۱۴ ق م سے ۱۶ عیسوی تک۔
4. عبد المنان بن جرہم — ۱۶ عیسوی سے ۴۲ عیسوی تک۔
5. بقیلہ بن عبد المنان — ۴۶ عیسوی سے ۷۶ عیسوی تک۔
6. عبد المسیح بن بقیلہ —
7. مواحدہ اکبر بن عبد المسیح — ۱۰۶ عیسوی سے ۱۳۶ عیسوی تک۔
8. عمرو بن معاذ — ۱۳۶ عیسوی سے ۱۷۰ عیسوی تک۔
9. حارث بن مواحدہ — ۱۳۶ عیسوی سے ۱۷۰ عیسوی تک۔
10. عمرو بن حارث — ۱۷۰ عیسوی سے ۲۰۶ عیسوی تک۔
11. بشر بن حارث — ۱۷۰ عیسوی سے ۲۰۶ عیسوی تک۔
12. محد الاصغر بن عمرو بن محد — ۱۷۰ عیسوی سے ۲۰۶ عیسوی تک۔

جیرالڈ ڈی گاری کے مطابق ۲۰۷ء میں جرہم کو خزاعہ نے مکہ سے نکال کر خود قبضہ کر لیا۔ خزاعہ کا سردار عمرو بن لحیٔ تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے پہلے پہل مکہ میں بت پرستی کو رواج دیا۔ خزاعہ کا آخری حکمراں حلیل تھا۔ اس سے قصیٰ بن کلاب نے حکومت حاصل کی تھی۔

قصی نے مکہ پر ۲۲۵ء میں قبضہ کیا اور کعبہ کو از سر نو تعمیر کرایا۔ ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ اپنا مکان بھی یہیں تعمیر کیا جو بعد میں دارالندوہ کے نام سے مشہور ہوا۔ قصیٰ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ مکہ کا انتظام سنبھالا۔ عسکری، عدالتی اور مذہبی امور کے لئے چودہ محکمے بنائے اور قریش کے دس خاندانوں میں ان کو تقسیم کر دیا۔ ۲۳۰ء میں قصیٰ کا انتقال ہوا۔

قصیٰ نے پہلی بار شہر کی خیالی حد بندی ختم کر کے مذہبی علاقے کے اندر سکونتی مکانات تعمیر کرنے کی اجازت دی اور یوں موجودہ شہر مکہ کی بنیاد پڑی۔ شروع میں قریش کے لوگ صرف سیاہ رنگ کے خیموں میں رہتے تھے بلکہ بعض مورخین کا خیال ہے کہ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے چند پشتوں تک مکہ صرف خیموں کا شہر تھا۔ تاہم کعبہ کے گرد جو جگہ آبادی کے لئے چنی گئی تھی، وہاں پانی وافر مقدار میں دستیاب تھا۔ چنانچہ اس جگہ موجود ایک بڑے جنگل کو صاف کر دیا گیا۔

شہر کا مرکز وادی کا نشیب تھا۔ اس مرکز (بطحا) میں رہنے کی وجہ سے ان قریشی قبائل کو "قریش بطحا" کہا جاتا تھا۔

شہر کے بیچ میں شمالاً جنوباً یمنی اور شامی تجارتی کاروانوں کی آمد اور روانگی کے لئے شاہراہ تھی۔ اہل مکہ کے مکانات قبیلہ وار اور فاصلے پر ہوتے تھے۔ اکثر مکانات کے درمیان دالان تھا۔

⇦ آباواجداد نبوی ﷺ + آب زم زم + ابراہیم علیہ السلام + اسماعیل علیہ السلام + عبد المطلب۔

م ن

✽ منات: عرب کا ایک مشہور بت جو مدینہ میں نصب تھا اور قبیلہ اوس، خزرج اور غسان کے لوگ اس کو پوجتے تھے۔ منات، عرب میں سب سے قدیم بت تھا اور سمندر کے کنارے "قدید" کے قریب نصب تھا۔

✽ منافق: وہ شخص جس کے دل میں نفاق (منافقت) ہو۔ وہ بظاہر تو مسلمان ہو یا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے لیکن عملی طور پر یا دل میں مسلمانوں سے نفرت کرے اور ان کا برا چاہے۔ ⇦ منافقت۔

*** منافقت:** بولنا کچھ اور کرنا کچھ۔ یعنی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنا، مگر عملی طور پر یا دل میں مسلمانوں سے نفرت کرنا، ان کا برا چاہنا۔ جس شخص کے دل میں منافقت ہو اسے "منافق" کہتے ہیں۔ منافقت کو "نفاق" کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ منافقت یا نفاق دراصل دوغلا پن اور دورنگی پن ہے اور ایک مہلک مرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ منافقین جہنّم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں: ایک نفاق اعتقادی، دوسرا نفاق عملی۔ منافق اعتقادی وہ جس کے باطن میں کفر بھرا ہوا ہو لیکن دیکھنے میں اسلام کا اظہار کرتا ہو۔ یہ گروہ حقیقت میں کافر ہے جو ہمیشہ جہنّم میں رہے گا۔ منافق عملی، وہ لوگ ہیں جن کے اندر منافقوں والی صفات پائی جائیں مثلاً جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی اور فحش کلامی۔

نبی کریم ﷺ نے منافق کی چند علامات بتائی ہیں کہ جب بولے، جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے، پورا نہ کرے۔ جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ جب بات کرے، جھگڑا کرے۔ خواہ ایسا آدمی نماز روزہ ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی لوگوں میں منافقت کا مرض تھا۔ چنانچہ جو لوگ منافق تھے، وہ اکثر اسلام کے خلاف تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ انہی میں سے ایک عبداللہ بن ابی تھا جسے رئیس المنافقین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ← عبداللہ بن ابی + عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی۔

م و

*** مواخات:** وہ تعلق یا رشتہ جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ ہجرت کے بعد مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کے درمیان قائم کیا تھا۔ مکہ سے جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اپنا سب مال و متاع مکہ ہی میں چھوڑ آئے تھے اور اب انہیں زندگی گزارنے کے لئے سہارے اور مدد کی ضرورت تھی لہٰذا نبی کریم ﷺ نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ مکہ کے ایک مہاجر اور مدینہ کے ایک انصاری کے درمیان رشتہ اخوت قائم کر دیا جائے۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت انس بن مالکؓ کے گھر پر انصار اور مہاجرین کو بلایا۔ اور ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اس کے نتیجے میں مہاجر اپنے انصاری بھائیوں کے نصف کے حصے دار بن گئے لیکن اکثر نے شکریے کے ساتھ اس احسان کو قبول نہ کیا اور جن مہاجرین نے مدد لی تو بعد میں اس کا بھی قرض کسی نہ کسی صورت میں چکا دیا۔ دوسری جانب انصار میں تعاون کا ایسا جذبہ تھا کہ وہ مہاجرین کے لئے اپنی بیویوں کو طلاق دے کر انہیں دینے تک کو تیار تھے۔ اس طرح بحرین فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے انصار کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ انصار نے عرض کیا کہ پہلے آپ ﷺ ہمارے مہاجر بھائیوں کو اتنی ہی زمین عنایت فرما دیجئے، تب ہم اسے لینا منظور کریں گے۔ انصار اور مہاجرین نے جس بھائی چارے کا ثبوت دیا تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

*** موذن:** اذان دینے والا۔ نبی کریم ﷺ کے چار موذن تھے۔ ان میں سب سے مشہور تو حضرت بلال حبشیؓ ہیں۔ حضرت بلال بن رباحؓ اور عمرو بن اُمّ مکتوم قرشی العامری تو مدینہ میں تھے، جب کہ سعد القراظہؓ قبا میں، اور ابو محذورہ اوس بن مغیرہ بن جمحیؓ مکہ میں تھے۔

*** موضوعات:** الموضوعات، یعنی وہ کتابیں جن میں احادیث موضوعہ کو جمع کر دیا گیا ہو یا مہتم بالوضع احادیث کی تحقیق کی گئی ہو۔ شروع میں کتب موضوعہ اس انداز پر لکھی جاتی تھیں کہ ضعیف راویوں کا تذکرہ کیا جاتا تھا، اور ان سے جو موضوع یا ضعیف احادیث مروی ہیں، ان کی نشاندہی کی جاتی تھی۔ حافظ ابن عدیؒ کی "الکامل"، امام عقیلیؒ کی "الضعفا" اور امام جوزقانیؒ کی "الاباطیل" اسی انداز پر ہیں۔

بعد میں موضوعات کا طریقہ یہ ہوگیا کہ موضوع یا مہتم بالوضع احادیث کو ابواب کی ترتیب سے یا حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کو کس نے روایت کیا ہے اور اس میں سند اً کیا نقص ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے علامہ ابن الجوزیؒ نے قلم

اٹھایا۔ ان کی دو کتابیں ہیں، ایک "العلل المتناہیہ فی الاخبار الواہیہ" دوسری "الموضوعات الکبریٰ۔" ان میں دوسری کتاب آج بھی دستیاب ہے، لیکن اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ علامہ ابن الجوزیؒ احادیث پر وضع کا حکم لگانے میں نہایت متشدد ہیں اور انہوں نے بہت سے صحیح احادیث کو بھی موضوع قرار دے دیا ہے، اس لئے بعد کے محقق علمانے ان کی کتابوں پر تنقیدیں لکھیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ان کی تردید میں "القول المسدد فی الذب عن مسند احمدؒ" میں ان کی بہت اچھی تردید کی ہے۔ اس کتاب میں حافظؒ نے مسند احمد کی ان احادیث کی تحقیق کی ہے جنہیں ابن الجوزیؒ نے موضوع قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ جن احادیث پر ابن الجوزیؒ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے ان میں سے ایک حدیث مسلم میں بھی موجود ہے، اور ایک حدیث بخاری کے احمد شاکر والے نسخے میں بھی موجود ہے۔ ایسی احادیث تو بہت سی ہیں جو امام بخاریؒ نے تعلیقاً روایت کی ہیں، اور ابن الجوزیؒ نے انہیں موضوع قرار دے دیا ہے پھر علامہ سیوطیؒ نے ابن الجوزی کی موضوعات پر ایک مفصّل تنقید لکھی جس کا نام "النکت البدیعات علی الموضوعات" رکھا۔ بعد میں اس کی تلخیص کی، اور اس میں کچھ اضافے کئے جو "اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة" کے نام سے معروف ہے، جو کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، لیکن علامہ سیوطیؒ حدیث کے معاملے میں قدرے متساہل ہیں، اس لئے بعض ضعیف یا منکر احادیث کو بھی صحیح قرار دے دیتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزیؒ کے بعد حافظ صنعانیؒ کی موضوعات بھی بہت مقبول ہوئیں۔ علامہ ابن الجوزیؒ اور سیوطیؒ کے بعد بہت سے حضرات نے موضوعات پر کتابیں لکھیں، جن میں ملا علی قاریؒ کی "الموضوعات الکبیر" نہایت مقبول و معروف ہے۔ آخری دور میں قاضی شوکانیؒ کی "الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة" اور علامہ طاہر پٹنیؒ کی "تذکرة الموضوعات" مختصر مگر مفید کتابیں ہیں۔

اس نوع کا جامع ترین کام علامہ ابن عراقؒ نے انجام دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة" میں ابن جوزیؒ، جوزقانیؒ، عقیلیؒ، ابن عدی، حافظ ابن حجرؒ، علامہ سیوطیؒ اور ملا علی قاریؒ کی تمام کتابوں کو جمع کر دیا ہے، اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے۔ اس طرح ان کی کتاب جامع ترین بھی ہے اور محقق ترین بھی، جو بسا اوقات پچھلی تمام کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہے۔ اس کتاب میں علامہ ابن عراقؒ نے ابن جوزیؒ، جوزقانیؒ اور سیوطیؒ کی بیان کردہ احادیث میں سے صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے، جو فی الواقع موضوع ہیں۔

*** موضوع حدیث:** علم حدیث کی ایک اصطلاح، بہ معنی جھوٹی حدیث، گھڑی ہوئی حدیث جسے خود گھڑ کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ موضوع حدیث گھڑنے والے کو "واضع" کہتے ہیں۔ وضع حدیث + حدیث + اسماء الرجال + حدیث + موضوعات۔

*** مؤطا امام مالک:** حدیث کا مجموعہ جسے امام مالکؒ نے مرتب کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے کتب حدیث کے جو پانچ درجات مقرر کئے ہیں، انہوں نے "موطا امام مالکؒ" کو طبقۂ اولیٰ میں رکھا ہے۔

"موطا" کو امام مالک نے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے تالیف کیا اور اس کی تالیف پر اس وقت کے خلیفہ ابو منصور نے حضرت امام مالک کو آمادہ کیا تھا۔

لفظ "موطا" توطیہ کا اسم مفعول ہے۔ لغت میں اس کے معنی ہیں: روندا ہوا، تیار کیا ہوا، نرم و سہل بنایا ہوا۔ چونکہ امام مالک نے لوگوں کے لئے اس مجموعے کو مرتب کر کے اسے آسان اور سہل بنا دیا، اس لئے اس کو "موطا" کہا جاتا ہے۔ تاہم امام مالک اس ضمن میں خود کہتے ہیں کہ اس کتاب کو لکھ کر میں نے مدینہ کے ستر فقہا کے سامنے پیش کیا، سبھی نے مجھ سے اتفاق کیا اس لئے میں نے اس کا نام "موطا" رکھا۔ امام مالک سے پہلے کسی نے یہ نام نہیں رکھا تھا۔

امام مالک نے موطا کی تالیف میں زیادہ تر انحصار حضرت امام ابوحنیفہ کی "کتاب الآثار" پر کیا ہے۔

امام مالک کے بارے میں ابن الہیاب نے لکھا ہے کہ انہوں نے

ایک لاکھ احادیث روایت کی تھیں جن میں سے دس ہزار منتخب کر کے اس کتاب میں درج کیں۔ پھر مسلسل ان کو کتاب و سُنّت اور آثار اور اخبار صحابہ پر پیش کرتے رہے، یہاں تک کہ سب کو محو کر کے صرف پانچ سو احادیث باقی رکھیں۔ ابوبکر ابہری فرماتے ہیں کہ موطا کی کل احادیث ۱۷۲۰ ہیں جن میں مسند اور مرفوع ۶۰۰ ہیں اور مراسیل کی تعداد ۲۲۲ ہیں۔ موقوف ۶۱۳ ہیں اور تابعین کے اقوال و فتاویٰ ۲۸۵ ہیں۔

مؤطا کی وجہ شہرت

موطا امام مالک کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک کے وصال کے بعد جب امام یحییٰ اندلسی اندلس آئے تو یہاں کے حاکم نے امام یحییٰ کو عہدۂ قضا کی پیش کش کی۔ یہ عہدہ لینے سے امام یحییٰ نے انکار کر دیا، لیکن حاکم نے یہ شرط عائد کر دی کہ اس عالم کو قاضی متعیّن کیا جائے جو امام یحییٰ کے تلامذہ اور معتمدین میں سے ہو۔ چنانچہ امام یحییٰ اندلسی تلامذہ کو منصب قضا پر فائز کرتے جو موطا ان سے سبقاً پڑھتے۔ اس طرح اندلس، اردن، مراکش اور عرب کے علما میں "موطا امام مالک" مشہور ہوئی۔

*** مؤطا امام محمد:** احادیث کا مجموعہ جسے امام محمد بن حسن نے مرتب کیا۔ امام محمد یکے بعد دیگرے حضرت امام ابوحنیفہ اور پھر حضرت امام مالک کے درس میں شریک رہے۔

موطا امام محمد کسی حد تک موطا امام مالک ہی سے اخذ کردہ ہے، لیکن اس میں تمام احادیث امام مالک کی روایت کردہ نہیں ہیں بلکہ کل ۱۱۵۸ حدیثوں میں سے ۱۰۰۵ امام مالک سے لی گئی ہیں اور ۱۷۵ دوسرے طرق سے ہیں جن میں تیرہ امام اعظم ابوحنیفہ سے، چار قاضی ابویوسف سے اور باقی دیگر حضرات سے مروی ہیں۔

امام محمد نے اگرچہ امام مالک سے مروی زیادہ تر احادیث لی ہیں، لیکن اس کے باوجود امام محمد نے امام مالک کے علاوہ دیگر شیخین و محدثین کی احادیث بھی نقل کی ہیں اور خاص طور پر مسلک حنفیہ کو نقل کیا ہے۔

*** موئے مبارک:** نبی کریم ﷺ کے بال۔ آپ ﷺ کے بال اکثر شانوں تک لٹکے رہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے سر کے بال نہ بہت گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے۔ ابتدا میں نبی کریم ﷺ اہل کتاب کی طرح بال چھوڑے ہوئے رکھتے تھے، مگر بعد میں مانگ نکالنے لگے۔ بالوں میں اکثر تیل ڈالا کرتے تھے اور ایک دن چھوڑ کر کنگھی کرتے تھے۔ ⇦ عادات نبوی + شمائل نبوی + معمولات نبوی۔

م ہ

*** مہر نبوت:** وہ تصدیقی علامت جو نبی کریم ﷺ کے جسم پر قدرتی طور پر موجود تھی۔ یہ مہر یا نشانی نبی کریم ﷺ کے کندھوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر تھی۔ ظاہر میں سرخ گوشت ابھرا ہوا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق بائیں شانے کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے مستدیر شکل بن گئی تھی، اسی کو مہر نبوت کہتے تھے۔

*** مہمات رسول ﷺ:** رسول اللہ ﷺ کی مہمیں غزوات و سرایا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی مدنی زندگی کے دس برس میں ۸۸ مہمات ترتیب دی تھیں۔ ان میں سے کچھ خالص تبلیغی تھیں، کچھ دفاعی اور کچھ اقتصادی۔ ان مہمات میں سے کچھ ایسی تھیں جن کی قیادت نبی کریم ﷺ نے خود کی۔ ایسی مہم کو "غزوہ" کہتے ہیں۔ کچھ مہمیں ایسی تھیں جن کی قیادت کسی صحابی کے سپرد کر دی جاتی تھی۔ اسے "سریہ" کہتے ہیں۔

ان تمام مہموں میں مخالفین اسلام کے کل قیدی ۶۵۶۴ اور کل مقتول ۷۵۹ تھے۔ مسلمانوں میں سے کل ۲۵۹ شہید ہوئے اور صرف ایک بزرگ قید ہوئے۔ دشمنوں کے قیدیوں میں سے ۶۳۴۸ قیدیوں کو نبی کریم ﷺ نے بغیر کسی شرط کے غزوۂ حنین کے بعد آزاد فرما دیا تھا۔ صرف ایک شخص کو قصاص میں قتل کیا گیا۔ باقی ۲۱۵ قیدیوں میں سے ۷۰ قیدی غزوۂ بدر کے تھے جن کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ ⇦ غزوہ + سریہ۔

م ی

میثاق مدینہ: وہ پہلا تحریری دستور جو مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کرتے وقت نبی کریم ﷺ نے نافذ فرمایا تھا میثاق مدینہ کی خاص شقیں یہ ہیں:

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

یہ تحریری معاہدہ خدا کے نبی محمد (ﷺ) اور قریش و یثرب کے ان لوگوں کے مابین ہے جو مؤمن ہیں، اطاعت گزار ہیں، جو ان کے تابع ہیں، جو ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ساتھ مل کر جنگ میں حصّہ لیں۔

① یہ سب مسلمان دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک علیحدہ سیاسی وحدت (امت) ہوں گے۔

② قریشی مہاجر اسلام سے پہلے کے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کیا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کیا کریں گے تاکہ مؤمنوں کا باہم برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہو۔

③ بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں رہائی دلایا کریں گے تاکہ مؤمنوں کا برتاؤ آپس میں نیکی اور انصاف کی بنیاد پر مستحکم ہو۔

④ بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کرنے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے کے پابند ہوں گے تاکہ اہل ایمان کے باہمی تعلّقات نیکی اور انصاف کے مطابق استوار ہوں۔

⑤ بنو ساعد اپنے دستور کے مطابق خوں بہا کی ادائیگی اور اپنے گروہ کے قیدیوں کا فدیہ دے کر رہائی دلوانے کے ذمے دار ہوں گے تاکہ مؤمنوں کے تعلّقات نیکی اور انصاف کی بنیاد پر قائم ہوں۔

⑥ بنو جشم اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر آزاد کرائیں گے تاکہ مسلمانوں میں نیکی اور انصاف کی بنیاد پر باہمی خیر سگالی و خیر خواہی کی فضا قائم ہو۔

⑦ بنو نجار اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ کی ادائیگی کے ذمے دار ہوں گے تاکہ اہل ایمان کے باہمی روابط بھلائی اور انصاف کی بنیاد پر مضبوط ہوں۔

⑧ بنو عمرو بن عوف اپنے دستور کے مطابق خوں بہا کی ادائیگی اور فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کی رہائی کے پابند ہوں گے، تاکہ مؤمنوں کا باہمی اعتماد نیکی اور انصاف کی بنیاد پر مستحکم ہو۔

⑨ بنو نبیت اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کرنے اور اپنے گروہ کے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے رہائی دلانے کے ذمے دار ہوں گے تاکہ اہل ایمان کا باہمی میل جول بھلائی اور انصاف کا آئینہ دار رہو۔

⑩ بنو اوس اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے رہائی دلایا کریں گے تاکہ مؤمنوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

⑪ اہل ایمان میں سے اگر کوئی شخص مفلس اور قلاش ہے یا قرض کے بوجھ تلے بری طرح دبا ہوا ہے تو اس کے ایمان دار ساتھی ایسے شخص کو لازمی طور پر امداد دیں گے تاکہ اس کے حق کا خوں بہا یا فدیہ بخوبی ادا ہو سکے۔

⑫ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی اجازت کے بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

⑬ اہل تقویٰ اور اہل ایمان ہر اس شخص کی مخالفت متحد ہو کر کریں گے جو سرکشی، ظلم، زیادتی اور گناہ کا مرتکب ہو۔ ایسے شخص کے خلاف تمام اہل ایمان کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو۔

⑭ کوئی مؤمن کسی مؤمن کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی مؤمن کے خلاف کسی کافر کو امداد دی جائے گی۔

⑮ اللہ تعالیٰ کا ذمہ و عہد ایک ہی ہے۔ اہل اسلام کا ایک معمولی درجے کا فرد بھی کسی شخص کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔ اہل ایمان دوسروں کے مقابلے میں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

⑯ یہودیوں میں سے جو اس معاہدے میں شریک ہوں گے، انہیں برابر کی حیثیت حاصل ہوگی۔ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

⑰ اہل اسلام کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں جنگ کے موقع پر

کوئی مسلمان دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا۔ اور یہ صلح سب مسلمانوں کے لئے برابر و یکساں ہونی چاہئے۔

⑱ وہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لیں گے، باری باری انہیں آرام کا موقع دیا جائے گا۔

⑲ مؤمنوں کو اللہ کی راہ میں جو جانی نقصان اٹھانا پڑے اس کا بدلہ وہ سب مل کر لیں گے۔

⑳ بلاشبہ متقی مؤمن سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

㉑ اس معاہدے میں شریک کوئی مسلمان، مشرک قریش کے مال و جان کو پناہ نہیں دے گا اور اس سلسلے میں وہ کسی مسلمان کی راہ میں رکاوٹ نہیں کھڑی کرے گا۔

㉒ جو شخص کسی مؤمن کو قتل کرے گا اس کا ثبوت ملنے پر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ہاں اگر مقتول کا وارث خوں بہا لینے پر راضی ہو جائے تو قاتل قصاص سے بچ سکتا ہے۔ تمام اہل ایمان پر لازم ہو گا کہ وہ مقتول کے قصاص کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اس کے سوا ان کے لئے کوئی صورت جائز نہیں ہوگی۔

㉓ کسی ایسے مسلمان کے لئے جو اس عہد نامے کو تسلیم کر چکا ہے اور اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، جائز نہ ہو گا کہ وہ ایسے شخص کو پناہ دے جو نئی بات نکالنے والا اور فتنہ انگیزی کرنے والا ہو۔ جو ایسے شخص کی حمایت کرے گا یا اسے پناہ دے گا وہ قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور غضب کا مستوجب ہو گا جہاں کوئی فدیہ اور ہدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

㉔ اس عہد نامے کی پابندی کرنے والے لوگوں کے درمیان جب کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو وہ اللہ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف رجوع کریں گے۔

㉕ یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر جب تک جنگ کرتے رہیں گے وہ اپنے حصے کے جنگی اخراجات بھی خود ہی برداشت کریں گے۔

㉖ بنی عوف کے یہودی، مسلمانوں کے ساتھ ایک سیاسی وحدت متصور ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر رہنے کے مجاز ہیں اور مسلمان اپنے دین پر۔ خواہ موالی ہوں یا اصل، لیکن ظلم اور جرم کے مرتکب افراد اپنی ذات اور اپنے گھرانے کے سوا کسی اور کو مصیبت میں نہیں ڈالیں گے۔

㉗ بنو نجار کے یہودیوں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

㉘ بنو حارث کے یہودیوں کے وہی حقوق ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

㉙ بنو ساعد کے یہودیوں کے وہی حقوق ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

㉚ بنو جشم کے یہودیوں کے حقوق وہی ہوں گے جو یہود بنی عوف کے ہیں۔

㉛ بنو اوس کے یہودیوں کے بھی وہی حقوق ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے ہیں۔

㉜ بنو ثعلبہ کے یہودی بھی انہی حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے بنو عوف کے یہودی ہیں، مگر جو ظلم اور جرم کا ارتکاب کرے گا اس کی مصیبت اور اس کا وبال صرف اس کی ذات اور اس کے گھرانے پر ہو گا۔

㉝ جفنہ، بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں لہٰذا جفنہ کے یہودیوں کے حقوق بنو ثعلبہ کے یہودیوں کے حقوق کے برابر ہوں گے۔

㉞ وفاشعاری کی صورت میں یہود بنی شطیبہ کے حقوق وہی ہوں گے جو یہود بنی عوف کے ہیں۔

㉟ بنو ثعلبہ کے موالی کے حقوق وہی ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

㊱ یہودیوں کے تمام موالی کے وہی حقوق ہوں گے جو اصل کے ہیں۔

㊲ معاہدے کا کوئی فریق بھی محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر کسی سے جنگ کرنے یا جنگ کے ارادے سے نکلنے کا مجاز نہیں۔

㊳ زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ خونریزی کے مرتکب کی ذمے داری اس کی ذات اور اس کے گھر پر عائد ہوگی۔ مظلوم کے ساتھ اللہ ہے۔

(۳۹) یہودی اپنے خرچ کے ذمے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے ذمے دار ہوں گے۔

(۴۰) اس معاہدے کے شریک کسی فریق کے خلاف اگر کوئی جنگ کرے گا تو تمام شرکا ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ آپس میں مشورہ کریں گے۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور وفاشعاری کا رویہ اختیار کریں گے اور عہد شکنی سے اجتناب کریں گے۔

(۴۱) کسی شخص کو حلیف کی بدعملی کا ذمے دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ مظلوم کی ہر حالت میں مدد کی جائے گی۔

(۴۲) یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے وہ جنگ کے اپنے مصارف خود برداشت کریں گے۔

(۴۳) معاہدے میں شریک تمام فریقوں کے لئے یثرب کا میدان مقدس و محترم ہو گا۔

(۴۴) پناہ حاصل کرنے والے کے ساتھ وہی برتاؤ ہو گا جو پناہ دینے والے کے ساتھ ہو رہا ہو۔ نہ اسے نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ عہد شکنی کرے گا۔

(۴۵) کسی عورت کو اس کے خاندان کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۴۶) اس معاہدے میں شریک افراد یا گروہوں کے درمیان کوئی نئی بات، معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو اللہ اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ عہد نامے کی اس دستاویز میں جو کچھ درج ہے وہ اللہ کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ پوری احتیاط اور وفاشعاری کے ساتھ اس کی پابندی کی جائے۔

(۴۷) نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ ان کے کسی معاون کو۔

(۴۸) یثرب پر حملے کی صورت میں معاہدے کے شرکا یعنی مسلمانوں اور یہودیوں پر لازم ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

(۴۹) اگر یہودیوں کو صلح کر لینے اور اس میں شرکت کی دعوت دی جائے گی تو وہ اسے قبول کر لیں گے۔ اسی طرح اگر یہودی مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دیں گے تو اسے قبول کرنا بھی ان پر لازم ہو گا، لیکن اس کا اطلاق ایسی جنگ پر نہ ہو گا جو خالص دین کے لئے ہو۔

(۵۰) معاہدے میں شریک ہر شخص اور گروہ پر یثرب کے اسی حصے کی ذمے داری ہو گی جو اس کے سامنے یعنی بالمقابل ہو گا۔

(۵۱) اوس کے یہودیوں کو خواہ وہ مولیٰ ہوں یا اصل وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس معاہدے کو قبول کرنے والوں کو حاصل ہیں۔

(۵۲) اس عہد نامے کے حکم میں ظالم اور خطاکار داخل نہیں۔ جو جنگ کے لئے نکلے وہ بھی اور جو گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی اس کا حق دار ہو گا۔

(۵۳) اللہ اس کا حامی و نگہبان ہے جو اس اقرار وعہد میں مخلص اور سچا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی اس کے حامی ہیں۔

میثاق مدینہ کا یہ متن سیرت ابن ہشام، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، اور ڈاکٹر نصیر احمد صاحب کی کتاب، نبی اعظم و آخر سے لیا گیا ہے۔ عام مورخین کے نزدیک یہ ایک دفاعی معاہدہ تھا، لیکن اگر غور سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ دنیا کی پہلی تاریخ ساز اور انقلاب انگیز دستاویز تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسی نظریاتی اور فلاحی ریاست وجود میں آئی جس نے انسانی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔ اس دستاویز میں ریاست کی بنیادی پالیسی، شہریوں کے حقوق و فرائض، ریاست کے دفاع و استحکام کا لائحہ عمل، خارجہ پالیسی کے اصول و ضوابط اور ریاست کے وفاق میں شامل ہونے والے مختلف یونٹوں کے حدود کار تفصیل سے بیان کر دیئے گئے۔

ایک ہجری میں اس میثاق کی رو سے یثرب کی سرزمین پر جو منظم ریاست قائم ہوئی وہ صرف ڈیڑھ سو مربع کلو میٹر پر محیط تھی، لیکن صرف دس سال میں اس میں اتنی توسیع ہوئی کہ ۱۱ھ میں پندرہ لاکھ کلو میٹر کے وسیع و عریض علاقے پر اس کا علم لہرا رہا تھا۔ پورا علاقہ امن و سلامتی کا گہوارہ تھا۔ سب کے جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ تھے۔ پورا معاشرہ منظم تھا۔ باہمی اعتماد و اتحاد اور تعاون و رواداری کا دور دورہ تھا۔ معاشرے کی تمام قوتیں پورے جوش و خروش سے انسانیت کی تعمیر و فلاح کی مثبت سرگرمیوں میں مصروف تھیں۔

اس میثاق کو مرتب کرنے والی اور اس کے لئے زمین ہموار کرنے والی ہستی وہ تھی جسے اللہ کے آخری رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل

تھا، جسے مبعوث ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ دین حق کو تمام ادیان باطل پر غالب کردے اور ظلم و ستم کی چکیوں میں پسی ہوئی انسانیت کو امن و سلامتی اور عدل و انصاف کے نور سے منور کردے۔

میثاق مدینہ اسی مقدس ہستی کی خداداد بصیرت و صلاحیت، اس کی بے مثل فہم و فراست اور اس کی حیرت انگیز دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا ایک عظیم شاہکار ہے جس سے رہتی دنیا تک قائدین و مفکرین رہنمائی حاصل کر کے اپنے خدمت انسانیت کے پروگرام مرتب کر کے سرخروئی حاصل کرتے رہیں گے۔

✽ **میسرہ:** حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا حبشی غلام۔ جب نوجوانی میں حضرت خدیجہ نے اپنا سامان تجارت آنحضور ﷺ کی نگرانی میں روانہ کیا تھا تو اس سفر تجارت میں حضرت خدیجہ کا یہی غلام میسرہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا۔ سفر سے واپسی پر میسرہ ہی سے حضرت خدیجہ نے حضرت محمد ﷺ کی امانت و دیانت کے بارے میں پوچھا تو میسرہ نے آپ ﷺ کی امانت و دیانت کی گواہی دی۔

✽ **میمونہ بنت حارث:** ام المؤمنین، رسول کریم ﷺ کی زوجۂ محترمہ۔ اصل نام برہ تھا، لیکن آنحضور ﷺ کی زوجیت میں آنے کے بعد نام میمونہ رکھ دیا گیا۔

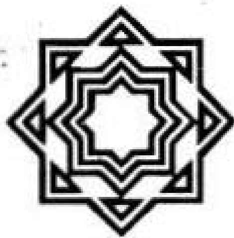
حضرت میمونہ کا پہلا نکاح مسعود بن امر بن غمیر ثقفی سے ہوا، لیکن طلاق ہوگئی تو نکاح ابورحم بن عبدالعزی سے ہوا۔ دوسرے شوہر کا بھی انتقال ہوگیا تو ان کے چچا حضرت عباس نے نبی کریم ﷺ سے ان کے نکاح کی بات کی۔ حضرت میمونہ کی عمر اس وقت ۵۱ سال تھی۔ آنحضور ﷺ نے حضرت عباس سے اتفاق فرمایا اور اس طرح شوال المکرم ۷ ھ میں حضرت میمونہ اور حضرت محمد ﷺ کا نکاح ہوگیا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے مزید کوئی نکاح نہیں کیا۔

حضرت میمونہ سے آنحضرت ﷺ کے نکاح کے ذریعے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی خاص طور پر حضرت خالد بن ولید (جو حضرت میمونہ کے بھتیجے تھے) نے اس نکاح کے فوراً بعد اسلام قبول کیا۔

حضرت میمونہ نہایت خداترس خاتون تھیں۔ غلام آزاد کرنے کی کوشش کرتیں۔ ایک دفعہ حضرت میمونہ نے اپنی خادمہ کو آزاد کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

حضرت میمونہ کا انتقال ۵۱ ھ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت میمونہ سے چھیالیس احادیث روایت کی جاتی ہیں۔ انہیں عورتوں کے مسائل پر عبور حاصل تھا اور صحابہ وصحابیات ان سے مسائل معلوم کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

⇦ ازواج مطہرات + ازدواجی زندگی۔



ن

ن ا

*** نائلہ:** کعبہ میں موجود ایک مشہور مورتی۔ یہ مورتی چاہ زمزم پر نصب تھی۔ ⇦ کعبہ + آب زم زم۔

ن ب

*** نبوت محمدی ﷺ:** نبی کریم ﷺ کو نبوت کا ملنا، پیغمبری کا ملنا، آپ ﷺ کا نبی بنایا جانا۔ نبی کریم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ کو نبوت کا فریضہ سونپا جائے تاکہ آپ لوگوں کو اس خدائے واحد کی پہچان کرا سکیں اور آخرت کی ہولناکیوں سے ڈرا سکیں۔ اس کے لئے نبی کریم ﷺ کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلے دن ہی سے تربیت کی تھی اور جب نبوت کی ذمہ داری ملنے کا وقت قریب آیا تو نبی کریم ﷺ غار حرا میں جا کر اللہ کی عبادت و مراقبہ میں مشغول ہو جایا کرتے۔ نبی کریم ﷺ کو ابھی تک اس بات کا علم نہ تھا کہ انہیں نبوت ملنے والی ہے، یہاں تک کہ ایک روز نبی کریم ﷺ غار حرا میں مصروف عبادت تھے کہ حضرت جبرئیلؑ نے آکر انہیں پڑھنے کو کہا۔ سورۂ اقرا کی ابتدائی پانچ آیات اس وقت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئیں اور آپ ﷺ کو نبوت کا منصب عطا کر دیا گیا۔

مگر نبوت ملنے سے پہلے بھی نبی کریم ﷺ کو ایسے واقعات پیش آئے جو نبوت کی طرف دلالت کرتے تھے۔ ان واقعات کی تفصیل متعلقہ مقامات پر درج کی جا رہی ہیں۔

⇦ ختم نبوت + ختم نبوت، تحریک۔

ن ج

*** نجار، بنو:** ⇦ بنو نجار۔

*** نجاشی:** حبش کا بادشاہ۔ حبشہ کے علاقے میں کہ جہاں مسلمانوں نے ہجرت کی۔ دراصل اہل عرب حبش کے فرمانروا کو "نجاشی" کہتے تھے۔ نجاشی لفظ حبشی زبان کے ایک لفظ نجوس سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب ہے "بادشاہ۔" نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کی اس ہجرت کے وقت جو نجاشی ایک عدل و انصاف پسند بادشاہ تھا اور اس کی وجہ سے اس کی شہرت پورے عرب میں پھیل چکی تھی۔ اس کا اصل نام "اصحمہ" تھا۔ ⇦ اصحمہ

سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو حبشہ کے فرماں روا نجاشی کی طرف روانہ کیا اور نجاشی کے نام دو خطوط لکھوائے، ایک میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور قرآن شریف کی آیات پیش کی تھیں۔

نجاشی نے حضور ﷺ کا نامۂ مبارک وصول کر کے آنکھوں سے لگایا اور ازراہ احترام اپنے تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر وہ ایمان لے آیا اور حق کی شہادت دی، اور کہا کہ اگر مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی استطاعت ہوتی تو ضرور قدم بوس ہوتا۔

پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا جواب لکھا جس میں حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی اور جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر اپنے اسلام کا اظہار کیا۔

دوسرے خط میں رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو حکم دیا تھا کہ اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان سے آپ ﷺ کا عقد کر دے۔ اُمّ حبیبہؓ اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش الاسدی کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کر گئی تھیں ان کا شوہر وہاں جا کر عیسائی ہو کر مر گیا تھا۔ اس خط میں آنحضرت ﷺ نے یہ بھی حکم دیا کہ جو اصحاب ہجرت کر کے وہاں گئے ہیں انہیں سوار کرا کر واپس بھیج دے۔ نجاشی نے دونوں احکام کی تعمیل کی۔ اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان سے چار سو دینار مہر کے عوض رسول اللہ ﷺ کا نکاح کرا دیا اور مسلمانوں کو سفر کی تیاری کے لئے تمام ضروری سامان دے کر دو کشتیوں میں سوار کرا دیا۔ ان کے ساتھ عمرو بن امیہ الضمری بھی تھے۔

پھر اس نے ہاتھی دانت کا ایک ڈبا طلب کیا اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں خطوط حفاظت سے رکھ دئیے اور کہا کہ جب تک یہ دونوں خطوط ہمارے درمیان رہیں گے، حبشہ تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔ وہ خط یہ تھا:

"محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی عظیم حبشہ کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد، میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ملک، قدوس، سلام، مؤمن اور مہیمن ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے پاک عفت مآب مریم پر القا کیا تو وہ اللہ کی روح اور اس کے نفخ سے عیسیٰ سے حاملہ ہوئی، جیسے اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اور میں تمہیں اللہ وحدہٗ لا شریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی طاعت پر دوستی کی طرف۔ اگر تم میری پیروی کرو گے اور میرے پیغام پر یقین کرو گے تو میں اللہ کا رسول ہوں، تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے تمہیں پیغام دیا اور تمہاری خیر خواہی کر دی ہے پس میری خیر خواہی کو قبول کرو اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔"

اس خط کا نجاشی نے یہ جواب دیا:

"محمد رسول اللہ کے نام نجاشی کی طرف سے۔ اے نبی اللہ! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکات ہوں اس الٰہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ امابعد، اے رسول اللہ! آپ ﷺ کا خط میرے پاس پہنچا آپ ﷺ نے جو عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اس پر ذرہ بھر زیادہ نہیں کیا اور وہ ایسے ہی ہیں جو آپ ﷺ نے فرمایا۔ آپ ﷺ نے جو دعوت بھیجی ہے اسے ہم نے جان لیا آپ ﷺ کے چچازاد بھائی اور ان کے ساتھی آئے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ کے چچازاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کی اللہ رب العلمین کے واسطے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اور آپ ﷺ حکم دیں تو میں خود بھی حاضر ہو سکتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں سچ ہے۔ والسلام۔"

مورخین کہتے ہیں کہ نجاشی مسلمان ہو گیا تھا اور اس کے انتقال کی خبر ملی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے نجاشی کو ایک اور خط کچھ تحفوں کے ساتھ بھیجا تھا جس کا متن ابن اسحاق کے حوالے سے بیہقی وغیرہ نے دیا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ خط پیغمبر محمد ﷺ کا حبشیوں کے سردار نجاشی اصحمہ کے نام ہے۔ سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی نہ بیوی ہے نہ بچہ۔ اور یہ بھی کہ محمد اسی کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے اسلام کے بلاوے کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اسی کا رسول ہوں۔ اسلام لا، تو سلامت رہے گا۔ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات پر ہم تم جمع ہو جائیں جو ہمارے درمیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی آپس ہی میں سے کسی کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے۔ اگر وہ پلٹ جائیں تو کہہ دو کہ ہم تو مسلمان ہیں اور اگر تم انکار کرو گے تو تمام نصرانی قوم کا وبال تمہاری گردن پر رہے گا۔"

ن خ

نخلہ: مکہ اور طائف کے درمیان وہ مقام جہاں نبی کریم ﷺ نے طائف کے دعوتی سفر سے واپسی پر آرام فرمایا۔ یہ ایک سرسبز و شاداب مقام تھا۔

⇦ طائف، سفر+ میسرہ۔

ن س

نسائی، امام: محدث۔ امام نسائی کا نام احمد اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ نسب نامہ یہ ہے: احمد بن علی بن شعیب بن علی بن منان بن بحر بن دینار۔

امام نسائی ۲۱۵ھ میں خراسان کے شہر "نسا" میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے "نسائی" کہلاتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے سن ولادت ۲۱۴ھ لکھا ہے لیکن حافظ عسقلانی وغیرہ نے ۲۱۵ھ بیان کیا ہے۔ ۱۳ صفر ۳۰۳ھ میں انتقال ہوا اور مکہ معظمہ میں صفا و مروہ کے درمیان مدفون ہوئے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب خراسان علم و فن کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے ارباب فضل و کمال یہاں موجود تھے۔ امام صاحب نے یہیں سے تعلیم کا آغاز فرمایا۔ ۲۳۰ھ میں قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علم حدیث کی تحصیل کا آغاز فرمایا اور دنیائے اسلام کے مختلف ملکوں کا سفر کیا۔ حجاز، عراق، شام، خراسان اور مصر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ کا مولد اور وطن اگرچہ خراسان ہے لیکن آپ نے تحصیل علم کے بعد مصر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

محدثین میں مقام

آئمہ صحاح ستہ میں امام نسائی اہم مقام رکھتے ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی کتاب سنن نسائی کا درجہ پانچواں ہے۔

امام نسائی فن جرح و تعدیل کے بھی ماہر تھے۔ ان کا شمار مشہور نقادان حدیث میں ہے۔ اس لحاظ سے بعض محدثین نے ان کو امام بخاری و امام مسلم سے بھی فائق قرار دیا ہے۔

امام نسائی کا اصلی فن حدیث ہے لیکن دوسرے علوم میں بھی ان کو درک تھا۔ قرات اور تفسیر میں ان کو پوری دسترس حاصل تھی اور فقہ و فقہی احکام کے استنباط میں ان کا پایا نہایت بلند تھا۔ امام دارقطنی اور حاکم صاحب مستدرک کا بیان ہے کہ وہ اپنے زمانے میں مصر کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ ان کی تفسیر قرآن "تفسیر نسائی" کے نام سے دو جلدوں میں چھپ چکی ہیں۔

تصنیفات

① خصائص سیدنا علیؓ ② مسند علی ③ مسند مالک ④ الضعفاء والمتروکین ⑤ کتاب الجمعہ ⑥ کتاب التمیز ⑦ کتاب المدلسین ⑧ فضائل الصحابہؓ ⑨ تفسیر نسائی۔

نسائی، سنن: حدیث کا مجموعہ، صحاح ستہ میں سے ایک۔

سنن نسائی صحاح ستہ کی اہم ترین کتاب ہے۔ امام نسائی نے ابتدا میں حدیث کی ایک کتاب تالیف کی جس کا نام سنن کبریٰ رکھا۔ اس کو امیر رملہ کے سامنے پیش کیا۔ اس نے پوچھا کیا اس میں تمام صحیح احادیث ہیں۔ انہوں نے فرمایا نہیں اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ امیر نے عرض کیا کہ آپ میرے لئے صرف صحیح احادیث کا انتخاب فرما دیں۔ چنانچہ آپ نے سنن کبری میں سے احادیث صحیح کا انتخاب فرمایا اور اس انتخاب کا نام المجتبیٰ رکھا اور یہی کتاب "سنن نسائی" کے نام سے مشہور ہوئی۔

اگر سنن نسائی صحاح ستہ میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ بخاری اور مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے، لیکن افادیت میں ان کتابوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں صرف روایات ہی نہیں بلکہ علل حدیث اور دیگر فنون بھی موجود ہیں۔

خصوصیات

امام نسائی نے اپنی اس تصنیف کی ترتیب میں جو اسلوب اختیار کیا

ہے وہ اکثر کتب صحاح کے اسالیب کا جامع ہے۔

❶ امام بخاری کی طرح امام نسائی بھی ایک حدیث کو متعدد مسائل کے اثبات کے لئے مختلف الواب کے تحت ذکر کرتے ہیں۔

❷ بعض مرتبہ ایک حدیث سند غریب سے مرفوعاً مروی ہوتی ہے اور سند مشہور کے لحاظ سے وہ حدیث موقوف ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں امام نسائی اس کی غرابت اور وقف کا بیان کر دیتے ہیں۔

❸ بعض اوقات ایک حدیث مضطرب المتن ہوتی ہے یعنی راوی ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کے متن میں ملا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں امام نسائی اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔

❹ جو حدیث غریب، شاذ، غیر محفوظ یا منکر ہو، امام نسائی اس کا تعین کر دیتے ہیں۔

❺ بعض اوقات ایک حدیث کسی راوی سے موصولاً ذکر کرتے ہیں لیکن وہ روایت در حقیقت مرسل ہوتی ہے۔ اس صورت میں امام صاحب اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔

❻ امام نسائی مرسل اور منقطع میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ حدیث منقطع پر ہی مرسل کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

❼ کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی غریب ہو یا ضعیف ہو تو اس کی بھی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

❽ بعض دفعہ کسی راوی میں کوئی ابہام ہوتا ہے تو اس کی صفت کا ذکر کر کے اس ابہام کا ازالہ کر دیتے ہیں۔

❾ بعض اوقات امام نسائی حدیث کے راویوں کے مراتب اور ایک استاد کے متعدد شاگردوں کے درجات کا بھی تعین کرتے ہیں۔

❿ بعض دفعہ حدیث میں کوئی مشکل لفظ ہوتا ہے تو امام صاحب اس کے آسان الفاظ میں معنی بیان کر دیتے ہیں۔

⓫ امام نسائی نے سنن صغریٰ کی تالیف میں انتہائی غور و فکر اور تحقیق سے کام لیا ہے مگر اس کے باوجود اگر کسی بات کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ میں اس بات کو حسب منشا سمجھ نہیں سکا۔

✽ نشر الطیب: سیرت کے موضوع پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب۔ نشر الطیب دیگر کتب ہائے سیرت سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں نہ صرف حیات نبوی کے مختلف گوشوں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے بلکہ حیات نبوی ﷺ سے متعلق متفرق مباحث کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ زم زم پبلشرز سے نشر الطیب کی تسہیل "تذکرۃ الحبیب ﷺ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ تسہیل مولانا محمد ارشاد احمد فاروقی نے کی ہے۔

ن ض

✽ نضر بن حارث: کفار قریش میں سے ایک شخص جو رسول اللہ ﷺ جیسی باتوں کا مدعی تھا۔ گویا نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور کفار بھی آپ ﷺ کے مقابلے پر اس کی مغلظات نقل کیا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ گرفتار ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے حکم سے اس کو حضرت علی نے قتل کیا۔

✽ نضر بن حرث: کفار قریش کے اکابرین میں سے ایک۔

✽ نضیر، بنو: ⇦ بنو نضیر۔

ن ع

✽ نعیم بن عبداللہ: ایک صحابی جو حضرت عمرؓ کے ایمان کا ذریعہ بنے۔ جب حضرت عمر نبی کریم ﷺ کے قتل کے ارادے سے جا رہے تھے تو راستے میں حضرت نعیم بن عبداللہ ہی ملے تھے اور انہوں نے اس بات کی خبر دی تھی کہ تمہاری بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو گئے ہیں۔

⇦ عمر فاروق + فاطمہ بنت خطاب۔

ن ف

*** نفاق:** نفاق کہتے ہیں "منافقت" کو یعنی ایک شخص دیکھنے کو تو مسلمان ہو یا مسلم ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، لیکن اس کے دل میں مسلمانوں کے لئے نفرت ہو۔ منافق کا یہ دوغلا پن "نفاق" ہے۔

⇦ منافقت۔

ن ق

*** نقوش سیرت:** پانچ حصوں پر مشتمل بچوں کے لئے سیرت طیبہ پر لکھی گئی ایک کتاب۔ اس کے مصنف حکیم محمد سعید ہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف چھے سال کے اندر اس کے دس ایڈیشن شائع ہو چکے۔ ہر کتاب کا الگ عنوان ہے جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

ن و

*** نووی، امام:** محدث اور فقیہ۔ اصل نام اور نسب یہ ہے:

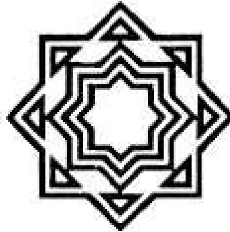
یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن جمعہ بن حزام۔ کنیت ابوزکریا، اور لقب محی الدین تھا۔ امام نووی محرم ۶۳۱ھ میں شام کے ایک گاؤں "نوا" میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے "نووی" کہلائے۔

امام نووی کو علم حدیث سے خاص شغف بلکہ عشق تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے زمانے میں اس علم میں کمال حاصل کیا۔

امام نووی کا انتقال ۴۵ برس کی عمر میں ۲۴ رجب المرجب ۶۷۶ھ میں اپنے پیدائشی گاؤں نوا میں ہوا۔

ن ہ

*** نہدیہ رضؓ:** ایک صحابیہ اور کنیز۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئیں جس کی وجہ سے بے تحاشا ان پر ظلم کیا جاتا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے خرید کر انہیں آزاد کرایا۔



و

وح

*** وحدان:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ وحدان سے مراد ان روایان حدیث کی احادیث کا مجموعہ ہے جن سے صرف ایک ایک حدیث مروی ہے۔

*** وحشی بن حرب:** صحابیِ رسول ﷺ۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے چچا سیدنا حضرت حمزہ کو غزوۂ احد کے موقع پر شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی بن حرب نسلاً حبشی غلام تھے۔ کنیت ابودسمہ تھی۔ وحشیؓ، جبیرؓ بن مطعم کے غلام تھے اور جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جبیر بن مطعم کو اس کا نہایت افسوس تھا اور وہ اپنے چچا کا بدلہ لینے کی تاک میں تھے۔

جب غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا تو جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی سے کہا کہ اگر وہ حضرت حمزہ کو قتل کر کے طعیمہ بن عدی کا بدلہ لے لو تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ احد کی لڑائی میں وحشی نے گھات لگا کر پیچھے سے حضرت حمزہ پر نیزے سے حملہ کر دیا اور سیدنا حمزہ اسی وقت شہید ہوگئے۔ جبیر بن مطعم نے خوش ہو کر وحشی بن حرب کو آزاد کر دیا۔

رسول اکرم ﷺ کو اپنے جاں نثار چچا سے بے حد محبّت تھی۔ آپ ﷺ کو ان کی شہادت سے سخت صدمہ پہنچا اور آپ ﷺ نے وحشی کو واجب القتل قرار دیا تاہم مکہ میں وہ مشرکین قریش کے درمیان محفوظ رہے۔

رمضان المبارک ۸ھ میں رحمت عالم ﷺ نے مکہ پر پرچم اسلام بلند کیا تو وحشی کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور وہ بھاگ کر طائف چلے گئے۔ اہل طائف (بنو ثقیف) نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لئے انہوں نے وحشی کو پناہ دی لیکن جلد ہی صورت حال نے پلٹا کھایا اور اہل طاف بھی آستانہ اسلام پر سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ جب ان کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگا تو وحشی کی عجیب کیفیت ہوئی۔ ان کا بیان ہے: "زمین کی وسعتیں مجھ پر تنگ ہوگئیں اور میں نے ارادہ کیا کہ شام، یمن یا اور کہیں بھاگ جاؤں۔ اس پر ایک آدمی نے مجھ سے کہا، ارے احمق تجھے معلوم نہیں کہ جو شخص اسلام قبول کر لے، رسول اللہ ﷺ اسے معاف فرما دیتے ہیں۔"

لوگوں کے کہنے پر وحشی کا حوصلہ بندھا اور وہ اہل طائف کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور پھر اچانک کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے سامنے حاضر ہوگئے۔ آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا، وحشی ہو؟ انہوں نے عرض کیا، "جی ہاں یا رسول اللہ!"

آپ ﷺ نے فرمایا، بیٹھو اور قتل حمزہؓ کا واقعہ بیان کرو۔

انہوں نے واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، آئندہ مجھے اپنا چہرہ نہ دکھانا۔ وحشیؓ فوراً آپ ﷺ کے سامنے سے ہٹ گئے اور پھر آپ ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ سے چھپتے پھرے۔

بعض روایتوں میں حضرت وحشیؓ کی بارگاہ نبوی میں حاضری اور سعادت اندوزی ایمان کا واقعہ قدرے مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ڈٹ کر اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ ان کے بھیجے ہوئے لشکروں نے نہ صرف منکرین زکوٰۃ کا قلع قمع کر دیا، بلکہ چھوٹے مدعیان نبوت کو بھی کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ ان دشمنان

اسلام میں مسیلمہ کذاب سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ صدیق اکبرؓ نے اس کی سرکوبی پر حضرت خالدؓ بن ولید کو مامور فرمایا۔ حضرت وحشیؓ یہ سوچ کر کہ اب تلافی مافات کا موقع ہے، حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ یمامہ کے میدان میں مجاہدین اسلام اور مسیلمہ کذاب کے درمیان خوں ریز لڑائی ہوئی۔ طبری کا قول ہے کہ یہ فتنۂ ردہ کے سلسلے کی لڑائیوں میں سب سے سخت لڑائی تھی۔ حضرت وحشیؓ میدان جنگ میں مسیلمہ کذاب کی تاک میں لگے رہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے (میدان رزم میں) مسیلمہ کذاب کو دیکھا کہ ہاتھ میں تلوار لئے کھڑا ہے۔ چنانچہ اس پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک انصاری بھی اس کی تاک میں تھا۔ ادھر میں نے اپنے نیزے کو جنبش دے کر مسیلمہ پر پھینکا جو اس کے پیٹ میں لگا۔ ادھر انصاری نے تلوار سے اس پر وار کیا اور مسیلمہ اسی وقت ڈھیر ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت وحشیؓ نے جس نیزے سے مسیلمہ کذاب پر وار کیا، یہ وہی نیزہ تھا جس سے انہوں نے سیدنا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔

بعد میں حضرت وحشیؓ کہا کرتے تھے:

قتلت خیر الناس فی الجاھلیة ثم قتلت شر الناس فی الاسلام (میں نے زمانۂ جاہلیت میں بہترین انسان کو قتل کیا اور زمانۂ اسلام میں بدترین انسان کو)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں حضرت وحشیؓ شام کے میدان جہاد میں پہنچ گئے اور یرموک کی خونیں جنگ میں داد شجاعت دی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

← مسیلمہ کذاب + ابوبکر صدیق۔

✽ وحی: وہ عمل جس میں وقت کے نبی پر اللہ کی جانب سے کوئی پیغام اتارا جاتا ہے۔ وحی، لغت میں اشارہ، کتابت، رسالت، الہام، القا کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ اس کلام یا پیغام کا نام ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انبیا پر نازل ہوتا رہا۔ وحی میں صرف کلام قرآن پاک ہی شامل نہیں بلکہ قرآن شریف کے ساتھ احادیث قدسیہ، دیگر احادیث، اقوال نبویہ ﷺ سب کلام الٰہی اور وحی من اللہ ہیں۔

چنانچہ جملہ اکابر کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ احادیث رسول ﷺ حتیٰ کہ ان کا خواب بھی وحی سمجھا جاتا ہے۔

ود

✽ ود: عرب کا ایک مشہور بت جو دومۃ الجندل میں نصب تھا اور قبیلہ کلب کے افراد اس کو پوجتے تھے۔

ور

✽ ورقہ بن نوفل: توریت اور انجیل کے عالم و ماہر۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے نبی کریم ﷺ سے ان کی نبوت کی پیش گوئی کی تھی۔

وض

✽ وضع حدیث: علم حدیث کی ایک اصطلاح یعنی جھوٹی حدیث گھڑنا۔ اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کی قوت کمزور کرنے کے لئے جن مختلف تحریکات نے جنم لیا ان میں فتنہ وضع حدیث بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ فتنہ حضرت عثمان کے دور میں پیدا ہوا جب کہ باغیوں کے حوصلے اتنے بلند ہوگئے تھے کہ انہوں نے اتنی عظیم الشان سلطنت کے خلیفہ کو انتہائی بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ اسی زمانے میں دین کی ایک اہم بنیاد پر کاری ضرب لگانے کے لئے بعض ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے جھوٹی حدیثیں وضع کر کے حضور ﷺ کی جانب منسوب کر دیں۔

اس سلسلے میں بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فتنۂ وضع حدیث خود دور نبوی ﷺ میں شروع ہو چکا تھا اور اس میں منافقین بہت سرگرم تھے۔ اس قسم کے واقعات موضوعات سے متعلق کتب میں

موجود ہیں۔ یہ واقعہ کافی مشہور ہے کہ لیث کے قبیلہ میں ایک شخص آیا جس کے جسم پر ایک مخصوص حلہ تھا۔ اس نے کہا، یہ لباس مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا ہے تاکہ تم میں قاضی بن کر فیصلہ کیا کروں۔

قبیلہ کے افراد نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا، وہ شخص اللہ کا دشمن ہے اور اس نے جھوٹ بولا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنا آدمی بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ اگر تم اس کو زندہ پاؤ تو قتل کر دو اور اگر مردہ پاؤ تو جلا دو۔ تحقیق کرنے پر پتا چلا کہ وہ شخص اس قبیلہ کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ انہوں نے نکاح کا پیغام قبول نہیں کیا تھا، لہٰذا اب وہ اس ترکیب سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

بہرحال اس قسم کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ کاذبین نے دور نبوی ﷺ ہی میں احادیث وضع کرنا شروع کر دی تھیں، لیکن آنحضرت ﷺ حیات تھے اور کاذبین کے جھوٹ کی پول کھل جاتی تھی۔

دور نبوی ﷺ کے بعد شیخین کا دور آتا ہے۔ ان لوگوں نے تقلیل روایت پر عمل کیا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ کثرت سے روایت کرتے تو ان کو کوڑوں کی سزا ملتی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت جن حالات میں ہوئی اور ان کے بعد جو فتنے منظرعام پر آئے ان میں فتنہ وضع حدیث بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے قبول حدیث کے سخت ترین معیار مقرر کئے اور ہر ایک کی روایتیں قبول نہیں کیں۔ اس سلسلے میں سیکڑوں واقعات موجود ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا طرز عمل

بشیر بن کعب العدوی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے اور حضور ﷺ کی جانب احادیث منسوب کر کے بیان کرنے لگے لیکن حضرت ابن عباسؓ نے ان کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔ انہیں حیرت ہوئی اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ اس قدر عدم توجہی برت رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے یہ جواب دیا: "ایک وہ زمانہ تھا کہ جب کوئی شخص قال رسول اللہ ﷺ کہتا تو ہماری نگاہیں فوراً اس کی جانب اٹھ جاتیں اور ہم اپنے کانوں کو اس طرف جھکا دیتے۔ ہم لوگ، آنحضرت ﷺ کی جانب احادیث اس دور میں منسوب کر کے بیان کرتے تھے کہ جب جھوٹی احادیث ان کی طرف نسبت کر کے بیان کرنے کا رواج نہیں ہوا تھا لیکن اب جب کہ ہر کس و ناکس سرکش و غیر سرکش (اونٹ) پر سوار ہونے لگے ہم نے حدیث کا بیان کرنا ترک کر دیا۔" ایک روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ ہم صرف ان لوگوں سے حدیث قبول کرتے ہیں جن کو ہم پہچانتے ہیں۔ اس واقعہ سے وضع حدیث کے فتنے اور صحابہ کی احتیاط کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

وضع حدیث کے اسی فتنے کے باعث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اپنے دور میں اس کے سوا اور کوئی چارہ باقی نہ رہا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی احادیث کو بیان کریں تاکہ لوگ غلط اور صحیح میں تمیز کر سکیں۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس حدیث کا جو علم تھا وہ چشم دید واقعات پر مبنی تھا لہٰذا حضرت علیؓ کی روایتوں کے مقابلے میں ان موضوعات کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

سوید بن غفلہ جو تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے پاس آکر یہ بیان کیا کہ میں ابھی ایک مقام سے آرہا ہوں جہاں چند آدمی یہ بحث کر رہے تھے کہ آپ کی رائے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بارے میں اچھی نہیں ہے، لیکن بہ تقاضائے مصلحت آپ اس کو ظاہر نہیں کرتے۔

سوید بن غفلہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ اس مجمع میں عبداللہ بن سبا بھی تھا۔ حضرت علیؓ نے اس موقع پر بے ساختہ یہ الفاظ ادا فرمائے:

"مجھے اس کالے خبیث سے کیا تعلق معاذ اللہ میں ان دونوں کے بارے میں سوائے اچھی بات کے کچھ اور کہوں۔"

اس طرح غلط روایات کے مقابلے میں جو صحیح ذخیرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس موجود تھا انہوں نے اس کی اشاعت فرمائی تاکہ سچ اور جھوٹ کی تمیز ہو جائے۔ اس کے علاوہ تمام محدثین نے روایت اور درایت کے اصولوں کی اشاعت کی اور ان کو زیادہ وسعت دی۔ اس سلسلے میں انہوں نے حدیث کو جانچنے کے لئے مختلف علوم ایجاد کئے

یہاں تک کہ موضوعاتی احادیث کی بھی کتابیں لکھ دیں۔ امام ابویوسف کو بیس ہزار موضوعات یاد تھے۔ محدثین میں وہ اہل بصیرت حضرات موجود تھے کہ جو اصلی اور موضوع کو بہ آسانی پہچان لیتے۔ چنانچہ خلیفہ کے سامنے جب ایک کاذب کو پیش کیا گیا اور حاکم وقت نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تو اس وقت اس نے کہا: "آپ مجھے قتل کر دیں گے لیکن میری ان چار ہزار احادیث کا کیا کریں گے جو میں وضع کر کے رائج کر چکا ہوں۔"

اسے جواب دیا گیا کہ جب تک شیخ عبداللہ بن مبارک اور شیخ ابواسحاق جیسے محدثین زندہ ہیں، موضوعات کا ایک حرف برقرار نہیں رہے گا۔

وضع حدیث کے اسباب

جب ہم واضعین حدیث کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں دو گروہ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں ایک وہ جنہوں نے دانستہ دین کو نقصان پہنچانے کے لئے احادیث وضع کیں۔ دوسرے وہ سادہ لوح علما تھے جنہوں نے اس کو ثواب اور اجر کا کام سمجھ کر حدیثیں وضع کیں۔ ضروری ہے کہ ان تمام گروہوں کا مختصر جائزہ پیش کر دیا جائے۔

❶ مختلف فرقوں نے اپنے اپنے خیالات کی تائید میں احادیث وضع کیں۔ مثلاً فرقہ زنادقہ نے چودہ ہزار احادیث وضع کیں لیکن ان سے اتنا خوف نہ تھا کیونکہ عوام ان کی زندیقیت اور گمراہی سے واقف تھے۔

بعض گروہوں نے مخالف گروہوں کے خیالات کو رد کرنے کے لئے اور اپنے نظریات کی حمایت کے لئے احادیث وضع کیں۔ مہلب بن ابی صفرہ نے خارجیوں کو رد کرنے کے لئے اور عوانہ بن الحکم نے بنی امیہ کی تائید میں احادیث وضع کیں۔ فرقۂ کرامیہ کے لوگوں نے عوام کو ڈرانے کی خاطر حدیثیں وضع کیں۔

اس طرح ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنے فرقے کی حقانیت کے لئے جواز فراہم کریں۔ مسند انس بصری، کتاب القضاعی، کتاب العروس وغیرہ موضوعات سے پر ہیں۔

❷ بعض قصاص نے بھی احادیث وضع کیں حال آنکہ ان کا تقرر مسجدوں میں وعظ اور تبلیغ کے لئے کیا گیا تھا تاکہ فجر اور مغرب کی نمازوں کے بعد لوگوں میں حدیث اور دین کے مسائل بیان کریں۔ رفتہ رفتہ وہ نوبت آئی کہ بعض قصاص عوام کے جذبات کو بھڑکانے کے لئے حدیثیں وضع کرنے لگے۔ ان سے ان کا مقصد تقریر کو رنگین بنانا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ عوام پر ان کی سحر بیانی کا اثر زیادہ ہوتا۔ اس طرح ان قصاص نے جن قصوں کو گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کیا تھا عوام نے ان پر لطف داستانوں میں زیادہ دلچسپی ظاہر کی اور بہ آسانی قبول کر لیا اور بلند پایہ مُبلغین و محدثین کے حلقۂ درس میں جانے کے بجائے وہ ان قصاص کی تقریروں میں آنے لگے۔ محدث ابن عون نے لکھا ہے "کوفہ کی مسجدوں میں اعلیٰ مرتبت علما کے حلقۂ درس میں تو گنتی کے طلبہ شرکت کرتے لیکن ان قصاص کی تقریروں میں اتنا مجمع ہوتا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ملتی۔"

چنانچہ امام مالک بن انس نے مسجد نبوی ﷺ میں ان کا داخلہ بند کر دیا۔ اسی طرح بغداد کی مسجدوں میں بھی ان کی تقریروں پر پابندی لگ گئی۔

❸ بعض لوگوں نے صرف خود غرضانہ مقاصد کے لئے اور مالی منفعت کی خاطر احادیث وضع کیں۔ وہ عوام کے جذبات برانگیختہ کر کے ان سے روپیہ وصول کرتے۔ ایک دفعہ دو آدمیوں نے آپس میں سمجھوتا کر لیا۔ ایک نے حضرت علیؓ کے مناقب بیان کئے اور شیعوں سے پیسے وصول کئے دوسرے نے ابوبکر صدیقؓ کے فضائل بیان کئے۔ اس طرح اس نے خوارج سے رقم حاصل کی۔

❹ بعض ایسے افراد بھی تھے کہ جنہوں نے حکام کی سرگرمیوں کو جائز اور شرعی قرار دینے کے لئے احادیث وضع کیں۔ اموی دور میں قصاص کا تقرر کیا گیا تھا جن کی ذمہ داری یہ تھی کہ لوگوں کے قلوب میں حکام اور سلاطین سے متعلق اچھی آرا قائم کریں۔ یہ گروہ اس فرض کی ادائیگی میں اتنا آگے بڑھا کہ حدیثیں وضع کر ڈالیں۔ غیاث بن ابراہیم نخعی ایک دفعہ خلیفہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا۔ خلیفہ مہدی نے اپنی تفریح کے لئے ایک کبوتر پال رکھا تھا جو اس وقت موجود تھا۔ غیاث بن

ابراہیم سے کہا گیا کہ امیر المؤمنین کو کوئی حدیث سنائیے۔ غیاث نے فوراً ایک فرضی سند کے ساتھ یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مقابلہ صرف تیتر، اونٹ، گھوڑے اور پرندے میں جائز ہے۔ مہدی نے اسے درہموں سے بھری ہوئی تھیلی دے دی اور اس کے جانے کے بعد کہا "میں شہادت دیتا ہوں کہ اس نے یہ حدیث میری وجہ سے وضع کی ہے۔" چنانچہ اس کبوتر کو ذبح کرادیا۔

۵ بعض بے وقوف لوگوں نے محض سادگی میں حدیثیں وضع کرڈالیں اور اس کا مقصد صرف ترغیب و ترہیب تھا۔ مثلاً کسی گناہ پر بہت زیادہ عذاب یا کسی نیکی پر بہت زیادہ ثواب سے متعلق احادیث وضع کی گئیں۔ میسرہ ابن عبدربہ نے کہا: "میں نے تو اس وجہ سے حدیثیں وضع کیں کہ لوگ خوف سے زہد و پرہیزگاری اختیار کریں۔"

مثلاً حضرت نوح بن مریم نے مشہور محدثین کی صحبتیں اٹھائی تھیں۔ ان کی علمیت اور قابلیت کا اعتراف کیا جاتا تھا اور وہ خلیفہ منصور کے دور میں مرو کے قاضی بھی رہے تھے، لیکن انہوں نے قرآن کریم کی مختلف سورتوں کے فضائل سے متعلق احادیث وضع کرلیں اور خود اس بات کا اقرار کیا کہ انہوں نے حدیثیں صرف لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے وضع کی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کو دشمنوں سے زیادہ دوستوں نے نقصان پہنچایا اور جیسا کہ فارسی کی ضرب المثل ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہے، ان سادہ لوح مسلمانوں نے اپنی نادانی سے وہ کام کیا جو دشمن بھی نہ کرسکے۔

۶ چونکہ عوام کے دل میں رسول اللہ ﷺ سے جو عقیدت و لگاؤ تھا وہ ظاہر ہے، لہٰذا جہاں بھی حدیث جاننے والے نظر آتے ان کی بے انتہا قدر و منزلت کی جاتی حتیٰ کہ فرمانرواؤں کو بھی اس قدر و منزلت پر رشک آتا تو بعض لوگوں نے محض دنیوی عزت اور جاہ و منصب کی خاطر حدیثیں وضع کیں۔

محدث ابن جوزی ابوجعفر بن محمد طیالسی سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین نے ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک واعظ کھڑا ہوا اور حدیث بیان کرنے لگا: "مجھے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے حدیث سنائی انہوں نے عبدالرزاق سے اس نے معمر سے اس نے قتادہ سے اس نے انس سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص لا الٰہ الا اللّٰہ کے الفاظ کہتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہر لفظ پر ایک پرندہ تخلیق کرتا ہے جو سونے کی چونچ اور مرجان کے پر رکھتا ہے۔" غرض اس ضمن میں اس واعظ نے بیس اوراق سنادیئے۔

احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جو اس محفل میں موجود تھے، ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ امام صاحب نے یحییٰ سے پوچھا کیا آپ نے یہ حدیث اس کو سنائی تھی؟ وہ بولے خدا کی قسم! یہ تو میں نے خود ابھی سنی ہے۔ ختم کرنے کے بعد واعظ نے نذرانے لینے شروع کئے تو یحییٰ بن معین نے اس کو اپنے پاس بلایا۔ وہ یہ سمجھا کہ یہ بھی کچھ عطیہ دیں گے۔ یحییٰ نے پوچھا کہ یہ حدیث تم نے کس سے سنی؟ وہ بولا، احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین سے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم لوگوں نے تو یہ حدیث آج تک نہیں سنی۔ اس پر وہ بولا میں نے سنا تھا کہ یحییٰ بے وقوف ہیں آج اس کی تصدیق ہوگئی۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ کے علاوہ اور کوئی یحییٰ اور احمد نہیں۔ سترہ یحییٰ اور احمد ہیں جن سے میں نے روایت کی ہے۔ یہ کہہ کر وہ ان دونوں کا مذاق اڑاتا ہوا چل دیا۔

ابو حاتم ایک واعظ کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں اس نے خود وضع حدیث کا اعتراف کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں گیا جہاں نماز کے بعد ایک شخص کھڑا ہوا اور یہ حدیث بیان کرنا شروع کی: "مجھے امام ابوحنیفہؒ نے حدیث سنائی اس نے ولید سے اس نے شعبہ سے اس نے قتادہ سے اور اس نے حضرت انسؓ سے سنا۔ پھر اس نے ایک حدیث بیان کی۔" جب اس کی تقریر ختم ہوئی تو میں نے اس کو بلا کر پوچھا کیا تم نے کبھی ابوحنیفہ کو دیکھا وہ بولا نہیں۔ میں نے کہا پھر ان کی طرف منسوب کرکے روایت کیوں کرتے ہو۔ اس پر اس نے کہا، ہم سے جھگڑنا بے مروتی ہے۔ مجھے تو یہ سند یاد ہے اور کوئی بھی حدیث اس سند کے ساتھ لگا دیتا ہوں۔

اوپر جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح

احادیث کے ساتھ جھوٹی حدیثیں بہت بڑی تعداد میں منظر عام پر آگئیں۔ چنانچہ صحابہؓ وتابعینؒ نے انتہائی احتیاط سے کام لیا اور محدثین نے کسی بھی حدیث کے قبول کے وقت اس کے متن الفاظ، پیغام وغیرہ کو پیش نظر رکھا۔ یہ بھی غور کیا جاتا کہ وہ قرآن، حدیث صحیح، عقل انسانی یا مشاہدے کے خلاف ہوتیں یا ان کے اندر رکاکت لفظی پائی جاتی تو ان کو رد کر دیا جاتا۔ اسی مقصد کے لئے مختلف علوم حدیث ایجاد کئے گئے۔ اس کے علاوہ بعض حکومتوں نے بھی واضعین حدیث کو سخت سزائیں دیں اور ان لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا۔ مثلاً خلیفہ مہدی سے مقاتل بن سلیمان نے کہا، میں تمہارے لئے حدیث وضع کر دوں تو خلیفہ نے اس شخص کو جواب دیا: "مجھ کو اس کی ضرورت نہیں" ہارون رشید نے ایک وضاع کو قتل کرا دیا۔ محمد بن سلیمان جو کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے ابن ابی العوجا کو قتل کرا دیا۔

وف

*** وفات محمد ﷺ:** خاتم الانبیاء ﷺ کا وصال۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی دعوت حق کا آغاز کیا، تکالیف جھیلیں، اپنا گھربار چھوڑا، جنگیں لڑیں، لوگوں سے درگزر بھی کیا اور جہاں لازم ہوگیا، قتال بھی کیا..... یہ سب دین حق کو لوگوں تک پہنچانے اور انہیں دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں لے جانے کے لئے کیا۔

آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے بعد بڑی تیزی سے اسلام پھیلنے لگا حتیٰ کہ جب آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اقممت علیکم نعمتی (یعنی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں) تو مفسرین کے مطابق یہ آیت نبی کریم ﷺ کی وفات کی اطلاع تھی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس اطلاع ربانی کو محسوس کر لیا تھا اور پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی عبادات میں اضافہ کر دیا۔ آنحضرت ﷺ عموماً دس دن رات کے لئے رمضان میں اعتکاف میں بیٹھتے تھے، مگر آخری سال (۱۰ھ) بیس دن اعتکاف میں بیٹھے۔ اسی طرح سال میں ایک دفعہ آپ ﷺ قرآن پاک سنتے تھے، لیکن آخری سال دو مرتبہ قرآن پاک سنا۔ اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے بھی اس بات کا امکان ظاہر فرمایا تھا کہ اگلے سال میں شاید ہی تم لوگوں سے مل سکوں!

حجۃ الوداع کے بعد نبی کریم ﷺ نے غزوۂ احد کے شہدا کی زیارت بھی کی۔ چنانچہ شہدائے غزوۂ احد کی قبور پر آپ ﷺ تشریف لے گئے اور نہایت رقت انگیز دعا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں کہ جس کی وسعت اتنی ہے کہ جتنی مقام ایلہ سے جحفہ تک کی ہے۔ مجھے دنیا کے تمام خزانوں کی کنجی دی گئی ہے۔ مجھے تم لوگوں پر شرک کا خوف نہیں ہے البتہ اس بات کا خوف ہے کہ تم لوگ دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور قتل و خون نہ کرو، اور پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔

مرض وفات شروع ہونے سے صرف ایک دن پہلے رسول اللہ ﷺ نے امامہ بن زید کو حکم دیا تھا کہ وہ لشکر تیار کریں اور حدود شام کے عربوں سے اپنے والد زید بن حارثہ کا قصاص لیں۔

صفر المظفر گیارہ ہجری کی اٹھارہ یا انیس تاریخ کو نبی کریم ﷺ آدھی رات کو جنت البقیع تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو طبیعت ذرا ناساز تھی۔ نبی کریم ﷺ کے ابتدائے مرض کی تاریخ کے حوالے سے سیرۃ النبی (جلد دوم) میں ایک تفصیلی حاشیہ مولف نے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم باب اثبات الحوض، واقدی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو بھی جانے کا حکم دیا تھا، لیکن یہ روایتیں بے سند ہیں، اس لئے علامہ ابن تیمیہ نے اس سے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا لیکن حضرت ابوبکرؓ کو آپ ﷺ نے ایام علالت میں امام نماز مقرر فرمایا اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے۔ اس بنا پر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپ ﷺ نے

مستثنیٰ کر لیا)۔

(آنحضرت ﷺ کی ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں۔ امر مختلف فیہ سے پہلے ان امور کو بتا دینا چاہئے جن پر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جن پر گویا محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہے اور وہ یہ ہیں: ① سال وفات ۱۱ھ ہے ② مہینہ ربیع الاول کا تھا۔ ③ یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی۔ ④ دوشنبہ کا دن تھا(صحیح بخاری ذکر وفات کتاب الجنائز)۔ زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کل ۱۳ دن بیمار رہے۔ اس بنا پر اگر یہ تحقیقی طور سے متعین ہو جائے کہ آپ ﷺ نے کس تاریخ کو وفات پائی تو تاریخ آغاز مرض بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے گھر یہ روایت صحیح ۸ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے شنبہ تک) بیمار رہے اور یہیں وفات فرمائی اس لئے ایام علالت کی مدت ۸ روز تو یقینی ہے۔ عام روایت کی رو سے پانچ دن اور چاہئیں، اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے ۱۳ دن مدت علالت صحیح ہے۔ علالت کے ۵ دن آپ ﷺ نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے۔ اس حساب سے علالت کا آغاز چہار شنبہ سے ہوتا ہے۔

تاریخ وفات کی تعیین میں راویوں کا اختلاف ہے۔ کتب حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی مجھ کو کوئی روایت احادیث میں نہیں مل سکی۔ ارباب سیر کے ہاں تین روایتیں ہیں۔ یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول اور ۱۲ ربیع الاول۔ ان تینوں روایتوں میں باہم ترجیح دینے کے لئے اصول روایت و درایت دونوں سے کام لینا ہے اور روایت دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کے واسطے سے مروی ہے (طبری ص۱۵ تا ص۱۸)۔ اس روایت کو گو اکثر قدیم مورخوں (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں مشہور دروغ گو اور غیر معتبر ہیں۔ یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد و طبری نے نقل کی ہے (جزء وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے، وہ ۱۲ ربیع الاول کی ہے، البتہ بیہقی نے دلائل میں مسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے (نور النبراس ابن سید الناس، وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے۔ (فتح الباری وفات) امام سہیلی نے روض الانف میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہے (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں، روز وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ کی نویں تاریخ کو جمعہ کا دن تھا (صحاح قصہ حجۃ الوداع، صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) ذوالحجہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ تک حساب لگاؤ، ذوالحجہ، محرم، صفر، ان تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹، ۲۹، خواہ ۳۰، ۳۰، خواہ بعض ۳۰..... کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا، اس لئے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے۔ دوم ربیع الاول کو حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑ سکتا ہے جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں۔ جب دو پہلی صورتیں نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ تیس کا لیا جائے۔ اس حالت میں ۲۹ ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہو گا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو گا کہ ۹ ذوالحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاول میں اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہو سکتا ہے:

صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
① ذوالحجہ، محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۶	۱۳	
② ذوالحجہ، محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۲	۱۹	۱۶
③ ذوالحجہ، ۲۹، محرم، ۲۹، اور صفر ۳۰ کا ہو	۱	۸	۱۵
④ ذوالحجہ، ۳۰، محرم، ۲۹، اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
⑤ ذوالحجہ، ۲۹، محرم، ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
⑥ ذوالحجہ، ۳۰، محرم، ۲۹، اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	
⑦ ذوالحجہ، ۳۰، محرم، ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۷	۱۴	
⑧ ذوالحجہ، ۲۹ کا اور محرم و صفر ۳۰ کے ہوں	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخوں میں سے ۶-۷-۸-۱۳-۱۹-۱۴-۱۵ خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں۔ رہ گئیں یکم اور دوم تاریخیں، دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑسکتی ہے جو خلاف اصول ہے،

تاریخ تین صورتوں میں واقع ہوسکتی ہے اور تینوں کثیر الوقوع ہیں اور روایات ثقات ان کی تائید میں ہیں، اس لئے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہے، اس روایت میں فقط رویت ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جس پر اسلامی قمری مہینوں کی بنیاد ہے۔ اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اس پر خدشات وارد ہوسکتے ہوں۔ کتب تفسیر میں آیت الیوم اکملت لکم دینکم حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت کے یوم نزول (۹ ذوالحجہ ۱۰ھ) سے روز وفات تک کے ۸۱ دن ہیں (دیکھو ابن جریر ابن کثیر و بغوی وغیرہ)۔ ہمارے حساب سے ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ سے لے کر یکم ربیع الاول تک دو ۲۹ اور ایک مہینہ ۳۰ لے کر جو ہماری مفروضہ صورت ہے، پورے ۸۱ دن ہوتے ہیں۔ ابونعیم نے بھی دلائل میں بہ سند یکم ربیع الاول تک تاریخ وفات نقل کی ہے۔

بہر کیف جس دن نبی کریم ﷺ کی طبیعت ناساز ہوئی اس دن حضرت میمونہ کی باری کا دن تھا۔ نبی کریم ﷺ اپنی طبیعت کی خرابی کے باوجود پانچ روز تک باری باری ایک ایک زوجہ کے حجرے میں تشریف لے جاتے رہے۔ دو شنبہ کے دن طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو دیگر ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آ گئے۔

جب تک نبی کریم ﷺ کے جسم میں اتنی طاقت رہی کہ مسجد نبوی میں جا کر جماعت سے نماز ادا کر سکیں آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی میں جو حدیث مذکور ہے اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے آخری نماز مغرب کی پڑھائی اور سورہ والمرسلات عرفا تلاوت فرمائی۔ عشا کی نماز کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا عشا کی نماز ہو چکی؟ عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ کا انتظار ہے۔ لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا۔ پھر اٹھنا چاہا تو غش آ گیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا نماز ہو چکی؟ جواب ملا کہ آپ ﷺ کا انتظار ہے۔ پھر غسل فرمایا اور اٹھنا چاہا تو غش آ گیا۔ ایسا تین بار ہوا۔ پھر فرمایا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ چنانچہ کئی روز تک حضرت ابوبکر صدیق نے نماز کی امامت کی۔

وفات سے چار دن پہلے نبی کریم ﷺ نے کاغذ اور دوات لانے کو کہا کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ لیکن اس مسئلے میں صحابہ میں اختلاف ہوا جس کا شور نبی کریم ﷺ تک پہنچا۔ بعض نے آپ ﷺ سے وضاحت حاصل کرنا چاہی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مجھے چھوڑ دو! میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔" اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے وصیتیں فرمائیں:

(اول) کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے۔ (دوم) سفیروں کا احترام اسی طرح کیا جائے جیسے آپ ﷺ کے زمانے میں تھا۔

ایک روز رسول اکرم ﷺ کی طبیعت ذرا سنبھلی تو غسل فرما کر حضرت علی اور حضرت عباس کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں اشارے سے روکا اور ان کے پہلوں میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت صدیق اکبر اور حضرت صدیق اکبر کو دیکھ کر دیگر مسلمان نماز کے ارکان ادا کرتے تھے۔

نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے زندگی کا سب سے آخری خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"خدا نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت) میں جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔ سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں ابوبکر ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی اُمت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔ ہاں تم سے پہلی قوموں

نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ میں منع کر جاتا ہوں۔ میں انصار کے معاملے میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں (بمنزلۂ) معدہ کے ہیں۔ جو تمہارے نفع و نقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہئے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہے ان کو معاف کرے۔

حلال اور حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے۔ اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔"

نبی کریم ﷺ خطبے سے فارغ ہوئے تو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور ان کے کان میں کچھ کہا۔ پہلے تو حضرت فاطمہ رونے لگیں اور پھر کچھ کہنے پر مسکرانے لگیں۔ حضرت عائشہ نے پہلے رونے اور پھر مسکرانے کی وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ پہلے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی۔ یہ سن کر میں مسکرانے لگی۔

مرض کی شدت بڑھتی جارہی تھی۔ کبھی چادر چہرے پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے۔ گویا بے کلی کی کیفیت طاری تھی۔ اس دوران یاد آیا کہ حضرت عائشہ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ چنانچہ یہ اشرفیاں خدا کی راہ میں خیرات کردینے کا حکم دیا۔

وفات والے دن صبح کو طبیعت ذرا بہتر ہوئی تو فجر کی نماز کے وقت پردہ اٹھا کر مسجد کی طرف نظر ڈالی۔ دیکھا کہ مسلمان نماز پڑھنے میں مصروف ہیں۔ مسلمانوں کی نظریں بھی آپ ﷺ پر پڑیں اور قریب تھا کہ فرط مسرت سے نمازیں ٹوٹ جائیں۔ حضرت صدیق اکبر بھی امامت کے مصلے سے پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں اشارے سے بدستور نماز پڑھاتے رہنے کو کہا اور حجرہ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے۔ یہ آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔

اب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت مزید خراب ہوتی جارہی تھی۔ کبھی غشی طاری ہوجاتی تو کبھی ذرا افاقہ ہوجاتا۔ یہ دیکھ کر حضرت فاطمہ ضبط نہ کرسکیں اور بولیں:

"واکرب اباہ" (ہائے میرے والد کی بے چینی)۔

نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

"تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔"

اس دوران نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر کبھی مع الذین انعم اللہ علیھم (یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا) کے الفاظ ہوتے تو کبھی فرماتے اللھم فی الرفیق الاعلیٰ (یعنی اللہ بڑا رفیق ہے)۔

وفات سے کچھ پہلے نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ کے سینے پر سر ٹیک کر لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر وہاں تشریف لائے۔ حضرت عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپ ﷺ نے نظر جما کر اس مسواک کی طرف دیکھا تو حضرت عائشہ سمجھیں کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ مسواک حضرت عبدالرحمٰن سے لے کر اسے دانتوں سے چبا کر نرم کیا اور آپ ﷺ کو تھمادی۔ نبی کریم ﷺ نے مسواک کی۔

سہ پہر کا وقت تھا، سانس کی گھڑگھڑاہٹ محسوس کی جاسکتی تھی۔ اتنے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم (یعنی نماز اور غلام)۔

قریب ہی پانی کی لگن رکھی تھی۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے، کبھی چادر منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹادیتے۔ اتنے میں انگلی سے اشارہ کرکے تین مرتبہ فرمایا:

بل الرفیق الاعلیٰ (یعنی اب کوئی نہیں، بلکہ وہ بڑا رفیق ہے)۔

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے، آنکھیں چھت سے لگ گئیں اور روح پاک پرواز کرگئی۔

اللھم صلی علیٰ محمد و علیٰ الہ و اصحابہ اجمعین

تجہیز و تکفین

جب رسول مقبول ﷺ کی وفات کی خبر مسلمانوں میں پھیلی تو گویا قیامت برپا ہوگئی۔ مسلمانوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ کبھی ایسا بھی ہوگا۔ اسی موقع پر وہ مشہور واقعہ ہوا جس میں حضرت عمرؓ تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضور ﷺ نے وفات پائی میں اس کا سر اڑا دوں گا۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو لوگوں کو پھاندتے ہوئے منبر کی طرف بڑھے اور فرمایا:

"لوگو! اگر کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ وہ اس دنیا سے تشریف لے جاچکے۔ اور اگر کوئی محمد ﷺ کے رب کی عبادت کرتا ہے تو جان لے کہ وہ زندہ ہے، اس کو موت نہیں۔"

پھر فرمایا:

"اور محمد ﷺ تو خدا کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے نبی گزر چکے ہیں۔ کیا ان کا انتقال ہوجائے یا وہ راہ خدا میں مارے جائیں تو تم اسلام سے پلٹ جاؤ گے۔ اور جو کوئی پلٹ جائے گا تو وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور اللہ شکر گزار بندوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عمر بولے: "کیا یہ آیت قرآن میں موجود ہے؟"

حضرت صدیق اکبر نے جواب دیئے بغیر سلسلہ کلام جاری رکھا اور فرمایا:

"اللہ کا فرمان ہے کہ اس نے اپنے نبی (ﷺ) کو اس کی وفات کی خبر اس وقت دے دی تھی جب وہ حیات تھے۔ موت اٹل ہے، سب مرجائیں گے بجز ایک اللہ کے۔"

اس ایمان افروز اور حقیقت کشا خطبے کا اثر یہ ہوا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں اور فرط جذبات میں مسلمان جس حقیقت کو برداشت نہیں کر پارہے تھے، ان کے لئے اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنا آسان ہوگیا۔

اب تجہیز و تکفین کا مرحلہ شروع ہوا۔ حضرت فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے پردہ کیا اور حضرت علی نے غسل دیا۔ چونکہ اس کام میں ہر شخص شریک ہوکر فضیلت حاصل کرنا چاہتا تھا، اس لئے حجرے پر بھیڑ ہوگئی تھی تو حضرت علی نے دروازہ بند کردیا۔ انصار نے کہا کہ خدا کے لئے ہمارے حقوق کا بھی خیال کرو تو حضرت علی نے حضرت اوس ابن خولی انصاری کو اندر بلالیا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ حضرت علی نے غسل کے دوران آنحضرت ﷺ کے جسد مبارک کو سینے سے لگائے رکھا۔ حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے قسم بن عباس اور فضل بن عباس کروٹیں بدلتے تھے۔ اسامہ بن زید نے پانی ڈالنے کی ذمے داری ادا کی۔

کفن کے لئے پہلے تو حضرت عبداللہ بن ابوبکر کی ایک یمنی چادر لی گئی، لیکن بعد میں اتار کر تین سوتی سفید کپڑے (جو سحول کے بنے ہوئے تھے) کفن میں دیئے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ کسی نے نہیں پڑھائی بلکہ جب جنازہ تیار ہوگیا تو باری باری کرکے لوگ جاتے تھے اور نماز جنازہ پڑھ کر آجاتے تھے۔ اس ترتیب پر پہلے مردوں نے، پھر عورتوں نے اور آخر میں بچوں نے نماز جنازہ ادا کی۔

آپ ﷺ کے جسد اطہر کو دفنانے کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ منتخب کیا گیا۔ حضرت ابوعبید نے مدینہ کے دستور کے مطابق لحدی (بغلی) قبر کھودی اور جس بستر پر آپ ﷺ نے وفات پائی وہی قبر میں بچھا دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبر کی مٹی نم تھی۔

جسد مبارک کو حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے قبر میں اتارا۔

وی

٭ ویاوت و مفارم: کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی عہدوں میں سے ایک عہدہ۔ اس کا مقصد خون بہا کا فیصلہ کرنا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر اس عہدے پر فائز تھے۔

ہ

ہا

*** ہاشم:** آنحضور ﷺ کے جد امجد میں سے ایک۔ انہی کی اولاد ہاشمی مشہور ہوئی۔ ہاشم، عبد مناف کے بیٹے اور نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے والد تھے، لیکن عبدالمطلب کی پیدائش سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ⇦ آباو اجداد نبوی + ابراہیم علیہ السلام + اسماعیل علیہ السلام + بنوہاشم۔

ہب

*** ہبار بن سفیان:** صحابی رسول ﷺ۔ قریش کے خاندان مخزوم سے تعلق تھا، اس لئے "ہبار بن سفیان مخزومی" کہلائے۔ سابقون الاولون میں حضرت ہبار کا شمار ہوتا ہے۔ پہلے حبشہ کو ہجرت کی اور پھر غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ایک روایت کے مطابق جنگ موتہ میں جب کہ دوسری روایت کے مطابق معرکۂ اجنادین میں شہید ہوئے۔

*** ہبل:** خانۂ کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں میں سے ایک بت۔ ہبل ان میں سے کفار کے لئے "خدائے اعظم"، یعنی سب سے بڑے خدا کا درجہ رکھتا تھا۔

ہج

*** ہجرت حبشہ:** حبشہ کی طرف مسلمانان مکہ کی ہجرت۔ ۵ نبوی میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ کی جانب جو ہجرت کی، ہجرت حبشہ کہلاتی ہے۔

جب مکہ میں قریش کے مظالم میں کمی نہ آئی تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ حبشہ کو ہجرت کر جائیں۔ حبشہ یا حبش قریش کی قدیم تجارت گاہ تھا، اس لئے وہاں کے حالات پہلے سے معلوم تھے۔ اس کے علاوہ وہاں کے نجاشی (بادشاہ) کے عدل وانصاف کی شہرت بھی عام تھی۔ چنانچہ اول اول گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ ان کے نام درج ذیل ہیں: حضرت عثمان بن عفان اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ کے ہمراہ۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ اپنی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل کے ہمراہ۔ حضرت زبیر بن العوام حضرت مصعب بن عمیر۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی اپنی زوجہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ کے ہمراہ۔ حضرت عثمان بن مظعون جمحی۔ حضرت عامر بن ربیعہ اپنی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ کے ہمراہ۔ حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم یا حضرت ابوحاطب بن عمرو۔ حضرت سہیل بن بیضا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ ان اسمائے گرامی میں مورخین نے معمولی سا اختلاف بھی کیا ہے۔

ان تمام مسلمان مرد وزن نے ۵ نبوی کے ماہ رجب میں اپنا سفر شروع کیا۔ جب یہ لوگ بندر گاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جا رہے تھے۔ ہر شخص نے صرف پانچ درہم کرائے کے طور پر دیئے اور جہاز پر سوار ہو گئے۔ قریش کو جب ان لوگوں کے بارے میں خبر ہوئی تو بندر گاہ تک تعاقب میں آئے، لیکن موقع نکل چکا تھا۔ حبشہ پہنچ کر مسلمان نجاشی کی بدولت امن و امان کی زندگی گزارنے لگے۔ لیکن قریش کب پیچھا چھوڑنے والے تھے، لہٰذا انہوں نے ایک سفارتی وفد

نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ اس وفد میں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) تھے۔ انہوں نے نجاشی کے درباری پادریوں سے مل کر انہیں بیش قیمت تحائف پیش کئے اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کو نکال دیا تو یہ لوگ آپ کے ملک میں آگئے۔ کل ہم بادشاہ کے دربار میں ان افراد کے متعلق جو درخواست کریں، آپ لوگ اس کی تائید کیجئے گا۔

دوسرے دن یہ وفد نجاشی سے ملا اور درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو بلا لیا اور پوچھا کہ تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے خلاف ہے؟

مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی) کو منتخب کیا۔ پھر انہوں نے وہ مشہور تقریر کی جو اکثر کتب میں درج ہے۔

حضرت جعفر کی تقریر ختم ہوئی تو نجاشی نے قرآن کی کوئی آیت پڑھنے کو کہا۔ حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر کہا، "خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" پھر اس نے سفرائے قریش سے کہا، "تم واپس جاؤ، میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہ کروں گا۔"

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا کہ آپ کو معلوم بھی ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر اس سوال کا جواب مانگا۔ حضرت جعفر نے کہا

"ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰؑ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے۔"

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا

"واللہ! جو تم نے کہا عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔"

یوں قریش کے سفیر بالکل ناکام لوٹ آئے۔

اسی اثنا میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کر دیا۔ نجاشی اس کے مقابلے کے لئے خود گیا۔ صحابہ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہوئی تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں۔ چنانچہ حضرت زبیر دریائے نیل پار کر کے میدان جنگ تک پہنچے اور حبشہ میں باقی مسلمان نجاشی کی فتح کی دعا کرتے رہے یہاں تک خدا نے نجاشی کو فتح دے دی۔

رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد حبشہ میں ۸۳ تک پہنچ گئی۔ چند روز آرام کے گزرے تھے کہ حبشہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر اکثر صحابہ نے مکہ کا رخ کیا، لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے اس لئے بعض لوگ واپس چلے گئے اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ آگئے۔

جو لوگ حبشہ سے واپس آگئے تھے، اہل مکہ نے اب ان کو اور زیادہ ستانا شروع کر دیا اور اس قدر تکالیف دیں کہ وہ لوگ دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ لگ بھگ سو (۱۰۰) صحابہؓ مکہ سے نکل کر حبشہ پہنچ گئے۔ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے۔ اور جو لوگ رہ گئے تھے آپ ﷺ نے ان کو ۷ھ میں بلا لیا۔

⇦ اصحمہ + حبشہ + نجاشی + ہجرت مدینہ۔

✽ ہجرت مدینہ: وہ ہجرت جو مسلمانوں نے مکہ سے دور ایک شہر یثرب کی طرف کی۔ نبی کریم ﷺ کی یثرب میں آمد کے بعد اس علاقے کا نام مدینۃ النبی ﷺ یعنی نبی کا شہر پڑ گیا، اس لئے اس ہجرت کو ہجرت مدینہ، اور "ہجرت نبوی ﷺ" بھی کہتے ہیں۔

مسلمانوں پر مکہ میں تقریباً تیرہ برس کے ظلم و ستم کے بعد نبی کریم ﷺ نے یہ ہجرت کی۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر کفار کے ظلم و ستم کو دیکھ کر قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنے ہاں ہجرت کی دعوت دی، لیکن آپ ﷺ نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کے حکم کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ ایک دفعہ خواب میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ دارالہجرۃ ایک پُر

بہار باغ ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ ہو گا یا ہجر، لیکن وہ شہر یثرب نکلا۔ چونکہ مکہ کے مسلمان آہستہ آہستہ مدینہ میں بس رہے تھے اور مدینہ میں اسلام پھیل رہا تھا، اس لئے مکہ کے قریش نے دار الندوہ میں فیصلہ کر لیا کہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ لہٰذا ہر قبیلے کا ایک ایک فرد نکلا اور ایک رات کو آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس رات دو تین دن پہلے آپ ﷺ حضرت ابوبکر سے ملے تھے اور ان کو یہ بات بتائی تھی کہ اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔ اب دونوں نے مل کر ہجرت کا پروگرام طے کیا۔ زاد راہ کے لئے حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ حضرت اسماءؓ نے نطاق (جو کپڑا عورتیں اپنی کمر سے لپیٹتی ہیں) پھاڑ کر اس سے ناشتے دان کا منہ باندھا اور دو تین دن کا کھانا ساتھ کر دیا۔

ہجرت والی رات کو نبی کریم ﷺ کو کفار کی اس قتل والی اسکیم کی خبر ہو چکی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ "مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس کر دینا۔"

کفار نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور رات زیادہ گزر گئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے پلنگ پر لٹا دیا اور دروازہ کھول کر اپنے دشمنوں کے سامنے سے نکلتے چلے گئے، لیکن قدرت خدا کی کہ کفار کو آپ ﷺ کے جانے کی خبر تک نہ ہوئی۔ گھر سے آپ ﷺ کعبہ آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا: "مکہ! تو مجھے تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور دونوں غار ثور میں جا کر چھپ گئے۔

صبح کو قریش کو جب یہ پتا چلا کہ نبی کریم ﷺ یہاں سے جا چکے ہیں اور آپ ﷺ کی جگہ حضرت علیؓ لیٹے ہوئے ہیں تو انہوں نے حضرت علیؓ کو پکڑ کر کچھ دیر تک حرم میں محبوس رکھا اور پھر چھوڑ دیا۔ پھر یہ کفار نبی کریم ﷺ کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ غار ثور کے منہ تک آپہنچے۔ دشمنوں کی آہٹ سن کر حضرت ابوبکرؓ پریشان ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کی کہ اب دشمن اتنے قریب آ گئے ہیں کہ اگر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا (سورۂ توبہ) یعنی گھبراؤ نہیں! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس واقعے سے متعلق کبوتر، گھونسلے اور انڈے والی روایت کو سیرت النبی ﷺ کے مصنف علامہ شبلی نعمانی نے تفصیل کے ساتھ غلط بتایا ہے۔

اس دوران حضرت ابوبکرؓ کے نوجوان بیٹے عبداللہ غار میں آکر آپ دونوں کو کفار کے مشوروں سے مطلع کرتے اور چلے جاتے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا غلام رات کو چند بکریاں لے آتا اور یہ ان بکریوں کا دودھ پی لیتے۔ تین دن تک ان کی یہی غذا تھی۔

بہرکیف چوتھے روز نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اس غار سے نکلے۔ انہوں نے عبداللہ بن اریقط کافر کو کرائے پر اپنے ساتھ لیا۔ وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ اس طرح ایک رات دن برابر چلتے رہے۔ ایک جگہ پر جا کر قیام فرمایا۔ یہاں پر حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریم ﷺ کے لئے دودھ کا انتظام کیا۔ دوسری جانب قریش نے اعلان عام کر دیا تھا کہ جو شخص محمد (ﷺ) یا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک خون بہا (سو اونٹ) کے برابر انعام دیا جائے گا۔ اس انعام کے لالچ میں سراقہ بن جعشم نکلا ہوا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو گھوڑا دوڑا کر آپ ﷺ کے قریب آ گیا۔ لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا۔ ترکش سے تیر نکال کر فال نکالی کہ آپ ﷺ پر حملہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ تو فال میں جواب "نہیں" نکلا۔ مگر انعام کے لالچ میں فال کی بات ماننے کے بجائے گھوڑے پر سوار ہو کر دوبارہ آگے بڑھا۔ اس بار گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ چنانچہ گھوڑے سے اترا اور پھر فال نکالی تو جواب پھر بھی نفی میں تھا۔ اس جواب سے اس کی ہمت پست ہو گئی۔ اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ ﷺ کو قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ اسے امن کی تحریر دی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامرؓ بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سفر ہجرت

کی تمام منزلیں طبقات سعد میں درج ہیں: خرار، ثنیۃ المرۃ، لقف۔ مدلجۃ۔ مرج۔ حدائد۔ اذاخر۔ رابغ۔ ذاسلم۔ عثانیۃ۔ قاحہ۔ عرج۔ جداوت۔ رکوبۃ۔ عقیق۔ حجاتہ۔

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ سفر کرتے ہوئے آخر کار مدینہ سے تین میل پہلے قبا نامی آبادی میں پہنچے جہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے جن میں سب سے ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا۔ نبی کریم ﷺ جب اس علاقے میں پہنچے تو لوگوں نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

یہاں آپ ﷺ چودہ دن (صحیح بخاری) یا چار دن رہے۔ یہاں آپ ﷺ نے ایک مسجد بھی تعمیر کی جو ''مسجد قبا'' کے نام سے مشہور ہے۔ (⇦ مسجد قبا) قبا میں ۱۴ روز قیام کے بعد جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ مدینہ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بنی سالم کے محلے میں نماز کا وقت آگیا تو جمعہ کی پہلی نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔ (⇦ مسجد جمعہ) اس کے بعد نبی کریم ﷺ شہر کی طرف آئے تو مرد و زن آپ ﷺ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ عورتیں اور بچے چھتوں پر نکل آئے اور گانے لگے: طلع البدر علینا (چاند نکل آیا ہے)

من ثنیات الوداع (کوہ وداع کی گھاٹیوں سے)
وجب الشکر علینا (ہم پر خدا کا شکر واجب ہے)
مادعی للہ داع (جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں)
معصوم لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں:
نحن جوار من بنی النجار (ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں)
یاحبذا محمد امن جار (محمد ﷺ کیا اچھا ہمسایہ ہے)

مہمان نوازی کا مرحلہ آیا تو یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاریؓ کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ نچلی منزل پر آپ ﷺ نے قیام فرمایا اور بالائی منزل میں حضرت ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ نے رہائش اختیار کرلی۔ نبی کریم ﷺ کے کھانے میں سے جو بچ رہتا، یہ دونوں میاں بیوی بڑے شوق سے کھاتے۔ نبی کریم ﷺ نے سات ماہ تک یہاں قیام فرمایا۔

٭ ہجری سال: اسلامی سن کا نظام۔ اس کا آغاز چونکہ ہجرت کے واقع سے ہوتا ہے، اس لئے اسے ''ہجری سال'' کہتے ہیں۔

اسلامی سال، جس کی ابتدا اس سن سے ہوتی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ کے کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ ⇦ ہجرت مدینہ۔

حضرت عمرؓ سے پہلے کسی اسلامی سال کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

⇦ ابرہہ، بادشاہ

سن ہجری کا آغاز

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ۔ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے، اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خورستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا، طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اس کو ماہ روز کہتے ہیں اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ آنحضرت ﷺ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے۔ اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھے لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔

ھ د

***ہلال بن امیہ:** صحابی رسول ﷺ۔ قبیلہ اوس کے خاندان "واقف" سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے: ہلال بن امیہ بن عامر بن قیس بن عبد الاعلم بن عامر بن کعب بن واقف (مالک) بن امرؤ القیس بن مالک بن اوس۔

حضرت ہلال بن امیہ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد وغیرہ میں جوش وجذبے کے ساتھ شریک رہے۔ البتہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جن تین صحابہ کرام پر بلا عذر غزوے میں شریک نہ ہونے کا عتاب تھا، ان میں ہلال بن امیہ بھی شامل تھے۔

حضرت ہلال نے حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

ھ ن

***ہند بن ابی ہالہ:** صحابی رسول ﷺ، حضرت خدیجہ الکبریٰ کے فرزند (جو ان کے پہلے شوہر ابوہالہ تمیمی کی صلب سے تھے) اور نبی کریم ﷺ کے ربیب (پروردہ، سوتیلے بیٹے)۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے: ہند بن ابی ہالہ نباش بن زرارہ بن وقدان بن حبیب بن سلامہ بن غوی بن جردہ بن اسید بن عمرو بن تمیم۔

کئی غزوات میں شریک ہوئے البتہ غزوۂ بدر میں شرکت میں اختلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ ان کا حلیہ بڑی خوبی کے ساتھ بیان فرماتے تھے، اس لئے ہند بن ابی ہالہ کا لقب "وصاف النبی ﷺ" پڑ گیا۔

جنگ جمل میں حضرت علی کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں وفات پائی۔ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ بصرہ میں طاعون کی وبا پھیلی تو اس مرض میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت ہندؓ بن ہالہ کے حالات زندگی تاریخ کی کتب میں بہت کم ملتے ہیں۔

ھ و

***ہوازن، بنو:** ⇦ بنو ہوازن۔



ی

ی ث

یثرب: مدینہ کا قدیم نام۔ "یثرب" آرامی زبان کا لفظ ہے، یونانی اسے iattreppa کہتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق یہ شہر سب سے پہلے یہودیوں نے آکر بسایا تھا جو سام بن نوح کی نسل سے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل یثرب کی قبائلی تقسیم کچھ اس طرح سے تھی کہ یہود کے تقریباً ۲۱ قبیلے اور ان کی شاخیں تھیں۔ خزرج کے پانچ بڑے بطون تھے جو مزید شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اور اوس کے بطون اور ان کی شاخیں تھیں۔ اوس کے بطون کی تعداد خزرج کے بطون سے کہیں زیادہ تھی۔ ساتھ ہی مدینہ کے قدیم باشندے بھی تھے۔ اس کے علاوہ اوس و خزرج میں یہودیت کے فروغ کی وجہ سے عرب نژاد یہود کا بھی ایک بڑا طبقہ موجود تھا۔

اس زمانے میں اپنی حفاظت کے لئے آطم (جم = آطام یعنی چھوٹے قلعے) بنانے کا رواج تھا، اس لئے یثرب میں جا بجا یہ آطام تعمیر کر لئے گئے تھے۔ عام اندازے کے مطابق نبی کریم ﷺ کی آمد کے وقت یثرب میں لگ بھگ ایک سو (۱۰۰) قلعے تھے۔

یثرب کا علاقہ دو حصوں پر مشتمل تھا: عالی اور اسفل۔ عالی کی بستیاں حروں اور پہاڑوں کے اوپر جوف کے گرد دائرے کی شکل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ جب کہ اسفل کی بستیاں جوف کے وسط میں نشیبی جگہ پر تقریباً چار مربع میل علاقے پر پھیلی ہوئی تھیں۔

یثرب گنجان آباد علاقہ تھا۔ ان لوگوں کے مکانات چھوٹے اور قریب قریب ہوتے تھے۔ ہر مکان کے عام طور پر دو دروازے ہوا کرتے تھے۔ ایک سامنے کی جانب، دوسرا پیچھے کی طرف۔

یہاں پر کوئی اجتماع گاہ قائم نہ ہو سکی تھی۔

اہل یثرب کی اکثریت بت پرست اور مشرک تھی۔ سب سے بڑی دیوی منات کا بت خانہ جوف یثرب سے باہر ساحل سمندر کے نزدیک واقع تھا۔ تاہم یہود کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے بت پرستی کا زور خاصا کم ہو گیا تھا۔ اہل یثرب کے مکانات پختہ پتھر کے بنے ہوئے اور عموماً دو منزلہ ہوتے۔ زینہ کھجور کی لکڑی کا ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے اس زینے میں غالباً کوئی جدت پیدا کی کیونکہ محدثین نے آپ ﷺ کے زینے کے بارے میں لکھا ہے کہ اترتے چڑھتے یوں معلوم ہوتا گویا زمین پر چل رہے ہیں۔

یثرب میں تہہ خانوں کا بھی رواج تھا۔ یہ تہہ خانے گرمی سردی سے بچاؤ کے لئے بھی استعمال کئے جاتے تھے اور جنگ کے دوران مورچہ، پناہ گاہ اور قید خانے کے طور پر بھی ان تہہ خانوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ یثرب میں مقبرے بنانے کا رواج تھا۔ عموماً قبر پر کوئی نہ کوئی عمارت یا گنبد بنایا ہی جاتا تھا۔ مجموعی طور پر یثرب کی تعمیرات مکہ کی تعمیرات سے بہت بہتر تھیں۔

⇦ مدینہ + ہجرت مدینہ۔

ی غ

یغوث: عرب کا ایک مشہور بت جس کی پرستش مذحج اور بعض دیگر قبائل یمن کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد سرکار العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی
پیاری پیاری اور دلِ و دماغ کو سکون پہنچانے والی دُعاؤں کا مجموعہ

الدُعاءِ المسنُون

المعروف بہ شمائل کبریٰ

انسان کی چوبیس گھنٹے کی زندگی کو رحمتوں، برکتوں اور نورانی بنانے
والی مبارک دُعاوں پر مشتمل ایک نایاب کتاب جسے پڑھ کر ہر موقع
کی دعا پڑھنے اور یاد کرنے کا شوق پیدا ہو گا۔

مؤلفہ:
مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی مدظلہ العالی
استاد حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور

پسند فرمودہ:
حضرت مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہ العالی
استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

ناشر: زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد - اردو بازار - کراچی

تذکرۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تسہیل

نشر الطیب
فی
ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف

حکیم الامت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

کاوش

حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب فاروقی

استاذ مدرسہ باب الاسلام مسجد برنس روڈ کراچی

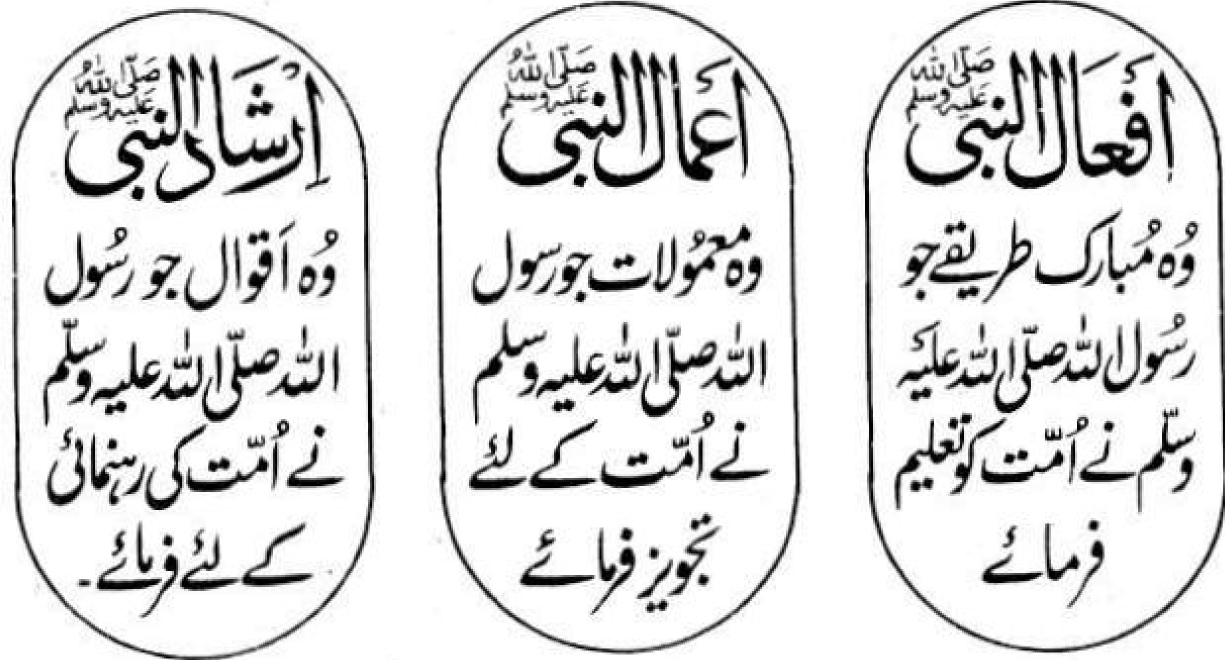
زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی

فون ۷۷۲۵۶۷۳

جدید ترتیب کے ساتھ زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

گلزارِ سنت



تالیف

عارف باللہ حضرت مولانا (میاں صاحب) سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ

محدث دار العلوم دیوبند

تہذیبِ جدید

حضرت مولانا ارشاد احمد فاروقی

اُستاذ مدرسہ باب الاسلام مسجد برنس روڈ کراچی

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی

فون ۷۷۲۵۶۷۳

اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنتوں کا بیان
محبوبِ خدا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری سُنتیں

المعروف بہ

شمائلِ کُبریٰ

(حصہ اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم)

اور چوبیس گھنٹے کی زندگی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُبارک اور نورانی طریقوں اور اعمال پر مشتمل ایک نایاب کتاب جسے پڑھ کر دِلوں میں سُنتوں کے اپنانے کا شوق پیدا ہوگا۔

مؤلفہ:
مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی مدظلہ العالی
استاد حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور

پسند فرمودہ:
حضرت مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہ العالی
استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی
فون ۷۷۲۵۶۷۳

جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن

بیشک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔
(القرآن)

البَشِیرُ وَالنَّذِیرُ

ترجمہ و تشریح

التَّرغِیبُ وَالتَّرهِیبُ

(حصہ اول، دوم، سوم مکمل سیٹ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیثِ مبارکہ کا عربی متن و ترجمہ اور ضروری فوائد کے ساتھ فضائل کا وہ مستند ذخیرہ جس میں نیک اور بھلے اعمال پر دنیا و آخرت میں فوائد اور کوتاہی سے آنے والے نقصانات کا ذکر ہے جس کے پڑھنے سے ایک مسلمان کے دل میں نیکیوں کی رغبت اور گناہوں کی نفرت بیٹھتی ہے۔

تصنیف
حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ
ترجمہ: مولانا محمد عثمان، مقیم مدینہ منورہ
پیش لفظ: حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی رحمہ اللہ

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی
فون ۷۷۲۵۶۷۳

درود پاک کے دینی اور دنیاوی فضائل و برکات، جمعہ کے دن اور
مخصوص ایّام و اوقات کے دوران پڑھے جانے والے درود اور اُن کے فضائل

زادُ الابرار فی الصلوٰۃ علی النبیِّ المختار

المعروف بہ

خزینۂ درود شریف

دُرود پاک کے چالیس مسنون و مُستند صیغے
مزید افادیت کے لئے اخیر میں ستّر استغفار
اور ذریعۃ الوصول کا منزل کی صورت میں اضافہ
صحابۂ کرام، تابعینِ عظام اور اولیاء اقطاب سے منقول دُرود شریف

تالیف
مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد۔ اُردو بازار۔ کراچی
فون ۷۲۵۶۷۳ ۷۷